وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

صَحِيحُ الْبُخَارِي

مؤلّفہ

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

ترجمہ و شرح

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

تحقیق و تفحص

جناب شبیر احمد صاحب ثاقب

جلد اوّل

نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

www.alislam.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آخری زمانہ میں نازل ہونے والے مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ نے حَکَم وعدل قرار دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کر کے امت محمدیہ کے مختلف فرقوں کی افراط وتفریط کو ختم کر کے امت کو ایک بار پھر صراط مستقیم پر ڈال دیں گے۔

حدیث کا مقام

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۸۳۵-۱۹۰۸ء) نے آنحضرت ﷺ کی کامل متابعت میں مہدی معہود اور مسیح موعود کا مقام پایا اور بطور حَکَم اپنی کتاب کشتی نوح میں تحریر فرمایا:-

میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلّی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن ہے۔ جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے......

دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھلائے۔ مثلاً نماز پڑھ کے دکھلائی کہ یوں نماز چاہیے اور روزہ رکھ کر دکھلایا کہ یوں روزہ چاہیے۔ اس کا نام سنت ہے یعنی روش نبوی جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھلاتے رہے۔ سنت اسی کا نام ہے۔

تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ جو آپ کے بعد آپ کے اقوال جمع کئے گئے اور حدیث کا رتبہ قرآن اور سنت سے کمتر ہے کیونکہ اکثر حدیثیں ظنی ہیں لیکن اگر ساتھ سنت ہو تو وہ اس کو یقینی کر دے گی۔ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶ مع حاشیہ)

پھر اسی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:-

ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے کیونکہ بہت سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھول کر بیان کرتی ہیں۔ اور نیز بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے۔ جن لوگوں کو ادبِ قرآن نہیں دیا گیا وہ اس موقع پر حدیث کو قاضی قرآن کہتے ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں نے اپنی حدیثوں کی نسبت کہا۔ مگر ہم حدیث کو خادمِ قرآن اور خادمِ سنت قرار

دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادموں کے ہونے سے بڑھتی ہے۔قرآن خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ کا فعل اور حدیث سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے......پس حدیث کا قدر نہ کرنا گویا ایک عضوِ اسلام کا کاٹ دینا ہے۔ ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں ردّ کرنا پڑتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہیں کرے گا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہیں۔ بہرحال احادیث کا قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ چاہیے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترک فعل۔ مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۶۱ تا ۶۳)

پھر فرماتے ہیں:-

ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر ایسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۲۲)

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن وسنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں...... وسط کا طریق اپنا مذہب سمجھ لیں یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلی حدیثوں کو اپنا قبلہ وکعبہ قرار دیں جس سے قران متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے اور نہ ایسے طور سے ان حدیثوں کو معطل اور لغو قرار دے دیں جن سے احادیث نبویہ بکلی ضائع ہو جائیں۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)

قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں اتباع کریں۔ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصحّ الکتب مانتے ہیں۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

صحیح بخاری کا مقام:

حضرت محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ) کا مایہ ناز مجموعہ احادیث **الجامع الصحیح المسند** آپ کی سولہ سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اس عرصہ میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایسے نیک شہرت اور صاحب کردار لوگوں سے......احادیث جمع کیں اور پھر ان میں سے......احادیث کا انتخاب فرما کر اپنی کتاب میں انہیں درج فرمایا۔ حضرت امام بخاریؒ سے قریباً نوے ہزار شاگردوں نے براہِ راست بخاری پڑھی۔ ان تلامذہ میں سے امام بخاریؒ سے ان کی صحیح کو روایت کرنے والے چار شاگرد مشہور ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی (متوفی ۲۹۴ھ) ۲۔ حماد بن شاکر النسوی (متوفی ۲۹۰ھ)

۳۔ محمد بن یوسف الفربری (متوفی ۳۲۰ھ) ۴۔ منصور بن محمد بن علی البزدوی (متوفی ۳۲۹ھ)

ان میں سے محمد بن یوسف فربریؒ کے پاس امام بخاریؒ کے اپنے دستِ مبارک کا تحریر کردہ نسخہ تھا۔ اُن کے شاگردوں میں سے چار نے اس نسخہ سے آگے نقول تیار کیں جو اُن کے ناموں مستملی، مروَزِی، سرخسی اور کشمیہنی سے معروف ہوئے۔ اس طرح بخاری کے مزید کئی نسخے تیار ہو کر عالمِ اسلام میں متداول ہوئے۔ جن کی تعداد سترہ یا اٹھارہ بیان کی جاتی ہے۔ بخاری کے نسخوں کا تعارف اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ کسی ایک نسخہ سے ایک لفظ پڑھ کر دیگر نسخوں کو دیکھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ بخاری میں یہ الفاظ نہیں مثلاً ایک نسخہ میں **يَضَعُ الْحَرْب** کے الفاظ ہیں جبکہ دوسرے میں اس جگہ **يَضَعُ الْجِزيَة** کے الفاظ ہیں۔ (بخاری - کتاب الانبیاء - باب نزول عیسیٰ ابن مریم - روایت نمبر ۳۴۴۸) **يَضَعُ الْحَرْب** والے نسخہ کو دیکھے بغیر ایسے لوگ ان الفاظ کا انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حوالہ غلط دیا گیا ہے جبکہ عدمِ علم سے عدمِ شئے لازم نہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں بخاری کے مختلف نسخوں میں پائی جاتی ہیں، جو صاحبِ علم سے مخفی نہیں۔

صحیح بخاری کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام میں بہت مقبولیت عطاء فرمائی۔ چنانچہ اہل سنت کے نزدیک یہ **اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ** قرار پائی اور صحاح ستہ میں اسے پہلے مقام پر رکھا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے:-

> مسلمانوں کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے......ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابیں بہت سے معارف اور مسائل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۶۵)

ایک اور موقع پر فرمایا:-

> بخاری کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برکت اور نور ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہیں۔ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۴۸)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جامع صحیح کو **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** تسلیم کرنے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے مقابل پر صحیح بخاری اور مسلم کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے:-

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں ہوتی تھی۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۱۵)

امام بخاری اور مسلم کی عظمت شان اور ان کی کتابوں کا امت میں قبول کیا جانا اگر مان بھی لیا جائے تب بھی اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ کتابیں قطعی اور یقینی ہیں کیونکہ امت نے ان کے مرتبہ قطع اور یقین پر ہرگز اجماع نہیں کیا۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۹۸)

نیز تحریر فرمایا:-

اگر کوئی حدیث نصوص بینہ قطعیہ صریحۃ الدلالت قرآن کریم سے صریح مخالف واقع ہو گو وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی میں ہرگز اس کی خاطر اس طرز کے معنی کو جس سے مخالفت قرآن لازم آتی ہے قبول نہیں کروں گا۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۱۰۰)

بخاری کتاب الطب باب السحر میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں نعوذ باللہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادداشت متاثر ہوگئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے جب اس کا ذکر کیا گیا تو حضورؑ نے فرمایا:-

آنکھ بند کرکے بخاری اور مسلم کو مانتے جانا یہ ہمارے مسلک کے برخلاف ہے۔ یہ تو عقل بھی تسلیم نہیں کرسکتی کہ ایسے عالی شان نبی پر جادو اثر کر گیا ہو...... معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبیث آدمی نے اپنی طرف سے ایسی باتیں ملادی ہیں۔ گو ہم نظر تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں لیکن جو حدیث قرآن کریم کے برخلاف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اُس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا۔ مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے۔ وہ جمع کرنے کا وقت تھا لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے۔ آثار نبی جمع کرنا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جمع کرنے والے خوب غور سے کام نہیں لے سکتے۔ اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ خوب غور اور فکر سے کام لے جو ماننے والی ہو وہ مانے اور جو چھوڑنے والی ہو وہ چھوڑ دے۔ (ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۳۴۸، ۳۴۹)

جماعت احمدیہ میں علم حدیث کی ترویج:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور عملی نمونہ کی اتباع میں جماعت احمدیہ میں قرآن کریم کے بعد حدیث کو افراط وتفریط سے بچ کر اس کا صحیح مقام دیا گیا ہے۔ خاص طور پر صحیح بخاری کے درس و تدریس کا سلسلہ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی شروع فرمایا تھا اور اپنی وفات سے پہلے جو وصیت تحریر کروائی تھی اس میں لکھا تھا: قرآن اور حدیث کا درس جاری رہے۔(۴ مارچ ۱۹۱۴ء) آپ کو اس بات کا بہت احساس تھا کہ صحیح بخاری کا ترجمہ اور ضروری مقامات کی تشریح جماعت کی طرف سے شائع ہو۔ ایک دفعہ صحیح بخاری کے درس کے دوران فرمایا:-

> جو ترجمہ صحیح بخاری درس حدیث میں احباب کے سامنے ہوتا ہے وہ ترجمہ مولوی وحید الزمان کا ہے جو لاہور اور امرتسر میں چھپا ہے۔ اس کا اشتہار اخبار بدر میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس کے سوائے اور کوئی ترجمہ بین السطور نہیں ہے۔ مولوی وحید الزمان سلسلہ کا سخت دشمن ہے اور اس نے جا بجا اپنے حاشیہ میں خواہ مخواہ ہم کو گالیاں دی ہیں۔ لیکن جب تک وہ وقت نہ آجائے کہ ہمارے اپنے ترجمے اور حاشیے چھپیں تب تک ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان لوگوں کی گالیوں سے ڈر کر بخاری کے ترجموں کو پڑھنا چھوڑ دیں...... اصل بخاری اور اس کے ترجمہ میں تو کوئی دخل ہی کیا دے سکتا ہے باقی رہے حواشی سو خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَاکَدَرَ پر عمل کرنا چاہیے۔

(بدر ۷ اگست ۱۹۱۳ء درس حدیث صحیح بخاری صفحہ ۶)

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری درساً حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے پڑھی تھی۔ آپ کو بھی باوجود اپنی گوناں گوں مصروفیات کے اس ضرورت کا بہت احساس تھا کہ جماعت میں حدیث کی تعلیم عام ہو۔ چنانچہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جامع صحیح بخاری کے ترجمہ اور تشریح کا کام حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تو فرمایا:-

> ''بہت سے ضروری کام ہیں جو کرنے کے ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کے ترجمہ اور اس کی شرح کا کام بھی نہایت ضروری اور اہم ہے۔ اگر ہم نے نہ کیا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا اور جو آپ کے فیضان سے براہ راست مستفیض نہیں ہوئے۔ غیروں کے تراجم اور حواشی رہ جائیں گے اور پھر جو اناپ شناپ لکھا ہوا ہوگا اسی پر دارومدار ہوگا اور پھر بعد از وقت اعتراضوں کو دیکھ کر ادھر ادھر کے جوابوں کی سوجھے گی۔ (دیباچہ جلد ہذا صفحہ ۴۷)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کے ارشاد کی تعمیل میں صحیح بخاری کے ترجمہ وشرح پر کام شروع کردیا۔ لیکن ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ جماعت احمدیہ کا انتہائی ہنگامہ خیز دور تھا۔

جس میں جماعت کو بیک وقت مختلف محاذوں پر جدوجہد کرنی پڑی۔ آریہ سماج کی طرف سے شدھی کی تحریک' مسلمانانِ کشمیر کے لئے بنیادی انسانی حقوق کے حصول کی جدوجہد' احرار کے فتنہ کی سرکوبی' تحریک جدید کا آغاز اور بیرونی ممالک میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے مشنز کا قیام' ہندوستان کے لئے آزادی کی تحریک اور اس میں خصوصی طور پر مسلمانانِ ہند کی راہنمائی اور پھر تقسیم ملک کے جملہ مسائل کے حل میں جماعت احمدیہ کو مصروف رہنا پڑا۔ ان تمام مہمات میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ صف اول کے کارکنوں میں شامل تھے۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب بخاری کے ترجمہ وشرح پر کام کے لئے یکسوئی کے ساتھ وقت نہ دے سکے۔ تاہم ان مصروفیات کے باوجود دو پارے مکمل ہو کر ادارہ تالیف وتصنیف بکڈپو قادیان کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد اس کی اشاعت کا کام ادارۃ المصنفین کے سپرد ہوا جس کے مینجنگ ڈائریکٹر حضرت مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب فاضل تھے۔ چنانچہ آپ کی نگرانی میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۶ء تک کے سولہ سالوں میں صحیح بخاری کے ترجمہ وشرح کے پندرہ پاروں تک کی اشاعت ہوئی۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے اپنی وفات ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء تک ۱۹ پاروں کے ترجمہ اور شرح کا کام مکمل کر لیا تھا اور اگلے پاروں کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا تھا۔ آپ کی وفات پر اس کی اشاعت حضرت مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کے سپرد ہوئی۔ ۱۹۸۳ء میں بعض حالات کی بناء پر ادارۃ المصنفین کو بند کرنا پڑا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری کا یہ زیر تکمیل کام نظارت اشاعت کے سپرد فرمایا۔ نظارت کے زیر اہتمام حضرت مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے اگلے پاروں پر کام جاری رکھا۔ مولوی صاحب کی وفات کے بعد نظارت اشاعت کی درخواست پر ناظر اعلیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے ۲۰۰۲ء میں یہ سارا کام جناب شبیر احمد صاحب ثاقب صدر شعبہ حدیث جامعہ احمدیہ ربوہ کے سپرد فرمایا۔

محترم ثاقب صاحب نے اپنے مستقل فرائض کی ادائیگی اور دیگر جماعتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ نہایت شوق' اخلاص' محنت اور لگن سے صحیح بخاری کا یہ کام شروع کیا۔ کام کی وسعت کے پیش نظر حضور انور نے از راہِ شفقت آپ کی معاونت کے لئے سید عطاء اللہ مجیب صاحب مربی سلسلہ متخصص فی الحدیث کو مقرر فرمایا۔ انہوں نے بھی محنت اور لگن سے اس کام میں معاونت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ کلیم احمد صاحب طاہر مربی سلسلہ کل وقتی طور پر اس کی کمپوزنگ پر کام کر رہے ہیں۔ مختلف مراحل میں اس متبرک کام میں اساتذہ جامعہ احمدیہ اور علم حدیث میں تخصص کرنے والے طلباء بھی مدد کرتے رہے ہیں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دوسری جلد بھی طباعت کے لئے تیار ہے اور امید کی جاتی ہے کہ خلافت جوبلی سال ۲۰۰۸ء میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ **ان شاء اللہ۔**

نور فاؤنڈیشن کا قیام:

حال ہی میں حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لئے حضرت حاجی الحرمین حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے نام پر نور فاؤنڈیشن قائم فرمائی ہے جو صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ نیز مسند احمد بن حنبل کا پہلے مرحلہ میں اردو میں ترجمہ کرے گی۔ (تاہم بخاری کا کام حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے حسب سابق نظارت اشاعت ہی کرے گی۔) اور پھر ان کتب کا دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوگا۔ اس فاؤنڈیشن نے جناب سید میر محمود احمد صاحب ناصر پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ کی سربراہی میں کام شروع کر دیا ہے۔

بخاری کے اس ایڈیشن کی خصوصیات:

ا۔ موجودہ ایڈیشن میں پہلے طبع شدہ حصہ پر نظر ثانی، حوالہ جات کی تصحیح و تکمیل کے علاوہ متن کے جن حصوں کا ترجمہ سہواً رہ گیا تھا ان کا ترجمہ دیا گیا ہے اور ترجمہ میں جو الفاظ تشریحی تھے انہیں بریکٹ میں کر دیا گیا ہے

۲۔ جن مقامات پر متن اور ترجمہ میں فرق دکھائی دیتا تھا ایسے مقامات کو صحیح بخاری کے مختلف نسخوں اور شروح سے موازنہ کر کے متن کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ عالم اسلام میں موجودہ متداول نسخوں میں جس نسخہ کو ہم نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ و شرح کے قریب تر پایا ہے وہ فتح الباری (مطبوعہ دار السلام-الریاض) کا متن اور حاشیہ ہے جس میں فتح الباری کے مختلف نسخوں کا فرق بھی درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر عمدۃ القاری، فتح الباری مطبوعہ بولاق (۱۳۰۱ھ) فتح الباری مطبوعہ انصاریہ (۱۳۱۰ھ) اور نسخہ سلطانیہ سے الفاظ کا تفحص کر کے حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دیباچہ (صفحہ ۱۷) میں بخاری کی احادیث کی تعداد کے بارے میں ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق کو قبول کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے شمار میں نہایت ضبط سے کام لیا ہے اور ہر ایک قسم حدیث جدا جدا گنی ہے۔ لہٰذا حوالہ جات میں سہولت کے پیش نظر اس ایڈیشن میں احادیث اور ابواب پر فتح الباری کے مطابق نمبر لگائے گئے ہیں۔

نیز چونکہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ہر حدیث کو الگ الگ گنا ہے اس لئے بعض احادیث جو بظاہر ایک نظر آتی ہیں ان پر دو الگ الگ نمبر لگائے گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک ہی روایت دو صحابہؓ سے مروی ہے اور چونکہ ان کی یہ مرویات الگ الگ سندوں سے بھی بخاری میں دوسری جگہ آئی ہیں اس لئے امام ابن حجرؒ نے ان کو دو احادیث کے طور پر شمار کیا ہے (مثلاً حدیث نمبر ۴۰۸، ۴۰۹)

علاوہ ازیں ایک روایت پر دو الگ الگ نمبر لگانے کی ایک صورت ایسی بھی ہے کہ جہاں سند دوبارہ نہیں ہے اور روایت درمیان سے نئے نمبر سے شروع ہوگئی ہے (مثلاً حدیث نمبر ۵۳۶، ۵۳۷۔ اس میں راوی تو ایک ہی

ہیں یعنی حضرت ابوہریرہؓ۔لیکن ان کی وہ بات جو نمبر ۵۳۷ کے تحت درج ہے وہ بخاری ہی میں ایک الگ سند کے ساتھ ایک الگ واقعہ کے طور پر مذکور ہے۔)

نیز بعض ابواب پر نمبر درج نہیں ہیں۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ بخاری کے بعض نسخوں میں الگ باب کے طور پر درج نہیں ہیں بلکہ گزشتہ باب کے تسلسل میں ہی عبارت ہے۔(مثلاً کتاب الایمان باب ۲۲ اور اس سے اگلا باب' کتاب الحیض باب ۱ اور اس سے اگلا باب)

۴۔متن یا شرح میں قرآن کریم کی جن آیات کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہیں کیا تھا ان کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمۃ القرآن سے دے دیا گیا ہے۔

۵۔طویل تشریحات میں مضمون کے اعتبار سے ذیلی عناوین (Sub Headings) قائم کئے گئے ہیں۔تاکہ متعلقہ حصہ دیکھنے میں آسانی ہو۔مگر یہ ذیلی عناوین احادیث و ابواب کے متعلقہ ٹکڑوں سے ہی ماخوذ ہیں۔

۶۔پہلے ایڈیشن میں بعض ابواب کی تشریح اکٹھی دی گئی تھی اس ایڈیشن میں اسے متعلقہ باب اور حدیث کے ساتھ دیا گیا ہے تاکہ قاری حدیث کے مضمون کو بآسانی سمجھ سکے۔

۷۔بعض مقامات پر متن کے مشکل الفاظ کے معنی لغت سے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں تا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو۔نیز بعض جگہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے اقتباسات بھی شامل کئے گئے ہیں۔

۸۔اس ایڈیشن میں اطراف الحدیث بھی دی جارہی ہے تاکہ ایک حدیث کو مختلف متون اور اسناد سے دیکھا جاسکے۔

والسلام

سید عبدالحی

ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فہرست

۳۔ کِتَابُ الْعِلْمِ ۱۱۵

٤۔ کِتَابُ الْوُضُوْءِ ۲۱۹

۵۔ كِتَابُ الْغُسْلِ ۳۳۳

٦۔ كِتَابُ الْحَيْضِ ۳۸۳

۷۔ كِتَابُ التَّيَمُّمِ ۴۳۰

۸۔ كِتَابُ الصَّلٰوةِ ۴۵۱

۹۔ كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر سوانح حیات

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ رضی اللہ عنہ

ولادت: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ سادات خاندان کے درخشندہ ستارے تھے۔ آپ کی پیدائش اپنے آبائی وطن موضع سہالہ چوہدراں ضلع راولپنڈی میں ۱۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہوئی اور پرورش رعیہ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی جہاں آپ کے والد محترم حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب رضی اللہ عنہ ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۰۱ء میں احمدیت قبول کی۔ آپ نہایت متوکل، عابد، زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، آپ کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو بہت برکت بخشی اور خدمت دین کی توفیق دی نیز آپ کے خاندان کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت خاندان کے ساتھ ہو گیا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت ام طاہر سیدہ مریم النساء صاحبہ ۱۹۲۱ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے عقد میں آئیں۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کے متعلق فرمایا:

"ہم کو بھی ان پر رشک آتا ہے۔ یہ بہشتی کنبہ ہے۔"

(سیرۃ المہدی۔ حصہ سوم۔ روایت نمبر ۵۶۳)

بیعت: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے پانچویں جماعت تک تعلیم نارووال مشن ہائی سکول میں حاصل کی اور ۱۹۰۳ء میں قادیان آکر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔ آپ نے انہی دنوں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی۔

صحبتِ صالحین کے ثمرات: ۱۹۰۳ء سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال تک آپ کو پانچ سال حضور کی پاک صحبت سے فیض پانے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں مسجد مبارک میں نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ انتظار میں رہتے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر نکلیں تو آپ کی صحبت سے مستفید ہوں۔ حضرت سید زین العابدین

ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:-

ایک دن دس بجے کے قریب مدرسہ احمدیہ (جو اُس وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول تھا) اُس کے صحن میں کھڑا تھا کہ چھوٹی مسجد سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز آئی۔ میں وہاں پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں: ایک شخص امرتسر سے تحقیق کے لیے آیا ہوا ہے اور حضور اس کی خاطر سے تشریف لائے ہیں اور پانچ چھ اور آدمی وہاں جمع ہیں۔ اس نے سوال کیا کہ آپ کی بیعت یا صحبت سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے جوش کی حالت میں تقریر فرمانے لگے۔ دورانِ تقریر میں بہت ہی گونجتی ہوئی بلند آواز سے فرمایا کہ **ایک بچہ جس نے ایک ہفتہ بھی میری صحبت میں گذارا ہے، وہ مشرق اور مغرب کے مولویوں کو شکست دے سکتا ہے اور اپنے اندر وہ تاثیر رکھتا ہے جو اُن مولویوں میں نہیں۔** اس پر آپ کی آنکھیں سُرخ تھیں اور حضور میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری عمر اُس وقت سترہ سال کی ہو گی۔ اس وقت اس مجلس میں میرے سوا اور کوئی بچہ نہ تھا اور اس وقت میں نے یہ دعا کی کہ الٰہی حضور کے اس قول کا ہی مصداق بنوں۔ اس دُعا کرنے کو میں نے اس لیے غنیمت سمجھا کہ میں نے سُنا ہوا تھا کہ اولیاء اللہ کی نظر ایک منٹ میں وہ کچھ کر سکتی ہے کہ سینکڑوں سال کی محنت واعمال وہ نہیں کر سکتے اور میرا یہ یقین ہے کہ اس وقت جو مجھے مشرق و مغرب میں (دعوتِ الی اللہ) کی توفیق ملی اور بڑے سے بڑے عالم اور بڑے سے بڑے امیر نے میری باتوں کو سن کر میرے ہاتھوں کو چوما ہے، وہ محض مسیح موعودؑ کی اس نظر کی برکت سے تھا۔''

(مأخوذ از: حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب. باب سوم: ذکر حبیب، زیر عنوان ''صحبتِ صالحین کے ثمرات''۔ صفحہ ۱۰۱-۱۰۲)

ایک بار آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنکھا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ حضور اُس وقت بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحب کو ایک مرتبہ کبڈی کھیلتے ہوئے دائیں گھٹنے پر سخت چوٹ آ گئی تھی۔ آپ کے والد محترم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں صحت کے لیے دعا کی درخواست کرتے رہتے تھے، چنانچہ حضور نے میٹھے تیل اور کافور کی مالش کرنے کا ارشاد فرمایا اور آپ کی ٹانگ خدا کے فضل سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے ٹھیک ہوگئی۔

۱۹۰۸ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے والد صاحب کے منشاء کے مطابق ڈاکٹری تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایف ایس سی کلاس میں (گورنمنٹ کالج لاہور میں) داخل ہوئے۔ لیکن ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا:-

''جتنی انگریزی کی ہمیں ضرورت ہے اُتنی آپ نے پڑھ لی ہے۔اب نورالدین کی شاگردی اختیار کریں۔جس راستے پر نورالدین چلائے گا اُس میں آپ کے لیے کامیابی ہے۔'' (حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب. باب دوم: خودنوشت حالاتِ زندگی۔ صفحہ ۱۹)

حضور کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے آپ حضور کے قدموں میں حاضر ہو گئے اور قرآن مجید کے درس سے استفادہ کیا۔اسی طرح حضور کے ارشاد پر حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ سے **قواعد اللغة العربیه** یعنی صرف ونحو، عربی ادب اور اصولِ شاشی اور حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب ہلال پوری سے علمِ منطق پڑھا۔نیز حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے مؤطا امام مالک اور پھر صحیح بخاری اور فوز الکبیر درساً پڑھی۔طالب علمی کے زمانہ ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر کتب پڑھنے کا بھی موقع ملا۔(ماخوذ از حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب. باب دوم: خودنوشت حالاتِ زندگی۔ صفحہ ۱۹)

عہدوقفِ زندگی:

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مدرسہ احمدیہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس سے کچھ دیر قبل ٹی۔آئی ہائی سکول کے طلباء کو وقفِ زندگی کی تحریک فرمائی۔حضرت شاہ صاحبؓ نے وقف کی نیت کر کے اسی وقت سے دُعائیں شروع کر دیں۔لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر جب آپ حضورؑ کی آخری زیارت کر کے کمرے سے باہر نکلے تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعودؓ نے فرمایا:

''میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ساری جماعت تجھے چھوڑ دے تو میں تیرے کام کی تکمیل کے لیے اپنی جان (قربان کرنے) سے دریغ نہ کروں گا۔''

اس مفہوم کے الفاظ تھے۔آپ نے متعدد بار (کہہ کر) اپنے اس عہد کا ذکر کیا اور اس وقت حضرت شاہ صاحبؓ سے بھی فرمایا کہ وہ بھی یہ عہد کریں۔اس پر انہوں نے عرض کیا: میں نے (یہ عہد کر لیا ہے۔) غرض پہلے وقف کے لیے نیت اور دُعائیں تھیں اور اب اس آخری الوداعی زیارت کے وقت پر اقرارِ وقف۔

(ماخوذ از حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب. باب دوم: خودنوشت حالاتِ زندگی۔ صفحہ ۲۰)

تحصیل علم کے لئے مصر کو روانگی:

حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر آپ ۱۹۱۳ء میں حصولِ تعلیم کے لیے مصر اور بعض دیگر عرب اسلامی ممالک کے لیے روانہ ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے دعا کے ساتھ الوداع کیا۔آپ قاہرہ پہنچے لیکن زیادہ دیر تک وہاں قیام نہ کر سکے اور عربی کی تدریس کے لئے بیروت اور بعد ازاں حلب چلے گئے، جہاں آپ نے اعلیٰ پایہ کے اساتذہ سے تحصیل علوم کی۔آپ کے اساتذہ میں الشیخ ہاشم الشریف الخلیل البیروتی، علامہ الشیخ بشیر الغزی الحلبی اور الشیخ صالح الرافعی الطرابلسی زیادہ مشہور ہیں۔ان اساتذہ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؓ فرمایا کرتے تھے: میں اس گھڑی کو ہر وقت یاد کرتا ہوں جب میرے یہ استاد مجھے پڑھایا کرتے تھے۔تاریک رات، موسلا دھار بارش، غضب کی ٹھنڈک اور سردی اور نیند کا شدید غلبہ

بعض اوقات رات کے بارہ بج جاتے مگر یہ اساتذہ مجھے پڑھانے کی انتہائی خواہش رکھتے تا کہ میں اپنی تعلیم کی جلدی سے تکمیل کر سکوں اور وہ یہ کام بغیر معاوضہ کے کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ وہ مجھ میں خیر و برکت کو دیکھ رہے ہیں۔

اسی اثناء میں آپ کو سات ماہ تک ایک ترکی رسالہ میں بھی خدمت کا موقع ملا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے وسیع مطالعہ کا انتظام بھی کیا جاتا رہا۔ بعد ازاں آپ نے بیت المقدس میں امتحان دیا اور اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوئے۔ پھر صلاح الدین ایوبیہ کالج بیت المقدس میں بطور پروفیسر تاریخ الادیان مقرر ہوئے۔ جہاں انگریزی اور اُردو مضامین کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ فن تعلیم و تدریس میں وزارتِ تعلیم استنبول کی طرف سے منعقدہ امتحان مقابلہ میں آپ اوّل آئے اور آپ نے تمغہ مجیدی اور پچاس اشرفیاں انعام میں حاصل کیں اور شام کی یونیورسٹی سے وزیر تعلیم کے دستخطوں کے ساتھ سند حاصل کی۔ بعد ازاں آپ سلطانیہ کالج کے وائس پرنسپل مقرر ہوئے اور علم النفس اور علم الاخلاق کے مضامین بھی آپ کو پڑھانے کا موقع ملا۔

مکرم شاہ صاحبؓ کے زمانہ قیام بیروت میں عثمانیہ حکومتِ ترکیہ؛ فلسطین، اردن، شام اور لبنان پر حکمران تھی۔ جنگ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ مکرم شاہ صاحبؓ نے ترکی حکومت کا ساتھ دیا اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے خاتمہ پر آپ کو اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخر میں جنرل ایلن بی کے حکم سے برٹش ملٹری نے حراست میں لے لیا اور بطور جنگی اور سیاسی قیدی قاہرہ لے جایا گیا۔ مئی ۱۹۱۹ء کے اواخر میں آپ کو لاہور لایا گیا۔ آپ کے لاہور پہنچنے پر جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو آپ کا علم ہوا تو حضور کی کوششوں سے آپ قید سے آزاد ہوئے اور قادیان پہنچے اور آپ کو نظارت امور عامہ کا کام سپرد کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء تک سلسلہ احمدیہ کی مختلف نظارتوں پر فائز رہے۔ نیز آخری ایام تک سلسلہ کی خدمات بجالاتے رہے۔

بلادِ عربیہ کی طرف دوبارہ سفر:

۱۹۲۴ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ لندن تشریف لے گئے تو راستے میں دمشق میں بھی آپ نے قیام فرمایا۔ وہاں کے ادیب علامہ عبدالقادر مغربی نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے کہا کہ ہمارا ملک دین سے خوب واقف ہے۔ عربی ہماری زبان ہے؛ یہاں آپ کی تبلیغ بے اثر ثابت ہوگی۔ حضور نے فرمایا کہ میں اپنے ملک میں واپس جا کر پہلا کام یہ کروں گا کہ آپ کے ملک میں مبلغ بھجواؤں گا۔ چنانچہ حضور نے اس وعدہ کے مطابق ۱۹۲۵ء میں مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بلادِ عربیہ میں تبلیغ کے لئے دمشق بھیجا اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کو آپ کے ساتھ یہ جائزہ لینے کے لیے بھیجا کہ بلادِ عربیہ میں ہمیں کس رنگ میں تبلیغ کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے وہاں چھ ماہ تک قیام کیا۔ ایک معزز خاندان میں وہاں آپ نے شادی بھی کی۔ آپ کے برادرِ نسبتی السید احمد فائق الساعاتی محکمہ پولیس میں ایک کلیدی عہدے پر فائز تھے۔ آپ نے دورانِ قیام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب کشتی نوح کا ترجمہ کیا اور ایک کتاب بعنوان **حیاۃ المسیح ووفاتہٗ** شائع کی اور اسی طرح تبلیغی امور کا جائزہ لینے کے بعد قادیان تشریف لائے۔

کشمیر کے مسلمانوں کیلئے خدمات: ۱۹۳۱ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کشمیر کے مسلمانوں کو حقوق دلانے کے لیے جدوجہد شروع فرمائی۔اس ضمن میں حضور نے جماعتِ احمدیہ کے جن دوستوں کو کشمیر بھجوایا اُن میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ بھی تھے۔حضرت شاہ صاحب موصوف نے نہایت ہی کٹھن کام کئے اور اس ضمن میں دشوار گزار علاقوں میں پیدل سفر کر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کی۔جس کا مفصل ذکر تاریخِ احمدیت جلد ششم (صفحات ۲۱۰ تا ۶۳۰) میں ہو چکا ہے۔فجزاہ اللّٰہُ اَحسَنَ الجزاءِ. اسی اثناء میں کہ آپ کشمیر کے دور دراز علاقوں میں سفر پر تھے،آپ کھانسی سے بیمار ہوئے اور معجزانہ طور پر آپ کو اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

معجزانہ شفاء: ''میں راولپنڈی سے قادیان پہنچا۔معلوم ہوا کہ پلورسی کا عارضہ ہے۔میرے دوست ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب میرے معالج تھے اور میرے بھائی ڈاکٹر میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحبؓ ملتان میں تھے۔انہیں مجھ سے بہت محبت تھی میری بیماری کا سن کر مع بیوی قادیان آئے۔انہوں نے حالت دیکھ کر Lumbri Puncture کا علاج تجویز کیا۔اس ذریعہ سے پھیپھڑوں کے پردہ سے پانی نکالا جارہا تھا کہ پچکاری کی سوئی جلد میں ٹوٹ گئی۔ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نئی سوئی شفا خانہ نور سے لے آئے۔میں اُن دنوں اپنے مکان دارالانوار میں تھا۔جمعہ کا دن تھا، سوئی نکالی گئی اور کچھ پانی بھی نکلا۔لیکن میری حالت دگرگوں ہوگئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو علم ہوا تو آپ مع خاندان تشریف لائے۔حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا،سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ اور سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ رضی اللہ عنہا دیکھ کر سخت رنج میں ڈوب گئیں۔بھائی نے آبدیدہ ہوکر دیوار سے سہارا لیا۔نبض کی حالت دیکھ کر مایوسی طاری تھی۔اسی اثناء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایک دوسرے کمرے میں دُعا کے لیے الگ ہوگئے۔ادھر وہ دعا میں تھے،ادھر میں اپنے عزیز واقرباء کو بے بسی میں دیکھ رہا تھا۔میں نے اچانک دیکھا کہ فضائے بالا سے فرشتوں کا اُتار چڑھاؤ ہے۔ان میں سے کسی نے میرے دل کو تھاما اور کسی نے پھیپھڑوں کو اور ایک نے شیشہ کا گلاس میرے سامنے پیش کیا۔اس میں آبِ زلال تھا اور جلی حروف میں گلاس پر ''سَلَامٌ'' لکھا تھا۔میں نے وہ پیا۔یہ سب عین بیداری میں واقعہ ہوا جبکہ میں دوسروں کو دیکھ رہا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو بحالتِ دعا مکاشفہ ہوا اور آپ کو تسلی دی گئی کہ فکر نہ کریں شاہ صاحب سلامت ہیں۔آپ نے ام طاہر احمد صاحبہ سے اس کا ذکر کیا اتنے میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے نبض دیکھی تو وہ بحالتِ صحیحہ چل رہی تھی اور میں روبصحت تھا۔دو مختلف جگہوں میں دو مشاہدوں کا ایک ہی وقت میں مظاہرہ ہوا؛ جو کُنْ فَیَکُوْنُ کی تخلیق کا نمونہ تھا جو اس زمانۂ دہریت وکفر میں دکھایا گیا۔''

رہائی کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کی رؤیا: ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو پولیس نے قادیان میں جن احمدیوں کو گرفتار کیا اُن میں حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؓ بھی تھے۔آپ ۱۴۔ستمبر ۱۹۴۷ء کو نظر بند ہوئے اور کئی ماہ تک گورداسپور جالندھر کی جیل میں صبر آزما مشکلات کا

سامنا کرنے کے بعد اپریل ۱۹۴۸ء میں بین المملکتی معاہدہ کے مطابق جالندھر سے پاکستان منتقل ہوئے اور رہا کر دیے گئے۔جن دنوں حضرت شاہ صاحبؓ قید کی تکلیف کاٹ رہے تھے۔سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا کہ سید ولی اللہ شاہ صاحب آئے ہیں اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے ہیں۔انہوں نے صرف قمیص پہنی ہوئی ہے۔تھوڑی دیر تک انہوں نے مجھ سے باتیں کیں اور پھر یہ نظارہ غائب ہو گیا۔حضور نے اس خواب کے متعلق فرمایا کہ جو شخص قید میں ہو اُس کے رہا ہونے کی دو ہی تعبیریں ہوتی ہیں یا وفات یا پھر واقعہ میں رہا ہو جانا۔گویا اس رؤیا کی ایک تعبیر تو اچھی ہے اور ایک منذر۔دوستوں کو دعا کرنی چاہیے کہ اس رؤیا کی اچھی تعبیر ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ اُن کی رہائی کے سامان پیدا فرمائے۔(الفضل ۷۔اکتوبر ۱۹۴۷ء)

حضرت شاہ صاحبؓ جب قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت امیر المومنینؓ کی دعاؤں کے طفیل آپ کو رہائی بخشی اور مصلح موعودؓ کی پیشگوئی ''اسیروں کا رستگار ہوگا'' کا ایک پہلو اس رنگ میں بھی ظاہر ہوا۔

خدماتِ سلسلہ پر ایک طائرانہ نظر:

حضرت شاہ صاحبؓ نے اپنی زندگی وقف کرتے ہوئے جو عہد کیا تھا وہ کامل وفا اور نمایاں شان سے پورا کیا اور ساری عمر خدمتِ سلسلہ میں لگا دی۔تبلیغی، تربیتی اور تنظیمی میدان میں آپ کو سلسلہ کی گراں قدر خدمت کرنے کی توفیق ملی۔آپ نے جماعت کے جن اہم عہدوں پر خدمات سرانجام دیں، اُن کا مختصر نقشہ درج ذیل ہے:-

۱	نائب ناظر	یکم مئی ۱۹۲۰ء تا یکم اپریل ۱۹۲۱ء
۲	ناظر دعوۃ و تبلیغ	یکم مئی ۱۹۲۳ء تا ۱۶۔اپریل ۱۹۲۴ء
۳	ناظر تعلیم و تربیت	۱۶۔اپریل ۱۹۲۴ء تا ۱۵۔جون ۱۹۲۵ء
۴	بطور (مبلغ) بلادِ شام، عراق، عرب	۱۵۔جون ۱۹۲۵ء تا آخر اپریل ۱۹۲۶ء
۵	ناظر تجارت	یکم مئی ۱۹۲۶ء
۶	بطور رُکن نظارت تالیف و تصنیف بحیثیت مصنف ترجمہ و شرح بخاری	۲۸۔اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ جنوری ۱۹۳۱ء
	(اس عرصہ میں معتد بہ حصہ بطور قائم مقام ناظر امورِ عامہ کام کیا اور تصنیف کا کام عملاً ایک دو سال ہوا)	
۷	ناظر دعوۃ و تبلیغ	جنوری ۱۹۳۱ء تا ۱۰۔اکتوبر ۱۹۳۶ء
۸	ناظر تعلیم و تربیت	۲۳ نومبر ۱۹۳۶ء تا ۱۴ فروری ۱۹۳۷ء
۹	ناظر امور عامہ و امور خارجہ	۱۴ فروری ۱۹۳۷ء تا ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء
۱۰	قائمقام ناظر اعلیٰ	یکم ستمبر ۱۹۴۸ء تا ۲۔اکتوبر ۱۹۴۸ء
۱۱	ناظر امور خارجہ	جون ۱۹۴۸ء تا یکم دسمبر ۱۹۵۳ء
۱۲	ایڈیشنل ناظر اعلیٰ	۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء تا یکم جون ۱۹۵۴ء

پنشن یکم جون ۱۹۵۴ء

۱۳ دوبارہ ملازمت بحیثیت ناظر امورِ خارجہ ....

علمی خدمات: حضرت سید زین العابدین شاہ صاحبؓ نہایت عابد، دعا گو، صاحبِ رؤیا وکشوف اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے رؤیا وکشوف کے ذریعہ آپ کی رہنمائی کی اور بشارتوں سے آپ کو نوازا۔ آپ قرآن مجید نہایت سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؓ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تقریر نہایت فصیح عربی میں ہوتی تھی اور آپ کا اندازِ بیان بھی نہایت جوشیلا ہوتا تھا جس سے سامع بہت متاثر ہوتا تھا۔ قرآنِ مجید کے ساتھ آپ کا طبعی لگاؤ تھا اور جب آپ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر فرماتے تو وجد آجاتا تھا۔ آپ ۱۹۲۵ء میں دمشق تشریف لے گئے تو وہاں عربوں کے سامنے جب آپ قرآن مجید کی تفسیر فرماتے تو آپ کے کئی عرب ساتھی اور اساتذہ دریافت کرتے "یَا اُسْتَاذُ مِنْ اَیْنَ تَعَلَّمْتَ ھٰذَا التَّفْسِیْر؟" جناب آپ نے قرآن مجید کہاں سے پڑھا؟ تو حضرت شاہ صاحبؓ جواب دیتے کہ میں نے یہ تفسیر حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ سے سیکھی ہے۔ کیونکہ آپ نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہٗ کے درس القرآن سے استفادہ کیا تھا۔ آپ کی عربی تقریر جہاں بہت اعلیٰ تھی وہاں عربی تحریر بھی بہت اچھی تھی۔ آپ نے بعض اہم کتب کے تراجم کئے جو آپ کی عربی دانی پر گواہ ہیں۔

۱۔ **الخطاب الجليل في الأصول الإسلامية** (عربی ترجمہ: اسلامی اصول کی فلاسفی مصنفہ حضرت مسیح موعودؑ)

۲۔ **سفينة النوح** (〃 〃 : کشتی نوح مصنفہ حضرت مسیح موعودؑ)

۳۔ **دعوة الأحمدية وغرضها** (〃 〃 : پیغام احمدیت مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

٤۔ **مؤسس الجماعة الاحمدية والانكليز** (عربی ترجمہ: بانی سلسلہ اور انگریز مصنفہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب)

جماعت کے جلسہ ہائے سالانہ کے مواقع پر آپ کی بہت سی علمی تقاریر ہوئی ہیں۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل تقاریر کتابی صورت میں طبع بھی ہوئیں۔

۵۔ انبیاء کی آسمانی بادشاہت اور اس کی تکمیل مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے ....تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۱ء

٦۔ اسمہٗ احمد....سورۂ صف میں ۲۰ مہتم بالشان پیشگوئیاں..................تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۴ء

۷۔ اسمہٗ احمد....حصہ دوم- نبی کریم ﷺ سے حضرت مسیح موعودؑ کا عشق ......تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۵ء

۸۔ انقلابِ عظیم کے متعلق انذار و بشارات...ہماری ہجرت اور قیام پاکستان ....تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۸ء

۹۔ حیات الآخرۃ ....تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۵۱ء

۱۰۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم احادیث کی روشنی میں ....تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء

ان کے علاوہ درج ذیل بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں:-

۱۱۔ حیات المسیح و وفاته ۱۲۔ احمد المسیح الموعود

۱۳۔ پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کا سردار　　۱٤۔ نوٹس برائے جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۵۔ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پر ایک نظر　　۱٦۔ وصیت حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ
۱۷۔ اسباق القرآن تین حصے　　۱۸۔ دنیا میں ایک نذیر آیا　　۱۹۔ حضرت آدمؑ از روئے قرآن
۲۰۔ اچھوت بھائیوں کے نام احمدیت کا پیغام　　۲۱۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ　　۲۲۔ ہماری نماز
۲۳۔ گرونانک کیا فرماتے ہیں　　۲٤۔ قبر مسیح　　۲۵۔ گذشتہ عالمگیر جنگ
۲٦۔ زار کا حال زار　　۲۷۔ ندائے خوشمگین کی قہری تجلی

ان کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات ورسائل میں چھپنے والے آپ کے بعض مضامین اور تقاریر کا خاکہ حسبِ ذیل ہے۔

	فہرست مضامین وتقاریر	مأخذ
۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرّہٗ امتیاز۔ فیض روحانی کا ابدی سرچشمہ	الفضل لاہور۔۲۱ مئی ۱۹۴۸ء
۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شان	الفضل قادیان۔۳۰ دسمبر ۱۹۴۴ء
۳	حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شان	الفضل قادیان۔۱۴ جنوری ۱۹۴۶ء
٤	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی امتیازی حیثیت	الفضل قادیان۔۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء
۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی امتیازی حیثیت	الفضل قادیان۔۱۵ تا ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء
٦	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں موجودہ جنگوں کے متعلق	الفضل قادیان۔ یکم جنوری ۱۹۴۲ء
۷	ہمارے ہادی کامل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہدایت کا ایک نمونہ	ماہنامہ الفرقان ربوہ۔ جنوری ۱۹۶۱ء
۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حدیث کی روشنی میں	الفضل ربوہ۔ ۴، ۵، ۶، ۸ جنوری ۱۹۶۱ء
۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان احمدیت کے نقطۂ نظر سے	الفضل قادیان۔۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء
۱۰	قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور پُر حکمت کلام کا ایک نمونہ	الفرقان ربوہ۔ ستمبر واکتوبر ۱۹۵۵ء
۱۱	قرآن مجید کی وحی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ	الفرقان ربوہ۔ جنوری تا اپریل ۱۹۵۳ء
۱۲	قرآن مجید کی وحی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ	الفرقان ربوہ۔ جولائی تا اگست ۱۹۵۳ء
۱۳	قرآن مجید کی وحی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ	الفرقان ربوہ۔ فروری، مارچ ۱۹۵۳ء
۱٤	قرآن مجید کی وحی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ	الفرقان ربوہ۔ جولائی، اگست ۱۹۵۳ء
۱۵	حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا صلیب سے بچنا	الفضل قادیان۔۳ دسمبر ۱۹۲۶ء
۱٦	حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا سفر کشمیر	الفضل قادیان۔۲۸ دسمبر ۱۹۴۶ء

۱۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفر کشمیر	الفضل قادیان - ۲۷،۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء
۱۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفر کشمیر	الفضل قادیان - ۳،۶،۸ فروری ۱۹۴۷ء
۱۹	اسمہٗ احمد کی پیشگوئی	الفضل قادیان - یکم جنوری ۱۹۳۵ء
۲۰	منصبِ نبوت اوراس کی خصوصیات	الفضل لاہور - ۵/ اکتوبر ۱۹۵۱ء
۲۱	اسلام میں خلافت اورامامت کی اہمیت	الفضل قادیان - ۲ جنوری ۱۹۳۵ء
۲۲	روحانی سلسلوں میں خلافت وامامت کا مقام	الفضل قادیان - ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء
۲۳	حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	الفضل قادیان - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء
۲۴	اللّٰھمَّ سَلمًا لِأَوْلِیَائِکَ وَحَربًا لِأَعْدَائِکَ	الفضل ربوہ - ۲۴،۲۵ نومبر ۱۹۵۶ء
۲۵	عالمِ طیور	الفرقان ربوہ - دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳
۲۶	حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی پیشگوئیاں	الفضل قادیان - ۳۰ دسمبر ۱۹۴۲ء
۲۷	حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی انذاری پیشگوئیاں	الفضل قادیان - ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ء
۲۸	حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی انذاری پیشگوئیاں	الفضل قادیان - ۵ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۴۴ء
۲۹	انقلابات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے انذارات وبشارات	الفضل لاہور - یکم جنوری ۱۹۵۰ء
۳۰	عالمگیر جنگ اور مسیح موعودعلیہ السلام کی پیشگوئیاں	الفضل لاہور - ۲ تا ۹ مارچ ۱۹۴۸ء
۳۱	محمدی بیگم والی پیشگوئی پر ایک نظر	الفضل قادیان - ۳۱ دسمبر ۱۹۳۶ء
۳۲	پیشگوئی نشانِ رحمت	الفضل لاہور - ۱۸،۲۸ نومبر ۱۹۵۱ء
۳۳	حضرت المصلح الموعود کے متعلق حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی پیشگوئی کی اہمیت اور ہماری ذمہ داری	الفضل ربوہ - ۵ جنوری ۱۹۵۲ء
۳۴	حضرت مصلح موعود کی پیشگوئی اور ایک مکاشفہ	الفضل قادیان - ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء
۳۵	اسلامی معاشرہ	الفضل ربوہ - ۲،۳،۶ جنوری ۱۹۵۹ء
۳۶	اسلامی معاشرہ	الفضل ربوہ - ۲۷،۲۸،۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء
۳۷	اسلامی معاشرہ	الفضل ربوہ - ۳،۴ فروری ۱۹۵۹ء
۳۸	اسلام اور تزکیہ نفس	المصلح کراچی - ۶ جنوری ۱۹۵۴ء
۳۹	روزہ کے متعلق ہماری نیت کیا ہونی چاہیے	الفضل قادیان - ۳،۱۰،۱۳/ اگست ۱۹۴۶ء

٤٠	زکوٰۃ کی اہمیت	الفضل لاہور-۱۱مارچ ۱۹۵۸ء
٤١	ارکانِ دین میں سے ایک اہم رُکن زکوٰۃ	الفضل ربوہ-۱۹مارچ ۱۹۵۸ء
٤٢	زکوٰۃ وصدقات	الفرقان ربوہ-اگست ۱۹۵۸ء
٤٣	اسلام اور کمیونزم	الفضل ربوہ-۳۱دسمبر ۱۹۵۵ء
٤٤	تصور وشعور	الفضل قادیان-۸دسمبر ۱۹۱۹ء
٤٥	تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۳ء	الفضل قادیان- یکم جنوری ۱۹۲۴ء
٤٦	حیاتِ فردیہ واجتماعیہ	الفضل قادیان-۵ جولائی ۱۹۲۱ء
٤٧	حیات آخرت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے	الفضل ربوہ-۳ جنوری ۱۹۵۱ء
٤٨	شرح بخاری	الفضل ربوہ-۲۱/اکتوبر ۱۹۶۱ء
٤٩	شرح صحیح بخاری کا ایک ورق	الفضل ربوہ-۲۷فروری ۱۹۶۲ء
٥٠	خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں	الفضل ربوہ- ۱۳ جنوری ۱۹۶۲ء
٥١	ضلع گجرات کے احمدیوں پر جبر وتشدد-پولیس کی افسوسناک غفلت	الفضل قادیان-۸دسمبر ۱۹۳۲ء
٥٢	تعاقب (دربارہ شب برات)	الفرقان ربوہ-اپریل ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۳
٥٣	شیعہ صاحبان سے ایک گذارش	الفضل لاہور- ۲۲/اگست ۱۹۵۰ء
٥٤	شیطان کا منصب	الفضل ربوہ- ۲۵ تا ۲۸ مارچ ۱۹۵۹ء

(ماخوذ از حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب. باب پنجم: علمی کارنامے- صفحہ ۱۳۰-۱۴۷)

صحیح بخاری کے ترجمہ اور شرح کا کام:

۲۸-اکتوبر ۱۹۲۶ء کو سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو بخاری کے ترجمہ وشرح کا کام شروع کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ کچھ عرصہ یہ کام کرنے کے بعد آپ کو سلسلہ کی دیگر خدمات بھی سپرد ہوئیں۔ اس لیے بخاری شریف کی شرح کا کام اُن کاموں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہوتا رہا۔ آخر وقت تک آپ نے اُنیس (۱۹) اجزاء کی شرح اور ترجمہ مکمل کیا۔

قادیان میں جن لوگوں نے آپ کا درس بخاری سنا ہے وہ اسے بھلا نہیں سکتے۔ آپ کا اندازِ بیان اتنا دلکش اور سادہ ہوتا کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی بہت زیادہ تعداد میں درس میں شریک ہوتے تھے۔ (روزنامہ الفضل ربوہ یکم جولائی ۱۹۶۷ء)

بخاری شریف کا کام عام طور پر نمازِ تہجد کے بعد علی الصبح شروع فرماتے اور صبح کی نماز تک اور پھر صبح کی نماز کے بعد کافی

صفحات لکھ لیتے۔ آپ کا یہ طریق تھا کہ آپ نماز سے پہلے ہی چائے بھی تیار کر لیتے تھے اور نوش فرماتے۔ مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ خاکسار جب کبھی صبح کی نماز کے بعد اُن کے پاس جاتا تو چائے پیش کرتے اور نہایت محبت کے ساتھ باتیں کرتے اور کبھی کبھار سیر کے لیے بھی باہر تشریف لے جاتے اور قرآن مجید کی مشکل آیات کی نہایت عمدہ تفسیر بیان فرماتے۔

صحیح بخاری کی یہ شرح جو آپ نے لکھی اس کے پہلے ایڈیشن کے پہلے دو جزو قادیان میں شائع ہوئے اور باقی اجزاء (۳ تا ۱۵) ادارۃ المصنفین ربوہ کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔

حضرت شاہ صاحبؓ ۱۹۶۲ء میں جب بیمار ہوئے تو آپ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ وہ بخاری کی شرح کا کام حضور کی ہدایت کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ اب تک جو کام ہو چکا ہے اس کو حضور کسی کے سپرد کر دیں تا کہ اس پر نظر ثانی ہو کر اور حوالہ جات وغیرہ کی تصحیح ہو کر شائع ہو سکے اور باقی کام مکمل کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کو قصر خلافت میں یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس قدر مسودہ تیار ہو چکا ہے، اُس کو لے لیں اور بقیہ کے متعلق کوشش کریں کہ وہ مضمون بھی تیار ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضور کے ارشاد کے ماتحت (۱۹) اجزاء کا مسودہ لے کر اس کام کو سنبھال لیا۔ حضرت شاہ صاحبؓ نے اپنی بیماری کے ایام میں مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب کو ارشاد فرمایا کہ وہ اُن سے روزانہ ملنے آیا کریں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو پاتے تو حضرت شاہ صاحبؓ کسی کے ذریعہ انہیں بلوا بھیجتے اور بعض اوقات بار بار یاد فرماتے۔ دورانِ گفتگو کبھی آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں اور فرماتے: افسوس بخاری کا کام مکمل نہ ہوا۔ اس خواہش کا بھی اظہار فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے تو آپ اس کام کو مکمل کر دیں۔

وفات: آپ ۱۵ اور ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء کی درمیانی شب ۸۷ سال کی عمر میں وفات پا گئے اور ۱۶ مئی کو بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ صحابہ خاص میں دفن ہوئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کندھا بھی دیا اور قبر تیار ہونے پر دُعا بھی کرائی۔

آپ نے اپنے پیچھے دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں، نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے آپ کی ایک بیٹی کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مرزا حنیف احمد صاحب کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک فرما دیا۔ و ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء. آپ کی وفات سے پہلے آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ آپ کے استقبال کے لیے تشریف لا رہے ہیں اور یہ کہ نہایت عمدہ دروازے بنا کر لگوائے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اخلاص، استقلال، محنت اور فدائیت کے اس پیکر پر اعلیٰ علیین میں رحمتوں اور فضلوں کی بارش کرتا رہے اور نعمائے جنت عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی نعمتوں سے نوازے۔

آپ کی وفات پر مکرم چودھری شبیر احمد صاحب وکیل المال تحریک جدید ربوہ نے مندرجہ ذیل نظم لکھی:-

اِک اور بزم یار کا گل ہوگیا چراغ — اس قلبِ ناتواں پہ لگا ایک اور داغ
محمود کا جری تھا جو رخصت ہوا ہے آج — اللہ کا اِک ولی تھا جو رخصت ہوا ہے آج
تجھ کو بھلا سکے گی نہ کشمیر کی زمین — جس کا تو شہ سوار تھا اے ''زین العابدین''
نازاں تیری زبان پہ تھی اُمّ الالسنہ — عارف بنا گیا تجھے اِک شوقِ بے پنہ
پروان خلافتِ حقہ رہا مدام — تھے دین مصطفیٰ کے لیے تیرے صبح و شام
تو یاد گار عہدِ مسیح الزمان تھا — فضل عمر کی بزم کا اِک راز دان تھا
ہم پر بہت گراں ہے اگرچہ تیری وفات — لیکن مسیحِ وقت کی یاد آ گئی ہے بات
''جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات — اس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات''

اے جانے والے جا تیرا فردوس ہو مقام
تجھ پر خدا کی رحمتیں افشاں رہیں مدام

✿✿✿✿✿

اس مضمون کا اکثر حصہ جامع صحیح مسند بخاری ترجمہ وشرح حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ پارہ نہم سے لیا گیا ہے۔ نیز جو عبارات اس مضمون سے زائد یہاں شامل کی گئی ہیں اُن کے حوالہ جات متعلقہ عبارات کے ذیل میں درج کر دیئے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم

وَعَلٰی خَلِيۡفَتِهِ الۡمَسِيۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

دیباچہ

شریعت اسلامیہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے علم حدیث ان تین اہم اور نہایت ضروری رُکنوں میں سے ہے جن میں سے اگر کوئی ایک رُکن بھی نظر انداز کیا جائے تو اسلام کا ایک معتد بہ حصہ ہمارے لئے مبہم اور مشتبہ ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے حدیث کا انکار کیا، انہوں نے ظلم کیا ہے اور اگر ان کے نظریہ کو قبول کیا جائے تو ہمیں اسلام کے متعلق ایک بہت بڑے ذخیرۂ معلومات سے محروم ہونا پڑے گا۔ چند ایک سقیم و مخدوش روایات کی بناء پر جن کا سقم از خود واضح ہے اور جنہیں ردّ کرنے سے سلسلہ اسناد اور صحت احادیث پر کوئی حرف نہیں آتا؛ ہدایت و معرفت کے انمول موتیوں کو اپنے ہاتھ سے گنوا دینا کون سی عقلمندی ہے۔

مقام حدیث: ہر علم اپنی تاریخ کے بغیر اپاہج ہے اور اگر حدیث سے انکار کیا جائے تو شریعت اسلامیہ کی تاریخ کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ بے شک اسلام کی اصل بنیاد قرآن مجید پر ہے اور وہ اپنے مبادی و اصول و احکام کی تشریحات بھی خود کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ احادیثِ نبویہ ان تشریحات میں ایسی جلاء و وضاحت پیدا کر دیتی ہیں جو ہمارے لئے ظلمات میں مشعل ہدایت بن کر ہماری راہ کو روشن اور ہماری روحانی سیر و سیاحت کو بہت آسان کر دیتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں منکرین حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> ’’میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو۔ بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اوّل قرآن ہے۔ جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے...........‘‘

(کشتی نوح صفحہ ۲۸، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶)

اور قرآن مجید کی عظمت اور اس کی ابدیت اور اس کی تأثیرات قدسیہ کا ذکر کرنے اور اس ضمن میں اس کی تعلیم کا انجیل کی تعلیم سے مختصر سا مقابلہ کرنے کے بعد صفحہ ۶۳ پر فرماتے ہیں:-

> ’’دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے سنت ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

عملی کارروائیاں جو آپؐ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کے لئے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کی رکعات معلوم نہیں ہوتیں کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر۔ لیکن سنت نے سب کچھ کھول دیا ہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔ کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی۔ مگر سنت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔ مسلمانوں پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے۔ خدا اور رسول کی ذمہ واری کا فرض صرف دو اَمر تھے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء سے اطلاع دی۔ یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرض تھا کہ وہ خدا کے کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور اپنی سنت یعنی عملی کارروائی سے معضلات اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا۔ یہ کہنا بے جا ہے کہ یہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا۔ کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا۔☆ کیا جب تک حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں لوگ نماز نہ پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال حرام سے واقف نہ تھے۔ ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ کیونکہ بہت سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھول کر بیان کرتی ہیں اور نیز بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے۔ جن لوگوں کو ادبِ قرآن نہیں دیا گیا وہ اس موقع پر حدیث کو قاضی قرآن کہتے ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں نے اپنی حدیثوں کی نسبت کہا۔ مگر ہم حدیث کو خادمِ قرآن اور خادمِ سنت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادموں کے ہونے سے بڑھتی ہے۔ قرآن خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ کا فعل اور حدیث سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ نعوذ باللہ یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے۔ اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہے۔ حدیث جو ایک

☆ اہل حدیث فعل رسولؐ اور قولِ رسولؐ دونوں کا نام حدیث ہی رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی اصطلاح سے کچھ غرض نہیں۔ دراصل سنت الگ ہے جس کی اشاعت کا اہتمام خود آنحضرت ﷺ نے بذاتِ خود فرمایا اور حدیث الگ ہے جو بعد میں جمع ہوئی۔ منہ

ظنی مرتبہ پر ہے قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہوسکتی۔صرف ثبوت مؤید کے رنگ میں ہے۔قرآن اور سنت نے اصل کام سب کردکھایا ہے اور حدیث صرف تائیدی گواہ ہے۔حدیث قرآن پر کیسے قاضی ہوسکتی ہے۔قرآن اور سنت اُس زمانہ میں ہدایت کررہے تھے جبکہ اس مصنوعی قاضی کا نام ونشان نہ تھا۔یہ مت کہو کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے بلکہ یہ کہو کہ حدیث قرآن اور سنت کے لئے تائیدی گواہ ہے۔البتہ سنت ایک ایسی چیز ہے جو قرآن کا منشاء ظاہر کرتی ہے۔اور سنت سے وہ راہ مراد ہے جس راہ پر آنحضرت ﷺ نے عملی طور پر صحابہ کو ڈال دیا تھا۔سنت اُن باتوں کا نام نہیں ہے جو سوڈیڑھ سو برس بعد کتابوں میں لکھی گئیں بلکہ اُن باتوں کا نام حدیث ہے اور سنت اُس عملی نمونہ کا نام ہے جو نیک مسلمانوں کی عملی حالت میں ابتداء سے چلا آیا ہے۔جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا۔ہاں حدیث بھی اگرچہ اکثر حصہ اس کا ظن کے مرتبہ پر ہے۔مگر بشرط عدم تعارضِ قرآن وسنت تمسک کے لائق ہے اور مؤید قران وسنت ہے اور بہت سے اسلامی مسائل کا ذخیرہ اس کے اندر موجود ہے۔پس حدیث کا قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے۔ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی۔کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں ردّ کرنا پڑتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اِس پر جرأت نہیں کرے گا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہیں۔بہرحال احادیث کا قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترکِ فعل مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔‘‘

(کشتی نوح صفحہ ۶۳-۶۵، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۶۱-۶۳)

حدیث کے متعلق امام بخاریؒ کا مذہب: مقام حدیث کے متعلق یہ وہ تعلیم ہے جو افراط وتفریط کے درمیان عین حداوسط پر واقع ہے اور جسے تمام اہل بصیرت نے اختیار کیا ہے اور حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی زرّیں اصل کے پیش نظر حدیث کو قرآن مجید کے تابع رکھا ہے اور جہاں بھی آپ کو محسوس ہوا ہے کہ کسی حدیث کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں کو غلطی لگنے کا احتمال ہے وہاں غلطی سے بچانے کے لئے عنوانِ باب میں قرآن مجید کی آیت درج کر کے لوگوں کو متنبہ کر دیا ہے۔ مثلاً کتاب الایمان میں باب نمبر ۱۷ کا عنوان سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۵ (فَاِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ) سے قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں جو حدیث (نمبر ۲۵) نقل کی ہے (أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا ....) اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کافروں سے جنگ کرنے کا حکم علی الاطلاق ہے۔ مگر امام موصوفؒ نے آیت سے اس حدیث کے مفہوم کو مقید کر دیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الایمان باب ۱۷، تشریح روایت نمبر ۲۵)

غرض امام موصوفؒ نے اسی مذہب کو اپنی تصنیف میں شروع سے لے کر آخر تک ملحوظ رکھا ہے کہ قرآن مجید اصل ہے اور حدیث اس کی شارح اور تابع۔ چنانچہ آپ نے اپنی تصنیف کو بَدْءُ الْوَحْيِ سے اسی لئے شروع کیا ہے کہ اسلام کے تمام اصول وفروع وحی الٰہی اور نبوت پر مبنی ہیں اور اسی پر ان اسلامی قواعد وضوابط کا دارومدار ہے جن کی تفصیل وتشریح ایک طرف تعامل اور دوسری طرف حدیث نبوی کرتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے ایک ایرانی خاندان میں (جس کے مورثِ اعلیٰ بَرْدِزْبَہ زرتشتی تھے) بروز جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ (مطابق ۲۱ جولائی ۸۱۰ء) پیدا ہوئے۔ بردزبہ کے بیٹے مغیرہ نے یمان جعفیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مغیرہ امام موصوفؒ کے پردادا تھے اور جعفیؒ کی روحانی نسبت سے اس زمانے کے دستور کے مطابق وہ اور ان کے خاندان کے افراد جعفیؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام موصوفؒ کے دادا کا نام ابراہیم تھا اور باپ کا نام اسماعیل جو ایک متمول تاجر تھے۔ انہوں نے بوقت وفات اپنی اولاد کے لئے بہت بڑا سرمایہ چھوڑا اور فرمایا کہ اس مال میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں۔ حضرت اسماعیل بن ابراہیم کے متعلق ابن حبان کی تصنیف (کتاب الثقات) میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ چوتھے طبقہ کے راویوں میں شمار کئے جاتے تھے اور انہوں نے حماد بن زید اور امام مالک علیہما الرحمۃ سے کچھ روایتیں نقل کی ہیں اور یہ کہ علماء عراق نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے بھی تاریخ الکبیر میں اپنے والد کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ نے امام مالک اور حماد بن زید سے سنا اور یہ کہ وہ ابن المبارک کی صحبت میں رہے۔

امام محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی اور انہوں نے اپنے بڑے بھائی احمد اور والدہ کی سرپرستی میں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی۔ ان کی عمر سولہ سال کی تھی جب وہ اپنی والدہ

اور بھائی کے ساتھ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آئے اور ان کے لوٹنے کے بعد وہ تحصیل علم کے لئے یہیں رہ گئے۔
(هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر نسبه ومولده نيز ذكر سيرته وشمائله صفحہ ٦٦٩-٦٧١)
امام موصوفؒ نے صغرسنی میں ہی اپنی خداداد استعدادِ ذہنی کا اظہار کیا۔ اُن کی قوت حافظہ واستحضار اور قوت موازنہ و تطبیق خارق عادت طور پر قوی تھی۔ سبق لکھنے یا یاد کرنے کی انہیں قطعاً ضرورت نہ ہوتی۔ متعدد بار ان کے ہم مکتبوں اور ہم عصروں نے احادیث کی سندیں تبدیل کر کے اُن کے حافظہ کا امتحان لیا۔ مگر کبھی انہوں نے خطا نہیں کی۔ یہاں تک کہ ان کے اساتذہ بھی اپنی مسندیں صحیح کرنے کے لئے انہیں دیتے۔ شارحین نے کئی ایک حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ جن کے اعادہ کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ خود اس کتاب کے مطالعہ سے ان کی حیرت انگیز استعدادِ ذہنی کا پتہ لگ جائے گا۔ (هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر جمل من الأخبار الشاهدة لسعة حفظه صفحہ ٦٧٩)
ان کی قوتِ حافظہ وموازنہ کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کم وبیش چھ لاکھ روایتیں مع ان کی سندوں کے انہیں یاد تھیں۔ جن میں سے بڑی تدقیق وتحقیق اور انتہائی چھان بین کے بعد انہوں نے اپنی اس تصنیف کے لئے چار ہزار کے قریب مستند روایتیں منتخب کیں۔ ان میں سے دو ہزار سات سو اکسٹھ صحابہ کرامؓ کی موصول روایتیں ہیں۔ یعنی ان کا سلسلہ اسناد براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور اگر مکرر روایتوں کو ان کے ساتھ شمار کیا جائے تو کل سات ہزار تین سو ستانویں روایتیں ہوتی ہیں اور اگر مختلف حوالہ جات کو بھی شمار کیا جائے تو یہ کل نو ہزار بیاسی روایتیں ہوں گی۔ یہ تعداد شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب کی رو سے بنتی ہے اور جہاں تک میں نے مقابلہ کر کے دیکھا ہے، انہوں نے اپنے شمار میں نہایت ضبط سے کام لیا ہے اور ہر ایک قسم حدیث جدا جدا گنی ہے۔☆
(دیکھئے مقدمہ فتح الباری. الفصل العاشر فی عدّ أحاديث الجامع صفحہ ٦٥٤، ٦٥٧، ٦٥٩)
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح اور مستند روایات کی تفحیص وترتیب میں پورے سولہ برس لگے اور جب انہیں تحقیق سے کسی روایت کی صحت ثابت ہو جاتی تو دو رکعتیں پڑھ کر دُعائے استخارہ کرنے کے بعد اُسے اپنی کتاب میں درج کرتے۔
(هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر فضائل الجامع الصحيح. صفحہ ٦٨٣)
ان کے کاتب محمد بن ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ اُن کے ساتھ سفر وحضر میں رہے۔ امام موصوفؒ رات کو بعض وقت پندرہ پندرہ بیس بیس دفعہ اُٹھتے اور چقماق کے ذریعہ سے دیا جلاتے اور احادیث کے متعلق کچھ نوٹ کرتے اور پھر لیٹ جاتے۔ (هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر سيرته وشمائله. صفحہ ٦٧٣) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل ودماغ کے اندر ہی اندر روایتوں کے متعلق غور وفکر، تحقیق وتدقیق، جرح وقدح اور موازنہ ومقابلہ کا تانتا بندھا رہتا تھا اور یہ سلسلہ تفکیر بحالت خواب بھی جاری رہتا۔ جونہی کسی امر کے متعلق انہیں انشراح ہوتا اسے قلم بند کرتے۔ سفروں کے اثناء میں آپؒ پر ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ وطن سے خرچ نہیں پہنچا اور آپ نے دو دو دن زمین کے گھاس پات کھا کر خاموشی سے

☆ چنانچہ موجودہ ایڈیشن میں فتح الباری کے مطابق احادیث کے نمبر لگائے گئے ہیں۔ (مرتب)

گزاردیئے اور تیسرے دن خرچ ملا۔(هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر سيرته و شمائله. صفحہ۶۷۲)

امام موصوفؒ کو احادیث کی چھان بین میں بہت کچھ بادیہ پیمائی کرنی پڑی اور اس اثناء میں جہاں ان کا دل و دماغ روایات کے بحرِ ذخار میں لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ کہتے ہوئے اپنا اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ ان کے تن خاکی نے بھی مشرق و مغرب کے طول و عرض کی خاک بار بار چھانی ہے تا اس شوق بے کراں میں کسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُرَرِ بے بہا ان کے ہاتھ لگیں اور وہ ان سے خیالات واہیہ کی گرد و غبار جھاڑ پونچھ کر ان کو سنہری ڈبیوں میں بند کر کے محفوظ طاقچوں میں رکھ دیں۔ آپ نے اپنی اس صحرا نوردی اور دشت پیمائی میں نہ صرف یہ کیا کہ خوبصورت پھولوں کی بکھری ہوئی پنکھڑیاں ایک ایک کر کے جمع کیں بلکہ انتہائی جسمانی کوفت اور دماغ سوزی سے کام لیتے ہوئے ان سے ایک نہایت قیمتی خلاصہ عطر تیار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بابوں کی ترتیب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے پاس استخارہ کرنے اور دعائیں مانگنے کے بعد دی۔ لیکن احادیث کی جمع و تدوین کا کام وہ اپنے ان طول طویل سفروں کے اثناء میں ہی کرتے رہے۔

(عمدة القارى. فوائد تتعلق بصحيح البخارى. الجزء الاول صفحه۵)

(هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر فضائل الجامع الصحيح. صفحہ۶۸۳)

معیار صحت حدیث:

امام موصوفؒ نے اپنے اس ثمرۂ جدوجہد کا نام☆ ''مختصر جامع مسند صحیح'' رکھا ہے۔ آپ نے روایات کے بحرِ ذخار میں سے انتخاب کرتے وقت اس قاعدہ کلیہ کو بطور معیار صحت کے مدنظر رکھا ہے کہ روایت زیر تحقیق کو قرآن مجید یا سنت نبویہؐ سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ امام احمد عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلیم بن مجاہد کے حوالہ سے امام بخاریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: لَا اَجِیْءُ بِحَدِيْثٍ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اِلَّا عَرَفْتُ مَوْلِدَ اَكْثَرِهِمْ وَوَفَاتِهِمْ وَمَسَاكِنِهِمْ وَلَسْتُ اَرْوِیْ حَدِيْثًا مِّنْ حَدِيْثِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ يَعْنِیْ مِنَ الْمَوْقُوْفَاتِ اِلَّا وَلَهٗ اَصْلٌ اَحْفَظُ ذٰلِكَ عَنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ (هدى السارى مقدمة فتح البارى. ذكر جمل من الأخبار الشاهدة لسعة حفظه.... صفحہ۶۸۱) یعنی جب تک مجھے صحابہؓ اور تابعینؒ کی تاریخ ولادت و وفات اور جائے پیدائش کا علم نہ ہو جاتا؛ میں کبھی کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کی روایت درج نہیں کرتا۔ نیز موقوف روایتیں اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ قرآن مجید اور سنت نبویہ سے اس کی تائید نہیں ہو جاتی۔ امام موصوفؒ کو تاریخ سے بھی کمال درجہ شغف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اٹھارہ برس کی عمر میں جبکہ وہ مدینہ منورہ میں طالب علم تھے؛ تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لکھی۔ (هدى السارى. صفحہ۶۷۰) انہیں کئی ہزار راویوں کے نام اور حالات ازبر یاد تھے۔ سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابیں حفظ کر چکے تھے۔ (هدى السارى صفحہ۶۶۹) قرآن مجید کے بھی حافظ تھے۔

☆ علامہ عینیؒ نے اس کتاب کا نام ''الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله ﷺ و سننه وايامه'' درج کیا ہے۔ (عمدة القاری جزء اول۔ فوائد تتعلق بصحيح البخاری صفحہ۵) جبکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله ﷺ و سننه وايامه'' بتایا ہے۔ (مقدمة فتح البارى. الفصل الثانى فى بيان موضوعه. صفحہ۱۰)

صحیح مسند بخاری کا مأخذ اور طریق انتخاب: انہوں نے روایات کے انتخاب میں علاوہ مذکورہ بالا قاعدہ کے یہ قاعدہ بھی مدنظر رکھا کہ روایت کم از کم ایک ثقہ صحابی سے مروی ہو۔ جس کی سند متصل غیر منقطع ہو اور صحابی سے روایت کرنے والے تابعین بھی ثقہ ہوں اور ان کے درمیان اختلاف نہ ہو اور اس میں عموماً ایسے صحابی کی روایت کو ترجیح دی ہے جس سے دو یا دو سے زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس تبع تابعین کے متعلق بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے۔ کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ متدین مسلمان، چال چلن کا نیک، ہر ایک تہمت سے مبرا، حافظہ کا مضبوط، عقل وادراک کا مالک اور راست گوئی اور راست روی میں خاص طور پر شہرت رکھتا ہو اور جس شخص سے اس نے روایت کی ہے، اس سے اس کا ملنا ثابت ہو۔ امام مسلم بن الحجاجؒ نے کم از کم دو ثقہ ہم عصر تابعین کی شرط پر اکتفاء کیا ہے۔ خواہ ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہو یا نہ ہو۔ صرف ملاقات کے امکان تک ہی اپنی تحقیق کو محدود رکھا ہے۔

صحت روایت میں امام محمد بن اسماعیلؒ کی شرائط نقد وتعدیل نہایت کڑی ہیں۔ انہوں نے چار سو تیس سے کچھ اوپر راویوں سے روایتیں اخذ کی ہیں۔ جن میں سے اسی (۸۰) راویوں کے متعلق بعض اعتراض ہوئے ہیں۔ لیکن یہ اسی (۸۰) راوی اکثر ان کے وہ مشائخ ہیں جن سے امام موصوفؒ ملے اور ان کی صحبت میں ایک عرصہ رہ کر ان کے حالات معلوم کئے اور ان سے تبادلہ خیالات کر کے ان کی روایتوں کو جانچا اور پرکھا اور اُس وقت تک ان کی روایتوں کو قبول نہیں کیا جب تک کہ اپنے اصولِ نقد یعنی قرآن مجید اور سنت نبویہؐ کے ذریعہ اور دیگر ممکن ذرائع سے انہیں جانچ نہیں لیا۔ چنانچہ امام موصوفؒ نے اپنی صحیح میں جب ایسے راوی سے روایت کی ہے جس کے متعلق کسی شبہ کا احتمال ہو تو وہاں انہوں نے خود ہی اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام موصوفؒ نے اپنے انتخاب میں اکثر طبقہ اولیٰ کے راویوں کی حدیثوں کو قبول کیا ہے اور طبقہ ثانیہ کی سب روایتیں قبول نہیں کیں بلکہ ان میں سے اپنی شرائط کے مطابق بہترین کو اختیار کیا ہے۔ طبقہ اولیٰ وثانیہ سے مراد اس مثال سے واضح ہوگی کہ قرن اول کے تابعی محدثین میں سے زُہری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے پائے کے محدث ہیں جو امام مالکؒ کے استاد تھے۔ اب امام بخاریؒ کے نزدیک زُہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے اعلیٰ طبقہ کے وہ راوی ہوں گے جو ہر لحاظ سے ثقہ ہوں۔ اُن کا حافظہ بھی عمدہ ہو اور ان کی روایت کے الفاظ میں ربط وضبط بھی ہو اور اس میں کسی قسم کی تدلیس واقع نہ ہوئی ہو۔ علاوہ ازیں وہ راوی زُہری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں سفر وحضر میں ایک لمبا عرصہ رہے ہوں۔ جیسے یونس بن یزید، عقیل بن خالد، مالک بن انس، سفیان بن عُیَینہ، شعیب بن ابی حمزہ۔ مگر جن راویوں کو ان کے ساتھ تھوڑا عرصہ رہنے کا موقع ملا ہے انہیں امام موصوفؒ نے طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے اور طبقہ ثالثہ سے مراد وہ راویان ہیں جنہیں صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا خواہ ان کی ملاقات ثابت ہو۔ حالانکہ وہ ثقہ ہونے کے لحاظ سے باقی تمام صفاتِ ضروریہ میں طبقہ اولیٰ کے راویوں کے ہم پلہ ہیں۔ اَوزاعی، لیث بن سعد، عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر اور ابن ابی ذئب طبقہ ثانیہ کے

راویوں میں سے ہیں۔ پہلے طبقہ میں سے ہونا امام بخاریؒ کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے اور ان کی روایات کا دارومدار اکثر اسی طبقہ اولیٰ پر ہے اور ایسی روایتیں کم ہیں جن کا تعلق طبقہ ثانیہ سے ہو اور اس طبقہ کی روایتیں نقل کرنے کے متعلق یہ مزید احتیاط برتی ہے کہ انہیں بطور تعلیق کے نقل کیا ہے اور شاذ و نادر ہی طبقہ ثالثہ سے روایتیں اخذ کی ہیں جنہیں نہ صرف بطور تعلیق کے نقل کیا ہے بلکہ ان کے متعلق اور احتیاطیں بھی برتی ہیں۔ جیسے قرآن مجید اور سنت نبویہ کے ساتھ تطبیق دینے کی۔ طبقہ ثالثہ میں جعفر بن برقان، سفیان بن حسین اور اسحاق بن یحییٰ کلبی جیسے لوگ ہیں۔ جن کے متعلق یہ تو ثابت ہے کہ وہ زہریؒ سے ملے مگر یہ ثابت نہیں کہ انہیں ان کے ساتھ رہنے کا موقع بھی ملا۔ یہ طریق اُن رواۃ کے متعلق اختیار کیا گیا ہے جن سے نافع، اعمش اور قتادہ جیسے تابعینؒ کی روایتیں بکثرت مروی ہیں۔ لیکن جن تابعین سے روایتیں کم مروی ہوئی ہیں ان کے متعلق طبقات ثلاثہ میں سے اس اصل کو مدنظر رکھا ہے کہ وہ ثقہ ہونے کی تمام شروط اپنے اندر رکھتے ہوں اور ان کے متعلق بھول چوک کا احتمال کم ہو۔ جیسے یحییٰ بن سعید انصاری اور اس پر مزید احتیاط یہ اختیار کی ہے کہ ان مؤخر الذکر راویوں کی صرف وہی روایتیں قبول کی ہیں کہ جن کے روایت کرنے میں دوسرے ثقہ راوی بھی شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس غایت درجہ کی احتیاط اختیار کرنے میں امام موصوفؒ اپنے تمام ساتھیوں پر سبقت لے گئے ہیں۔

(هدی الساری مقدمة فتح الباری. الفصل الثانی فی بیان موضوعه. صفحہ ۱۰-۱۲)

مشکلات کی کٹھن منزل: شیخ الاسلام احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان راویوں کی تقسیم بلحاظ مراتب کے کی ہے۔ جس کا خلاصہ اپنے مقام پر دیا جائے گا۔ اس جگہ جس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ امام موصوفؒ کو احادیث کے پرکھنے میں جرح وقدح اور نقد و تعدیل کے بہت قوی اور مضبوط اصول تجویز کر کے ان اصول کو اُنہی روایات پر چسپاں کرنے میں بہت بڑی محنت برداشت کرنی پڑی ہے۔ اس کا اندازہ اول تو اسی امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ چھ لاکھ روایتوں میں سے صرف تین چار ہزار کے قریب قبول کی ہیں۔ ثانیاً تیسری صدی ہجری کے حالات پر نظر رکھنے سے بھی ان کی محنت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ زمانہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور پیشگوئی خَيْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (بخاری کتاب المناقب باب فضائل اصحاب النبی ﷺ. روایت نمبر:۳۶۵۰) کے مطابق نسبتاً اچھا زمانہ تھا اور تابعین اس میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ جس ورثہ امانت کو صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد☆ کے ماتحت لوگوں کو پہنچایا تھا۔ اس کو محفوظ رکھنے والے امین موجود تھے۔ مگر باوجود اس کے اس زمانہ میں کثرت سے روایتیں وضع بھی کی گئی ہیں اور روایت کرنے والوں کی اس قدر کثرت ہوگئی تھی کہ محققین کو پانچ لاکھ اشخاص کے حالات کی تحقیق میں سرگردان ہونا پڑا۔ صرف ایک سمرقند کے شہر میں چھ سو اور بصرہ کے شہر میں ایک ہزار کے قریب روایت کرنے والے موجود تھے۔ راویوں اور روایتوں کے اس سیلاب عظیم کے علاوہ یہ آفت بھی تھی کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مذاہب در مذاہب پیدا ہوتے چلے گئے اور ہر مذہب نے اپنی

☆ (ارشادِ نبویؐ مذکورہ بخاری. کتاب العلم. باب ۳۷: لیبلغ العلم الشاهد الغائب. روایت نمبر ۱۰۴)

حمایت میں موضوعہ اور غیر موضوعہ روایتوں کی آڑ لی اور اپنے لئے مسندیں اور مجموعے تیار کئے۔ عراق خصوصاً بصرہ اس وقت اِن مذاہب کا مرجع تھا۔ جہاں شیعہ، رافضی، خوارج، معتزلہ، کرامیہ، مرجۂ اور زنادقہ روایتوں کے گھڑنے میں کھلے بندوں مشغول تھے۔ ان سب آفتوں کی آفت متصوفین کا وہ گروہ تھا جس نے کسی نیک بات کی ترغیب یا بری بات سے ترہیب کی خاطر اچھی بری روایتیں وضع کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انہیں نسبت دینا اپنا جائز حق سمجھا ہوا تھا۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التقریب والتیسیر میں فرماتے ہیں: يُحْرَمُ الرِّوَايَةُ مَعَ الْعِلْمِ بِهٖ فِيْ أَيِّ معنى كـان إلّا بَيّـنـا، وَيُعْـرَفُ الْـوَضْـعُ بِاِقْرَارِ وَاضِعِهٖ أَوْ مَعْنَى اقْرَارِهٖ، أَوْ قَرِيْنَةٍ فِيْ الرَّاوِيْ أَوِ الْمَرْوِيّ. فَقَدْ وُضِـعَـتْ أَحَـادِيْث يَشْهَدُ بِوَضْعِهَا رُكَاكَةُ لَفْظِهَا وَمَعَانِيْهَا .... وَالْـوَاضِعُوْنَ أَقْسَامٌ أَعْظَمُهُمْ ضَرَرًا قَوْمٌ يَـنْـسِبُوْنَ اِلٰى الزُّهْدِ وَضَعُوْهُ حِسْبَةً فِيْ زَعْمِهِمْ فَقُبِلَتْ مَوْضُوْعَاتُهُمْ ثِقَةً بِهِمْ وَجَوَزَتِ الْكَرَامِيَّةُ الْوَضْعَ فِيْ التَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ، وَهُوَ خِلَافُ إِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْتَدُّ بِهِمْ، وَوَضَعَتِ الزِّنَادِقَةُ جُمَلاً ....

(التقريب للنووی. أقسام الحديث. النوع الحادی والعشرون. الموضوع)

متصوفہ اور واعظین کا یہ گروہ بے دھڑک روایتیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ تدریب الراوی[۱] میں المؤمّل بن اسماعیل سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کسی شیخ نے ان کو براویت حضرت اُبی بن کعبؓ قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل مرفوعاً بتلائے جس پر اس سے سند دریافت کی گئی تو اس نے مدائن کے ایک راوی کا پتہ دیا۔ امام موصوفؒ وہاں پہنچے تو اس نے بصرہ کے ایک راوی کا پتہ دیا۔ پھر وہ بصرہ پہنچے۔ بصرہ والے راوی سے پتہ چلا کہ اصل راوی ایک زاہد صوفی بزرگ ہیں جو عبادان میں رہتے ہیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ وہاں پہنچے اور اس صوفی سے ملاقات کی۔ یہ بزرگ امام موصوفؒ کو ایک اور بزرگ کے پاس لے گئے جنہوں نے ان کو بتلایا کہ یہ روایت ان کی خود ساختہ ہے۔ چونکہ لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کرتے اس لئے انہیں تحریص وترغیب دلانے کی خاطر یہ حدیث وضع کی گئی ہے۔

(تدريب الراوی. النوع الحادی والعشرون. اقسام الوضاعين. جزء اول صفحہ ۲۸۸)

اس سے جہاں بعض متصوفین کی روایات کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے وہاں اس راہ میں امام موصوفؒ اور آپ جیسے دیگر محققین کی مشکلات کا اندازہ بھی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

فن اسماء الرجال کی پیدائش:

روایتوں کے اس سیلاب مواج کو دیکھ کر سب سے پہلے یحيٰ بن سعید القطان اور ابن المدینی کو جو اعلیٰ درجہ کے نقاد مانے گئے ہیں اور ان کے بعد عُقیلی، احمد بن عبد العجلی (تیسری صدی کے وسط میں) امام عبدالرحمٰن بن حاتم (چوتھی صدی کے ابتداء میں) اور ابن عدی جیسے علمائے کرام کو فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے نہایت محنت سے فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈالی جس کا اسپنگر جیسے

---

[۱] تدریب الراوی امام جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ہے جس میں انہوں نے تقریب کی شرح لکھی ہے۔ مشارٌ الیہ واقعہ گو باعتبارِ سند قابل تحقیق ہو، مگر حقیقت حال کی صحیح تصویر ہے۔ کرامیہ، زنادقہ اور بعض متصوفین نیک غرض کے لئے حدیث وضع کرنا جائز سمجھتے تھے۔ (تدريب الراوی. النوع الحادی والعشرون. اقسام الوضاعين. جزء اول صفحہ ۲۸۳)

یورپ کے محققین کو بھی اعتراف ہے کہ ان علماء نے رایوں کی جانچ پڑتال میں انتہائی طاقت صرف کی اور ایسے معیار تجویز کئے کہ ان سے بڑھ کر صادق اور کاذب کے درمیان تمیز کرنے کا کوئی معیار تصور میں نہیں لایا جاسکتا۔

ان متقدمین کے ثمراتِ محنت و کاوش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی میں علامہ محبّ الدین بغدادی، امام ابن جوزی، امام ابن حجر عسقلانی اور ذہبی نے فن اسماء الرجال میں مستقل اور ضخیم کتابیں تصنیف کیں۔ رجال کی ترتیب قائم کی اور حدیثوں کے جانچنے کے اصول وضع کئے۔ امام بخاریؒ نے بھی تاریخ کبیر اور تاریخ صغیر اسی غرض سے لکھی۔ خلاصہ ان کی تحقیق و تمحیص کا یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے اصولِ روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

خلاصہ اصول روایت:

اصول روایت کے ماتحت دیکھا جائے کہ آیا روایت کرنے والا اور سننے والا دونوں ثقہ ہیں اور یہ کہ پہلا راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ خود اس واقعہ کے وقت موجود تھا یا نہیں اور یہ کہ وہ واقعہ اس کی اپنی دید ہے یا شنید اور آیا اس کے ساتھ کوئی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے اس کی روایت کی تصدیق ہوتی ہو اور یہ کہ دونوں روایت کرنے والے ہم عصر بھی ہیں یا نہیں اور آیا ایک دوسرے سے انہوں نے ملاقات بھی کی ہے اور اس ملاقات کا ثبوت بھی بہم پہنچا ہے یا نہیں۔ نیز یہ بھی دیکھا جائے کہ سلسلہ روایت متصل ہے اور کہیں سلسلہ روایت ٹوٹتا تو نہیں اور یہ کہ راوی گو بظاہر متقی و پرہیزگار ہے۔ مگر کوئی غرض اس کے مدنظر تو نہ تھی۔ مثلاً وہ کسی خاص مذہب کی تائید میں یا کسی مذہب سے تعصب رکھتے ہوئے روایت کرتا ہو۔

اصول درایت:

اصول درایت کے ماتحت یہ دیکھا جائے کہ مضمون روایت فی نفسہٖ اسلام کے اصولی عقائد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن متواترہ کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ بیان کردہ واقعہ کی تائید معتبر شواہد تاریخیہ سے بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور آیا کہیں راوی کو اس بات یا واقعہ کے سمجھنے یا دیکھنے میں غلطی تو نہیں لگی؟ اور جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ مفصل ہے یا مجمل اور اگر کسی اور سند سے جو زیادہ قابل اعتبار اور صحت کے قریب ہے کسی روایت کی تکذیب ہوتی ہو تو ایسا راوی اور اس کی روایت دونوں ساقط الاعتبار سمجھے جائیں گے۔

بعض ائمہ نے جن میں سے امام ابن جوزی بھی ہیں احادیث کے پرکھنے کے بارے میں یہاں تک احتیاط برتنے کا مشورہ دیا ہے کہ محض کسی راوی کے تقویٰ و تورع سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس سے کہ وہ اپنی روایت میں کسی صحابی کا نام لیتا ہے۔ بلکہ اگر روایت خلافِ عقل اور خلافِ اصول ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس کے راویوں کے متعلق جرح اور تعدیل اور جانچ پڑتال کی بھی ضرورت نہیں یا اگر روایت میں کوئی ایسا بیان ہو جو حس اور مشاہدہ کے برخلاف ہے یا قرآن مجید کے نصوص یا اجماع قطعی کے مخالف ہے اور اس میں کسی قسم کی معقول تاویل کام نہ دیتی ہو۔ یا کوئی ایسی روایت ہو جس میں معمولی معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہو۔ یا کسی حقیر اور ادنیٰ عمل کو اس طرح بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہو کہ اس پر بڑے بڑے ثواب اور انعام و اکرام مترتب کئے گئے ہوں تو وہ ردّ کر دینے کے قابل ہوگی۔ ایسی روایتیں بازاری قصہ گوؤں کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں جو قطعاً قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اگر ایک شخصِ واحد ایسے

لوگوں سے روایت کر رہا ہے جس کے مضمون کا جاننا تمام مکلفین کے لئے بلا کسی عذر وحیلہ کے ضروری ہے یا روایت میں کسی ایسے بڑے کام کا تذکرہ ہے جس کے لئے بہت سے وسائل درکار ہوں یا روایت میں ایسی بات مذکور ہے کہ جس کے جھوٹ ہونے کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے جس جماعت کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا اور ایک دوسرے سے محض سن سنا کر جھوٹ بولتے رہنا ناممکن ہے وہ بھی ناقابل پذیرائی ہوگی۔ (نیز دیکھئے فتح المغیث صفحہ ۱۴۰، ۴۸۱)

احادیث کی اقسام اور اصطلاحات:

غرض اس قسم کے اصول روایت اور اصول درایت کی کسوٹی کے معیار کے مطابق پرکھ کر صحت یا عدم صحت کے اعتبار سے احادیث کی چھ بڑی بڑی تقسیمیں کی گئی ہیں۔

اول: حدیث کے متن اور نفس مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے:

اسے **صحیح** قرار دیں گے بشرطیکہ اصولِ درایت کے مطابق ہو اور **ضعیف** ہوگی اگر اصولِ درایت کی رو سے اس میں کوئی نقص ہو۔ **حسن** ہوگی اگر بین بین کی حالت ہو۔ **موضوع** ہوگی اگر جعلی بنائی گئی ہو۔ **معلول** ہوگی اگر وہ بظاہر تمام شرائط کو اپنے اندر رکھے مگر کوئی خفیف سا شبہ اس کے متعلق کسی وجہ سے پیدا ہوتا ہو۔ **مدرج** ہوگی اگر اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا یا گیا ہو۔ **مضطرب** ہوگی اگر اس میں راویوں کے متعلق اختلاف ہو اور **فرد** ہوگی اگر کسی خاص مقام سے مخصوص ہو یعنی مثلاً صرف مدینہ منورہ میں اس کا لوگوں کو علم ہے۔

دوم: راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے اعتبار سے:

اس وقت **صحیح** قرار دیں گے جب اس کے تمام راوی دینداری، صلاحیت، سلامت روی، راستبازی اور حافظہ وغیرہ قوئ ذہنیہ کے اعتبار سے صحیح وسالم اور ہر قسم کی تہمت سے مبرا ہونے میں خاص شہرت رکھتے ہوں اور ان کی روایتوں کے درمیان معناً یا لفظاً اختلاف نہ ہو اور اسے **حسن** قرار دیں گے اگر اس کے متعلق صرف لفظاً اختلاف ہو اور **ضعیف** ہوگی اگر ثقہ ہونے کے شروط میں سے کسی ایک شرط کی کمی ہو۔ **متروک** ہوگی اگر اس کے راویوں میں سے کوئی جھوٹ سے متہم ہوا ہو۔ **منکر** ہوگی اگر ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو اور **معروف** ہوگی اگر اس کے متعلق سبھی کو اتفاق ہو۔

سوم: تسلسل اسناد کے اعتبار سے:

ایک حدیث کو **مرفوع** قرار دیں گے جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور **متصل** قرار دیں گے اگر سلسلہ وار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ **منقطع** ہوگی اگر کوئی ایک حلقہ روایت سند کے وسط سے مفقود ہے۔ **معلق** ہوگی اگر ایک سے زیادہ حلقہ ہائے سند مفقود ہوں۔ **مسند** ہوگی اگر تمام راویوں کے نام مذکور ہوں اور **مرسل** کہلائے گی اگر کسی صحابی سے مروی ہو اور اس کا نام مذکور نہ ہو اور **معنعن** کہلائے گی اگر حرف ''عَنْ'' سے مروی ہو۔

چہارم: راویوں کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے:

حدیث کو **مشہور** قرار دیں گے اگر اس کے راویوں کی تعداد مختلف زمانوں اور جگہوں میں بکثرت ہو اور **متواتر** قرار دیں گے اگر اس کے راوی اس کثرت سے ہوں کہ ان کے درمیان جھوٹ پر اتفاق ہونا ناممکن ہو اور **غریب** ہوگی اگر ایک وقت (زمانہ) میں ایک ہی شخص روایت کرنے والا ہو اور **فرد** کہلائے گی اگر تمام زمانوں میں اس کا ایک راوی رہا ہو اور **عزیز** ہوگی اگر ہمیشہ دو راویوں سے مروی ہو اور **احاد** اگر متعدد راویوں سے مروی نہ ہو۔

پنجم: منبع روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے:

ایک حدیث کو **معروف** قرار دیں گے اگر روایت کردہ قول یا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا کسی امر کے متعلق آپؐ نے اجازت دی ہو اور **موقوف** قرار دیں گے اگر کسی صحابی کا قول یا عمل یا اجازت ہو۔ **مقطوع** ہوگی اگر تابعین تک ہی پہنچتی ہو اور **منقطع** اگر صرف تبع تابعین تک پہنچے۔

ششم: طریق روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے:

ایک حدیث کو **مدلس** قرار دیں گے اگر کسی راوی نے اپنے ہم عصر کی سند پر اسے روایت کیا ہو جبکہ خود براہ راست اسے اصل راوی سے نہیں سنا اور روایت کرتے وقت ایسے طور سے بیان کرے کہ گویا اس نے اپنے ہم عصر راوی سے سنا ہے۔ **مدرج** شمار ہوگی اگر اس میں راوی نے کچھ اپنی طرف سے زیادتی کی ہو اور **معنعن** کہلائے گی اگر راوی یوں بیان نہ کرے کہ میں نے فلاں سے سنا یا فلاں کو ایسا کرتے دیکھا بلکہ یوں بیان کرے عَنْ فُلَانٍ عَنْ فُلَانٍ یعنی فلاں فلاں سے مروی ہے اور **مقلوب** کہلائے گی اگر راوی کے نام یا کنیت وغیرہ میں کوئی تصرف واقع ہوا ہو اور **مبہم** کہلائے گی اگر غیر معروف راوی سے مروی ہو یا اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع ہو۔

روایت باللفظ وروایت بالمعنی:

علاوہ ازیں محدثین نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آیا صحابہ کرامؓ سے جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبہ میں سے مروی ہیں وہ لفظاً ومعناً بھی وہی ہیں جو آپؐ نے فرمائے یا یہ کہ ان کی روایت میں الفاظ کا نہیں بلکہ صرف معانی کا ہی اہتمام رکھا گیا ہے جنہیں ان کی طرف سے الفاظ کا جامہ پہنایا گیا۔ اس اعتبار سے وہ بات جو ضبط الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہو اسے روایت باللفظ اور جو ضبط معانی کے ساتھ مروی ہو اسے روایت بالمعنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کتاب العلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول روایت کرتے وقت الفاظ اور معانی دونوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔ الفاظ کے متعلق ان کے اہتمام کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ روایت میں جہاں کسی لفظ کے متعلق شک ہوا تو اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ لفظ کہا یا یہ لفظ۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب العلم روایت نمبر ۸۶، ۸۷، ۹۱، ۱۰۵، ۱۱۲، ۱۱۷) جیسا صحابہ کرامؓ نے اس شک کا اظہار کیا، ایسا ہی تابعین نے بھی اور تابعین سے روایت کرنے

والوں نے بھی۔اُن میں سے ہرایک گروہ نے روایت کرنے میں جہاں تک لفظی ضبط کا تعلق ہے التزام کے ساتھ اس امر میں ایک دوسرے کی تقلید کی ہے۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرامؓ کی تعلیم میں لفظی صحت اور ضبط کا خیال رکھا کرتے تھے۔جیسا کہ ایک صحابی کو دعا سکھلاتے ہوئے وَرَسُوْلِکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ کی تصحیح ان الفاظ سے فرمائی: لَا، وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ. اور صحابی نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محولہ بالا دعا کا دوسروں سے ذکر کیا تو ساتھ ہی اپنی غلطی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کا بھی ذکر کیا۔ (بخاری. کتاب الوضوء باب: فضل من بات علی الوضوء: ۲۴۷) اس روایت سے بھی یہ بات بالوضاحت ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نقل میں صحت لفظی کا اہتمام رکھتے تھے۔ایسا ہی وہ معانی کو بھی محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے۔جیسا کہ کتاب العلم کی روایت نمبر۸۳،۸۸اور۱۰۳ سے عیاں ہے۔

اگر صحابہ کرامؓ الفاظ کو ضبط نہ کرتے اور صرف معنی کو ہی محفوظ رکھنا کافی سمجھتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ (کتاب العلم باب ۹و۴۹) کے ماتحت ہمارے ذہنوں کے لئے کام کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ایک سننے والے کے لئے اپنی عقل وفکر استعمال کرنے کا موقع اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب وہ الفاظ محفوظ ہوں جن سے لطیف معانی اخذ کئے جاتے ہیں۔لیکن اگر وہ الفاظ ہی محفوظ نہ رہے تو استنباط کس طرح ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ ان الفاظ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے،کوئی اور مفہوم ہو اور سننے والے صحابی نے کچھ اور سمجھا ہو۔جیسا کہ فی الواقعہ ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ حکمت فرمایا جس کا مفہوم حضرت ابوہریرہؓ نے کچھ سمجھا اور حضرت عمرؓ نے کچھ اور۔(مسلم. کتاب الایمان. باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ) نیز دیکھئے تشریح روایت نمبر۱۲۹،۱۳۶۔

صرف الفاظ کے ضبط ہونے کی صورت میں ہی ہم صحیح طور پر اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان میں سے کس نے الفاظ کا مدعا و مقصود صحیح سمجھا اور کس نے غلط۔صرف معنی کے محفوظ رہنے کی صورت میں کئی قسم کے احتمالات کی گنجائش باقی رہتی ہے اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا جو مفہوم اور معنی ایک صحابی ہم کو پہنچا رہا ہے، وہ فی الواقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی۔اس لئے صحابہ کرامؓ نے روایت نقل کرتے وقت غایت درجہ احتیاط سے کام لیا کہ آپؐ کے الفاظ اور معنی کو حتی الوسع محفوظ رکھا اور اگر انہیں کسی امر کے متعلق شک ہوا تو شک کا اور اگر کسی بات کے متعلق علم نہ ہوا تو اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا اور اسی امر کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمائی اور انہیں شدید الفاظ میں ڈرایا کہ کوئی ایسی بات آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کی جائے جو آپؐ نے نہ کہی ہو۔(بخاری. کتاب العلم. باب اثم من کذب علی النبی ﷺ. روایت نمبر:۱۱۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں باب ۳۷ قائم کرکے باب ۹ کے عنوان کو دہرایا ہے اور اس میں ایک نہایت عمدہ مثال سے واضح کیا ہے کہ اگر الفاظ کا ضبط نہ ہو تو معانی کو آسانی سے بگاڑا جاسکتا ہے۔باب ۳۷ کے بعد باب ۴۴ تک جو عنوان قائم کئے گئے ہیں ان سے دراصل یہی بتلانا مقصود ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حدیث نبویؐ کے الفاظ محفوظ کرنے کا بھی فکر و اہتمام ہوتا تھا اور یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو ہی نقل کرتے اور تابعین بھی الفاظ کے نقل کرنے میں صحابہؓ

کی ہو بہو اتباع کرتے تھے۔ باب ۴۴ قائم کرنے سے امام موصوفؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تربیت کے ماتحت ہمہ دانی کا دعویٰ نہ تھا اور یہ کہ جہاں کہیں انہیں کسی بات کا علم نہ ہوتا یا کسی امر کے متعلق شبہ ہوتا تو وہ اپنی لاعلمی کے شبہ کا اظہار کر دیتے تھے۔ محولہ بالا باب میں جو ایک لمبی روایت نقل کی گئی ہے اس کے بیان کرنے والوں کے الفاظ میں ضرور اختلاف ہے۔ مگر یہ اختلاف ایسا نہیں جو معانی میں بہت بڑا فرق ڈالنے والا ہو۔ ایک راوی نے کہا: اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ (روایت نمبر ۱۲۲) اور دوسرے نے کہا: هَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ (روایت نمبر ۷۴) یہ دونوں جملے تقریباً ہم معنی ہیں۔ اس قسم کے لفظی اختلاف کا واقع ہونا ممکن ہے۔ مگر نوف بکالی والا اختلاف (مذکورہ روایت نمبر ۱۲۲) جو بالکل ایک متضاد مفہوم پیدا کر دیتا ہے، صحابہ کرامؓ کی روایتوں میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ جہاں اس قسم کا اختلاف پیدا ہوا، وہ اپنے زمانہ میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیال کر کے الفاظ کو ضبط میں لے آئے اور اس طرح اس اختلاف کو دور کر لیا۔

امام بخاریؒ نے اس بحث کے دوران باب ۴۰، ۴۱ قائم کر کے الفاظ کی صحت وضبط کے متعلق تین روایتیں (نمبر ۱۱۵ تا ۱۱۷) بطور مثال کے پیش کی ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ اور معانی دونوں از خود دلالت کرتے ہیں کہ وہ کلمات طیبہ سرچشمہ نبوت سے صادر شدہ ہیں۔ دوسری روایت میں ایک پیشگوئی کا ذکر ہے جو پوری صحت کے ساتھ وقوع میں آئی اور اس کا وقوع میں آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور یہ کہ صحابہؓ نے انہیں ضبط کے ساتھ نقل کیا۔ تیسری روایت اس بات کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ راوی کو جہاں بھی کسی لفظ کے متعلق شبہ ہوا اس نے وہاں اپنے شبہ کا اظہار کر دیا۔ کتاب العلم کے محولہ بالا بابوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پہنچانے میں الفاظ اور معانی دونوں کی صحت کا اپنی طرف سے پورا پورا اہتمام رکھا۔

امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک روایت بالمعنی مطلق جائز نہیں۔ جیسا کہ فتح المغیث میں ان کے اس مذہب کے متعلق تصریح کی گئی ہے (صفحہ ۲۷۶) اور یہ دونوں امام احادیث کے محفوظ کرنے میں بطور پیش رَو اور ہر اول کے ہیں۔ کتاب العلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے ان کے اس مذہب کی تائید کی ہے۔ مگر اس قدر استثناء کے ساتھ کہ حافظہ وفہم کی کمی وبیشی کی وجہ سے روایت کے الفاظ میں بغیر اصل مفہوم تبدیل ہونے کے کسی قدر لفظی اختلاف کا واقع ہونا ممکن ہے اور اس حد تک یہ لفظی اختلاف جو بغیر ارادہ وقصد کے واقع ہوا ہے ہمیں قبول کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام موصوفؒ روایت بالمعنی نقل کرنا یا اسے خواہ مخواہ قبول کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس آپ دیکھیں گے کہ وہ ایسی روایات کو جن میں کچھ لفظی اختلاف ہے۔ متعدد سندوں کے ساتھ لا کر قدرِ مشترکہ کو نمایاں کر کے اس سے جو تھوڑی سی خلش پیدا ہوتی ہے اسے بھی باقی نہیں رہنے دیتے۔ نقد وتعدیل کے غربال میں روایات کو اس خوبی سے چھانا ہے کہ اصل خلاصہ احادیث نبویہؐ کا ہمارے لئے ہو بہو بحال کر دیا ہے۔

نقد وتعدیل میں امام موصوفؒ کی ممتاز حیثیت:

غرض ناقدین حدیث نے مختلف اعتبارات سے احادیث کی صحت وسقم کو جانچا اور پرکھا ہے۔ یہاں تک کہ صحابی کی تعریف میں بھی صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کیا گیا کہ کوئی شخص مسلمان ہوکر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ بلکہ روایت قبول کرنے کے لئے ان کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ صحابی کچھ عرصہ آپ ؐ کی صحبت میں بھی رہا ہو۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ احادیث کے اس مجموعہ کے تیار کرنے میں ہر اُس خدشہ اور احتیاط کو بروئے کار لائے ہیں جس سے اس میں کسی قسم کا نقص پیدا ہوسکتا تھا اور جس کی طرف مذکورہ بالا اصطلاحیں ہمیں متوجہ کرتی ہیں اور قارئین پر اس شرح کے مطالعہ سے واضح ہوجائے گا کہ جو حدیث بھی کسی پہلو سے مخدوش ہے اور دوسرے محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔ امام موصوفؒ نے صراحتاً یا اشارہ وکنایہ سے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بلکہ بعض اوقات جس قدر تدلیس واقع ہوئی ہے اس کے متعلق بھی آگاہ کردیا ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء۔ باب ۷۰: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب) اور معمولی سے معمولی شبہ پر بھی ایسی روایتوں کو ردّ کر دیا ہے جو دوسرے محدثین کے نزدیک مستند قرار دی گئی تھیں اور کسی روایت کو بھی قبول نہیں کیا تاوقتیکہ دوسرے مستند مصادر سے اس کی تصدیق نہ ہوگئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت وثوق سے اپنی اس کتاب کا نام ''جامع مسند صحیح'' رکھا ہے اور جب اسے اپنے ہم عصر محدثین بلکہ اساتذہ علی ابن المدینی، امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین وغیرہ کے سامنے پیش کیا تو ان سب کو لامحالہ اعتراف کرنا پڑا کہ احادیث میں ان کی یہ تالیف اصح الکتب ہے سوائے چار روایتوں کے جن پر انہیں کچھ اعتراض پیدا ہوا۔ مگر ابوجعفر العقیلی کہتے ہیں کہ ان چار روایتوں کے متعلق بھی امام موصوفؒ کی نظر ثاقب نے غلطی نہیں کی۔

(هدى الساري مقدمة فتح الباري. ذكر فضائل الجامع الصحيح. صفحہ۶۸۴)

انہوں نے احادیث کی صحت وسقم معلوم کرنے کے لئے جو مستحکم اصول اپنے سامنے رکھے ہیں؛ ان کی کسوٹی پر پوری محنت وجانفشانی اور پوری دیانتداری سے احادیث کو پرکھا اور جانچا ہے۔ ان سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ نے سات لاکھ روایتوں سے کانٹ چھانٹ کر تیس چالیس ہزار حدیثیں علیحدہ کر کے اپنی مسند تیار کی تھی۔ یہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور امام مسلم بن حجاجؒ دونوں کے استاد تھے اور گو انہوں نے چالیس برس تک درسِ حدیث دیا اور سینکڑوں ان کے شاگرد تھے۔ مگر ان کے پیش نظر وہ اصول نہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے شاگرد کے دل میں ڈالے اور نہ انہیں چسپاں کرنے میں وہ ذرائع میسر آئے جو امام بخاریؒ کو حاصل ہوئے اس لئے وہ تمام متقدمین پر ہر پہلو سے سبقت لے گئے اور سب کو ان کی اس فضیلت اور سبقت کا لامحالہ اقرار کرنا پڑا۔ امام موصوفؒ نے اپنے ہم عصروں نیز مابعد کے محدثین کے لئے راستہ صاف کردیا اور ان میں سے ہر ایک نے ان کی جامع صحیح سے استفادہ کیا ہے۔ حاکم ابواحمد اور حافظ ابوالحسن الدارقطنی اور امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اگر امام محمد بن اسماعیلؒ نہ ہوتے تو امام مسلم بن حجاجؒ کے لئے کوئی راہ نہ تھی۔ (دیکھئے هدى الساري مقدمة فتح الباري. ذكر فضائل الجامع الصحيح. صفحہ۶۸۴) اور یہ کہ ان کی تصنیف کے بے نظیر ہونے کا خود امام مسلمؒ کو بھی اقرار تھا۔ (عمدة القاري. فوائد تتعلق بصحيح البخاري. فائدة الثانية. جزء اول صفحہ۵)

امام مسلم بن حجاجؒ نے احادیث کے جانچنے کے لئے جرح وقدح، تمحیص وتعدیل کی وہ کڑی شرطیں استعمال نہیں کیں جو امام موصوفؒ نے کیں۔ بلکہ طبقہ ثانیہ وثالثہ کی بھی تقریباً ساری کی ساری روایتیں قبول کر لیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے راویوں کی فہرست امام موصوفؒ کی فہرست سے تین گنا سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یعنی ایک ہزار چھ سو بیس راوی۔ جن میں سے ایک سو ساٹھ راویوں کے کمزور ہونے کے متعلق محققین نے اعتراض اٹھائے ہیں۔ اس مقابلہ وموازنہ سے بھی امام بخاریؒ کی غایت درجہ احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ جو انہوں نے روایات کے اخذ کرنے میں برتی ہے اور طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کے جن راویوں سے انہوں نے روایات قبول کی ہیں ان کے ثقہ ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ امام مسلمؒ نے بھی ان سب کو اپنی کتاب میں لیا ہے۔ (مقدمة فتح الباری. الفصل الثانی فی بیان موضوعه. صفحہ ۱۴)

تاریخ تدوین حدیث:

علم حدیث کے متعلق پہلی مستقل اور قابل اعتبار تصنیف امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جس کا نام مؤطا ہے۔ امام موصوفؒ پہلی ہجری کے آخر (۹۵ھ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے تیرہ سو شاگرد تھے۔ جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور تمام وہ بڑے بڑے علماء ہیں جن سے امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤد طیالسیؒ، ترمذیؒ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے حدیث کا درس سبقاً سبقاً لیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ المؤطا جو کہ ان کے نام سے مشہور ہے علم حدیث میں بطور ایک تمہید کے تھی۔ جیسا کہ خود اس کا نام ظاہر کرتا ہے۔ اس میں کل ایک ہزار سات سو بیس حدیثیں ہیں۔ جن میں سے چھ سو معروف، چھ سو تیرہ موقوف اور دو سو بچاسی مرسل ہیں۔ امام بخاریؒ نے علم حدیث کی تاریخ تدوین کا ذکر کتاب العلم باب ۳۴ کے ذیل میں اس طرح کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جن کا زمانہ خلافت (۹۹-۱۰۱ھ) ہے، سب سے پہلے احادیث کے ضبط تحریر میں لانے اور محفوظ کرنے کا فکر ہوا اور انہوں نے اس کے لئے محمد بن شہاب زہریؒ کو چنا جو تابعی اور علمائے مدینہ میں سے چوٹی کے عالم اور فقیہ تھے۔ (اکمال فی اسماء الرجال) انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ یکے بعد دیگرے رخصت ہو رہے ہیں (آخری صحابی جیسا کہ روایت نمبر ۱۶۰ کی شرح میں بتلایا گیا ہے ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے) اور ایسا نہ ہو کہ خود غرض جاہل لوگ اپنی طرف سے غلط مسائل بنا کر لوگوں کو گمراہ کر دیں جس سے آہستہ آہستہ احادیث کا نام و نشان باقی نہ رہے (کتاب العلم باب ۳۴) اس وقت احادیث کے درس وتدریس اور سننے سنانے کا دارومدار چند ایک متفرق قلمی نسخوں اور زیادہ تر زبانی روایات پر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خوف پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خاندان بنی امیہ کے دشمنوں نے مخفی سوسائٹیاں قائم کر کے اپنے نمائندے مختلف جگہوں میں بھیجے۔ جنہوں نے سیاسی اغراض کی خاطر روایتوں میں تصرف کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں احادیث کے مخدوش ہونے کا خطرہ پیدا ہوا اور معاً اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی تدوین وحفاظت کی تحریک پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری صدی کے نصف تک کئی کتابیں تابعین کی روایات اور ان کے نوشتوں کی بناء پر احادیث کے متعلق لکھی گئیں۔ ابتداء میں سندوں کا حوالہ دیا جانا ضروری نہیں سمجھا گیا جو ایک طبعی امر تھا۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ جیسا کہ ہمارے

زمانہ میں بھی موجودہ واقعات کے متعلق ایک دوسرے سے ذکراذکار کرنے میں کوئی حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی مگر بعد میں جب موضوعات کا سلسلہ شروع ہوا تو ضرورت محسوس کرتے ہوئے سندوں کو بھی ضبط میں لایا گیا۔غرض حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے محمد بن شہاب زہریؒ (تابعی) سے کہا کہ احادیث کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ایسا ہی انہوں نے اپنے ان عمّال کو بھی اس کے متعلق احکام بھیجے جن میں سے ابوبکر بن حزم انصاریؒ (تابعی) بھی ہیں جو اس وقت مدینہ کے قاضی تھے۔(دیکھئے تشریح کتاب العلم باب ۳۴) بعض محققین کے نزدیک عبدالملک بن جریج بصری (متوفی ۱۵۰ھ)، ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۰ھ)، ابونصر سعید بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ)، محمد بن شہاب زہری سے پہلے احادیث کو کتابوں کی صورت میں جمع کر چکے تھے☆ مگر یہ کتابیں ناپید ہیں۔امام سیوطیؒ اور علامہ مقریزی کی تحقیق کی رو سے زہریؒ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کو کتاب میں جمع کیا۔مگر یہ کتاب بھی ناپید ہے بوجہ اس کے کہ اس سے بہتر کتاب المؤطا کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف ہوگئی۔

امام مالک (متوفی ۱۸۹ھ) نے محمد بن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ھ)، یحییٰ بن سعید انصاری (متوفی ۱۴۳ھ)، محمد بن منکدر (متوفی ۱۳۱ھ)، جعفر صادق (متوفی ۱۴۸ھ)، ہشام بن عروہ (متوفی ۱۵۱ھ) اور محمد بن یحییٰ انصاری (متوفی ۱۵۱ھ) رحمۃ اللہ علیہم سے جو آپ کے ہم عصر تابعین تھے احادیث اخذ کیں۔خصوصاً زہریؒ سے جن کا اکثر حوالہ ان کی مشارٌ الیہ کتاب مؤطا میں پایا جاتا ہے۔امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح مسند کو یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور محمد بن شہاب زہری کی روایتوں سے شروع کیا ہے۔(کتاب بدء الوحی روایت نمبر ۱،۲،۳)

ان محدثین کے متعلق جو قرن اوّل کے اواخر اور قرن ثانی کے اوائل میں تھے اور جو ہر لحاظ سے ثقہ مانے جاتے تھے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے احادیث کے متعلق اپنی طرف سے افتراء کیا ہو۔انہوں نے صحابہ کرامؓ سے بالمشافہ باتیں سنیں اور ایک دوسرے کو پہنچائیں اور انہیں محفوظ کیا۔

احادیث کے محفوظ ہونے کے اسباب:

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ان چند ایک ضروری اسباب کا ذکر کیا ہے جو احادیث کی صحت اور ان کی حفاظت کا اصل سبب ہوئے۔ان میں سے

اول: وہ عاشقانہ تعلق ہے جو صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔وہ آپؐ کے قول و فعل پر ہر وقت نظر رکھتے اور آپؐ کے تمام حرکات و سکنات کی پیروی کرنا اپنی نجات کا باعث یقین کرتے تھے۔(کتاب العلم باب ۲۷۔روایت نمبر ۸۹)

دوم: صحابہ کرامؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے اور یاد کرنے کا انتہائی شوق یہاں تک کہ بھوک پیاس کا بھی خیال نہ رکھتے (کتاب العلم باب ۴۲۔روایت نمبر ۱۱۸)

سوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کی تعلیم کے متعلق اہتمام رکھنا (کتاب العلم باب ۱۲،۳۲)

☆ (هدى السارى مقدمة فتح البارى. الفصل الاول فى بيان السبب الباعث. صفحہ ۸)

چہارم: آپؐ کا دل نشین انداز اور سیدھے سادھے پیرایہ میں بات بیان کرنا اور بار بار اسے دہرانا تا کہ آپؐ کی باتیں ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائیں۔ (کتاب العلم باب ۳۰، ۴۰، ۴۹)
پنجم: صحابہ کرامؓ کا تحصیل علم کے لئے آپؐ کے پاس دور و نزدیک سے آنا اور آپؐ کے ارد گرد اور آپؐ کے سامنے ادب اور خاموشی اور توجہ سے سننے کے لئے بیٹھنا۔ (کتاب العلم باب ۲۵ تا ۲۷ و ۲۹)
ششم: آپؐ کا صحابہ کرامؓ کو خاموشی سے سننے، سیکھنے اور حفظ کرنے کی ترغیب و تحریص دلانا۔
(کتاب العلم باب ۱۵، ۲۰، ۲۵، ۳۱، ۴۳)
ہفتم: آپؐ کا بحیثیت ایک دانشمند معلم کے تعلیم اور اس کے عملی پہلو کا خیال رکھنا۔ (کتاب العلم باب ۲۸، ۴۸، ۵۳)
آپؐ کا صحابہ کرامؓ کی معلومات کی صحت اور سقم معلوم کرنے اور ان کے قیاس و فکر کی استعداد بڑھانے کے لئے ان کا جائزہ لیتے رہنا۔ (کتاب العلم باب ۵)
ہشتم: آپؐ کا صحابہ کرامؓ کے اعمال کی جزئیات پر نظر رکھنا اور ان کی اصلاح کرنا۔ (کتاب العلم باب ۳)
نہم: صحابہ کرامؓ کا آپؐ سے مسائل وغیرہ پوچھنا اور ان کو سمجھنا۔ (کتاب العلم باب ۲۶، ۳۶، ۴۵، ۴۶، ۵۰، ۵۱)
بلکہ بعض وقت اصرار اور آزادی سے دریافت کرنا۔ (روایت نمبر ۲۷، ۲۲۹)
دہم: صحابہ کرامؓ کا آپس میں احادیث کے متعلق تبادلہ خیال اور ذکر و اذکار سے انہیں تازہ کرتے رہنا۔
(کتاب الایمان باب نمبر ۱، کتاب العلم باب ۴۲، ۴۴)
یازدہم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمانا کہ آپؐ کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں۔
(کتاب العلم باب ۹، ۲۰، ۲۵)
دوازدہم: صحابہ کرامؓ کا یہ یقین کہ اگر آپؐ کی باتیں دوسروں تک نہ پہنچائی جائیں گی تو وہ گناہِ عظیم میں مبتلا ہوں گے۔
(کتاب العلم روایت نمبر ۱۲۸۔ کتاب الوضوء روایت نمبر ۱۵۹)
سیزدہم: آپؐ کا یہ تاکید فرمانا کہ آپؐ کی طرف غلط اور جھوٹی باتیں منسوب نہ کی جائیں۔ (کتاب العلم باب ۳۸)
چہاردہم: صحابہ کرامؓ کا آپؐ کی باتیں یاد کرنے اور پہنچانے کے متعلق آپؐ کی ہدایت کی تعمیل کرنا۔
(کتاب العلم باب ۱۰، ۴۲ نیز کتاب العلم روایت نمبر ۱۵۹)
پانزدہم: صحابہ کرامؓ کا صحت لفظی کے ساتھ آپؐ کی باتیں حفظ کرنا اور اُنہیں احتیاطاً لکھنا اور لکھوانا (کتاب العلم باب ۳۹)
شانزدہم: صحابہ کرامؓ کا روایت بیان کرنے کے متعلق غایت درجہ کی احتیاط برتنا۔ (کتاب العلم روایت نمبر ۱۰۷)
اور بوقت روایت الفاظ کے متعلق اپنے شک و شبہ کا بھی اظہار کر دینا۔ (باب ۳۹، ۴۴۔ روایت نمبر ۱۳۳)

غرض یہ وہ اہم اسباب ہیں جن کا ذکر امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں کیا ہے اور جو درحقیقت احادیث محفوظ کرنے میں ضامن اور متکفل تھے۔ عربوں کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا۔ سینکڑوں اسماء و انساب اور اشعار انہیں ازبر تھے اور یہی وہ حیرت انگیز حافظہ تھا جو قرآن مجید کی حفاظت کا بھی ایک سبب ہوا۔

احادیث کی زندہ کتاب: درحقیقت صحابہ کرامؓ کا دل و دماغ اس غایت درجہ عشق و محبت کی وجہ سے جو اُن کو اپنے آقا سے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کے ماتحت آپؐ کے سوانح حیات کے محفوظ رکھنے کے لئے ایک زندہ کتاب بن چکا تھا۔ جس کے حروف نہ مٹنے والے تھے۔ وہ آپؐ کی سوانح حیات اور آپؐ کی ہر گفت و کردار کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے دور دراز ملکوں میں نکل گئے تھے۔ انہوں نے اپنا یہ مقدس فرض سمجھا ہوا تھا کہ اپنے ہادی کی ہدایات کی پوری پوری تعمیل کریں اور آپؐ کی باتوں کو اکنافِ عالم میں اپنوں اور غیروں تک پہنچائیں۔ وہ اپنے عشق اور فریفتگی میں اس انتہائی مقام تک پہنچے ہوئے تھے کہ ہمارے لئے ان کا تصور میں لانا بھی ناممکن ہے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کی ہر حرکت و ہر سکون کے متعلق قرآن مجید کے حکم اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران: ۳۱) کے ماتحت اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ ان کی اتباع کریں اور آپؐ کے رنگ میں رنگین ہوں۔ ان کے عاشقانہ انداز کے واقعات کی مختصر تاریخ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کتاب العلم باب ۴۱ اور روایت ۳۶، ۵۰۱-۵۰۳ دیکھئے اور ان سے اندازہ کریں کہ صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تعلق تھا۔

فرضِ تبلیغ کی ادائیگی قرنِ اولیٰ میں: انہوں نے لاریب آپؐ کے احکام کی تعمیل میں آپؐ کا پیغام اور آپؐ کی باتیں اکناف عالم میں پہنچانے اور پھیلانے میں کوئی لمحہ اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کی زندگیاں شب و روز صرف اسی غرض کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ کیا مرد اور کیا عورتیں دونوں اس فریضہ تبلیغ میں اپنے اپنے دائرہ میں مشغول رہے اور کسی دنیاوی حکومت کی تلوار کا خوف و ہراس انہیں اس فرض کی ادائیگی سے باز نہ رکھ سکا۔ (کتاب العلم باب ۱۰، ۳۷) یہاں تک کہ انہوں نے اس بارِ امانت کو کمال دیانت کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیا اور ان کے اس فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے ساتھ قرن اول کا خاتمہ ہو کر ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ جس میں احادیث میں آمیزش کا خطرہ نمودار ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فوری تدارک کے تمام ضروری سامان بھی معاً پیدا کر دیئے۔ جیسا کہ کتاب العلم کے باب ۳۴ کے مضمون سے واضح ہوتا ہے۔

قرن ثانی کا آغاز: تاریخ سے بھی اس بات کا یقینی ثبوت ملتا ہے کہ احادیث کی روایت میں صرف زبانی گفت و شنید و قیل و قال پر ہی دارومدار نہیں رکھا گیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی بعض صحابہ کرامؓ کو آپؐ کی باتیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور پہلی اور دوسری صدی میں ہی ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو احادیث کو ضبط تحریر میں لائے۔ جیسا کہ اس کا ابھی مختصر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان تمام شواہد سے یہ بات بپایہ ثبوت پہنچتی ہے کہ جب احادیث کے متعلق تدلیس کا خطرہ پیدا ہوا تو پھر محض کسی زبانی روایت پر ہی اعتماد نہیں رکھا گیا بلکہ اس بارے میں مزید احتیاطیں بروئے کار لائی گئیں۔ خود صحابہ کرامؓ کو بھی جب کسی امر کے متعلق شبہ ہوتا تو وہ کسی دوسرے صحابی کی یادداشت سے مدد لیتے یا اپنی نوشتہ یادداشتوں کی جانچ پڑتال کرتے۔ (کتاب العلم باب ۱۹)

حضرت انسؓ تو جب کبھی ان سے کوئی بات یا مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اپنی مرقومہ محفوظات کی دیکھ بھال کرنے کے بعد جواب دیتے۔ امام مالکؒ بھی اپنے شاگردوں کو جو ایک بہت بڑی تعداد تک پہنچ گئے تھے حدیثیں لکھوایا کرتے تھے جو

بعد میں اکٹھی ہوکر المؤطا کی شکل میں مرتب و مدون ہوئیں۔امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں دو باب معارضہ ومناولہ کے متعلق باندھے ہیں۔ان سے بھی قرن اول اور قرن ثانی کے طریق کا پتہ چلتا ہے کہ جب طبع واشاعت کا کوئی سامان نہ تھا اور قلمی نسخے کم تھے۔ایک استاد اپنے شاگرد کو کتاب دیتا۔وہ اس کی موجودگی میں دوسروں کو پڑھ کر سناتا اور استاد جہاں ضروری سمجھتا اصلاح کرتا اور اس کے بعد اپنے شاگردوں میں سے قابل اعتماد شاگرد کو اجازت دیتا کہ وہ اس کی سند سے ان احادیث کو دوسروں تک پہنچائیں۔(کتاب العلم باب ۶،۷)

حَدَّثَنَا وغیرہ الفاظ جو حدیثوں میں آتے ہیں ان سے صرف یہ نہ سمجھا جائے کہ گویا احادیث زبانی ہی روایت کی جاتیں بلکہ اس میں معارضہ، مناولہ ومکاتبہ وغیرہ کی صورتیں بھی شامل ہیں۔صحابہ کرامؓ بصرہ، بغداد، کوفہ، دمشق اور مصر وغیرہ شہروں میں چلے گئے تھے اور سینکڑوں لوگوں نے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں کیا تھا اور جن کے کان آپؐ کی پیاری باتوں سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے۔آپؐ کی صحبت سے فیض یافتہ ساتھیوں سے وہ باتیں سن کر اپنے ارمان نکالے۔جوں جوں مختلف ملکوں کے لوگ اسلام میں بکثرت داخل ہوتے گئے اور اجتماع اسلامی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔توں توں لوگوں کی ضرورتوں کے تنوع کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کے متعلق جستجو اور تحقیق میں بھی زیادتی ہوتی چلی گئی۔صحابہ کرامؓ ایسے موقع پر احکام وسنن کے متعلق اپنے حافظہ اور اپنے نوشتوں کی مدد سے مستفسرہ امور کے متعلق جواب دیتے اور اس طرح احادیث اور آثار صحابہ کی تعداد میں وسعت کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اور وسعت پیدا ہوئی۔یہ نہیں ہوا کہ انہوں نے از خود محض خیال کی بناء پر اپنی طرف سے نئے مسائل وضع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیئے۔

صحابہ کرامؓ میں زیادہ روایت کرنے والے[1] حضرت ابو ہریرہؓ عبدالرحمٰن ازدی ہیں۔(کتاب العلم باب ۴۲) یہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے اور ان کے آٹھ سو کے قریب شاگرد تھے۔جنہوں نے ان سے پانچ ہزار کے قریب روایتیں اخذ کیں۔وہ ۵۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔حضرت ابو ہریرہؓ گو درایت میں بوجہ اہل بادیہ سے تعلق رکھنے کے اعلیٰ درجہ کے نہ تھے مگر ان کا حافظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور روزمرہ کی مشق حفظ سے قوی ہو گیا تھا اور روایت کرنے میں محتاط بھی تھے۔(روایت نمبر ۱۱۹،۱۲۰)

ان کے علاوہ صحابہؓ میں سے حضرت عائشہؓ نہایت ثقہ راوی ہیں جن سے مختلف سندوں سے دو ہزار دو سو دس روایتیں مروی ہیں۔آپؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔حضرت عائشہؓ نہ صرف روایت میں ہی بلکہ درایت میں بھی اعلیٰ درجہ کی ثقہ مانی

---

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کے انتخاب کرنے میں غایت درجہ احتیاط کا پتہ اس امر سے لگتا ہے کہ باوجود اس کے کہ دیگر آئمہ احادیث نے صحابہؓ کی روایتوں کو وسعت سے اخذ کیا ہے مگر انہوں نے اس کے برخلاف صرف انہی حدیثوں کو لیا ہے جن کی صحت کے متعلق ہر پہلو سے انہیں یقین ہوا۔چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی انہوں نے صرف ۴۴۶، حضرت عائشہؓ کی ۲۴۲، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ۲۱۷ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ۲۷۰ حدیثیں قبول کی ہیں۔ وعلیٰ هٰذا القياس. (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ فتح الباری. الفصل العاشر. ذكر عدة مالكل صحابی. صفحہ ۶۶۵-۶۶۸)

گئی ہیں اور کئی صحابہؓ مرد اور عورتیں اور بچے جن کی تعداد دوسوتک شمار کی گئی ہے ان کے شاگرد تھے۔ آپؓ مدینہ میں مسجد نبوی میں درس دیا کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خوردسال تھے اور ان سے کل پچیس مرفوع حدیثیں ثابت ہیں۔ مگر انہیں دیگر صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایتیں سننے اور یاد کرنے کا موقع ملا اور ان سے دوہزار دوسو چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ کتاب العلم میں امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے متعلق شبہ کا ازالہ کرنے کی خاطر باب ۱۸: مَتٰى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيْرِ باندھ کر بتلایا ہے کہ ان کی خوردسالی ان کی روایتوں کو مخدوش نہیں کرتی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ میں عامل مقرر کیا اور وہاں کے لوگوں کو ان سے حدیثیں سننے اور یاد کرنے کا ایک بہت بڑا موقع ملا۔ یہ ۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی مشہور راوی ہیں۔ ان سے دوہزار چھ سوتیں حدیثیں مروی ہیں اور نہایت ثقہ گردانے گئے ہیں۔ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں بودوباش رکھتے تھے اور سلطنت کے سیاسی امور سے بالکل الگ رہتے اور آنحضرتؐ کی اتباع کا غایت درجہ شوق رکھتے تھے۔ (دیکھئے کتاب الصلوٰۃ روایت نمبر ۴۸۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ۷۴ھ میں فوت ہوئے اور ان سے دوہزار ایک سوستر حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مصر میں تھے۔ ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ ان سے سات سو احادیث مروی ہیں۔ یہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ (روایت نمبر ۱۱۳) ان صحابہؓ میں سے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کا کم موقع ملا یا جو حضرت زبیرؓ کی طرح حدیث میں کسی قسم کی کمی یا بیشی واقع ہونے کے خوف سے روایت کرنے میں بہت ہی احتیاط کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ۳۶۰ اور ان خلفائے راشدینؓ میں سے ہر ایک نے پانچ سو سے کچھ زائد احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کوفہ اور بصرہ کے عامل تھے اور ۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمروؓ بھی مشہور صحابی ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے اور ۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ ان سے ۲۵۴۰ روایتیں مروی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ بھی مشہور صحابی ہیں۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا بہت موقع ملا۔ انہوں نے بھی بصرہ میں بودوباش اختیار کرلی تھی اور حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ آخری صحابی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

اس فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے بآسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں پائے جاتے تھے جہاں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پہنچانے کا موقع ملا اور ایک سوسال تک انہوں نے ہزاروں آدمیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پہنچائیں اور ان سے روایت کرنے والے مشہور ثقہ تابعین ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل مختصر فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ خط وحدانی میں ان کی وفات کی تاریخ دی گئی ہے۔

تابعین بطور اساتذہ حدیث: ۱۔ **مدینہ منورہ میں:** سعید بن المسیب (متوفی ۹۴ھ)، عروہ بن زبیرؓ (متوفی ۹۴ھ)، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر مخزومی (متوفی ۹۴ھ)، علی بن حسین بن علی (متوفی ۹۴ھ)، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ (متوفی ۹۸ھ)، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ (متوفی ۱۰۶ھ)، قاسم بن محمد (متوفی ۱۰۱ھ)، سلیمان بن یسار (متوفی ۱۰۷ھ)، نافع بن سرجس مولی عبداللہ بن عمر (متوفی ۱۱۷ھ)، ابوجعفر محمد بن ذکوان (متوفی ۱۳۱ھ)، القاضی یحییٰ بن سعید انصاری (متوفی ۱۴۳ھ)، ربیعہ بن عبدالرحمٰن (متوفی ۱۳۶ھ)۔

۲۔ **مکہ مکرمہ میں:** مجاہد بن جبر (متوفی ۱۰۳ھ)، عکرمہ مولیٰ ابن عباس (متوفی ۱۰۷ھ)، عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ)، ابوزبیر محمد بن مسلم المعروف (متوفی ۱۲۸ھ)۔

۳۔ **کوفہ میں:** علقمہ بن قیس (متوفی ۶۲ھ)' مسروق بن اجدع (متوفی ۶۲ھ)' عبادہ بن عمرو (متوفی ۹۲ھ)' اسود بن یزید (متوفی ۹۵ھ)' ابراہیم بن یزید (متوفی ۹۵ھ)' سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ)' عامر بن شُرَحْبِیل الشعبی (متوفی ۱۰۴ھ)۔مؤخر الذکر پانچ سو صحابہ سے ملے ہیں۔

زہری کہتے ہیں کہ تابعین میں اعلیٰ پایہ کے علماء چار ہیں۔سعید بن مسیّب مدینہ میں، حسن بصرہ میں، مکحول شام میں اور عامر شعبی کوفہ میں۔(اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۵۶)

۴۔ **بصرہ میں:** رافع (متوفی ۹۰ھ)' جابر بن یزید (متوفی ۹۳ھ)' حسن ابن ابی الحسن (متوفی ۱۱۰ھ) اور ان کے بھائی سعید (متوفی ۱۰۹ھ)' محمد بن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ)' قتادہ بن وعامہ (متوفی ۱۱۸ھ)' عبداللہ بن مسلمہ (متوفی ۲۲۱ھ)۔قتادہ حافظ تھے اور ان کا حافظہ حیرت انگیز تھا......(اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۰۶)

۵۔**شام میں:** عبدالرحمٰن بن غنم اشعری (متوفی ۷۸ھ)' قبیصہ بن ھُلب (متوفی ۸۱ھ)' عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ)، مکحول بن عبداللہ ابی مسلم خولانی (متوفی ۱۱۲ھ)۔اول الذکر فقہائے شام میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے۔
(اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۹۱)

۶۔ **مصر میں:** ابوالخیر مُرثَد بن عبداللہ (متوفی ۹۰ھ)' یزید بن ابی حُبَیب (متوفی ۱۲۸ھ)' ابوبکر عبداللہ بن زبیر حُمَیدی (متوفی ۲۱۹ھ) جو نہایت ثقہ اور امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کے استاد تھے۔صحیح بخاری میں سب سے پہلی حدیث انہی کی ہے۔آخر عمر میں مکہ مکرمہ آ گئے تھے۔(اکمال فی اسماء الرجال)

۷۔ **یمن میں:** طاؤس بن کیسان خولانی (متوفی ۱۰۵ھ)' وہب بن مُنبہ (متوفی ۱۱۴ھ)' یحییٰ بن ابی کثیر (متوفی ۱۲۹ھ) اول الذکر چوٹی کے عالم تھے۔

۸۔ **بغداد میں:** عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ)' یزید بن ہارون سلمی (متوفی ۲۱۷ھ)' یزید جو امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی کے استاد تھے واسط میں بھی رہے ہیں۔

مذکورہ بالا راوی نہایت ہی ثقہ اور تابعین میں سے تھے۔جنہوں نے صحابہؓ کے منہ سے باتیں سنیں، یاد کیں اور انہوں نے تبع تابعین کو پہنچائیں اور ان کے طفیل دوسری صدی کا نصف ختم ہونے سے پہلے پہلے علم حدیث مستقل کتابوں میں

محفوظ ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محض سینہ بسینہ علم اور شنیدہ روایات پر ہی کلیۃً انحصار رکھا گیا۔ صحابہؓ اور تابعینؒ ابھی زندہ ہی تھے کہ احادیث کے ضبط اور تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی المؤطا منکرین احادیث کے مزاعم باطلہ کو ردّ کرنے کے لئے شاہدِ ناطق[1] ہے۔

منکرین احادیث کے اعتراضاتِ واہیہ کا ردّ

امام مالکؒ پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سے صرف تین چار سو حدیثیں مروی ہیں کہ جن کا سلسلہ اسناد غیر معلوم ہے اور یہ کہ ان کی مؤطا سلطنت بنی امیہ کی ہوا خواہی و سرپرستی میں خاص اغراض کے ماتحت لکھی گئی۔ یہ اعتراض اول تو اس امر سے باطل ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سات سو بیس حدیثیں روایت کی ہیں؛ جن میں سے نصف سے زیادہ معروف ہیں۔ دوم اس امر سے بھی اس اعتراض کا بطلان ظاہر ہے کہ اس کتاب کے مسائل کا تعلق ایسے احکام اور سنن نبوی سے ہے جو عبادات اور معاملات سے مخصوص ہیں۔ پس ان کو غرض پرستی سے متصف کرنا حقائق سے آنکھیں بند کرنا اور بہت بڑی جسارت ہے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو تو جعفر عامل مدینہ (جو کہ خلیفہ منصور کا قریبی رشتہ دار تھا) کی منشاء کے مطابق فتویٰ نہ دینے کی وجہ سے اس کے حکم سے ایک مجرم کی طرح ننگے بدن کوڑے لگائے گئے تھے۔ ایسی شخصیت کے متعلق یہ الزام لگانا کہ اس نے اپنے فتووں کی بناء بنی امیہ کے حکام کی رضاجوئی پر رکھی تھی بہتانِ عظیم ہے۔

شہادت کے دو اہم رُکن: منکرین احادیث بعض وقت یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ سلسلہ اسناد کی زبانی شہادت در شہادت کوئی قابل اطمینان صورت نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی مہذب دنیا کے قوانین عدل و انصاف قانون کی نظر میں تحریری شہادت جب تک زبانی شہادت معتبرہ کی تصدیق حاصل نہ کر لے کوئی وزن و قیمت نہیں رکھتی۔ محض ایک شخص کے قبضہ میں تحریری دستاویز کا ہونا اس بات کا یقینی ثبوت نہیں کہ واقعہ میں وہ دستاویز صحیح بھی ہے یا نہیں، جب تک کہ اس کی تائید ایسے گواہوں سے نہ ہو جائے کہ وہ سچی ہے اور جعلی نہیں۔ پس محققین جیسے قدیم زمانہ میں دونوں قسم کی شہادتوں کو بنظر اعتبار دیکھتے تھے، آج بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دونوں قسم کی شہادتوں پر اعتماد رکھتے ہوئے متقدمین نے احادیث کو مدون کیا۔ دوسری صدی کے نصف گزرنے سے قبل ہی ابو محمد ابن جریجؒ نے مکہ مکرمہ میں، امام مالکؒ اور سفیان بن عُیَینہؒ نے مدینہ میں اور بعض کے نزدیک

---

[1] محققین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی صدی کے راوی خواہ وہ صحابہؓ میں سے ہوں یا تابعینؒ سے؛ تمام کے تمام ثقہ تھے سوائے شاذ و نادر کے۔ جیسے حارث اعور اور مختار کذاب اور دوسری صدی کے ابتداء میں بعض کمزور راوی پائے جاتے تھے۔ اس اعتبار سے کہ وہ بعض دفعہ غلطی سے موقوف کو مرفوع بیان کر دیتے یا اس اعتبار سے کہ انہوں نے مرسل روایتیں نقل کیں۔ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ اٰخِرِ عَصْرِ التَّابِعِيْنَ وَهُوَ حُدُوْدُ الخَمْسِيْنَ وَالْمِائَةِ تَكَلَّمَ فِي التَّوْثِيْقِ وَالتَّضْعِيْفِ طَآئِفَةٌ مِّنَ الاَئِمَّةِ ۔ (فتح المغیث صفحہ ۴۷۹) یعنی جب تابعین کا زمانہ ۱۵۰ھ میں ختم ہونے لگا تو بعض ائمہ نے قوی اور ضعیف روایتوں میں تمیز کی اور اُن پر کتابیں لکھیں۔

ربیع بن صُبیح اور سعید بن ابی عروبہ نے مصر میں' معمر اور عبدالرزاق نے یمن میں' سفیان ثوری اور محمد بن فضیل نے کوفہ میں' حماد بن سلمہ اور رعاب بن عبادہ نے بصرہ میں' حسین نے واسطہ میں اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں احادیث کی کتابیں لکھیں اور اس کے بعد صحیح بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداوٴدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ جیسی کتابیں وجود میں آئیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ یونہی خیالی اصول قائم کر کے تیسری صدی میں ائمہ حدیث نے بغیر کسی سابقہ تحریری استناد حاصل کرنے کے محض زبانی روایتوں پر ضخیم کتابیں لکھ ڈالی ہوں۔ منکرین احادیث کے الزامات درحقیقت تاریخ سے جہالت پر مبنی ہیں۔ نہ صرف صحابہ اور تابعین کا ہی سلسلہ اتصال و اسناد آپس میں نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ بلکہ تبع تابعین اور ان سے روایت کرنے والوں کا بھی۔ وہ ایک دوسرے کے ہم عصر و ہم نشین اور ثقہ ہونے کے تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف اور تاریخ اسلامی میں مشہور و معروف ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

امام بخاریؒ کے ان راویوں کو ہی لیجئے جن سے انہوں نے احادیث اخذ کی ہیں۔ ان میں سے ایک طبقہ تو وہ ہے جو نہایت ہی ثقہ تابعین سے روایت کرنے والے ہیں۔ جیسے محمد بن عبداللہ انصاری جنہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے۔ مکی بن ابراہیم و ابو عاصم نبیل جنہوں نے یزید بن ابی عبید سے۔ عبید اللہ بن موسیٰ جنہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے۔ ابونعیم جنہوں نے اعمش سے۔ خلاد بن یحییٰ جنہوں نے عیسیٰ بن طہمان سے اور علی بن عیاش و عصام بن خالد جنہوں نے حریز بن عثمان سے روایتیں بیان کیں اور ایک وہ طبقہ ہے جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، سلیمان بن حرب، قُتَیبہ بن سعید، نعیم بن حماد اور یحییٰ بن معین جیسے اعلیٰ پایہ کے ثقہ تبع تابعین سے روایتیں نقل کیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے راوی ہیں جو یا تو تابعین کے ہم عصر ہیں مگر انہیں اعلیٰ درجہ کے تابعین سے ملاقات کرنے اور روایتیں سننے کا موقع نہیں ملا یا وہ ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اساتذہ احادیث یا ان کے وہ شاگرد ہیں جن پر پورے طور پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ (مقدمہ فتح الباری. ذکر مراتب مشایخه الذین کتب عنهم و حدث عنهم. صفحہ ٦٧٠-٦٧١)

امام احمد (بن حجر) عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب اور ان کے علاوہ دیگر محققین نے مختلف کتابوں میں ان راویوں کے حالات لکھے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں اعلیٰ پایہ کے علمائے حدیث تھے۔ جامع صحیح مسند بخاری کے مذکورہ بالا راویوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ اسناد تابعین اور تبع تابعین سے قریب ترین اور نہایت قابل اعتماد جہت سے متصل ہے۔ یہ نہیں کہ اس سلسلہ اتصال کے حلقات میں کوئی انقطاع واقع ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ روایتوں کے سلسلہ اسناد کو جس معیار پر پرکھا جائے اور جس جہت سے بھی اس پر نظر ڈالی جائے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے حلقے ایک دوسرے سے وابستہ اور پیوستہ ہیں اور اس بارے میں منکرین احادیث کے اعتراضات بالکل فرسودہ اور بے بنیاد ہیں۔

جامع صحیح مسند کا اعلیٰ پایہ: امام بخاریؒ نے جب قلم اٹھایا ہے تو ان کے سامنے احادیث کی کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے صرف اسی مرقومہ ذخیرۂ احادیث پر ہی اعتماد نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی شہادت سے جو اس وقت میسر آ سکتی تھی اور معیار جرح وتعدیل پر صحیح اور غیر صحیح کی جانچ پڑتال پوری جانفشانی سے کی ہے جس کا اعتراف ان کے ہم عصر اساتذہ احادیث کو کرنا پڑا جو فن جرح ونقد میں چوٹی کے امام تھے۔ علی بن المدینی اور محمد بن یحیٰ ذہلی جو روایتوں کے علل (یعنی مخفی نقائص) کے جاننے میں اعلیٰ پایہ کے امام مانے گئے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر کے متعلق تو خود امام بخاریؒ کو بھی ان کی فضیلت کا اعتراف ہے اور ثانی الذکر اُس زمانے کے علماء میں سب سے بڑے عالم تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان دونوں سے امام موصوفؒ نے اخذ کیا اور ان کے سامنے اپنی تصنیف پیش کی اور انہوں نے اس کی امتیازی حیثیت کو قبول کیا۔

(مقدمہ فتح الباری. الفصل الثامن فی سیاق الاحادیث التی انتقدها علیه حافظ عصره ابو الحسن الدارقطنی. صفحہ ۵۰۶)

حافظ ابوالحسن الدارقطنی (۳۰۴-۳۸۱ھ) اور بعض دیگر متاخرین نے سارا زور لگا کر صحیح بخاریؒ میں سے کل ایک سو دس روایتوں کے نقص کا پتہ دیا ہے۔ ان میں سے بتیس تو وہ احادیث ہیں جو امام مسلمؒ نے بھی قبول کیں اور اٹھتر وہ ہیں جن میں امام بخاریؒ متفرد ہیں۔ مگر امام احمد (ابن حجر) عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہوئے ان احادیث کو جن پر مشار الیہ متاخرین نے اعتراض کئے ہیں؛ ایک ایک کر کے لیا اور دکھلایا ہے کہ ان میں امام بخاریؒ کی روایت صائب ہے۔ وہ آخر میں فرماتے ہیں: فَاِذَا تَأَمَّلَ الْمُنْصِفُ مَاحَرَّرْتُهُ مِنْ ذٰلِكَ عَظُمَ مِقْدَارُ هٰذَا الْمُصَنَّفِ فِيْ نَفْسِهٖ وَجَلَّ تَصْنِيْفُهٗ فِيْ عَيْنِهٖ وَعَذَّرَ الائِمَّةَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ تَلَقِّيْهِ بِالْقُبُوْلِ وَالتَّسْلِيْمِ وَتَقْدِيْمِهِمْ لَهٗ عَلٰى كُلِّ مُصَنَّفٍ فِي الْحَدِيْثِ وَالْقَدِيْمِ ......

(مقدمہ فتح الباری. الفصل الثامن فی سیاق الاحادیث التی انتقدها علیه حافظ عصره ابو الحسن الدارقطنی. صفحہ ۵۴۷)

جامع مسند صحیح بخاری کی اہمیت وعظمت کا پتہ اس امر سے بھی بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی بڑی بڑی ضخیم شرحیں لکھی گئی ہیں جو پچاس سے بھی زیادہ ہیں اور ان کے لکھنے والوں میں شیخ الاسلام حافظ احمد (ابن حجر) عسقلانیؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ اور علامہ محمد تیمیؒ جیسے ائمہ کبار ہیں۔ اول الذکر نے متعدد ضخیم جزؤں میں بالاستیعاب بخاری کی شرح لکھی ہے جو سب سے اعلیٰ اور مستند مانی گئی ہے۔ ایسا ہی علامہ عینیؒ نے بھی شرح لکھی ہے۔ میں نے جامع بخاری کی یہ شرح لکھتے وقت ان دونوں شرحوں کو خصوصیت سے اپنے سامنے رکھا ہے۔ جیسا کہ ان حوالہ جات سے ظاہر ہے جو میں نے ان سے اخذ کرتے وقت اپنی شرح میں جابجا دئے ہیں۔ ان مصنفین نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا ہم تا قیامت بدلہ ادا نہیں کر سکتے۔ اگر ان کی محنت وکاوش امام بخاریؒ کی تعلیقات اور متابعات وغیرہ مختصر حوالہ جات اور ابواب کے عنوانوں کا کھوج نہ نکالتی تو صحیح بخاریؒ یقیناً ہمارے لئے اپنی موجودہ صورت میں ایک گورکھ دھندا تھی۔ ان کی جدوجہد نے ہمارے دماغوں کو اپنا کام کرنے کے لیے نہایت ہی آسانی پیدا کر دی ہے۔ جتنا بھی ہم ان کی

محنت کے ثمرات بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیں؛ اتنا ہی حقیقت حال کے پیش نظر کم ہے اور جتنا ہم ان کے احسان کے شکرگزار ہوں اتنا ہی وہ اس کے مستحق ہیں۔فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

موجودہ شرح کا نصب العین

اس دیباچہ میں مجھے بعض ضروری باتیں عرض کرنی ہیں جن کا تعلق صحیح بخاریؒ کے مقاصد سمجھنے میں نہایت گہرا ہے۔
جب میں اس کتاب کے ترجمہ سے فارغ ہوا تو میرے ذہن پر نامعلوم طور سے یہ مخفی اثر تھا کہ یہ کتاب علم فقہ اور علم کلام کی ہے نہ کہ مجرد احادیث کی۔میں نہیں جانتا کہ یہ اثر میرے دماغ پر کیوں مستولی ہوا۔بالکل ممکن ہے کہ احادیث کی اسانید اور اس کے متعلقات سے میری قطعی لاعلمی اس کی اصل وجہ ہو جس نے میرے ذہن کو اس کتاب کی اس قدر ومنزلت سے ہٹائے رکھا جو محدثین کے نزدیک اسے حاصل ہے اور اس ذہنی مناسبت کی وجہ سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیضانِ عمیم کے طفیل ایک نئی قسم کے علم کلام میں ہمارے ذہنوں کو حاصل ہے؛ مخفی طور پر ذہن نے یہ اثر خود بخود غیر مشہود طریق پر اخذ کیا ہو۔میں نے ڈرتے ڈرتے ایک دن اپنے اس تاثر اور اپنی مجمل رائے کا ذکر محترم مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحبؓ فاضل استاد جامعہ احمدیہ سے کیا۔انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ہنستے ہوئے جلدی سے کہا: اچھا آپ کا بھی یہ خیال ہے۔میں نے مثبت میں جواب دیا۔فرمانے لگے: میرا بھی یہی خیال ہے کہ احادیث سے بڑھ کر یہ کتاب فقہ وعلم کلام کی ہے۔ان کے اس قول سے جرأت حاصل کرتے ہوئے میں نے اپنے اسی خیال کے ماتحت اس کتاب کی شرح لکھنی شروع کی۔ایک طرف ابواب کے عنوانوں اور ان کے ماتحت مندرجہ حوالوں اور اشاروں اور بابوں اور روایتوں کی ترتیب پر نظر رکھی اور اس میں مجھے فتح الباری (مصنفہ علامہ ابن حجر) اور عمدۃ القاری (مصنفہ علامہ عینی) سے بہت کچھ مدد ملتی گئی اور دوسری طرف اس کے ساتھ ان ائمہ مذاہب[۱] کے اختلافات کو علامہ ابن رشد کی **بدایۃ المجتھد** کی مدد سے اپنے سامنے رکھا جو امام بخاریؒ سے پہلے اپنے مذہب کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ایسا ہی کتاب الملل والنحل کو بھی مطالعہ میں رکھا۔جس کی مدد سے مختلف فرقوں کی تاریخ اور ان کی بدعتیں میری نظر کے سامنے رہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے سابقہ خیال کو جسے مولوی صاحب موصوف کی سب سے پہلے تائید حاصل ہوئی تھی، تقویت ہوتی گئی اور میں نے جامع صحیح مسند بخاریؒ کے بابوں اور اس کی ترتیب میں پرحکمت معارف کو نہایت ہی خوبصورت شکل وصورت میں منظوم و مرتب پایا۔جوں جوں اس کی شرح لکھتا گیا توں توں میرا یقین بڑھتا چلا گیا کہ یہ کتاب ایسی نہیں کہ اسے سرسری نظر سے پڑھا اور سمجھا جائے بلکہ اس کے سمجھنے کے لئے ایک کافی ذخیرہ معلومات کا مہیا کرنا از بس ضروری ہے

---

[۱] امام مالک بن انسؒ (۹۳ھ-۱۷۹ھ) امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت (۸۰ھ-۱۵۰ھ)
امام محمد بن ادریس شافعیؒ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ-۲۴۱ھ)
امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ)

جس کے لئے غیر معمولی فراغت اور محنت چاہیے۔ غرض اس جستجو اور جدوجہد نے مجھے اس امر پر علیٰ وجہ البصیرت قائم کر دیا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بخاریؒ جیسا کہ جامع احادیث مستندہ ہے، ایسا ہی وہ صحیح علم فقہ و علم کلام کی بھی جامع ہے اور میں اپنے اندر مسرت و اطمینان کے جذبات پاتا ہوں کہ عین اس وقت جبکہ مجھے اس دیباچہ کے لکھتے وقت اپنے مزید اطمینان کی خاطر کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، امام (ابن حجر) عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے ایسے حوالہ جات مل گئے ہیں جن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

جامع صحیح مسند کا اصل موضوع: چنانچہ امام احمد (ابن حجر) عسقلانیؒ فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ صحیح بخاریؒ کا اصل موضوع صحیح احادیث پیش کرنا ہے۔ جیسا کہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے اور جیسا کہ بعض نے امام بخاریؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کی اس غرض و غایت کے متعلق ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ مگر اس کے ساتھ امام موصوفؒ نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ فقہی مسائل اور حکیمانہ نکات سے اپنی اس کتاب کو خالی نہ رکھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی سمجھ سے کام لیتے ہوئے متن حدیث سے بہت سے معانی کا استنباط کیا اور ان معانی کو موقع و محل کی مناسبت سے مختلف بابوں میں شامل کر دیا ہے۔ نیز اس کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ احکام کے بارے میں متعلقہ آیتوں سے نئے نئے استدلال کئے ہیں اور ان کی تفسیر میں وسعت سے کام لیا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین النووی فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد صرف حدیثیں جمع کرنا ہی نہ تھا بلکہ ان سے احکام کا استنباط کرنا بھی ان کے پیش نظر تھا۔ (مقدمة فتح الباری. الفصل الثانی فی بیان موضوعه. صفحہ ۱۰)

اور میں سمجھتا ہوں کہ مسائل کی تحقیق ان کے پیش نظر مقدم غرض تھی اور اسی لئے انہوں نے کتاب الایمان کو جو اصول عقائد سے متعلق ہے، کتاب العلم پر مقدم رکھا ہے جس کا موضوع علم حدیث ہے۔

میں ابھی اس ضرورت کا ذکر کر چکا ہوں جس کی وجہ سے امام موصوفؒ کو صحیح احادیث جمع کرنے کی خاطر تگ و دو کرنی پڑی۔ مختلف مذاہب ان کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے اور فقہاء و متکلمین کی موشگافیوں نے عقائد اور احکام شریعت کو چھلنی کر دیا ہوا تھا۔ لاکھوں حدیثیں ہر مذہب کی تائید میں وضع ہو گئیں۔ صرف ایک عبدالکریم نامی شخص نے چار ہزار روایتیں اپنی طرف سے بنائیں اور آخر اپنے اس گناہِ عظیم کا اقرار کیا۔ امام ابن جوزی اور علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہما نے ان واضعین احادیث کے حالات لکھے ہیں۔

وہب ابن وہب قاضی جو ۱۴۶ھ میں فوت ہوا اور ابراہیم بن یحییٰ جس کی کذب بیانی کا امام مالکؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (یہ ۱۸۴ھ میں فوت ہوا) مقاتل محمود بن سعید مصلوب زندیق جو ایک سوناموں سے مشہور ہے اور جس نے احادیث وضع کرنے میں حد درجہ جھوٹ سے کام لیا اور وہ اس وجہ سے ابو جعفر کے حکم سے سولی دیا گیا۔ مقاتل بن سلیمان محمد بن عمر واقدی (۱۳۰ تا ۲۰۷ھ) اور ان جیسے اور بہت سے دروغ باف راویوں نے دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں جھوٹی روایتوں کا ایک طومارِ عظیم پھیلا دیا تھا اور اس پر مزید مصیبت وہ جو مختلف مذاہب نے برپا کر رکھی تھی۔ پس

زمانہ کے عین تقاضا کے مطابق رحمتِ الٰہی نے مسلمانوں کی دستگیری فرمائی اور اس غیر معمولی خطرہ کا تدارک کرنے کے لئے خارق عادت قوائے ذہنی کا مالک بنا کر امام محمد بن اسماعیلؒ جیسا انسان پیدا کیا۔ جس نے صحیح احادیث کو اور صحیح علم فقہ کو اور صحیح علم کلام کو نکھار کر رکھ دیا اور یہ تینوں باتیں ہی صحیح مسند بخاری کا اصل موضوع ہیں اور جیسا کہ امام موصوفؒ نے خواب میں دیکھا تھا؛ پورا ہوا کہ ان کے ہاتھ میں پنکھا ہے جس سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے آپ کے چہرۂ مبارک سے مکھیاں ہٹا رہے ہیں۔ (مقدمة فتح الباری. الفصل الاول فی بیان السبب الباعث. صفحہ۹)
(عمدة القاری. الباحث علی تالیف الشرح. الجزء الاول)

راویوں کی اکاذیب، متفقّہین کی موشگافیاں، متکلمین کے منطقی سفسطے اور متصوفین کے موہومہ خزعبیلات و ترہات۔ یہ سب وہ مکھیاں تھیں جو آپ کے زمانہ میں اسلام کے اردگرد بھنبھنا رہی تھیں اور امام موصوفؒ نے ان سب کو ہٹا دیا۔

متن میں احادیث صحیحہ ہیں، ابواب کے عنوانوں میں عقائد و احکام اور مسائل شرعیہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار، تعلیقات (بغیر سند کے حوالہ جات) اور متابعات (تائیدی حوالہ جات) میں کئی قسم کے مقاصد از قبیل استشہاد و استدلال، تردید یا تصدیق مخفی کر دئے ہیں۔ **تعلیق** محدثین کی اصطلاح میں اس بات کو کہتے ہیں کہ کسی روایت کی سند کے ابتداء میں ایک یا اس سے زائد راویوں کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہو اور **متابعت** سے مراد تائیدی حوالہ ہے۔ امام موصوفؒ نے موقوف حدیثوں کو تعلیقات میں رکھا ہے اور اصل متن متصل احادیث سے مرتب کیا ہے۔

اقلید بخاری: بظاہر نظر امام موصوفؒ ہماری رہنمائی کے لئے کوئی ضابطہ، قواعد و علامات نہیں چھوڑ گئے، جس سے ان کے معین دستور کا ہمیں علم ہوتا۔ مگر تاہم ابواب کے عنوانوں اور ان کی ترتیب وغیرہ میں ایک ہی قسم کے متعدد تصرفات پر غور کرنے سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی کتاب کی تصنیف و ترتیب میں شروع سے لے کر آخر تک ایک معین دستور العمل اختیار کیا ہے جو خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ اگر اس میں یک جہتی کا التزام نہ ہوتا تو ہمارے لئے کسی قاعدہ یا دستور کا استخراج ناممکن یا اس کی تطبیق غیر یقینی ہوتی۔ مگر چونکہ ان کے مخصوص تصرفات میں ضبط و ربط اور یک رنگی و یکسوئی پائی جاتی ہے۔ اس لئے امام موصوفؒ نے عین حکمت سے اپنے اس دستور العمل کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے اور بابوں کے عنوان قائم کرنے میں یہاں تک احتیاط سے کام لیا ہے کہ ان کے الفاظ بھی کسی نہ کسی مستند روایت کے الفاظ ہیں جن کے اختیار کرنے میں امام موصوفؒ کو بوجہ اپنے وسعت حفظ اور سرعت استحضار کے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ مگر محققین کو معنونہ الفاظ اصل ماخذ تک پہنچانے میں بہت بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوفؒ کو عنوان قائم کرنے میں یہ احتیاط اس لئے برتنی پڑی کہ آپ نے نہ چاہا کہ اس کتاب میں جس کا نام انہوں نے جامع مسند صحیح قرار دیا ہے، ایک لفظ بھی ان کی طرف سے داخل ہونے پائے، سوائے اس کے کہ کہیں کہیں آپ نے قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ کہہ کر کسی لفظ کا معنی بتلایا یا کسی خاص امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (مثال کے لیے دیکھئے روایت نمبر ۱۲۰) البتہ نفس عنوان کے الفاظ انتخاب کرتے وقت کئی ملاحظات ضرور مدنظر رکھے ہیں اور جس کی اصل کو انہوں نے اپنی صحیح مسند کے ترتیب دینے میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس کی پابندی کرنے کی حالت میں اس قسم کے تصرفات کے بغیر آپ کے

لئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ایسے تصرفات کی بہت سی مثالیں اس کتاب کے مطالعہ میں آپ کی نظر سے گزریں گی۔ (بطور مثال کے کتاب الصلوٰۃ باب ۵۰ ملاحظہ فرمائیں)

امام موصوفؒ نے کتاب العلم میں دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک کا مضمون یہ ہے کہ اشارہ و کنایہ سے فتویٰ دینا جائز ہے اور دوسرے کا مضمون یہ ہے کہ مومن کی مثال کھجور کی سی ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور جس کے اجزاء میں سے کوئی جزء بھی خالی از فائدہ نہیں۔ یہ دونوں باب ۱۴ و ۲۴ دراصل یہ سمجھانے کے لئے قائم کئے گئے ہیں کہ وہ اپنی کتاب میں عقائد و مسائل کے متعلق تصرفاتِ لفظی جن کا تعلق ہاتھ سے ہے اور اشارات و کنایات کے ذریعہ جن کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے موقع و محل کی مناسبت سے فتویٰ دیں گے اور یہ کہ ایک چھوٹے سے چھوٹا تصرف بھی کسی نہ کسی مقصد و مدعا کو اپنے اندر لئے ہوگا اور قارئین کا بھی یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنی نظر ثاقب اور قیاس صحیح سے اسے معلوم کریں۔ آنحضرت ﷺ کی اس ہدایت کے ماتحت جو روایت نمبر ۳۷ سے ضمناً و استدلالاً مستنبط ہوتی ہے، امام موصوف نے جہاں معین تصرفات اختیار کر کے اپنے معین دستور العمل کا خاموشی سے ہمیں پتہ دیا ہے وہاں اشاروں ہی اشاروں میں اپنے سینکڑوں فتووں کو ابواب کے عنوانوں اور ان کی ترتیب اور روایتوں کی تقدیم و تاخیر میں اس عمدگی سے لپیٹ کر رکھ دیا ہے کہ انہیں معلوم کرنے میں ذرا دقت و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس مضمون کے واضح کرنے کے لئے چند ایک مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) جہاں امام موصوفؒ کی روایت کسی دوسرے محدث کی روایت سے ٹکراتی ہے اور وہ وجہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کو چھوڑ کر دوسری روایت پر مسئلہ استنباط کرنے کے لئے کیوں اعتماد کیا گیا تو وہ اپنی اس روایت کو ایک دوسری سند سے تقویت دینے کے لئے اس کا مختصر حوالہ دیتے ہوئے اس دوسری روایت کو ایسے لفظ پر ختم کریں گے کہ جس میں ان کی وجہ ترجیح مضمر ہوگی۔ ظاہر میں دیکھنے والا سمجھے گا کہ بوجہ تکرار کے اسے مکمل درج نہیں کیا گیا۔ گو یہ بھی صحیح ہو مگر ایک خاص لفظ پر آ کر اسے چھوڑ دینا بلا وجہ نہیں۔ وہ درحقیقت اس معین لفظ سے قارئین کو اپنی دلیل بتانا چاہتے ہیں۔ مثلاً رَأَیْتُ (یعنی میں نے دیکھا) پر جب اسے چھوڑیں گے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ایک راوی اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے اور دوسرا اپنی شنید۔ اس لئے دوسرے راوی کی روایت بوجہ اس کے سماعی ہونے کے اس قابل نہیں کہ اس سے مسئلہ کا استنباط کیا جائے۔ اس قسم کے تصرفات کی مثالوں کے لئے دیکھئے شرح روایت نمبر ۲۰۵، ۳۰۳، ۴۵۴-۴۵۶۔

(۲) بابوں کے عنوانوں کے متعلق ایک بات جو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر عنوان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام موصوفؒ اس کے ضمن

فتاویٰ بخاری کی بنیاد:

(۳) آپ کے زمانہ میں نام نہاد فقہاء نے غلط منطق اور فلسفہ کی مدد سے مسائل در مسائل پیدا کر کے شریعت اسلامیہ کے احکام کی اصل شکل وصورت مسخ اوران کے عملی پہلو کونہایت مشکل بنادیا ہوا تھا۔ مگر خدا بھلا کرے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا جنہوں نے ان مسائل کے بودہ پن اور لغویت سے نقاب اٹھا کر شریعت اسلامیہ کی اصل صورت وشکل کو نمایاں کیا۔ آپ نے اپنے فتاوٰی کی بناء صحت عقیدہ، خلوصِ نیت اور سہولت عمل پر رکھی ہے۔ کتاب الایمان میں ایمان اور عمل کی بحث کے دوران آپ نے ایک باب اَلدِّیْنُ یُسْرٌ باندھا ہے۔ (باب نمبر ۲۹) جہاں تک میں نے غور کیا ہے آپ نے مسائل اخذ کرنے میں اسی قاعدہ کو مسائل کے جانچنے میں معیار ومحک قرار دیا ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ کی رائے کا اکثر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان کا تفقہ بھی سیدھا سادہ تھا۔ امام موصوفؒ کے زمانہ میں فقہاء کی دو بڑی بڑی ٹولیاں بن چکی تھیں۔ ایک اہل حجاز جو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول میں سے کسی ایک کو حجت قرار دیتے اور دوسرے اہل عراق وبصرہ جو امام ابوحنیفہؒ یا امام احمد بن حنبلؒ کے قول کو۔ امام بخاریؒ نے ان فقہاء کے مذاہب پر اس خوبی سے تنقید کی ہے کہ عموماً بغیر کسی کا نام لئے ان کی رائے کی غلطی یا صحت کی طرف خاموشی سے توجہ منعطف کی ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء باب ۳۴، ۳۸، ۳۹، ۵۷ اور ۵۸) البتہ کتاب الحیل میں ایسے اشارے پائے جاتے ہیں کہ جن سے ان کی ناراضگی اور تلخی کا پتہ چلتا ہے اور اس میں وہ حق بجانب تھے۔

(۴) بابوں کے عنوان کے متعلق ایک اور خاص بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کے الفاظ اختیار کرنے میں بھی غیر معمولی فکر وتدبر اور احتیاط سے کام لیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ایک لفظ اپنے ساتھ فقہ کی مجمل تاریخ رکھتا ہے۔ اس کی مثالیں شرح میں بکثرت دیکھیں گے۔ لیکن سردست بات سمجھنے کے لئے آپ کتاب الوضوء باب ۹ کا عنوان جس میں فقہاء کے بعض اختلافات کو مدنظر رکھ کر لفظ ''عِنْدَ'' استعمال کیا گیا ہے۔ (نیز دیکھئے کتاب الصلوٰۃ باب ۳۲، ۳۳)

(۵) ایسا ہی بعض جگہ باب کا عنوان '' ھَلْ'' سے اور بعض جگہ '' مَنْ'' سے شروع کیا ہے اور بعض جگہ ''مَا'' موصولہ سے اور کبھی باب کا عنوان جملہ اسمیہ رکھا ہے اور کبھی فعلیہ اور کبھی مصدر یہ۔ بابوں کے عنوان میں یہ مخصوص تصرف عین موقع ومحل کی مناسبت سے اور مسئلہ زیر بحث کے پیش نظر اپنی معین رائے کے اظہار کی غرض سے کیا گیا ہے۔ ''ھَلْ'' (حرفِ استفہام) سے جو باب قائم کیا گیا ہے اس میں زیادہ تر صورت استفتائی مدنظر ہوتی ہے۔ (دیکھئے کتاب الحیض باب ۱۱۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۴۱، ۴۸) اور جو باب ''مَنْ'' سے شروع ہوتا ہے اس میں اس کا جواب معین اشخاص کو مدنظر رکھتے ہوئے استدلالی صورت میں روایتوں کے انتخاب اور اس کی ترتیب میں مقدر ہوتا ہے۔ (دیکھئے کتاب العلم باب ۱۲، ۱۳، ۲۴، ۲۹، ۳۰ اور کتاب الوضوء باب ۱۲، ۱۶، ۳۷) اور جس باب کا عنوان جملہ فعلیہ یا اسمیہ پر مشتمل ہو اس میں کسی مسئلہ کے متعلق فیصلہ بالجزم پایا جاتا ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء باب ۲، ۴، ۲۱، ۳۶، ۱۷) سوائے اس کے کہ اس میں خبر مقدر ہو۔ جیسے کتاب الوضوء باب ۳۳ کے عنوان میں کی گئی ہے۔ ایسا ہی ''اِذَا'' سے باب شروع کر کے اس کے جواب کو

کبھی مقدر کردیتے ہیں اور اس کا جواب خود روایتوں کی ترتیب سے واضح ہوتا ہے۔ (دیکھئے کتاب الوضوء زیر باب ۳۳:باب اذا شرب الکلب فی الاناء، باب ۶۵) اور کبھی اس کا جواب بعض وجوہات کی بناء پر کھول کردیتے ہیں۔ (کتاب الوضوء باب ۶۹) اور جو جملہ مصدریہ پر مشتمل ہو اُس کے متعلق کبھی خاموشی اختیار کی گئی ہے اور کبھی اس کے ساتھ کھول کر اپنی رائے کا اظہار کردیا ہے (کتاب الوضوء باب ۲۷) یا ابواب کے عنوان میں اپنی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ (کتاب الوضوء باب ۴۳) یا بعض وقت عنوانِ باب کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔ (کتاب الوضوء باب ۲۷) اور حرفِ موصولہ سے جو باب قائم کیا ہے تو اس میں کبھی تو عمومیت کی ایسی صورت مدنظر ہوتی ہے جو مسئلہ کے مخالف یا موافق پہلوؤں کو شامل رکھتی ہے۔ (کتاب الوضوء باب ا، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۰) یا اس سے کسی خاص بات کی طرف توجہ پھیرنا مقصود ہوتی ہے۔ (کتاب الوضوء باب ۵۶) غرض موقع ومحل کے مطابق اس قسم کے تصرفات سے بہت کام لیا گیا ہے اور قارئین کا فرض ہے کہ وہ اپنے مطالعہ کے اثناء میں عنوانوں کی ترتیب پر نظر رکھیں۔

(۶) بعض وقت ایک عنوان سے باب قائم کیا گیا ہے۔ مگر اس کے ذیل میں جو روایت پیش کی گئی ہے اس کا مفہوم بالکل کچھ اور ہے۔ پہلے ہی باب کے عنوان کو دیکھئے کہ بظاہر اس کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس میں وحی کی ابتداء کی کیفیت بتلائیں گے مگر دراصل اس کا موضوع وحی الٰہی کی ممتاز حیثیت اور اس کی عظمت اور اس کے اُن لوازمات اور خصوصیات کا ذکر کرنا مقصود ہے جو صاحب وحی کے شامل حال اور اس کو خارق عادت اوصاف سے متصف کرتی ہیں۔ عنوان سے جو موضوع بظاہر نظر ذہن میں آتا ہے اس کے لئے کتاب فضائل القرآن میں ایک الگ باب بعنوان كَيْفَ نُزُوْلُ الْوَحْيِ وَاَوَّلُ مَانَزَلَ قائم کیا گیا ہے۔ (اس قسم کی مثالوں کے لئے دیکھئے کتاب العلم باب ۱۶، ۲۲، ۴۱ اور کتاب الوضوء باب ۷۵)

(۷) کبھی آپ باب کا عنوان محض روایت کی تشریح کرنے کے لئے باندھتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل اس کی ایک مثال دی جا چکی ہے اور دوسری مثال کے لئے دیکھئے (کتاب الصلوٰۃ باب ۹۹)

(۸) بعض اوقات امام موصوفؒ باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کرتے۔ بلکہ اس میں ایک روایت لاتے ہیں اور یہ اس وقت کرتے ہیں جب اس باب کا تعلق سابقہ یا لاحقہ باب کے مضمون کے ساتھ ظاہر کرنا مقصود ہو۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء باب ۵۷)

(۹) یا کبھی محض لفظی یا معنوی اشتباہ سے بچانے کے لئے عنوان قائم کیا گیا۔ (دیکھئے کتاب الوضوء باب ۶۔ کتاب الغسل باب ۶)

(۱۰) اور بعض وقت امام موصوفؒ ایسی روایت جو ان کے نزدیک مستند ہے۔ مگر اس میں نہایت اختصار ہوتا ہے اور اس کی تفصیل کسی اور روایت میں ہے جو دوسرے آئمہ کے نزدیک مستند ہے تو آپ عنوانِ باب میں ان کی روایت کے مضمون کا خلاصہ درج کر کے اپنی مستند روایت کو الگ متن میں نقل کرتے ہیں۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الحیض باب ۱۳ روایت ۳۱۴)

(۱۱) اور بعض وقت انہیں اپنی شروط کے مطابق مستند روایت نہیں ملتی تو عنوانِ باب میں دوسرے محدثین کی روایت کا خلاصہ دے کر اس کے ذیل میں لطیف استدلال سے کام لیا ہے۔ (کتاب الحیض باب ۷)

(۱۲) کبھی ایک روایت کے ابہام کا ازالہ دوسری روایت سے کرتے ہیں۔ (دیکھیں کتاب الوضوء روایت نمبر ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۹۔ کتاب الصلوٰۃ روایت نمبر ۴۶۶، ۴۶۷)

(۱۳) اور کبھی دو روایتوں کو ''و'' عاطفہ سے جمع کر دیتے ہیں اور اس سے یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ دیکھئے کتاب الحیض باب ۲۶۔ عنوانِ باب میں بھی بعض وقت ایک موقوف روایت درج کر کے اسے واؤ عاطفہ سے شروع کیا ہوتا ہے تا اس کا تعلق سابقہ مضمون سے واضح کیا جائے۔ (کتاب الوضوء باب ۴۷)

(۱۴) بہت سی بے معنی اور غلط روایتیں مشہور ہو چکی تھیں جن کی تنقیح و تمحیص کے لئے انہیں باب قائم کرنے پڑے ہیں۔ (دیکھئے کتاب الوضوء باب ۱۵۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۸۷، ۹۵)

(۱۵) بابوں اور روایتوں کی ترتیب اور ان کی تقدیم و تاخیر سے امام موصوفؒ نے بہت عمدہ کام لیا ہے اور اس میں لطیف تصرف کر کے مسائل کے متعلق اپنا فیصلہ پیش کیا ہے۔ باب کے عنوان کو بظاہر نظر دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ معنونہ مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان کا مقصد بالکل اور ہوتا ہے۔
(مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء باب ۶، ۷، ۸، ۱۵، ۲۱، ۱۷، ۲۷۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۸۳، ۸۷)

(۱۶) بعض وقت بابوں کی ترتیب میں منطقی دلیل مضمر کر کے مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے۔
(مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء باب ۳۹، ۴۰ نیز کتاب الصلوٰۃ باب ۶۵ تا ۷۴)

(۱۷) بعض وقت بظاہر نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قائم کردہ باب کا سابقہ یا لاحقہ بابوں سے کوئی تعلق نہیں جس کی وجہ سے شارحین کو مشکل پیش آئی ہے۔ مگر درحقیقت ایسے بابوں میں بھی لطیف تعلق مدنظر ہوتا ہے اور بعض وقت ایک باب کو دوسرے کے لئے بطور دلیل کے قائم کرتے ہیں۔
(مثال کے لئے دیکھئے کتاب الحیض باب ۱۷۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۶۲، ۶۴)

(۱۸) کبھی امام موصوفؒ بابوں کی طبعی ترتیب کو قصداً آگے پیچھے کر دیتے ہیں تا اس تصرف سے اُن کا مقصد معلوم ہو جائے۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب الحیض باب ۱۵، ۱۶۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۶۵، ۶۶)

(۱۹) کبھی بابوں کے تسلسل میں کسی سابقہ باب کے مضمون کو اس لئے دہراتے ہیں تا یہ معلوم ہو کہ زیر بحث مسئلہ میں ان تمام ابواب کا آپس میں تعلق ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے کتاب التیمم. باب ۶، ۹)

(۲۰) امام موصوفؒ نے بالعموم بابوں کے عنوان کسی نہ کسی اختلاف کو مدنظر رکھ کر قائم کئے ہیں اور اس ضمن میں لطیف سے لطیف استدلال کرتے ہوئے مسائل کے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ مثال کے لئے دیکھئے (کتاب الصلوٰۃ باب ۳۲، ۳۹، ۵۱) لطیف استدلال کی مثال (کتاب العلم باب ۱۶) میں بھی ملاحظہ ہو۔

(۲۱) کہا جاتا ہے کہ امام موصوفؒ معتد بہ حصہ روایات مکرر لائے ہیں۔ جسے غیر ضروری سمجھتے ہوئے بعض نے انہیں حذف کر کے صحیح بخاری کو مختصر کر دیا ہے۔ مگر انہوں نے اپنے اس فعل سے صحیح بخاری کی خوبصورتی کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ درحقیقت روایات کا تکرار کئی باتوں کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

اوّل: جب ایسی روایتوں کو دہرایا گیا تو اسے مختلف سندوں کے ساتھ پیش کیا ہے تا اس کی قوتِ صحت میں اضافہ ہو۔ پھر ان سے نئے مسائل مستنبط کئے ہیں۔ دیکھئے کتاب الصلوٰۃ باب ۸۸ میں مندرجہ مکرر روایتیں۔

دوم: بعض روایتیں ایک سند سے منقطع ہوتی ہیں۔ مگر دوسری سند سے وہ متصل ہوتی ہیں۔ اس لئے اسے دہرا کر اس کی صحت یا سقم کو واضح کیا ہوتا ہے۔ مثال کے لئے دیکھئے کتاب الجنائز باب ۷۵،۷۴۔ اس میں پہلی روایت زہری نے بواسطہ عبدالرحمٰن، حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جو متصل ہے۔ مگر دوسری روایت منقطع ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زہری نے درحقیقت حضرت جابرؓ سے براہ راست یہ روایت نہیں سنی۔ نیز دوسری روایت میں کچھ زیادتی ہے یا ایک روایت معنون ہے اور اس کے اس نقص کو دور کرنے کے لئے اس کے بعد ایک اور ایسی روایت کا حوالہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تدلیس کا احتمال نہیں۔ بلکہ یہ روایت دوسری سند سے سماعی ثابت ہوتی ہے۔ (مزید مثال کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء روایت نمبر ۲۱۸)

سوم: بعض وقت ایک روایت کی کمی کو دوسری روایت سے پورا کیا جاتا ہے۔ مثلاً روایت نمبر ۵۲۰ میں سات مقتولوں کے نام مذکور ہیں۔ جبکہ سابقہ روایت (نمبر ۲۴۰) میں صرف چھ کے نام کا ذکر تھا اور ایک کا نام راوی کو بھول گیا تھا۔ اس روایت کی سند بھی اور ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے روایت نمبر ۳۴،۳۳)

چہارم: بعض وقت روایت کا تکرار اس غرض سے بھی کیا جاتا ہے کہ کسی راوی کی تدلیس کا پتہ دیں۔ مثال کے لئے دیکھئے روایات مندرجہ کتاب الوضوء باب ۷۰۔ غرض کئی قسم کے ملاحظات کی بناء پر روایتوں کو مکرر لایا جاتا ہے۔ جنہوں نے اس تکرار کو ثقیل سمجھ کر مکرر روایتوں کو حذف کر دیا ہے۔ انہوں نے امام موصوفؒ کی محنت اور اس کتاب کی قدر و قیمت کو ضائع کر دیا ہے۔ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو صحیح معنوں میں تکرار کہیں بھی نہیں۔ بعض وقت آپ کو ایک ہی عنوان دو بابوں میں نظر آئے گا مگر باوجود اس کے ہر ایک باب کا مفہوم الگ الگ ہوگا۔ مثال کے لئے دیکھئے (کتاب العلم باب ۲۲،۱)

(۲۲) طریق استدلال و استنباط میں بھی امام موصوفؒ نے کئی طرح کے لطیف تصرفات اور دقیق سے دقیق استدلالات سے کام لیا ہے۔ مثلاً ایک روایت سے کئی مسائل اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر واضح ہیں کہ محتاجِ بیان نہیں اور بعض غامض اور محتاجِ تشریح ہیں۔ اس لئے آپ نے باب کے عنوان میں اس غامض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے واضح مسئلوں کی تصریح کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس مخصوص طریق استنباط کی مثال کے لئے دیکھئے (کتاب الحیض باب ۶) اور دقیق استدلال کی مثال کے لئے دیکھئے (کتاب العلم باب ۱۶)

(۲۳) بعض وقت روایت کا مضمون کچھ اور ہوتا ہے مگر کسی ضمنی تعلق کی وجہ سے باب کا عنوان کچھ اور باندھتے

ہیں اور استنباط میں نہایت دقیق پہلو اختیار کرتے ہیں۔مثلاً کتاب الصلوٰۃ باب ۸۹ کا یہ عنوان قائم کیا ہے: مَا يَقُوْلُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ اور اس کے ماتحت کسوف کے متعلق روایت درج کی ہے اور شارحین حیران ہیں کہ اس روایت کا عنوان سے کیا تعلق؟ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آپ کا مقصد تکبیر کے بعد دعائیں کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے۔اسی قسم کی ایک دوسری مثال کتاب العلم باب ۲۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔بعض وقت آپ کو یہ راہ اس لئے بھی اختیار کرنی پڑتی ہے کہ مسئلہ زیر نظر کے متعلق کوئی ایسی مستند حدیث نہیں ملی جس سے اس کا استنباط کیا جا سکے مگر تعامل سے اس مسئلہ کا یقینی ثبوت ملتا ہے۔

(۲۴) جب امام بخاریؒ کسی لفظ کی لغوی تشریح کریں گے یا '' قَالَ فُلَانٌ '' کہہ کر کسی کے قول کا حوالہ دیں گے تو یقین جانیں کہ وہاں وہ کسی خاص مقصد کی طرف توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں۔بطور مثال دیکھئے (روایت نمبر ۱۲۱، ۱۰۵ نیز کتاب الصلوٰۃ باب ۱۵۳، ۱۸۱)

(۲۵) بعض وقت عنوانِ باب میں صرف آیت یا حدیث کا حوالہ دے کر اسے سابقہ باب کے لئے بطور دلیل قائم کریں گے۔اس کے ضمن میں کوئی مستند روایت بطور متن نہیں لائیں گے۔کبھی اس کی وجہ غالباً وہی معلوم ہوتی ہے جو اوپر نمبر ۲۴ میں بیان کی گئی ہے۔مثال کے لئے دیکھئے (کتاب الایمان باب ۳۸۔کتاب العلم باب ۱، ۲)

(۲۶) اور کبھی کبھی روحانی امور از قبیل توحید باری تعالیٰ، خلوصِ نیت وعمل اور تزکیہ نفس وغیرہ مقاصد کی یاد دہانی کرانے کی خاطر ایک باب دوسرے بابوں کے درمیان قائم کرتے ہیں اور شارحین جن کی توجہ زیادہ تر احادیث اور ان سے متعلقہ مسائل کی جانچ پڑتال کی طرف منصرف ہوتی ہے۔امام موصوفؒ کی اصل غرض وغایت ان کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ایک بے تعلق بات کہی گئی ہے۔مثال کے لئے دیکھئے (کتاب الوضوء باب ۸، ۲۶)

غرض اس قسم کے بیسیوں تصرفات کے ذریعہ امام محمد بن اسماعیلؒ نے عقائد دینیہ، مسائل فقہ اور روایات کی صحت وسقم کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔مذکورہ بالا قواعد درحقیقت اقلید ہیں صحیح بخاری کے بابوں کے کھولنے اور محفوظ جواہر کے استخراج اور مصئون معانی کے حصول کے لئے۔

تحریک شرح ہذا: علم حدیث، اس کے اصل مقام، اس کی تاریخ تدوین، اس کے ضبط وربط کے اصول اور جامع صحیح مسند بخاری کے اصل موضوع اور اس کے سمجھنے کے طریق کے متعلق ذکر کرنے کے بعد اب میں موجودہ شرح کے لکھے جانے کے متعلق بھی ایک دو باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔۱۹۲۵ء کے آخر میں جبکہ میں دمشق میں تبلیغی مرکز قائم کرنے میں مشغول تھا۔نومبر کا مہینہ ہوگا یا دسمبر کا؛ میں نے بحالت کشف دیکھا کہ مولوی عطا محمد صاحب جو کہ اس وقت ناظر اعلیٰ کے کلرک تھے میرے سامنے کھڑے ہیں اور آرڈر بک ان کے ہاتھ میں ہے۔چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ اس وقت ناظر اعلیٰ تھے۔ان کی طرف سے میرے نام ایک آرڈر بدیں مضمون ہے کہ نظارت تالیف و تصنیف میں آپ کو تبدیل کیا جاتا ہے۔(دمشق جانے سے پہلے میں ناظر تعلیم وتربیت تھا) اس آرڈر سے مجھے انقباض محسوس ہوا۔اس لئے میں نے دستخط کرنے میں تامل کیا۔مگر وہ ڈٹ کر کھڑے ہیں گویا کہ حکم کی تعمیل بہرحال ضروری ہے۔

آخرافسردگی اور خاموشی میں میں دستخط کرتا ہوں۔مولوی جلال الدین صاحب شمس کو میں نے یہ ماجرا سنایا اور اسی وقت ایک خط مولوی عطاء محمد صاحب کو لکھا اور اپنی تبدیلی کے متعلق دریافت کیا۔ جواب نفی میں آیا۔ جب جولائی ۱۹۲۶ء کو میں دارالامان واپس پہنچا تو محترم نیر صاحب مجھے احمدیہ چوک میں ملے۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔میرے کان میں بصیغہ راز کہتے ہیں۔''مبارک ہو آپ کو ناظر تجارت بنایا گیا ہے۔''ان کے اشارہ کو تو میں سمجھتا تھا۔مگر میں نے ان سے بھی کہا: خدمت سے غرض ہے جہاں کہیں بھی لگایا جاؤں اور انہی دنوں قادیان میں خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جس کا نام میں بھول گیا ہوں مگر اس کے نام کا ایک جزو لفظ محمد ہے دودھ کا بھرا ہوا پیالہ میرے سامنے پیش کرتا ہے۔جس میں بالائی بھی ہے اور میں اسے پیتا ہوں۔محترم مولوی عبدالمغنی صاحب سابق ناظر بیت المال سے سیالکوٹ جا کر تجارت کا چارج لیا اور تجارتی حالت کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر کے صدر انجمن احمدیہ کے سامنے پیش کی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ڈلہوزی بھیجی گئی۔آپ نے مجھے اور سید انعام اللہ شاہ صاحب مرحوم کو بذریعہ تار ڈلہوزی بلایا۔اسی اثنا میں مورخہ ۲ستمبر ۱۹۲۶ء کی رات کو چودھری نصر اللہ خان صاحبؓ کے انتقال کی اطلاع بذریعہ تار پہنچی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دوسرے دن بغرض جنازہ دارالامان کے لئے روانہ ہوئے۔میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔راستہ میں بمقام دونیرہ آپ نے سفر کے چکر اور کوفت دور کرنے کے لئے مجھے چائے پینے کے لئے فرمایا: میں نے معذرت کی کہ مجھے کچھ حرارت ہے اور یہ کہ دمشق اور عراق میں لگاتار کام کرنے کی وجہ سے صحت پر اثر پڑا ہے۔آپ نے فرمایا: کچھ دن کی رخصت لے لیں۔میں نے عرض کی: تجارت کا چارج لینے کے بعد میرا معاً رخصت لے لینا نقصان دہ ہوگا۔آپ نے فرمایا: ہم نے تو آپ کو نظارت تالیف وتصنیف میں تبدیل کر دیا ہے اور اس بارہ میں احکام بھی صدر انجمن کو بھیجے جا چکے ہیں۔میں یہ سن کر ششدر رہ گیا۔اس موقع پر آپ نے افسوس بھرے لہجہ میں اور اس انداز سے مجھے مخاطب فرمایا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں بھی آپ کے قلبی احساس اور جذبات میں کسی طرح شریک ہو جاؤں۔آپ نے فرمایا:

> بہت سے ضروری کام ہیں جو کرنے کے ہیں۔مگر ان کی طرف توجہ نہیں۔مثلاً صحیح بخاری کے ترجمہ اور اس کی شرح کا کام بھی نہایت ضروری اور اہم ہے۔اگر ہم نے نہ کیا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا اور جو آپ کے فیضان سے براہ راست مستفیض نہیں ہوئے۔غیروں کے تراجم اور حواشی رہ جائیں گے اور پھر جو اناپ شناپ لکھا ہوا ہوگا اسی پر دارو مدار ہوگا اور پھر بعد از وقت اعتراضوں کو دیکھ کر اِدھر اُدھر کے جوابوں کی سوجھے گی۔

یہ مضمون تھا آپ کی اس درد بھری گفتگو کا، جس کی یاد اب بھی میرے دل کو ٹھیس لگاتی ہے۔ دارالامان پہنچ کر صدرانجمن کی طرف سے تبادلہ کی باقاعدہ اطلاع مجھے ملی اور مجھ سے دریافت کیا گیا کہ اپنے لئے تصنیف کا کوئی کام تجویز کروں۔ عربی زبان میں لکھنے کا ایک کام میں نے تجویز کیا جسے صدرانجمن نے باتفاق رائے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی آخری منظوری کے لئے پیش کیا۔ مگر آپ نے اُسے نامنظور کرتے ہوئے مجلس شوریٰ کے مقامی کارکنوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا۔ تبادلہ کے متعلق سابقہ حکم میں مجھ سے تصنیف کا کام لینے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ مثلاً بخاری کا ترجمہ اور شرح کا کام نہایت ضروری ہے۔ جو اِن سے لیا جاسکتا ہے اور اس بارے میں مشورہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اس حکم میں صراحت نہ تھی اور چونکہ مجھے احادیث میں دسترس بھی نہ تھی، اس لئے میں اس سے بہت ڈرتا تھا اور اس دوسرے مشورہ میں احباب نے بھی یہی رائے پیش کی کہ صحیح بخاری کے سوا کوئی اور کام مجھے دیا جائے میں اس قابل نہیں ہوں اور قرار پایا کہ عربی زبان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر ایک مفصل اور مستند کتاب لکھی جائے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس تجویز کو بھی نامنظور کرتے ہوئے واضح الفاظ میں حکم دیا کہ میں فوراً صحیح بخاری کے ترجمہ کا کام شروع کردوں اور اس کے بعد آپ نے اس بارہ میں اصولی ہدایات سے مجھے متمتع فرمایا۔ آپ کے اصل مقصد کو سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے میں نے یہ مبارک کام شروع کردیا۔ پہلے تین چار سالوں میں ترجمے کا کام مکمل ہوا اور جب ۱۹۳۱ء میں نظارت دعوۃ وتبلیغ کی خدمت علاوہ اس کام کے میرے سپرد ہوئی اور اس دوران تحریک کشمیر کی زمام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاتھ میں دی گئی اور آپ کے ارشاد کے ماتحت مجھے اس کی خاطر متواتر سفروں میں رہنا پڑا تو شرح کا کام چھ اجزا تک پہنچ کر التوا میں پڑ گیا اور امسال ان سفروں سے فراغت ہونے پر یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب پھر شروع ہوگیا ہے اور میں اس کی جناب سے امید کرتا ہوں کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مبارک ارادہ کی تکمیل کی توفیق مجھے دے گا۔ ہم کیا ہیں! اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں بے مشیت آلہ کار۔ جس طرح چاہتا ہے اسے حرکت دیتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے سکون میں لاتا ہے۔ ہمارا سلسلہ روحانی ہے اور اسے شناخت کرنے کے لئے روحانی آنکھ سے کام لینا چاہیے۔ ہر بات اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہے اور وہ فرماتا ہے:-

”آسمان سے بہت دودھ[۱] اُترا ہے محفوظ رکھو“

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۵)

اور یہ وہی دودھ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے محفوظ کیا جارہا ہے ورنہ ہماری بساط ہی کیا! ہماری کم مائیگی ہماری ہر

---

۱ یعنی معارف اور حقائق کا دودھ۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۵)
معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ اور شراب پیش کئے گئے تو آپؐ نے دودھ کو لیا اور آپؐ سے کہا گیا: أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ۔ یعنی تو نے عین فطرت کو اختیار کیا ہے۔ یہ وہی دودھ ہے جو دوبارہ اُترا ہے۔

بات سے عیاں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے عجیب تصرفات میں سے ہے کہ وہ شہتیروں کا کام تنکوں سے لیتا ہے۔ یہی اس کی عادت روحانی سلسلوں میں قدیم سے چلی آرہی ہے تا دیکھنے والے دیکھیں کہ اس کی داغ بیل عاجز انسانوں کے ہاتھوں سے نہیں ڈالی گئی بلکہ ملائکۃ اللہ کے دست تصرف سے؛ جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے حامل ہوکر روحانی خلافت کے ساتھ براہ راست وابستگی پیدا کرتے ہیں۔ اس خلافت کی مشیئت دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوتی ہے۔ لیکن دل کے اندھوں کو نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ آنکھ دے جو حقیقت کی بینا ہو اور وہ دل دے جو شکر گزار ہو۔ (آمین)

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ
(اعزازی کارکن نظارت تالیف وتصنیف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ بَدْءِ الْوَحْی

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْحَافِظُ

أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ الْبُخَارِيُّ

رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى آمِيْن

کہا: شیخ امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ نے جو بخارا کے رہنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ آمین

بَابٌ☆۱: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی

وَقَوْلُ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوْحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ. (النساء: ١٦٤)

اور اللہ جل ذکرہ کا یہ فرمانا کہ ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح حضرت نوحؑ اور ان انبیاء کی طرف وحی کی تھی جو حضرت نوحؑ کے بعد ہوئے۔

تشریح: اِنَّا أَوْحَيْنَا اِلَيْکَ كَمَا أَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ: امام بخاریؒ کَیْفَ بَدْءُ الْوَحْی کے متعلق جو آیت لائے ہیں۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس وحی کے متعلق وہ حدیثیں لائیں گے، وہ وحی نبوت ہے نہ کوئی اور۔ کیونکہ قرآن مجید سے اور نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وحیٔ جمادات مثلاً زمین کے لیے۔ (الزلزال:٦) اور آسمان کو (حٰمٓ السجدۃ:١٢) ایک وحیٔ حیوانات جیسے شہد کی مکھی کو ہوتی ہے۔ (النحل:٦٩) ایک وحی صالحین کو ہوتی ہے جیسے حواریوں کو ہوئی۔ (المائدۃ:١١٢) اور حضرت موسیٰؑ کی ماں کو بھی ہوئی۔ (القصص: ٨) وحی کا لفظ قرآن مجید میں بعض جگہ محض اشارہ کے معنوں میں بھی آیا ہے (الانعام:١٢٢)

☆ ابواب کے اعداد لکھنے کی صورت میں یہ جائز ہے کہ لفظ "باب" بغیر اعراب کے لکھا جائے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ١٠)

۱ : حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

۱: ہم سے حمیدی یعنی عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید انصاری نے بیان کیا کہ مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے خبر دی کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جبکہ وہ منبر پر تھے؛ سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ اعمال تو نیتوں ہی پر ہیں اور یہ کہ ہر انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس نے دنیا کے پانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی، اس کی ہجرت اُسی امر کے لئے ہوگی جس کی خاطر اس نے یہ ہجرت کی۔

تشریح: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کی حدیث بھی جوامع الکلم میں سے ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو ایک تہائی اسلام قرار دیا ہے اور بعض نے ایک تہائی علم کا اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بڑھ کر پر حکمت، پر معانی اور کوئی حدیث نہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۴) بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دین کی ساری ماہیت اس ایک جملہ میں کوٹ کر بھر دی گئی ہے اور یہ جملہ درحقیقت بطور اس اصل الاصول کے ہے کہ جس سے انسان کو حیوان سے امتیاز حاصل ہوتا ہے اور جس کی بناء پر انسان کے طبعی افعال دائرہ اخلاق میں داخل ہو کر انسان کو ذمہ وار اور اعمال کی جواب دِہ ہستی بنا دیتے ہیں اور شریعت کی تمام پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس حدیث کی تھوڑی سی وضاحت کرنی ازبس ضروری معلوم ہوتی ہے تا کہ اس کا تعلق اس باب سے اور نیز اس کتاب کے مضمون سے پورے طور پر واضح ہو جائے۔

۱۔ علماء اسلام نے فعل اور عمل کے درمیان یہ فرق بتلایا ہے کہ فعل طبعی حرکت کو کہتے ہیں جس میں نیت کا دخل نہیں اور عمل وہ فعل ہے جس میں نیت کا دخل ہو جو بالارادہ قصداً کیا جائے۔ جس کے کرنے پر انسان کا طبعی فعل اچھا یا برا کہلاتا ہے اور اس لئے وہ انعام یا سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس تعریف کو مدنظر رکھ کر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کا یہ مفہوم ہوگا کہ طبعی

افعال کو عملی یا اخلاقی حیثیت نیتوں کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ان معنوں کے اعتبار سے بِالنِّيَّاتِ میں (ب) سببیہ ہے۔

۲۔ دوسرا مفہوم اس حدیث کا یہ ہے کہ اعمال نیتوں ہی کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔کام کرنے کے لئے نیت کی ضرورت ہے۔محض خیال یا آرزو یا میلانِ طبع یا رغبت یعنی دل کی پسندیدگی یا چاہت کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے ہرگز کافی نہیں۔نیت جس کا ماخذ ''نواۃ'' ہے اعمال کے لئے گٹھلی یا بیج کا وہ درمیانی گودا ہے جس میں زندگی کی ساری قوتیں جمع ہوتی ہیں اور جس سے کونپلیں پھوٹتی ہیں اور اعمال کا درخت پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے۔

۳۔ لفظ '' اِنَّمَا '' جو حصر کے لئے آتا ہے اس کا مفہوم اردو میں (ہی) کے لفظ سے ہم ادا کرتے ہیں۔اس لفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے تیسرے معنے یہ ہوں گے کہ انسانی اعمال کے پیچھے ضرور ہے کہ نیتیں درپردہ کام کر رہی ہوں۔یعنی یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان کام تو کر رہا ہو مگر اس کے پیچھے کوئی نیت نہ ہو۔اگر کوئی نیت نہیں تو وہ فعل محض ایک طبعی حرکت ہوگی جس کو کوئی عملی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

٤۔ اس حدیث کا ایک چوتھا مفہوم بھی ہے جس کی طرف امام بخاری علیہ الرحمۃ گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نتائج کے اعتبار سے اعمال کی اہمیت نیتوں پر موقوف ہے جس قدر قوت اور سنجیدگی نیت میں ہوگی اسی قدر قوت اور سنجیدگی سے عمل بھی صادر ہوگا۔نیز اسی نسبت سے اس کے ساتھ انسان کے باقی اعمال بھی متاثر ہوں گے۔ایک شخص جو گھر بنانے کی نیت کر لیتا ہے،اس نیت کے ساتھ معاً اس کے عام اخراجات کی اقتصادی حالت میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی بلکہ وہ آمدنی کے اور نئے نئے ذرائع سوچے گا اور اس کے لئے عمل کی نئی نئی صورتیں پیدا کرے گا۔محنت و مشقت برداشت کرے گا۔اس کے کھانے پینے اور سونے جاگنے اس کی خوشی اور راحت کی گھڑیوں وغیرہ سب میں فرق آ جائے گا۔غرض نیت میں جس قدر پختگی،جس قدر وضاحت،جس قدر یقین،جس قدر وسعت و بلندی و ہمت ہوگی؛ٹھیک اسی تناسب سے اعمال بھی متاثر ہوں گے اور وہ مختلف شکل اختیار کرتے چلے جائیں گے۔یہی ایک سربستہ راز ہے انسان کی ترقی کا اور اس کی ساری عملی زینت کا۔

۵۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ ناجائز اعمال کو اچھی نیت سے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً رشوت اس لئے لیتے ہیں کہ صدقہ کریں۔مگر یہ جائز نہیں۔اور اس اعتبار سے پانچویں معنے حدیث کے یہ ہوں گے کہ اعمال کی صحت تو نیتوں کی صحت کے ساتھ ہے۔نہ برا عمل اچھی نیت سے نیک بن جاتا ہے اور نہ بری نیت سے کوئی عمل جو بظاہر نیک ہو،نیک ہوتا ہے،جیسے ریا کی نماز۔

باب ۲

۲:حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ	۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ مالک نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے

عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِيْنِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِيْ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا.

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ کے پاس وحی کس طرح آیا کرتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کبھی تو گھنٹی کی چھنکار کی مانند وہ میرے پاس آتی ہے اور یہ (وحی) مجھ پر سخت ترین ہوتی ہے اور وہ مجھ سے ایسی حالت میں الگ ہوتی ہے کہ جو اس نے کہا ہوتا ہے میں اُسے ذہن نشین کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں میرے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے ذہن نشین کئے جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ پر وحی سخت سردی کے دن نازل ہوتی اور پھر آپؐ سے ایسی حالت میں جدا ہوتی کہ آپؐ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ رہا ہوتا۔

تشریح: **كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ**: كَيْفَ بَدْءُ الْوَحْيِ کے عنوان کے ماتحت دوسری حدیث جو امام بخاریؒ نے نقل کی ہے، اس میں وحی کی کیفیت کے متعلق دو مشاہدے مذکور ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن پر وہ کیفیت گذرتی ہے اور ایک حضرت عائشہؓ کا جو اس کیفیت کے ظاہری آثار دیکھنے والی ہیں۔ جو جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن ہشامؓ کو دیا اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وحی کی صرف یہی دو صورتیں ہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نمونہ ان صورتوں کی دو بڑی قسمیں بیان فرمائی ہیں جو آسانی سے سمجھی جا سکتی ہیں اور یہ دونوں حالتیں قوائے جسمانیہ پر گراں گذرتی ہیں۔

پہلی حالت زیادہ سخت ہے۔ **قَدْ وَعَيْتُ** یعنی جب وحی کی یہ حالت موقوف ہوتی ہے تو وہ کلام میرے ذہن میں نقش ہو چکا ہوتا ہے۔ وحی کے معنی پتھر پر لکیر ڈالنے کے بھی ہوتے ہیں۔ (لسان العرب تحت لفظ وحي)

اور دوسری حالت کے متعلق فرمایا: **فَأَعِيْ** یعنی میں ساتھ ساتھ وہ کلام ذہن نشین کرتا جاتا ہوں۔ اس میں شعور ایک حد تک برقرار رہتا ہے۔

وحی کے معنی ہیں بات کو سرعت سے پہنچانا (لسان العرب تحت لفظ وحي) اور یہ مفہوم ہر ایک قسم کی وحی میں پایا جاتا ہے۔ گو اس کی کیفیتیں مختلف ہوں۔ جیسی طبیعتیں ہوں گی۔ ویسی ہی وحی کی کیفیت میں بھی تبدیلی ہوتی چلی جائے گی اور وحی خواہ بصورتِ آواز یا الفاظ متکیف ہو یا بشکل تمثلات ملکیہ ظاہر ہو۔ ہر بشری طبیعت کے ساتھ جداگانہ کیفیت رکھتی ہے اور اس کا ادراک کرنا دوسرے انسان کے لئے ایسا ہی مشکل امر ہے جیسے ذائقہ کی کیفیت کا ادراک کرنا بغیر تجربہ مشکل ہے اسی لئے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثؓ بن ہشام کو دو موٹی مثالیں دے کر دو صورتیں سمجھائی ہیں۔

یہ حضرت حارثؓ بن ہشام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے اور شام کی فتوحات میں شہید ہوئے۔ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور علامہ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ مشہور علماء کی یہی رائے ہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت پاس ہی موجود تھیں جب حضرت حارثؓ بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔

(فتح الباری جزء اوّل صفحہ۲۵) (ارشاد الساری للقسطلانی جزء اوّل صفحہ۵۷)

باب ۳

۳: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَّنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا

۳: ہم سے یحیٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ لیث نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ بن زبیر سے، عروہ نے حضرت عائشہ اُمّ المؤمنینؓ سے روایت کی کہ وہ کہتی تھیں: پہلے پہل جو وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہوئی وہ نیند میں سچی خوابوں کا دیکھنا تھا۔ آپؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی طرح واقع ہو جاتی۔ اس کے بعد آپؐ کو تنہائی کی طرف رغبت ہوئی اور آپؐ غارِ حرا میں تنہا رہتے اور اس میں عبادت کرتے۔ یہ عبادت چند گنتی کی راتوں کی تھی جسے آپؐ پیشتر اس کے کہ آپؐ کو اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ہوتی پورا کر لیتے اور اس کے لئے آپؐ توشہ لے لیتے۔ پھر کچھ مدت بعد حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور

حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (العلق:٢-٤) فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ فَدَخَلَ عَلَى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَ زَمِّلُوْنِي زَمِّلُوْنِي فَزَمَّلُوْهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلَى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيْكَ اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ

اتنی ہی راتوں کے لئے اور زاد لے لیتے۔ آخر آپؐ کے پاس حق آ گیا اور اس وقت آپؐ غارِ حرا میں تھے۔ آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھو۔ آپؐ نے کہا: میں تو ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اس پر اُس نے مجھے پکڑا اور مجھے اس قدر بھینچا کہ میری طاقت اپنے انتہاء کو پہنچ گئی۔ پھر اُس نے مجھ کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا: پڑھو۔ میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا (کہ میں بے ہوش ہو گیا۔) پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو۔ میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور سہ بارہ زور سے بھینچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہنے لگا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ.... یعنی پڑھو اپنے ربّ کا نام لے کر کہ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو پیدا کیا ایک لوتھڑے سے۔ پڑھو اور تمہارا ربّ بہت ہی کریمانہ صفات والا ہے۔ ان آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے۔ آپؐ کا دل دھڑک رہا تھا۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اُوڑھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا یہاں تک کہ آپؐ سے وہ گھبراہٹ جاتی رہی تب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا: مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے کہا: ہرگز نہیں۔ بخدا آپؐ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے

فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيْجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيْجَةَ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيْلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيْكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوْسُ الَّذِي نَزَّلَ اللّٰهُ عَلَى مُوْسَى يَا لَيْتَنِي فِيْهَا جَذَعًا لَيْتَنِي أَكُوْنُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُوْدِيَ وَإِنْ يُّدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ.

ہیں۔ عاجز کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور وہ نیکیاں کرتے ہیں جو معدوم ہو چکی ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی مشکلات میں مدد دیتے ہیں۔ اس پر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے گئیں اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لائیں جو کہ اسد بن عبدالعزٰی کے بیٹے تھے۔ ورقہ وہ شخص تھے جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انجیل سے جو اللہ چاہتا عبرانی میں لکھا کرتے تھے اور وہ بہت بوڑھے تھے۔ نابینا بھی ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اُن سے کہا: اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے آپؐ سے پوچھا: اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان کو بتلایا۔ ورقہ نے آپؐ سے کہا: یہ وہ شریعت لانے والا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اُتارا تھا۔ اے کاش میں اس زمانہ میں جوان ہوتا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ رہوں جب تیری قوم تجھے نکالے گی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے نکالیں گے!! انہوں نے کہا: ہاں۔ جو پیغام تو لایا ہے جب کبھی بھی کوئی شخص ایسا پیغام لے کر آیا تو ضرور ہی اس سے دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تیرا وہ زمانہ پا لیا تو میں کمر باندھ کر تیری مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی میں وقفہ پڑ گیا۔

تشریح: اس حدیث سے چار باتیں معلوم ہوتیں ہیں:-

۱۔ **اوّل** یہ کہ زمانہ نبوت سے پہلے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی خوابیں آیا کرتی تھیں اور آپؐ جوخواب دیکھتے وہ کمال صفائی سے اور یقینی طور پر پورے ہو جاتے۔ **کَفَلَقِ الصُّبْحِ** کا یہی مفہوم ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سچی خوابوں کو جو وحی کی قسم سے شمار کیا ہے تو یہ اس لئے کہ خواب کی کیفیت ہی دراصل وہ طبعی استعداد ہے جو ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور علم کے ظاہر ہونے کے لئے بطور آئینہ کے کام دیتی ہے اور بالآخر انسان پر وحی کی اعلیٰ سے اعلیٰ تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ طبعی استعداد بیج کے طور پر انسان میں موجود ہے۔ اسی لئے ہر انسان نیک ہو یا بد؛ کوئی نہ کوئی سچی خواب دیکھ لیتا ہے تا اس کے لئے نبوت کی حقیقت کا سمجھنا مشکل نہ ہو۔ کیونکہ جس آنکھ میں نور ہوتا ہے وہی آنکھ نورِ آفتاب کو بھی دیکھتی ہے اور اس کی کیفیت کو بھی تصور میں لاسکتی ہے۔

غرض خواب کی قابلیت بطور ایک طبعی مبدء اور مصدر کے ہے اور اسی وجہ سے احادیث نبویہ میں سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری. کتاب التعبیر. باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة وأربعین جزء من النبوة: ۶۹۸۹) اور حضرت عائشہؓ نے بھی یہاں اسی وجہ سے آپؐ کی خوابوں کو وحی میں شامل کیا ہے۔

۲۔ **دوسری بات** اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خالص محبت تھی اور یہ محبت آپؐ کے دل میں فطرتاً تھی جو دن بدن ترقی کرتی گئی۔ آخر اس خالص محبت کی وجہ سے مجبور ہو کر آپؐ نے دنیا کے تعلقات سے کنارہ کشی کی اور آپؐ غارِ حرا میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے گوشہ نشین ہو گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ **حُبِّبَ اِلَیْهِ الْخَلَاءُ** میں جو صیغہ مجہول استعمال کیا گیا ہے، وہ یہی راز بتلانے کے لئے ہے کہ یہ محبت اپنے اختیار کی بات نہ تھی۔ کسی بالائی طاقت نے آپؐ کا منہ دنیا سے موڑ دیا تھا اور تمام انبیاء کے متعلق یہی سنت الٰہی چلی آتی ہے۔

فَیَتَحَنَّثُ فِیْهِ: تَحَنُّثُ کے معنی عبادت کرنا۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کسی معین شکل وصورت کی عبادت سے متعارف نہ تھے۔ جیسا کہ فرمایا: مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ. (الشوریٰ: ۵۳) یعنی تجھے عبادت کا کوئی طریق معلوم نہ تھا۔ اس لئے آپؐ اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے۔ دعا عبادت کا اصل مغز اور روح ہے۔

وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ: چند گنتی کی راتیں عبادت کیا کرتے تھے۔ حَتّٰی جَآءَهُ الْحَقُّ سے مراد ایک تو کامل معرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق کامل معرفت روحانی مشاہدات اور تجلیات وحی کے ذریعے سے ہی ہوتی ہے۔ محض عقل اس مقام معرفت تک قطعاً نہیں پہنچا سکتی۔ عقل تو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق صرف ''ہونا چاہیئے'' کے مقام تک ہمیں پہنچاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ہمارے سامنے بہت سے احتمالات پیش کر دیتی ہے۔ عقل کا یہ نقص وحیٔ الٰہی سے دور ہوتا ہے۔ عقل اور وحی میں آپس میں کوئی تضاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے لئے بطور ممد کے ہیں۔ عقل کا تعلق زمین سے ہے اور وحی کا تعلق آسمان سے اور دونوں کے اتصال سے کامل نور اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح زمینی آنکھ کی

بینائی میں آسمانی سورج کی روشنی سے نور پیدا ہوتا ہے۔ وحی کے بغیر الحق یعنی کامل یقین ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔
(اس بحث کی تفصیل ملاحظہ ہو: براہین احمدیہ حصہ دوم حاشیہ نمبر۴ صفحہ ۸۷)

اس جگہ الحق کی مناسبت کی وجہ سے یہ ذکر کر دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ جب وہ روحِ حق آئے گی تو ساری سچائی لائے گی۔ (یوحنا۔ باب ۱۶، آیت ۷ تا ۱۶)

۳۔ **تیسری بات** اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اغراضِ نفسانیہ سے الگ ہو کر محض اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ خواہش قطعاً نہ تھی کہ آپ کو وحی و مکاشفہ ہو یا نبوت کا مقام ملے اور نہ یہ مقام مجاہدات سے ملا کرتا ہے۔ اس بات پر جیسا کہ **حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ** کے الفاظ دلالت کرتے ہیں اور وہ الفاظ بھی نہایت وضاحت سے دلالت کرتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کئے ہیں۔ یعنی حَتّٰى فَجِئَهُ الْحَقُّ.... یعنی یکا یک بغیر توقع کے حق آپؐ کے پاس آیا۔
(بخاری. کتاب التفسیر. سورة إقرأ باسم ربک الذی خلق. روایت نمبر:۴۹۵۴)
(مسلم. کتاب الایمان. باب بدء الوحي الی رسول اللّٰه ﷺ)

اس کے ہم معنی یہ الفاظ ہیں: أَتَاهُ بَغْتَةً. (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۵۴)

ایسے مجاہدات سے آپ کی پاک فطرت انکار کرتی تھی جو اس غرض سے ہوں کہ کوئی الہام ہو جائے یا کشف ہی دیکھ لے یا یہ کہ وحی و نبوت کا مقام حاصل ہو۔ قرآن مجید بھی اسی امر کی طرف اشارہ فرماتا ہے: **وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا أَنْ يُّلْقٰى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ** (القصص: ۸۷) یعنی تو یہ توقع نہ رکھتا تھا کہ کتاب تجھے دی جائے۔ یہ تو تیرے رب کی رحمت ہوئی۔

مَا أَنَا بِقَارِئٍ: اور وحی لانے والے فرشتے کو بھی آپ یہی جواب دیتے ہیں: مَا أَنَا بِقَارِئٍ. میں ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ "**مَا**" حرفِ نافیہ "ب" کے ساتھ قطعی انکار کے لئے آتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے: **وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**. (ھود: ۳۰) یعنی میں ہرگز اپنے مسلمان ساتھیوں کو دھتکارنے کا نہیں۔

کلماتِ وحی کا مفہوم وہ شخص خوب سمجھتا ہے جس پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ اِقْرَأْ سے مراد اعلانِ رسالت ہے جس کی تشریح لفظ قرآن کر رہا ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک لحہ کے لئے بھی وہم نہیں گذرا کہ یہ تجلی ربانی ہے یا کیا؟ انبیاء کی ابتدائی زندگی میں ہی ان تجلیات کا سلسلہ شروع ہو کر آہستہ آہستہ کمال تک پہنچتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خارق عادت معاملہ ہمیشہ سے دیکھتے چلے آتے ہیں۔ ایک معمولی انسان جو سچی خواب دیکھتا ہے اس کو تو ایسے خواب کے متعلق یقین ہوتا ہے کہ یہ نظارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے نہ کسی خیال کا نتیجہ۔ مگر یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پڑھنے سے انکار کیا تو اس خیال سے کیا کہ آپ کو علم نہ تھا کہ یہ رحمانی وحی ہے، یہ احمقانہ خیال ہے۔

ورقہ بن نوفل جو عیسائی تھا اس نے تو سارا واقعہ سن کر بے ساختہ کہہ دیا کہ یہ تو وہی راز دار ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ روحانی کیفیتیں گزرا کرتی تھیں وہ اس راز سے ناآشنا ہوں! یہ بات کس قدر دور از قیاس ہے اور علاوہ ازیں یہ تجلی ربانی پہلی بار نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے میں غلطی ہوتی یا کوئی شبہ پڑتا

بلکہ جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے؛ بیس سال سے پیشتر یہ سلسلہ رؤیا وکشوف وتجلیات وحی کا شروع تھا۔
(تاریخ الأمم والملوک للطبری. ذکر باقی الأخبارمن الکائن من أمر رسول اللّٰہ قبل أن ینبأ. الجزء الثانی)
اور تمام اولیاء اور انبیاء کے ساتھ یہی سنت الٰہی ہے کہ خدا تعالیٰ ایک لمبے عرصہ کی تجلیوں سے آہستہ آہستہ ان کو کامل یقین تک پہنچاتا ہے جس کے بعد شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس لئے انکار کیا کہ آپ سمجھتے تھے کہ اِقْرَأْ سے کیا مراد ہے اور کس قسم کی ذمہ داری کے بار اٹھانے کے لئے آپ کو کہا گیا ہے۔ انبیاء معرفت الٰہی میں اس مقام پر کھڑے ہوتے ہیں جو سراسر تواضع وتقویٰ وخشیت کا مقام ہے وہ بارِ رسالت کو اٹھانے سے ڈرتے ہیں اور اپنے گوشۂ تنہائی سے نکلنا نہیں چاہتے۔ وہ اسی وقت نکلتے ہیں جب الٰہی مشیت کی تجلیات اور بار بار کے صریح حکموں کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی عاجزانہ معذرتیں کیں اور حضرت ہارونؑ نے اپنے بھائی کو اس منصب نبوت پر کھڑا کرنے کے لئے عرض کیا۔ (الشعراء: ۱۴)

غَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیَ الْجُهْدُ: لفظ اَلْجُهْد......"د" کی فتح سے بھی آتا ہے۔ جس کے معانی ہیں: اپنی ساری طاقت صرف کر دی۔ لیکن رفع کے ساتھ جو روایت آتی ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس کے معنے ہیں مجھے اتنا دبایا کہ میری طاقت اپنے انتہاء کو پہنچ گئی یعنی تاب مقابلہ نہ رہی۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۵۷) اور یہ حالت خاص کر اُس وقت ہوتی ہے، جب انسان ملائکہ کی بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ یعنی مشیئتِ الٰہی کے مقابل بشری ارادہ کچھ نہ کچھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ ملائکہ کی اس قسم کی تحکمانہ تجلی خواب میں ہوتی ہے اور کشف میں بھی اور عین بیداری میں بھی۔ ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ واقعہ نیند میں ہوا۔
(تاریخ الأمم والملوک. ذکر الخبر عما کان من أمر نبي اللّٰہ... بارسال جبریل الیه بوحیه. الجزء الثانی)
شاید اس وجہ سے کہ غَطَّ، یَغِطُّ، غَطِیْطًا نیند میں خراٹے لینے کو بھی کہتے ہیں۔ (لسان العرب تحت لفظ "غطّ") یا کسی اور وجہ سے انہوں نے یہ کہا۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رؤیت کا لفظ علی الاطلاق رکھا ہے جو کشف پر بھی بولا جاتا ہے اور خواب پر بھی۔ بہر حال اس مخصوص تجلی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے لگا کر زور سے بھینچا گیا۔ اس نظارے کا تعلق واقعات کے ساتھ یہ ہے کہ آپؐ نے الٰہی مشیئت کی زور دار تجلیات کے ماتحت بے بس ہو کر نبوت کا اعلان کیا تھا۔ یہ نہیں کہ آپ نے اس کے لئے کوئی پہلے سے تیاری کی تھی۔ آپ گوشۂ تنہائی کو چھوڑنے کے لئے یونہی اپنی مرضی سے تیار نہیں ہوئے۔ قرآن مجید نے بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس: ۱۷) کہو! اگر اللہ کی مشیئت نہ ہوتی تو میں تمہارے سامنے یہ کبھی نہ پڑھتا اور وہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ چنانچہ میں تم میں اس سے پہلے بھی ایک لمبا عرصہ رہ چکا ہوں۔ تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔ ان آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیئت کی زور دار تجلی نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ قطعاً منصب نبوت کے اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔

یورپ کے عیسائی علماء نے (یہ ثابت کرنے کے لئے) بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں کہ یہ نظارے دماغی بیماری کا نتیجہ تھے مگر جو نظارے دماغی خلل کا نتیجہ ہوتے ہیں؛ واقعات ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ (العلق:۴) میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو ایسی عظمت کے ساتھ پوری ہوئی کہ یہی عیسائی آج تک اس کی عظمت سے حیران ہیں۔ اس وحی کا ماحصل یہ ہے: تم پڑھو۔ اس حکم کی تعمیل میں تمہارا اللہ تم سے نہایت کریمانہ سلوک کرنے والا ہے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ واقعات نے ہر پہلو سے اس کی تصدیق کی۔

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ: مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس کا ایک تو سیدھا سادہ یہ مفہوم ہے کہ اس رعبناک نظارے سے یعنی فرشتہ کے دبانے سے مجھے یہ خوف ہو گیا تھا کہ میری جان چلی اور درحقیقت بعض وقت وحی کی جلالی تجلی سے یہی حالت ہوتی ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ واقعہ بتلا کر آپؐ یہ فرماتے ہیں: مجھے اب اپنے متعلق فکر پڑ گئی ہے کہ ایک بہت ہی بڑا بوجھ مجھ پر ڈالا جا رہا ہے۔ آپ کو عہدۂ رسالت کی نازک ذمہ واریوں کا کامل احساس تھا جس کے ساتھ ہزاروں مشکلات لگی ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے متعلق کئی قسم کے اندیشوں کا ذکر کرتے ہیں کہ میں فصیح نہیں ہوں۔ (الشعراء: ۱۴) دراصل یہ بہانے نہیں بلکہ کامل عاجزی و تواضع کا اظہار ہے اور نیز یہ خواہش ہے کہ وہ گوشہ تنہائی سے نکل کر دنیا میں دوبارہ نہیں آنا چاہتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کا مطلب سمجھ کر کہتی ہیں: كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا. یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کبھی بھی آپ کو رسوا نہ کرے گا۔ آپ کامیاب ہوں گے۔ **خِزْیٌ** وہ ذلت و رسوائی ہے جو انسان کو ناکامی سے ہوتی ہے۔

۴۔ **چوتھی بات** اس حدیث سے اس عظیم الشان شہادت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمارے لئے چھوڑ گئی ہیں۔ وہ اس گھبراہٹ کے وقت بے ساختہ بغیر کسی تصنّع کے پورے یقین کے ساتھ کہتی ہیں: كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا. یعنی یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپؐ مکارمِ اخلاق سے متصف ہیں۔ آپؐ بنی نوع انسان کے ہمدرد ہیں۔ آپؐ میں وہ وہ خوبیاں ہیں جو آج کل معدوم ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی یہ شہادت معمولی شہادت نہیں۔ یہ اس رفیق زندگی کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی واقفِ حال راز دان نہیں ہو سکتا۔

حضرت خدیجہؓ کی یہ مراد ہے کہ جس شخص کے مکارمِ اخلاق کی وجہ سے لوگ پہلے ہی گرویدہ ہوں اور جو ''اَلْاَمِيْن'' کے لقب سے مشہور ہو وہ ناکام کیسے ہوگا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعد میں ورقہ بن نوفل کے قول پر یہ تعجب ہوتا ہے: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے!! حضرت خدیجہؓ کا قول اور آپؐ کا تعجب ایک ہی قسم کے احساس کے ماتحت ہے اور یہ آپؐ کی بے لوث اور مکارمِ اخلاق سے بھری ہوئی زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ آپؐ پہلے ہی سے ہمدرد بنی نوع انسان تھے۔

فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ: حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس آپ کو اس لئے نہیں لے گئی تھیں کہ نعوذ باللہ آپؐ کو کوئی شبہ تھا اور ورقہ سے پوچھنا تھا کہ آیا آپؐ کے پاس فرشتے آتے ہیں یا جن بھوت۔ بلکہ اس لئے کہ وہ عیسائی

تھے اور ''اس نبی'' کے آنے کے متعلق قدیم نوشتوں میں پیشگوئیاں تھیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو اُس کی آمد کا انتظار تھا جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے اور تورات وانجیل میں اُس کی علامتیں بھی موجود تھیں اور چونکہ ورقہ بن نوفل ان کتابوں کے عالم تھے، اس لئے ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئیں تا آنے والے نبی کے متعلق خیالات معلوم ہوں اوران کو بھی تصدیق کا موقع ملے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً شناخت کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے جانے کے متعلق پیشگوئی کا تذکرہ بھی کردیا جو یسعیاہ نبی نے عرب کے متعلق الہامی کلام کے عنوان کے ماتحت سنائی تھی:-

''ارے اے بانجھ تو جو نہیں جنتی تھی خوشی سے للکار۔ تو جو حاملہ نہ ہوتی تھی وجد کرکے گا اور خوشی سے چلا۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی (ہاجرہ) کی اولاد خصم والی (سارہ) کی اولاد سے زیادہ ہے۔ ..... تیرے سب فرزند بھی خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راستبازی سے پائدار ہوجائے گی۔.....'' (یسعیاہ باب ۵۴)

''سلع (مدینہ کی پہاڑی کا نام ہے) کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔......'' (یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۱۲-۱۳)

''عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے ودانیو (یعنی اہل یمن) کے قافلو! اے تیما (یعنی مدینہ) کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔......'' (یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳-۱۵)

غرض اس قسم کی بہت سی پیشگوئیاں اس نبی کے متعلق ملتی تھیں اور اُس وقت یہود اور نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور ورقہ چونکہ رشتہ دار تھے، عالم تھے، عربی اور عبرانی دونوں جانتے تھے؛ انہوں نے سن کر کہا: یہ وہی ناموس یعنی حامل شریعت ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ ناموس کے معنے شریعت کے بھی ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از لسان العرب تحت لفظ نمس)

ورقہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا کیونکہ استثناء باب ۱۸ (آیت ۱۸) میں نبی موعود کے متعلق جو پیشگوئی ہے اس میں صاف الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کی مانند ہوگا اور بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہوگا۔ وہ اپنی نہیں کہے گا بلکہ جو سنے گا وہ کہے گا۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** (النجم: ۱۱) اور حضرت عیسیٰ صاحب شریعت نبی نہ تھے، اس لئے ذکر نہ کیا۔

ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی جو غرض وغایت ہم نے بیان کی ہے اس کا ذکر امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی

کتاب فتح الباری میں کیا ہے، ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۳۴ شرح حدیث مذکور اور علامہ عینی نے بھی۔ (عمدۃ القاری جلد اول صفحہ ۵۴)

وَفَتَرَ الْوَحْيُ: زمانہ فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں جبرائیل کی خاص تجلی جس کا تعلق قرآن مجید کے نزول کے ساتھ ہے۔ایک وقت تک موقوف رہی۔ ورنہ یوں تو روح القدس جو انبیاء اور اولیاء اللہ کی نئی زندگی کے لئے بطور روحِ رواں کے ہوتا ہے، ایک لحظہ کے لئے بھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ کی دو قسم کی تجلیات اس کے خاص بندوں پر ہوتی ہیں۔ ایک تجلی تو ہر وقت ان کے ارادوں میں روح القدس کے ذریعے سے کام کرتی رہتی ہے اور ایک تجلی جبرائیل کے ذریعے سے تمثلی رنگ میں پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اس جبرائیلی تجلی میں جو عارضی وقفہ ہوتا ہے، اس کا نام زمانہ فترت ہے اور اس وقفہ سے یہ مراد نہیں کہ جبرائیل کسی وقت آسمان سے اترتا ہے اور پھر انبیاء کو چھوڑ کر آسمان پر چلا جاتا ہے۔ جبرائیل اسی طرح اپنے مقام پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی مشیئت کی تجلیات ہر وقت اور ہر جگہ پہنچاتا رہتا ہے، جس طرح سورج پانی میں نظر آتا ہے مگر درحقیقت سورج نیچے نہیں اترتا۔ اسی طرح جبرائیل کا نزول تمثلی رنگ میں ہوتا ہے، نہ حقیقی طور پر۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۵۷)

پس جس طرح جبرائیل کا آسمان سے اترنا عام متعارف معنوں میں نہیں، اسی طرح جبرائیلی تجلی میں یہ وقفہ پڑنا بھی اپنے حقیقی معنوں میں نہیں۔ بلکہ اس روح القدس کی روشنی ہر وقت اور ہر حال میں انبیاء کے شامل حال ہوتی ہے اور ان کے اندر سکونت رکھتی ہے۔ یہی مذہب ہے تمام اہل اللہ کا۔ اس مضمون کی تفصیل کے لیے دیکھئے ''آئینہ کمالاتِ اسلام''۔ جہاں ضرورتِ ملائکہ اور ان کی تجلیات کے متعلق بحث کی گئی ہے وہاں اس اعتراض کا بھی کامل جواب دیا گیا ہے کہ جب روح القدس انبیاء سے جدا نہیں ہوتا تو پھر وہ بعض دفعہ غلطیاں کیوں کرتے رہتے ہیں۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام- روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۷۲-۱۲۶)

زمانہ فترت کے متعلق علماء نے یہ بحث بھی اُٹھائی ہے کہ سلسلہ وحی میں کتنی دیر توقف رہا۔ امام ابن حجر مختلف روایتیں بیان کر کے آخر میں حضرت ابن عباسؓ کی قابل اعتماد روایت کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ چند دن کا وقفہ تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۷) اور یہ صحیح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرؤیا میں بھی زہری سے روایت کرتے ہوئے یہی واقعہ غارِ حراء کا بیان کیا ہے اور آخر میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے: فِيمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُؤُوسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا...... (بخاری. كتاب التعبير. باب أول ما بدئ به رسول الله من الوحي. روایت نمبر ۶۹۸۲) یعنی ہمیں یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ آپؐ کو اس وقفہ سے اس قدر غم ہوا کہ آپؐ مارے غم کے اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرانا چاہتے تھے اور جبرائیل آ کر کہتا: محمد ﷺ تم واقعہ میں اللہ کے رسول ہو۔ یہ قصہ حضرت عائشہؓ کی مشار الیہ مستند روایت کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ چنانچہ خود زہریؒ بھی اس کو بے بنیاد قصہ سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے: فِيمَا بَلَغَنَا .... یعنی منجملہ ان روایتوں کے جو ہمیں پہنچی ہیں.... یہ کہہ کر اس روایت کی کوئی سند نہ بیان کرنے سے ان کی مراد یہی ہے کہ یہ غیر مستند روایتیں ہیں۔

٤ : قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّأَخْبَرَنِي أَبُوسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيْثِهِ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِي☆ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ إِلَى قَوْلِهِ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ(المدثر: ٢-٦) فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ.

۴: ابن شہاب نے (یہ بھی) کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے مجھے بتلایا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے جبکہ وہ وحی کے موقوف ہوجانے کے متعلق باتیں کررہے تھے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثناء میں کہ میں چلا جارہا تھا یک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی اور آنکھ جو اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ ہے جو غارِ حرا میں آیا تھا۔ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے خوف زدہ ہوکر میں واپس لوٹ آیا اور میں نے کہا: مجھے کپڑا اُوڑھادو مجھے کپڑا اُوڑھادو۔☆ تب اللہ تعالیٰ نے یہ وحی کی: يَاأَيُّهَاالْمُدَّثِّرُo قُمْ فَأَنْذِرْ.... یعنی اے کپڑا اُوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو خطرہ سے آگاہ کر (اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک وصاف کر۔) اللہ تعالیٰ کے اس قول تک اور ہر ایک ناپاک بات سے الگ ہوجا۔ پھر وحی خوب زور سے شروع ہوئی اور لگاتار ہوتی رہی۔

تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ وَأَبُو صَالِحٍ وَتَابَعَهُ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ يُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ بَوَادِرُهُ.

یحییٰ بن بکیر کی طرح عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا۔ ایسا ہی ہلال بن ردّاد نے بھی زہری سے روایت کرتے ہوئے اسے بیان کیا اور یونس اور معمر نے (يَرْجُفُ فُؤَادُهُ کی جگہ) يَرْجُفُ بَوَادِرُهُ (کے الفاظ) نقل کئے ہیں۔ یعنی آپؐ کے مونڈھوں کے پٹھے کانپتے تھے۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں روایتیں (نمبر۳،۴) زہری سے مروی ہیں۔ اسی لئے دوسری روایت (نمبر۴) قَالَ ابْنُ شِهَابٍ کہتے ہوئے شروع کی ہے۔ دوسری روایت (یعنی نمبر۴) واؤ سے شروع کی گئی ہے۔ واؤ کا عطف اس سے پہلی روایت پر ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۸۔ عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ٦٦) ترجمہ میں ہم نے اس مفہوم کو خط وحدانی میں ظاہر کردیا ہے۔ پہلی روایت عروہ بن زبیر کی ہے اور یہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف انصاری کی۔

☆ طبعة بُولاق کے مطابق لفظ "زَمِّلُوْنِي" دومرتبہ ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ پہلی وحی کونسی ہے؟ آیا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ .... یا یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَأَنْذِرْ .... امام بخاریؒ نے اپنے استاد ابن شہاب محمد بن مسلم زہری علیہ الرحمۃ کی سند پر اس اختلاف کو یوں حل کیا ہے کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ زمانہ نبوت کے ابتداء میں پہلی وحی ہے اور یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ زمانہ فترت کے بعد پہلی وحی ہے۔

یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَأَنْذِرْ ....فَاهْجُرْ o (المدثر: ۲-۶) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اغراض بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی قائم کرنا اور بنی نوع انسان کو ہر قسم کی گندگیوں سے رہائی دے کر پاکیزگی کے مقام پر کھڑا کرنا۔ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ سے مراد ظاہری پاکیزگی ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ سے مراد باطنی پاکیزگی ہے۔ رُجْز کے معنی ہر قسم کی ناپاک باتیں، مشرکانہ اعتقادات اور بیہودہ خیالات ہیں۔ احکام الٰہیہ کی بجا آوری میں سب سے پہلے مخاطب انبیاء ہی ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عملی نمونہ جس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگا۔ اسی قدر پاکیزہ تاثیرات اپنے ساتھ رکھے گا اور اسی نسبت سے دنیا اس سے مستفیض ہوگی۔

بَوَادِرُ جمع ہے بَادِرَة کی۔ وہ گوشت جو مونڈھے اور گردن کے درمیان ہوتا ہے۔ (لسان العرب تحت لفظ بدر) بعض وقت ڈر سے یہ گوشت پھڑکنے لگتا ہے۔

باب ٤

٥: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (القيامة: ١٧) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً وَّكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ

۵: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: موسیٰ بن ابی عائشہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی لَا تُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ کے متعلق ہمیں بتلایا کہ وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی وحی کے نازل ہونے سے سخت تکلیف اُٹھاتے اور کبھی آپؐ اپنے ہونٹ بھی ہلایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: میں تمہیں ہونٹوں کو اسی طرح ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں ہلایا کرتے تھے۔ اور سعید نے کہا: میں بھی انہیں اسی

سَعِيْدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (القیامة:١٧-١٨) قَالَ جَمْعَهُ لَكَ فِي صَدْرِكَ وَتَقْرَأَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (القیامة:١٩) قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامة:٢٠) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ.

طرح ہلاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباسؓ کو ہلاتے دیکھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہونٹ ہلائے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. (یعنی) تو اپنی زبان کو اس کے ساتھ نہ ہلا؛ اس غرض سے کہ تو اسے جلدی سے حفظ کر لے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. (حضرت ابن عباسؓ نے) کہا: جمع کرانے اور پڑھانے سے مراد یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہارے سینہ میں اس کو محفوظ کر دیں گے اور تو اسے پڑھ لے گا۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ (حضرت ابن عباسؓ نے) کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ تو کان لگا کر چپکے سے اسے سنتا جا۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ یعنی پھر یہ ہمارا کام ہوگا کہ تو اسے ٹھیک ٹھیک پڑھ لے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جبرائیل آتے تو توجہ سے سنتے اور جب جبرائیل چلے جاتے تو نبی ﷺ اسے اسی طرح پڑھتے جس طرح جبرائیل نے پڑھا ہوتا۔

تشریح: قَالَ ابْنُ عَبَّاس فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ .... :اس روایت پر محققین نے ایک اعتراض وارد کیا ہے کہ لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ کی آیت جو سورۃ القیامۃ میں ہے اس ابتدائی وحی میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ کیسے علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہونٹ ہلایا کرتے تھے اور انہوں نے سعید ابن جبیر کو بڑے وثوق سے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھلائے کہ یوں ہلایا کرتے تھے۔ پھر علاوہ ازیں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ کے حکم کے بعد خاموش ہو کر سنتے اور اپنے ہونٹ نہ ہلاتے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہؓ نے انہیں بتلایا تھا تو پھر انہوں نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ علاوہ ازیں یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ مگر باوجود اس اعتراض اور سقم کے علامہ ابن حجر اور عینی اور قسطلانی جیسے محققین نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ ضرور سنا اور حضرت ابن عباسؓ نے انہیں

ہونٹ ہلا کر دکھلائے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰۔ عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۷۳۔ شرح البخاری للقسطلانی جزء اول صفحہ ۶۹) کیونکہ سعید بن جبیر علم وتقویٰ میں بہت بڑے مقام پر تھے اور ایک امام مانے گئے ہیں اور موسیٰ بن ابی عائشہ بھی ثقہ ہیں اور ابوعوانہ بھی نہایت سچے راوی تسلیم کئے گئے ہیں، سوائے اس کے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔ جس کی وجہ سے وہ روایات کولکھ لیا کرتے تھے۔ اگر وہ اپنے حافظہ کی بناء پر کوئی روایت کرتے تو مفہوم میں کمی بیشی ہو جاتی لیکن تحریری روایت میں پوری صحت مدنظر رکھتے تھے۔ وَإِذَا حَدَّث مِنْ حِفْظِهِ غَلَطَ كَثِيْرًا. ابوسلمہ موسیٰ بن اسمٰعیل منقری جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت سنی، وہ بھی ثقہ ہیں۔(عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۷۰)

گو تابعین میں سے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے بلا واسطہ بیان کرنے والے سوائے سعید بن جبیر کے اور کوئی نہیں اور نہ صحابہ میں سے حضرت ابن عباسؓ کے سوا کسی صحابی نے یہ روایت کی ہے مگر یہ دونوں راوی بہت پایہ کے انسان ہیں اور یہ احتمال کہ ممکن ہے؛ ابوعوانہ نے نقل میں الفاظ کم وبیش کر دیئے ہوں۔ ایک حد تک اس طرح رفع ہو جاتا ہے کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے ابوعوانہ کے سوائے اوروں نے بھی اس کو نقل کیا۔ مثلاً سفیان بن عیینہ اور اسرائیل اور جریر نے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں زیر آیات مذکورہ بالا حمیدی اور عبیداللہ بن موسیٰ اور قتیبہ بن سعید کی سند سے روایتیں ان تین راویوں سے نقل کی ہیں۔(دیکھئے روایت نمبر ۴۹۲۷، ۴۹۲۸، ۴۹۲۹) اور انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے، اور وہ سعید بن جبیر سے، اور سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے اسے نقل کیا ہے۔ گو لفظوں اور معانی میں کمی بیشی ضرور ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اصول روایت کے اعتبار سے اس کی صحت میں خلل ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی حالت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ اس لئے محققین نے باوجود انتقاد کے اس روایت کو قبول کیا ہے۔

ان روایتوں سے کم از کم یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نزولِ وحی کے وقت تبدیل ہو جایا کرتی تھی اور جسمانی علائق سے جو عارضی طور پر انقطاع واقع ہوتا اس سے آپ کو غیر معمولی تکلیف ہوتی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بات بھی روحانی مشاہدات میں یقینی ہے کہ تجلیٔ وحی کی ایک ایسی حالت بھی ہوتی ہے جس میں زبان بغیر کسی محرک کے خود بخود حرکت کرنی شروع کر دیتی ہے اور جو الفاظ اس پر جاری ہوتے ہیں، وہ علم غیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وَمِمَّا يُحَرِّكُ بِهٖ شَفَتَيْهِ کی نحوی ترکیب سے ظاہر ہے کہ یہ حالت آپ پر کبھی کبھی وارد ہوتی۔ جیسا کہ امام ابن حجر اور دیگر شارحین نے بھی مِمَّا کے متعلق سیبویہ کا مذہب نقل کر کے اس مفہوم کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰)

فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ: یہ الفاظ حضرت ابن عباسؓ کے نہیں معلوم ہوتے بلکہ ابوعوانہ کے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے حسب معمول لفظ '' قَالَ '' نہیں دھرایا۔ نیز سفیان بن عیینہ اور اسرائیل نے اپنی روایت میں یہ حصہ بیان نہیں کیا۔ گو جریر نے '' قَالَ '' کہہ کر حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس آخری حصہ روایت کو منسوب کیا ہے مگر باوجود اس کے کہ ان دونوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ ان میں سے دو راویوں کا اس حصہ روایت کو نظر انداز کر

دینا اور ابوعوانہ کا '' قَالَ '' نہ دھرانا بتلاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نہیں۔اس لئے بالکل ممکن ہے کہ خود سعید بن جبیر یا ابوعوانہ نے ہی حضرت ابن عباسؓ سے آیت کا شانِ نزول سن کر یہ قیاس کرلیا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی ضرور تعمیل کی ہوگی مگر تعمیل یا عدم تعمیل کا تعلق وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کا ارادہ کام کررہا ہوتا ہے۔جتنی بھی تجلیاتِ وحی ہیں، اُن میں ارادہ کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔تمام حواسِ ظاہر یہ کم و بیش حالت تعطل میں ہوتے ہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ اس روایت کو یہاں محولہ بالا آیت کی تفسیر کرنے کی غرض سے نہیں لائے بلکہ صرف اس قدر بتلانا مقصود ہے کہ آپؐ پر یہ تجلیٔ وحی بطور خارق عادت کے اور غیر معمولی حالات کے ساتھ ظاہر ہوا کرتی تھی۔اس میں کوئی تصنّع یا بناوٹ نہ تھی اور نہ وہ کسی بیماری کا نتیجہ ہوسکتی تھی کیونکہ وہ بڑی بڑی صداقتوں اور حقائق پر مشتمل ہوتی تھی۔شروع میں تو آپؐ نے اس بارِ نبوت کے اٹھانے سے انکار کیا اور کچھ پریشان خاطر ہوئے مگر بار بار کی تجلیات سے اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ جیسے صریح حکم کے ماتحت جب آپ کو پورا انشراحِ صدر ہوا تو آپؐ اپنی خلوت سے باہر آئے اور پورے اہتمام سے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے اور ہو بہو یہی حال تمام انبیاء کا ابتدائے نبوت کے وقت ہوتا ہے۔یہ مقصد ہے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا اس روایت کے لانے سے۔چنانچہ اس کے بعد جو روایت لائے ہیں، اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے یعنی جبرائیلی تجلی جب رمضان میں آپؐ پر کثرت سے ہوتی ہے تو آپؐ کی معنویات میں بھی نمایاں تغیر ہوجاتا ہے کیونکہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے انعاموں کو دیکھ کر اس کی طرف اور جھکتے ہیں اور جن راہوں سے وہ خوش ہوتا ہے ان پر تیزی سے گامزن ہوتے ہیں۔یا اس شکر یہ احساس کے علاوہ اور قسم کے جذبات محبتِ الٰہی بھی کام کررہے ہونگے۔کچھ بھی ہو؛ بہرحال ان امور پر یکجائی طور پر نظر ڈالنے سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربانی تجلیات کے متعلق کس صداقت اور یقین کامل کے مقام پر کھڑے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ سخت سے سخت متعصب عیسائی مصنف بھی جن کے ایک ایک فقرے سے نفرت و عداوت کا زہر ٹپکتا ہے، اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آپؐ کا دعویٰ نبوت تصنّع اور بناوٹ سے پاک تھا۔چنانچہ جے۔ایم۔ارنلڈ (J.M.Arnald) مشہور عیسائی متعصب مصنف کو بھی بایں الفاظ اس حقیقت کا اقرار ہے:-

> Assuming .... we can not believe that Mohammad commenced his work as an ambitious conqueror or as a base impostor who had no faith in himself or his mission.

(Islam to Christianity, page:72,73 by:John Machleisen Arnald ,D.O)

یعنی یہ یہ باتیں فرض بھی کرلیں، تب بھی فلاں فلاں بات پر نظر ڈالنے کے بعد ہم کبھی باور نہیں کرسکتے کہ آپؐ نے اپنا یہ کام ایک حریص فاتح یا ایک ایسے کمینہ مفتری کی طرح شروع کیا جس کو اپنے متعلق اور نیز اپنے مشن کے متعلق یقین نہیں تھا۔

یہ بطور نمونہ کے اس شخص کی رائے ہے جو نہایت متعصب عیسائی ہے۔ان متعصب مصنفین کے علاوہ ایک اور گروہ

محققین کا ہے جنھوں نے اپنی تحقیق میں صحیح راہ اختیار کی ہے اور یقین کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ

Certain it is that the attacks with which Mohammad suffered were not of the nature of epilepsy. I can not accept Spranger's assertion that Mohammad was hysterical.....

(Prof. De Goeje Noldeke Festschrift, page:1-5)

''یقینی بات یہ ہے کہ محمد (ﷺ) پر یہ حملے مرگی وغیرہ کے نہ تھے جیسا کہ سپرینگر کا خیال ہے، نہ آپ کو ہسٹریا کی بیماری تھی۔''

یہ کہہ کر پروفیسر مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق پر ایک نظر ڈالتا ہے کہ آپؐ کی متانت وسنجیدگی، آپؐ کا جزم وعزم، آپؐ کا واقعات سے صحیح صحیح نتائج نکالنا اور قبل از وقت نتائج کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانا، آپؐ کا ضبط نفس، آپؐ کی اعلیٰ تعلیم وغیرہ یہ سب باتیں کسی بیمار ذہنیت کا نتیجہ نہیں ہوسکتیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپؐ کو بچپن میں بھی مرگی کے دورے پڑا کرتے تھے؛ یہ سب ایسی باتیں ہیں جو نا قابل اعتماد ہیں۔

باب ۵

٦ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح☆ وَحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُوْلُ اللهِ

٦: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ (عبداللہ نے) کہا: یونس نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا اور امام بخاریؒ نے کہا:☆ بشر بن محمد نے بھی ہم سے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: یونس اور معمر نے زہری سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہتے تھے کہ عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے اور زیادہ سخاوت جو آپؐ فرماتے تو رمضان میں فرماتے۔ جبکہ جبرائیل آپؐ سے ملتے اور جبرائیل رمضان میں ہر رات کو آپؐ سے ملا کرتے

☆ طبعة بولاق کے مطابق اس جگہ لفظ ''قَالَ'' ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ.

تھے اور آپؐ کے ساتھ قرآنِ مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ اس وقت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے۔

باب ٦

٧: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّ كَانُوْا تِجَارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِيْهَا أَبَا سُفْيَانَ وَكُفَّارَ قُرَيْشٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ[1] بِإِيْلِيَاءَ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ أَدْنُوْهُ مِنِّي وَقَرِّبُوْا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَّهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا {عَنْ[2]

٧: ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا کہ شعیب نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ (زہری نے) کہا: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے مجھے بتلایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو بتلایا کہ ابوسفیان بن حرب نے ان سے ذکر کیا کہ ہرقل نے اسے مع قافلۂ قریش کے بلوا بھیجا اور وہ سب شام میں بغرضِ تجارت گئے ہوئے تھے۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور منکرین قریش کے ساتھ میعادی صلح کی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس آئے اور وہ[1] بیت المقدس میں تھا۔ اس نے انہیں اپنی مجلس میں بلوایا اور اس وقت اس کے اردگرد رومی رؤسا موجود تھے۔ ہرقل نے ان کو آگے بلایا اور اپنے ترجمان کو بھی بلایا۔ اس نے پوچھا کہ رشتہ میں تم میں سے کون زیادہ قریبی ہے اس شخص کا؛ جو کہتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے کہ میں نے کہا: ان لوگوں میں سے میں رشتہ میں زیادہ قریبی ہوں۔ اس پر اس نے کہا: اس کو میرے نزدیک کرو اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب کرو اور انہیں اس کی پیٹھ کے پیچھے رکھو۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: انہیں کہہ دو کہ میں اس سے اُس شخص کے متعلق[2] دریافت کرنے لگا ہوں۔

[1] طبعة بولاق کے مطابق اس جگہ لفظ ''هُوَ'' ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۳)
[2] الفاظ ''عَنْ هٰذَا'' طبعة بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۴)

هَذَا } الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوْهُ فَوَاللهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَّأْثِرُوْا عَلَيَّ كَذِبًا لَّكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ أَوَّلَ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيْكُمْ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُو نَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُوْنَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَقُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ أَيَزِيْدُوْنَ أَمْ يَنْقُصُوْنَ قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِّنْهُمْ سَخْطَةً لِّدِيْنِهِ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَّا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّيْ كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ يَّنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ قَالَ

اس لئے یہ اگر مجھ سے جھوٹ بولے (تو) تم اسے جھٹلا دینا۔ (ابوسفیان کہتے تھے:) بخدا اگر مجھے اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ وہ میرے متعلق چرچا کریں گے کہ جھوٹ بولا تھا تو ضرور میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جھوٹ بولتا۔ اس کے بعد سب سے پہلا سوال جو اُس نے مجھ سے کیا، وہ یہ تھا کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا: ہم میں وہ عالی خاندان ہے۔ اس نے کہا: تو کیا اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بادشاہ بھی ہوا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: آیا لوگوں میں سے بڑے اس کے پیرو ہوئے ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا: بڑے نہیں بلکہ کمزور۔ اس نے کہا: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ میں نے کہا: گھٹ نہیں رہے بلکہ وہ بڑھ رہے ہیں۔ اس نے کہا: تو کیا ان میں سے کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس کے دین سے بیزار ہوکر مرتد بھی ہوجاتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا تم اس کو اس کے اس دعویٰ کرنے سے قبل جھوٹ سے متہم کیا کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں اور اب ہم اس کے ساتھ ایک میعادی صلح میں ہیں۔ ہمیں پتہ نہیں کہ وہ اس میں کیا کچھ کرنے والا ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے: مجھے موقع نہ ملا کہ میں اپنی اس گفتگو میں سوائے اس بات کے کوئی اور بات داخل کرسکوں۔ ہرقل نے کہا: کیا تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: اس سے تمہاری لڑائی کی کیا کیفیت رہی ہے؟ میں

مَاذَا يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُوْلُ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَّهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَّسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيْكُمْ ذُو نَسَبٍ فَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّأْتَسِيْ بِقَوْلٍ قِيْلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا قُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَّطْلُبُ مُلْكَ أَبِيْهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِّيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوْهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيَزِيْدُوْنَ أَمْ يَنْقُصُوْنَ

نے کہا: ہمارے اور اس کے درمیان جنگ ہار جیت کی ہوتی ہے۔ کبھی وہ ہم کو نقصان پہنچاتا ہے اور کبھی ہم اس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس نے کہا: وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتا ہے کہ ایک ہی اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور جو تمہارے باپ دادا کہتے ہیں اُسے چھوڑ دو اور ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ اس پر اس نے ترجمان سے کہا: اس سے کہو: میں نے تم سے اس شخص کے نسب کے متعلق پوچھا تھا اور تم نے بیان کیا ہے کہ وہ تم میں عالی خاندان ہے۔ اسی طرح تمام رسول اپنی قوم کے اعلیٰ گھرانے میں ہی مبعوث ہوا کرتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا: کیا تم میں سے کسی نے ایسا دعویٰ کیا۔ تم نے بیان کیا کہ نہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ کسی نے اس سے قبل یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ ایک آدمی ہے جو ایسی بات کی نقل کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی گئی اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ آیا اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ بھی ہوا تھا اور تم نے بیان کیا: نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ ایک آدمی ہے جو اپنے باپ کی بادشاہت چاہتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو اس کے دعویٰ کرنے سے پہلے جھوٹ سے متہم کیا کرتے تھے اور تم نے بیان کیا کہ نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے متعلق تو جھوٹ کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ آیا بڑے بڑے لوگ اس کے پیرو ہوئے ہیں یا کمزور۔ تو تم نے بیان کیا کہ ان میں سے کمزور اس

فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ أَمْرُ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِّدِيْنِهٖ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الْإِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهٖ {مَعَ دِحْيَةَ ☆} إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى

کے پیرو ہوئے ہیں اور یہی لوگ رسولوں کے پیرو ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔تم نے بیان کیا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا یہی معاملہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ آیا کوئی اس کے دین میں داخل ہوکر پھر اس کے دین کو ناپسند کرنے کی وجہ سے مرتد ہوتا ہے؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اور ایمان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں۔وہ عہد شکنی نہیں کیا کرتے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے۔تم نے بیان کیا کہ وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی پرستش کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہیں بتوں کی پرستش سے روکتا ہے اور تمہیں نماز، راستی، پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔ پس اگر جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے تو عنقریب وہ میرے ان قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا اور میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والا ہے۔لیکن مجھے یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم (عرب لوگوں) میں سے ہوگا اور اگر مجھے علم ہو کہ میں اس تک صحیح سلامت پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور اس کی ملاقات کے لئے مشقت بھی برداشت کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگوایا جو آپؐ نے دحیہ (کلبی) کے ہاتھ☆ بصریٰ کے حاکم کو بھیجا تھا اور پھر حاکم بصریٰ

☆ لفظ "مَعَ" عمدة القاری شرح صحیح البخاری کے مطابق ہے۔(عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۹۲)

فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيْهِ:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيْسِيِّيْنَ وَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران: ٦٥)

نے وہ خط ہرقل کو پہنچا دیا تھا۔ اس نے اس کو پڑھا۔ اس میں یہ تھا:

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

محمد کی طرف سے جو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے، ہرقل شاہِ روم کی طرف۔ سلامتی ہو اُس پر جو راستی کی پیروی کرتا ہے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا۔ اللہ تجھے تیرا اجر دوہرا دے گا اور اگر تو نے منہ پھیرا تو یقیناً تیری رعایا کے گناہ کا وبال بھی تجھ پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو ربّ سمجھیں۔ پس اگر وہ اس سے روگردانی کریں۔ تو تُو انہیں کہہ دے: گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

قَالَ أَبُوسُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِيْنَ أُخْرِجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ

ابوسفیان نے کہا کہ جب ہرقل جو کچھ اس نے کہنا تھا کہہ چکا اور خط کے پڑھنے سے فارغ ہوا تو وہاں بہت شور ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہمیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ جب ہم نکال دیئے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سے تو رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اور مجھے اس وقت سے یقین ہو گیا تھا کہ آپؐ ضرور غالب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ (یہ وقت آیا جب) خود اللہ نے اسلام کو مجھ میں لا داخل کیا۔

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ إِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلَى نَصَارَى الشَّأْمِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ إِيْلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَّنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَّخْتَتِنُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ إِلَى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا فَنَظَرُوْا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوْهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ

اور ابن ناطور جو کہ بیت المقدس کا حاکم اور ہرقل کا دوست تھا، شام کے عیسائیوں کا بشپ تھا۔ وہ بیان کرتا تھا کہ ہرقل جب بیت المقدس میں آیا تو ایک دن جو صبح اُٹھا؛ اُس کی طبیعت نہایت اداس تھی۔ اس کے کسی بطریق ☆ نے کہا: ہم آپ کے چہرہ کو متغیر پاتے ہیں۔ ابن ناطور کہتا تھا: ہرقل علم نجوم کا بہت ماہر تھا۔ ستاروں کو دیکھ کر حوادث کا پتہ لگایا کرتا تھا۔ اس لئے جب انہوں نے اس سے پوچھا: تو اُس نے اُن سے کہا کہ آج رات جب میں نے ستاروں میں غور کیا تو میں نے ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کو (خواب میں) دیکھا کہ وہ ظاہر ہو گیا ہے۔ سو اس ملک کے لوگوں میں سے کون ختنہ کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: سوائے یہود کے کوئی ختنہ نہیں کرتا اور ان کی حالت آپ کو فکر میں نہ ڈالے۔ آپ اپنے علاقہ میں احکام جاری کریں کہ اس میں جو یہودی ہیں ان کو مار ڈالیں۔ ابھی وہ اسی مشورے میں ہی تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتلائے۔ جب ہرقل اس سے دریافت کر چکا تو اس نے کہا: جاؤ دیکھو آیا وہ مختون ہے یا نہیں۔ اس پر انہوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتلایا کہ وہ مختون ہے اور اس سے عربوں کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا: وہ لوگ ختنہ کرتے ہیں۔ تب ہرقل نے کہا: تو پھر وہ بادشاہ جو میں نے خواب میں دیکھا ہے اسی قوم کا ہے۔ وہ تو ظاہر ہو چکا۔ اس کے بعد

☆ بِطْرِيْق: خواصُ دَوْلَةِ الرُّوْمِ (فتح الباری جزءاول صفحہ ۵۷) رومی فوج کا جرنیل (المنجد مترجم۔ تحت لفظ ''بطر'')

هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَّهُ بِرُوْمِيَةَ وَكَانَ نَظِيْرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِّنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِي دَسْكَرَةٍ لَّهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَّكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَّثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهُ وَرَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ

{قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ☆} رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ہرقل نے اپنے ایک دوست کو جو روم میں تھا اور علم میں اس کا ہم پایہ تھا، اس کے متعلق لکھا اور ہرقل نے حمص کی طرف کوچ کیا اور ابھی حمص سے گیا نہیں تھا کہ اس کو اس کے دوست کا خط ملا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہو جانے کے متعلق اس سے متفق ہے اور یہ کہ وہ یقیناً نبی ہیں۔ اس پر ہرقل نے سردارانِ روم کو حمص میں اپنے ایک محل میں اکٹھا ہونے کے لئے فرمان جاری کیا (اور جب وہ آ گئے) تو حکم دیا کہ دروازے مقفل کر دیئے جاویں۔ چنانچہ وہ مقفل کئے گئے۔ اس کے بعد وہ اوپر سے جھانکا اور کہا: اے رومی لوگو! کیا تمہیں اپنی بہبودی اور بھلائی کی خواہش ہے؟ اور کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بادشاہت قائم رہے تو پھر تم اس نبی کی بیعت کرلو۔ اس پر وہ دروازوں کی طرف جس طرح جنگلی گدھے بھاگتے ہیں بھاگے مگر انہوں نے دروازوں کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے کہا: انہیں میرے پاس واپس بھیج دو۔ اور کہا: میں نے جو بات ابھی کہی تھی وہ تو اس لیے کہی تھی کہ تا میں آزمائش کر لوں کہ تم اپنے دین میں کہاں تک مضبوط ہو۔ سو میں نے یہ بات دیکھ لی۔ تب وہ اس کے سامنے سجدہ بجا لائے اور اس سے راضی ہو گئے اور یہ ہرقل کی آخری حالت تھی۔

(ابوعبداللہ نے کہا:☆) اس حدیث کو صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے بھی زہری سے روایت کیا۔

☆ الفاظ "قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ" طبعة الأنصارية کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ٤٦)

تشریح: **فِيُ الْمُدَّةِ الَّتِيُ... مَادَّ فِيُهَا:** میعادی صلح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں قریش مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔ اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خط لکھے جن میں سے ایک خط ہرقل کے نام بھی تھا۔ بوقت صلح ابوسفیان مکہ مکرمہ میں موجود نہ تھے۔ (عمدۃ القاری جزءاول صفحہ ۹۱-۹۲)

وَقَدْ كُنتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ ...: اسلامی تاریخ میں ابوسفیان کی مذکورہ بالا روایت مشہور اور مستند ہے۔ علامہ طبری اور دیگر مؤرخین نے بھی مختلف راویوں کی سند پر اسے کسی قدر لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابوسفیان جو ایک لمبے عرصے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطرناک دشمن رہ چکے تھے۔ وہ ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ گذرا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سنانے والے راوی بھی ثقہ ہیں یعنی ابوالیمان حکم بن نافع حمصی۔ ایسا ہی شعیب بن ابی حمزہ قریشی اموی بھی بہت ہی ثقہ راوی ہیں جن سے ابوالیمان نے سنا۔

پس اصولِ روایت کے اعتبار سے اس حدیث کی صحت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں اگر اس روایت کے مختلف اجزاء پر غور کیا جائے اور ان کو بیرونی شہادتوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس روایت میں ہمیں ایسے دلائل اور قرائن ملتے ہیں جو اس کی صحت کو پایہ یقین تک پہنچاتے ہیں۔ مثلاً ابوسفیان کا یہ بیان کہ اس نے ہرقل سے بیت المقدس میں صلح حدیبیہ کی معیاد کے زمانہ میں ملاقات کی۔ رومانی تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس عرصہ میں ہرقل بیت المقدس حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ صلح حدیبیہ ذی القعدہ ۶ھ میں ہوئی اور یہ عیسوی تاریخ کی رو سے اپریل ۶۲۸ کا سال ہے۔ ہرقل جو روم کا بادشاہ تھا اپنی فتوحات سے فارغ ہوکر شکرانہ ادا کرنے کے لیے بیت المقدس ۶۲۹ھ میں آیا تھا۔
(History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire, Vol.4
Chapter XLVI: Troubles In Persia. -- Part IV)

اور اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قریش مکہ صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے اپنے لئے امن کی فضا پیدا کرکے شام کے شہروں کی طرف تجارت کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ تاکہ سابقہ جنگوں سے جو اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی، اس کا تدارک کریں۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واقعات سن کر تصدیق کی اور کہا کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وہ نبی موعود ظاہر ہونے والا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ علوم دینیہ وغیرہ میں ایک بڑے پایہ کا عالم تھا اور یہ کہ عیسائی دنیا اس وقت اس عظیم الشان نبی کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ بائبل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایلیا اور مسیح علیہ السلام کے بعد ایک اور نبی کی بعثت کا اُن سے وعدہ تھا۔

(استثناء، باب: ۱۸ آیت: ۱۸۔ یوحنا، باب ۱، آیت: ۲۵۔ اعمال، باب ۳، آیت ۱۹) (تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب فصل الخطاب حصہ دوم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بعض عیسائیوں نے بھی ''فارقلیط'' اور ''روح حق'' ہونے کا دعویٰ کیا جو مقبول نہیں ہوا۔ جیسے مونطینی نے یہ دعویٰ کیا۔ دیکھئے:
1.Roman Church History
2.Encyclopedia of Religion and Ethics, under word: Montanism

جس طرح آج کل ہمارے زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کے متعلق مسیحی علماء نے سابقہ پیشگوئیوں کی بناء پر مختلف حسابات لگا کر ۱۸۹۸ ½ عیسوی اس کے ظہور کی آخری حد مقرر کی ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب: ''انبیاء کی آسمانی بادشاہت اور اس کی تکمیل مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے'' صفحہ ۷-۱۷ نیز علامہ ڈمبلی کی کتاب موسومہ:

The Appointed Time, Page:265

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی عیسائی علماء نے موعود نبی کے ظہور کی آخری حد وہی زمانہ معین کیا تھا جس میں آپؐ پیدا ہوئے۔سلیم فطرت اور حق کے متلاشی عیسائیوں نے انہی پیشگوئیوں کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا۔

قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت:۸۹ میں ان کے اس انتظار کا اقرار آتا ہے اور اسلامی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس بات کا یقین تھا کہ ''وہ نبی'' ان دنوں پیدا ہونے والا ہے۔زید بن عمرو کا واقعہ اسلامی تاریخ میں مشہور ہے کہ وہ تلاش حق کے لئے نکلے مکہ سے مدینہ، مدینہ سے خیبر، خیبر سے شام، شام سے جب عراق میں پہنچے تو وہاں ایک عیسائی بزرگ نے حالات معلوم کر کے انہیں حکم دیا کہ اپنے وطن کو واپس جاؤ۔کیونکہ وہ نبی جس کی تلاش میں ہو وہاں سے ظاہر ہونے والا ہے۔ (اسد الغابة .تحت ذکر زید بن عمرو) ورقہ بن نوفل کا واقعہ بھی ابھی گذر چکا ہے۔تاریخ ابن سعد، مسند احمد اور تاریخ بخاریؒ میں نوجوان صحابی کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے کہ وہ چھوٹے تھے تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ آیا۔اثنائے وعظ اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی اور بتلایا کہ وہ اب ظاہر ہونے والا ہے۔ (طبقات لابن سعد. ذکر علامات النبوة فی رسول اللّٰہ ﷺ قبل ان یوحی الیه)
عیسائی بادشاہانِ مصر اور حبشہ کے پاس جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجے تھے وہ بھی ان سے یہی جواب لائے کہ ہم کو یقین تھا کہ وہ پیدا ہونے والا ہے۔
(طبقات لابن سعد. ذکر بعثة رسول اللّٰہ ﷺ الرسل بکتبه الی الملوک. الجزء الاول)

ایک طرف ان قدیم پیشگوئیوں کا موجود ہونا اور دوسری طرف ان مختلف روایتوں کا ایک دوسرے کی تصدیق کرنا بتلاتا ہے کہ فی الواقعہ ان کو اس وقت ایک نبی کے پیدا ہونے کی انتظار تھی۔

دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی اس بارے میں مشہور ہے اور اس کی بناء پر عیسائیوں نے مختلف زمانہ میں حساب کر کے تاریخیں مقرر کرنے کی کوشش کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ بھی ان تاریخوں میں آتا ہے۔یہ تاریخیں فصل الخطاب حصہ دوم اور The Appointed Time میں ملاحظہ ہوں۔عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ بیت المقدس کا مسلمانوں کے قبضہ میں آنا اسی پیشگوئی کے ماتحت تھا۔گو وہ اب اس کو اور رنگ دیتے ہیں۔

ابوسفیان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ ابوسفیان جیسے شخص نے اپنے جیسے ہم خیال ساتھیوں کی موجودگی میں ہرقل کے سوالات پر جو جوابات دیئے ہیں۔ان کو سن کر

ایک زیرک سلیم الطبع انسان سوائے اچھا اثر لینے کے رہ نہیں سکتا۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور امر بھی ہے جس کی وجہ سے بالکل قرین قیاس ہے کہ ہرقل آنحضرت ﷺ کے متعلق یقیناً اچھا خیال رکھتا ہوگا اور وہ یہ کہ جب فارسیوں سے رومی شکست کھا کر مغلوب اور غایت درجہ کمزور ہو چکے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی اور اس کا ذکر سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں میں ہے۔ یعنی یہ کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد شرقِ ادنیٰ میں فارسیوں پر غالب آئیں گے اور مؤرخ گبن کو اس بات کا کھلے الفاظ میں اقرار ہے کہ جن حالات میں اور جس زمانہ میں اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا تھا، ان کو دیکھتے ہوئے اس سے بڑھ کر اور کوئی پیشگوئی پورا ہونے سے بعید از قیاس نہ ہوسکتی تھی۔ کیونکہ فارسیوں نے رومیوں کو خطرناک شکستیں دے کر عراق وشام وایشیائے کوچک سے ان کی صف لپیٹ دی تھی اور بیت المقدس میں مقامات مقدسہ کو جلا کر وہ صلیب اپنے ملک کو لے گئے تھے جس کے متعلق عیسائیوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر لٹکایا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو:
History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire
Vol.4 Chapter XLVI: Troubles in Persia, Part:III

سورۂ روم ۶۱۶ء میں نازل ہوئی اور مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کے طفیل جو عیسائیوں کے دشمن اور مشرکان فارس کے ہمدم تھے۔ اس پیشگوئی کی خوب شہرت ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے چڑ کر خسرو پرویز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کا حکم بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو جو حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ لے کر گئے تھے پھاڑ ڈالا تھا۔ (کتاب العلم. باب۷: ما یذکر فی المناولة. حدیث نمبر:۶۴) اور یہ پیشگوئی عیسائی علاقوں میں بھی مشہور ہو چکی تھی بوجہ اس کے کہ عرب کے عیسائی قبائل (بنوغسان، بنوحارث وغیرہ) کے رومی سلطنت سے گہرے تعلقات تھے۔

پہلی نمایاں فتح ہرقل کو خسرو پر ۶۲۴ء میں ہوئی۔ جس پر وہ فارسیوں کے لشکروں کو شکست دیتا ہوا فارس کے اندر گھس گیا اور وہاں جا کر اس نے ان کے آتشکدہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۶۱۶ سے ۶۲۴ تک آٹھ سال کا عرصہ اس عظیم الشان پیشگوئی کے اعلان وانتشار کے لئے کافی تھا اور پھر اس کے بعد آخری کامل فتح پر چار پانچ سال اور بھی گذرے تو غیر معمولی حالات میں پیشگوئی کے مطابق اپنی نمایاں کامیابی دیکھ کر ضرور تھا کہ ہرقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اچھا خیال رکھتا اور بالکل قرین قیاس ہے کہ اس نے آپ کے متعلق مزید حالات دریافت کرنے کے لئے ابوسفیان کو بلایا ہو۔ کیونکہ خود اس پیشگوئی کا ایسے معجزانہ طریق سے پورا ہونا ہی کافی تھا کہ سلیم الطبع دلوں میں جستجو اور تحقیق کی خواہش پیدا ہوتی اور ہرقل کو ہی آپ نے اس زمانہ میں وہ خط لکھا جس کا ذکر ابوسفیان کرتے ہیں اور جس میں یہ انذاری پیشگوئی بھی تھی: اَسْلِمْ تَسْلَمْ مسلمان ہو جاؤ تمہاری سلطنت قائم رہے گی ورنہ تم پر تمہارے گناہ کا وبال پڑے گا۔ یہ سب باتیں بتلاتی ہیں کہ ہرقل کے اس اہتمام و جستجو کے لئے کافی وجوہات تھیں۔

غرض ابوسفیان کا محولہ بالا بیان کیا بلحاظ اصولِ روایت اور کیا بلحاظ اصولِ درایت اور خارجی شواہد کے قابل اعتبار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرقل کے نام خط بھجوانا بھی اسلامی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ ہے اور ابوسفیان کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خط ہرقل کو ان کے ملنے سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان سے واقعات سن

کہ اس نے وہ خط منگوایا اور اس کو پڑھا۔ اسلامی تاریخ اور مستند روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد لکھے گئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ۶ ھ یعنی ۶۲۸ء میں ہوا۔ اس زمانہ میں بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے گئے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہرقل کے بیت المقدس پہنچنے سے پہلے یہ خط اس کو مل چکا تھا۔ یہ ایک اور قرینہ ہے جو ابوسفیان کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔

اگر قدیم عیسائیوں نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ تعصب نے اس قسم کی نظر اندازیاں ان سے بہت کرائی ہیں۔ خصوصاً اسلامی واقعات کے متعلق تو ان کے اپنے مؤرخ بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ (گبن جلد ۶ صفحہ ۷)

(The Decline and the Fall of Roman Empire)

ہرقل کے سوالات اور ابوسفیان کے جوابات کو بھی ایک سرسری نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصنع اور بناوٹ سے بالکل خالی اور واقعات پر مبنی ہیں۔ ان سوالات سے نیز ہرقل کے استدلالات سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ ایسے شخص کے ہیں جو انبیاء کے حالات سے واقف اور انبیاء کے ساتھ جو سنت الٰہی قدیم سے چلی آتی ہے، اس سے پورے طور پر آگاہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بدء الوحی میں یہ واقعہ پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق کے متعلق ایک دوسری شہادت پیش کی ہے جو آپ کے ایک سخت دشمن کی ہے اور یہ شہادت اس نے غائبانہ دی ہے اور ایک ایسے موقع پر دی ہے جہاں انسان طبعاً سچ بولنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یعنی ایک بادشاہ کے سامنے رومی اراکین کی بھری مجلس میں اس قسم کا ماحول انسان کی طبیعت پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے اور پھر ابوسفیان کا اپنا بیان بھی ہے کہ اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے متعلق باہر جا کر چرچا کریں گے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان یہ شہادت دے رہے تھے تو دشمنی کے جذبات مردہ نہیں بلکہ زندہ تھے اور وہ اپنی قوت میں ایسے شدید تھے کہ جہاں بھی ان کو کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ اس سے چوکے نہیں۔ چنانچہ ابوسفیان کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے ذکر پر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چوٹ کرنے کا انہیں موقع ملا۔ یعنی انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے تو کبھی بدعہدی نہیں کی مگر اب اس صلح کے متعلق دیکھیں کہ کیا کرتے ہیں۔ غرض یہ امور ہیں جو ابوسفیان کی شہادت کو بہت بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق کو دیکھ کر سارا عرب اَلْاَمِیْن اَلْاَمِیْن کے لقب سے آپؐ کو پکارتا تھا اور یہی وہ صداقت و امانت ہے کہ جس کی بناء پر ہرقل کہتا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ لوگوں پر تو وہ جھوٹ نہ بولے اور خدا پر جھوٹ بولے۔

ہرقل کے استدلالات ایسی واضح صداقتیں ہیں کہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کا شاہد ہے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ امر عیاں ہو جائے گا۔ موقع و محل پر ان اعتراضات کا بھی ذکر اِنْ شَاءَ اللّٰہ کیا جائے گا جو آپؐ کی دیانت و امانت و عفت و تقویٰ پر بعض نابلد کیا کرتے ہیں۔

ابوسفیان کے جوابات سن کر ہرقل نے یہ جو کہا ہے کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا۔ یہ بھی ایک مشہور قدیم پیشگوئی کی بناء پر تھا کہ وہ نبی آ کر رومیوں سے نجات دے گا اور تمام عیسائی محققین تسلیم کرتے ہیں کہ رومانی سلطنت کی بربادی اور بیت المقدس اور ارض شام کا مسلمانوں کے قبضہ میں آنا عہد قدیم اور اناجیل کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوا۔ (ملاحظہ ہو کتاب The Appointed Time-Page:78)

پس بالکل قرین قیاس ہے کہ ہرقل نے ان پیشگوئیوں کی بناء پر اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہو۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۲۸۸-۲۹۰)

ہرقل نے آخر میں جو عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے کہ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا، اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہرقل اگر ایسا ہی عقیدت مند تھا تو پھر اُس نے مسلمانوں سے جنگیں کیوں کیں بلکہ جنگ تبوک کی لڑائی میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر فوجیں بھیجیں۔ اس کا جواب مختصر یہ ہے کہ اول تو اس روایت میں اس کی اُس وقت کی قلبی حالت کا ذکر کیا گیا ہے جس کا اس نے اظہار کیا اور یہ حالت بالکل طبعی ہے۔ پیشگوئی کے مطابق وہ غیر معمولی حالات میں فتح مند و کامیاب ہوا۔ اس کی معنویات شکر اور تواضع کے احساسات سے لبریز تھیں۔ علاوہ ازیں اس روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہرقل کی وہ حالت عقیدت مندی آخر تک قائم رہی اور ہوسکتا ہے کہ اچھا خیال رکھتے ہوئے بھی سیاسی حالات کی وجہ سے کوئی شخص اپنی قوم کی مرضی پورا کرنے کے لئے مجبور ہو۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ایک بات کو اچھا یا برا یقین کرتے ہیں، مگر اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ اپنی قدیم عادت یا قومی روایات کے تابع ہوتے ہیں۔

پھر قطع نظر اس سے جب ہم ہرقل کی ان جنگوں کے حالات پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مقابل پر کبھی نہیں نکلا۔ غزوہ تبوک کی اصل وجہ یہ تھی کہ رومی بڑے لاؤلشکر کے ساتھ حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے مگر جب آپؐ وہاں پہنچے تو کوئی لشکر مقابلے پر نہ نکلا اور مابعد کی لڑائیوں میں بھی ہرقل ہمیشہ پیچھے رہا۔ مقابلہ کے لئے کبھی نہیں نکلا۔ اس کے کئی ایک وجوہ ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے بڑھ کر وجہ یہ ہے کہ وہ آپؐ کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور لڑائی سے عمداً پہلوتہی کر رہا تھا۔ چنانچہ عیسائی مؤرخوں نے بھی اس کو ملزم گردانا اور کہا ہے کہ ایک باعث ان شکستوں کا خود ہرقل ہے۔ گبن بھی اس کو زوردار الفاظ میں متہم کرتا اور کہتا ہے کہ ان جنگوں میں اس کی غیر موجودگی عمداً تھی اور کہتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ ان ملکوں کو بچاتا اس نے خواہ مخواہ ایک نئی بحث چھیڑ کر تمام ملکوں کو ایک دینی انشقاق میں مبتلا کر دیا تھا۔ یعنی یہ بحث کہ مسیح میں دو مختلف طبیعتیں ہیں، ناسوتی اور لاہوتی اور مشیئت ایک ہی ہے یعنی الٰہی۔

(History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire,
Vol.4 Chapter XLVII: Ecclesiastical Discord. -- Part III. &
Vol.5 Chapter LI: Conquests By The Arabs. -- Part V.)

یہ بحث قطعاً بے وجہ نہ تھی۔ بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید سے متاثر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اتباع کے مقابل پر عمداً آنا نہیں چاہتا تھا۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ کی انذاری پیشگوئی کے نتائج سے یقیناً ہراساں تھا۔

جیسا کہ ہم اگلی حدیث کی تشریح میں اس امر کو زیادہ وضاحت سے دکھلائیں گے۔

اس وقت کے پادری بھی ہرقل کی ان کمزوریوں کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے گرجے میں اس سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرایا گیا۔ مگر اس ظاہری اعتراف نے بھی اس کے اندر کوئی حقیقی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ اس اعتراف کے بعد جب مسلمانوں کی فوجوں کا رُخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ ان کے پہنچنے سے پہلے انطاکیہ چھوڑ کر قسطنطنیہ پہنچ جاتا ہے۔

(History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire,
Vol.4 Chapter XLVII: Ecclesiastical Discord. -- Part III. &
Vol.5 Chapter LI: Conquests By The Arabs. -- Part V.)

اس سے اسلامی تاریخ کی یہ روایتیں زیادہ تقویت پاتی ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے درحقیقت مرعوب تھا اور حق کو پہچانتا تھا۔ مگر اپنی قوم سے ڈرتا تھا اور ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

اس ضمن میں ہرقل کی آخر دم تک یہ کوشش بھی قابل توجہ ہے کہ اس کی عیسائی رعایا یہ مان لیں کہ مسیح علیہ السلام کی دو الگ الگ طبیعتیں تھیں اور ان میں ایک ارادہ الٰہی کام کر رہا تھا اور ہرقل کا وہ اعلان بھی قابل غور ہے جو اس نے ۶۳۸ء میں قسطنطنیہ پہنچ کر تمام گرجوں میں چسپاں کروایا تھا۔ نیز اس نے اپنے ڈھب کے آدمی چن کر مختلف جگہوں میں انہیں بڑی آرک اور بشپ مقرر کیا۔ (ملاحظہ ہو "الطرفة النقية فی الكنية المسيحية")

ایسے نازک وقت میں یہ ساری جدوجہد بلاوجہ نہ تھی۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک ایسی سچائی کی روح کام کر رہی تھی جس کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی دعوت کی ٹھیس نے ایک اضطراب پیدا کر دیا ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کو نقطہ توحید کے قریب لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ خیال کہ مسیح میں ناسوتی اور ملکوتی طبیعتیں اور ایک مشیئت الٰہی کام کر رہی تھی، تثلیث کی نسبت توحید کے زیادہ قریب ہے۔

ہرقل کو مسلمانوں کے مقابل میں تمام جنگی کرتب بھول گئے اور ناموری پیدا کرنے کی خواہش یک دفعہ مٹ گئی! اور وہ آخری ایام میں صرف اس مذہبی خیال کے پیچھے پڑ گیا۔ سوائے اس کے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا رعب اور رعایا کے گناہ کے وبال کا خوف دامن گیر تھا، اس کی اور کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے! اگر محض سیاسی اغراض تھیں تو وہ یہ اغراض اپنے اس خیال کو چھوڑنے اور ہر ایک فرقہ کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق آزادی دینے سے بآسانی حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ مسلمانوں کے مقابل پر تمام عیسائی فرقوں کی ہمدردی اور مدد کو اپنے لئے خرید سکتا تھا۔ اصل بات یہی ہے کہ ہرقل کے خیالات تبدیل ہو چکے تھے۔ عیسائی علماء کی طرف سے اسے بدعتی کا لقب ملنا تاریخ عیسائیت میں ایک مشہور و معروف واقعہ ہے۔

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِيْلِيَاءَ ...: یہ ایک بالکل نئی روایت ہے جو زہری بیان کرتے ہیں۔ ابوسفیان کی روایت کے ساتھ جس کو حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے اس کا تعلق نہیں۔ بظاہر روایت کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زہری نے ابن ناطور سے یہ واقعہ خود سنا۔ جیسا کہ طبری نے اپنی تاریخ میں بسند ابن اسحاق یہ روایت نقل

کی ہے کہ عیسائیوں کے ایک بشپ نے عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں یہ واقعہ ان کو سنایا۔
اور ابونعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں یہی نقل کیا ہے کہ ابن شہاب نے عبدالملک کے زمانہ میں ابن ناطور سے یہ واقعہ سنا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۶)

اس روایت پر یہ اعتراض تو نہیں ہوسکتا کہ ابن ناطور جو کہ ہرقل کا دوست تھا اس سے زہری نے جو ۵۲ھ میں پیدا ہوئے کیسے ملاقات کی۔ کیونکہ عبدالملک کا عہد حکومت ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک تھا۔ اس عرصہ میں وہ شخص جس کی عمر ۷۰، ۸۰ برس کی ہو، اس شخص کو پا سکتا ہے جو ۵۲ھ میں پیدا ہوا ہو۔ زہری ۱۲۴ھ میں فوت ہوئے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی کلیسا کی تاریخ میں ابن ناطور نامی کوئی شخص نہیں گذرا جو بیت المقدس کا حاکم بھی ہو اور شام کے عیسائیوں کا بشپ بھی اور نہ ہرقل علم نجوم کا ماہر تھا اور نہ اُس نے مذکورہ بالا خواب دیکھا اور یہ ایک محض قصہ ہے جس کی لغویت اس سے ظاہر ہے کہ ہرقل کو ایسا نادان بتلایا گیا ہے کہ اسے اتنا بھی علم نہ تھا کہ یہود ختنہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ایک عیسائی عالم تو یقیناً ناواقف نہیں ہوسکتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ روایت کے عربی الفاظ ''مَنْ يَّخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ'' میں هٰذِهِ الْأُمَّةِ سے مراد یہود تو قطعاً نہیں ہو سکتے کیونکہ جواب دینے والے یہ کہتے ہیں: لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُوْدُ. یہود کے سوا اور کسی قوم میں ختنہ نہیں ہوتا۔ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سے اس کی مراد یہود نہیں بلکہ مطلق عرب مراد ہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہرقل علم نجوم سے واقف تھا یا اسے کوئی خواب آئی تھی تو اس کے متعلق مسیحی آثار سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ توہم پرست ضرور تھا اور انجیل وغیرہ سے فالیں نکالنے کا اس کو بہت شوق تھا۔ (گبن جلد ۵)
(History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire)

اور ابن شہاب کی مذکورہ روایت میں یہ الفاظ ہیں جو انہوں نے ابن ناطور کی سند سے نقل کئے ہیں: وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً- حَزَّاءً: جوتشی کو کہتے ہیں۔ لیکن يَنْظُرُ فِي النُّجُوْم کہہ کر تخصیص کر دی ہے کہ وہ علم نجوم جانتا تھا اور یہ بعید نہیں کہ وہ علم نجوم سے بھی واقف ہو۔ کیونکہ پرانے زمانہ میں یہ علم علماء کے درسی نصاب کا ضروری حصہ تھا۔ خصوصاً مصر و اسکندریہ کی تعلیم گاہوں میں اور ہرقل کی تعلیم و تربیت اسکندریہ میں ہوئی۔ نیز مسیحی مصنفین کی تاریخوں کے مطالعہ سے اس کی ایک خواب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ گبن بھی اس کی پریشان خوابوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آ کلے کہتا ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے اس کو تخت سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور اس کے سر سے تاج اتار دیا۔
(History of The Saracens by Ockley) صفحہ ۲۳۷
(History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire,
Vol.5 Chapter LI: Conquests By The Arabs. -- Part V.)

یہ خواب جو مؤرخ مذکور نے غالباً مسیحی روایات کی بناء پر نقل کیا ہے، زہری کی روایت کے ایک حصہ مضمون کی تائید کرتا ہے۔ نیز اسلامی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں غسان کے بادشاہ کے پاس دحیہ کلبی کو خط دے کر بھیجا تھا☆۔ اس کا ذکر سابقہ روایات میں بھی آ چکا ہے۔ اس روایت کا آخری حصہ مضمون بھی

☆ غسان کا سردار بصریٰ کا حاکم تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۸)

عقیدت مندی کے ان احساسات کے مخالف نہیں بلکہ مطابق ہے، جن کا اظہار ہرقل نے ابوسفیان کے سامنے کیا۔ ہرقل کا توہم پرست ہونا، اس کا انجیلوں سے فالیں نکالنا، اس کا ڈراؤنے خواب دیکھنا اور اپنے لوگوں کو نصیحت کرنا اور عملاً مسلمانوں کے مقابل پر خود نہ لڑنا؛ یہ باتیں ایسی ہیں کہ خود عیسائی مصنفین نے بھی ان کا اقرار کیا ہے۔ اس لئے ابن شہاب کی مذکورہ روایت کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ البتہ ابن ناطور راوی کا جو حوالہ دیا گیا ہے، اس کی شخصیت کا سوال قابل تحقیق ہے۔ اس نام کی ترکیب تو وہ ہے جو سامی النسل اقوام کی زبانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ناطور کا لفظ عربی میں حارس یعنی نگہبان کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۶) ہرقل کے زمانہ میں زکریا بیت المقدس کا لاٹ پادری تھا

History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire
Vol.4 Chapter XLVI: Troubles in Persia, Part:III

اور یہ نام بھی دلالت کرتا ہے کہ کوئی وطنی آدمی ہی اس منصب پر مقرر تھا۔ زکریا کے باپ کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ بے شک بحث کا بہت کچھ دارومدار ابن ناطور کی شخصیت کے معلوم ہونے پر ہے۔ مگر بایں ہمہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کنیت کا شخص ابن شہاب سے ضرور ملا۔ جیسا کہ ابونعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں ابن شہاب کی یہ روایت نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں ابن ناطور کی طرف جو بیان منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق خارجی قرائن سے بھی ہوتی ہے۔

چونکہ اس روایت میں بعض ایسی باتیں ہیں جو سابقہ مستند روایات کی تائید کرتی ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بطور تتمہ روایت کے نقل کیا ہے۔

ایک اور امر اس روایت میں قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہرقل کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے کہ میں نے آج رات ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ خواب میں دیکھا ہے۔ یہ قول کسی مسلمان راوی کا خود تراشیدہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ایسے شخص کا ہے جو عہد نامہ قدیم و جدید سے خوب واقف ہے کیونکہ کتاب استثناء و ملاکی نبی وغیرہ کی کتابوں کی رو سے جس نبی کا انتظار تھا اس کے متعلق یہ پیشگوئی تھی کہ وہ بادشاہ ہوگا اور ختنہ کرانے والوں میں سے ہوگا۔ (ماخوذ از ملاکی باب ۳۔ یسعیاہ باب ۹) ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لئے ابدی عہد کا نشان تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ باندھا تھا اور بنی اسرائیل و بنی اسماعیل اس عہد کے لئے مخصوص تھے۔ بنی اسرائیل میں سے نبی تو ہوتے رہے مگر ایسا کوئی نبی نہیں ہوا جو حضرت موسیٰ کی مانند صاحب شریعت بھی ہو اور ملک یعنی بادشاہ بھی ہو۔ اس لئے ان میں انتظار تھی کہ ایک ملک الختان نبی پیدا ہوگا۔ یعنی عہد والا بادشاہ نبی۔ اسی کی طرف ہرقل اشارہ کرتا ہے اور اس نبی کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ رومیوں کے ہاتھ سے نجات دے گا۔ اس وجہ سے ہرقل کو خوف ہوا اور ارکانِ سلطنت نے اس کو مشورہ دیا کہ یہودی قتل کرا دیئے جائیں تا اس کی سلطنت محفوظ رہے۔ آکلے (Ockley) نے ہرقل کی جس خواب کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اس سے اس کو یقین ہوگیا تھا کہ اس کا تاج و تخت اس کے ہاتھ سے چھن جائے گا۔ جو لوگ روایت مذکورہ کے اس حصہ کا آکلے کی مستقل روایت سے مقابلہ کر کے ذرا تدبر سے کام لیں گے؛ انہیں اور بھی یقین ہو جائے گا کہ ابن شہاب کی روایت کے مضمون میں ایسے قرائن موجود ہیں جو اس کی صحت کو پایہ ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یونہی

سابقہ مضمون کی تائید میں نقل نہیں کیا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور کر لی ہے کہ اس کو بطور تتمہ روایت درج کیا ہے، نہ ایسی مستند روایت کے طور پر جو اُن کی شروط کے مطابق ہر طرح سے یقینی الثبوت ہو۔

روایت مذکورہ بالا میں ہرقل کی جس خواب کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہ اساطیر الاولین میں سے ایک ایسا قصہ ہے جس کو ہر قوم نے اپنے پیشوا کی پیدائش پر چسپاں کیا ہے۔ گوتم بدھ کے متعلق بھی یہی کہانی سنی جاتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی فرعون کی طرف یہی ظلم منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش پر بھی متی باب ۲ آیت ۱۶ میں لکھا ہے کہ ہیرو نے بیت اللحم کے لڑکوں کو قتل کرایا۔ جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا تعلق ہے، اس قصہ کے بے بنیاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ہمیں اس بحث سے کیا واسطہ۔ آخر ہرقل کے مشیر بھی عیسائی ہی تھے جو ہیرو کا قصہ بھی یقینی سمجھتے تھے اور اس وجہ سے انہوں نے مشورہ بھی دیا ہوگا کہ یہودی لڑکے قتل کروا دیئے جائیں۔ اس روایت سے اسلامی تاریخ اور اس کے راویوں پر زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ مسلمان راوی یہ نہیں کہتے کہ ہرقل نے ایسا کیا۔ بلکہ ابن ناطور کی روایت کی بناء پر اس کے ارا کین کے مشورہ دینے کا ذکر کرتے ہیں اور بالکل قرین قیاس ہے کہ انہوں نے اپنی ذہنی معلومات اور رجحانات کی بناء پر ایسا مشورہ دیا ہو۔

فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ: یہ ہرقل کی آخری حالت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہرقل آخر تک اس حالت پر قائم رہا۔ یعنی وہ مسلمان نہیں ہوا۔ اسلام جیسا کہ آگے آئے گا، زبان سے قبول واقرار کرنے کا نام ہے۔ اس نے بظاہر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ اس لئے کسی قلبی کیفیت کی بناء پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اچھے خیالات کے اظہار پر اسے مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ وہ اپنی قوم سے ڈر کر یا کسی اور وجہ سے مسلمان نہیں ہوا۔ اس لئے وہ أَسْلِمْ تَسْلَمْ کی وعید کے مطابق پکڑا گیا اور اس کی رعایا کے گناہ کا وبال ایسا پڑا کہ اس کی سلامتی اور امن کی گھڑیاں دیکھتے دیکھتے مصیبتوں اور دکھوں میں تبدیل ہوگئیں۔ وہ سلطنت جو بڑی بڑی جانفشانیوں کے بعد اپنے قبضہ میں لایا تھا، ایک نہایت ہی قلیل عرصہ میں؛ جو چار پانچ سال سے زیادہ نہیں تھا؛ صرف چھ حملوں میں ہی کھو بیٹھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنی قوم کے ہاتھوں سے غداری، ذلت ولعنت کا تاج پہن کر زیر خاک چھپ گیا۔ (گبن جلد ۵، ۶۔ آ کلے صفحہ ۲۴۷)

أَسْلِمْ تَسْلَمْ کہنے میں تو دو سیدھے سادے لفظ ہیں، مگر یہ ایک ایسا اٹل شاہانہ حکم ہے جو قدرت اور مشیّت ایزدی کا کامل مظہر ثابت ہوئے۔ جو مصنفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں کہ ان میں وضاحت وتعیین نہیں ہوتی۔ ان کے لئے ہرقل کے انجام میں ایک عبرت ناک سبق ہے۔

وحیٔ نبوت کی باتوں میں سے یہ ایک نمونہ ہے اور اس وحی کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی باتیں دنیا کی عقل میں ناممکن ہوتی ہیں۔ مگر بعد میں واقعات ومشاہدات ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اٹل ہیں۔ ایک بیمار ذہنیت کے تخیلات اور نظارے اپنے ساتھ واقعات کی تصدیق نہیں رکھتے۔ ان کا وجود محض خیال ہی خیال ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کِتَابُ الاِیمَان

پہلی دوصدیوں میں مسلمانوں کے درمیان مختلف الخیال قوموں کے اختلاط کے سبب سے مسائل دینیہ کے متعلق دقیق دَر دقیق بحثیں شروع ہوگئی تھیں۔جن کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے اختلاف کی وجہ سے ہر ایک نے اپنا ایک نیا مذہب قائم کرلیا۔امام بخاری علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں یہ اختلافات اپنے پورے زوروں پر تھے۔امام موصوف موقع ومحل کے مطابق ہر اختلافی مسئلہ کے متعلق آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی بناء پر اپنے خیالات کا بھی اظہار کرتے گئے ہیں۔ چنانچہ ایمان کی تعریف میں بھی بہت اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا یہ قلبی تصدیق کا نام ہے یا محض زبان سے اقرار کرنا یا قلبی تصدیق وزبانی اقرار دونوں کو ایمان کہتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں کے ساتھ اعمال کا شامل ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں اور آیا ایمان کے ساتھ معرفت تقلیدی یا استدلالی کا بھی ہونا لازمی ہے یا نہیں اور پھر یہ کہ زبانی اقرار ایمان کا رکن ہے یا شرط ہے۔ غرض اس قسم کی منطقی دقیق دَر دقیق بحثیں علماء نے آپس میں چھیڑ رکھی تھیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جزءاول صفحہ۱۰۳۔فتح الباری جزءاول صفحہ ۶۵)

اور یہ اختلافات محض مختلف اعتبارات کی وجہ سے پیدا ہوئے ورنہ درحقیقت کوئی اختلاف نہ تھا۔مثلاً جنہوں نے ظاہری احکام کے جاری کرنے یا نہ کرنے کو مدنظر رکھا، انہوں نے زبانی اقرار وتسلیم پر زور دیا اور جنہوں نے ایمان کی حقیقت کو مدنظر رکھا، انہوں نے اعمال کو ضروری قرار دیا۔جنہوں نے عرفان کو مدنظر رکھا، انہوں نے تقلیدی ایمان کو ساقط قرار دیا۔جنہوں نے کمال کو مدنظر رکھا، انہوں نے دل کی معرفت' زبان کے اقرار' اعمال صالحہ کے صادر ہونے کو آپس میں لازم وملزوم قرار دیا۔یعنی ان تینوں سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اس میں سے کسی ایک کی کمی سے ایمان ناقص ہوگا۔بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو ناقص ہے وہ ایمان نہیں ہوگا، بلکہ شک کہلائے گا۔ایمان ایک ہی حالت میں رہتا ہے۔غرض اس قسم کے اختلافات کو امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے پہلے باب میں مدنظر رکھا ہے۔

ایمان -لغت میں امن دینے یا امن حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔باب افعال سے ہے اور مجازاً تصدیق کرنے یا بات مان لینے کو بھی کہتے ہیں۔ایمان سے انسان شک، تردد، تکذیب اور مخالفت وغیرہ سے امن میں ہوجاتا ہے۔شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتوں کو ماننے کا نام ایمان ہے۔نیز اس قلبی کیفیت کو بھی ایمان کہتے ہیں جو تصدیق کا اصل موجب ہے اور اس بات کو بھی ایمان کہتے ہیں جو مانی جائے۔اور **اسلام** -لغت میں اپنے آپ کو کسی کے سپرد کردینے کو کہتے ہیں اور شریعت میں احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری کرنے کا نام ہے۔یعنی اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد

کردینا۔ نیز اسلام اُن احکام الٰہیہ کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں، جن کا بجالانا ضروری ہے۔ لفظ ''ایمان'' میں زیادہ تر قلبی کیفیت ملحوظ رکھی گئی ہے جو تصدیق اور فرمانبرداری کا اصلی مصدر ہے اور لفظ ''اسلام'' میں ظاہری اعمال ملحوظ رکھے گئے ہیں جو ایمان کا نتیجہ ہیں۔

امام بخاریؒ نے ایمان و اسلام کو ان تینوں معنوں میں ہی لیا ہے اور ان معنوں کو واضح کرنے کے لئے آیات واحادیث واقوال ائمہ سے استدلال کیا ہے اور وہ لوگ جو اِن دونوں اصطلاحوں کے معنوں کو کسی نہ کسی مفہوم میں محصور کرتے ہیں، ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ موقع ومحل کے لحاظ سے ایمان و اسلام کا اپنا اپنا مفہوم ہوتا ہے۔ کبھی تو ایمان سے مراد محض قلبی یقین اور کبھی اس سے وہ باتیں مراد ہوتی ہیں جن کو ماننے سے انسان ہر ایک شر سے امن میں ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے مراد وہ اعمال ہیں جن کے ساتھ ایمان زندہ رہتا ہے اور کبھی یہ لفظ قلبی یقین و اعمال دونوں پر اطلاق پاتا ہے۔ ایسا ہی لفظ ''اسلام'' بھی کبھی محض ظاہری اعمال بجالانے کو کہتے ہیں اور کبھی اس کے ساتھ دل کی کامل موافقت بھی شامل ہوتی ہے۔

✡✡✡✡✡

بَاب ۱ : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ

نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے

وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ وَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللهُ تَعَالٰى لِيَزْدَادُوْا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ (الفتح:٥) وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الكهف:١٤) وَّيَزِيْدُ اللهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مريم:٧٧) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمّد:١٨) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِيْمَانًا (المُدَّثِّر:٣٢) وَقَوْلُهُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا (التَّوبة:١٢٤) وَّقَوْلُهُ جَلَّ

اور وہ قول اور فعل ہوتا ہے اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ (جیسے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تا وہ ایمان رکھتے ہوئے ایمان میں بڑھتے رہیں اور (فرمایا:) ہم نے انہیں راست روی میں بڑھادیا اور (فرمایا:) اللہ تعالیٰ انہیں جو راہ راست پر آگئے ہیں راست روی میں اور بڑھاتا ہے اور (فرمایا:) جنہوں نے راست روی اختیار کی، اُنہیں راست روی میں اور بھی بڑھادیا اور جس تقویٰ کے وہ مستحق تھے وہ انہیں دے دیا۔ اور (فرمایا:) جو ایمان لاچکے ہیں انہیں ایمان میں اور بھی بڑھاتا ہے اور اللہ (عزّ وجل) کا یہ فرمانا: تم میں سے کس کو اس آیت نے ایمان میں بڑھادیا ہے۔ جو ایمان لائے ہیں انہی کو اس نے ایمان میں بڑھادیا ہے اور نیز اللہ جل شانہ کا یہ

ذِكْرُهُ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا (آل عِمْرَان: ١٧٤) وَّقَوْلُهُ تَعَالٰى وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الأحزاب: ٢٣) وَالْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ إِنَّ لِلْإِيْمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُوْدًا وَّسُنَنًا فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيْمَانَ فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوْا بِهَا وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيْصٍ وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرة: ٢٦١) وَقَالَ مُعَاذٌ اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً وَّقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ الْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ شَرَعَ لَكُمْ (الشورى: ١٤) أَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ وَإِيَّاهُ دِيْنًا وَّاحِدًا وَّقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدة: ٤٩) سَبِيْلًا وَّسُنَّةً.

{ وَدُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ٧٨) إِيْمَانُكُمْ

فرمانا: (لوگوں کا مومنوں سے یہ کہنا کہ) ان سے ڈرو۔ اس بات نے ان کو ایمان میں اور بھی بڑھا دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: انہیں ایمان اور فرمانبرداری میں اس نے بڑھا دیا۔ اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے نفرت کرنا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے اور عمرؒ بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان کے کچھ فرائض ہیں اور کچھ قوانین اور کچھ حدود اور کچھ اعمال مسنونہ۔ پس جس نے ان کو پورے طور پر اختیار کیا، اس نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس نے ان کو پورے طور پر اختیار نہ کیا اس نے ایمان کو بھی مکمل نہ کیا۔ سو اگر میں زندہ رہا تو عنقریب میں تمہارے لئے ان باتوں کو کھول کر بیان کروں گا تا تم ان پر عمل کرو اور اگر مر گیا تو میں تمہارے ساتھ رہنے کا اتنا خواہش مند بھی نہیں ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: مگر اس لئے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے اور حضرت معاذؓ نے کہا: ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ ایک پل ایمان کی باتیں کرکے ایمان تازہ کرلیں اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: یقین ہی سارے کا سارا ایمان ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے کہا: بندہ تقویٰ کی حقیقت تک پہنچتا ہی نہیں، جب تک کہ وہ جو اس کے سینہ میں کھٹک رہا ہے نہ چھوڑ دے اور مجاہد نے آیت شَرَعَ لَكُمْ کی تفسیر یوں کی ہے کہ اے محمدؐ! ہم نے تجھے اور نوحؑ کو ایک ہی دین پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا کے معنی راستہ اور طریقہ عمل کے ہیں۔

{ اور دُعَاءُكُمْ سے مراد اِيْمَانُكُمْ ہے۔ اس لئے

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ(الفرقان:۷۸) وَمَعْنَى الدُّعَاءِ فِي اللُّغَةِ الْإِيْمَانُ.☆}

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّى لَوْ لَا دُعَاءُ كُمْ۔ دعا کے معنی لغت میں ایمان کے بھی ہوتے ہیں۔☆}

تشریح: **بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ:** یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو آگے آئے گی۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد کلمہ شہادت، نماز، زکوٰۃ اور روزوں پر ہے۔ ''شہادت'' کے معنی علم رکھنا اور علم کے مطابق اقرار کرنا۔ امام بخاریؒ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام کا کامل مفہوم اپنے اندر قلبی معرفت ویقین، زبان کے اقرار اور اعمال کی بجا آوری کو شامل رکھتا ہے۔

وَهُوَ قَوْلٌ وَّ فِعْلٌ: ''ھو'' کی ضمیر اسلام کی طرف لوٹتی ہے اور ضمناً ایمان کی طرف بھی لوٹتی ہے۔ اس سے کَرَامِيَّه فرقہ کا ردّ کیا ہے، جو صرف زبان کے اقرار کا نام ایمان رکھتے ہے اور یہ اقرار اُن کے نزدیک احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے کافی ہے اور مرجیہ فرقہ کا بھی رد ہے، جو قلبی اعتقاد اور زبانی اقرار کا نام ایمان رکھتے ہیں اور اعمال کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دل کے اعتقاد کے ساتھ زبان سے اقرار کرتا ہے اور مر جاتا ہے، کوئی عمل نہیں کرتا تو وہ ان کے نزدیک مومن ہوگا۔ مگر یہ ایک مخصوص حالت ہے، جبکہ ایمان لانے کے بعد کسی کو عمل کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ایسا ہی کرامیہ فرقہ کا قول بھی ایک خاص اعتبار کے لحاظ سے ہے۔ لیکن حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل اور صحیح مذہب یہی ہے جو امام بخاریؒ نے بیان کیا ہے۔ یعنی دل کی معرفت، زبان کا اقرار اور عمل۔ یہ تینوں باتیں اسلام و ایمان کے مفہوم میں داخل ہیں۔

يَزِيْدُ وَ يَنْقُصُ :وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ اس دلیل سے مذکورہ فرقوں کے نقطہ نظر کا سقم ظاہر کیا ہے۔ کسی چیز کی تعریف اس کی ناقص حالت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ کامل حالت کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ ایمان کی کمزور حالت کو دیکھ کر جس کے ساتھ عمل نہیں یا دل کی معرفت نہیں یا صرف تقلیدی رنگ ہے کہہ دینا کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے اور اس پر سارا انحصار رکھنا یہ ایمان کو اپنی حقیقت سے دور لے جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے ایک مختصر جملہ سے کرامیہ، مرجیہ، معتزلہ اور خوارج کے آپس کے اختلافات کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ جو چیز گھٹتی بڑھتی ہے وہ ناقص حالتیں بھی رکھتی ہے اور کامل حالت بھی رکھتی ہے۔ اس کو ان دونوں حالتوں کے اعتبار سے دیکھنا چاہیے صرف ایک پر زور دینا اس کی اصلی صورت کو مسخ کر دیتا ہے۔ اس لئے جو لوگ ایمان کے ساتھ معرفت ویقین، زبانی اقرار اور اعمال صالحہ کی بجا آوری ضروری قرار دیتے ہیں۔ وہ ایمان کی کامل حالت کو مدنظر رکھتے ہیں۔

چونکہ اسلام میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے تھے جو ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک ایمان ناقص حالت میں ایمان نہیں بلکہ شک ہے۔ اس لئے امام موصوفؒ نے قرآن مجید کی آیات سے استدلال

☆ یہ عبارت طبعة بولاق کے مطابق ہے۔ (دیکھئے حاشیہ فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۴)

کیا ہے۔قرآن مجید نے پہلی ناقص حالت کو بھی ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اسے شک نہیں کہا۔ جیسا کہ فرمایا: لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًامَّعَ اِيْمَانِهِمْ... (الفتح:۵) خود انسان اپنے اندر غور کر کے دیکھ لے کہ ایمان کس طرح مختلف حالات میں مختلف کیفیتیں اختیار کرتا جاتا ہے۔ کبھی وہ یقین واخلاص اور سکون وطمانیت سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور کبھی مدہم پڑ جاتا ہے۔ پوری آیت یوں ہے: هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (الفتح:۵) {وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت اُتاری۔ تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں مزید بڑھیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔} تین آیتوں سے امام موصوفؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمانی ترقی کے ساتھ عملی ترقی بھی ہوتی رہتی ہے اور ایمان کی طرح عمل کی بھی ناقص حالتیں ہوتی ہیں۔ هُوَ يَزِيْدُ وَ يَنْقُصُ میں ''هُوَ'' کا مرجع اسلام ہے اور اسلام میں ایمان وعمل دونوں شامل ہیں۔ اس لئے ان آیتوں سے دونوں کا ناقص وکامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی آیت یوں ہے: اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَا هُمْ هُدًى. وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ. (الکهف:۱۴-۱۵) یعنی نیک اعمال بجالانے کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو ایمان میں مضبوط کر دیا تھا۔ دوسری آیت یوں ہے: وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا. (مریم: ۷۷){اور اللہ انہیں ہدایت میں بڑھادے گا جو ہدایت پا چکے ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے ربّ کے نزدیک اجر کے لحاظ سے بھی بہتر اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔} ہدایت سے کیا مراد ہے؟ باقی رہنے والے نیک اعمال جو بلحاظ نتائج واثرات کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا ذخیرہ ہیں۔ تیسری آیت یہ ہے: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُم. (محمد:۱۸) {اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی، اُن کو اس نے ہدایت میں بڑھادیا اور اُن کو اُن کا تقویٰ عطا کیا۔} ''هُدًى'' کے معنے راہِ راست دکھلانا، اس پر چلنے کی توفیق دینا، راست روی۔ اس کا تعلق اعمالِ صالحہ کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ وَاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ سے بھی ہدایت کا یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ تَقْوٰى کے معنی بدیوں سے بچنا اور نیک اعمال بجالانا کیونکہ اصل نجات صرف بدیوں سے بچنے میں نہیں بلکہ نیکی کرنے میں ہے۔

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا: اس آیت سے امام بخاریؒ نے اس خیال کا رد کیا ہے کہ ایمان کے ناقص ہونے سے انسان مومن نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید نے ناقص حالت میں بھی ان کا نام مومن رکھا ہے۔ مثلاً ایک شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب رکھتا ہے وہ شہادت کے درجہ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے ابھی بہرہ ور نہیں ہوا، مگر اس کو بھی مومن ہی کہیں گے۔ اس آیت کا ماقبل یہ ہے: وَمَاجَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّافِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا. (المدثر:۳۲) اس میں کافر، اہلِ کتاب اور مومن تینوں کو علیحدہ علیحدہ اثر قبول کرنے کی وجہ سے تین مختلف گروہ قرار دیا ہے اور ایمان کی کمی سے یہ مراد نہیں کہ وہ شک میں ہیں یا منافق ہیں۔

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا: اس آیت سے امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ دلائل و براہین اور نشانات کو دیکھ کر ایمان ضرور بڑھتا ہے۔ ''آیت'' کے معنی دلیل و برہان اور نشان کے ہیں۔ بعض وقت خوف کی حالت بھی

ایمان کو بڑھا دیتی ہے اور انسان کے اندر ایک ایسی حالتِ خشیت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (آل عمران : ۱۷۴)

وَمَازَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا: اس آیت سے امام بخاریؒ نے یہ سمجھایا ہے کہ نہ صرف ایمان کی قلبی کیفیت میں ہی بلکہ عملی فرمانبرداری میں بھی ترقی ہوتی ہے جو اسلام کا اصل مفہوم ہے۔ پوری آیت یوں ہے: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَازَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا. (الأحزاب: ۲۳) {اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا: یہی تو ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس نے ان کو نہیں بڑھایا مگر ایمان اور فرمانبرداری میں۔} غرض ان آیات کو پیش کر کے امام بخاریؒ نے ہر پہلو سے ایمان کے گھٹنے بڑھنے کو واضح کیا ہے۔ چونکہ ان آیات میں ایمان کے بڑھنے کا ذکر ہے۔ اس لئے گھٹنے کا مفہوم ان سے ضمناً ثابت ہوتا ہے۔

اَلْحُبُّ فِيْ اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِيْ اللّٰهِ مِنَ الْاِيْمَانِ: یہ الفاظ ایک حدیث کے ہیں جس کو ابوداؤدؒ نے حضرت ابوامامہؓ اور حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه - نیز باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم) اور ترمذی نے حضرت معاذ بن انسؓ کی سند سے اس کو نقل کیا ہے۔ (ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب منه) حضرت عمروؓ بن جموح نے یہ حدیث یوں بیان کی ہے: لَا يَحِقُّ الْعَبْدُ حَقَّ صَرِيْحِ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَيُبْغِضَ لِلّٰهِ. (مسند أحمد بن حنبل، جلد ۳، صفحة ۴۳۰) اور حضرت براءؓ بن عازب نے یوں بیان کی: أَوْثَقُ عُرَى الْاِيْمَانِ اَلْحُبُّ فِيْ اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِيْ اللّٰهِ. (مصنف ابن ابی شیبه، كتاب الزهد، باب ما ذكر عن نبينا ﷺ فی الزهد، حدیث: ۱۶۱۸۵)

امام بخاریؒ نے ایمان کو اس حد تک محدود نہیں رکھا۔ جس پر باقی ائمہ کا اتفاق ہے۔ یعنی دل کی معرفت کے ساتھ یقین کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعمال صالحہ بجالانا۔ بلکہ امام بخاریؒ نے محبت و نفرت جیسے قلبی انفعالات و عواطف کو بھی ایمان میں شامل کیا ہے اور حق یہی ہے۔ کیونکہ ایمان جب تک دائرہ علم و معرفت سے احساسات و انفعالات میں تبدیل نہیں ہوتا، تب تک وہ ایک بے جان شئے ہے جس میں نہ قوت ہے اور نہ وہ انسان میں کوئی عملی حرکت پیدا کر سکتا ہے اور نہ حقیقت میں وہ اس کے لئے امن و طمانیت کا موجب بن سکتا ہے۔

عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِؒ: عمر بن عبدالعزیز بن مروانؒ بنوامیہ میں سے تھے اور ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے۔ تقویٰ و زہد اور علم میں اعلیٰ پایہ کے انسان تھے اور خلفاء راشدین کی سیرت پر تھے۔ انہی کی تبلیغ سے سندھ کے راجاؤں اور امیروں نے اسلام قبول کیا اور انہیں پہلی صدی کا مجدد مانا گیا ہے۔ **عدی بن عدی** بن عمیرہ کندی تابعی ہیں اور عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے عراق میں عامل یعنی گورنر تھے اور صحابہ کی اولاد میں سے تھے۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۱۳)

اِنَّ لِلْاِيْمَانِ فَرَائِضَ وَ شَرَائِعَ: فرائض سے مراد تمام ارکان ایمان ہیں۔ جیسے اللہ و رسول اور ملائکہ اور کتب سماویہ اور آخرت پر ایمان۔ نیز تمام اصول اسلام جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ؛ جن کا کرنا ضروری ہے اور شرائع

سے مراد مختلف قوانین، معاملات از قسم بیع وشراء، نکاح وطلاق وغیرہ اور حدود سے مراد اسلامی تعزیرات اور سزائیں اور سنن سے مراد وہ کام جو آنحضرت ﷺ نے کئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات واحادیث واقوال صحابہ سے استدلال کرنے کے بعد ایک بہت بڑے مجتہد مجدد زمان کا قول نقل کر کے ایمان کے وسیع مضمون کو بیان کیا ہے۔ اس مفہوم کے مطابق دل کا ایمان یہ ہے کہ عرفان ویقین کے ساتھ تصدیق کرنا۔ زبان کا ایمان یہ ہے کہ اس کا اقرار کرنا۔ باقی اعضا کا ایمان یہ ہے کہ عملاً فرمانبرداری کریں۔ انہی معنوں سے امام مالکؒ، ام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ایمان کے مفہوم کو وسیع سمجھتے ہیں۔ برخلاف ان کے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء معرفت قلب اور زبان کے اقرار کا نام ایمان رکھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۰۳)

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي: یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي. (البقرہ:۲۶۱) حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے ربّ مجھے دکھلا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا۔ جواب دیا کہ ہاں کیوں نہیں۔ ایمان تو ہے مگر اس لئے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اس آیت سے امام بخاریؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ ایک ایمان بالغیب ہوتا ہے۔ جو علم الیقین کا درجہ رکھتا ہے۔ یعنی صرف عقلی دلائل و براہین سے کام لے کر علم حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کے وجود کے متعلق استدلالاً یقین کیا جائے اور ایک عین الیقین ہوتا ہے۔ جس کی بناء مشاہدہ پر ہوتی ہے۔ جیسے آگ دیکھ کر آگ کے وجود کا علم ہو۔ دونوں حالتوں میں انسان مومن ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عارف باللہ نے مشاہدہ کی ضرورت محسوس کی۔ اس لئے نہیں کہ ان کو ایمان نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے۔ ایمان بالغیب میں بھی ایک یقین ہوتا ہے۔ مگر اس یقین کے ساتھ ایک نئی حالت اطمینانِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ ایمان اس حالتِ ترقی میں دائرہ معقول سے نکل کر احساسِ قلبی میں داخل ہو جاتا ہے۔

قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍؓ اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً: حضرت معاذؓ بن جبل ایک جلیل القدر صحابی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے ان سے ۱۵۷ کے قریب احادیث نقل کی ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۱۵) انہوں نے ایک شخص سے کہا: اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً. اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مومن نہیں تھے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ایمان کی باتیں کر کے ایمان تازہ کر لیں۔ امام بخاریؒ اس مشہور روایت کو پیش کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کبھی ایمان میں وہ بشاشت و تازگی نہیں رہتی جو ہونی چاہیے اور ایمان کی باتیں کرنے سے وہ بشاشت و تازگی از سر نو پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا ایمان کے گھٹنے بڑھنے کی یہ بھی ایک صورت ہے۔

اَلْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ: یقین ہی سارے کا سارا ایمان ہے۔ کیونکہ یقین ہی ہے جو دراصل انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے اور یقین ہی سے انسان نیکی کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ کوئی سچی تبدیلی بغیر یقین کے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت اس کے احکام کی پوری پوری اطاعت یقین سے ہوتی ہے۔ جس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ فلاں سوراخ میں زہریلا

سانپ چھپا بیٹھا ہے وہ کبھی اس سوراخ میں اُنگلی نہیں ڈالتا۔ سو اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ پر کامل یقین ہوتا ہے اور وہ یقین سے جانتا ہے کہ اس کی نافرمانی ایک ہلاک کر دینے والا زہر ہے اور اس کے احکام کی اطاعت؛ سلامتی اور امن بخشنے والا تریاق ہے وہ گناہ سے یقیناً بچے گا اور اُس کے احکام بجالائے گا۔

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَاحَاكَ فِي الصَّدْرِ : امام بخاری علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ وہ آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول ایک حدیث نبوی کی بناء پر ہے جسے مسلم نے نواس کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور ترمذیؒ نے بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

(عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۱۶، فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸)

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِي نَفْسِكَ..... یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔

(مسلم، کتاب البر والصلة، باب تفسير البر والاثم)

حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا ذکر کر کے جو بعض روایتوں کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نیز اس حدیث کی طرف اشارہ کر کے امام بخاری علیہ الرحمۃ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بغیر کامل یقین و معرفت کے بدیوں سے پورے طور پر نہیں بچا جا سکتا اور چونکہ حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ انسان کا دل گناہ کی ہر قسم کی آمیزش سے پاک وصاف ہو جائے اور حلال اور حرام کے درمیان جو امور مشتبہ ہوتے ہیں؛ یعنی وہ باتیں جن کے متعلق فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ آیا یہ بھی گناہ ہیں یا نہیں؛ جب تک انسان ان کو بھی نہ چھوڑ دے متقی نہیں کہلا سکتا اور اس کے لئے کامل عرفان کی ضرورت ہے۔ صرف ایمان بالغیب کافی نہیں۔ اس لئے ایمان کی کسی ناقص حالت پر اکتفا کرنا نہ صرف ایمان کے اصل مفہوم کو ہی مسخ کرنا ہے بلکہ اس کے اصل مقصود سے انسان کو دور ہٹا دینا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ: ساری آیت یوں ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ...(الشوریٰ:۱۴) یعنی تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جو نوحؑ اور دیگر انبیاء کے لئے مقرر کیا تھا اور تمہیں بھی ہم نے یہی تاکید کی ہے جو اُن کو کی تھی۔ یعنی یہ کہ دین کے ٹھیک ٹھیک پابند رہو اور اس میں اختلاف کر کے الگ الگ ٹولیاں نہ بنو۔

مجاھدؒ : مجاہد علم تفسیر وفقہ وحدیث میں بہت بلند پایہ رکھتے ہیں اور امام مانے گئے ہیں۔ لوگوں نے ان کے ثقہ ہونے اور ان کی عظمت پر اتفاق کیا ہے۔ یہ تابعی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے مجاہد کی تفسیر کی طرف اشارہ کر کے یہ بتلایا ہے کہ اصول دین میں اختلاف کرنا نہایت خطرناک غلطی ہے۔ جتنا زیادہ تاکیدی حکم اس کے متعلق تھا۔ اسی قدر زیادہ لاپرواہی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک ادنیٰ سے فرق پر بھی ایک نیا مذہب گھڑنے کے لئے لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔

شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا : اس آیت کا ماقبل یہ ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآئَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدہ :۴۹) یعنی اس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے۔ اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی

نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک واضح راستہ بنایا ہے **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ** (البقرۃ: ۱۴۹) تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ '' **شِرْعَة** '' سے مراد شریعت یعنی اصولِ دین جن کی بناء وحی الٰہی پر ہے اور '' **مِنْهَاج** '' کھلا کھلا راستہ جس کی بناء مشاہدات پر ہے اور اس سے مراد انبیاء کا وہ عملی نمونہ بھی ہے، جو وہ اپنی قوم کے سامنے پیش کر کے احکام شریعت کو واضح کر دیتے ہیں۔ جسے سنت نبوی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی تفسیر کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس وہم کا کہ انبیاء کے درمیان اصول دین میں اختلاف ہوتا ہے ردّ کیا ہے۔ ہاں فروعات میں جہاں عقل کا دخل ہوتا ہے اختلاف ہوتا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۹)

مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ : قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ج فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا. (الفرقان: ۷۸) یعنی کہو! میرا ربّ تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اگر تمہاری دعا نہ ہو۔ تم نے جھٹلا تو دیا ہی ہے۔ اب اس فعل کا وبال بھی ضرور پڑے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہاں **دُعَاؤُكُمْ** کے معنی ایمان کے کئے ہیں۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام بخاریؒ نے حوالہ مذکورہ بالا سے یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ ایمان عمل پر بھی اطلاق پا سکتا ہے۔ جیسا کہ دعا جو کہ عمل ہے اس سے مراد ایمان لیا گیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۹) لیکن اس آخری حوالہ سے ماقبل جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے مضمون کو اگر مدنظر رکھا جائے تو امام بخاریؒ کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کے اجتہادی اختلاف صحابہ میں بھی موجود تھے۔ جس سے اصول دین میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور نہ صحابہ کرامؓ اس وجہ سے کوئی نیا مذہب قائم کرتے تھے۔

باب ۲: دُعَاؤُكُمْ إِيْمَانُكُمْ

تمہاری دعا تمہارا ایمان ہے

۸: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ.

۸: ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا کہ حنظلہ بن ابی سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عکرمہ ابن خالد سے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو سنوار کر ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح: **بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ:** باب کے عنوان سے اس حدیث کا تعلق گذشتہ باب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ (دیکھئے تشریح کتاب الایمان باب ا) یہاں پر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ اس میں کلمہ شہادت کے بعد وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اور جو اسلام کے لئے بطور رُکن کے ہیں۔ ایک کا تعلق بدنی عبادت کے ساتھ ہے، یعنی نماز۔ دوسرے کا تعلق مالی عبادت کے ساتھ ہے، یعنی زکوٰۃ۔ تیسرے کا تعلق دونوں کے ساتھ مشترکہ ہے اور وہ تمام علائق دنیویہ سے علیحدگی کے مفہوم کو اپنے اندر رکھتا ہے، یعنی حج۔ اس کے معنی قصد کرنا۔ اس میں انسان گھر بار چھوڑ کر اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے گھر کا قصد کرتا ہے اور چوتھے کا تعلق بھی عمل کے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض باتوں کو نہ کرنا، یعنی کھانا پینا چھوڑ دینا۔ غرض اسلام کی بنیاد کا بڑا حصہ عمل ہے۔

بَاب ۳: أُمُوْرُ الْإِيْمَانِ

ایمان کی باتیں

وَقَوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرة:۱۷۸) قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المؤمنون:۲) الْآيَةَ.

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ (لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ......) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو، بلکہ نیکی تو اُن کی ہے جنہوں نے اللہ اور یوم آخرت اور ملائکہ اور کتاب اور نبیوں کو مان لیا ہے اور جنہوں نے مال باوجود محبت رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور گردنوں کے آزاد کرنے میں بھی (خرچ کیا) اور وہ نماز کو بہمہ شروط سنوار کر ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب وہ عہد کرتے ہیں تو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں اور خاص کر وہ غریبی اور بیماری اور جنگ میں صابر رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو (اپنے عہد بیعت میں) صادق ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ نیز یہ ساری آیت (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ....) یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔......

۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ.

۹: ہم سے عبداللہ بن محمد (جعفی) نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوعامر عقدی نے بیان کیا۔ ابوعامر نے کہا: سلیمان بن بلال نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے۔ عبداللہ نے ابوصالح سے۔ ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

تشریح: اُمُوْرُ الْاِیْمَانِ: اس باب میں ایک تو وہ آیت ہے جس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے اور دوسری آیت یہ ہے:
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ . وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ . وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ . اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ . وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ. (المؤمنون: ۲-۱۱)
{یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ (کا حق) ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے نہیں یا اُن سے (بھی نہیں) جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ پس یقیناً وہ ملامت نہیں کئے جائیں گے۔ پس جو اس سے ہٹ کر کچھ چاہے تو یہی لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظ بنے رہتے ہیں۔ یہی ہیں وہ جو وارث بننے والے ہیں۔}

پہلی آیت میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ظاہری اعمال کچھ حقیقت نہیں رکھتے جب تک ایمانی حالت صحیح نہ ہو۔ اور دوسری آیت میں عملی پہلو پر زور دیا گیا ہے یعنی ظاہری اعمال کو صحیح طور پر بجالانے کے بغیر کسی کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ نماز میں خشوع و خضوع ہو۔ زکوٰۃ کے ساتھ شہوات پر قابو رکھتے ہوئے تزکیہ نفس بھی ہو۔ یعنی ایمان اعمال کے ساتھ اور اعمال اپنی اصلی روح کے ساتھ بارآور ہوسکتے ہیں۔ دونوں آیتوں کا تعلق ایمان و اعمال کے ساتھ نہایت واضح ہے اور پہلی آیت کی مناسبت باب کے ساتھ اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایمان کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا ..... پڑھ دی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۱) یہ امام بخاریؒ کے حسنِ انتخاب کی ایک مثال ہے۔

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَان : امام ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما نے حیا کے متعلق یہ سوال اٹھایا ہے کہ وہ ایک طبعی قوت ہے۔ اس کو ایمان سے کیوں شمار کیا گیا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ حیا ایک مانع ہے جو بدیوں سے روکتا ہے اور نیز محرک ہے نیکیاں کرنے کا۔ اس لئے مثال کے لئے اس اعلیٰ صفت کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حیا کے متعلق آتا ہے: اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ. (مسلم. كتاب الايمان. باب بيان عدد شعب الايمان) حیا ساری کی ساری بھلائی ہے۔ چونکہ ایمان کے باقی شعبوں کا یہ ایک سبب اور ذریعہ ہے۔ اس لئے اس کو بطور مثال کے چنا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۳- عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۲۹) خود ایمان بھی اصل میں ایک فطرتی تقاضا ہے۔ جس کو انسان کسی نہ کسی رنگ میں پورا کرتا ہے اور یہ تقاضا مخفی طور پر انسان کے اختیاری یا غیر اختیاری افعال میں جھلک دکھلاتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ دہریہ انسان بھی مخصوص حالات میں اس تقاضائے طبعی کے اظہار کے لئے بعض اوقات مجبور ہو جاتا ہے اور ایمان کے وسیع معنوں کے اعتبار سے کوئی فردِ بشر مقتضائے ایمان سے خالی نہیں۔ مسلمؒ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ. (مسلم كتاب الايمان. باب بيان عدد شعب الايمان) یعنی ان شعبوں میں سے سب سے اعلیٰ شعبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے۔ امام بخاریؒ کی یہ روایت زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔ امام ابن حجرؒ اور علامہ عینی نے ان شعبوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد کتاب الایمان میں ایمان، اسلام، کفر و نفاق کے مفہوم کو واضح کرنا ہے۔ نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایمان کے مفہوم میں اعمال شامل ہیں، جیسا کہ اسلام کے مفہوم میں ایمان شامل ہے۔ اس سے آپؒ مرجیہ فرقہ کے فتنہ کا سدّ باب کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آگے جا کر اس فرقہ کا خصوصیت سے نام بھی لیا ہے۔

بَاب ٤ : اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں

١٠ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ وَإِسْمَاعِيْلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا

۱۰: ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی سفر اور اسماعیل سے۔ ان دونوں نے شَعبی سے۔ شَعبی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اصل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جو

نَهَى اللهُ عَنْهُ قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ وَقَالَ أَبُومُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس بات کو جسے اللہ نے منع فرمایا ہے چھوڑ دے۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: اور ابو معاویہ نے بھی کہا کہ داؤد (بن ابی ہند) نے عامر سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے سنا۔ وہ یہی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے اور عبدالاعلیٰ نے بھی داؤد سے۔ داؤد نے عامر سے۔ عامر نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے۔ حضرت عبداللہؓ نے نبی ﷺ سے یہی نقل کیا۔

تشریح: **اَلْمُسْلِمُ**: ال جو اَلْمُسْلِمُ میں ہے۔ بعض شارحین کے نزدیک عہد خارجی ہے جو اظہار کمال کے لئے آتا ہے۔ یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ یعنی نہ قول سے کسی کو تکلیف دے اور نہ فعل سے۔ چونکہ انسان زبان سے برے بھلے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور ہاتھ سے اکثر کام انجام دیتا ہے۔ اس لئے مراد مطلق قول و فعل ہے۔ یعنی نہ ہنسی ٹھٹھے سے، نہ گالی گلوچ سے، نہ طعن و تشنیع سے، نہ غیبت و تہمت سے کسی کا دل دکھائے اور نہ ہاتھ سے کسی کو آزار پہنچائے۔ جیسے مارنا، قتل کرنا، چوری کرنا۔ غرض ہر قسم کا ناجائز تصرف۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۵- عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۳۲) لیکن ''اَل'' یہاں کسی کمال کے اظہار کے لئے قطعاً نہیں، بلکہ جنسیہ ہے۔ مطلق تعریف کے معنے ہیں۔ کیونکہ اسلامی اصول کے اعتبار سے ترکِ ایذا کمال نہیں بلکہ ابتدائی حالت ہے۔ مسلمان کا کمال یہ ہے: بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ. (البقرہ:۱۱۳) کہ اپنی مرضی نفس سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ہو کر اس کا کھانا اور پینا، اس کا مرنا اور جینا اور اس کا ہر عمل صادر ہو اور اس کی رضا کے لئے نیکیاں بجالائے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلامی اصول کی فلاسفی- زیر عنوان: انسان کی تدریجی ترقی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۴-۳۲۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی حدیث سے اس حدیث کے اصل مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کا کونسا عمل سب سے اچھا ہے؟ بجائے اس کے کہ آپؐ اُن کو وہ عمل بتلائیں یہ جواب دیتے ہیں: **مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ** ۔یعنی جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ یعنی ایسے شخص کا ہر عمل ہی اچھے سے اچھا ہوگا۔ اس کا ایمان بھی اچھا، اس کی نماز بھی اچھی، اس کا روزہ بھی اچھا، اس کی زکوٰۃ بھی اچھی۔ اس کے بغیر اس کا کوئی عمل بھی اچھا نہیں۔ یعنی سچا مسلمان بننے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔ اسلام کی رو سے ترکِ شر روحانی ترقی میں پہلا زینہ ہے۔ جب اس پر چڑھ گیا تو پھر اس کے سارے اعمال

اچھے ہوں گے۔ یہ مفہوم ہے اس حدیث کا۔ چنانچہ اس کا دوسرا حصہ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ اصل مہاجر وہ ہے جو منہیات یعنی بدیوں کو چھوڑ دے۔

شارحین نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کی یہاں تخصیص کیوں کی ہے؟ امام ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ معاملات میں ایک مسلمان کا واسطہ اکثر مسلمانوں سے پڑتا ہے۔ اس لئے اغلب حالت کو مدنظر رکھ کر مسلمانوں کا نام لیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۷- عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۳۴) یہ صحیح ہے۔ جیسا کہ اس کا جواب خود امام بخاریؒ نے بھی اگلی حدیث تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِف (حدیث نمبر ۱۲) سے دیا ہے۔

بَاب ٥ : أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ

اسلام میں کون سا عمل سب سے بہتر ہے

١١ : حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ الْقُرَشِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ.

۱۱: ہم سے سعید بن یحيٰ بن سعید (اموی) قرشی نے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ابو بردہ بن عبداللہ بن ابی بردہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ ابو بردہ سے، ابو بردہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اسلام کا کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: اس شخص کا عمل جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔

بَاب ٦ : إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

کھانا کھلانا بھی اسلام کا ہی ایک جزو ہے

١٢: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَّزِيْدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ

۱۲: ہم سے عمرو بن خالد نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یزید سے، یزید نے ابوالخیر سے، ابوالخیر نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.

سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کا کونسا عمل بہترین ہے؟ فرمایا: (یہ کہ) تو کھانا کھلائے اور سلامتی کی دعا کرے، اس کے لئے جس کو تو جانتا ہے اور اس کے لئے بھی جسے تو نہیں جانتا۔

تشریح: اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ:......تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ سلامتی کی دعا اس کو بھی دو جس کو تم پہچانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں پہچانتے۔ یعنی ہر کس و ناکس اور اپنے اور بیگانے کو بغیر کسی قسم کی تمیز کے۔ یہ پاکیزہ تعلیم ہے اسلام کی اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ چونکہ دعا دلی تمنا اور دلی خواہش کا مظہر ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ایک کے لئے سلامتی کی دعا کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے شارع اسلام کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تو غیروں کے لئے سلامتی کا موجب نہ بن۔ چنانچہ کھانا کھلانے کے حکم میں بھی آپ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ بعض اوقات سلامتی کا موجب انسان صرف ترکِ شر سے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ نیکی کرنے سے سلامتی کا موجب بنتا ہے اور نیکی نہ کرنے سے دوسرے کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ مثلاً قحط سالی ہے۔ گھر میں ذخیرہ پڑا ہے اور ایک پڑوسی بھوکا مر رہا ہے۔ اس وقت اس کو نہ کھلانا اسلام کے مقتضاء کے بالکل برعکس ہوگا۔ سائل نے اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ کہہ کر اُس بھلائی کو پوچھا ہے جو اسلام کے مفہوم کو بہترین طور پر ادا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جواب میں کھانا کھلانے کا ذکر کیا۔ کیونکہ وہ جسم کی سلامتی کا واحد سبب ہے اور پھر اس کے بعد عام اصولی تعلیم دی کہ سلامتی کی آرزو ہر ایک کے لئے رکھنا اور سلامتی کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ خواہش کے بعد ہی عمل کی توفیق ملتی ہے۔

مسلمؒ، حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے بھی حدیث نمبر ١١ روایت کی ہے اور ان کی روایت میں ''الْمُسْلِمُوْنَ'' کی بجائے ''النَّاسَ'' ہے۔ یعنی تمام لوگ سلامتی میں رہیں۔ امام ابن حجرؒ نے بخاریؒ کی اس حدیث کو بھی عام مفہوم میں ہی سمجھا ہے۔ یعنی مسلم و غیر مسلم دونوں کو کھانا کھلانا اور ان کے لئے سلامتی کی دعا کرنا شعارِ اسلامی میں سے ہے۔

(فتح الباری جزء اول صفحہ ٧٦)

بَاب ٧ : مِنَ الْإِيْمَانِ أَنْ يُّحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

ایمان میں سے یہ بھی ہے کہ (انسان) اپنے بھائی کے لئے وہ بات پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے

١٣ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

١٣: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت

وَسَلَّمَ وَعَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ نیز حسین معلم سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح: مِنَ الْاِيْمَانِ اَنْ يُّحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: کوئی شخص اپنے لئے بری بات پسند نہیں کرتا۔ اس لئے انصاف یہ ہے کہ دوسروں کے لئے بھی بری بات پسند نہ کرے۔ مثلاً کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اس پر تہمت لگائی جائے یا اس کی غیبت کی جائے۔ اسی طرح چاہیے کہ وہ کسی کے متعلق جھوٹ نہ بولے یا کسی کی غیبت نہ کرے۔ نیز ہر شخص اپنے لئے بھلی بات پسند کرتا ہے۔ یہی چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ سو اسے بھی چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

بَاب۸: حُبُّ الرَّسُوْلِ ﷺ مِنَ الْإِيْمَانِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی ایمان کا جزو ہے

۱٤: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ.

۱۴: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ ابوزناد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعرج سے۔ اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اُسی کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے باپ اور اس کے بیٹے سے بھی زیادہ اُسے پیارا نہ ہوں۔

۱٥: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ

۱۵: ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ابن عُلَیّہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالعزیز بن

صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.

صُہَیب سے۔ عبد العزیز نے حضرت انسؓ سے۔ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ نیز ہم سے آدم (بن ابی ایاس) نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے قتادہ سے۔ قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے باپ اور اس کے بیٹے سے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر اسے پیارا نہ ہوں۔

بَاب ۹ : حَلَاوَةُ الْإِيْمَانِ

حلاوتِ ایمان

۱۶: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّالِلّٰهِ وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ.

۱۶: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: عبدالوہاب ثقفی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ایوب نے ہمیں بتلایا۔ ایوب نے ابوقلابہ سے، ابوقلابہ نے حضرت انسؓ سے۔ حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: تین باتیں جس میں ہوں وہ ایمان کا مزا پالیتا ہے۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول تمام دوسری چیزوں سے بڑھ کر اس کو پیارے ہوں اور یہ کہ جس انسان سے بھی محبت کرے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت کرے اور یہ کہ کفر میں لوٹنا ایسا ہی برا سمجھے جس طرح وہ آگ میں پھینکے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

بَاب ۱۰ : عَلَامَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ

انصار سے بھی محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے

۱۷ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ.

۱۷: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عبداللہ بن عبداللہ بن جبر نے مجھے بتلایا۔ کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے دشمنی رکھنا نفاق کی علامت ہے۔

تشریح: حَلَاوَةُ الْاِيْمَان: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے متعلق پہلے وہ حدیثیں لائے ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر عمل و اخلاق کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ایمان کے متعلق وہ حدیثیں لائے ہیں جن کا تعلق قلبی احساسات و عواطف کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حدیث نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ میں اللہ و رسول و انصار اور ہر شخص سے اللہ کی خاطر محبت رکھنا ایمان کا اور ان سے بغض رکھنا نفاق کا جزء۔ نیز کفر سے نفرت کرنا بھی ایمان کا جزء قرار دیا گیا ہے۔ غرض ان حوالوں سے امام بخاریؒ نے اسلام و ایمان کے درمیان ایک باریک فرق نمایاں کر کے دکھلا دیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ میں حلاوتِ ایمان سے نفس کی وہ انفعالی حالت مراد ہے۔ جو ایمان کی ارتقائی حالت کا لازمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان کی تجلیات ایمان میں محبت کا مزہ پیدا کرتی ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا مطالعہ بھی ایمانی محبت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ: حدیث نمبر ۱۶ میں اس وہم کا بھی ازالہ کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی اور شخص کی محبت ایک قسم کا شرک ہے۔ ہر ایک محبت اگر اللہ تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تو وہ شرک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انصار کی محبت کے متعلق جو شرک کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا، اُسے دور کر دیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کو انصار اس لئے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے آڑے وقت میں بے خان و مال مہاجرین کی مدد کی تھی۔ وہ محبت جو ایمان میں جلوہ گر ہوتی ہے، کسی مصلحت یا خود غرضی پر مبنی نہیں ہوتی اور نہ اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرح وہ ہر اس چیز کے ساتھ وابستگی رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ یہی محبت کا احساس پیدا کرنے اور اس احساس کو زندہ رکھنے کے لئے التحیات میں آنحضرت ﷺ اور تمام مومنین کے لئے دعا کرنے کی عملی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

غرض ایمان جب تک احساسات کے دائرہ میں داخل نہیں ہو جاتا وہ بے جان ہوتا ہے اور کسی کام کا نہیں۔ اس وقت تک قوتِ عملی اس سے بالکل مفقود ہوتی ہے، جب تک کہ عرفان ویقین ایمان کی روحِ رواں نہ ہو جائیں۔

انجیل کہتی ہے کہ تو اپنے دشمن سے بھی محبت رکھ۔ (متی باب ۵، آیت ۴۴- لوقا باب ۶، آیت ۲۷) مگر قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے کہ تم کسی کے دشمن نہ بنو۔ تمہاری محبت اور تمہاری دشمنی سب اللہ کی خاطر ہو۔ اس کا محبوب تمہارا محبوب ہو اور اس کا دشمن تمہارا دشمن۔ اپنے نفس کی خواہش سے نہ کسی سے محبت ہو نہ نفرت۔ یہ ہے خالص ایمان کا تقاضا اور اس کی علامت۔

پس نیت کے فرق سے محبت وبغض کی نوعیت میں فرق ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ. ☆ {ترجمہ: ہم تیری محبت کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور تیری مخلوق میں سے جو تجھ سے مخالفت رکھتا ہے۔ اس کی تجھ سے دشمنی کی وجہ سے ہم اس سے دشمنی رکھتے ہیں} کا یہی مفہوم ہے۔

باب ۱۱

۱۸: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيْسَ عَائِذُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ بَايِعُوْنِي عَلَى أَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِي مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ

۱۸: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ ابوادریس عائذ اللہ بن عبد اللہ نے مجھے بتلایا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا اور حضرت عبادہؓ جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے اور عقبہ کی رات یہ بھی نقیبوں میں سے ایک نقیب تھے۔ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپؐ کے اردگرد آپؐ کے صحابہؓ کا ایک گروہ تھا۔ فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو، اس بات پر کہ تم کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ نہ ہی چوری کرو گے نہ زنا اور نہ ہی اولاد کو قتل کرو گے اور تم دیدہ دانستہ بہتان نہیں باندھو گے اور نہ بھلی بات میں تم نافرمانی کرو گے۔ پس جس نے بھی تم میں سے یہ عہد پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا اور جس

☆ (ترمذی- کتاب الدعوات- باب ماجاء ما يقول اذا قام من الليل)

فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ.

نے ان (بدیوں) میں سے کوئی (بدی) کی اور پھر دنیا میں اُسے سزا مل گئی تو یہ سزا اُس کے لئے کفارہ ہوگی اور جس نے ان بدیوں میں سے کوئی بدی کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اللہ چاہے تو اس سے درگذر کرے اور چاہے تو اُسے سزا دے۔ سو ہم نے ان باتوں پر آپؐ سے بیعت کی۔

تشریح: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ شر، کفر سے نفرت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک بندوں سے محبت کرنے کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے۔ اس مناسبت سے باب مذکور میں پہلے ان امور کا مجموعی طور پر ذکر کیا ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ جن باتوں میں بیعت لی گئی ہے وہ محض سلبی حیثیت رکھتے ہیں اور ترکِ شر کی قسم میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی طرف اشارہ کرکے امام موصوفؒ نے بتلایا ہے کہ آپؐ نے ترکِ شر کے پہلو کو اتنا ضروری سمجھا کہ اس کے متعلق آپؐ نے مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی بیعت لی۔ کیونکہ ایمان کی ابتدائی حالت میں سب سے بڑا مجاہدہ انسان کا بدیوں سے بچنا ہے اور ان سے بچنا کیا بلحاظِ اعتقاد اور کیا بلحاظِ عمل کے ایمان کا ضروری جزء ہے۔ جیسا کہ آگے جا کر یہ مضمون اور بھی زیادہ واضح کیا گیا ہے اور چونکہ ایمان کی ابتدائی حالت یعنی ترکِ شر اور حلاوتِ ایمان کے مضمون کو واضح کرنا مقصود تھا۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا کوئی نیا عنوان قائم نہیں کیا۔ امام ابن حجرؒ اور علامہ عینی نے ترتیب مضمون بتانے کے لئے یہ جو کہا ہے کہ پہلی حدیث میں انصار سے محبت کرنے کا ذکر تھا۔ اس لئے یہاں اس امتیاز کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انصار کو بوجہ اپنی اس ابتدائی قربانیوں کے حاصل ہے اور وہ اس محبت کے مستحق ہیں۔ نفس مضمون کے اعتبار سے یہ ایک جزئی تعلق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے بھی ملحوظ رکھا ہو۔ لیکن دراصل سلسلۂ تعلق وہی ہے جو مابعد کی احادیث میں بھی چلا جا رہا ہے۔

لَيْلَةُ الْعَقَبَةِ: "عقبة" مکہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے، جو منٰی میں ہے۔ یہ پہاڑی اسلامی تاریخ میں نہایت مشہور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپؐ حج کے ایام میں مختلف قبیلوں میں جا کر تبلیغ کیا کرتے اور اُن کو دعوتِ اسلام دیتے۔ مدینہ میں دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ پہلے انہوں نے اپنی خانہ جنگیوں کی وجہ سے چنداں توجہ نہ کی۔ بعاث کی مشہور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد خزرج کے کچھ لوگ جو مکہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حسب عادت مخاطب فرمایا اور انہوں نے اچھا اثر لیا۔ کیونکہ مدینہ کے یہود سے وہ سنتے چلے آئے تھے کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے اور اس کے ذریعہ ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔ ان لوگوں نے مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ

کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ جس سے لوگوں پر گہرا اثر ہوا۔ دوسرے حج میں بارہ آدمی مدینہ سے آئے اور انہوں نے عقبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ عقبہ کی پہلی بیعت ہے جو ہجرت سے سوا سال پہلے ہوئی۔ دوسرے حج میں پچھتر (۷۵) آدمی جن میں دو عورتیں بھی تھیں، مدینہ سے اس نیت سے آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کریں اور بوجہ اس کے کہ کفارِ قریش آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو سخت دکھ دے رہے تھے، آپ کو مدینہ جانے کی دعوت دیں۔ رات کے آخری حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے عقبہ میں ملے۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں سے بیعت لی اور ایک دوسرے کے مال و جان و عزت کی حفاظت کرنے کے متعلق آپس میں معاہدہ ہوا۔ جس کو ان لوگوں نے بڑی بڑی جانفشانیوں کے ساتھ پورا کیا اور اس وجہ سے وہ اَنصار کہلائے اور اس بات کے مستحق ٹھہرے کہ ہر مسلمان ان سے محبت رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی شخص سے محبت کرنے کی یہ ایک مثال ہے جو یہاں ضمناً بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے میں سے بارہ آدمی منتخب کرنے کے لئے فرمایا۔ جو اپنے اپنے قبیلہ کے ذمہ وار ہوں۔ یہی وہ نقیب تھے، جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ ان میں ایک حضرت عبادہؓ بن صامت بھی ہیں، جو خزرج قبیلہ میں سے تھے۔ ان نقیبوں میں سے نو آدمی قبیلہ خزرج کے تھے، جن کے نام یہ ہیں: اسعدؓ بن زرارہ، سعدؓ بن ربیع، عبداللہؓ بن رواحہ، رافعؓ بن مالک، براءؓ بن معرور، عبداللہؓ بن معرور، عبداللہؓ بن عمرو، سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو اور تین آدمی اوس کے تھے، جن کے نام یہ ہیں: اُسیدؓ بن حضیر، سعدؓ بن خثیمہ اور ابوالہیثمؓ۔

تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ: شارحین نے بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ لفظی معنے تو یہ ہیں: جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑتے ہو اور اس سے مراد یہ ہے کہ خود اپنی طرف سے دیکھتے بھالتے جھوٹی بات بناتے ہو اور بَيْنَ اَظْهُرِنَا، بَيْنَ اَيْدِيْنَا، بَيْنَ اَرْجُلِنَا کا محاورہ عام طور پر سامنے، درمیان، موجودگی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

شارحین نے یہاں یہ بحث اٹھائی ہے: آیا شرعی سزائیں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں یا نہیں اور ان کے ساتھ توبہ کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ توبہ کی ضرورت نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک توبہ ضروری ہے۔ امام ابن حزمؒ اور بعض مفسرین کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ یہاں یہ بحث مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ وہ مصیبتیں مراد ہیں جن کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۹۴)

بَاب ۱۲ : مِنَ الدِّیْنِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ

فتنوں سے بھاگنا بھی دین میں سے ہی ہے

۱۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَّتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ.

۱۹: عبداللہ بن مسلمہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی۔ وہ ان کو اپنے ساتھ لئے جنگلوں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش کی جگہوں میں اپنے دین کو فتنوں سے بچاتے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔

تشریح: يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ : اس حدیث کا تعلق اصل بحث سے بالکل واضح ہے۔ مسلمان کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ لوگوں کو تکلیف نہ دے۔ بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دوسروں کے شر سے اپنے آپ کو بھی محفوظ رکھے۔ جیسا کہ اسلام اور مسلم کے الفاظ کا مفہوم ہے۔ دین کے معنی بھی فرمانبرداری کے ہیں۔ " اَلدِّیْن" سے مراد یہاں اسلام ہی ہے۔ اس لئے خَیْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ فرمایا۔ جیسا کہ کسی کو ایذا نہ دینا اسلام سے قرار دیا گیا ہے، ایسا ہی اپنے آپ کو شر و فساد سے بچانا بھی اسلام کا جزء قرار دیا گیا ہے۔ فتنوں میں پڑ کر نہ انسان کا دین محفوظ رہتا ہے اور نہ وہ خود سلامتی میں رہتا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کا ذکر کر کے اس حرص کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایک مسلمان کو اپنی سلامتی اعتقاد و اعمال کے متعلق ہونی چاہیے۔

بَاب ۱۳ : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں تم سے اللہ کو بہتر جانتا ہوں

وَأَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ. (البقرة:۲۲۶)

اور یہ کہ عرفان دل کا فعل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ) بلکہ وہ تمہیں بوجہ ان (نیتوں) کے پکڑے گا جو تمہارے دلوں نے پختہ کی ہیں۔

۲۰: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللهِ أَنَا.

۲۰: ہم سے محمد بن سلام (بیکندی) نے بیان کیا، کہا: عبدہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی صحابہؓ کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے تو آپؐ صرف اُنہیں ایسے کاموں کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکتے۔ صحابہؓ کہتے: یا رسول اللہ! ہم تو آپؐ جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پہلی اور پچھلی کوتاہیاں معاف کر دی ہیں۔ اس بات پر آپؐ کو اتنا رنج ہوتا کہ آپؐ کے چہرہ سے ظاہر ہوتا۔ پھر آپؐ فرماتے کہ تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے والا اور سب سے زیادہ عارف باللہ میں ہوں۔

تشریح: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ : یہ آیت قسموں کے متعلق ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ یونہی بے فائدہ قسمیں نہ کھایا کرو۔ اس کے بعد فرمایا: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (البقرة:۲۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ ان قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا جن کے ساتھ دل کا عزم نہیں اور جو انسان عادتاً اُٹھاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اسلام جس کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے اور ایمان جس کا تعلق عرفان کے ساتھ ہے، یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ وہی اعمال مقبول یا مردود ہیں، جن کے ساتھ دل کی معرفت اور دل کا عزم ہو۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ نیتوں کے ساتھ ضروری ہے کہ شعور و تمیز و علم، دل کی عظمت اور خواہش، قوتِ فیصلہ و اِرادہ اور قدرتِ فعلی جیسے سب عناصر موجود ہوں۔ اس لئے امام بخاریؒ نے مَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ سے علم و عرفان و عزم کے متعلق لطیف استدلال کیا ہے کہ یہ باتیں زبان کے اقرار کے ساتھ ضروری ہیں۔

اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا : اس حدیث کا تعلق بھی نفس مضمون کے ساتھ واضح ہے کہ عرفان ایمان کا ضروری جزء کیوں ہے؟ اس لئے کہ انسان بغیر سچی معرفت کے اعمال میں حد اوسط پر قائم نہیں رہتا۔ بلکہ افراط و تفریط کی طرف نکل جاتا ہے۔ اس نکتہ کو واضح کرنے کے لئے ان صحابہؓ کی مثال بیان کی ہے جو عبادت پر حد سے زیادہ زور دیتے تھے۔ نماز پڑھنے کے لئے جو کھڑے ہوئے، ساری رات نماز پڑھتے رہے۔ روزہ جو شروع کیا تو لگاتار بغیر افطاری یا سحری

کھانے کے روزہ رکھتے رہے۔ گویا اطاعت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے زور سے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ یہ کمیٔ علم کا نتیجہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی اس غلطی کی اصلاح فرماتے تو وہ آپؐ کو یہ جواب دیتے کہ آپؐ کو تو اعمال کی اتنی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپؐ بخشے گئے ہیں۔ یہ جواب بھی لاعلمی کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت تو اور بھی زیادہ شکر گذاری کو چاہتی ہے۔ یہ مثال نہایت خوبی سے اس امر کو واضح کرتی ہے کہ ایمان بغیر سچی معرفت کے کس قدر خطرہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب کہ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللّٰهِ اَنَا اس راز کو منکشف کرتا ہے کہ حقیقی تقویٰ بغیر علم کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس قدر کسی کو معرفت الٰہی ہوگی اسی قدر زیادہ وہ متقی ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے ایمان کی بحث میں قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت اور اس حدیث کو لاکر ضمناً ان فرقوں کا ردّ خوبی سے کر دیا ہے۔ جو ایمان کی تعریف میں افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں۔ نہ محض زبان کا اقرار، جس کا اثر دل میں نہیں کسی کو مومن بناتا ہے؛ جیسا کہ کرامیہ فرقہ کا خیال ہے۔ بلکہ ایسا ایمان لغو قسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ محض عملی جہت پر زیادہ زور دینا کسی کو معرفت الٰہی وتقویٰ اللہ کے حقیقی مقام پر نہیں پہنچاتا۔ عربی میں گناہ کے لئے کئی ایک لفظ ہیں: ذَنْبٌ، خَطِیْئَةٌ، جنَاحٌ، بَأْسٌ، اِثْمٌ، جرْمٌ اور جَنَایَةٌ۔ ان سب کے مفہوموں میں فرق ہے جن کے مترادف الفاظ اردو زبان میں نہیں۔ ذَنْبٌ کے معنی بشری کمزوری، غَفْرٌ کے معنی ڈھانکنا، پردہ ڈال دینا۔ مِغْفَرٌ خَود کو کہتے ہیں جو سر کو ڈھانپتا ہے۔ مَغْفِرَت کے معنی ہیں پردہ پوشی کرنا، گناہ اور انسان کے درمیان پردہ ڈال دینا۔ یعنی اس کو گناہ سے بچالینا۔ امام قسطلانیؒ نے اس کے یہی معنے کئے ہیں: حَالَ بَیْنَکَ وَ بَیْنَ الذُّنُوْبِ فَلَا تَأْتِیْهَا...... الخ. (ارشاد الساری جزء اول صفحہ ۱۰۳) یعنی ہم نے تیرے اور گناہ کے درمیان روک ڈال دی ہے۔ پس تجھ سے گناہ صادر نہیں ہوتے۔ انبیاء کے لئے لفظ مغفرت انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے دوسرا مفہوم مغفرت کا امام قسطلانیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ گناہ کی سزا سے بچالینا۔ صحابہؓ کا مذکورہ بالا قول اس آیت کی طرف اشارہ کرتا ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا . لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ ..... (الفتح :۲-۳) {ترجمہ: یقیناً ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح عطا کی ہے۔ تا کہ اللہ تجھے تیری ہر سابقہ اور ہر آئندہ ہونے والی لغزش بخش دے۔.....}

بَاب ١٤

مَنْ كَرِهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ مِنَ الْإِيْمَانِ

یہ بھی ایمان سے ہی ہے کہ کوئی کفر میں لوٹنا ایسا ہی برا سمجھے جیسا آگ میں پڑنا

٢١: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

۲۱: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، حضرت انسؓ نے نبی

وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَّا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَّكْرَهُ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ.

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: تین باتیں جس میں ہوں وہ ایمان کا مزہ پالیتا ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ اور اس کا رسول دوسری تمام چیزوں سے بڑھ کر پیارے ہوں اور وہ جو کسی شخص سے محبت رکھے اور محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اس سے محبت رکھے اور وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے چھڑایا ہوا اور پھر اس کے بعد وہ کفر میں لوٹنا ایسا ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالا جانا۔

تشریح: یہ مضمون حدیث نمبر ۱۶ باب حلاوت الایمان میں گذر چکا ہے۔اس حدیث کی سند پہلی حدیث کی سند سے مختلف ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ استنباط احکام وغیرہ کے لئے جب بھی کسی حدیث کو دہرائیں گے تو حتی الوسع اس کو ایک نئی سند کے ساتھ بیان کریں گے۔تا کہ سند کے تعدد کی وجہ سے اس کی صحت کو اور بھی تقویت حاصل ہو۔

یہاں پر مستقل باب باندھنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ کفر جو ایمان کی ضد ہے اس سے نفرت کرنا بھی ایمان کا جزو ہے۔ **كُفْرٌ** کے معانی عربی زبان میں ڈھانپنا، تاریکی کا چھا جانا۔تاریکی تمام چیزوں کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔اس میں سیاہ وسفید کی تمیز نہیں رہتی۔اس لیے کفر وہ جہالت کی تاریکی ہے جو برے بھلے اور حق وناحق میں تمیز نہیں کرنے دیتی۔ قرآن مجید نے اس وجہ سے کفر کو ظلمات یعنی تاریکیوں سے تعبیر کیا ہے اور ایمان کو نور سے۔نفس مضمون کے ساتھ تعلق کے لیے حدیث نمبر ۱۶ کی تشریح ملاحظہ ہو۔

بَاب ١٥: تَفَاضُلُ أَهْلِ الْإِيْمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

ایمان والوں کا اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہونا

٢٢: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى

۲۲: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔انہوں نے عمرو بن یحییٰ مازنی سے،عمرو نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی

أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَا أَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِّنْ خَيْرٍ.

ایمان ہے اس کو نکال دو تب وہ آگ سے نکلیں گے اور حالت یہ ہوگی کہ وہ جھلس کر سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر وہ زندگی کی نہر میں ڈالے جائیں گے۔ مالک کو شک ہے کہ راوی نے بارش☆ کہا یا زندگی کی نہر۔ پھر وہ اسی طرح نشو ونما پائیں گے۔ جس طرح سیلاب کی لائی ہوئی (زرخیز) مٹی میں دانہ نشو ونما پاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ دانہ پہلے زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ وہیب نے کہا: ہم سے عمرو نے زندگی کا لفظ بیان کیا اور بجائے رائی برابر ایمان کے رائی برابر نیکی کہا۔

۲۳: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ابْنِ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا أَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنَ.

۲۳: ہم سے محمد بن عبید اللہ نے بیان کیا، کہا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے ابوامامہ بن سہل (بن حُنَیف) سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ اتنے میں مَیں نے (خواب میں) دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ کُرتے پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کرتہ تو چھاتی تک پہنچتا ہے اور کوئی اس سے نیچے تک اور عمرؓ بن خطاب بھی میرے سامنے لائے گئے اور وہ بھی کُرتہ پہنے تھے۔ جسے وہ (لمبائی کی وجہ سے) گھسیٹ رہے تھے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ آپؐ نے فرمایا: دین۔

☆ ان معانی کے لیے دیکھئے: فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۰۰۔ نیز المنجد تحت لفظ ''حیی''۔

تشریح: مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَان: حدیث نمبر۲۲ کا مضمون یہ ہے کہ جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ سے بالآخر نکالے جائیں گے اور باب کا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے کہ اعمال کی وجہ سے اہل ایمان کا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہونا۔ یہ باریک استنباط امام بخاریؒ نے اس سے کیا ہے کہ دوزخ سے نکلنے والے کچھ نہ کچھ ایمان رکھتے ہوں گے۔ یعنی مومن جس کا ایمان ناقص ہے دوزخ میں جائے گا اور یہ ایمانی نقص اعمال صالحہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایمان کو قرآن مجید نے درخت قرار دیا ہے اور عمل کو پانی۔ کچھ مومن جنت میں اور کچھ مومن جو دوزخ کے مستحق ہوں گے؛ دوزخ میں جائیں گے۔ یہ تفاوت جو اُن میں ہوا محض اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوا۔ اس وقت بھی جبکہ وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے؛ ایمان کی نشوونما کے لئے پھر اُن کو ایک قسم کے آبِ حیات کی ضرورت ہوگی جو ایمان کو اسی طرح سینچے گا جس طرح اس دنیا میں سینچتا ہے۔ اسلامی اعتقاد کی روح سے دوزخ کی سزا محض ایک استعداد وقابلیت پیدا کرنے کے لئے ہوگی اور دوزخ سے نجات پانے پر انسان کو ایک نئی زندگی شروع کرنے کا سامان ملے گا اور وہ اس قانونِ ربوبیت کے ماتحت نئی زندگی حاصل کریں گے جو اس دنیا میں جاری ہے۔ یہ مراد ہے دانے کی مثال دینے سے اور اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایمان بغیر اعمال کے اس دانے کی مانند ہے، جو بغیر پانی کے نشوونما نہیں پاتا اور ضمناً ان فرقوں کا بھی ردّ کیا گیا ہے۔ جن کی طرف علامہ عینی نے اپنی شرح میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی مرجیہ وغیرہ کا جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ گنہگار ہمیشہ آگ میں رہیں گے خالی ایمان قطعاً کوئی نفع نہیں دے گا۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ۱۷۲) دائمی سزا کی بحث آگے آئے گی۔ اس ضمن میں دیکھیں روایت نمبر۲۵۔

قَالَ وُهَيْبٌ: وہیب کی روایت کی طرف جو امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ کی بجائے خَرْدَلٍ مِّنْ خَيْرٍ کہا؛ یہ اپنے استنباط کو مضبوط کرنے کے لئے کہ اس حدیث سے اصل مراد اعمال کا ہی تفاوت ہے۔

بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَّأَيْتُ النَّاسَ ....: گو یہ ایک خواب ہے مگر سچی خواب کے نظارے واقعات وحقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور وہ معانی کو تمثیلات کے رنگ میں دکھلاتے ہیں۔ ''قمیص'' جو کہ انسان کا ننگ ڈھانپتی ہے، عالم خواب میں ''دین'' کے مترادف ہے۔ قمیص پہننے سے عمل مراد ہے اور اس کا چھوٹا بڑا ہونا قلت وزیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے بھی اسی مضمون کا استدلال کیا ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ''دین'' - ایمان اور اسلام دونوں کے مفہوم کو شامل رکھتا ہے۔ اعمال کی وجہ سے بعض لوگ دین میں ناقص تھے اور بعض کامل۔

بَاب ١٦ : اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ

حیا بھی ایمان ہی میں سے ہے

٢٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْهِ	۲۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا کہ مالک بن انس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے،

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيْمَانِ.

سالم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے اور وہ حیا کے متعلق اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا (کہ اتنی حیا نہ کیا کرو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کیونکہ حیا بھی ایمان ہی میں سے ہے۔

تشریح: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَان: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعمال کو اتنی بڑی اہمیت ہے کہ وہ طبعی قوت یا حالت انفعال (یعنی حیا) جو بدیوں سے روکنے کا موجب ہوتی ہے، اس کو بھی آپؐ نے ایمان کی جزء قرار دیا ہے۔ بے شک حیا کا غلط استعمال بعض وقت اچھی باتوں سے بھی انسان کو روک دیتا ہے۔ مگر یہاں ایسی حیا مراد نہیں۔ امام بخاریؒ نے ایمان کی بحث کے ضمن میں حیا کے متعلق جو ایک مستقل باب قائم کیا ہے اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایمان کا تعلق زیادہ تر نفسی کیفیات سے ہے۔ اسلام ان کیفیات کو ظاہر میں ایک عملی وجود دیتا ہے۔ اسلام کیا ہے؟ انسان کے ظاہر کا اس کی اپنی معنویات کے جو ایمان کے اجزاء ہیں تابع ہو جانا۔

بَاب ۱۷

فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبة: ۵)

اگر وہ رجوع کرلیں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو

۲۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْرَوْحٍ الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَّاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا

۲۵: ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابو رَوح حرمی بن عمارہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے واقد بن محمد سے روایت کی۔ کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا۔ وہ حضرت ابن عمرؓ سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمدؐ

اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذَلِكَ عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

اللہ کا رسول ہے اور یہ کہ وہ نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں۔ پس اگر وہ یہ کرلیں تو انہوں نے اپنے خونوں اور اپنے مالوں کو مجھ سے بچالیا، سوائے اس کے کہ جہاں اسلام ضروری قرار دیتا ہے اوران کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح: **فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ**: یہ آیت سورۃ توبہ کی ابتدائی آیتوں میں سے ہے۔ جس میں ان مشرکوں سے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جنہوں نے بدعہدی اورغداری کی اوراپنے معاہدے پر قائم نہ رہے۔ اس آیت کے ماقبل اور مابعدان مشرکوں کا ذکر ہے جو اپنے معاہدات پر قائم رہے اوران سے نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لڑائی منع فرمائی بلکہ انہیں پناہ دینے اوران سے نیک سلوک کرنے کا بھی حکم دیا۔ لیکن جن لوگوں نے صلح کرکے پھر مسلمانوں پر چھاپے مارے اورانہیں دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ان کی یہ سزا مقرر کی ہے۔ (دیکھئے سورۃ التوبة:۵تا۷)

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ ...: امام بخاریؒ نے اس حدیث کو سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت کے ماتحت لاکر یہ واضح کردیا ہے کہ کس قسم کے لوگوں سے یہ جنگ جاری رکھنی تھی۔ النَّاسُ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر صاف الفاظ میں سورۃ توبہ کی مشارٌ الیها آیات میں ہے۔ ہر ایک پڑھنے والا تھوڑے سے تدبر سے بھی معلوم کرسکتا ہے کہ قرآن مجید کا صریح حکم ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (البقرة:۲۵۷) یعنی دین میں جبر نہیں۔ نیز فرماتا ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ (البقرة:۱۹۴) یعنی تم ان (لڑنے والوں) سے اس وقت تک لڑتے رہو کہ فتنہ نہ رہے اوردین محض اللہ ہی کی خاطر ہو۔ یعنی کسی کے خوف کی وجہ سے اسے اختیار یا ترک نہ کیا جائے۔ ''قَاتَلَ'' باب مفاعلہ سے ہے۔ ''مُقَاتَلَه'' معنی ہیں مدمقابل جو لڑنے والا ہے، اس سے لڑنا۔ یہ آیت سورۃ بقرہ کی ہے جو صلح حدیبیہ سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اگر اس کا یہ مفہوم ہے کہ جب تک سارے لوگ مسلمان نہ ہوجائیں ان کی گردنیں اڑاتے چلے جاؤ تو حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے ان مشرکوں سے صلح کیوں کی جبکہ مذکورہ بالا حکم موجود تھا۔ اس وقت صحابہ لڑائی پر زور دیتے تھے۔ تعداد بھی کافی تھی۔ جس سے کفار مرعوب تھے اور صلح کو بھی انہوں نے اسی لئے غنیمت سمجھا۔ ورنہ اگر تعداد کم ہوتی تو وہ بھیڑیوں کی طرح ان پر لپک پڑتے۔ غرض جن سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے متعلق قرآن مجید صریح فرماتا ہے۔ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ...... (البقرة:۱۹۱) ان لوگوں سے اللہ کی خاطر لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ غرض امام بخاری رحمہ اللہ حدیث کے غلط مفہوم سے بچانے کے لئے باب میں آیت مذکورہ بالا لائے ہیں۔ تا ''النَّاس'' سے صحیح مراد سمجھی جائے۔ ورنہ بظاہر نفس مضمون کو دیکھتے ہوئے باب کا عنوان یہ آیت نہیں ہو سکتی تھی۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک حدیث قرآن مجید کے تابع ہے۔

حدیث کا تعلق نفس مضمون کے ساتھ یہ ہے کہ محض ظاہری اعمال کا بجالانا حقیقت ایمان کے اعتبار سے کچھ معنی نہیں رکھتا، جب تک انسان کے اندر تغیر نہ ہو۔ وہ خطرناک دشمن جن کے متعلق جنگ بطور سزا کے تجویز کی گئی ہے، ان کے لئے بھی توبہ کی ضرورت ہے، جس کا تعلق درحقیقت دل کے رجوع اور باطنی تبدیلی کے ساتھ ہے۔ اگر وہ لوگ خود بخود رجوع باسلام ہو جائیں تو اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ ان کو بوجہ ان کی سابقہ دشمنیوں کے دھتکارا جائے۔ بلکہ وہ اسلامی اخوت میں منسلک ہو جائیں گے۔ خَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۔یعنی ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس حدیث سے استدلال کر کے ان مسلمان باغیوں سے جنگ کی جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم صرف کفار کے لئے ہی نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ان مسلمانوں کے لئے بھی تھا جنہوں نے بعض ارکان اسلام کی پابندی کرنے سے روگردانی کی جیسا کہ خاص حالات میں ان مشرکوں کے لئے بھی تھا۔ جنہوں نے بدعہدی اور غداری سے کام لیا تھا۔ (مزید وضاحت کے لئے دیکھئے روایت نمبر ۳۹۱-۳۹۲ کی تشریح)

اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کا جملہ نفس مضمون پر اور زیادہ روشنی ڈالتا ہے۔ ایک مسلمان شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرتے ہوئے اگر اسلامی حقوق کی نگہداشت نہیں رکھتا تو وہ بھی قابل مؤاخذہ ہے۔ صرف ایمان لا کر وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کے دو طرح معنے کئے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ جہاں اسلامی حقوق کا تعلق ہو۔ ''حَقّ'' مصدر ہے جو جمع کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں جہاں اسلام ان مالوں اور جانوں کے لینے کو ضروری قرار دیتا ہو۔ حَقَّ الْاَمْرَ : أَثْبَتَهُ وَاَوْجَبَهُ. (المنجد ،زیر مادہ ''حق'') یعنی اس کو ضروری قرار دیا۔ یہ متعدی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۱۰۴)

يُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكٰوةَ: شارحین حدیث نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ زکوٰۃ میں کیا خصوصیت ہے؟ باقی ارکان اسلام کو چھوڑ کر نماز کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل مالی قربانی ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کے اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (ال عمران : ۹۳) حقیقی نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم وہ نہ خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ مال بھی دنیا کا ایک بڑا معبود ہے۔ اس لئے اسلام نے جہاں اور قربانیاں تجویز کی ہیں، ان میں سب سے پہلے مالی قربانی رکھی ہے، تا انسان کے اخلاص کا پتہ چلے۔ اسی اخلاص کی کمی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض مسلمانوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور جھوٹی توجیہیں تراشنی شروع کر دیں۔ غیر مسلم رعایا کے لیے جزیہ یعنی ٹیکس تھا۔ مسلمانوں کے لیے علاوہ جنگی خدمت کے زکوٰۃ بھی تھی۔ پس جس طرح ٹیکس نہ ادا کرنا بغاوت کے معنی رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کا زکوٰۃ نہ دینا بغاوت کے معنے رکھتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان باغی مسلمانوں سے جنگ کی جس کا واقعہ اسلامی تاریخ میں مشہور ہے۔

بَاب۱۸: مَنْ قَالَ إِنَّ الْإِيْمَانَ هُوَ الْعَمَلُ

جس نے کہا کہ ایمان اصل میں عمل ہی ہے

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف:۷۳) وَقَالَ عِدَّةٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر:۹۳) عَنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَقَالَ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ. (الصافات:۶۲)

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) یہ وہ جنت ہے جس کے تم بوجہ عمل کرنے کے وارث کئے گئے ہو اور کئی علماء نے آیت (فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار ہے اور فرمایا: (لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ) اس بات کی خاطر چاہیے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

۲۶: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ وَمُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ.

۲۶: ہم سے احمد بن یونس اور موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا۔ ان دونوں نے کہا: ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ابن شہاب نے ہمیں بتلایا۔ ابن شہاب نے سعید بن مسیّب سے، سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا عمل؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کون سا عمل؟ فرمایا: وہ حج ہے جس کے ساتھ نیکیاں ہوں۔

تشریح: اِنَّ الْاِيْمَانَ هُوَ الْعَمَلُ: مختلف استدلالات کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے عمل کی اہمیت بتلانے کے لئے ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔ عمل پر اس قدر زور دینے کی اصل وجہ یہی ہے کہ مرجئہ کا فتنہ ان دنوں

زوروں پر تھا اور بعض لوگوں نے یہاں تک غلو کیا کہ وہ صرف زبان سے کلمہ شہادت پڑھنے والے کو جنتی قرار دیتے تھے۔ خواہ دل میں ذرہ بھر اعتقاد نہ ہو۔ (عمدۃ القاری جزءاول صفحہ۱۸۴) امام بخاریؒ نے کئی آیات سے استدلال کیا ہے کہ اصل ایمان عمل ہی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے امام بخاریؒ پر اعتراض کیا ہے کہ روایت نمبر ۲۶ سے تخصیص کا مفہوم نہیں نکلتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایمان دل کا عمل ہے تو ایمان عمل کا جزء ٹھہرے گا۔ اس صورت میں وہ سارے کا سارا عمل نہیں ہوسکتا۔ عینی نے بھی امام نوویؒ کے اس اعتراض کی تائید کی ہے۔ امام بخاریؒ اور ان کے ہم خیال علماء کا استدلال آیت **تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** سے ہے۔ جس کی تائید ماقبل کی آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔ یہ آیت دو جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک سورۃ الاعراف: ۴۴ میں اور دوسرے سورۃ الزخرف: ۷۳ میں۔ ان دونوں مقامات میں مومنوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اعراف میں فرماتا ہے: **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ.** اور زخرف میں فرماتا ہے: **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ. مُسْلِمِيْنَ** سے مراد احکام الٰہیہ بجالانے والے ہیں۔ اس کے بعد دونوں جگہ فرماتا ہے۔ یہ وہ جنت ہے، جس کا تمہیں وارث کیا گیا ہے، اس لئے کہ تم عامل تھے۔ جنت میں داخل ہونے کی وجہ بیان کرتے وقت لفظ ایمان کی بجائے عمل کا لفظ اختیار کرنے سے یہی سمجھانا مقصود ہے کہ عمل ہی اصل چیز ہے۔ اس کے بغیر ایمان ایک ایسی شئے ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ . . . : اس باب کے ماتحت جس حدیث کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سے بھی اسی استدلال کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا ہے کہ کون سا عمل افضل ہے۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانا۔ گویا آپؐ نے ایمان کو عمل قرار دیا ہے، بوجہ اس تلازم کے جو دونوں کے درمیان ہے۔ **عِدَّةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ** سے مراد حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور مجاہد وغیرہ ہیں۔

اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:
(الحجر: ۹۲-۹۴) یعنی وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تیرے رب ہی کی قسم ہے کہ ہم ضرور ان سب سے پرسش کریں گے، ان اعمال کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔ اس کے بعد شرک اور مشرکوں کا ذکر کر کے فرمایا: **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔** انہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا۔ اس سے مذکورہ بالا علماء نے استدلال کیا ہے کہ **عَمَّا يَعْمَلُوْنَ** سے مراد مشرکانہ افعال ہیں اور یہ کہ ان سے کلمہ توحید کے متعلق پوچھا جائے گا۔ گو اس آیت سے یہ استدلال دور کا ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس خیال کا بھی ذکر کر دیا ہے کہ تا ان علماء کا نقطہ نظر بھی ضمناً معلوم ہو جائے جو ایمان کے مفہوم کو اتنی وسعت دیتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں بھی عمل سے مراد ایمان ہی لیتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ ایک اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے کہ ایمان ہی سارے کا سارا عمل ہے۔ یعنی ایمان کے بغیر عمل بے معنی شئے ہے۔ انسان کے تمام اعمال کا قبلہ رخ ایمان باللہ و ایمان بالرسول ہونا چاہیئے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی رو سے اعمال سارے

کے سارے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور اس کی مشیّت کے ماتحت ہونے چاہئیں جو رسولوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔
لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (الصافات: ۶۲) : یعنی اس کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔ یہاں "عمل"، کو نہ کہ محض "ایمان"، کو ذریعہ نجات اور کامیابی قرار دیا گیا ہے۔

جِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : سے ہر وہ کوشش مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل کام کے متعلق سوال کرنے والے کو کبھی یہ جواب دیا کہ بروقت نماز پڑھنا افضل ہے اور اس کے بعد والدین سے حسن سلوک کرنا اور پھر اس کے بعد جہاد اور کبھی یہ جواب دیا کہ اسلام میں بہتر عمل کھانا کھلانا ہے اور ہر ایک کے لئے سلامتی کی دعا کرنا ہے اور کبھی فرمایا: لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے سلامتی میں رکھنا۔ ابوبکر محمد بن علی شاشی نے اس اختلاف کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہ افضلیت نسبتی امر ہے اور خاص حالات و خاص لوگوں کو ملحوظ رکھ کر آپؐ نے موقع ومحل کے مطابق یہ جواب دئے ہیں۔ جس میں عقوق والدین دیکھا اس کو اُن سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ جن اعمال کا تعلق بنی نوع انسان کی بہبودی اور اصلاح سے ہے۔ ان میں سے جہاد کو افضل قرار دیا اور جن کا تعلق اپنے نفس سے ہے۔ ان میں حج کو افضل قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۱۸۹) وعلٰی هٰذا القیاس۔

بَاب ۱۹: إِذَا لَمْ يَكُنِ الْإِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ

جب اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو

وَكَانَ عَلَى الْاِسْتِسْلَامِ أَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا (الْحجرات: ۱۵) فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيْقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ. (آل عمران: ۲۰)

اور صرف ظاہری تابعداری کے معنوں میں ہو یا قتل کے ڈر سے ہو تو وہ بھی ایک معنی سے اسلام ہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا) اہل بادیہ نے کہا: ہم نے مان لیا۔ (انہیں) کہو: تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں اور جب اسلام اپنی حقیقت پر ہو تو اللہ جل شانہ کے قول (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ) کے مطابق ہوگا۔ یعنی دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

۲۷: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدٍ

۲۷: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زہری سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص نے

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَّسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا { فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ☆ } ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِي وَعَادَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يَّكُبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ وَرَوَاهُ يُوْنُسُ وَصَالِحٌ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ مال دیا اور حضرت سعدؓ بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا کہ جو مجھے اُن سے زیادہ پسند تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ نے فلاں کو کیوں چھوڑ دیا؟ بخدا میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: یا مسلم۔ اس پر میں تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر جو کچھ میں اس کے متعلق جانتا تھا، اُس نے مجھے مجبور کیا اور میں نے اپنی بات دہرائی اور کہا آپؐ نے فلاں سے کیوں اعراض کیا ہے؟ بخدا میں تو اسے مومن ہی سمجھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: یا مسلم۔ (اس پر تھوڑی دیر میں خاموش رہا۔☆) پھر جو کچھ میں اس کے متعلق جانتا تھا، اس نے مجھے مجبور کیا اور میں نے اپنی بات دہرائی اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے سعد! میں ایک شخص کو دیتا ہوں، مبادا کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اوندھا نہ گرا دے۔ حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اس حدیث کو یونس اور صالح اور معمر اور زہری کے بھتیجے نے بھی زہری سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے قرآن مجید کی آیتوں کی بناء پر لفظ اسلام کے دو مختلف مفہوموں کی وضاحت کی ہے۔ ایک تو ظاہری فرمانبرداری اور دوسری حقیقی فرمانبرداری جو اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہے اور ان آیتوں سے ایک باریک استدلال کیا ہے کہ ایمان کا تعلق اس حقیقی اسلام سے ہے جو اس آیت کا مقصود ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ محض زبانی اقرار کے ساتھ نہیں۔ اسلام بھی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ خالص مصفّٰی ایمان ہو اور ایمان بھی وہی

☆ الفاظ "فَسَكَتُّ قَلِيْلًا" نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۱۰۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

معتبر ہے جس کے ساتھ حقیقی فرمانبرداری ہو۔ یہ مضمون ہے ان آیات کا جن کی طرف امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تابعداری ظاہر میں ہو اور دل سے نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔

مُؤْمِنًا... اَوْ مُسْلِمًا : امام بخاریؒ اس باب میں جو حدیث لائے ہیں، اس سے انہوں نے ایمان اور اسلام کے درمیان اصل فرق کو واضح کیا ہے۔ یعنی ایمان باطنی کیفیت کا نام ہے جبکہ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب سکھلایا ہے کہ کسی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اندرونے کا علم یقینی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ جس صحابی کو آپؐ نے دینا مناسب نہ سمجھا وہ حضرت جُعَیلؓ بن سراقہ مخلص مہاجر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے محبت رکھتے تھے۔ مگر باوجود اس کے آپؐ نے حضرت سعدؓ کے بار بار زور دینے پر انہیں یہ ادب سکھلایا اور اس فرق کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی جو درحقیقت ایمان و اسلام کے درمیان ہے۔ ظاہر کی بناء پر ہم کسی کے متعلق اس قدر فتویٰ دے سکتے ہیں۔ جہاں تک کہ ظاہر کا تعلق ہے ظاہری اقرار کی بناء پر کسی کے حقیقی ایمان کے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس میں بھی فرقہ مرجئہ کا ردّ ہے؛ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف زبان کے اقرار سے ایک شخص نہ صرف مومن بلکہ جنتی بھی ہوتا ہے خواہ وہ دل سے اعتقاد رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ گویا ان کے نزدیک صرف کلمہ شہادت جنت میں جانے کے لئے کافی ہے۔

اِنِّیْ لَأُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةً اَنْ يَّكُبَّهُ اللّٰهُ : اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور لوگوں کا بھی خیال رکھنے کی تعلیم دی۔ تا ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ٹھوکر کھائیں۔ ایک کمزور پودا جس نگرانی کا محتاج ہوتا ہے بڑا درخت اس قدر محتاج نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ایمان کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھا ہے۔ اس امر میں بعض نادان لوگ بہت غلط رویہ اختیار کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ٹھوکر کھانے والے انسان کو ہر ایسے امر سے بچائے رکھیں جو ٹھوکر کا موجب ہوتا ہے، وہ خود اس کی ٹھوکر کا باعث بن جاتے ہیں اور بجائے مشفقانہ رویہ اختیار کرنے کے ان کمزوروں کے ایمان پر علی الاعلان حملہ کرتے ہیں اور اس طرح ان کو اور دھکا دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فَدَتْهُ نَفْسِیْ) اس امر میں اس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے کہ دوسرے کے سامنے کسی کے ایمان کی خاص طور پر تعریف کرنے سے بھی منع فرماتے۔ نہ صرف اس لئے کہ بعض وقت منہ پر تعریف کرنا اس شخص کے لئے نقصان کا موجب ہوتا ہے، جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ بلکہ ایک قسم کے مقابلہ سے بعض وقت گویا دوسرے کے ایمان اور رویہ پر بھی حملہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس ایک واقعہ میں چار سبق سکھلائے ہیں:- ١۔ اسلام و ایمان میں فرق ٢۔ الفاظ کا برمحل استعمال کرنا ٣۔ مؤلفۃ القلوب کا خیال رکھنا ٤۔ کسی کی بے سوچے سمجھے ایسے طور سے تعریف نہ کرنا کہ دوسروں کے ایمان یا رویہ پر حملہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ حکمت و اصلاح کا خزانہ ہے۔ اس کی مثالیں آئندہ بہت سی آئیں گی۔

بَاب ٢٠ : إِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کورواج دینا بھی سلام سے ہے

وَقَالَ عَمَّارٌ ثَلَاثٌ مَّنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيْمَانَ الْإِنْصَافُ مِنْ نَّفْسِكَ وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ.

اور حضرت عمارؓ کہتے تھے۔تین باتیں جس نے اپنے اندر جمع کرلیں اس نے سارا ایمان حاصل کرلیا۔ (اول) اپنے نفس سے انصاف کرنا۔(دوم) ہر شخص کے لئے سلامتی کی دعا کرنا۔(سوم) باوجود تنگدستی کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

٢٨ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.

٢٨: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے یزید بن ابی حبیب سے، یزید نے ابوالخیر سے، ابوالخیر نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سا عمل اسلام میں سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلامتی کی دعا دے، اسے بھی جسے تو جانتا ہے اور اسے بھی جسے تو نہیں جانتا۔

تشریح: **اَلْاِنْصَافُ مِنْ نَّفْسِكَ:** اپنے نفس سے انصاف کرنے کے ایک معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کا وہ حق ادا کرنا جو کھانے، پینے، پہننے وغیرہ ضروری امور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔اس کو بلاوجہ تکلیف میں نہ ڈالنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اپنے حقوق کی حدود کے اندر رہنا۔انسان جو عموماً دوسروں کے معاملہ میں تو انصاف کرتا ہے۔لیکن جب اپنا معاملہ آجائے تو انصاف بھول جاتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے دوسرے کا حق دلائے۔سلامتی اس وقت مفقود ہوتی ہے، جب ہم میں سے کوئی اپنے حقوق سے آگے بڑھنے لگتا ہے۔اگر ہم اپنے حقوق پر قانع رہیں اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ نہ ڈالیں تو افرادِ بشر کے درمیان امن رہے۔

تیسرے یہ معنی ہیں کہ اپنے واجبات و ذمہ داریوں کو سمجھ کر ادا کرے۔دوسروں سے جو بات اپنے لئے چاہتا ہے دوسروں کے لئے بھی اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے۔غرض ہر معنی میں یہ تعلیم حقیقی سلامتی کا موجب ہے۔

بَـذْ لُ السَّلَامِ لِلْعَا لَمِ : سے مراد یہ ہے بغیر اپنی ذات پات اور قومیت کی تمیز کے سب کے لئے سلامتی کا موجب اور سلامتی کا خواہاں ہو۔ یہ ان مکارم اخلاق کی ایک مثال ہے، جس کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو دی۔

اَلْاِنْفَاقُ مِنَ الْاِقْتَارِ : یعنی تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔ آپ نے ان الفاظ میں سلامتی کا مفہوم پورے طور پر واضح فرما دیا ہے۔ بَذْلُ السَّلَام کا ایک مفہوم سلبی اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی انسان اپاہج کی طرح بیٹھ جائے کسی کو ضرر نہ دے۔ لیکن آپؐ کی یہ مراد نہیں بلکہ یہ ہے کہ تنگدست ہو کر بھوکوں کو دے اور دکھیاروں کے دکھ دور کر کے انہیں سلامتی بخشے۔ یاد رہے کہ یہ اسلام کا ایک عام مفہوم ہے اور یہ مکارم اخلاق میں اسلامی تعلیم کا پہلا زینہ ہے۔ کمال نہیں۔

امام بخاریؒ نے باب کے عنوان میں **بَـذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ** کہہ کر **تَـقْـرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَـعْـرِفْ** کی مزید تشریح کر دی ہے اور حضرت عمارؓ بن یاسر کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں، یہ بھی ایک مستند مرفوع حدیث نبوی کے الفاظ ہیں؛ جو حضرت عمارؓ بن یاسر صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۱۴)

اس باب میں امام بخاریؒ نے اسلام کا ایک تیسرا مفہوم بیان کیا ہے۔

''مطلق سلامتی کا موجب ہونا اپنے لئے اور غیر کے لئے''

بَاب ۲۱ : كُفْرَانُ الْعَشِيْرِ

شوہر کی ناشکری

وَكُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ فِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

اور کفر بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ اس بارے میں حضرت ابوسعید خدریؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بیان کی ہے۔

۲۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ قِيْلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ

۲۹: عبداللہ بن مسلمہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جہنم دکھایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں اکثر عورتیں ہیں۔ کفر کرتی ہیں۔ پوچھا گیا: کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: شوہر کی ناشکر گذاری کرتی

وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

ہیں اور احسان فراموش ہوتی ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی پر زمانہ بھر بھی احسان کرتا رہے اور پھر وہ تجھ سے کچھ ایسی ویسی بات دیکھے تو کہہ دے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھی بھلائی نہیں دیکھی۔

تشریح: **كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ**: جس طرح گذشتہ حوالہ جات میں امام موصوفؒ نے اسلام کے مختلف مفہوم بیان کئے اسی طرح اس باب میں بھی کفر کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں اور یہ بتلایا ہے کہ اس کے بھی مدارج ہوتے ہیں۔ کفر کے معنی روایت نمبر ۲۱ کی تشریح میں ملاحظہ ہوں۔ امام بخاریؒ نے جس حدیث کو یہاں چنا ہے، اس میں کفر کے معنی اللہ تعالیٰ کے انکار کے علاوہ ناشکر گزاری بھی کئے گئے ہیں۔ **كُفْرٌ دُوْ نَ كُفْرٍ** کہہ کر یہ بتلایا ہے کہ کفر جس نوعیت کا بھی ہو، اس کے مراتب ہوتے ہیں۔ كُفْرٌ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا انکار بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی بعض صفات کا انکار بھی ہوسکتا ہے اور اس کے احکام کی نافرمانی بھی ہوسکتی ہے۔ ہر ایک بداعتقادی اور نافرمانی اپنے اندر کفر کا شائبہ رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہر اچھے اعتقاد اور ہر اطاعت کے اندر ایمان کی جھلک ہوتی ہے اور کفر کے چھوٹا بڑا ہونے کے یہ معنے نہیں کہ وہ سزا کا مستحق نہیں۔ یہی ناشکر گذاری ایک ایسا کفر ہے کہ جس کی وجہ سے عورتیں جہنم میں ہیں۔ **رَأَيْتُ** کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کشف یا خواب کا نظارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا اور روزمرہ کے واقعات ومشاہدات اس کی صحیح تعبیر ہیں۔ جس قدر عورتیں ناشکر گذاری کی وجہ سے بالعموم حسرتوں اور دکھوں کی آگ میں ہیں اس قدر مرد نہیں۔ جو شخص قانع نہیں اور وہ جس کی نظر ان نعمتوں کی طرف نہیں جو اس کو حاصل ہیں۔ بلکہ دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر للچاتا اور واویلا کرتا ہے، وہ یقیناً ہمیشہ اپنے دل میں جہنم کی آگ رکھتا ہے۔ ہاں وہ جو موجودہ نعمتوں پر شکر گذار اور قناعت کا سانس لیتے ہوئے مزید فضل کا امیدوار ہے وہ راحت میں ہے۔ عورت کا اصل چین خاوند کی شکر گذاری اور وفاداری میں ہے۔ اس کے بغیر اس کا گھر بار اس کے لئے ایک جہنم ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس لطیف کے اس نقص کی اصلاح فرمائی ہے جو عموماً ان کی ساری لطافتوں کو بدمزگی میں تبدیل کردیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض کفر ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جس میں ایک مسلمان بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔

باب مذکور میں الفاظ **فِيْهِ عَنِ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیّ عَنِ النَّبِیِّ** ﷺ جو ہیں ان سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کی غرض اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا ہے جو کتاب الحیض باب ترک حائض الصوم میں مروی ہے۔ **كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ** بھی حدیث نبوی کے ہی الفاظ ہیں۔ جو امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الایمان میں عطاء بن رباح وغیرہ سے نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۱۴)

بَاب ۲۲ : اَلْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ

گناہ جاہلیت کے کام ہیں

وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ. (النساء: ٤٩)

اور گنہگار گناہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا۔ مگر شرک کرنے سے (کافر ہو جاتا ہے۔) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک شخص سے) فرمایا: تُو تو ایسا شخص ہے جس میں جاہلیت ہے اور نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اِنَّ اللّٰـهَ لَا يَغْفِرُ) اللہ اس بات کی مغفرت نہیں کرتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور جس کے لئے چاہے اس کے سوا کی مغفرت کرتا ہے۔

۳۰ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَّاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ.

۳۰: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے واصل احدب سے، واصل نے معرور سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابوذرؓ (غفاری) کو ربذہ مقام میں ملا اور وہ ایک نیا جوڑہ پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی ایک نیا جوڑہ پہنے ہوئے تھا۔ اس پر میں نے ان سے اس کی بابت پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ میری ایک شخص سے گالی گلوچ ہوئی تو میں نے اس کو اس کی ماں کا طعنہ دیا۔ اس پر مجھے نبی ﷺ نے فرمایا: ابوذر کیا تم نے اس کو ماں کا طعنہ دیا۔ تم تو ایک ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت ہے۔ تمہارے بھائی ہی تمہارے نوکر چاکر ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو تو چاہیے کہ جس کھانے سے وہ خود کھاتا ہے، اس سے اس کو بھی کھلائے اور جو وہ پہنتا ہے، اس سے اس کو بھی پہنائے اور تم انہیں ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان کی طاقت سے بالا ہو اور اگر تم انہیں ایسے کام کی تکلیف دو تو پھر ان کی مدد کیا کرو۔

تشریح: **اَلْمَعَاصِیْ:** اس باب میں امام بخاریؒ نے معصیت وکفر کے درمیان ایک باریک فرق بتلایا ہے۔ معصیت کے معنے مطلق نافرمانی۔ خواہ کسی واجب فعل کا چھوڑنا ہو یا کسی حرام فعل کا کرنا اور ''کفر'' کے مفہوم میں نہ صرف بداعتقادی شامل ہے بلکہ معصیت بھی۔

لَا یُکَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِکَابِهَا: کہہ کر اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی معصیت کے ارتکاب سے کوئی شخص کافر نہ ٹھہرایا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص محرمات کو حرام یقین کرتا ہو۔ پھر وہ اس کا مرتکب ہو جائے تو اپنے اعتقاد کے لحاظ سے وہ کافر نہیں ہوگا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اختیار کرتے ہوئے ہر لفظ اپنے صحیح مفہوم میں استعمال کرنا چاہیے۔ (حدیث نمبر ۲۷ بھی دیکھئے)

اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَیَّرْتُهُ بِأُمِّهِ: حضرت ابوذرؓ نے حضرت بلالؓ کو باپ کے طعنے کے جواب میں ماں کا طعنہ دیا تھا۔ کہا: ''اِبْنُ السَّوْدَاءِ'' کلوٹی یعنی لونڈی کے بیٹے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برا ماننے پر حضرت ابوذرؓ نے معذرت کی کہ جو باپ کو گالی دیتا ہے وہ ماں کی سنتا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ ابھی تک تم میں زمانہ جاہلیت کی بے وقوفی باقی ہے۔ اس ناشائستہ حرکت کو آپؐ نے جاہلیت سے تعبیر فرمایا۔ آپؐ کی اس سے یہ مراد نہ تھی کہ حضرت ابوذرؓ کافر تھے۔ اس واقعہ سے امام بخاریؒ نے ایک تو یہ مسئلہ مستنبط کیا اور دوسرے اس سے یہ سمجھایا ہے کہ شرک بھی ایک گناہ ہے اور یہ طعنہ بھی ایک گناہ ہے۔ مگر ان دونوں میں نتائج کے لحاظ سے فرق ہے۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے کہ جس سے انسان نہ صرف کافر ہی ہو جاتا ہے بلکہ وہ ایسا کافر ہوتا ہے: لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهِ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ. (النساء:۴۹) کہ وہ مغفرت کا مستحق نہیں رہتا۔ جبکہ اس کے نیچے جتنی معصیتیں ہیں، ان سب کے لئے مغفرت کی امید ہے۔ غرض اس آیت سے کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کی مزید تشریح کر دی گئی ہے۔ محولہ بالا آیت کے آخر میں ''اِثْمًا عَظِیْمًا'' کہہ کر شرک کو سب سے بڑا گناہ ٹھہرایا گیا ہے۔

یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ: قرآن مجید نے شرک کو بھی کفر گردانا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ. (البینه : ۲) یعنی اہل کتاب میں سے اور مشرکوں میں سے جو کافر ہیں، وہ باز نہیں آنے کے، جب تک بیّنہ ان کے پاس نہ آجائے۔ امام ابن حجرؒ نے غالباً اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے آیت مذکورہ بالا میں شرک سے کُفْرٌ بِالرَّسُوْلِ مراد لیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۱۶) مگر اس تخصیص کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسا کہ ابھی واضح ہو جائے گا۔

اس باب میں خارجیوں کا ردّ مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گنہگار کافر ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہ اندھا دھند فتویٰ قرآن مجید کے اس نص صریح یعنی یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ کے بالکل برخلاف ہے۔ خارجیوں کے نزدیک اگر کوئی گنہگار شخص بغیر توبہ کے مرجاتا ہے تو وہ ہمیشہ کی سزا پاتا ہے۔ مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جاسکتے ہیں۔ لِمَنْ یَّشَآءُ ہر ایک کو نہیں بلکہ انہی کو جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیّت

ہوگی۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مشیئت کا تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔جیسے ایک جگہ فرماتا ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (البقرہ:۱۷۴) اضطراری حالت میں زندگی بچانے کے لئے اگر کوئی شخص حرام چیز اس قدر کھاتا ہے جس سے وہ موت سے بچ جاتا ہے تو یہ گناہ بخشا جائے گا۔آیت لَا يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ میں بغیر توبہ کے مغفرت کا ذکر ہے۔ورنہ یوں تو مشرک بھی توبہ کے ساتھ بخشا جاتا ہے۔

مغفرت کے معنی چھپا دینا۔بعض نیکیاں بعض بدیوں کو چھپا دیتی ہیں اور اس طرح ان کا ازالہ کر کے انسان کے تزکیہ نفس کا موجب بن جاتی ہیں۔جیسے فرمایا: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا... (التوبہ:۱۰۲-۱۰۳) {اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔انہوں نے اچھے اعمال اور دوسرے بداعمال ملا جلا دیے۔بعید نہیں کہ اللہ اُن پر توبہ قبول کرتے ہوئے جھکے۔یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔تُو ان کے مالوں میں سے صدقہ قبول کرلیا کر، اس ذریعہ سے تو اُنہیں پاک کرے گا نیز اُن کا تزکیہ کرے گا۔} مگر شرک ایک ایسا گناہ ہے کہ بغیر توبہ کے کوئی نیکی اس کا ازالہ نہیں کرسکتی۔یہی مغفرت کا مفہوم ہے جو لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ میں مضمر ہے۔ان آیات میں شرک کو اِثْمًا عَظِيْمًا قرار دے کر فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا. (النساء:۸۷) یعنی یہ مشرک تزکیہ نفس کا دعویٰ کرتے ہیں۔اللہ ہی ہے جس کو چاہتا ہے گناہوں سے پاک کرتا ہے۔مشرک غیر اللہ کو درمیان میں لا کر معیار تزکیہ سے بالکل گر جاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ: اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ کہہ کر اخوت کو مقدم رکھا ہے۔یعنی بنی نوع انسان سب بھائی ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کہ کسی کے بھائی کو اس کا مددگار بنا دے۔اس لئے اس کے ساتھ وہ سلوک کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔حدیث لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ کی یہاں عملی تعلیم دی گئی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو غلامی کی لعنت سے رہائی بخشی اور نہ صرف یہ کہ آپؐ نے ان کے لئے معمولی سا طعنہ بھی ناپسند فرمایا۔بلکہ کھانے، پینے، کپڑا پہننے اور کام لینے میں بھی ان کو مساوات عطا فرمائی۔

آپ نے حضرت بلالؓ کو نہیں ڈانٹا، بلکہ حضرت ابوذرؓ پر ناراضی کا اظہار کیا جو علم وتقویٰ میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ کیونکہ انہی کا حق تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کے لئے جو لمبے عرصہ تک غلام رہ چکے تھے نمونہ بنتے۔کتاب الادب، باب ما ينهى من السباب واللعن میں بھی یہی واقعہ بیان ہوگا۔''**ربذہ**'' مدینہ سے تین پڑاؤ پر ایک مقام ہے۔حضرت **ابوذرؓ** ایک زاہد انسان تھے۔لوگوں نے جب جائدادیں بنائی اور مال جمع کرنے شروع کئے تو انہوں نے اس کو ناجائز قرار دیا جس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا۔حضرت عثمانؓ نے ان کے لئے مناسب خیال کیا کہ وہ ربذہ میں رہیں تا فتنہ نہ ہو۔

بَاب

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الحجرات: ١٠)

اوراگر مومنوں میں سے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو

فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

اُن کا نام بھی مومن ہی رکھا ہے۔

٣١: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ {قَالَ☆} حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ {قَالَ☆} حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ وَيُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي أَبُوبَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيْدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيْصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ.

۳۱: ہم سے عبدالرحمٰن بن مبارک نے بیان کیا، (کہا:☆) ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، (کہا:☆) ایوب اور یونس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حسن سے، حسن نے احنف بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں اس شخص (یعنی حضرت علیؓ) کی مدد کرنے کے لئے گیا تھا تو مجھے حضرت ابوبکرہؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کروں گا۔ انہوں نے کہا: لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں بھڑ جائیں تو قاتل بھی اور مقتول بھی دوزخ میں ہوں گے۔ اس پر میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو قاتل ہوا اور مقتول کس لئے؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کرنے پر حریص تھا۔

تشریح: وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا: بعض نسخوں میں الگ باب نہیں، بلکہ سابقہ باب کے ساتھ ہی یہ آیت شامل کی گئی ہے۔ دراصل اس کا تعلق بھی پہلے ہی مضمون کے ساتھ ہے۔ یہاں ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے، جو حضرت ابوبکرہؓ کی اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قتل کی نیت سے تلوار اٹھانے سے بھی ایک مسلمان مسلمان نہیں رہتا۔ بلکہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ بلکہ آپ مشار الیہ روایت کو آیت مذکورہ بالا کے ماتحت لا کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے والے دونوں گروہوں کو مومن

☆ اس جگہ لفظ "قَالَ"، نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ بولاق جزء اول صفحہ ۸۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

کہا ہے اوران میں سے اس فریق کے برخلاف جو صلح نہ کرے، مل کر جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ صلح سے انکار کرنے والے فریق کے لئے کسی اور عذابِ الٰہی کا وعید نہیں۔ اگر اس حدیث کا مفہوم محدود نہ کیا گیا اور انہیں غیر مومن کہہ کر جہنمی ٹھہرایا گیا تو قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کے صریح خلاف ہوگا۔ اس حدیث میں اس خونریزی کا ذکر ہے جو طیش میں آ کر کی جاتی ہے اوران آیات میں سیاسی جنگ کا ذکر ہے جس میں اجتماعی و دینی مفاد مدنظر ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث کی بنا پر ہر لڑائی کو معصیت قرار دے کر لڑنے والوں کو کافر اور جہنمی ٹھہرانا صریح غلطی ہے۔ قرآن مجید نے ان لڑنے والوں کے لئے جہنم کی سزا تجویز نہیں کی۔

قَالَ ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ: جس واقعہ کی طرف احنف بن قیس نے اشارہ کیا ہے، وہ جنگ جمل ہے جو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوئی۔ **هٰذَا الرَّجُلَ** سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ احنف بن قیس یہ حدیث سن کر پہلے تو رک گئے۔ مگر بعد میں جب ان کو اس اجتہادی غلطی کا علم ہوا تو وہ جنگ میں شریک ہوئے اور حضرت علیؓ کی انہوں نے مدد کی اور بلحاظ اجتہاد کے حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرہؓ پر ترجیح دی۔

كِلَا هُمَا فِي النَّارِ: کسی غلطی کی سزا ملنا یا نہ ملنا اور بات ہے۔ مگر اس غلطی کی وجہ سے کسی کو ایمان واسلام سے خارج قرار دینا اور بات۔

بَاب ۲۳: ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ

ظلم بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے

۳۲: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح قَالَ و حَدَّثَنِي بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ: الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ {أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ☆} (الأنعام: ۸۳)

۳۲: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ نیز مجھ سے بشر نے بیان کیا، کہا: محمد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان سے، سلیمان نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ☆ تو رسول اللہ صلی اللہ

☆ الفاظ ''اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ'' نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۱۱۸)
اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے: {وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ذریعے مشکوک نہیں بنایا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں امن نصیب ہوگا اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔}

قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ : إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. (لقمان: ١٤)

علیہ وسلم کے صحابہؓ کہنے لگے: ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا تو اللہ (عزوجل) نے یہ وحی نازل کی: اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. شرک ہی تو ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

تشریح: اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ: ظلم کے معنے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ. کسی چیز کو بے محل رکھنا۔ ہر اک قسم کی بداخلاقی اور ناجائز باتیں ظلم کے مفہوم میں شامل ہیں۔ کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کے عنوان کے ماتحت شرک کو سب سے بڑا کفر قرار دیا گیا ہے اور معمولی بداخلاقی کو بھی کفر قرار دیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ کے عنوان کے ماتحت شرک کو سب سے بڑھ کر ظلم قرار دے کر بتلایا کہ وہ کیوں گناہِ عظیم ہے؟ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے صفات خاصّہ الوہیت دوسروں کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ عبادت یعنی محبت واطاعت جو دراصل اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس میں غیروں کو شریک بنالیا جاتا ہے۔ انسان جو اس کا بندہ تھا اور اس کی مرضی پوری کرنے کے لئے آیا تھا۔ اپنے نفس کا یا اپنے جیسے انسان کا یا ادنیٰ ادنیٰ ہستیوں کا بندہ بن کر اپنے آپ کو اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتا ہے، جس پر کھڑا ہونے کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔ حقوق العباد میں ناجائز تصرف جس قدر ظلم ہے۔ حقوق اللہ میں ناجائز تصرف اس سے بدرجہا بڑھ کر ظلم ہے۔ یہ ظلم کا مفہوم ہے جو شرک میں پورے طور پر پایا جاتا ہے۔ شرک دراصل انسان کے غائیہ کمالیہ کو برباد کرنے والا ہے۔

ایمان کی بحث پہلے اثباتی رنگ میں تھی اور اب اس کے متعلق سلبی پہلو لیا گیا ہے۔ آیت وحدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے یہ بتلایا ہے کہ ایمان کامل وہ ہے جو شرک کی ملونی سے بکلی پاک ہو۔ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔(الانعام:۸۳) کامل امن اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کا حصہ ہے۔ جن کے ایمان میں کسی قسم کے شرک اور ظلم کی ملونی نہ ہو۔ ایمان اس وقت تک کامل نہیں ۔ جب تک کہ ایک طرف اعمال صالحہ اس کے ساتھ نہیں اور دوسری طرف وہ ہر قسم کے ظلم سے خالی نہیں ۔ کیونکہ شرک اور گناہ اور ہر قسم کا کفر اس کو ناقص کرتا رہتا ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ......: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ......الخ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی۔ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ ہے جو مکی زندگی کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی تھی اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ...... الخ۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۸۳ ہے جو ہجرت سے ایک سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ گویا ان دونوں سورتوں کے درمیان کم از کم چار پانچ سال کا عرصہ ہے۔ اس لئے الفاظ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سے سابقہ آیت کا صرف حوالہ دینا اور اس سے استدلال کرنا ہی مراد ہے۔ کسی قرینے (یعنی لفظی یا معنوی مناسبت) سے عرب لوگ بات مختصر بیان کرنے کے عادی تھے اور اس اختصار میں حد درجہ کے غلو تک پہنچے ہوئے تھے۔ اِنَّ اَبَا بَکْرٍ اَنْزَلَهٗ اَبًا ۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ابوبکر (یعنی دادا) کو باپ اتارا۔ لیکن مراد یہ ہے کہ حقوق وراثت میں دادا کو بمنزلہ

باب قرار دے کر اس کو باپ کا حصہ دلایا۔ یہاں بھی اس قسم کا حذف و اختصار ہے۔ چنانچہ امام علامہ عینیؒ اور دیگر شارحینؒ نے یہ روایت مستند طریق سے یوں بھی نقل کی ہے۔ فَقَالُوا اَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ اِيْمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ لَيْسَ كَذَالِكَ أَلَا تَسْمَعُوْنَ....اِلٰى قَوْلِ لُقْمَان.... یعنی آپؐ نے فرمایا: یہ مراد نہیں، لقمان کا قول تم نہیں سنا کرتے۔ یعنی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. دوسری روایت میں ہے۔ لَيْسَ كَمَا تَظُنُّوْنَ۔ جیسا تم سمجھتے ہو وہ نہیں اور ایک تیسری روایت میں ہے۔ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ یعنی یہاں ظلم تو بمعنے شرک ہے۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۲۱۵) غرض سورتوں کی تاریخوں سے نیز ان روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد صرف حوالہ دینا اور استدلال کرنا ہے۔ شانِ نزول کے بھی یہی معنے ہیں۔ یعنی آیت کو کسی مضمون یا واقعہ پر چسپاں کرنا، جیسا کہ اس میں اور بھی بہت سی مثالیں آگے آئیں گی۔

اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ: صحابہؓ نے ظلم سے مطلق گناہ مراد لیا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری آیت کے حوالہ سے اس کی تشریح فرما دی کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔

بَاب ٢٤: عَلَامَةُ الْمُنَافِقِ

منافق کی علامت

٣٣: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَبُوسُهَيْلٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

۳۳: ہم سے سلیمان ابوربیع نے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن جعفر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: نافع بن مالک بن ابی عامر ابوسہیل نے اپنے باپ (مالک) سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: منافق کی علامت تین باتیں ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔

٣٤: حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۳۴: ہم سے قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے عبداللہ بن مرۃ سے، مرۃ نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے

وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ.

فرمایا: چار خصلتیں جس میں ہوں۔ وہ پورا منافق ہوتا ہے اور جس میں ان خصلتوں میں سے ایک ہی خصلت ہو، اس میں نفاق کی بھی ایک ہی خصلت ہوگی۔ جب تک وہ اسے نہ چھوڑ دے۔ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے اور جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب عہد کرتا ہے تو عہد شکنی کرتا ہے اور جب جھگڑتا ہے تو گالی بکتا ہے۔ شعبہ نے بھی اعمش سے روایت کرتے ہوئے سفیان کی طرح یہی بیان کیا۔

تشریح: **عَلَامَةُ الْمُنَافِقِ:** ایمان کی بحث میں نفاق کا ذکر لانے سے بھی وہی مقصود ہے جو کفر اور شرک اور ہر قسم کی بداعتدالی اور ناشائستگی کے ذکر کرنے سے ہے۔ یعنی نفاق بھی ایمان کو ناقص کرنے والا ہے۔ اس باب کی دوسری حدیث سے یہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی جیسے جیسے کسی شخص میں ان علامتوں میں سے کوئی علامت پائی جائے گی ویسے ویسے اس میں نفاق زیادہ اور ایمان کم ہوتا جائے گا۔ نفاق کے معنے ہیں۔ باطن کا ظاہر کے ساتھ مطابق نہ ہونا یا واقعہ کے خلاف ہونا اور نفاق کی جو علامتیں آپؐ نے بتلائی ہیں وہ اس کی صحیح تفسیر ہیں۔ جھوٹ میں انسان کا قول وعدہ خلافی میں انسان کا فعل اور خیانت اور غداری میں اس کی نیت، یہ سب واقعہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ دوسری حدیث میں معاہدہ توڑنا اور گالی دینا مذکور ہے اور یہ بھی واقعہ کے خلاف کرنا یا کہنا ہوتا ہے۔ غرض یہ موٹی موٹی مثالیں ہیں نفاق کی حقیقت بیان کرنے کے لئے۔ دل میں ایمان نہ ہو زبان پر ہو، یہ بھی حقیقت حال کے خلاف ہے۔ یا ایمان ہو مگر اقرار نہ ہو، یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ یا ایمان ہو، عملاً اس کی تصدیق نہ ہو، یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ غرض جو بات بھی یہ رنگ رکھے گی وہ نفاق ہوگا۔ چونکہ نفاق بھی ایمانی حالت میں ایک بہت بڑا نقص ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے ایمان کے بعد اس کا بھی ذکر کیا۔

بَاب ۲۵ : قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيْمَانِ

لیلۃ القدر میں نمازِ تہجد کے لئے اُٹھنا بھی ایمان ہی سے ہے

۳۵: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ

۳۵: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابوزناد نے ہم سے بیان کیا۔ ابوزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ﷺ فرماتے تھے: جو لیلۃ القدر میں ایمان کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اُٹھتا ہے تو جو بھی گناہ اس کے پہلے ہو چکے ہیں ان سے اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

تشریح: قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيْمَانِ: ایمان کے متعلق سلبی اعتبار سے بحث کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے چار باب یکے بعد دیگرے ایک ہی بات ذہن نشین کرانے کے لئے باندھے ہیں۔ لیلۃ القدر کی گھڑی پانے کی خاطر جس میں دعا قبول ہوتی ہے؛ نمازِ تہجد کے لئے اٹھنا، خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، خوشیٔ دل سے رمضان میں تہجد کے لئے اٹھنا، رمضان کے روزے رکھنا، یہ سب باتیں ایمان کی ہی وجہ سے میسر ہوتی ہیں۔ نیز اعمال تب ہی جا کر مغفرت یعنی تزکیہ نفس کا موجب ہوتے ہیں، جب ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ان کے ساتھ ہو۔

مِنَ الْإِيْمَانِ: مِنْ یہاں سببیہ ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا اس کی تشریح کرتے ہیں۔ ہمارے خیالات، ہمارے اخلاق اور ہمارے سارے اعمال اسلامی تعلیم کی رو سے تب ہی کامل روحانیت کا جامہ پہنتے ہیں، جب وہ محض اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت اس کی خوشنودی کے لئے ہوں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی - زیرِ عنوان: روحانی حالتیں۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۷)

ایک تو ان احادیث سے یہ بات واضح کی گئی ہے اور دوسرے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سب باتیں غیر معمولی جستجو اور جدوجہد کی محتاج ہیں۔ ان کے کرنے کے لئے انسان کو اپنے نفس کا بہت کچھ مقابلہ کرنا اور سختیاں جھیلنا اور اپنے آرام کو چھوڑنا پڑتا ہے اور ان باتوں کی توفیق ناقص ایمان سے نہیں ملتی۔ کسی کا ایمان جس قدر زیادہ ہوگا وہ اسی قدر جدوجہد اور خوشیٔ نفس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ ایمان کی کسی ناقص حالت پر قانع ہو جانا یا دوسروں کو اس پر مطمئن کر دینا شریعت کو ایک بوجھ بنا دینا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ہی واضح کر دیا ہے۔ یعنی ایمان کی ایک ایسی حالت بھی ہوتی ہے کہ اس میں انسان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بار بار قربان ہو۔ بوجہ اس لذت کے جو وہ اس قربانی میں محسوس کرتا ہے۔

جو حدیث باب اَلدِّيْنُ يُسْرٌ وَّقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ میں لائے ہیں۔ وہ بھی اپنے اسی مقصد کو واضح کرنے کے لئے لائے ہیں۔

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: مغفرت سے مراد تزکیہ نفس ہے، جیسا کہ اس سے پہلے حدیث نمبر ۲۰ کی تشریح میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ سے بدیاں پردۂ خفاء میں چلی جاتی ہیں اور جب نیکیوں کا غلبہ ہوتا ہے تو بدیوں کے اثرات نیچے دب جاتے ہیں۔ یہی معنے مغفرت کے ہیں۔ اس کا مفہوم لفظ بخشش قطعاً ادا نہیں کرسکتا۔ مغفرت کا لفظ اپنے اندر وہ فلسفہ رکھتا ہے۔ جس کی تصدیق آج علم النفس سے بھی ہوتی ہے۔ علم النفس کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس بشری ایک دو پہلو عالم ہے۔ ایک پہلو کا تعلق خارجی دنیا سے ہے جس کے مؤثرات صحیفہ نفس پر اپنے اپنے اثرات ڈالتے

ہیں۔نفس کے اس خارجی پہلو کو نفس واعیہ کہتے ہیں اور دوسرا پہلو اس کا وہ باطن ہے جس میں خارج سے آمدہ اثرات اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں، جس طرح پتھر پانی میں جا کر غائب ہو جاتا ہے۔ وہ غائب شدہ اثرات پس پردہ رہ کر خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور الگ اپنی ایک نئی دنیا بناتے ہیں۔ اس باطنی دنیا کو عربی زبان میں نفس غیر واعیہ کہتے ہیں۔ نفس واعیہ سے گناہ کے اثر کا نفس غیر واعیہ میں جا کر ایسا چھپ جانا کہ پھر وہ اُبھرنے نہ پائے۔ یہ اصل مفہوم ہے لفظ مغفرت کا جو توبہ اور نیک اعمال بجالانے اور خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تکمیل پاتا ہے۔ جو شخص راتوں کو ایک مہینہ بھر اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری کرے گا اور ہر گھڑی کو دعا کی قبولیت کا وقت سمجھ کر اس کے حضور بار بار گرتا رہے گا، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوگا اور اس کے باطن سے گناہ کے دھبے دھوئے جائیں گے۔

بَاب ٢٦ : اَلْجِهَادُ مِنَ الْإِيْمَانِ

جہاد بھی ایمان سے ہے

٣٦: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيْلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيْمَانٌ بِي وَتَصْدِيْقٌ بِرُسُلِي أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيْمَةٍ أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُّ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ.

۳۶: ہم سے حرمی بن حفص نے بیان کیا، کہا: ہم سے عبدالواحد نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عمارہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابوزرعہ بن عمرو بن جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ (عزوجل) نے اس شخص کے لئے جو اس کی راہ میں نکلتا ہے۔ یہ اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ میں یا تو اسے مع اس اجر یا مال غنیمت کے جو اُس نے حاصل کیا اسے واپس لوٹا دوں گا یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔ بشرطیکہ مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے ہی اسے (جہاد کے لئے) نکالا ہو اور اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ہر دستہ فوج کے ساتھ جاتا اور میری تو خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

تشریح: **لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ:** یہ جوفرمایا: لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ یعنی اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ایسا کرتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح تجربہ ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کمال حرص تھی۔ آپؐ کے اسوۂ حسنہ میں اس قدر قوت جاذبیت اور تاثیر تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال بجالانے میں اپنی امت کا خیال رہتا تھا کہ کہیں آپؐ کا عمل درآمد ان کے لئے ایسا رنگ نہ اختیار کرلے جو ان کو زیادہ مشقت میں ڈال دینے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا آپ کو عشق تھا۔ جیسا کہ مخالفین بھی عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ کے الفاظ میں اسی عشق کا ذکر کرتے تھے۔ مگر اس عشق کے ساتھ اپنے نفس پر ضبط بھی تھا۔ عقل نے ایک لحہ بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جو لوگ اپنے اعمال میں افراط سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے اس میں ایک سبق ہے۔ اندھا دھند اپنے جذبات کے پیچھے پڑ جانا یہ نہ کمالِ ایمان کی علامت ہے اور نہ کوئی اعلیٰ نیکی ہے۔ حد اوسط پر ہی قائم رہنا نیکی کا کمال ہے، کیونکہ اس میں نفس کے ساتھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

بَاب ۲۷: تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيْمَانِ

رمضان میں نفل پڑھنے کے لئے اُٹھنا بھی ایمان ہی سے ہے

۳۷: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

۳۷: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے حُمید بن عبد الرحمٰن سے۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان میں جو شخص ایمان کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر اٹھتا ہے تو اس سے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں، ان سے اس کی مغفرت کی جاتی ہے۔

بَاب ۲۸: صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِّنَ الْإِيْمَانِ

اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر رمضان کے روزے رکھنا بھی ایمان سے ہی ہے

۳۸: حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

۳۸: ہم سے (محمد) بن سلام (بیکندی) نے بیان کیا، کہا: محمد بن فضیل نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: یحیٰ بن سعید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان میں جو شخص ایمان کی وجہ سے اور اللہ کی رضا جوئی کی خاطر روزہ رکھتا ہے اس سے جو بھی گناہ پہلے ہو چکے ہیں، ان سے اس کی مغفرت کی جاتی ہے۔

بَاب ۲۹ : اَلدِّيْنُ يُسْرٌ

دین آسان ہے

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّيْنِ إِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ.

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا دین یہ ہے کہ انسان سیدھا برجوع الی اللہ ہو۔ ہر ایک ٹیڑھے پن سے مبرا ہو اور اعمال کو آسانی سے بجالانے والا ہو۔

۳۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَّعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغَفَارِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ.

۳۹: ہم سے عبدالسلام بن مطہر نے بیان کیا، کہا: عمر بن علی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے معن بن محمد غفاری سے، انہوں نے سعید بن ابی سعید مقبری سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: دین تو آسان ہے اور جو کوئی بھی دین میں حد سے بڑھے گا تو دین اس کو مغلوب کر دے گا۔ اس لئے ٹھیک راہ چلو اور حدود کے قریب قریب رہو اور خوش رہو اور صبح و شام دعا و ذکر سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے رہو اور ایسا ہی کچھ پچھلی رات کو بھی۔

تشریح: اَلْحَنِيْفِيَّةُ: حنف سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں۔ میلان، ایک طرف جھکنا۔ حنیف کے معنی جھکا ہوا۔ مجازاً سیدھے کو بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا۔ آپؑ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمیشہ جھکے رہتے تھے۔ نہ اعتقاد میں کوئی ٹیڑھا پن تھا نہ عمل میں۔ اَلسَّمْحَةُ سہولت اور آسانی یعنی اعمال آسانی اور خوشی سے بجالانا۔ عنوان باب کے الفاظ بھی حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔ جو امام بخاریؒ نے کتاب الادب المفرد باب سخاوة

النفس روایت نمبر ۲۸۷ میں موصولاً نقل کئے ہیں اور احمد بن حنبلؒ نے بھی یہ حدیث موصولاً روایت کی ہے۔
(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عباس، جلد اول صفحہ ۲۳۰ روایت نمبر ۲۰۰۳)

لَنْ يُّشَادَ الدِّيْنَ : سے مراد اعمال میں تشدد و مبالغہ کرنا ہے۔ سَدِّدُوْا. سِدَادٌ سے مشتق ہے۔ یعنی میانہ روی اختیار کرو۔ قَارِبُوْا کے ایک تو معنے حدود کے قریب رہنا ہے اور دوسرے یہ معنی بھی ہیں کہ اعمال ایسے ہوں جو دن بدن اللہ تعالیٰ کے قرب کا موجب ہوں۔ **الغَدْوَةُ** سے مراد دن کا پہلا حصہ۔ **الرَّوْحَةُ** دن کا پچھلا حصہ۔ **الدُّلْجَةُ** رات کا آخری حصہ۔ یعنی ان اوقات میں ذکر الٰہی و دعاؤں سے مدد لو۔ تا تمہیں قرب الٰہی کا مقام حاصل ہو۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے اس حکم کے ماتحت ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ وَّمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا. (الدھر: ۲۶-۲۷) {ترجمہ: اور اپنے ربّ کے نام کا صبح بھی ذکر کر اور شام کو بھی اور رات کے ایک حصہ میں اس کے حضور سجدہ ریز رہ۔ اور ساری ساری رات اُس کی تسبیح کرتا رہ۔} امام بخاریؒ کا ان احادیث سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ عقائد کو پیچیدہ در پیچیدہ بنا کر اعمال کی راہ میں مشکلات ڈال دینا یہ اسلام کی روح کے بالکل مخالف ہے۔ آنحضرت ﷺ کا کبھی یہ مقصد نہیں ہوا۔

بَاب ٣٠: اَلصَّلَاةُ مِنَ الْإِيْمَانِ

نماز بھی ایمان کا ایک جزو ہے

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ (البقرة: ١٤٤) **يَعْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ.**

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ سے مراد تمہاری وہ نماز ہے جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے تم نے پڑھی تھی۔ اللہ اس کو ضائع نہیں کرے گا۔

٤٠: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَنَّهُ صَلَّى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا

۴۰: ہم سے عمرو بن خالد نے بیان کیا، کہا: زہیر نے ہمیں خبر دی انہوں نے کہا: ابو اسحاق نے حضرت براءؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ پہلے پہل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپؐ انصار میں سے اپنے ننہال یا کہا کہ اپنے ماموؤں کے پاس مہمان ٹھہرے اور یہ کہ آپؐ بیت المقدس کی طرف (منہ کر کے) سولہ یا سترہ ماہ نماز پڑھتے رہے۔ اور آپؐ کو یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کا قبلہ

وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ فَقَالَ أَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ أَعْجَبَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّي قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَهْلُ الْكِتَابِ فَلَمَّا وَلَّى وَجْهَهُ قِبَلَ الْبَيْتِ أَنْكَرُوْا ذَلِكَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ فِي حَدِيْثِهِ هَذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ رِجَالٌ وَّقُتِلُوْا فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيْهِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى:وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ .(البقرة: ١٤٤)

بیت اللہ کی طرف ہو اور یہ کہ آپؐ نے پہلی نماز جو (اس کی طرف منہ کرکے) پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپؐ کے ساتھ کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔ جنہوں نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، ان میں سے ایک شخص باہر گیا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گذرا اور وہ رکوع میں تھے تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھی ہے۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے۔ اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور جب آپؐ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی بھی خوش تھے اور اہل کتاب (یعنی نصاریٰ) بھی۔ اور جب آپؐ نے اپنا منہ بیت اللہ کی طرف پھیرا تو انہوں نے اسے بُرا منایا۔ زُہَیر کہتے تھے کہ ابواسحاق نے اپنی اس حدیث میں حضرت براءؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ کچھ لوگ پہلے قبلہ پر ہی پیشتر اس کے کہ وہ تبدیل ہوا، فوت ہو گئے تھے اور مارے گئے تھے اور ہم نہیں جانتے کہ ان کے متعلق کیا کہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔

تشریح: **الصَّلٰوةُ مِنَ الْاِيْمَان** : سابقہ حدیث بطور جملہ معترضہ کے تھی تا نفسِ مضمون واضح ہو جائے اور اس باب میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کرکے بتلایا ہے کہ نماز کو بھی ایمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک عمل ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرة:۱۴۴) سے استدلال کیا ہے کہ سوال تو ان نمازوں کے ضائع ہونے کا تھا، جو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی گئیں۔ مگر جواب یہ دیا ہے کہ تمہارے ایمان کو وہ ضائع نہیں کرنے کا۔ اس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ چونکہ اِدھر یا اُدھر منہ کرنے کا اصل باعث ایمان تھا۔ پس جس چیز پر اعمال کا اصل دار و مدار

تھا، وہ اب بھی قائم ہے۔اس لئے محولہ بالا آیت میں اس باعث کا ذکر کیا، جو اعمالِ صالحہ کا محرک ہے۔صحابہ کرامؓ کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی کسی اپنی خواہش کے ماتحت نہ تھا اور بیت اللہ کی طرف منہ کرنا بھی اپنی خواہش کے ماتحت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت تھا۔

وَكَانَ يُعْجِبُهُ اَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود پسند کرنے اور خواہش رکھنے کے ایک لمبے عرصہ تک بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔اگر بیت اللہ کو قبلہ بنا لیتے تو قریش و دیگر عربی قبائل کا؛ جن کو بیت اللہ سے حد درجہ کی وابستگی تھی؛ دین اسلام میں داخل ہو جانا آسان تھا۔مگر باوجود اپنی خواہش کے آپؐ نے بیت المقدس کو نہیں چھوڑا۔کیونکہ سابقہ شریعت کے ذریعہ سے آپ کو یقینی علم تھا کہ مشیئتِ الٰہی نے لوگوں کے لئے اس کو قبلہ ٹھہرایا ہوا ہے۔اس لئے اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ماتحت اس وقت تک رکھا جب تک کہ تحویل قبلہ کے متعلق صریح حکم نہیں آ گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک نمونہ ہمارے لئے ابدالآباد تک ستارہ قطب کی طرح رہنما رہے گا کہ ہمارے حرکات وسکنات اپنی خواہش کے ماتحت نہیں بلکہ اس کی مرضی کے ماتحت ہونے چاہئیں۔یہ ہے ایمان کا کمال اور انسان کے سارے اعمال کی زینت۔یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ابراہیمی تعلق کی وجہ سے تھی اور نیز ان سابقہ پیشگوئیوں کو مدنظر رکھ کر تھی، جن کا ماحصل یہ ہے کہ نبوت اور برکات الٰہیہ کا مرکز بیت المقدس سے منتقل ہو کر مکہ مکرمہ ہوگا۔(تفصیل کے لئے دیکھئے تشریح روایت نمبر۳۔نیز متی باب ۲۳، آیت:۳۷' باب ۲۱ آیت:۴۳)

فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ: صحابہؓ کا نمونہ بھی کیا پیارا ہے۔تحویل قبلہ کی خبر سن کر نماز ہی میں قبلہ رُخ ہو گئے اور ایک لحہ کے لئے بھی تردّد نہ کیا۔حالانکہ ایک کام کی عادت کچھ نہ کچھ تو اپنا اثر دکھلاتی ہے۔مگر وہ نہایت سہولت سے رکوع کی حالت میں ہی سب کے سب یکدم قبلہ کی طرف پھر گئے۔گویا فوجی قواعد تھے۔اس کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ تحقیق کر لیں۔یہ ہے وہ اعتماد ایک دوسرے کی صداقت پر اور یہ ہے وہ مستعدی جو اسلام اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے لئے چاہتا ہے۔اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ۔آستانہ الٰہی پر جھکے رہنے اور سہولت سے اعمال کا بجالانے کا یہ ایک نمونہ ہے۔جس کی مثال امام بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اسوۂ حسنہ سے پیش کر کے ایمان واسلام کی حقیقت آشکار کر دی ہے۔اِذْقَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ . قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔(البقرة: ۱۳۲)

اَنْكَرُوْا ذٰلِكَ: اس ضمن میں ان یہودیوں کا نمونہ قابل توجہ ہے جو یہ سمجھ کر کہ قبلہ بھی ہمارا ہی قبلہ ہے، توحید ورسالت موسوی کا بھی اقرار ہے، مسلمان تورات کو بھی مانتے ہی ہیں، اتنا بڑا فرق نہیں؛ یہ سمجھ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔مگر چونکہ یہ اسلام صرف اپنی خواہش کا اسلام تھا، اس لئے وہ تحویل قبلہ پر فوراً مرتد ہو گئے۔ایسا ایمان ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔اس کے ساتھ انسان کبھی مامون نہیں رہ سکتا۔

یہ فرق واضح کرنے اور اَلْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ کا مفہوم سمجھانے کے لئے مذکورہ بالا حدیث امام بخاریؒ یہاں لائے ہیں۔چنانچہ امام موصوفؒ نے اپنی عادت کے مطابق اس نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس کے بعد حُسْنُ اِسْلَامِ الْمَرْءِ

کا باب قائم کیا ہے۔اس میں بتلایا ہے کہ عمل کی قیمت کثرتِ عمل سے نہیں، بلکہ اس روحِ اخلاص واطاعت کے ساتھ ہے جو عمل کے پیچھے کام کر رہی ہوتی ہے۔ایک چھوٹے سے چھوٹا عمل سات سو گنا ثواب کا موجب ہو جاتا ہے۔لیکن اس کے بالمقابل بظاہر نمازوں اور روزوں کی بھرمار ہوتی ہے مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں۔تیسری حدیث جو اَحَبُّ الْعَمَلِ اَدْوَمُهٗ کے باب میں امام موصوفؒ نے نقل کی ہے۔اس سے بھی انہوں نے اپنا مقصد اور واضح کر دیا ہے۔

بَاب ۳۱: حُسْنُ إِسْلَامِ الْمَرْءِ

آدمی کے اسلام کی خوبی

۴۱: قَالَ مَالِكٌ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَّتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهَا.

۴۱: مالک نے کہا: زید بن اسلم نے مجھے بتلایا کہ انہیں عطاء بن یسار نے بتایا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔آپؐ فرماتے تھے کہ اگر بندہ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور پھر اس کی فرمانبرداری نہایت عمدہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر بدی جو وہ پہلے کر چکا ہوگا دور کر دے گا اور اس کے بعد بدلہ یہ ہوگا کہ ایک نیکی کے عوض دس گنا سے سات سو گنا تک (ثواب ہوگا) اور بدی کا معاوضہ اتنا ہی رہے گا،سوائے اس کے کہ اللہ اس (بدی) سے درگذر کر دے۔

۴۲: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا

۴۲: ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا۔انہوں نے کہا: عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا کہ معمر نے ہمیں بتلایا۔معمر نے ہمام سے۔ہمام نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے اسلام پر عمدگی سے قائم ہو تو پھر ہر ایک نیکی

إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا.

جو وہ کرے گا اس کے لئے دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائے گی اور ہر بدی جو وہ کرے گا اس کے لئے اتنی ہی لکھی جائے گی۔

تشریح: حَسُنَ اِسْلَامُهُ : حَسُنَ اِسْلَامُهُ سے یہی مراد ہے کہ اعمال میں اپنی خواہشات کا قطعاً دخل نہ ہو اور ایمانی حالت کی یہ کیفیت ہو کہ اعمال مشقت نہ سمجھے۔

وَكَانَ الْقِصَاصُ بَعْدَ ذٰلِكَ: ایسی حالت میں نہ صرف نیک عمل کی قیمت وقدر بڑھ جاتی ہے۔ بلکہ اگر اتفاق سے کسی بدی کا ارتکاب بھی ہو جائے تو اس کا دائرہ تاثیر بوجہ نیکی کی روح غالب ہونے کے نہایت محدود ہوگا۔ سات سو گنا سے مراد اس کی عظمت سمجھانا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کا انعام ایسے بندوں کے لئے غَيْرُ مَمْنُوْن یعنی دائمی ہوتا ہے۔

بَاب ۳۲ : أَحَبُّ الدِّيْنِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهُ

اللہ (عزوجل) کے نزدیک زیادہ پیارا عمل وہی ہے جو ہمیشہ ہی ہوتا رہے

۴۳ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَتْ فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوْا وَكَانَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

۴۳: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا (انہوں نے کہا) کہ ہمیں یحیٰی نے بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے روایت کی۔ کہا کہ میرے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ وہ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں آئے۔ اس وقت ان کے پاس ایک عورت تھی۔ فرمایا: یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: فلاں عورت ہے۔ اپنی نماز کا ذکر کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: بس رہنے دو۔ اتنا ہی کرو جتنا تم کر سکتے ہو۔ بخدا اللہ نہیں اُکتائے گا مگر تم اُکتا جاؤ گے اور سب سے زیادہ پیارا عمل اسے وہی ہے جسے کرنے والا ہمیشہ کرتا رہے۔

تشریح: اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهُ: اس میں ایک عورت کا ذکر ہے جو نمازیں بہت پڑھا کرتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا اور فرمایا: عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ کسی عارضی جذبہ کے ماتحت لمبی لمبی نمازیں شروع کر دینا اور پھر جب وہ جوش وخروش جاتا رہے تو اس حالت پر قائم نہ رہنا یہ ایمان کا خاصہ نہیں۔ صحیح ایمان میں دوام عمل ہوتا ہے اور اس کے ماتحت عقائد منطقی پیچیدگیوں سے اور اعمال افراط وتفریط سے خالی ہوتے ہیں۔

خالص ایمان کے ساتھ عرفان و محبت کی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے، جو اطاعت کو مشقت نہیں بلکہ روح کی لذت بنا دیتی ہے۔ ورنہ ناقص ایمان کے ساتھ انسان ہمیشہ خطرہ میں رہتا ہے۔

بَاب٣٣: زِيَادَةُ الْإِيْمَانِ وَنُقْصَانُهُ

ایمان کا بڑھنا گھٹنا

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالٰى وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الكهف: ١٤) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِيْمَانًا (المُدثّر: ٣٢) وَقَالَ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدة: ٤) فَإِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِّنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ.

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ... اور ہم نے انہیں راست روی میں بڑھا دیا ہے اور فرمایا: وہ جو ایمان لا چکے ہیں، اُنہیں ایمان میں بڑھاتا ہے۔ فرمایا: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اس لئے اگر کوئی کمال میں سے کچھ چھوڑ دے تو وہ ناقص ہوگا۔

٤٤: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِيْمَانٍ مَّكَانَ مِنْ خَيْرٍ.

۴۴: ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ قتادہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا اور اس کے دل میں جَو برابر بھی نیکی ہوئی تو وہ آگ سے نکل جائے گا اور جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر نیکی ہوئی وہ بھی آگ سے نکل جائے گا اور جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا اور اس کے دل میں ذرہ بھر بھی بھلائی ہوئی وہ بھی آگ سے نکل آئے گا۔ ابوعبداللہ (محمد بن اسماعیل بخاریؒ) نے کہا: ابان کہتے تھے کہ قتادہ نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بھلائی کی جگہ ایمان کا لفظ ہمیں بتلایا۔

٤٥ : حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُوالْعُمَيْسِ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَءُوْنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ أَيُّ آيَةٍ قَالَ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا (المَائِدة: ٤) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

۴۵: ہم سے حسن بن صباح نے بیان کیا۔ انہوں نے جعفر بن عون سے سنا کہ انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوالعمیس نے بیان کیا کہ قیس بن مسلمؒ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے طارق بن شہاب سے، طارق نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کی کہ یہود میں سے کسی شخص نے ان سے کہا۔ امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جسے آپ پڑھتے ہیں۔ اگر وہ ہم پر یعنی یہود کی قوم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ کون سی ہے؟ اس نے کہا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تمہیں اپنی نعمت ساری کی ساری عطا کر دی ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ہمیں وہ دن معلوم ہے اور وہ جگہ بھی جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ آپؐ اس وقت جمعہ کے دن عرفات میں کھڑے تھے۔

تشریح: **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات واحادیث کی بناء پر ایمان کی ناقص وکامل حالتوں کے متعلق مختلف اعتبارات سے بحث کرتے ہوئے آخر میں آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ سے واضح کر دیا ہے کہ اسلام جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ کامل دین ہے جس کی طرف آیت مذکورہ اشارہ کرتی ہے اور وہی اصل میں اس کامل نعمت کا متکفل ہے جس پر مسلمانوں کو فخر ہے۔ یعنی وہ دین جو بلحاظِ اعتقاد واعمال کے ہر قسم کے کفر وشرک ونفاق کی آمیزش سے پاک ہو (المائدہ:۴) اور جس کے ساتھ کسی قسم کے ظلم یعنی افراط وتفریط کی ملونی نہیں (الانعام:۸۲) اور جہالت کی باتوں سے اجتناب ہو۔ اپنوں اور غیروں کے لئے سلامتی وامن کا موجب ہو (روایت ۲۸، ۳۰) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشاں ہو، محبت کے جذبات اپنے دل میں رکھتا ہو اور یہ محبت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو (حدیث نمبر ۶) بداعتقادی اور بدی سے نفرت ہو (حدیث نمبر ۲۲) اور انسان اپنے

ایمان میں ایسے مقام پر ہو کہ اپنی موجودہ حالت کو ناقص سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت اور تزکیہ نفس اور ترقی درجات کی ہمیشہ آرزو کرتا رہے (حدیث نمبر ۴۴) اور اپنے دین کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں ہو (حدیث نمبر ۱۹) اور اس کا ایمان صرف ذہنی تصورات تک ہی محدود نہ ہو بلکہ جذبات میں تبدیل ہو کر حلاوت کا مزہ دیتا ہو (حدیث نمبر ۱۶) اور اعمال میں نہ ظاہر داری ہو اور نہ ان میں تکلف محسوس کرے بلکہ لذت پائے (حدیث نمبر ۱۸) اور ان کے بجالانے میں مستعدی ونشاط ہو اور اپنی خواہش کا دخل نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اس کی خوشنودی اس کے ایمان کا خمیر ہو (روایت نمبر ۳۹، ۴۰) اور محبت وذوق وشوق اس کی روحِ رواں ہو۔ یہ وہ ایمان واسلام ہے جو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۴) کا مصداق ہے اور جو اپنوں کے لئے مایہ ناز اور غیروں کے لئے جائے رشک۔ نہ وہ ایمان جو ذرہ کے برابر سب دلوں میں ہے (حدیث نمبر ۴۳، ۴۴) اور جو جہنم کی سزا سے بچانے والا نہیں، جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے مومن اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے بھی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے کامل مفہوم کو واضح کرنے کے لئے دو حدیثیں یکے بعد دیگرے عین مناسبت کی وجہ سے لائے ہیں۔ ورنہ یہ ذرّہ برابر اور گندم والا ایمان تو وہ نہیں جو یہودیوں کے رشک کا باعث بنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس جدوجہد کے باوجود بعض مومن ساز لوگ آج کل بھی سارے جہان کو مسلمان بنانے کی کوشش میں ہیں اور وہ ان مرجئہ کی طرح ہیں جو اپنے غائیہ کمالیہ کو تحت الثریٰ میں لاکر ایمان کی قیمت کالعدم کرنا چاہتے ہیں۔ کاش! ایسے لوگ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتح الباری کا یہ فقرہ بھی غور سے پڑھ لیتے: اِنَّهُ اَعَادَهُمَا لِيُوَطِّئَ بِهِمَا مَعْنَى الْكَمَالِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْآيَةِ الثَّالِثَةِ لِاَنَّ الْاِسْتِدْلَالَ بِهِمَا نَصٌّ فِي الزِّيَادَةِ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۳۹) یعنی ان آیتوں سے جو یہاں دہرائی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ایمان کا کمال ظاہر کرنا ہے۔ یہ مومن ساز لوگ کم از کم اتنی دیانتداری کا اظہار تو کر دیتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس باب کے لانے سے اصل منشاء کیا ہے اور نفس مضمون کے ساتھ اس کا کیا تعلق۔ اور اگر ذرہ عقل سے کام لیں تو اسی آیت میں دین کے کامل ہونے کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ ثمرات بھی کامل ہیں۔ اتمام نعمت کی تفصیل سورۂ نساء آیت نمبر ۷۰ میں ملاحظہ ہو۔

قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ: حضرت عمرؓ نے یہودی کو عمدہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت ایسے وقت میں نازل ہوئی تھی جب دو عیدیں جمع ہو گئیں تھیں۔ عرفہ کا دن تھا جس کی رات عید کی رات ہوتی ہے۔ اس دن جمعہ بھی تھا جو مسلمانوں کی عید ہے۔ یعنی مشیئتِ الٰہی ہی نے اس دن کو ہمارے لئے عید بنا دیا تھا۔ طبری وطبرانی وغیرہ نے رجاء بن ابی سلمہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ یہودی کعب الاحبار تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۴۱)

بَاب ٣٤ : اَلزَّكَاةُ مِنَ الْإِسْلَامِ

زکوۃ بھی اسلام ہی سے ہے

وَقَوْلُهُ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ .(البيّنة: ٦)

اور اللہ (عزوجل) کا یہ فرمانا: وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. یعنی انہیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں۔ اس کے لئے اطاعت کو خالص کرنے والے ہوں۔ اسی کے لئے ہوں اور نماز سنوار کر پڑھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سیدھا پائدار دین ہے۔

٤٦ :حَدَّثَنَاإِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ يَقُوْلُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّأْسِ يُسْمَعُ☆ دَوِيُّ صَوْتِهِ وَلَا يُفْقَهُ☆ مَا يَقُوْلُ حَتَّى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ

۴۶: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ مالک بن انس نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے اپنے چچا ابوسہیل بن مالک سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ پراگندہ بال تھا اور ہم☆ اس کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے اور ہماری☆ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دن رات میں پانچ نمازیں۔ اس پر اس نے کہا: کیا ان کے علاوہ میرے ذمہ کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ سوائے اس کے کہ تو اپنی خوشی سے کچھ پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور رمضان کے روزے بھی۔ اس نے کہا: کیا اس کے علاوہ میرے

☆ الفاظ يُسْمَعُ دَوِيُّ اور لَا يُفْقَهُ کی جگہ نسخہ بولاق اور انصاریہ میں الفاظ نَسْمَعُ دَوِيَّ اور لَا نَفْقَهُ ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۱۴۲) ترجمہ نَسْمَعُ اور لَا نَفْقَهُ کے مطابق ہے۔

قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللهِ لَا أَزِيْدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ.

ذمہ کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ سوائے اس کے کہ تو اپنی خوشی سے اور روزے رکھے۔ (حضرت طلحہؓ ابن عبیداللہ) کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا اور اس نے کہا: کیا میرے ذمہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ سوائے اس کے کہ تو اپنی خوشی سے صدقہ دے۔ حضرت طلحہؓ کہتے تھے: اس پر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا اور وہ کہہ رہا تھا: بخدا میں نہ اس سے زیادہ کروں گا اور نہ ہی کم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب ہو گیا اگر وہ سچا ہے۔

تشریح: **الزَّكٰوةُ مِنَ الْإِسْلَامِ:** امام بخاری علیہ الرحمۃ ایک ایک اشارہ سے اپنے مضمون کو واضح سے واضح کرتے چلے جارہے ہیں۔ باب باندھا ہے زکوٰۃ کا اور قرآن مجید میں زکوٰۃ کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں مگر ان تمام آیات میں سے وہ آیت چنی ہے جس کا تعلق زکوٰۃ کے ساتھ اتنا نہیں جتنا اخلاصِ عمل و روحِ حنیفیت کے ساتھ ہے اور پھر اس آیت کے ماقبل جو مضمون ہے وہ یہ ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ. (البینۃ: ۲) یعنی اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں وہ اپنے کفر سے باز نہیں آنے کے، جب تک البَيِّـنَة ان کے پاس نہ آجائے۔ یعنی وہ رسول جو کامل حق کھول کر بیان کرنے والا ہو اور کامل معرفت کی راہ وہ مخلصانہ عبودیت و حنیفیت ہے جو اسلام کی اصل روح ہے اور جو کفار کو ان کے کفر سے نکالنے کا اصل باعث ہوسکتی ہے۔

اس باب کے ماتحت جو حدیث لائی گئی ہے اس کے یہ الفاظ **قَدْ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ** قابل غور ہیں۔ صدق ایمان اور صدق عمل پر ہی ساری کامیابی کا دارومدار ہے۔ محض زبان کا اقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مومن ساز لوگ ذرہ غور سے بخاری کا مطالعہ کریں، تا معلوم ہو کہ امام موصوفؒ کا مقصد کیا ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق اس آیت و حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال کرنے سے مقصد در حقیقت یہ سمجھانا ہے کہ پاکیزگی اور روحانی فلاح کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایمان ہے۔ جو خالص صحیح عقائد پر مبنی ہو اور اسلام بھی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ مخلصانہ اعمال ہوں۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ اسلام میں عملی پہلو مدنظر ہے۔ ایمان و اسلام دین کے دو جزوِ اعظم ہیں۔ جو پہلو بہ پہلو ایک دوسرے سے سہارا لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو پہلو بہ پہلو بیان کرتے جارہے ہیں۔ کبھی ایمان کے متعلق احادیث لے آتے ہیں۔ کبھی اسلام کے متعلق اور ان دونوں کے مابین مشترکہ حصہ کو واضح کرتے جاتے ہیں۔ یعنی اخلاص و رضاء الٰہی کو۔

بَاب ۳۵: اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْإِيْمَانِ

جنازوں کے ساتھ جانا بھی ایمان سے ہے

۴۷: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ الْمَنْجُوْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ تَابَعَهُ عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

۴۷: ہم سے احمد بن عبداللہ بن علی منجوفی نے بیان کیا، کہا کہ رَوح نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ عوف نے حسن اور محمد سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ ان دونوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان کی وجہ اور رضائے الٰہی کی خاطر جاتا ہے۔ جب تک اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھ لی جاتی اور اس کے دفنانے سے لوگ فارغ نہیں ہو جاتے، تب تک وہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے تو وہ دو قیراط اَجر لے کر واپس آتا ہے۔ ایک ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جس نے جنازہ پڑھا اور پھر اس کے دفنانے سے پہلے لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط لے کر واپس آتا ہے۔ عثمان مؤذن نے بھی رَوح کی یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے محمد سے، محمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے اسی طرح بتلایا۔

تشریح: **اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْاِيْمَان:** سابقہ مضمون کو واضح کرنے کے لئے جنازہ کا باب باندھا ہے اور بتلایا ہے کہ عمل کی نوعیت کچھ ہی ہو۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عمل بھی؛ جیسے جنازے کے ساتھ جانا؛ ایمان اور رضائے الٰہی کی وجہ سے بلحاظ اپنے ثواب کے بہت بڑی عظمت رکھتا ہے۔

قِيْرَاطٌ : ایک سکے کا نام ہے، جو دینار کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ مطلق قلت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں کوڑی کا لفظ۔ امام موصوفؒ نے اس حدیث سے یہ سمجھایا ہے کہ اس ایک معمولی عمل کو یہ اہمیت محض **اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا** یعنی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

بَاب ٣٦ : خَوْفُ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَّحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

مومن کا ڈرتے رہنا کہ اس کا عمل ضائع نہ ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيْتُ أَنْ أَكُوْنَ مُكَذِّبًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَّقُوْلُ إِنَّهُ عَلَى إِيْمَانِ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الْإِصْرَارِ عَلَى النِّفَاقِ☆ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ .
(آل عمران: ١٣٦)

اور ابراہیم تیمی کہتے تھے کہ میں نے جب کبھی بھی اپنا قول اپنے عمل پر پیش کیا ہے تو مجھے یہی اندیشہ ہوا ہے کہ میں اس کو جھٹلانے والا ہوں اور ابن ابی ملیکہ کہتے تھے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہؓ سے ملا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے نفاق سے ڈرتا تھا۔ کوئی بھی ان میں سے یہ نہیں کہتا تھا کہ اس نے جبرائیل اور میکائیل کا سا ایمان حاصل کرلیا ہے اور حسن (بصری) کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ اس (نفاق) سے مومن ہی ڈرتا رہتا ہے اور منافق نڈر ہوتا ہے۔ نیز باہمی لڑائی☆ اور معصیت پر اصرار کرنے سے بچتے رہنا اور توبہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا) اور جو کچھ انہوں نے کیا اس پر جان بوجھ کر اَڑے نہیں رہے۔

٤٨ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

۴۸: ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے زُبَید سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے مرجیَہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت عبداللہؓ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

☆ لفظ "النِّفَاق" کی جگہ نسخہ بولاق میں لفظ "التَّقَاتُل" ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۱۴۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

٤٩ :أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ وَإِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ الْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ.

۴۹: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ اسماعیل بن جعفر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حُمَید سے، حُمَید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عبادہؓ بن صامت نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کے متعلق خبر دینے کو نکلے تو مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: میں نکلا تو تھا اس لئے کہ تمہیں لیلۃ القدر کے متعلق خبر دوں اور دیکھا یہ کہ فلاں فلاں شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ سو وہ اُٹھالی گئی اور ہوسکتا ہے کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہو۔ پس تم اسے (رمضان کے اخیر دھاکے) ساتویں، نویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

تشریح: **خَوفُ الْمُؤْمِنِ اَنْ يَّحْبَطَ عَمَلُهٗ:** اس امر کو واضح کرنے کے بعد کہ اعمال کی قدر و قیمت ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ وابستہ ہے۔ امام بخاریؒ نے اب سلبی پہلو سے گفتگو شروع کی ہے۔ یعنی یہ کہ نفاق سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں اور ان کی کچھ قیمت نہیں رہتی اور یہ کہ صحابہؓ اور تابعین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ایمانی نقص دور کریں اور قول اور عمل میں تطبیق دیں۔

ابراہیم تیمی: تابعین میں سے ایک بہت بڑے فقیہہ، عابد اور واعظ ہوئے ہیں۔ آپ ۹۲ھ میں فوت ہوئے۔ بعض نے ان کو مرجئہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۲۷۵) مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور ان کا قول نقل کیا ہے جو معتبر سندوں سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۴۷-۱۴۸، عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۲۷۵) ابراہیم تیمی کی مراد یہ ہے کہ انہیں نفاق سے ڈر رہتا ہے۔ نفاق کیا ہے قول و عمل کا آپس میں غیر مطابق ہونا۔ ان کے زمانہ میں مرجئہ کا فتنہ پیدا ہو چکا تھا اور مرجئہ فرقہ کا عقیدہ ایمان و اعمال کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ خواہ جبرائیل کا ایمان ہو خواہ زید و بکر کا، وہ ایک سا ہی رہتا ہے۔ بدعملی ایمان کو کچھ نقصان نہیں دے سکتی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ضمناً ان کا ردّ کر رہے ہیں۔

كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ: سے بھی یہی مراد ہے کہ انہیں بھی یہی ڈر رہتا تھا کہ کہیں قول و عمل میں نفاق کی آمیزش نہ ہو جس سے ان کا نفس مکدر ہو جائے۔ مومن کو ہمیشہ اپنے نقائص کا احساس رہتا ہے اور یہ مبارک

احساس ان کی ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ مفہوم ہے ان الفاظ کا مَا خَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ - " ہُ " کی ضمیر نفاق کی طرف جاتی ہے۔ یعنی نفاق سے مومن خائف رہتا ہے اور منافق نڈر ہوتا ہے۔ ابن ابی خیثمہ اور محمد بن نصر مروزی اور ابوزرعہ دمشقی نے ان تیس صحابہؓ کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۴۹) اس تعداد کے ذکر کرنے سے اجماع صحابہؓ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا مِنْهُمْ اَحَدٌ يَّقُوْلُ اِنَّهُ عَلٰى اِيْمَانِ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ: جبرائیل اور میکائیل کے ایمان کی طرف اشارہ کرنے سے مراد کامل ایمان ہے اور یہ مبارک احساس کہ وہ ابھی کمال کو نہیں پہنچے، ان کے اندر ترقی کی خواہش وجدوجہد کو زندہ رکھتا تھا۔ وَلَمْ يَصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (ال عمران: ۱۳۶) یعنی اپنے نقص کو معلوم کر کے وہ اپنی اصلاح کرتے، غلطی پر اَڑے نہ رہتے۔ امام موصوفؒ نے آیت مذکورہ بالا سے اپنا مقصد واضح کر دیا ہے کہ خوف سے مراد کیا ہے۔ یہ کہ وہ اپنے ایمان کو نقص سے پاک رکھنے کے لئے ہر احتیاط سے کام لیتے تھے۔

وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الْاِصْرَارِ عَلَى التَّقَاتُلِ وَالْعِصْيَانِ: میں " تَقَاتُل " کا خصوصیت سے ذکر کر کے ضمناً یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ غلطی کا علم ہونے کے بعد آپس میں تفرقہ اور لڑائی جھگڑا جاری رکھنا امت کے لئے کبھی مبارک نہیں ہوسکتا۔ عنوانِ باب میں بھی اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بے خبری میں بھی انسان کا عمل ضائع ہو جاتا ہے اور وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں جو دوسری حدیث لائے ہیں۔ اس سے بھی یہی بتلانا مقصود ہے کہ جب آپس کی معمولی لڑائی کے سبب لیلۃ القدر جیسی عظیم الشان نعمت سے ساری امت محروم ہوگئی تو یہ اعتقادی تفرقہ جو مرجۂ وغیرہ نے پیدا کر دیا ہے، اپنے ساتھ نتیجہ میں کیا کچھ نحوستیں نہ رکھتا ہوگا۔ مومن ساز لوگ ذرہ یہاں بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ سارے جہان کو مومن ثابت کرنے کے شوقِ بیجا نے ان کے ہم جنسوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مرجۂ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ابووائل کا قول نقل کیا ہے اور ابوداؤد طیالسی نے ابووائل کی یہ روایت یوں نقل کی ہے کہ شعبہ نے زبید سے روایت کی کہ جب مرجۂ کا فرقہ پیدا ہوا تو میں ابووائل کے پاس آیا اور ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ (مسند ابو داؤد الطیالسی. مااسندعبد اللّٰه بن مسعودؓ. الجزء الاول. روایت نمبر ۲۴۸)

ابووائل: ۸۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔ اس وقت یہ فتنہ پیدا ہو چکا تھا۔ ابووائل تابعی تھے۔ انہوں نے زمانہ نبوی پایا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن صحابہؓ سے ملے ہیں اور ان کے علم وتقویٰ وزہد اور عظمت کے متعلق سب کو اتفاق ہے۔ انہوں نے زُبَید کو جو جواب دیا ہے، اس سے مرجۂ کا رد کرنا مقصود ہے۔ یعنی ان کا یہ اعتقاد غلط ہے کہ عملی نقص ایمان کو نقصان نہیں دے سکتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گالی گلوچ کو فسق اور لڑائی

جھگڑے کو کفر قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۴۹-۱۵۰، عمدۃ القاری جزء اول صفحہ ۲۷۸)

فِسُوقٌ کے معنی اطاعت الٰہی سے نکل جانا۔ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اطاعت الٰہی سے نکلنے کا نام ہے اور بوجہ جہالت کا نتیجہ ہونے کے ایک قسم کا کفر بھی ہے۔ یہاں مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا اس لئے کفر قرار دیا گیا ہے کہ تا ان دو گناہوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۵۰)

اس حدیث سے مرجئہ اگر یہ استدلال کریں کہ کسی مسلمان کے ایمان پر حملہ کرنا بھی ایک گالی ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک کسی کلمہ گو کو کافر کہنا جائز نہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی کسی بدعقیدہ یا بدعملی میں مبتلا ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اصولی سوال درپیش ہوگا تو ہم اس کے مطابق اصولی فتویٰ دیں گے اور جو شخص فروعات میں سے کسی کفر کا مرتکب ہوگا تو اس کو فروعی کفر پر محمول کریں گے۔ یہ ایک نسبتی امر ہے۔ کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ۔ مثلاً اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیاء کی نبوت کو مانتے تھے۔ مگر قرآن مجید نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کرنے پر کافر قرار دیا ہے۔ ایسا ہی مومنین یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار سے کافر قرار دیا گیا ہے۔ ایسا ہی حضرت لوطؑ کی قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کا انکار کیا۔ ان کے متعلق فرمایا: كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ (الشعراء: ۱۶۱) حضرت لوطؑ کی قوم نے تمام رسولوں کو جھٹلا دیا۔ ایمان بالرسالت ایک اصولی عقیدہ ہے جو شخص رسالت کا منکر ہوگا وہ اصولی طور پر علی الاطلاق کفر کے فتویٰ کے نیچے آئے گا۔ اس کفر کے علاوہ اور چھوٹے بڑے کفر ہیں تو ہر ایک کی نسبت سے کفر کا فتویٰ اس پر چسپاں ہوگا۔ مثلاً عورتوں کے متعلق فرمایا: يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ. اب یہ کہنا کہ اگر کسی میں فلاں نوعیت کا کفر پایا جائے تو یہ نہ کہو کہ وہ اس کفر کا مرتکب ہوا ہے اور اس کے ایمان و اسلام میں کوئی نقص نہ سمجھو۔ یہ امر خلافِ واقعہ اور غیر معقول اور حقیقت سے عمداً آنکھیں بند کرنا ہے۔

خارجی لوگ جو ہر بدی پر کافر اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے۔ گالی دینا بے شک اطاعت الٰہی سے نکل جانا ہے اور مسلمان سے لڑنا بھی ایک کفر ہے۔ مگر اسی حد تک کہ جہاں اس فسق و کفر کا ان دو عملوں کے ساتھ تعلق ہے نہ کہ انسان کے سارے اعمال و اعتقادات کے ساتھ۔ مرجئہ تفریط کی طرف جاتے ہیں اور خارجی افراط کی طرف اور حدّ اوسط یہ ہے کہ اصولی اعتقاد کے انکار سے انسان من حیث الاطلاق کافر ہوگا اور کفر کی کسی ایک شق کے پائے جانے کی وجہ سے اسی حد تک کفر کا مرتکب ہوگا۔ اس صحیح اصل کو امام بخاریؒ نے کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کے الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔ نیز اس باب میں اس قسم کے اعتقادی تساہل کے بدنتائج کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اس سے انسان اپنے اعمال کے متعلق نڈر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایک چھوٹی سے بداعتقادی اور بدعملی بھی انسان کو بڑی بڑی رحمتوں سے محروم کر دیتی ہے۔

فَرُفِعَتْ سے مراد بھلایا جانا ہے۔ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ . یعنی یہ میرا بھول جانا امید ہے کہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ یہ اس دائمی جدوجہد کی طرف اشارہ ہے جو لیلۃ القدر کی تلاش میں کرنی پڑتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہی ہمیشہ کی جدوجہد اور جستجو امّت کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو۔

بَاب ۳۷: سُؤَالُ جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانُ النَّبِيِّ ﷺ لَهُ

جبرائیل کا نبی ﷺ سے ایمان اور اسلام اور احسان اور اس گھڑی کے علم کے متعلق پوچھنا اور نبی ﷺ کا اُن کے لئے بیان کرنا

ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ فَجَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ دِيْنًا وَّمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ. (آل عمران: ۸٦)

پھر اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس طرح آپؐ نے ان سب باتوں کو دین قرار دیا اور نیز جو نبی ﷺ نے ایمان کے متعلق عبدالقیس کے نمائندوں سے بیان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.☆

۵۰: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَّوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ الْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ

۵۰: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ابوحیان تیمی نے ہمیں بتلایا۔ ابوحیان نے ابوزرعہ سے، ابوزرعہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ ایک دن لوگوں کے لئے باہر تشریف رکھتے تھے کہ آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں کو مانے اور نیز تو موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بھی مانے۔ اس نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور نماز سنوار کر پڑھے اور مقرر کردہ زکوٰۃ ادا کرے اور

☆ ترجمہ: ''اور جو بھی اسلام کے سوا کوئی دین پسند کرے تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔''

رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْآيَةَ (لقمان: ٣٥) ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جِبْرِيْلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِيْنَهُمْ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْإِيْمَانِ.

رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے پوچھا: احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اُسے نہیں دیکھتا تو پھر وہ تجھے یقیناً دیکھ ہی رہا ہے۔ اس نے پوچھا: وہ گھڑی کب ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: جس شخص سے اس کے متعلق پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تجھے اس کے نشانات کا پتہ دے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اونچی عمارتیں بنائیں گے۔ وہ گھڑی بھی انہی پانچ باتوں میں سے ہے جنہیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر نبی ﷺ نے یہ آیت آخر تک پڑھی: (اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ) یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس قیامت کا علم ہے.... اس کے بعد وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: اسے واپس لے آؤ۔ تو انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ تب آپؐ نے فرمایا: یہ جبرائیل تھے۔ لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ ابوعبداللہ بخاریؒ نے کہا: آپؐ نے ان تمام باتوں کو ایمان قرار دیا۔

تشریح: **سُؤَالُ جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْإِيْمَانِ:** اس سے پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ایمان کا تعلق عقائد کے ساتھ، اسلام کا اعمال کے ساتھ ہے اور دین کا مفہوم ان دونوں کے مجموعہ پر حاوی ہے اور نیز یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام کا تعلق آپس میں لازم ملزوم کی طرح ہے اور دین کے یہ دو عنصر پہلو بہ پہلو جُڑ کر کھڑے ہیں۔ ایک کو جدا کر دینے سے دین کا مفہوم غائب ہو جاتا ہے۔ اب یہ ساری بحث اس باب میں یکجا کی گئی ہے۔

جبرائیل کے سوال **مَا الْإِحْسَانُ** کا جواب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ دین کی خوبی یہ ہے کہ ایمان بھی اعلیٰ درجہ کا ہو۔ یعنی ایسا کہ عابد اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو اور اسی ایمانی روح کے ساتھ عبادت بجالا

رہا ہو۔ آپؐ نے ایمان واعمال میں احسان کی یہ ایک مثال بیان فرمائی ہے اور یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (البقرہ:۱۱۳) {ترجمہ: نہیں نہیں، سچ یہ ہے کہ جو بھی اپنا آپ خدا کے سپرد کردے اور وہ احسان کرنے والا ہو......} اور نیز اس آیت کی طرف وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (لقمان:۲۳) {ترجمہ: اور جو بھی اپنی تمام توجہات اللہ کو سونپ دے اور وہ احسان کرنے والا ہو تو اس نے یقیناً ایک مضبوط کڑے کو پکڑ لیا اور تمام امور انجام کار اللہ ہی کی طرف (لَوٹتے) ہیں۔}

فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ دِيْنًا: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان واسلام اور اس احسان کو دین قرار دیا جو درحقیقت انسان کے لئے نجات کا باعث ہے۔

مَتَى السَّاعَةُ: مَتَى السَّاعَةُ سے وہ گھڑی مراد ہے۔ جس میں ایک قوم اپنی بداعتقادی اور بدعملی کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہے۔ قیامت کبریٰ مراد نہیں؛ جس کا تعلق ہر فرد بشر کے ساتھ ہے۔ **رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبُهْمِ** کہہ کر عربوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی تعیین نہیں فرمائی لیکن علامتیں بتلا دی ہیں۔ لونڈی کا اپنے مالک کو جننے سے یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کے حرم سرا لونڈیوں سے بھرے ہوں گے اور وہ شہوات کے پیچھے پڑ جائیں گے اور اونچی اونچی خوبصورت سے خوبصورت عمارتیں بنائیں گے۔ یعنی دنیا کی آبادی میں منہمک ہو جائیں گے۔ یہ دو قرینے ہیں اس بات پر کہ ساعت سے مراد دنیا کا عذاب ہے جو بد اعمال قوم کو تباہ کر دیتا ہے۔ خواہ وہ اسلام کی دعویدار ہی کیوں نہ ہو۔ جو آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے، اس میں دنیا کے عذاب سے آگاہ کیا گیا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ...اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان:۳۴-۳۵)

{ترجمہ: اے انسانو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارہ میں دھوکہ باز (شیطان) ہرگز دھوکہ نہ دے سکے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس قیامت کا علم ہے.....}

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سے یہی مراد لی ہے اور اسے ثابت کرنے کے لئے حدیث مذکور کے ہم معنی دوسری روایات کو بھی نقل کیا ہے۔ مثلاً لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَسْعَدَالنَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ. اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرُوا السَّاعَةَ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۶۴) یعنی جب حکومت نا اہل لوگوں کے سپرد کی جائے گی اور کمینے اور اوباش لوگ دنیا کے عیش وعشرت سے محظوظ ہوں گے تو اس وقت اس گھڑی کا انتظار کرو۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان باب میں ایک تو جبرائیل کے واقعہ کا حوالہ دے کر ایمان واسلام واحسان کے تین اہم اجزاء کی طرف توجہ دلائی ہے اور دوسرے وفد عبدالقیس کے واقعہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ (حدیث نمبر ۵۳) اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ** کی تشریح فرماتے ہوئے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم کو بھی ایمان ہی میں شامل کیا ہے۔ بوجہ اس شدید تعلق کے جو ایمان کو اعمال کے ساتھ ہے اور پھر آخر میں وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

يُقْبَلَ مِنْهُ کی آیت لائے ہیں تا اصل مقصد واضح ہو۔ یہ آیت یوں شروع ہوتی ہے: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ...... وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا. (ال عمران:۸۵-۸۶) اس آیت میں ایمان باللہ وایمان بالرسل کو اسلام قرار دیا ہے۔ عبدالقیس کے واقعہ نیز اس آیت کو پہلو بہ پہلو پیش کر کے اس سے یہ سمجھایا ہے کہ اعتقادات کو اعمال کے ساتھ اتنا شدید تعلق ہے کہ ایمان کو اسلام اور اسلام کو ایمان کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ غرض یہ باب خلاصہ ہے کتاب الایمان کا۔

رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبُهْمِ: بُهْمٌ جمع ہے اَبْهَم کی یعنی سیاہ۔ سیاہ اونٹ بدترین قسم سمجھی جاتی ہے بمقابل حُمْرُ النَّعم یعنی سرخ اونٹوں کے۔ سیاہ اونٹوں سے مراد مجہول النسب، جاہل، بد اخلاق اور اجڈ لوگ ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۶۳) اسی کتاب میں اشراط الساعۃ کے متعلق جہالت کا پھیل جانا، زنا، شراب خوری کی کثرت اور مار دھاڑ وغیرہ علامات مذکور ہیں۔ یہاں اس تباہی کی طرف اشارہ ہے جس سے بنی عباس تباہ ہوئے۔ اسی تباہی کی طرف ابراہیم جونی نے اشارہ کیا ہے۔ جس کو امام ابن حجرؒ نے بھی بایں الفاظ نقل کیا: اَلـرُّؤَسَاءُ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ كَانُوْا يَسْتَنْكِفُوْنَ غَالِبًا مِنْ وَّطْئِ الْاِمَاءِ وَيَتَنَافَسُوْنَ فِي الْحَرَائِرِ ثُمَّ انْعَكَسَ الْاَمْرُ وَلَا سِيَمَا فِي اثْنَاءِ دَوْلَةِ بَنِي الْعَبَّاسِ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۶۲) یعنی اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بڑے بڑے لوگ لونڈیوں سے نکاح کرنا ناپسند کرتے تھے۔ مگر اس کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا۔ خاص کر بنی عباس کے زمنہ میں ان کی تباہی کے اہم اسباب میں سے لونڈیوں سے شادیاں کرنا بھی ایک بڑا سبب تھا۔

هٰذَا جِبْرِيْلُ جَآءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ: جبرائیلی تجلی کا یہ ایک حیرت انگیز نظارہ ہے۔ اگر اپنے نفس کا تھوڑا سا مطالعہ کیا جائے تو یہ روحانی کیفیت کسی قدر سمجھ میں آ سکتی ہے۔ انسان غیر شخص کی ذہنیت کو اپنی ذہنیت کے زیر تصرف لا سکتا ہے۔ اسی اصل پر علم ترب وعلم تنویم وغیرہ کی بنیاد ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو بغیر اپنے ارادے کے اس کے خیالات کی رَو دوسرے کے ذہن میں مخفی طریق سے سرایت کر کے زور سے اپنا کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اپنے ہم نشینوں میں اس کا اکثر تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ روحانی تجلیات میں بھی اسی قسم کی کیفیات کا تجربہ ومشاہدہ اہل اللہ کو ہوتا رہا ہے اور اس میں کبھی دوسرے لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ یعنی کشف یا وحی کی حالت جو ایک شخص پر طاری ہوتی ہے۔ دوسرا شخص بھی اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور بالکل وہی نظارہ دیکھتا یا کیفیت محسوس کرتا ہے جو خود صاحب وحی وکشف دیکھتا یا محسوس کرتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی یہی ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ: مذکورہ بالا آیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے محض جبرائیلی تجلی کے ماتحت صادر ہوئی نہ کسی اپنے ارادے سے اور اس واقعہ کا آخری حصہ علم غیب پر مشتمل ہے۔ یعنی یہ کہ عرب لوگ اپنی بد اعمالی سے تباہ ہوں گے۔ زبانی اسلام ان کو کام نہ دے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب ان کے امورِ سلطنت میں غلاموں کا دخل ہو جائے گا اور بجائے آزاد عورتوں سے شادی کرنے کے وہ لوگ لونڈیوں سے شادی کریں گے اور دنیا میں منہمک ہوں گے اور بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے۔ یہ سب پیشگوئیاں تھیں جو پوری ہوئیں۔ اس سے جبرائیلی تجلی کی

حقانیت وعظمت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ سارا واقعہ کامل بیداری کے عالم میں ہوا اور آپ کو اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ یہ وحی کی ایک خاص حالت کا مشاہدہ ہے۔ مگر اپنے باطنی احساس کو خارجی ثبوت کے ساتھ پایہ یقین تک پہنچانے کے لئے اور لوگوں کے عرفان میں مزید ترقی دینے کے لئے فرمایا: **رُدُّوْهُ** اسے واپس لاؤ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

بَاب ۳۸

۵۱: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيْدُوْنَ أَمْ يَنْقُصُوْنَ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ الْإِيْمَانُ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِّدِيْنِهِ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الْإِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ.

۵۱: ہم سے ابراہیم بن حمزہ نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے ان سے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ابوسفیان (بن حرب) نے مجھے بتلایا کہ ہرقل نے ان سے کہا کہ میں نے تم سے پوچھا تھا: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔ تو تم نے کہا وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان اسی طرح بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا کوئی اس کے دین میں داخل ہو کر پھر اس دین کو ناپسند کرنے کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں اور ایمان بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جب اس کی بشاشت دل میں رچ جاتی ہے تو اسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرتا۔

تشریح: امام بخاریؒ کبھی باب کا عنوان علیحدہ اس لئے بھی قائم نہیں کرتے کہ اس باب کا تعلق پہلے باب سے ہوتا ہے اور ان کو تائیدی رنگ میں ضمناً ایک ایسی بات بیان کرنی مقصود ہوتی ہے جو سابقہ احادیث کے مفہوم کی واضح طور پر تعیین کرتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ الْإِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ: امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ہرقل چونکہ عقلمند، عالم تورات وانجیل تھا، اس لئے ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق اس کا قول بھی بطور ایک تائیدی شہادت کے پیش کیا گیا ہے۔ مگر یہ نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ چونکہ ہرقل کا یہ قیاس کہ ایمان جب کسی قوم میں صحیح طور پر پیدا ہوتا ہے تو اس

کے اندر زندگی کی روح پھونکی جاتی ہے اور وہ قوم نشو ونما پاتی ہے۔ چونکہ یہ اس کا قیاس واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے امام موصوفؒ نے اس کو بطور ایک عقلی دلیل کے پیش کیا ہے۔ سابقہ باب میں انہوں نے اس بات کو پیش کیا تھا کہ ایمان وعمل کا نقص قوم کے لئے موت کی گھڑی کا اعلان ہوتا ہے اور دین کی طرف ظاہری نسبت اس کو نجات نہیں دے سکتی اور جب ایمان صحیح ہو تو پھر قوم مرتی نہیں، بلکہ ہر شر سے امن میں ہو کر بڑھتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جو باب آپ نے قائم کیا ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان کو اپنے دین اور اپنی آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے پوری احتیاط سے کام لینا اور دل کو ہر ناپاک خیال سے صاف رکھنا چاہیے۔

بَاب ۳۹: فَضْلُ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ

اس شخص کی فضیلت جس نے اپنے دین کی خاطر گناہ سے بچنے میں پوری احتیاط کی

۵۲: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَّرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

۵۲: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، (کہا:) زکریا نے عامر سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں نے نعمان بن بشیر سے سنا۔ وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہ والی کچھ باتیں ہیں۔ اکثر لوگ انہیں نہیں جانتے۔ پس جو اِن مشتبہ باتوں سے بچا، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے پوری احتیاط سے کام لیا اور جو اِن مشتبہ امور میں جا پڑا تو وہ اس چرواہے کی مانند ہے جو اپنا ریوڑ رَکھ کے آس پاس چرا رہا ہے۔ قریب ہے کہ اس میں ریوڑ جا پڑے۔ دیکھو ہر بادشاہ کی ایک رَکھ ہوتی ہے۔ خیال رکھنا کہ اللہ کی رَکھ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی باتیں ہیں۔ خبردار! اور جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ دل ہے۔

بَاب ٤٠: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيْمَانِ

غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا بھی ایمان میں سے ہے

٥٣: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ يُجْلِسُنِي عَلَى سَرِيْرِهِ فَقَالَ أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَّالِي فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَّرَاءَ نَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوْهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

۵۳: ہم سے علی بن جعد نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوجمرہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ وہ مجھے اپنی چارپائی پر بٹھلاتے۔ انہوں نے کہا: میرے پاس ٹھہر جاؤ تاکہ میں اپنے مال سے تمہارے لئے ایک حصہ مقرر کردوں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ دو ماہ ٹھہرا اور انہوں نے کہا کہ عبدالقیس کا وفد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں یا (فرمایا) یہ کون وفد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ قوم کے۔ آپؐ نے فرمایا: مرحبا اس قوم کو یا (فرمایا) اس وفد کو۔ نہ ذلیل ہوں اور نہ پشیمان۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہم آپؐ کے پاس نہیں آسکتے مگر عزت والے مہینہ میں۔ کیونکہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ ہے۔ اس لئے آپؐ ہمیں ایک امر فیصل کا حکم دیں۔ تا ہم اپنے پچھلوں کو بھی وہ بتلائیں اور اس پر عمل کرکے ہم بھی جنت میں داخل ہوں۔ نیز انہوں نے آپؐ سے پینے والی چیزوں کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا: ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس بات کا اقرار کرنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ

وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ وَأَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَاءَكُمْ.

اللہ کا رسول ہے اور نماز سنوار کر ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت سے پانچواں حصہ بھی دیا کرنا اور آپؐ نے ان کو چار چیزوں سے منع فرمایا۔ سبز لاکھی مرتبان اور کدو کے تونبے اور کُریدی ہوئی لکڑی کے برتن اور روغنی برتن سے اور کبھی راوی نے مُزَفَّت کی بجائے مُقَيَّر کہا اور آپؐ نے فرمایا: ان باتوں کو یاد رکھو اور جو تمہارے پیچھے ہیں انہیں بھی بتلاؤ۔

تشریح: **اَدَآءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِيْمَانِ:** اس باب میں جو حدیث لائی گئی ہے، اس کے مضمون کی طرف باب نمبر ۳۷ میں اشارہ ہو چکا ہے۔ اس کا تعلق بھی اسی باب سے ہے۔ جس میں ایمان، اسلام اور احسان کا ذکر ہے۔ ماقبل کا باب بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ دل کی اصلاح اصل بنیاد ہے، اعمال کی درستگی کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ باب نمبر ۳۸ کا کوئی علیحدہ عنوان قائم نہیں کیا۔ اس باب میں غنیمت کے متعلق الگ عنوان اس بات کی طرف ضمناً اشارہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ قوم جب کمزور و مغلوب حالت میں ہو تو وہ اچھی طرح اپنے مذہبی فرائض کو بھی ادا نہیں کر سکتی۔ مثلاً یہی خمس کا ادا کرنا۔ ربیعہ قوم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے اس لئے نہیں آ سکتے تھے کہ مضر جو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ بوجہ طاقتور ہونے کے ان کے لئے روک بنتے تھے۔ غنیمت ہر اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن کے مغلوب ہونے پر اس کے مقبوضات میں سے ہاتھ آئے اور یہ غنیمت غلبہ کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنے کو جو ایمان کی جزء قرار دیا گیا ہے۔ تو اس سے دراصل اس غلبہ اور اقتدار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، جس کے حاصل ہونے پر ایمان کے بعض عملی پہلوؤں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے موقع ملتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے شراب نہ پینے وغیرہ مسائل کے متعلق بھی استدلال کیا جا سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ مذکورہ بالا واقعہ بھی نبیذ کے پینے سے متعلق ہے۔ ابو جمرہ نے جو قبیلہ عبدالقیس میں سے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے جب نبیذ کا ذکر کیا تو انہوں نے ان کو عبدالقیس کے وفد کا واقعہ سنایا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۷۲) مگر امام بخاریؒ نے شراب کی حرمت اور نماز وغیرہ کے احکام کو نظر انداز کر کے صرف غنیمت کو عنوان میں جو نمایاں کیا ہے تو اس سے اسی کمزوری یا غلبہ کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے جس سے ایمان کمزور یا مضبوط ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خمس کا حکم دیا ہے وہاں اسی غلبہ اور اقتدار کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس کو ایمان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (الانفال: ۴۲) {ترجمہ: اور تم جان لو کہ جو بھی مالِ غنیمت

تمہارے ہاتھ لگے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ (یعنی دین کے کاموں کے لیے) اور رسول کے لیے اور اقرباء کے لیے اور یتامیٰ اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کر دینے کے دن اُتارا تھا؛ جس دن دو جمعیتوں کا تصادم ہوا تھا۔ اور اللہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے، دائمی قدرت رکھتا ہے۔} اس آیت کے پہلے بھی اور بعد بھی اسی نصرت عملی اور فتح اور ممتاز حیثیت کا ذکر ہے جو ایمان کی وجہ سے ایک مسلمان جماعت کو اس کے دشمن کے بالمقابل حاصل ہوتی ہے۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے کتاب العلم باب ۲۵ روایت نمبر ۸۷)

بَاب ٤١ : مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ

یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ اعمال نیت پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ ہوتے ہیں

وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى فَدَخَلَ فِيْهِ الْإِيْمَانُ وَالْوُضُوْءُ وَالصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْأَحْكَامُ وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (بنی إسرائيل:٨٥) عَلَى نِيَّتِهِ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ وَقَالَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ.

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے نیت کی ہوتی ہے۔ اس میں ایمان اور وضو اور نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزہ اور باقی احکام بھی شامل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ یعنی کہو کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقے یعنی نیت کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ آدمی کا اپنے کنبے پر رضاءِ الٰہی کے لئے خرچ کرنا بھی صدقہ ہے اور آپؐ نے فرمایا: ہاں جہاد اور نیت۔

٥٤ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى

۵۴: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحيٰ بن سعید سے، یحيٰ نے محمد بن ابراہیم سے، محمد نے علقمہ بن وقاص سے، انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال تو نیت پر موقوف ہیں اور ہر ایک شخص کو وہی ملتا ہے جو اس نے نیت کی ہو۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہو۔ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے

اللهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

لئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے پانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہوتو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

٥٥: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيْدَ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ.

۵۵: ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عدی بن ثابت نے مجھے بتلایا انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے سنا۔ انہوں نے حضرت ابومسعودؓ سے، حضرت ابومسعودؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اگر آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے کہ اس سے رضاءِ الٰہی چاہتا ہو تو یہ خرچ کرنا اس کے لئے صدقہ ہوگا۔

٥٦: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ.

۵۶: ہم سے حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی۔ زُہری نے کہا: عامر بن سعد نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ حضرت سعدؓ نے اُنہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو جب کبھی بھی کوئی ایسا خرچ کرے گا کہ جس سے تو اللہ کی رضامندی چاہتا ہوگا تو ضرور ہے کہ اس کا بدلہ تجھے دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس (لقمہ) پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔

تشریح: اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ: امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کو دو بابوں پر ختم کیا ہے۔ پہلا یہ باب جس میں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کی حدیث نبوی کا اعادہ کرتے ہوئے اس نیت میں ایمان کو بھی شامل دکھلایا ہے اور ایسا ہی ہر عمل کو بھی۔ ایمان باللہ میں بھی اور وضو وغیرہ میں بھی جو محض دینی کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہونی چاہیے اور بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے میں بھی رضاءِ الٰہی مقصود ہو۔ یہی دراصل ایمان اور اسلام کا حقیقی مغز و خلاصہ ہے۔

یعنی اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام ہو۔ **حِسْبَةٌ** کے معنی رضاءِ الٰہی کی خاطر۔ یہ قول کہ نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہیے، نفس کا ایک خطرناک دھوکہ ہے۔ یہ صرف خوبصورت الفاظ ہیں، جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اگر دنیا میں اس کا کوئی وجود ہوگا تو اُن بے جان چیزوں میں ہوگا، جن سے بغیر اُن کے اپنے ارادے کے بھلے افعال صادر ہو رہے ہیں۔ مگر بالا رادہ کام کرنے والی ہستیوں کے ہر ایک عمل کی کوئی نہ کوئی جہت حرکت ضرور ہوتی ہے، جس کی طرف اس عمل کا رُخ ہوتا ہے۔ **وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا** (البقرۃ:۱۴۹){اور ہر ایک کے لیے ایک مطمح نظر ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے۔} اس جہتِ حرکت کو نیت کہتے ہیں اور انسان کے ہر عمل کا رُخ رضاءِ الٰہی کی طرف ہونا چاہیے۔ یہ ہے کمال نیکی کا۔ ورنہ نیکی کی خاطر نیکی کرنا ایک ایسا ہی مبہم مفہوم ہے جس طرح خود نیکی کا مفہوم انسانی شہوات و اغراض و مفاد و ملاحظات کے اختلاف اور ان کی آپس کی کشمکش اور پیچیدگیوں میں مبہم ہو جاتا ہے اور یہ ابہام ایسا ہوتا ہے کہ خود انسان کو بھی اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے پتہ نہیں ہوتا کہ آیا وہ نیکی کر رہا ہے یا بدی۔ اس لئے اس بے معنی اصل کو یعنی نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہیے، قبلۂ اعمال بنانا انسان کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا** (بنی اسرائیل:۸۵) کی آیت پیش کر کے اس نکتہ جلیلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ایمان باللہ میں بھی رضاءِ الٰہی کی ہی نیت رکھنے کی تلقین کی ہے۔ نیت کے متعلق مفصل بحث کتاب بدء الوحی حدیث نمبر ۱ کی تشریح میں ملاحظہ ہو۔

نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ : ہر عمل بوجہ نیک نیت کے صدقہ کہلاتا ہے۔ صدق کے معنی سچائی اور پائیداری اور ظاہر و باطن کا ایک ہونا۔ وہی عمل جو رضائے الٰہی پر مبنی ہو سچا اور پائدار ہوتا ہے نہ کہ نیکی کے لئے نیکی کرنا۔

وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ: جو باب مذکور میں ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو کتاب الجہاد میں آئے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی خواہش رکھنے والے کو جواب دیا: **لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا**۔ یعنی شر و فساد کو مٹانا۔ اصلاحِ نفس اور اصلاحِ بنی نوع انسان کے لئے کوشش کرنا نیز ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت رکھنا یہ کام ہجرت کے قائم مقام ہیں۔

(بخاری. کتاب الجهاد. باب فضل الجهاد والسير. روایت نمبر ۲۷۸۳- نیز باب وجوب النفير. روایت نمبر ۲۸۲۵)

بَاب ٤٢
قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ

نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ دین اخلاص ہے اللہ کے لیے اور اُس کے رسول کے لئے
اور مسلمانوں کے پیشواؤں کے لئے اور ان کے عام افراد کے لئے

وَقَوْلُهُ تَعَالٰى إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ. (التوبة: ٩١)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: (اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) یعنی جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔

٥٧: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

۵۷: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحيٰی نے اسماعیل سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: مجھے قیس بن ابی حازم نے جریر بن عبداللہ (بجلی) سے روایت کرتے ہوئے بتلایا انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نماز سنوار کر پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر ایک مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر کی۔

٥٨: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ وَالْوَقَارِ وَالسَّكِيْنَةِ حَتّٰى يَأْتِيَكُمْ أَمِيْرٌ فَإِنَّمَا

۵۸: ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے زیاد بن علاقہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ہم نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ کو کہتے سنا کہ جس دن حضرت مغیرہؓ بن شعبہ فوت ہوئے تو حضرت جریرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ستائش بیان کی اور کہا: تمہیں چاہیے کہ تم صرف ایک اللہ ہی کو اپنا سپر بناؤ، جس کا کوئی بھی ہمسر نہیں اور متانت اور سکینت اختیار کرو۔ یہاں تک کہ تمہارے پاس کوئی حاکم آ جائے۔ کیونکہ وہ تو تمہارے پاس اَب آ ہی رہا ہوگا۔ پھر کہا: اپنے

يَأْتِيْكُمُ الْآنَ ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوْا ☆ لِأَمِيْرِكُمْ فَإِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَّكُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

(وفات شدہ) امیر کے لئے دعائے مغفرت☆ کرو۔ کیونکہ وہ عفو کو پسند کرتا تھا۔ پھر انہوں نے کہا: اس کے بعد سنو کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ میں آپؐ سے اسلام میں داخل ہونے کی بیعت کرتا ہوں تو آپؐ نے مجھ پر ہر ایک مسلمان کی خیرخواہی بھی لازم کی تھی۔ اس پر میں نے آپؐ کی بیعت کی اور میں اس مسجد کے ربّ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارا سراسر خیرخواہ ہوں۔ پھر انہوں نے مغفرت کی دعا کی اور (منبر سے) اُتر آئے۔

تشریح: **اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ:** عنوان باب کے مذکورہ بالا الفاظ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ...... الخ۔ حدیث نبوی کے ہیں۔ مسلم نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ (مسلم. كتاب الايمان. باب بيان أنّ الدين النصيحة) بوجہ اس کے کہ یہ حدیث امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق نہ تھی، اس لئے اسے باب کے عنوان ہی میں رکھا ہے اور اس کے ہم معنی دوسری حدیثیں لے آئے ہیں۔

نَصُحٌ کے لغوی معنی خالص ہونا یا کرنا۔ نصیحت عربی زبان میں ایک جامع کلمہ ہے۔ اس کے معنی نہ صرف یہ ہیں کہ اپنی نیت اور اپنے عمل کو ہر قسم کے اغراضِ نفسانی کی آمیزش سے بالکل پاک وصاف رکھنا بلکہ کامل ہمدردی وخیرخواہی کرنا۔ ابوثمامہ نے **اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ** کی یہ تشریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو حقوق العباد پر مقدم رکھنا اور ایمان باللہ اور اس کی محبت وعبادت میں کسی قسم کا خلل نہ آنے دینا۔ **اَلنَّصِيْحَةُ لِلرَّسُوْلِ** یہ ہے کہ اس کی کامل اتباع کرنا اور ہر حال میں اس کی مدد کرنا، اس کا پیغام دنیا کو پہنچانا اور اس کی محبت وعزت دل نشین کرنا۔ **اَلنَّصِيْحَةُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ** یہ ہے کہ جو امور ان کے سپرد ہیں ان میں ان کی مدد کرنا، ان کی کسی غفلت اور لغزش پر ادب کے ساتھ اُن کو آگاہ کر کے خاموش ہو جانا اور ان کے ساتھ کسی قسم کا منافقانہ رویہ نہ رکھنا بلکہ لوگوں میں ان کی نسبت فرماں برداری کی روح پیدا کرنا۔ **اَلنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ** یہ ہے کہ ان کی بہبودی واصلاح کے لئے ہر وقت کوشاں رہنا۔ ان کو ہر قسم کے فتنہ وشر سے بچانا۔ ان کی خوشی وغمی کو اپنی خوشی وغمی سمجھنا اور ان کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند ہو۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۸۲) ان تمام تشریحوں سے وہ تشریح نصیحت کا مفہوم پورے طور پر ادا کرتی ہے، جس کی طرف آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے۔ ساری آیت یوں ہے: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. وَّلَا عَلَى

☆ بعض روایات میں اِسْتَعْفُوْا کی بجائے اِسْتَغْفِرُوْا کا لفظ ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۸۴)

الَّـذِیۡـنَ اِذَا مَا اَتَوۡکَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَا أَجِدُ مَا أَحۡمِلُكُمۡ عَلَیۡهِ تَوَلَّوۡا وَأَعۡیُنُهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوۡا مَا یُنۡفِقُوۡنَ. (التوبة:۹۱-۹۲) یعنی وہ جوخرچ کرنے یا جہاد کرنے کے لئے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے اورغم کے مارے اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں کہ کیوں وہ اس نیک کام سے محروم رہے ہیں؛ اُن کے دل کی یہ حالت اَلنَّصِیۡحَةُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ کی صحیح مثال ہے۔یعنی دل میں اس قدر درد ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ وہ معذور ہیں اوران پرکوئی ملامت نہیں، پھربھی وہ اپنی محرومی پر بے قرار ہوکر رور ہے ہیں۔

یہ وہ خیرخواہی وہمدردی ہے جو دین کی اصل روح ہے۔یہی ہمدردی وخیرخواہی تمام بنی نوع کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اَلنَّصِیۡحَةُ لِرَسُوۡلِهٖ میں بھی یہی کیفیت ہو۔کیونکہ رسالت کاتعلق تمام بنی نوع انسان کے ساتھ ہےاوراس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کانمونہ ہمارے سامنے ہے، جس کی شہادت قرآن مجید کےان الفاظ میں بھی ملتی ہے: لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ. (الشعراء: ۴) یعنی آیاتواس غم کے مارےاپنے آپ کوہلاک کردے گا کہ یہ لوگ مومن کیوں نہیں ہوتے۔مسلمانوں کا یہاں خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ وہ امتیاز اور حق ہے جو انہیں بحیثیت جماعت کا فرد ہونے کے طبعی طور پر حاصل ہے۔ان کا خصوصیت سے ذکر کر دینا دوسروں کے لئے ہمدردی کرنے میں روک نہیں بنتا۔(دیکھئے تشریح حدیث نمبر ۱۱)

مغیرہ بن شعبہ: امیر معاویہ کی حکومت کے ایام میں ان کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ان کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی اورانہوں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کوتاوقتیکہ نیا حاکم مقرر ہو، اپنا نائب مقرر کیا تھااوراسی لئے انہوں نے لوگوں کو یہ نصیحت کی۔مذکورہ بالا واقعہ نقل کرکےامام بخاریؒ درحقیقت اپنی اس خیرخواہانہ نصیحت کی طرف اشارہ کررہے ہیں جوانہوں نے بالفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایمان واسلام کی بحث کے ضمن میں تمام مسلمانوں کوکی ہےاورانہیں ہرقسم کےاختلاف سےمنع کیاہےاورایمان واسلام کےمتعلق اپنا غائیہ کمالیہ اعلیٰ سےاعلیٰ بنانے کی طرف انہیں توجہ دلائی ہے۔نیز وقار وسنجیدگی کو اپنا شعار بنانے کے لئے کہا ہےاوراس نصیحت کے ساتھ کتاب الایمان کوختم کرتے ہیں۔باب کا عنوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں باندھا ہےاورخاتمہ میں ایک صحابی کے الفاظ میں اپنا مقصد بھی بیان کردیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں شروع سے لےکرآخرتک یہی طریق مسائل کے مطالب سمجھانے میں اختیار کیا ہے۔ یعنی ابواب کی ترتیب اوران کےعنوان قائم کرنے اوراحادیث کی سندوں کےانتخاب اوران کی تقدیم وتاخیر کےضمن میں اختلافی مسائل کےمتعلق صحیح فقہ اورعلم کلام کوپیش کیا ہے۔کتاب الایمان کی اس آخری حدیث کے خاتمہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں: ثُمَّ اسۡتَغۡفَرَ وَنَزَلَ. یعنی جیسے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کونصیحت کی تھی اورآخرمیں وہ استغفار پراپنا مقصدِنصیحت ختم کرتے ہوئے منبر سے نیچے اُترے تھے،اسی طرح میں بھی مسلمانوں کونصیحت کرتے ہوئے کتاب الایمان کوختم کرتا ہوں۔کتاب العلم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مخصوص طریق بیان کی صراحت بھی کی ہے۔جیسا کہ اصل موقع ومحل پرانشاءاللہ اس کا ذکر کیا جائے گا۔ وباللّٰہ التوفیق.

❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کِتَابُ الْعِلْم

اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طریق روایت اور اس کی صحت وسقم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ضمناً تدوین احادیث کی تاریخ اور روایت کے بارے میں صحابہ کرام کی غایت درجہ احتیاط کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ آداب بیان کئے ہیں جو تحصیل علم کے لئے از بس ضروری ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کو احادیث کے جمع کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور اس کے لئے کیا کیا محنت ومشقت برداشت کی اور لمبے لمبے سفر اختیار کئے اور یہ کہ علم ایک وسیع ناپیدا کنار سمندر ہے۔ نیز یہ کہ احادیث کو بیان کرتے وقت وہ اشارہ وکنایہ سے اپنی رائے کا بھی اظہار کریں گے۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا مقاصد کو ابواب واحادیث کی تشریح میں ساتھ ساتھ واضح کیا گیا ہے، جیسا کہ مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔ تیسرے باب کی دوسری روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس غایت درجہ احتیاط اور اہتمام کا پتہ دیتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب کے ابواب کے عنوان اور احادیث کے انتخاب اور ان کی ترتیب قائم کرنے میں دکھایا ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کا کوئی فعل اور کوئی حرکت عبث نہیں ہوتی۔ مشار الیہ باب کے ضمن میں امام موصوف کا اس حدیث کو لانا بتلاتا ہے کہ وہ قارئین کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے احادیث کے لفظ اَنْبَانَا یا اَخْبَرَنَا یا حَدَّثَنَا کے اختیار کرنے میں بھی کسی نہ کسی مقصد کو مدنظر رکھا ہے۔ ایسا ہی ایک باب انہوں نے یہ بھی قائم کیا ہے کہ اگر کوئی اشارہ اور کنایہ سے فتویٰ دے تو کیا یہ جائز ہے اور اس کے جواز کے متعلق آنحضرت ﷺ کے عمل کو پیش کیا ہے۔ اس سے بھی درحقیقت یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وہ مسائل کے متعلق اپنا فتویٰ اشارہ وکنایہ سے بیان کریں گے۔ اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ امام بخاریؒ کی کتاب محض روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ درحقیقت یہ ذخیرہ ہے اس ربانی علم ومعرفت کا جو محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔

بَاب ۱ : فَضْلُ الْعِلْمِ

علم کی فضیلت

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى : يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَّاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا (يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ) یعنی جو تم میں سے مومن ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے انہیں اللہ درجوں میں بلند کرتا رہتا ہے اور اللہ جو کچھ تم

(المجادلة: ۱۲) وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا(طٰهٰ: ۱۱۵). کرتے ہو اُس سے خوب آگاہ ہے۔ نیز اللہ عزوجل کا یہ فرمانا: رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا. اے میرے ربّ مجھے علم میں بڑھا۔

تشریح: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنكُم: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب باندھنے میں جو آیت انتخاب کرتے ہیں وہ ان کا مقصد ادا کرنے کے لئے اپنے اندر پورا ذخیرہ رکھتی ہے۔ آپؒ نے فضیلتِ علم کا باب قائم کرتے ہوئے دو آیتیں چنیں ہیں۔ ایک یہ ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ. (المجادلة: ۱۲-۱۳) ☆ ان آیات میں دو قسم کے آدمیوں کے درجات بڑھائے جانے کا ذکر ہے ایک اہل ایمان اور دوسرے اہل علم۔ اسی ترتیب سے امام موصوفؒ نے ایمان وعلم کے متعلق یکے بعد دیگرے احادیث بیان کی ہیں اور دونوں کو ترقی درجات کا سبب قرار دیا ہے۔ ایمان بھی انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات کا وارث بناتا ہے اور علم بھی۔ ایمان علم کو اور علم ایمان کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ ایمان اپنے اندر اسی طرح نورِ علم رکھتا ہے جیسے کفر جہالت کی ظلمت کو۔ غرض ان دونوں کا تعلق آپس میں نہایت گہرا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۲۶ تا ۲۷۳)

اِذَانَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ: چونکہ احادیث کا مطالعہ اور ان کا تذکرہ بھی ایک قسم کی مناجاتِ رسول یعنی اس سے راز و نیاز کی باتیں کرنا ہے۔ اس لئے قَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (المجادلة: ۱۳) کے ماتحت امام موصوفؒ نے وہ آداب ذکر کئے ہیں جو اسلامی تعلیم کی رو سے تحصیل علم کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں ہر نیک وخالص عمل صدقہ کہلاتا ہے۔

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا: دوسری آیت رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا(طٰهٰ: ۱۱۵) ہے۔ یہ آیت علم حاصل کرنے کے لئے اس طبعی خواہش اور استعداد کی طرف اشارہ کرتی ہے جو نہایت وسیع پیمانہ پر انسان کی فطرت میں بطور ودیعت کے رکھی گئی ہے۔ علم کی فضیلت اس سے عیاں ہے کہ وہ بے پایاں و بے کنار سمندر ہے جس میں انسان جتنا بھی آگے تیرتا چلا جائے اس کی فطرت یہی کہتی چلی جائے گی: رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ پہلا ادب اسلام نے علم کے متعلق یہ سکھلایا ہے کہ انسان جناب الٰہی میں ہمیشہ یہ دعا کرتا رہے کہ وہ اپنی شانِ ربوبیت کے طفیل اس کا علم ہمیشہ بڑھاتا رہے۔

☆ ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہیں یہ کہا جائے کہ مجلسوں میں (دوسروں کے لیے) جگہ کھلی کر دیا کرو تو کھلی کر دیا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی عطا کرے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور خصوصاً اُن کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ اور اللہ اُس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول سے (کوئی ذاتی) مشورہ کرنا چاہو تو اپنے مشورہ سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔

بَاب ٢

مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيْثِهِ فَأَتَمَّ الْحَدِيْثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ

جس سے کوئی علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اپنی بات میں مشغول ہو تو بات ختم کر کے پھر وہ پوچھنے والے کو جواب دے

٥٩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ ح وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُّحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَّمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيْثَهُ قَالَ أَيْنَ ؟ أُرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.

٥٩: ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، کہا: فُلَیح نے ہمیں بتلایا- نیز مجھ سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، کہا: محمد بن فُلَیح نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، کہا: ہلال بن علی نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ نبی ﷺ مجلس میں بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک بدوی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: موعودہ گھڑی کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ اپنی بات میں لگے رہے۔ اس پر لوگوں میں سے کسی نے کہا: جو اس نے کہا آپؐ نے سن لیا ہے مگر آپؐ نے اس کی بات کو برا منایا۔ اور ان میں سے بعض نے کہا: نہیں آپؐ نے سنا نہیں۔ آخر جب آپؐ بات ختم کر چکے تو فرمایا کہ کہاں ہے؟ (راوی کہتا ہے:) میں سمجھتا ہوں۔ (آپؐ نے یوں فرمایا:) موعودہ گھڑی کے متعلق پوچھنے والا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ ہوں۔ فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے گی تو اس وقت موعودہ گھڑی کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا: وہ کیوں کر ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: جب حکومت نا اہل لوگوں کے سپرد کر دی جائے گی تو اس وقت اس گھڑی کا انتظار کرو۔

تشریح: **أَتَمَّ الْحَدِيْثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ:** اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نمونہ کو پیش کر کے چار اور آداب سکھائے ہیں۔ **ایک** یہ کہ انسان کو جو بات سمجھ نہ آئے وہ پوچھے۔

دوسرا یہ کہ وہ قطع کلام نہ کرے۔ یہ عیب بکثرت پایا جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ عالم اپنا علمی وقار قائم رکھے۔ کسی کی غلطی اگر بری معلوم ہو تو حتی الوسع اس کا اظہار نہ کرے اور خوبی سے اس غلطی کا ازالہ کر دے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناپسندیدگی کو صرف اپنے اندرونی احساس تک ہی محدود رکھا۔ چنانچہ صحابہ کو شک رہا کہ آپؐ نے بُرا مانا ہے یا سنا نہیں۔ قرآن مجید میں بھی آپؐ کے اس پاک خُلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰی (عبس : ۲) ایک اندھے کے سامنے تیوری چڑھا کر اعراض کرنے پر اکتفا کرنا اور اسے قطع کلام پر کچھ نہ کہنا یہ اخلاق فاضلہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ اندھا تو زبان ہی سے سمجھ سکتا ہے نہ کہ تیوری چڑھانے سے یا اعراض سے۔ علمی مجلس میں علمی باتیں کرتے ہوئے ایک عالم کے لئے کامل طور پر ضبط نفس رکھنا از بس ضروری ہے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ سائل کے سوال کو بالکل نظر انداز بھی نہ کرے بلکہ بات ختم کرنے کے بعد اس کی تشفی کرائے۔

فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ: السَّاعَة کی تشریح حدیث نمبر ۵۰ میں ملاحظہ ہو۔

بَاب ۳ : مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

جو بلند آواز سے (کسی بات کا) علم دے

۶۰ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الصَّلَاةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

۶۰: ہم سے ابونعمان عارم بن فضل نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابو بشر سے، ابو بشر نے یوسف بن ماہک سے، یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ ایک سفر میں جو ہم نے کیا تھا؛ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپؐ ہم سے آ ملے اور ہمیں نماز میں اتنی دیر ہوگئی (کہ دوسری نماز کا وقت بھی آن پہنچا) اور ہم ابھی وضو ہی کر رہے تھے۔ ہم نے اپنے پاؤں کو یونہی پانی سے پونچھنا شروع کر دیا۔ اس پر آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا: ہائے شامت ان ایڑیوں کی آگ سے۔ یہ دو دفعہ یا تین دفعہ فرمایا۔

تشریح: وَيْلٌ لِّلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ: چھٹا ادب یہ ہے کہ عالم اگر کوئی غلطی دیکھے تو اس غلطی کے متعلق کھول کر اظہار کرے۔ وَيْلٌ لِّلأَعْقَابِ مِنَ النَّار میں وَيْلٌ بددعائیہ کلمہ نہیں بلکہ تنبیہ وانذار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ایک چھوٹی سی کوتاہی یا تساہل کے پائے جانے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ اشارہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں مختلف فرقہ ہائے اسلام کے غلط خیالات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں اور دراصل یہی موضوع ہے آپ کی اس مستند کتاب کا۔

بَاب ٤ : قَوْلُ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا أَوْ أَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا

حدیث بیان کرنے والے کا یہ کہنا حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا یا اَنْبَانَا

وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ كَانَ عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا وَسَمِعْتُ وَاحِدًا وَّقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ وَقَالَ شَقِيْقٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَلِمَةً وَقَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَرْوِي عَنْ رَّبِّهِ وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ.

اور حُمَيْدِی نے ہم سے کہا کہ ابن عُيَيْنَه کے نزدیک حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا اور اَنْبَانَا اور سَمِعْتُ ایک ہی ہیں۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ. اور شقیق نے حضرت عبداللہؓ سے یوں روایت کی۔ کہا: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ كَلِمَةً كَذَا اور حضرت حُذَيْفَہؓ نے کہا: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ اور ابو عالیہ نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَرْوِیْ عَنْ رَّبِّهٖ اور حضرت انسؓ نے یوں کہہ کر روایت کی: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ اور حضرت ابوہریرہؓ نے یوں کہا: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ.

٦١: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

۶۱: ہم سے قتیبہ (بن سعید) نے بیان کیا کہ اسماعیل بن جعفر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عمرؓ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ.

سے روایت کی وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں ایک ایسا درخت ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مثال ہے مسلمان کی۔ مجھے بتلاؤ کہ وہ کون سا ہے؟ اس پر لوگ لگے بیابانوں کے درختوں میں تلاش کرنے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے کہ میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور ہے، مگر میں شرمایا۔ پھر لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپؐ ہی ہمیں بتلائیں کہ وہ کونسا ہے؟ فرمایا: وہ کھجور ہے۔

تشریح: **قَوْلُ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا اَوْاَخْبَرَنَا وَاَنْبَانَا:** اس باب کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنی اس کتاب کی بناء اُن مستند حدیثوں پر رکھیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهٖ یا عَنْ رَّبِّكُمْ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ احادیث نبویہ کی بنیاد وحی جلی یا وحی خفی پر ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی غلطی یا آپؐ کا سہو بھی روح القدس سے خالی نہیں۔ (مفصل بحث ملاحظہ ہو: آئینہ کمالات اسلام- روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۷۱ تا ۱۲۶)

اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ: امام ابن حجر نے مختلف روایتیں نقل کر کے اس حدیث کا مفہوم واضح کیا ہے کہ مسلمان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی حرکت اور اس کا کوئی فعل بھی بے سود نہیں ہوتا۔ جیسے کھجور کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں جو چھوٹے پودے ہونے کی حالت سے لے کر آخری عمر تک فائدے سے خالی ہو۔ لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا کے علاوہ بعض دوسری روایات میں کھجور اور اس کے اجزاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ایک چیز کا نام لے کر دوسری تمام چیزیں مراد لینے کا نام فن بلاغت میں اکتفا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۹۲-۱۹۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا باب میں اس حدیث کو لا کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی مقصد کو مدنظر رکھ کر الفاظ اَنْبَأَنَا وَأَخْبَرَنَا وَحَدَّثَنَا وَفِيمَا يَرْوِىْ وغیرہ کو استعمال کریں گے اور قارئین دیکھیں گے کہ امام موصوفؒ نے ایک چھوٹے سے چھوٹے تصرف سے بھی کتنا بڑا مقصد ادا کیا ہے۔ ابواب کے عناوین اور روایات کی ترتیب میں انہوں نے ایک نئے علم کلام کو جمع کر دیا ہے۔ جس سے مسلمانوں میں غلط روایتوں اور منطقی سفسطوں سے پیدا شدہ اختلافات کا نہایت خوبی سے ازالہ فرمایا ہے۔

بَاب ۵

طَرْحُ الْإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلَى أَصْحَابِهِ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

امام کا اپنے ساتھیوں سے سوال کرنا تا کہ ان کے علم کا امتحان لے

٦٢: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِي مَا هِيَ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللهِ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ.

۶۲: ہم سے خالد بن مَخْلَد نے بیان کیا کہ سلیمان (بن بلال) نے ہمیں بتلایا۔ (انہوں نے کہا) کہ عبداللہ بن دینار نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے، حضرت ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثال ہے۔ مجھے بتلاؤ کہ وہ کونسا ہے؟ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے: اس پر لوگ بیابانوں کے درختوں میں جا پڑے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے: میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور ہے۔ (پس میں شرمایا) پھر لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں بتلائیں وہ کیا درخت ہے؟ فرمایا: وہ کھجور ہے۔

تشریح: **طَرْحُ الْإِمَامِ الْمَسْئَلَةَ عَلٰی أَصْحَابِہٖ:** یہ حدیث جو ابھی گزر چکی ہے اس کا معاً اعادہ کرنے سے امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ کسی حدیث کا تکرار ایک نئے فائدہ کی غرض سے کریں گے. نیز اسے عموماً نئی سند کے ساتھ دہرائیں گے، تا اس کا پایہ صحت معلوم ہو۔ علاوہ ازیں وہ باب کے عنوان میں ایک معمولی سا تصرف کر کے دقیق در دقیق مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۱۹۵) جیسا کہ اس کی مثالیں کثرت سے آئیں گی۔

یہاں علم کے متعلق ساتواں ادب بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ عالم کو تعلیم دیتے وقت یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ سیکھنے والوں کی طبعی استعداد و جستجو کو اُبھارے اور مشاہدات کی طرف توجہ دلا کر قیاسات کے لئے اُن کے ذہن میں تحریک پیدا کرے۔ عربی زبان میں باطنی امر کو جو پوشیدہ ہوتا ہے ظاہر کرنے کا نام اِخْتِبَار ہے اور فن تعلیم میں یہ طریقہ سب سے اعلیٰ مانا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو دہرا کر اور اس سے علم کے متعلق نہایت باریک اور مفید استنباط کر کے جو الگ باب قائم کیا ہے وہ صرف اس غرض کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ان کا یہ انداز اس کتاب کے پڑھنے والوں کو توجہ

دلائے کہ وہ بھی مطالب کتاب کے سمجھنے میں اپنی عقل وفکر سے اسی طرح کام لیں جس طرح امام موصوفؒ نے احادیث کی تدوین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا کی پوری پوری تعمیل کی ہے۔

باب ٦ : مَا جَاءَ فِي الْعِلْمِ

علم کے متعلق

وَقَوْلُهُ تَعَالىٰ: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا. (طٰهٰ: ١١٥)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور یہ کہا کر کہ اے میرے ربّ! مجھے علم میں بڑھادے۔

{بَابٌ[1]} اَلْقِرَاءَةُ وَالْعَرْضُ عَلَى الْمُحَدِّثِ

محدث سے پڑھنا اور محدث کو پڑھ کر سنانا

وَرَأَى الْحَسَنُ وَالثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ الْقِرَاءَةَ جَائِزَةً وَّاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيْثِ ضِمَامِ ابْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تُصَلِّيَ[2] الصَّلَوَاتِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهٰذِهِ قِرَاءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهُ بِذَلِكَ فَأَجَازُوْهُ وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يُقْرَأُ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُوْلُوْنَ أَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَّيُقْرَأُ ذَلِكَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ وَيُقْرَأُ عَلَى الْمُقْرِئِ فَيَقُوْلُ الْقَارِئُ أَقْرَأَنِي فُلَانٌ.

اور حسن اور ثوری اور مالک نے (اس طرح) پڑھنا جائز سمجھا اور ان میں سے بعض نے عالم کو سنا کر (اس سے پڑھنے) کے متعلق حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا: کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم[2] نماز پڑھیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس سے دلیل پکڑنے والے نے کہا کہ یہ نبی ﷺ سے پڑھنا ہی ہے۔ حضرت ضمامؓ نے اپنی قوم کو یہ باتیں بتلائیں اور پھر انہوں نے بھی ان کو جائز رکھا اور مالک نے اس اقرار نامہ سے بھی دلیل پکڑی ہے جو لوگوں کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے اور پھر وہ کہتے ہیں: ہمیں فلاں نے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور اسے اُن پر قرأت کر کے پڑھا جاتا ہے۔ ایسا ہی پڑھانے والے کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔

---

[1] نسخہ بولاق اور انصاریہ کے مطابق یہ عبارت عنوانِ باب ہے۔ (فتح الباری جزءاول حاشیہ صفحہ ۱۹۶)

[2] عمدۃ القاری میں اس جگہ لفظ نُصَلِّيَ ہے۔ (عمدۃ القاری جزءدوم صفحہ ۱۷) ترجمہ اس لفظ کے مطابق ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ عَوْفٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ وَأَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ يُوْسُفَ الْفِرَبْرِيُّ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ إِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ تَقُوْلَ حَدَّثَنِي قَالَ وَسَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ يَّقُوْلُ عَنْ مَّالِكٍ وَّسُفْيَانَ الْقِرَاءَةُ عَلَى الْعَالِمِ وَقِرَاءَتُهُ سَوَاءٌ.

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا کہ محمد بن حسن واسطی نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عوف سے، عوف نے حسن (بصری) سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ عالم کو سنا کر پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور محمد بن یوسف فربری نے ہمیں بتلایا۔(انہوں نے کہا:) محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عبیداللہ بن موسیٰ نے سفیان (ثوری) سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔کہا: اگر محدث سے اس کو سنا کر پڑھا جائے تو کوئی قباحت نہیں کہ یہ کہے کہ مجھ سے (فلاں محدث نے) بیان کیا۔سفیان نے کہا: اور میں نے ابوعاصم سے سنا۔ وہ مالک اور سفیان سے نقل کرتے تھے کہ عالم سے اس کو سنا کر پڑھنا اور اس عالم کا خود پڑھنا دونوں یکساں ہیں۔

٦٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيْدٍ هُوَ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَيُّكُمْ مُّحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ

۶۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سعید مقبری سے، سعید نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت انسؓ بن مالک سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ ایک بار ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار اندر آ گیا اور اس نے مسجد میں اونٹ بٹھا دیا۔ پھر اس نے اس کا گھٹنا باندھا۔اس کے بعد اس نے ان سے پوچھا: تم میں محمد (ﷺ) کون ہیں؟ اور نبی ﷺ ان کے درمیان تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ہم نے

ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ مَا بَدَا لَكَ فَقَالَ أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ أَاللهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ أَاللهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ أَاللهُ أَمَرَكَ أَنْ نَّصُوْمَ هَذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ أَاللهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَاءِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَاءِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ وَأَنَا رَسُوْلُ مَنْ وَّرَائِي مِنْ قَوْمِي وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ. رَوَاهُ مُوْسَى وَعَلِيُّ ابْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ

کہا: یہ سفید آدمی جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ تب اس شخص نے آپؐ سے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! نبی ﷺ نے فرمایا: میں تجھے جواب دیتا ہوں۔ پھر اس شخص نے نبی ﷺ سے کہا: میں آپؐ سے سوال کروں گا اور سوال میں آپؐ سے سختی کروں گا اور مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا: پوچھو جو تمہارے جی میں آئے۔ اس نے کہا: میں آپؐ کو آپؐ کے اور آپؐ سے جو پہلے ہیں ان کے ربّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بارِ خدایا، ہاں۔ اس نے کہا: آپؐ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کریں؟ فرمایا: بارِ خدایا، ہاں۔ اس نے کہا: آپؐ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ سال کے اس مہینے (رمضان) میں ہم روزہ رکھا کریں؟ فرمایا: بارِ خدایا، ہاں۔ اس نے کہا: میں آپؐ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا آپؐ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپؐ ہمارے دولتمندوں سے صدقہ لیا کریں اور پھر ہمارے محتاجوں میں اسے تقسیم کر دیں؟ فرمایا: بارِ خدایا، ہاں۔ تب اس شخص نے کہا: جو پیغام آپؐ لائے ہیں میں نے اس کو مان لیا اور میں اپنی اس قوم کا ایلچی ہوں جو میرے پیچھے ہے اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں اور بنوسعد بن بکر کی قوم سے ہوں۔ یہ حدیث موسیٰ اور علی بن عبدالحمید نے بھی

ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا.

بیان کی۔انہوں نے سلیمان سے،سلیمان نے ثابت سے، ثابت نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

{ ☆ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ نُهِيْنَا فِي الْقُرْاٰنِ أَنْ نَّسْئَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَّجِيْئَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَ نَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ أَتَانَا رَسُوْلُكَ فَأَخْبَرَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ أَاللّٰهُ أَرْسَلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَّزَكٰوةٍ فِيْ

☆ ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ہم سے سلیمان بن مغیرہ نے بیان کیا۔انہوں نے کہا: ثابت نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ وہ کہتے تھے: قرآن مجید میں ہم کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کریں۔اس لئے ہمیں یہ پسند ہوتا کہ اہل بادیہ میں سے کوئی سمجھدار آدمی آئے اور وہ آپؐ سے پوچھے اور ہم سنیں۔ چنانچہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص آیا۔اس نے کہا: آپؐ کا پیغامبر ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے ہمیں بتلایا کہ آپؐ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپؐ کو بھیجا ہے۔آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔اس نے پوچھا: اس آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا: اللہ عزوجل نے۔اس نے پوچھا: اس زمین کو اور ان پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے۔اس نے پوچھا: کس نے ان میں مفید چیزیں بنائیں؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے۔اس نے کہا: پھر میں اسی ذات کی آپؐ کو قسم دیتا ہوں جس نے اس آسمان کو پیدا کیا اور جس نے اس زمین کو پیدا کیا اور جس نے پہاڑوں کو کھڑا کیا اور ان میں مفید چیزیں بنائیں۔کیا اسی اللہ نے آپؐ کو بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔اس نے کہا: آپؐ کا پیغامبر کہتا تھا کہ ہمارے ذمہ پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے ذمہ اپنے

☆ یہ حدیث صرف نسخة البغدادیه میں مذکور ہے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ۲۰۲)

أَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ أَاللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ أَاللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حِجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ أَاللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَّلَا أَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ.}

مالوں میں سے زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: اسی ذات کی میں قسم دیتا ہوں جس نے آپؐ کو بھیجا ہے۔ کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپؐ کا پیغامبر کہتا تھا کہ ہمارے ذمہ سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: میں اسی ذات کی آپؐ کو قسم دیتا ہوں جس نے آپؐ کو بھیجا ہے کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: اور آپؐ کا پیغامبر کہتا تھا کہ ہمارے ذمہ بیت اللہ کا حج کرنا بھی ہے جس کو وہاں جانے کی طاقت ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: پھر میں آپؐ کو اسی ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپؐ کو بھیجا ہے کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: پھر اس ذات کی قسم ہے جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں ان باتوں پر کچھ بڑھاؤں گا نہیں اور نہ ہی گھٹاؤں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: **اَلْقِرَاءَةُ وَالْعَرْضُ عَلَى الْمُحَدِّثِ:** عَرْض یا مُعَارَضَة یہ ہے کہ طالب علم اپنا لکھا ہوا پڑھ کر اس غرض کے لئے سنائے کہ اس میں جو غلطی ہو اس کی اصلاح ہو جائے۔ اپنے استاد کو سنائے یا استاد کی موجودگی میں اپنی کتاب کا کسی دوسرے سے مقابلہ کرے اور پھر کہے کہ مجھے فلاں استاد نے بتلایا۔ بعض لوگوں نے اسے جائز نہیں قرار دیا۔ بلکہ حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا کہنے کے لئے خود استاد کے منہ سے سننا ضروری خیال کیا ہے۔ لیکن امام بخاریؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور انہوں نے اس کی تائید میں مختلف لوگوں کے اقوال پیش کئے ہیں۔ امام مالک کے استدلال سے یہ مراد ہے کہ اقرار نامہ میں مثلاً اگر کوئی یہ اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کو زمین دے دی اور لوگوں کو وہ پڑھ کر سنائے تو سننے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں نے ہمیں گواہ ٹھہرایا۔ حالانکہ بظاہر اس نے ان سے نہیں کہا کہ میں تم کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور نہ اس نے اقرار لیا کہ وہ گواہ ہیں۔

وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَآةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيْثِ ضِمَامِ بْنِ ثَعْلَبَةَ: امام بخاریؒ اس حدیث سے وہ مقصد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔جس کے لئے آپ نے یہ باب قائم کیا ہے۔یعنی طریقہ اسناد، احادیث کی تدوین میں امام بخاریؒ نے اپنے استادوں کی تصدیق پر بھی حدیث ان کی طرف منسوب کر دی ہے۔

حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ کی یہ روایت جو یہاں شریک سے بیان کی گئی ہے، اس میں حج کا ذکر نہیں۔یہ جو خیال ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا، ابن حجرؒ نے اس کو بدلائل غلط ثابت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے، جب وفد آپؐ کے پاس آنے لگے تھے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۱) تو اس وقت حج کے متعلق حکم نازل ہو چکا تھا۔خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی روایت سے جس میں حج کا ذکر ہے، اس اشکال کو دور کر دیا ہے۔

قَدْ أَجَبْتُكَ: اس سے مراد یہ ہے کہ جس کو تم نے بلایا ہے وہ یہ شخص ہے جس نے تمہیں جواب دیا ہے۔

اِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْئَلَةِ: اس حدیث میں ایک تو اس شخص کا کڑے لہجے میں بے دھڑک پوچھنا اور آپؐ کا اس کو برا نہ منانا اور اطمینان سے جواب دینا قابل غور ہے اور دوسرا آپؐ کا اپنے ساتھیوں میں بے تکلفی سے بغیر کسی امتیاز کے بیٹھنا ان لوگوں کے لئے سبق آموز ہے، جو مجلسوں میں امتیاز کے خواہاں ہیں۔اصلی فضیلت تو ذاتی خوبی کے ساتھ ہے۔

اَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ: ہر شخص کے لئے دلیل کی بھی نوعیت جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر وثوق ہے کہ انہیں یقین ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات کو منسوب نہیں کر سکتے۔اس لئے اگر آپؐ قسم کھا کر کہہ دیں کہ میں سچا ہوں تو آپؐ ضرور سچے ہوں گے۔قسم اس نے اس لئے دی کہ دعویٰ نبوت عرب لوگوں کی نظر میں ایک ایسا دعویٰ تھا کہ اس کی نظیر ملک عرب میں نہیں پائی جاتی تھی۔یہ درحقیقت فطرت کا طبعی مظاہرہ تھا، جو صاف دل انسان کی ضرورت اور قبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا حِجَّ الْبَيْتِ: امام بخاریؒ کبھی کسی روایت کو اس لئے بھی دہراتے ہیں کہ پہلی روایت میں جو کمی رہ گئی ہے وہ دوسری روایت سے پوری کر دیں۔چنانچہ سابقہ روایت کی وجہ سے جو اختلاف حج کے متعلق تھا۔وہ اس روایت سے دور کر دیا۔یعنی اُس میں جو حج کا ذکر نہیں تو یہ راوی کی بھول ہے۔

اَنَا رَسُوْلُ مَنْ وَّرَائِيْ مِنْ قَوْمِيْ: صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب اور دیگر ممالک کی طرف ایلچی بھیجے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ان قبائل میں سے بنو سعد بن بکر بن ہوازن کا بھی قبیلہ تھا۔پیغام دعوت پہنچنے پر اس قبیلہ نے حضرت ضمامؓ کو نمائندہ بنا کر بھیجا، جو نہایت زیرک اور لسّان شخص تھے۔اسی سوال و جواب سے ان کی تسلی ہوگئی اور انہوں نے اپنی قوم کو جا کر تبلیغ کی اور وہ بھی مسلمان ہوگئی۔جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔اس قوم نے جنگ حنین کے بعد جو کہ ۸ھ میں ہوئی تھی اسلام قبول کیا۔امام ابن حجرؒ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ضمامؓ غالباً ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۱)

بَاب ۷: مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ

مُنَاوَلَہ کے بارہ میں جو ذکر کیا جاتا ہے

(یعنی محدّث کا اپنی تصنیف کردہ یا کسی دوسرے محدّث سے پڑھی ہوئی کتاب شاگرد کو دے کر حدیثوں کے بیان کرنے کی اسے اجازت دینا)

وَكِتَابُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ وَقَالَ أَنَسٌ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَبَعَثَ بِهَا إِلَى الْآفَاقِ وَرَأَى عَبْدُ اللهِ ابْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَمَالِكٌ ذَلِكَ جَائِزًا وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيْرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ.

اور اہل علم کا علمی باتیں لکھ کر شہروں کی طرف بھیجنا اور حضرت انسؓ کہتے تھے: حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کے نسخے لکھوائے اور ان کو چاروں طرف بھیج دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور یحیٰ بن سعید اور مالک نے یہ بات جائز سمجھی اور اہل حجاز میں بعض نے مناولہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ آپؐ نے امیر لشکر کے لئے ایک خط لکھا اور فرمایا: تم اسے نہ پڑھنا جب تک کہ فلاں جگہ نہ پہنچ جاؤ۔ جب اس جگہ وہ پہنچا تو اس نے لوگوں کو وہ خط پڑھ کر سنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اُن کو مطلع کیا۔

٦٤: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَّدْفَعَهُ إِلَى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى

۶۴: ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا خط دے کر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے سردار کو دیدے۔ پھر بحرین کے سردار نے وہ خط کسریٰ کو

كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ.

پہنچا دیا۔ جب اس نے خط پڑھا تو اس نے اس کو پھاڑ کر پرزہ پرزہ کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ ابن مسیّب کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ وہ بھی بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

٦٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَّكْتُبَ فَقِيْلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُوْنَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُوْمًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ قَالَ أَنَسٌ.

۶۵: ہم سے محمد بن مقاتل ابوالحسن (مَرْوَزِی) نے بیان کیا، (کہا:) عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط لکھا۔ یا آپؐ نے ارادہ کیا کہ لکھیں تو آپؐ سے کہا گیا کہ وہ مہر شدہ خط کے سوا کوئی خط نہیں پڑھتے۔ تب آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ اس پر- محمد رسول اللہ- نقش تھا۔ گویا میں آپؐ کے ہاتھ میں اس کی سپیدی اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس پر میں نے قتادہ سے دریافت کیا: یہ کس نے کہا کہ اس کا نقش- محمد رسول اللہ- (ﷺ) تھا۔ جواب دیا: حضرت انسؓ نے۔

تشریح: **مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَة:** جمہور نے رَوَایت بِالْمُنَاوَلَہ کو جائز قرار دیا ہے اور جنھوں نے معارضہ کو ناجائز قرار دیا، انہوں نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ مناولہ اور مکاتبہ کے درمیان جس کا باب میں ذکر ہے، یہ فرق ہے کہ **مناولہ** میں استاد اپنے شاگرد کو اپنی تحریر دے کر کہے کہ یہ میری تصنیف ہے اور تمہیں مجھ سے روایت کرنے کی اجازت ہے اور **مکاتبہ** یہ ہے کہ اپنی تحریر کسی کو بھیجے اور اس کو اجازت دے۔ اس کے متعلق امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا مشہور واقعات سے استدلال کیا ہے۔ پہلا حوالہ حضرت عثمانؓ کا دیا ہے، جنہوں نے قرآن مجید کے نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھیجے اور لوگوں کو اُن کے مطابق پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا۔ دوسرا حوالہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا دیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ابوقاسم بن مندہ کی کتاب الوصیت میں ہے کہ ابوعبدالرحمٰن حُبُلی ایک کتاب حضرت عبداللہ

ابن عمرؓ کے پاس لائے، جس میں کچھ حدیثیں تھیں تو انہوں نے ابوعبدالرحمٰن کو ایک کتاب دی اور کہا: اس سے مقابلہ کرلو، جو اس کے موافق ہو اُس کو لے لو اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دو۔ یہ مناولہ کی ایک واضح مثال ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۴)

یحییٰ بن سعید انصاری جب عراق جانے لگے تو انہوں نے مالک بن انس سے کہا کہ ابن شہاب زہری کی روایت میں سے سو حدیثیں مجھے لکھ دیں تا میں آپؒ سے ان کو نقل کیا کروں۔ امام مالکؒ کہتے تھے میں نے ان کو لکھ کر بھیج دیں۔ یہ مثال مکاتبت کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۴۔ عمدۃ القاری جزء دوم صفحہ ۲۵)

وَاحْتَجَّ بَعْضُ اَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ: اہل حجاز میں سے جس شخص نے حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے وہ حمیدی ہیں، جو امام بخاریؒ کے شیخ یعنی استاد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش اسدی کو جو حضرت زینب ام المومنینؓ کے بھائی تھے، مشارٌ الیہ خط دیا تھا۔ آپؐ نے ۲ھ میں ایک دستہ فوج جو ۱۲ آدمیوں پر مشتمل تھا بھیجا اور آپؐ نے امیر جیش کو دو دن سفر کرنے کے بعد خط پڑھنے کا حکم دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔

"جب تم میرے اس خط کو دیکھو تو آگے بڑھو اور جا کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام پر ڈیرہ ڈال دو اور وہاں قریش کا انتظار کرو اور ان کے حالات معلوم کرو۔"

علماء نے اس قسم کی مناولت کو بعض شرطوں سے مشروط کیا ہے۔ مثلاً خط بمہر ہو۔ لے جانے والا امین ہو۔ جسے خط بھیجا گیا ہو وہ لکھنے والے کا خط پہچانتا ہو۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۵)

بَعَثَ بِكِتَابِهٖ رَجُلًا ... اِلٰى كِسْرٰى: امام بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط لکھنے سے استدلال کیا ہے۔ یہ خط صلح حدیبیہ کے بعد لکھے گئے۔ آپؐ نے ایک خط مقوقس شاہِ مصر کو بھی لکھا تھا جو ہمارے زمانہ میں مل گیا ہے اور اس کا عکس شائع کیا گیا ہے، جس سے اس حدیث کے الفاظ کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نقش کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ اللہ ایک سطر، رسول ایک سطر، محمدؐ ایک سطر اوپر نیچے تھا۔ اس خط سے اس کی بھی تصدیق ہوگئی ہے۔ ہرقل کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ (دیکھئے روایت نمبر ۷)

عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ: یعنی بحرین کا سردار۔ بحرین؛ عمان اور بصرہ کے درمیان خلیج فارس میں ایک جزیرہ ہے۔ اس کا سردار منذر بن ساویٰ تھا۔ حضرت عبداللہ بن حُذَیفہ سہمیؓ یہ خط لے کر اس کے پاس گئے تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کے نام خط ۶ ۔ ۷ھ کے درمیان بھیجا گیا تھا۔

فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: اس حدیث میں یہ جو الفاظ ہیں: فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ یہ ابن شہاب کا خیال ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ یعنی خط لکھنے کا واقعہ موصولاً بیان کیا گیا ہے اور اُن کے خلاف دعا کرنے کی جو روایت ہے وہ مرسل ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۵) واقعات اس دعا کے حیرت انگیز نتائج کی تصدیق کرتے ہیں۔ کسریٰ پرویز کی سلطنت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تھی۔

فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ: یہ پوچھنے والے شعبہ ہیں۔قتادہ چونکہ اپنی طرف سے کچھ الفاظ زائد کردیا کرتے تھے، اس لئے شعبہ نے دریافت کرلیا۔ اور قتادہ نے یہ جواب دیا: میرے الفاظ نہیں بلکہ حضرت انسؓ کے ہیں یعنی صحابی کے۔

اَوْ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ : یہ شک راوی کا ہے کہ آپؐ نے خط لکھوائے یا ابھی لکھوانے کا ارادہ کیا کہ یہ مہر بنوانے کی بات سامنے آئی۔

بَاب ۸

مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَمَنْ رَّأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا

جو شخص جہاں پر مجلس ختم ہوتی ہے وہیں بیٹھ جائے اور جو حلقہ میں کھلی جگہ دیکھے تو وہ اس میں بیٹھ جائے

٦٦: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيْلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا

۶۶: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت کی کہ ابومرۃ نے؛ جو عقیل بن ابی طالب کے آزاد کردہ غلام تھے؛ ابو واقد لیثی سے روایت کرتے ہوئے ان کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اسی اثنا میں تین آدمی سامنے آئے۔ دو آدمی تو سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آ گئے اور ایک چلا گیا۔ کہتے تھے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک جو تھا تو اس نے حلقہ میں خالی جگہ دیکھی وہ اس میں بیٹھ گیا اور دوسرا جو تھا تو وہ لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا جو تھا وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تین آدمیوں کی حالت نہ

أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللهِ فَآوَاهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ.

بتلاؤں؟ ان میں سے ایک نے تو اللہ کے پاس جائے پناہ لی اور اللہ نے اسے پناہ دی اور وہ جو دوسرا تھا تو اس نے شرم کی اور اللہ نے بھی اس سے شرم کی اور جو تیسرا تھا تو اس نے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔

تشریح: **اَلا اُخبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَا ثَةِ:** ہمارے جسم کی ظاہری وضعات اور حرکات ہماری روحانی حالت پر اپنا اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ جسمانی سجدہ روح میں انکساری و عاجزی کی حالت پیدا کر دیتا ہے اور اگر ہم گردن تان کر اور چھاتی اُبھار کر چلیں تو یہ وضع ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا ہی روحانی حالتیں انسان کے ظاہری اعضاء میں اپنا اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ یہ وہ فلسفہ ہے جس کو اسلام نے انسان کی اصلاح میں مدنظر رکھا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۴ تا ۸۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۸ تا ۳۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باریک بین نظر نے اس فرق کو ان تین شخصوں کی حالتوں میں ملاحظہ فرمایا اور سیدھے سادھے الفاظ میں اس پر حکمت نکتہ کی طرف صحابہ کو توجہ دلائی کہ ایک نے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لی۔ یعنی وہ دل کے شوق سے آپ کی باتیں سننے کے لئے آگے بڑھا اور آپ کی باتوں کا اثر اس پر اتنا گہرا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گیا۔ دوسرا شرمایا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے ایک فعل اس کے مشابہ صادر ہوا۔ یعنی اس سے درگذر کی۔ تیسرے نے منہ پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ یعنی اس کی پرواہ نہیں کی۔

اِسْتَحْيٰ اور **اَعْرَضَ** کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی شان میں استعمال کئے گئے ہیں تو وہ اس ردِ فعل کے اظہار کے لئے جو انسان کے اعمال کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت ظاہر ہوتا ہے۔ زہر کھانے پر ہلاکت ہوتی ہے۔ یہی وہ ردِ فعل ہے جو قانونِ الٰہی کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۷۵۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۹)

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابن حجر نے بھی فَاسْتَحْيَ اللّٰهُ مِنْهُ کے معنی رَحِمَهُ وَلَمْ يُعَاقِبْهُ کئے ہیں۔ یعنی اس پر رحم کیا اور اسے سزا نہ دی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۰۷)

یہاں **اِعْـرَاض** سے یہ مراد ہے کہ وہ شخص فیضانِ رسالت سے محروم ہو گیا۔ عرب لوگ کثرت سے اس طرح الفاظ کو مقابلہ و مماثلت کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے جہاں **مجلسِ علم کے آداب میں سے آٹھویں ادب** کی طرف توجہ دلائی ہے، وہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان کو احادیث نبویہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے نفس میں بھی مناسب تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ وہ ضرورتِ حقہ ہے جس کے بغیر انسان علم سے محروم رہ جاتا ہے۔ ظاہری اعراض رحمت الٰہی سے محرومیت کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ شوق و توجہ اس رحمت کا وارث بناتے ہیں۔

بَاب ٩ : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ بسا اوقات جسے بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ فہیم ہوتا ہے

٦٧: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيْهِ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلَى بَعِيْرِهِ وَأَمْسَكَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ أَوْ بِزِمَامِهِ قَالَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ سِوَى اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ.

٦٧: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: ہم سے بشر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ابن عون نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن سیرین سے، ابن سیرین نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ ان کے باپ نے نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ آپؐ اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اس کی نکیل یا (کہا) اس کی ڈور پکڑ لی۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کون سا دن ہے؟ ہم چپ رہے۔ کیونکہ ہم نے خیال کیا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے کہا: بے شک۔ آپؐ نے پوچھا: کون سا مہینہ ہے؟ ہم خاموش رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: بے شک۔ آپؐ نے فرمایا کہ یاد رکھو، تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان ایسی ہی معزز ہیں جیسے کہ تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں۔ چاہیے کہ جو حاضر ہو وہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حاضر ایسے شخص کو پہنچائے جو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا، زیادہ سمجھنے والا ہو۔

تشریح: رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ: اس باب کا بھی تعلق اسی مضمون کے ساتھ ہے۔ یعنی افراد بشریہ میں علم کے قبول کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص جو کسی متکلم کا مخاطب ہوتا ہے؛

ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی بات کو اتنا نہ سمجھے جتنا کہ وہ جس کو سننے والا پہنچاتا ہے۔ اَوْعٰی تفضیل کے لئے ہے۔قوتِ واعیّہ وہ طبعی استعداد ہے جس کے ذریعہ انسان بات کو تمام پہلوؤں سے سمجھ کر اسے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔واقعہ مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا ہے جس کا مفصل ذکر کتاب الحج (کتاب المناسک) میں آئے گا۔ یہاں پر جو بات قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطرتِ انسانی کی باطنی حالتوں سے گہرا علم رکھتے ہیں اور اپنے وعظ ونصیحت وتعلیم میں اس فطرت کو مخاطب فرماتے ہیں۔ یہاں جس طریق سے سوالات کر کے لوگوں کے تعجب، جستجو اور شوق کو اُبھارا ہے وہ بتلاتا ہے کہ آپؐ خوب جانتے تھے کہ ذہن میں بات کے راسخ کرنے کا بہتر سے بہتر ذریعہ کون سا ہے اور پھر آخر میں جو نصیحت فرمائی ہے وہ ایک ایسی پر معانی جامع نصیحت ہے جو ثابت کرتی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ بجا فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ میں **علماء کے لئے تین ادب** ہیں۔**ایک** یہ کہ اپنی تعلیم میں وہ طریقہ اختیار کریں، جس سے بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔**دوسرے** یہ کہ علم کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہیں اور کوتاہی سے کام نہ لیں۔**تیسرے** یہ کہ ان کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ وہ ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے ہوا۔ فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا. یعنی جان، مال اور عزت کو کامل طور پر امن نصیب ہو۔

علم کے ضمن میں یہاں تک گیارہ ادب سکھلائے گئے ہیں۔

بَاب ۱۰ : اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ

کہنے اور کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى : فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ (محمّد: ٢٠) **فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَرَّثُوا الْعِلْمَ مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** (فَاطِر: ٢٩) **وَقَالَ: وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا**

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا: (فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) پس یہ جانو کہ اللہ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں۔ پس علم سے ابتدا کی۔ نیز یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے علم کا ورثہ چھوڑا جس نے اس کو حاصل کیا، اس نے بڑھ چڑھ کر بھلائی حاصل کی اور جو کسی ایسے راستے پر چلتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ علم کو تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ اور اللہ جل ذکرہ نے فرمایا: درحقیقت اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی

الْعَالِمُوْنَ (العنكبوت: ٤٤) وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيْرِ (الْمُلك: ١١) وَقَالَ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر: ١٠) وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ {فِي الدِّيْنِ [1]} وَإِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَقَالَ أَبُوذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هٰذِهِ وَأَشَارَ إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَأَنْفَذْتُهَا {وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ [2]} وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ (آل عمران: ٨٠) {حُلَمَاءَ فُقَهَاءَ عُلَمَاءَ [3]} وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ.

خشیت کرتے ہیں جو اس کی معرفت رکھنے والے ہیں اور فرمایا: (وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ) یعنی ان باتوں کو تو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں اور یہ آیت (وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ) یعنی انہوں نے کہا: اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے اور فرمایا: (هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ) یعنی کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، برابر ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا: جس کی بہتری کا اللہ ارادہ فرماتا ہے اسے {دین کی [1]} سمجھ دے دیتا ہے اور علم تو سیکھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے اور حضرت ابوذرؓ نے کہا: اگر تم تلوار اس پر رکھ دو اور انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا پھر میں سمجھوں کہ میں؛ کوئی بات جو نبی ﷺ سے سنی تھی پہنچا سکتا ہوں؛ پیشتر اس کے کہ تم مجھ پر تلوار چلا دو تو میں ضرور ہی اسے پہنچا دوں گا۔ {اور نبی ﷺ کا یہ فرمانا: جو حاضر ہو وہ غیر حاضر کو (میری نصیحت) پہنچا دے [2]} اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ کے معنی یہ ہیں کہ {تم حلیم اور فقیہہ اور عالم بنو [3]} اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ربانی وہ ہے جو بڑے علم سکھانے سے پہلے چھوٹے علم سکھا کر لوگوں کی تربیت کرے۔

---

[1] الفاظ ''فِی الدِّیْنِ'' نسخہ بولاق اور انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۱۰)

[2] یہ عبارت نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۱۱)

[3] یہ عبارت نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (دیکھئے فتح الباری مطبوعہ بولاق جزء اول صفحہ ۱۴۸)

تشریح: **اَنَّ الْعُلَمَآءَ- هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ:** عنوان باب میں اَنَّ الْعُلَمَآءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وغیرہ جن احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر چہ وہ امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق نہیں۔ مگر ابوداؤد، ترمذی اور حاکم وغیرہ نے انہیں صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ۲۱۱) اور قرآن مجید سے بھی ان احادیث کے مضمون کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا .... وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ. (فاطر:۳۳) {ترجمہ: یعنی پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جنہیں چُن لیا، اُنہیں کتاب کا وارث بنا دیا۔ .....اور اُن میں ایسے بھی ہیں جو نیکیوں میں اللہ کے حکم سے آگے بڑھ جانے والے ہیں۔} یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ عنوان باب میں ان کو لے لیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک جامع باب باندھا ہے جس میں اصولی طور پر چھ امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔

پہلا امر یہ کہ کہنے اور کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ (محمد: ۲۰){پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی لغزش کی بخشش طلب کر، نیز مومنوں اور مومنات کے لیے بھی۔ اور اللہ تمہارے سفری ٹھکانوں کو بھی خوب جانتا ہے اور مستقل ٹھکانوں کو بھی۔} اس آیت میں کلمہ شہادت کا اقرار کرنے سے پہلے اس کلمہ کے جاننے کے متعلق حکم دیا۔ یعنی یہ کہ فی الواقعہ محبت واطاعت کے لائق وہی ذات ہے پھر استغفار کا حکم دیا جو ہر کمزوری سے پاک ہونے اور کامل تزکیہ نفس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اس یقینی علم کے بعد پھر استغفار بھی اپنے صحیح معانی میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت کی خلعت پہنے گی۔ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم کی کیا ضرورت ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق صحیح عرفان حاصل ہونے کے بعد انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور اس کو کہاں پہنچنا ہے۔ کیونکہ یہ علم درحقیقت دو ہستیوں کے تقابل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی اپنا نفس اور اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو انسان اپنی صفات پر قیاس کر کے بیان کرتا ہے اور اس سے طبعی طور پر انسان اپنے اندر اس خلا یا نقص کو محسوس کرتا ہے جو اس کے اخلاق میں پایا جاتا ہے اور اس نقص کو محسوس کر کے استغفار کی طرف جھکتا ہے۔ یعنی دعا کرتا ہے کہ اس کی ناقص حالت نیچے دبائی جائے اور مخفی کی جائے۔ (اس مضمون کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلامی اصول کی فلاسفی- تیسرا دقیقہ معرفت- صفحہ۹۸-۹۹، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ۴۱۲-۴۱۳) یہی احساس انسان کو کشاں کشاں اس کامل تزکیہ اور غیر متناہی ترقی کی طرف لے جاتا ہے جس کی طرف وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ کی آیت کا مضمون اشارہ کرتا ہے۔

دوسرا امر یہ کہ انسان کی روحانی اصلاح وترقی میں جس علم کی ضرورت ہے وہ وہ علم ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے متعلق کامل عرفان۔ جس علم کے وارث علماء قرار دیئے گئے ہیں، وہ یہی علم ہے۔ قرآن مجید اسی وراثت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ...(فاطر:۳۳){پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جنہیں چُن لیا، اُنہیں کتاب کا وارث بنا دیا۔} بوجہ علم وہدایت کا ذخیرہ رکھنے اور حق وباطل کے درمیان تمیز کرنے کے اَلْكِتٰبُ کو نور بھی فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ.(المائدۃ: ۱۶) {یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آچکا ہے اور ایک روشن کتاب بھی۔}

تیسرا امر وہ عظیم الشان مسئلہ ہے جس کے متعلق بے وقوفوں نے خواہ مخواہ اپنی کوتاہ فہمی اور کم ہمتی سے اختلاف پیدا کر کے بہت سے لوگوں کو عرفانِ الٰہی کے آبِ حیات سے روک رکھا ہے۔ یعنی وہ عرفانِ نبوت جو تجلیاتِ وحی سے حاصل ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کا نہایت معقول حل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے کر دیا ہے: مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ. جنت سے مراد وہ جنتِ رضوان ہے جو عارف باللہ کو اس دنیا میں دمِ نقد حاصل ہوتی ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی - روحانی حالتیں، صفحہ ۶۴۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۸)

چوتھا امر یہ کہ علماء سے مراد وہ لوگ نہیں جو خشیت اللہ سے خالی اور عقل کے کورے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مذکورہ بالا دو آیتوں کے مصداق ہیں۔ خشیت کے معنی سہم جانا۔ یعنی وہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور جلالی تصرفات کے متعلق اس قدر کامل عرفان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اندر دائمی خشیت کی حالت کو محسوس کرتے ہیں۔ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ○ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (العنکبوت: ۴۴-۴۵) {اور یہ تمثیلات ہیں جو ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ لیکن علم والوں کے سوا ان کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یقیناً اس میں مومنوں کے لیے ایک بہت بڑا نشان ہے} نیز ان علماء سے وہ عالم مراد ہیں جو عقلمند ہیں اور عالمِ مثال سے حقائق کی تہ تک پہنچتے ہیں اور ایمان کی نعمت حاصل کرتے ہیں۔ یہ سارا عالم ان کے لئے ایک آیۃ اللہ ہوتا ہے۔ تیسری آیت یعنی لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) سے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو کان رکھتے ہوئے پھر نہیں سنتے اور عقل رکھتے ہوئے پھر عقل سے کام نہیں لیتے۔ یہ وہ ظاہر پرست علماء ہیں جو دین کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ چوتھی آیت یعنی اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (الزمر: ۹) یعنی ایک تو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر سجدوں میں گرتا ہے اور اپنے انجام سے لرزاں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بھی امید رکھتا ہے۔ یعنی اس کے جذبات امید و خوف کے آماجگاہ ہیں۔ کیا ایسے لوگ جن کے علم نے ان کی یہ حالت کر رکھی ہو ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو بے علم ہیں اور جن کے دل بالکل مردہ ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس آیت کا حوالہ دے کر علم کے نمایاں اثرات کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتلایا ہے کہ علم و علماء سے کیا مراد ہے۔ اسی کی تائید میں یہ حدیث بھی لائے ہیں: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. یعنی حقیقی بھلائی کا وہی وارث ہوتا ہے جسے دین کی سمجھ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اُسے علم دیتا ہے اور ایک ایسا نور عطا کرتا ہے کہ جس سے وہ اپنے دین کی حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہو جاتا ہے۔ یہ بات روحانی مشاہدات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

امام بخاریؒ نے اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ کی حدیث لا کر اس وہم کا ازالہ کیا ہے جو سابقہ حدیث سے پیدا ہو سکتا تھا۔ یعنی جب عرفانِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فضل کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر جد و جہد کی کیا ضرورت؟ دراصل یہ بھی انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی کی مشیئت ہے کہ وہ سیکھنے کے بغیر علم حاصل نہیں کر سکتا اور انسان کی کوشش اس کے فضل کی جاذب ہوتی ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۱۲)

پانچواں امر علم کی نشر و اشاعت ہے، خواہ وہ کتنی چھوٹی سے چھوٹی بات پر مشتمل ہو۔ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد پہلے گذر چکا ہے۔ یہاں صحابی حضرت ابوذرؓ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ. (التوبۃ: ۳۴){یعنی: اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں۔} کے متعلق حضرت ابوذرؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضرت ابوذرؓ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان سونا چاندی جمع کرنے کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اس آیت کی بناء پر ان کو نارِ جہنم کے وعید سے ڈرایا۔ امیر معاویہؓ نے کہا: اس سے مراد وہ مال جمع کرنے والے ہیں جو اہل کتاب میں سے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن سبا (ایک یہودی جو اپنی ماں کی وجہ سے ابن سوداء کہلاتا تھا، وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر اس غرض سے مسلمان ہوا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں میں فتنہ ڈلوائے- اور اس زمانہ کے فتنے اسی مفسد انسان کے اردگرد گھومتے ہیں۔) نے بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس طبیعت سے فائدہ اُٹھایا۔ شام میں سے گذرتے ہوئے اس نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ دیکھئے کیا غضب ہو رہا ہے۔ معاویہ بیت المال کے اموال کو اللہ کا مال کہتا ہے۔ حالانکہ بیت المال کی کیا شرط ہے ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ہے۔ پھر وہ خاص طور پر اس مال کو مالُ اللہ کیوں کہتا ہے۔...... حضرت ابوذرؓ تو آگے ہی اس تلقین میں لگے رہتے تھے کہ امراء کو چاہیے کہ سب مال غرباء میں تقسیم کر دیں کیونکہ مومن کے لیے آرام کی جگہ اگلا جہان ہی ہے اور اس شخص کی شرارت اور نیت سے آپ کو بالکل واقفیت نہ تھی۔ بس آپؓ اس کے دھوکہ میں آ گئے اور خیال کیا کہ واقع میں بیت المال کے اموال کو مالُ اللہ کہنا درست نہیں۔........ (مأخوذ از ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' - انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۵)

اس صورت حال میں جب حضرت ابوذرؓ کو اشتعال ہونے سے منع کیا گیا تو بعض اوقات انہوں نے یہ جواب بھی دیا کہ اگر میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو تب بھی کلمہ حق جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ضرور پہنچاؤں گا۔ امام بخاریؒ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ. (فاطر: ۲۹) کی مثال دیتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مومن کو جرأت سے کام لینا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں آپؐ کی باتیں پوری دیانت داری سے لوگوں تک پہنچائی ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں مفصل بیان فرمایا ہے:-

> ''.....حضرت ابوذرؓ کا یہ کہنا درست نہ تھا کہ کسی کو مال جمع نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ صحابہؓ مال جمع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ اپنے اموال خدا کی راہ میں تقسیم کرتے تھے۔ ہاں بے شک مالدار تھے اور اس کو مال جمع کرنا نہیں کہتے۔ مال جمع کرنا اس کا نام ہے کہ اس مال سے غرباء کی پرورش نہ کرے اور صدقہ و خیرات نہ کرے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی آپؐ کے صحابہؓ میں سے بعض مالدار تھے۔ اگر مالدار نہ ہوتے تو غزوہ تبوک کے وقت دس ہزار سپاہیوں کا سامان

سفر حضرت عثمانؓ کس طرح ادا کرتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو کچھ نہ کہتے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض آدمی آپؐ کے مقرب بھی تھے۔ غرض مالدار ہونا کوئی جرم نہ تھا۔ بلکہ قرآن کی پیشگوئیوں کے عین مطابق تھا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں غلطی لگی ہوئی تھی۔ مگر جو کچھ بھی تھا، حضرت ابوذرؓ اپنے خیال پر پختہ تھے۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنے خیال کے مطابق نصیحت تو کر دیتے مگر قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں نہ لیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام آپؓ کے زیر نظر رہتے۔ لیکن جن لوگوں میں بیٹھ کر وہ یہ باتیں کرتے تھے، وہ ان کے تقویٰ اور طہارت سے ناآشنا تھے اور ان کی باتوں کا اور مطلب سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان باتوں کا آخر یہ نتیجہ نکلا کہ بعض غرباء نے امراء پر دستِ تعدّی دراز کرنا شروع کیا اور ان سے جبراً اپنے حقوق وصول کرنے چاہے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے شکایت کی۔ جنہوں نے آگے حضرت عثمانؓ کے پاس معاملہ پیش کیا۔ آپؓ نے حکم بھیجا کہ ابوذرؓ کو اکرام واحترام کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا جاوے۔ اس حکم کے ماتحت حضرت ابوذرؓ مدینہ تشریف لائے۔ حضرت عثمانؓ نے آپؓ سے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے کہ اہل شام آپ کے خلاف شکایت کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میرا ان سے یہ اختلاف ہے کہ ایک تو ''مالُ اللہ'' نہ کہا جائے۔ دوسرے یہ کہ امراء مال نہ جمع کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ابوذرؓ! جو ذمہ داری خدا تعالیٰ نے مجھ پر ڈالی ہے، اس کا ادا کرنا میرا ہی کام ہے۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ جو حقوق رعیت پر ہیں، اُن سے وصول کروں اور یہ کہ ان کو خدمت دین اور میانہ رَوی کی تعلیم دوں۔ مگر یہ میرا کام نہیں کہ اُن کو ترکِ دنیا پر مجبور کروں۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کہیں چلا جاؤں کیونکہ مدینہ اب میرے مناسب حال نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا آپ اس گھر کو چھوڑ کر اس گھر سے بدتر گھر کو اختیار کر لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پھیل جاوے تو تم مدینہ میں نہ رہنا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالاویں اور کچھ اونٹ اور دو غلام دے کر مدینہ سے رخصت کیا اور تاکید کی کہ مدینہ سے کلی طور پر قطع تعلق نہ کریں۔ بلکہ وہاں آتے جاتے رہیں۔ جس ہدایت پر ابوذرؓ ہمیشہ عمل کرتے رہے۔ یہ چوتھا فتنہ تھا جو پیدا ہوا اور گو اس میں حضرت ابوذرؓ کو ہتھیار بنایا گیا تھا مگر درحقیقت نہ حضرت ابوذرؓ کے خیالات وہ تھے جو مفسدوں

نے اختیار کیے اور نہ ان کو ان لوگوں کی شرارتوں کا علم تھا۔ حضرت ابوذرؓ تو باوجود اختلاف کے کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ نہ ہوئے اور حکومت کی اطاعت اس طور پر کرتے رہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے خاص حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ان کو فتنہ اور تکلیف سے بچانے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک خاص وقت پر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے بغیر حضرت عثمانؓ کی اجازت کے اس حکم پر عمل کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور پھر جب وہ مدینہ سے نکل کر رَبذہ میں جا کر مقیم ہوئے اور وہاں کے محصل نے ان کو نماز کا امام بننے کے لیے کہا تو انہوں نے اس سے اس بناء پر انکار کیا کہ تم یہاں کے حاکم ہو، اس لیے تم ہی کو امام بننا سزاوار ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعتِ حکام سے ان کو کوئی انحراف نہ تھا اور نہ انارکی کو وہ جائز سمجھتے تھے۔'' (اسلام میں اختلافات کا آغاز- انوار العلوم جلد۴ صفحہ۲۰۶-۲۰۷)

چھٹا امر یہ کہ عالم کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں کی گئی ہے یعنی وہ ربانی ہوتا ہے۔ اصمعی نے اس سے وہ اہل اللہ مراد لئے ہیں جو عالم باعمل ہوں اور لوگوں کی تربیت میں اللہ تعالیٰ ان کا قبلہ مقصود ہو۔ ابن عربی نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ۲۱۳) غرض اس باب میں علم کی بھی تخصیص کردی اور عالم کی بھی اور صحابہ کرامؓ کے نیک نمونہ کی مثال بھی پیش کردی کہ وہ کلمہ حق کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرتے تھے۔

بَاب ۱۱
مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوْا

نبی ﷺ نصیحت اور علم میں جو صحابہؓ کا خیال رکھا کرتے تھے تا کہ وہ گھبرا نہ جائیں

۶۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

۶۸: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابووائل سے، ابو وائل نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ چونکہ ہمارے اُکتا جانے کو ناپسند کرتے، اس لئے آپؐ ہمارا خیال رکھ کر مقررہ دنوں میں ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

٦٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا.

۶۹: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: یحیٰ بن سعید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا کہ ابو تیاح نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: آسانی کرو۔ سختی نہ کرو اور خوشی کی باتیں سنایا کرو اور نفرت نہ دلاؤ۔

تشریح: **كَيْ لَا يَنْفِرُوْا:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **بارہواں ادب** ان ربانی علماء کو یہ سکھلایا کہ تعلیم و وعظ میں ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ جو لوگوں کی نفرت و ملال کا باعث ہو۔ اسی لئے تدریجی تعلیم ضروری قرار دی اور اس کے لئے دن مقرر کر دیئے۔ علم کا فائدہ تو قبولیت کے ساتھ ہوتا ہے اگر طبیعت پر گراں ہو تو وہ قبول کرنے سے انکار کرے گی اور واعظ اور لوگوں کا نہ صرف وقت ہی ضائع ہوگا بلکہ اس سے دلوں میں نفرت پیدا ہوگی۔

امام بخاریؒ نے بھی مسائل میں تشدد اور افراط و تفریط کو اختیار نہیں کیا بلکہ عملی سہولت کے پہلو کو مقدم رکھا ہے۔ دسویں باب کا مضمون واضح کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے تین مستقل باب باندھ کر تین باتوں کی طرف الگ الگ توجہ دلائی ہے۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف توجہ دلائی اور بتلایا کہ تعلیم کے متعلق آپؐ کا یہ حکم تھا: **يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا**. یعنی تعلیم کی بناء ان باتوں پر ہو جو روحانی سلوک کو انسان کے لئے ایک کٹھن منزل نہ بنا دیں اور دین کو منطقی پیچیدگیوں سے لاینحل عقدہ نہ بنا دیں۔ بلکہ لوگوں میں امنگ و امید اُبھارنے والی تعلیم ہو۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کے ہیبت ناک نظاروں سے عرب کی ذہنیت پر خوف طاری کر دیا تھا، جس سے اُن کی اصلاح ہوئی۔ وہ اس پر غور کریں۔

باب نمبر ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ سے ظاہر ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی تعلیم کا اہتمام فرماتے، صحابہ کرامؓ بھی لوگوں کی تعلیم میں آپؐ کی اتباع کرتے۔

بَاب ١٢: مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَّعْلُوْمَةً

جس نے سیکھنے والوں کے لئے خاص دن مقرر کئے

٧٠: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ

۷۰: ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابو وائل سے روایت کی۔ انہوں نے

النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

کہا: حضرت عبداللہؓ لوگوں کو ہر جمعرات نصیحت کیا کرتے تھے تو انہیں ایک آدمی نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰنؓ میں تو چاہتا ہوں کہ آپؓ ہمیں ہر روز نصیحت کیا کریں۔ انہوں نے کہا: دیکھو مجھے تو یہ بات روکتی ہے (اور یہ) کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ (مبادا) تمہیں اس سے بد دل کردوں اور میں نصیحت میں تمہارا ویسے ہی خیال رکھتا ہوں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہمارا خیال رکھتے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں ہم اُکتا نہ جائیں۔

تشریح: اس باب میں يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا کے تابع سہولت کے طریق کی یہ مثال دی کہ مقررہ دنوں میں پند و نصیحت کی جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کر کے بتلایا ہے کہ صحابہؓ بھی یہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں مقررہ ایام میں انہیں نصیحت کیا کرتے تھے۔

بَاب ۱۳ : مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ جس کی بہتری چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے

۷۱: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُّوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَّقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ

۷۱: ہم سے سعید بن عُفَیر نے بیان کیا، کہا: ابن وہب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ حُمَید بن عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے حضرت معاویہؓ کو تقریر کرتے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: اللہ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی دیتا ہے اور ہمیشہ یہ امت اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ اس کے

اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهُ. مخالف اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے۔

تشریح: تیسرے باب میں تعلیم کی اصل غرض وغایت کی طرف اشارہ کیا کہ ایسی سمجھ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو انسان کے لئے ہر بھلائی کا موجب بنے اور وہ اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ سے نورِ عرفان حاصل ہو۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ سے یہی مراد ہے۔

لَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ: اس سے یہ مراد ہے کہ ہمیشہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو اللہ تعالیٰ خود سکھائے گا اور وہ امت کے لئے رہنما ہوں گے۔ کوئی زمانہ ایسے ربانی فقیہوں سے خالی نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے نور پا کر اُمت کے اندر تجدید کرنے والے اور اس کو مخالفین کے بد اثر سے نجات دینے والے نہ ہوں گے۔ جیسا کہ آیت لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ (النور: ۵۶) میں اس کا صریح وعدہ ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۷۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۳)

حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ: سے مراد وہی پیشگوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر بتلایا ہے کہ یہ امت بھی اپنے بدعقائد اور بدکرداری میں عیسائیوں اور یہودیوں کا وتیرہ اختیار کر لے گی۔ اگر مسیح کے پوجاری مسیح کو آسمان پر چڑھائیں گے اور خالق الارواح اور محي الاموات مانیں گے تو یہ بھی مانیں گے اور یہودیوں کی طرح اپنی بدکرداریوں اور گندے اخلاق کی وجہ سے ذلیل اور خوار ہوں گے اور سارے جہان کی لعنت اور انگشت نمائی کا محل بنیں گے۔ سو آج ایسا ہی ہوا۔ یہ وہ امر اللہ ہے جو ان کے لئے مقدر تھا۔ سورۂ مومنون میں اسی امر اللہ کے متعلق پیشگوئی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ. (المؤمنون: ۳۱) {اور ہم بہرحال ابتلاء لانے والے تھے۔} اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرنے کے لئے فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ. (المؤمنون: ۳۰) {اور تو کہہ کہ اے میرے ربّ! تو مجھے ایک مبارک اُترنے کی جگہ پر اُتار اور تو اُتارنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔}

بَاب ١٤ : اَلْفَهْمُ فِي الْعِلْمِ

علم میں سمجھ پیدا کرنا

۷۲: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيْحٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا حَدِيْثًا وَّاحِدًا

۷۲: ہم سے علی (بن عبد اللہ) نے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ وہ کہتے تھے کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ (مکہ سے) مدینہ (تک) گیا۔ میں نے ان کو سوائے ایک حدیث کے رسول اللہ ﷺ سے اور کوئی حدیث

قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ.

روایت کرتے نہیں سنا۔ انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے۔ آپؐ کے پاس کھجور کا ایک گابھہ لایا گیا آپؐ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی مثال مسلمان کی سی ہے۔ اس پر میں نے جانا کہ وہ کھجور ہے۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ میں لوگوں میں سے سب سے چھوٹی عمر کا ہوں۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ آخر نبی ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور ہے۔

تشریح: **اَلْفَهْمُ فِي الْعِلْمِ:** امام بخاریؒ نے باب یہ باندھا ہے اَلْفَهْمُ فِي الْعِلْمِ اور حدیث میں یہ مضمون ہے کہ مومن کی مثال کھجور کی سی ہے اس کا کیا جوڑ۔ اس واقعہ سے وہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اَلْفَهْمُ فِي الْعِلْمِ سے مراد قیاسات سے باریک در باریک باتوں کو سمجھنا اور مقدمات اور قرائن سے نتائج اخذ کرنا ہے۔ خالی الفاظ کے رَٹنے کا نام علم وفقہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا گابھہ لایا گیا اور آپؐ نے اس پر مذکورہ بالا سوال کیا۔ لوگ تو جواب کے لئے جنگل کے درختوں کی طرف خیال دوڑانے لگے۔ مگر حضرت ابن عمرؓ نے نزدیک سے ہی گابھہ دیکھ کر کھجور پر قیاس کیا اور یہ قیاس صحیح تھا۔ امام ابن حجرؒ نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۱۷)

یہ **تیرھواں ادب** ہے علم کے متعلق۔ علم میں فہم؛ جزئیات پر نظر رکھنے اور صحیح قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

بَاب ۱۵ : اَلْاِغْتِبَاطُ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ

علم اور حکمت میں رشک کرنا

وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوْا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ وَبَعْدَ أَنْ تُسَوَّدُوْا وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِبَرِ سِنِّهِمْ.

اور حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ سمجھ پیدا کرو، پیشتر اس کے کہ تم سردار بنائے جاؤ اور ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: سردار بنائے جانے کے بعد بھی۔ صحابہؓ نے بوڑھے ہو جانے کی عمر میں بھی علم حاصل کیا۔

۷۳: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ

۷۳: ہم سے حُمیدی نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: جو بات زُہری نے ہمیں بتلائی تھی، اسماعیل بن ابی خالد نے

الزُّهْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.

مجھ سے اس کے برعکس کچھ اور بیان کیا۔ اسماعیل کہتے تھے: میں نے قیس بن ابی حازم سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو ہی باتوں میں رَشک کرنا جائز ہے۔ ایک تو وہ شخص جسے اللہ مال دے۔ پھر اس کو برمحل بے دریغ خرچ کرنے کی طاقت دے اور ایک وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت دی تو وہ اس کے مطابق عمل کرتا ہو (اور فیصلے کرتا ہو) اور اَوروں کو بھی سکھاتا ہو۔

تشریح: **اَلْاِغْتِبَاطُ فِی الْعِلْمِ وَالْحِکْمَۃِ:** لوگوں نے عموماً دو چیزوں کو سعادت وخیر وبرکت کا موجب قرار دیا ہے۔ حکومت اور دولتمندی کو۔ بڑے سے بڑا رشک جو ایک دنیا دار کو ہوسکتا ہے وہ ان دو باتوں پر ہے۔ ان سے بڑھ کر ان کی پرواز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بالمقابل مال اور علم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی بہبودی اور بنی نوع انسان کی اصلاح میں کھلے دل سے خرچ کیا جاتا ہو۔ ایسے مال دار عالم پر رشک کرنا چاہیے۔ حکمت سے مراد حقائق الاشیاء سے واقفیت ہے اور حسد سے یہاں رشک کرنا مراد ہے۔ یعنی دوسروں کو جو نعمت ملی ہے اپنے لئے اس کی خواہش کرنا۔ زوالِ نعمت کی خواہش مراد نہیں۔ حرص اور حسد فی ذاتہٖ بُری چیزیں نہیں۔ یہ بھی طبعی استعدادیں ہیں۔ ان کا بے محل استعمال بُرا ہے۔ یہ **چودھواں ادب** ہے علم کے متعلق۔ یعنی یہ کہ علم اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لئے سیکھا جائے۔ باب میں حضرت عمرؓ کا قول جو نقل کیا گیا ہے۔ اس سے یہ سمجھانا مراد ہے کہ سیادت وحکومت کے لئے علم سیکھنا ضروری ہے۔ بلکہ سیادت وحکومت کے حاصل ہونے کے بعد بھی ویسے ہی علم کی ضرورت ہے جیسا کہ اس سے پہلے۔ مسلمان اسی لئے تباہ ہوئے کہ ان میں علم نہ رہا۔

بَاب ١٦: مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوْسَى عليه السلام فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر میں خضر کے پاس جانے کا جو ذکر آیا ہے

وَقَوْلُهُ تَعَالٰى: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الكهف: ٦٧)

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: (یعنی) کیا میں آپ کی پیروی کروں، بشرطیکہ آپ راستی کی باتیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں؛ مجھے بھی سکھائیں۔

٧٤: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوْسَى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوْسَى الَّذِي سَأَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَمَا مُوْسَى فِي مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوْسَى لَا فَأَوْحَى اللهُ إِلَى مُوْسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللهُ لَهُ الْحُوْتَ آيَةً وَّقِيْلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَّ الْحُوْتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ

۷۴: مجھ سے محمد بن غُرَیر زُہری نے بیان کیا، کہا: یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے صالح (یعنی ابن کیسان) سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی (کہ انہوں نے بیان کیا) کہ عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے (ان کو) بتلایا کہ وہ اور حُر بن قیس بن حصن فزاری حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں آپس میں جھگڑ پڑے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: وہ خضر تھے۔ اتنے میں اُن کے پاس سے حضرت اُبی بن کعبؓ گزرے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا کہ میں نے اور میرے اس ساتھی نے حضرت موسیٰؑ کے اس ساتھی کے متعلق جس کی ملاقات کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے راستہ دریافت کیا تھا، آپس میں اختلاف کیا ہے۔ کیا آپؓ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق کچھ ذکر سنا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے۔ اسی اثناء میں آپؑ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ کیا آپؑ کسی کو جانتے ہیں جو آپؑ سے بڑھ کر عالم ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا: نہیں۔ اس پر اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی: ہاں۔ ہمارا بندہ خضر (تم سے بڑھ کر عالم ہے) حضرت موسیٰؑ نے ان تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا۔ اللہ نے ان کے لئے مچھلی

وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ لِمُوْسَى فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا أَنْسَانِيْهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (الْكَهْف: ٦٤) قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا (الكهف: ٦٥) فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ.

بطور نشان مقرر کردی اوران سے کہا گیا کہ جب تم مچھلی کھو بیٹھو تو واپس لوٹ آؤ۔ پھر تم جلدی ہی اس سے مل جاؤ گے اور حضرت موسیٰؑ مچھلی کے اس نشان کے پیچھے پیچھے جو سمندر میں تھا؛ جاتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو ان کے نوجوان نے کہا: دیکھا آپؐ نے؟ ہم نے جب اس چٹان کے پاس آرام کیا تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: یہی تو وہ ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے۔ اس پر وہ دونوں اپنے قدموں کے کھوج ڈھونڈتے واپس لوٹے اور خضر کو پا لیا۔ پھر ان کا وہی حال ہوا، جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان کیا۔

تشریح: **ذَهَابُ مُوْسٰیؑ فِی الْبَحْرِ:** امام بخاریؒ جس غرض کے لئے اس باب میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ اَثر (روایت) لائے ہیں، وہ ذَهَابُ مُوْسٰی فِی الْبَحْرِ اِلَی الْخَضِرِ کے بعد آیت هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ لاکر ظاہر کر دی ہے۔ یعنی علم ایک بے پایاں سمندر ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی بھی استقلال سے کام نہ لے سکے اور وہ متحیر رہ گئے اور یہ کہ علم درحقیقت اس حکمت یعنی حقائق الاشیاء کا نام ہے جس کا ایک نمونہ حضرت موسیٰؑ اور خضر کے واقعہ میں ہے۔

امام ابن حجرؒ نے باب کا یہ تعلق بیان کیا ہے کہ علم کی خاطر سفر وغیرہ کی مشقت اُٹھانی چاہیے اور پھر یہ اعتراض پیدا کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے علم کی خاطر سمندر میں سفر نہیں کیا تھا بلکہ خشکی میں جہاں چٹان تھی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۲۱) خشکی یا تَری کی بحث میں پڑنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس باب سے امام بخاریؒ کا یہ مقصود نہیں کہ سفر خشکی میں تھا یا تَری میں اور نہ یہ مقصود ہے کہ تحصیل علم کے لئے سفر کیا جائے۔ ایسے سفر کے متعلق جو تحصیل علم کے لئے کیا جائے، انہوں نے الگ باب باندھا ہے۔ (کتاب العلم، باب ۱۹: **الخروج فی طلب العلم**)

امام موصوفؒ ابھی اس دستور العمل کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جس پر ان کے استدلالات کا دارومدار ہے اور وہ یہ کہ مومن کا کوئی فعل بھی عبث نہیں۔ یہاں باب کے عنوان میں ذَهَابُ مُوْسٰی فِی الْبَحْرِ اور آیت هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا کہہ کر ذہن کو اس امر کی طرف منتقل ہونے سے بچانا چاہتے ہیں؛ جس طرف امام ابن حجرؒ گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو خشکی میں بھی سفر کیا اور سمندر میں بھی۔ مگر امام بخاریؒ نے جو سمندر کی تخصیص کی

ہے اور اس کے بعد ایسی آیت لا کر جس میں علم کا ذکر ہے۔ اس تصرف سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم سے مراد حقائق الاشیاء کا علم ہے اور یہ علم ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ چنانچہ سورۂ کہف کے آخر میں یہی مضمون ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ. (الکہف:۱۱۰)

خضر کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں جو بے بنیاد ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی خیال ہے کہ انہوں نے آبِ حیات پی لیا تھا اور وہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں زندہ ہیں۔ دریا و سمندر میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ (ارشاد الساری جزء اول صفحہ۱۷۳) یہ سب لغو کہانیاں ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا ہے:-

”میں سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ کے دِکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کشف دکھایا اور اس کشف کا خضر میرا محمدؐ ہی ہے جس کے ساتھ چلنے کی موسیٰ علیہ السلام کو طاقت نہ تھی۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ وبارِکْ وسلِّم إنّک حمیدٌ مجید.“ (تفسیر کبیر، سورۃ الکہف آیت نمبر ۶۱، جلد چہارم، صفحہ ۴۷۰)

اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لیے تفسیر کبیر- تفسیر سورۃ الکہف آیات ۶۱ تا ۸۳، جلد چہارم، صفحہ ۴۶۵ تا ۴۹۰ دیکھئے۔

بَاب۱۷ : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: اے اللہ! اس کو کتاب کا علم دے

۷۵: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ.

۷۵: ہم سے ابومعمر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ عبدالوارث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: خالد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گلے لگایا اور فرمایا: اے اللہ! اسے کتاب کا علم دے۔

تشریح: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ پیش کر کے **چودھواں ادب** علم کے متعلق یہ بتلایا کہ تحصیل علم کے لئے بچپن سے ہی اہتمام ہو۔ بچوں کے واسطے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو علم کی نعمت عطا کرے۔ امام ابن حجرؒ نے اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ الفاظ کے متعلق مختلف روایات بیان کی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَتَأْوِيلَ الْكِتَابِ. اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ. (فتح الباری جزء اول صفحہ۲۲۴) تاویل سے مراد بھی بیانِ حقیقت ہے۔ خود امام بخاریؒ کی روایات میں بھی یہ دعا

مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس وقت چھوٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ان کے لئے نہایت وضاحت سے پوری ہوئی۔ اکابر صحابہؓ جبکہ وہ پندرہ سولہ برس کے تھے، ان سے قرآنِ مجید پڑھا کرتے تھے۔

بَاب ۱۸ : مَتَى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيْرِ

چھوٹے (بچہ) کا سننا کب درست ہوتا ہے

٧٦: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ فَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكَرْ ذَلِكَ عَلَيَّ.

۷۶: ہم سے اسماعیل بن ابی اُویس نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، عبید اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں ابھی بلوغت کے قریب ہی پہنچا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں بغیر کسی اوٹ کے نماز پڑھ رہے تھے تو میں صف کے کچھ حصہ کے سامنے سے گزرا اور میں نے گدھی کھلی چھوڑ دی کہ وہ چرتی رہے اور صف میں شامل ہو گیا اور میرا یہ فعل بُرا نہیں منایا گیا۔

٧٧: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ.

۷۷: مجھ سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا کہ ابومسہر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: محمد بن حرب نے مجھے بتلایا۔ (انہوں نے کہا:) زبیدی نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے۔ زُہری نے محمود ابن ربیع سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے نبی ﷺ کی ایک کُلّی یاد ہے جو آپؐ نے ایک ڈول سے (پانی لے کر) میرے منہ پر ڈالی تھی اور میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔

تشریح: **مَتٰى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ**: امام بخاریؒ کواس باب کے باندھنے کی ضرورت اس اختلاف کی وجہ سے پیش آئی ہے جو بعض علماء کے درمیان چھوٹے بچوں کے سننے اور روایت کرنے کے بارے میں ہوا ہے۔ یعنی وہ قابل اعتماد ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۲۵)

امام بخاریؒ یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ تحصیل علم کے لئے بلوغت شرط نہیں۔ بلکہ سمجھ شرط ہے اور حافظہ وادراک کی ضرورت ہے جو پانچ سال کے بچے میں بھی نمایاں طور پر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ علماء خواہ مخواہ ان بحثوں میں پڑ گئے اور مجلس میں بچوں کی موجودگی کو بھی مکروہ سمجھنے لگے۔ حالانکہ یہ امر طبیعتوں کے اختلاف پر منحصر ہے۔ بعض پانچ سال میں ہی سیکھنے اور سمجھنے کی استعداد ظاہر کر دیتے ہیں۔ اگر حضرت ابن عباسؓ وغیرہ اپنے بچپن کے مشاہدات بیان کرتے ہیں تو ان کی روایتیں مخدوش نہیں سمجھی جا سکتیں۔

عَقَلْتُ مَجَّةً: یعنی مجھے ہوش ہے اس کلی کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منہ پر ڈالی تھی۔

وَجْهَهٗ جس میں ناک، منہ، آنکھیں اور رخسار سب شامل ہیں۔ **مَجَّ** کے معنے دور سے کلی ڈالنا (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار و محبت سے بچے کے ساتھ مزاح کیا ہے۔

بَاب ۱۹ : اَلْخُرُوْجُ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ

علم کی تلاش میں نکلنا

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ.

اور حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک حدیث کی خاطر مہینہ بھر کا سفر کر کے حضرت عبداللہ بن اُنَیسؓ کے پاس گئے

۷۸: حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ {قَاضِي حِمْصَ☆} قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوْسٰى

۷۸: ہم سے ابوالقاسم خالد بن خلی نے جو حمص کے قاضی تھے☆ بیان کیا، کہا: محمد بن حرب نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اوزاعی کہتے تھے: زُہری نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، عبیداللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے اور حُر بن قیس بن حصن فزاریؓ نے آپس میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے

☆ الفاظ "قَاضِي حِمْصَ" نسخة الانصاریه کے مطابق ہیں (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۲۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوْسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيْلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ فَقَالَ أُبَيٌّ نَعَمْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ يَقُوْلُ بَيْنَمَا مُوْسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوْسَى لَا فَأَوْحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوْسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ السَّبِيْلَ إِلَى لُقِيِّهِ فَجَعَلَ اللهُ لَهُ الْحُوْتَ آيَةً وَقِيْلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَّ الْحُوْتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ مُوْسَى ﷺ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ فَتَى مُوْسَى لِمُوْسَى أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا أَنْسَانِيْهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (الْكَهْف: ٦٤) قَالَ مُوْسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِيْ فَارْتَدَّا

بارے میں اختلاف کیا۔ ان کے پاس سے حضرت اُبی بن کعبؓ گزرے تو حضرت ابن عباسؓ نے انہیں بلایا اور کہا: میں نے اور میرے اس ساتھی نے آپس میں حضرت موسیٰ کے اس ساتھی کے متعلق اختلاف کیا، جس کی ملاقات کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے راستہ دریافت کیا تھا۔ کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کا حال بیان کرتے سنا؟ حضرت اُبیؓ نے کہا: ہاں۔ میں نے نبی ﷺ کو اس کا حال بیان کرتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: ایک بار حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ اس اثناء میں ان کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے پوچھا: کیا آپ کسی کو جانتے ہیں جو آپؑ سے بڑھ کر عالم ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: نہیں۔ اس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی: ہاں، ہمارا بندہ خضر (تم سے بڑھ کر عالم ہے) تب انہوں نے اس سے ملنے کا راستہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مچھلی کو بطور نشان کے مقرر کیا اور ان سے کہا: جب تم مچھلی کھو بیٹھو تو لوٹ آؤ۔ تم جلد ہی اس سے مل جاؤ گے۔ حضرت موسیٰ ﷺ مچھلی کے نشان کے پیچھے پیچھے جو سمندر میں تھا، جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے نوجوان نے حضرت موسیٰ سے کہا: دیکھا آپ نے! جب ہم نے چٹان کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی آپ کو یاد دلانا بھلا دیا۔ حضرت

عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ.

موسیٰؑ نے کہا: یہی تو وہ تھا جس کو ہم تلاش کر رہے تھے۔ تب وہ دونوں اپنے قدموں کے کھوج ڈھونڈتے واپس لوٹے۔ خضر اُن کو مل گئے۔ پھر ان کا وہی حال ہوا جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا۔

تشریح: **اَلْخُرُوجُ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ:** امام بخاریؒ نے سفر کے متعلق یہ مستقل باب باندھا ہے اور اس کے ضمن میں وہی حضرت موسیٰؑ کے سفر والا واقعہ پھر لائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو اس کو بیان کیا تھا وہ اور مقصد کے لئے تھا۔ یہاں حضرت جابر بن عبداللہؓ (صحابی) کے سفر کا ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث کے لئے ان کا ایک مہینہ سفر کرنا بتلاتا ہے کہ تحقیق علم کے متعلق صحابہؓ کے دل میں کس قدر شوق تھا۔ ان کو کسی شخص سے ایک حدیث کا علم ہوا اور یہ کہ اس نے حضرت عبداللہ بن اُنَیس جُہَنیؓ سے وہ حدیث سنی ہے تو حضرت جابرؓ اس پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ایک مہینہ بھر کے سفر کی صعوبت برداشت کرتے ہیں۔ تا بہ اعتبارِ سند اس حدیث کے متعلق انہیں زیادہ وثوق ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے ان لوگوں کو کس قدر اہتمام تھا۔ یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے زمانہ کا ہے جبکہ وہ شام میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس ۵۴ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ یہ بھی ان ستر انصاریوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے عقبہ میں بیعت کی تھی۔ (عمدۃ القاری جزءدوم صفحہ ۷۳)

امام ابن حجر نے حضرت ابوایوب انصاری اور سعید بن مسیّب کے سفروں کا ذکر کیا ہے اور ابوالعالیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم جب تک خود صحابہ کے منہ سے نہ سن لیتے کبھی کسی بات پر تسلی نہ پکڑتے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۳۰)

امام بخاریؒ نے بھی صحابہ و تابعین کی طرح ایک ایک حدیث کی خاطر لمبے لمبے سفر کئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ہمت کا بھی پتہ ان کے اس قول سے لگتا ہے: لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا(الکھف: ۶۱) سالہا سال چلا جاؤں گا جب تک کہ مجمع البحرین تک نہ پہنچ جاؤں۔ مجمع البحرین سے کیا مراد ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

علم کی خاطر اَن تھک ہمت و کوشش کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ باب باندھا گیا ہے۔ تحصیل علم و علمی تحقیق کے متعلق یہ **پندرھواں ادب** سکھلایا ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی احادیث کی صحت کو پایہ یقین تک پہنچانے کے لئے لمبے لمبے سفروں کی مشقت جھیلی ہے۔

بَاب ٢٠ : فَضْلُ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ

اس شخص کی فضیلت جو علم سیکھے اور سکھائے

٧٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ

۷۹: ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا: حماد بن اسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے بُرَید بن عبداللہ

عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِيْنِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ إِسْحَاقُ {عَنْ أَبِي أُسَامَةَ ☆} وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ يَّعْلُوْهُ الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ.

سے، بُرَید نے ابو بردہ سے، ابو بردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے، حضرت ابوموسیٰؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: جو ہدایت اور علم دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے، اس کی مثال بہت بڑی بارش کی سی ہے جو زمین میں ہوئی تو اس زمین سے کچھ حصہ عمدہ تھا، جس نے پانی قبول کر لیا اور اس نے گھاس اور بہت سی بوٹیاں اُگا دیں اور اس میں سے کچھ سنگلاخ تھی، جس نے پانی کو روک لیا اور اللہ نے لوگوں کو اس زمین کے ذریعہ سے نفع پہنچایا۔ انہوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی باڑی کی اور زمین میں سے ایک اور حصہ پر بھی بارش پڑی جو بالکل چٹیل میدان تھا۔ نہ تو پانی کو روکے اور نہ گھاس اُگائے اور یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ کے دین کو خوب سیکھا، سمجھا اور جس کو اللہ نے نفع دیا اس علم سے جو اس نے مجھے دے کر بھیجا اور اس نے علم حاصل کیا اور علم سکھلایا اور نیز یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے اس پر سر ہی نہیں اُٹھایا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کا پیغام دینے کے لئے میں بھیجا گیا۔ ابوعبداللہ (محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ) نے کہا: اسحاق (ابواسامہ سے☆) روایت کرتے تھے: اس میں ایک حصہ ایسا تھا، جس نے پانی روک لیا۔ قَاعٌ وہ چٹیل میدان ہوتا ہے جس کی سطح پر پانی بہتا ہے اور صَفْصَف کے معنے ہموار زمین۔

☆ الفاظ {عَنْ اَبِیْ اُسَامَةَ} نسخہ انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۳۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وہدایت کی مثال بارش سے سے دے کر اسے حیاتِ روحانیہ اور اجتماعیہ کا اصل سبب قرار دیا ہے۔ دنیا کی رونق آسمانی بارش پر موقوف ہے خواہ بادلوں سے برسے یا وحی کی تجلیات ربانیہ کے ذریعہ سے علم وعرفان کی شعاعوں میں جلوہ گر ہو۔ بارش اور علم دونوں زندگی کا باعث ہیں اور دونوں کی قبولیت اور تاثیر زمین کی نوعیت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس امر کو مثال سے واضح فرمایا ہے۔ دوسری مثال اس شخص کی ہے جو خود اپنی ذات میں علم سے مستفیض نہیں ہوتا مگر دوسرے اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا افضل ہے۔ امام بخاریؒ نے باب کے عنوان باندھنے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف کیا ہے کہ عالم کی فضیلت اس مثال سے عیاں ہے کہ وہ ایک معنی میں احیاء کرتا ہے اور یہی احیاء وہ چیز ہے جس کی نسبت سے انسان کی قدر وقیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے اور یہ احیاء دنیا میں آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے باحسن وجوہ اور کماحقہ ظہور میں آیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (الانفال: ۲۵) {اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا کرو، جب وہ تمہیں بلائے۔ تاکہ وہ تمہیں زندہ کرے۔} اور فرماتا ہے: وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ. (النحل: ٦٦) {اور اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا تو اس سے زمین کے مَر جانے کے بعد زندہ کر دیا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بہت بڑا نشان ہے جو (بات) سنتے ہیں۔} یہ احیاء ایک ابدی نشان ہے سننے والوں کے لئے۔ ایک مردہ قوم کو زندہ کر کے اور معلم بنا کر دنیا کی طرف بھیجا اور یہ حکم دیا: كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ حُلَمَآءَ فُقَهَآءَ عُلَمَآءَ. (بخاری. کتاب العلم. باب ۱۰: العلم قبل القول والعمل) اور ان کے دلوں میں محبتِ علم کی وہ روح پھونکی کہ بوڑھے جاہل بھی پڑھ کر عالم بلکہ معلم بن گئے۔

اسحاق بن راھویہ کی روایت میں قَبِلَتْ کی جگہ قَيَّلَتْ ہے۔ یعنی روک لیا۔

بَاب ۲۱ : رَفْعُ الْعِلْمِ وَظُهُوْرُ الْجَهْلِ

علم کا اُٹھایا جانا اور جہالت کا عام طور پر پھیل جانا

وَقَالَ رَبِيْعَةُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ.

ربیعہ نے کہا: کسی کے پاس کچھ علم ہو تو اُسے نہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔

۸۰: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ

۸۰: ہم سے عمران بن میسرہ نے بیان کیا، کہا: عبدالوارث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوتیاح سے، ابوتیاح نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس گھڑی کی علامتوں میں

يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا.

سے یہ ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا اور جہالت مستحکم ہو جائے گی اور شراب پی جائے گی اور زنا کثرت سے ہوگا۔

۸۱: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَّا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَّقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

۸۱: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحیٰ (بن سعید) نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں تم کو ایک ایسی حدیث بتلاتا ہوں کہ میرے بعد کوئی بھی تمہیں نہیں بتلائے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: اس گھڑی کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہالت کا غلبہ ہوگا اور زنا کثرت سے پھیل جائے گا اور عورتیں بہت ہوں گی اور مرد کم ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک ہی نگران ہوگا۔

تشریح: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن مدنی تابعی ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ بوجہ اپنے اجتہاد کے ربیعہ "الرائی" کے لقب سے مشہور تھے۔ امام بخاریؒ نے ان کا قول یہ بتانے کے لیے نقل کیا ہے کہ علم کے ہوتے ہوئے پھر اپنی اصلاح نہ کرنا اور اپنے آپ کو ضائع کر دینا یہ بھی ایک معنی میں علم کا اُٹھ جانا ہے۔ دونوں صورتوں میں انسان نہ صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے بدنمونہ سے دنیا میں بھی بدکاری کے پھیلنے کا موجب ہوتا ہے۔ جہالت کے معنی جہاں فقدانِ علم کے ہیں وہاں بدعملی کے بھی ہیں، جو علم کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ علم سے مراد یہ مادی علوم نہیں بلکہ وہ روحانی عرفان ہے جو انبیاءؑ لاتے ہیں؛ جس سے بدیوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور روح القدس کی ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ یہ مادی علوم تو بدیوں کے بڑھانے کا موجب ہوئے ہیں، بوجہ اس کے کہ ان کے ساتھ روحانی معرفت نہیں۔

اس حدیث نے باب کے مضمون کو واضح کر دیا ہے۔ کیونکہ کسی قوم کی تباہی کے اسباب میں سے فقدانِ علم کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ اس گھڑی کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ عورتیں بہت ہو جائیں گی اور آدمی گھٹ جائیں گے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان قرونِ مظلمہ میں تاریک یورپ و جاہل ایشیا کے معلم و رہنما تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے جابجا مطعون ہیں۔ عفت و طہارت جو ان کے لئے مایہ ناز تھی کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی غیرت

جس سے سارا جہان لرزاں تھا، آج ان سے مفقود ہو چکی ہے اور بدکاری جو خوف کے مارے ان کی دہلیزوں کے پاس پھٹکنے کی جرأت بھی نہ کر سکتی تھی۔ آج ان کے آنگنوں میں ہر قسم کے بے حیائی کے تماشے کر رہی ہے اور انہیں احساس تک نہیں۔ شراب جس کی بو سے بیزار تھے آج ان کی گھٹی میں ہے۔ ان کے گھر رانڈوں سے بھرے پڑے ہیں اور اس جنگ عظیم (اول) نے تو وہ تباہی ڈالی ہے کہ یہ سارے نظارے ہم نے اپنی آنکھوں سے ممالک اسلامیہ میں دیکھے ہیں۔ اس جنگ کے بعد **اَلْقَیِّمُ الْوَاحِدُ** کے عذاب کا نظارہ ایسے جلالی رنگ سے پورا ہوا ہے کہ سارا یورپ اب تک چیخ و پکار کر رہا ہے۔ گویا مسلمانوں کی تباہی جو دجالی فتنہ کے ذریعہ سے مقدر تھی وہ ایک ایسی ہولناک صورت میں ظاہر ہوئی کہ تمام جہان اس میں مبتلا ہو گیا۔

علم کے ساتھ عمل کرنے کے متعلق باب مذکور میں **سولھواں ادب** یہ سکھایا ہے کہ عمل نہ کرنے سے علم بھی ضائع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ خود انسان بھی۔

بَاب ۲۲ : فَضْلُ الْعِلْمِ

فضل العلم۔ یعنی علم کا زائد اور بچا ہوا حصہ

۸۲: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ.

۸۲: ہم سے سعید بن عُفَیر نے بیان کیا، کہا: مجھ سے لیث نے بیان کیا۔ لیث نے کہا: عُقَیل نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: ایک بار میں سویا ہوا تھا کہ اس اثناء میں میرے پاس دودھ کا ایک گلاس لایا گیا اور میں نے اتنا پیا کہ اب بھی میں طراوت کو اپنے ناخنوں سے پھوٹتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) عمر بن خطابؓ کو دیا۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ آپؐ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا: علم۔

تشریح: فَضْلُ الْعِلْمِ: فَضْلُ الْعِلْمِ سے اس جگہ مراد علم کی فضیلت نہیں بلکہ علم کا بچا ہوا حصہ۔ فضیلتِ علم کے متعلق الگ باب باندھا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا اور اس کی تعبیر سے، نیز ان واقعات

سے جن سے کہ اس رؤیا کی تصدیق ہوئی یہ استدلال کرنا مقصود ہے کہ دنیوی فتوحات اور عظمت جو مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے نصیب ہوئی وہ علم نبوی کا ایک بچا ہوا حصہ تھا جو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ آپ کی اس جامع حیثیت کے **مجمع البحرین** (دنیوی اور اخروی بہبودی کے علوم کا جامع) کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر انشاء اللہ مفصل اس کی تشریح ہوگی۔ امام بخاریؒ نے سیاست کو **العلم** میں شمار کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل راستی لائے جو انسان کے حسنات الدارین پر حاوی ہے جیسا کہ مسیحؑ نے آپؐ کے متعلق پیشگوئی کی تھی کہ ''جب وہ روحِ حق آئے گی تو کامل سچائی لائے گی۔''
(یوحنا باب ۱۶، آیت ۱۲-۱۳)

حضرت عمرؓ کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے اس بچے ہوئے دودھ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے پیا۔

بَاب ۲۳: اَلْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا

ایسی حالت میں فتویٰ دینا کہ (فتویٰ دینے والا) چوپائے وغیرہ پر سوار ہو

۸۳: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُوْنَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

۸۳: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا۔ کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں منیٰ (مقام) میں لوگوں کے لئے ٹھہرے تا کہ وہ آپؐ سے (جو پوچھنا ہو) پوچھ لیں۔ ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مجھے علم نہ تھا اور ذبح کرنے سے پہلے میں نے سر منڈوا لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اب ذبح کر لے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد ایک اور شخص آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے علم نہ تھا؛ میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے ذبح کر لیا ہے۔ فرمایا: اب کنکریاں پھینک لے اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا ہی نبی ﷺ سے کوئی بھی ایسی بات نہیں پوچھی گئی جو آگے پیچھے کی گئی تھی۔ مگر آپؐ نے فرمایا: اب کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: **اَلْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ** : باب مذکور میں جو حدیث لائی گئی ہے۔اس میں آپؐ کے آخری حج کا ذکر ہے۔آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تا سب لوگ آپؐ کو دیکھ سکیں اور پوچھنے والے کو آپؐ آسانی سے جواب دے سکیں۔امام بخاریؒ نے علم کے بیان میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے **سترھویں ادب** کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علماء کو کنج تنہائی میں جیسا کہ ان کی عادت ہو چکی ہے نہیں رہنا چاہیے اور نہ یہ توقع رکھنی چاہیے کہ لوگ ان کے پاس آئیں۔ بلکہ تعلیم کے لئے انہیں خود باہر نکلنا اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل تھا۔کسی کے پاس جا کر اسے تعلیم دینا ذلت نہیں۔

بَاب ٢٤ : مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ

جو شخص فتویٰ کا جواب ہاتھ اور سر کے اشارے سے دے

٨٤: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ قَالَ وَلَا حَرَجَ. قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ وَلَا حَرَجَ.

۸۴: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا۔کہا: وُہَیب نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا:ایوب نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عکرمہ سے۔عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ سے جبکہ آپؐ حج میں تھے کسی نے پوچھا: میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے ذبح کر لیا ہے تو آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔فرمایا: کوئی حرج نہیں۔اور ایک نے کہا: میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے تو آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

٨٥: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْهَرْجُ

۸۵: ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا۔کہا: حَنْظَلہ بن ابی سفیان نے سالم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا۔وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: علم اُٹھا لیا جائے گا اور جہالت اور فتنے نمایاں ہو جائیں گے اور ''ھَرْج'' بہت ہوگی۔آپؐ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ یہ ''ھَرْج'' کیا ہے؟ آپؐ

فَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ فَحَرَّفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيْدُ الْقَتْلَ.

٨٦: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا شَأْنُ النَّاسِ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ قُلْتُ آيَةٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ فَحَمِدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَّمْ أَكُنْ أُرِيْتُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَأُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي قُبُوْرِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيْبَ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا هُوَ

نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس طرح اور ہاتھ کو (چھری پھیرنے کی طرح) ہلایا۔ گویا آپؐ کی مراد قتل تھی۔

۸۶: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا۔ کہا: وُہَیب نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہشام نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے فاطمہ سے، فاطمہ نے حضرت اسماءؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ (کہ بے وقت نماز پڑھ رہے ہیں) انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور میں نے دیکھا کہ لوگ نماز میں کھڑے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے سُبْحَانَ اللّٰه کہا۔ میں نے پوچھا: کوئی نشان ظاہر ہوا ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ یعنی ہاں۔ اس پر میں بھی نماز میں کھڑی ہوگئی (اور اتنی دیر تک کھڑی رہی) کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کیا، اتنے میں نبی ﷺ نے اللہ عزوجل کی حمد بیان کی اور اس کی تعریف کی۔ پھر فرمایا: ہر وہ چیز جو مجھے پہلے نہیں دکھائی گئی تھی، اب میں نے وہ (یہاں) اپنی جگہ کھڑے کھڑے دیکھ لی ہے؛ یہاں تک کہ جنت بھی اور جہنم بھی۔ پھر مجھے یہ وحی کی گئی کہ تم اپنی اپنی قبروں میں ویسے ہی یا اس کے قریب قریب آزمائے جاؤ گے جیسے مسیح دجال کے فتنہ سے۔ راوی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماءؓ نے ان میں سے کون سا لفظ کہا۔ پوچھا جائے گا: اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ راوی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماءؓ نے ان میں سے کون سا لفظ کہا۔ مومن یا یقین کرنے والا کہے گا: وہ محمد ﷺ

مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا بِهِ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِالْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

ہیں۔ (وہ) اللہ کے رسول ہیں۔ وہ ہمارے پاس کھلے کھلے دلائل اور ہدایت کی باتیں لائے اور ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی۔ وہ محمد ﷺ ہیں۔ تین بار یہی کہے گا۔ تب اسے کہا جائے گا: سوجا آرام سے۔ ہمیں تو علم تھا کہ تو ان پر یقین لانے والا ہی ہے اور جو منافق ہوگا یا شک کرنے والا۔ راوی نے کہا: مجھے علم نہیں کہ ان میں سے حضرت اسماءؓ نے کون سا لفظ کہا۔ وہ کہے گا: مجھے پتہ نہیں۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا اور میں نے بھی کہہ دیا۔

تشریح: **اَجَابَ الْفُتْيَا بِاِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ:** امام بخاریؒ نے **اٹھارواں ادب** دو حدیثیں لا کر یہ سکھلایا کہ انسان اپنے مافی الضمیر کو اشارے سے بھی بیان کرسکتا ہے۔ علماء کو یہ عادت ہو چکی ہے کہ جب تک مسئلہ کو منطقی پیچیدگیوں میں لا کر ایک طول طویل تقریر نہ کرلیں، ان کو تسلی ہی نہیں ہوتی۔ امام موصوفؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرکے سمجھایا ہے کہ خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اشارے سے بھی انسان بڑے بڑے مضمون ادا کرسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مَا قَلَّ وَدَلَّ کا خصوصیت سے خیال رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپؐ کے اقوال کے مطالعہ سے واضح ہوگا۔ امام بخاریؒ نے بھی استدلات میں اکثر یہی طرز اختیار کی ہے اور وہ اشاروں ہی اشاروں میں اہم مطالب بیان کر گئے ہیں۔ انہوں نے یہ باب بھی اس غرض سے باندھا ہے کہ تا اپنے مخصوص طریقہ افتاء کی طرف توجہ دلائیں۔

مَاالْهَرْجُ: اَلْهَرْجُ کا صحیح مفہوم قتل و غارت کے الفاظ ادا کرتے ہیں۔ حبشہ زبان میں اس کے معنی قتل کے ہیں۔ آپؐ نے مار دھاڑ، غارت گری کو بھی موعودہ تباہی کی علامتوں میں سے قرار دیا ہے۔ اس کی مفصل بحث انشاء اللہ تعالیٰ کتاب الفتن میں آئے گی۔

اسماءؓ: حضرت عائشہؓ کی بہن، حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ یہ سو برس کی عمر پا کر ۷۳ھ میں فوت ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ انہی کے بیٹے تھے اور اسی ماں نے اپنے اس بیٹے کو مشورہ دیا تھا کہ حجاج بن یوسف کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر میرے پاس نہ آنا۔ جام شہادت پینا بہتر ہے۔ نہایت قوی دل، قوی جسم تھیں۔ آخری عمر میں بھی ان کے دانت نہیں گرے۔ امام بخاریؒ اس واقعہ سے بھی وہی استدلال کرتے ہیں۔ یعنی اشارے سے مفہوم بخوبی ادا کیا جاسکتا ہے۔

رَاَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ: علامہ عینی نے یہاں پر یہ بحث اٹھا کر کہ رؤیت میں کسی چیز کا بالمواجہہ یعنی آمنے سامنے ہونا ضروری ہے یا نہیں، یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا اور یہ ہوسکتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مثالی رنگ میں جنت اور دوزخ اسی طرح دکھلائی ہو، جس طرح کہ آئینہ میں اشیاء کا انعکاس دکھلایا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء دوم صفحہ ۹۷)

چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: لَقَدْ رَأَيْتُ الْاٰنَ ... اَلْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ. (بخاری. کتاب الآذان. باب ۹۱: رفع البصر الی الامام فی الصلوٰۃ. روایت نمبر ۷۴۹) یہ رؤیت اَز قبیل مکاشفات تھی۔ انبیاء کے روحانی حواس اس قدر روشنی وحدّت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کامل بیداری کی حالت میں عالم روحانی کے حقائق محسوس صورت میں دیکھ لیتے ہیں۔ (دیکھئے کتاب الوضوء۔ روایت نمبر ۲۱۶، ۲۱۸)

بَاب ۲۵

تَحْرِيْضُ النَّبِيِّ ﷺ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَّحْفَظُوْا الْإِيْمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوْا مَنْ وَّرَاءَهُمْ

نبی ﷺ کا عبدالقیس کے نمائندوں کو رغبت دلانا کہ وہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں اور جو اُن کے پیچھے ہیں، انہیں بھی بتادیں

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعُوْا إِلَى أَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ.

اور مالک بن حویرثؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور انہیں سکھاؤ۔

۸۷: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنِ الْوَفْدُ أَوْ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا إِنَّا نَأْتِيْكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

۸۷: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: غندر نے ہم سے بیان کیا۔ غندر نے کہا: شعبہ نے ابوجمرہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں (ایران میں) حضرت ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کیا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا: عبدالقیس کے نمائندے نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ نمائندے کون ہیں؟ یا (فرمایا) یہ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ربیعہ قوم۔ آپؐ نے فرمایا: خوشی سے آئے یہ قوم یا (فرمایا) یہ وفد۔ نہ کبھی رسوا ہوں نہ پشیمان۔ انہوں نے کہا: ہم آپؐ کے پاس

هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَلَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَّرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَتُعْطُوْا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا قَالَ النَّقِيْرِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوْهُ وَأَخْبِرُوْهُ مَنْ وَّرَاءَكُمْ.

دور فاصلے سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان یہ مضر کافروں کا قبیلہ روک ہے اور ہم صرف حرمت والے مہینے میں ہی آپؐ کے پاس آ سکتے ہیں۔ اس لئے آپؐ ہمیں کوئی ایسا حکم دیں جو ہم پچھلوں کو بھی بتلائیں اور ہم بھی اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوں۔ اس پر آپؐ نے انہیں چار باتیں کرنے کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ اللہ عزوجل پر ایمان لانے کا اُن کو حکم دیا۔ فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور نماز سنوار کر پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ دیا کرو اور انہیں کڑوے کدو کے تونبے اور روغن شدہ گھڑے اور لاکھی برتن سے منع کیا۔ شعبہ کہتے تھے کہ ابوجمرہ نے کبھی نَقِیْر کہا یعنی کھجور کا کُھدا ہوا برتن اور کبھی مُقَیَّر یعنی رال (یعنی درخت کی گوند) کا روغنی برتن۔ آپؐ نے فرمایا: ان باتوں کو یاد رکھو اور جو تمہارے پیچھے ہیں؛ ان کو بھی بتلاؤ۔

تشریح: تَحْرِيْضُ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى اَنْ يَّحْفَظُوْا ...وَيُخْبِرُوْا ....: انیسواں ادب علم کے متعلق یہ سکھلایا گیا ہے کہ صرف علم سیکھنا ہی کافی نہیں بلکہ علم کو محفوظ رکھنا اور دوسروں کو سکھانا اور اس کی ترغیب وتحریص دینا دلانا بھی ایک ضروری امر ہے۔ حضرت مالکؓ بن حویرث اپنی قوم کے چھ آدمیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد آپؐ کے پاس اسلامی احکام سیکھنے کے لئے ٹھہرے اور پھر جب لوٹنے لگے تو آپؐ نے ان کو فرمایا: اِرْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ. حدیث مشار الیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جو تعلیم دیتے تھے، آپؐ اس کو محفوظ رکھنے کی تاکید بھی فرمایا کرتے

تھے۔آپؐ کے اس قسم کے احکام بھی ان اسباب میں سے ہیں جو احادیث نبویہ کی حفاظت کا موجب ہوئے ہیں۔

كُنْتُ اُتَرْجِمُ: یہ واقعہ کتاب الایمان حدیث ۵۳ میں گذر چکا ہے۔ وہاں علی بن جعد روایت کرنے والے ہیں؛ یہاں محمد بن بشار۔ وہاں یہ الفاظ ہیں كُنْتُ اَقْعُدُ... یہاں كُنْتُ اُتَرْجِم... یہ لفظی اختلاف بالکل جزوی ہے۔ شراب کے برتنوں سے منع کرنے کی حکمت اپنے موقع ومحل پر بیان کی جائے گی۔

بَاب ٢٦: { اَلرِّحْلَةُ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ ☆}

پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق سفر کرنا

٨٨: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ {بِهَا☆} فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي فَرَكِبَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

۸۸: ہم سے محمد بن مقاتل ابوالحسن نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عمر بن سعید بن ابی حُسَین نے ہم سے بیان کیا، کہا کہ عبداللہ بن ابی مُلَیکہ نے حضرت عقبہؓ بن حارث سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ انہوں نے ابواِہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عقبہ کو دودھ پلایا تھا اور اس کو بھی (جس سے☆) اس نے شادی کی ہے۔ حضرت عقبہؓ نے اسے کہا: میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا تھا اور نہ تو نے مجھے کبھی بتلایا۔ اس لئے وہ سوار ہوکر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں آئے اور آپؐ سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب یہ کیوں کر ہو؛ جبکہ یہ بات کہی گئی ہے۔ اس پر حضرت عقبہؓ اس سے الگ ہوگئے اور اس عورت نے دوسرے سے شادی کر لی۔

☆ یہ الفاظ نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری مطبوعہ بولاق جزء اول صفحہ ۱۶۷) ترجمہ ان کے مطابق ہے۔

تشریح: **كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اس اصل پر فرمایا کہ عدم علم پر معلوم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے دودھ پلایا تھا اور حضرت عقبہؓ لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ اس واقعہ سے ایک سبق سکھلاتے ہیں۔ اکثر لوگ صحیح معلومات حاصل کرنے میں سستی وتساہل سے کام لیتے ہیں اور شہادت کو یقین سے تبدیل کرنے میں پرلے درجہ کی کوتاہی اور غفلت برتتے ہیں اور یہ تقویٰ کے بالکل خلاف ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو ایک بات سے شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ تحقیق مسئلہ کے لئے فوراً سوار ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنے شبہ کا ازالہ کرتے ہیں۔ یہی شان ہر مومن کی ہونی چاہیے۔ یہ تحصیل علم کے ضمن میں بیسواں ادب ہے۔ حضرت عقبہؓ کے سفر اختیار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس عورت کی بات غلط معلوم نہیں ہوئی۔

بَاب ٢٧ : اَلتَّنَاوُبُ فِي الْعِلْمِ

علم حاصل کرنے کے لئے آپس میں باری مقرر کرنا

٨٩ : حَدَّثَنَاأَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَضَرَبَ

۸۹: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا کہ شعیب نے زُہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: نیز ابن وہب نے کہا کہ یونس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور سے، عبیداللہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں اور انصار میں سے میرا ایک پڑوسی بنوامیہ بن زید میں رہتے تھے اور یہ مدینہ کے ان گاؤں میں سے ہے جو آس پاس اونچی جگہ پر واقع تھے اور ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتے۔ ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا اور جب میں جاتا تو میں اس دن کی وحی وغیرہ کی خبریں اس کے پاس لاتا اور جب وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔ (ایک دفعہ)

بَابِي ضَرْبًا شَدِيْدًا فَقَالَ أَثَمَّ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيْمٌ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ طَلَّقَكُنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ لَا أَدْرِي ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ قَالَ لَا فَقُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ.

میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن گیا اور آ کر میرے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا اور پوچھا کہ کیا وہ یہیں ہے۔ اس پر میں گھبرایا اور باہر نکلا تو اس نے کہا: بہت ہی بڑا حادثہ ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ سن کر میں حفصہؓ کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ رو رہی ہے۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ کہنے لگی: میں نہیں جانتی۔ پھر میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور میں نے کھڑے کھڑے پوچھا: کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اس پر میں نے کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ.

تشریح: **التَّنَاوُبُ فِيْ الْعِلْمِ:** یہ اکیسواں ادب ہے تحصیلِ علم میں کہ اگر کسی کو علم سیکھنے کے لئے پوری فراغت نہ ملتی ہو تو وہ کسی کے ساتھ باری مقرر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری کے ساتھ باری مقرر کی تھی۔ صحابہؓ کے شوق کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ کام کاج چھوڑ کر تین چار میل سے آ کر سارا دن اسی کام میں صرف کر دیتے۔ جب علم کے لئے سچی تڑپ ہوتی ہے تو وہ تڑپ بیسیوں ایسے طریقے خود سُجھا دیتی ہے۔ اس حدیث میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جانے پر لفظ نزول بولا گیا ہے۔ اس سے آسمان سے اترنا مراد نہیں۔

قَدْ حَدَثَ اَمْرٌ عَظِيْمٌ: یہ واقعہ آگے مفصل آئے گا۔

بَاب ۲۸
اَلْغَضَبُ فِي الْمَوْعِظَةِ وَ التَّعْلِيْمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ

وعظ اور تعلیم میں ناراضگی کا اظہار کرنا۔ اگر کوئی ایسی بات دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو

۹۰: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ

۹۰: ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن ابی خالد سے، ابن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے، قیس نے حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے ممکن نہیں

لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَّوْمِئِذٍ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُنَفِّرُوْنَ فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيْهِمِ الْمَرِيْضَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ.

کہ میں باجماعت نماز پڑھوں بوجہ اس کے کہ فلاں شخص ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ میں نے نبی ﷺ کو کسی وعظ میں اس سے بڑھ کر غصہ میں نہیں دیکھا جتنا کہ اس دن۔ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! تم تو نفرت دلا رہے ہو۔ جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ وہ ہلکی پڑھائے۔ کیونکہ ان میں بیمار بھی ہوتا ہے اور کمزور بھی اور حاجت مند بھی۔

۹۱: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِيْنِيُّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا أَوْ قَالَ وِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ قَالَ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَمَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ فَذَرْهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ

۹۱: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: ابو عامر (عقدی) نے ہم سے بیان کیا۔ ابو عامر نے کہا: سلیمان بن بلال مدینی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے، ربیعہ نے یزید سے، جو کہ منبعث کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یزید نے زید بن خالد جہنی سے روایت کی کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے گری پڑی چیز کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا بندھن یا فرمایا اس کا برتن اور اس کی تھیلی پہچان رکھ اور پھر اس کا سال بھر اعلان کرتا رہ۔ اس کے بعد اس سے فائدہ اٹھا۔ پس اگر اس کا مالک آ گیا تو اس کو وہ دیدے۔ اس نے کہا: گمشدہ اونٹ۔ اس پر آپؐ کو غصہ آیا، یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں رخسار سرخ ہوگئے۔ یا کہا کہ آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا واسطہ؟ اس کے پاس اس کا مشکیزہ ہے اور اس کا موزہ بھی ہے۔ پانی پر آتا ہے اور درختوں سے چرتا ہے۔ اسے رہنے دو۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے مل جائے۔

فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ.

اس نے کہا: گمی ہوئی بکری؟ فرمایا: تیری یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔

۹۲: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسَى قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّا نَتُوْبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

۹۲: ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا: ابواُسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے بُرَید سے، بُرَید نے ابوبردہ سے، ابوبردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ سے بعض ایسی باتوں کے متعلق پوچھا گیا جن کو آپؐ نے ناپسند کیا۔ جب آپؐ سے بہت سوال کئے گئے تو آپؐ کو غصہ آیا اور آپؐ نے لوگوں سے کہا: پوچھو مجھ سے جس کے متعلق بھی چاہو۔ تب ایک شخص نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور اُٹھا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے اس (تغیر) کو دیکھا جو آپؐ کے چہرہ میں تھا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ عزوجل کے حضور (اپنی غلطی سے) رجوع کرتے ہیں۔

تشریح: **اَلْغَضَبُ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ:** غَضَبٌ عربی زبان میں مطلق ناپسندیدگی کے احساس کو کہتے ہیں اور مجازاً اس احساس کے اظہار کو بھی کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ہوا ہے کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا ہے مگر زبان قابو میں رہی ہے اور شفقت آمیز یا حسرت بھرے الفاظ منہ سے نکلے ہیں۔ یہاں بھی اس قسم کے احساس کا اظہار ان پیارے الفاظ میں فرمایا ہے: اِنَّكُمْ مُنَفِّرُوْنَ اور یہ بھی کمال شفقت و ہمدردی کی وجہ سے۔ آج کل کے احمق مولوی ذرہ ذرہ بات پر منہ سے جھاگ نکالنا شروع کر دیتے ہیں اور گالیوں پر اُتر آتے ہیں اور اساتذہ تو بچوں پر بھیڑیوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔ حالانکہ وعظ و نصیحت میں محض ناراضگی کا اظہار قطعاً کسی کام نہیں آتا۔ جب تک کہ اس کے پیچھے شفقت سے بھرا ہوا دل نہ ہو۔

اِحْمَرَّ وَجْهُهُ: آپؐ کو غصہ اس لئے آیا کہ وہ خواہ مخواہ دوسروں کی گمشدہ چیزوں کو استعمال کرنے کے راستے تلاش کر رہا تھا۔ یہ کوئی اچھی روح نہ تھی اور آپؐ نے غصہ میں بھی ضبطِ الفاظ کا اعلیٰ نمونہ دکھلایا ہے۔ **مَالَكَ وَلَهَا** تجھے اس سے کیا واسطہ۔

فَلَمَّا اُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ: درس وتدریس میں سوالات کا دروازہ کھول دینا بغیر مناسب حدود کی نگہداشت کے اکثر نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ لوگ لغو باتوں میں پڑ گئے جس سے آپؐ کو غصہ آیا۔ حضرت عبداللہؓ بن حذافہ وہی صحابی ہیں جن کو کسریٰ کی طرف خط دے کر بھیجا گیا تھا۔ یہ اور حضرت سعدؓ بن سالم دونوں اپنے نسب میں مطعون تھے اور لڑائی جھگڑے کے وقت لوگ ان پر طعنہ زنی کیا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے نسب کے متعلق پوچھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں اس قسم کی لغو باتیں ہوئی ہیں جس سے آپؐ کو تکلیف پہنچی اور آپؐ نے سوالات کی اجازت دی۔ اس موقع پر بھی غصے کا اظہار آپؐ نے سخت کلامی سے نہیں کیا بلکہ جواب میں وہ دانشمندانہ طریق اختیار کیا ہے جس سے سوال کرنے والے ہمیشہ کی طعن وتشنیع سے نجات پا گئے۔ قرآن مجید نے بھی اس قسم کے بے محل و بے موقع اور لغو سوالات سے روکا ہے۔ یہ **بائیسواں ادب** ہے معلم اور متعلم دونوں کے لئے۔

قَالَ عُمَرُ اِنَّا نَتُوبُ اِلَى اللّٰهِ: حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کی طرف سے معذرت کی ہے کہ آئندہ ہم میں ایسی بیہودہ باتیں نہ ہوں گی۔

بَاب ۲۹: مَنْ بَرَكَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوِ الْمُحَدِّثِ

جو شخص امام یا محدث کے سامنے اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے

۹۳: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا فَسَكَتَ.

۹۳: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت انسؓ بن مالک نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپؐ نے بہت دفعہ فرمایا: پوچھو مجھ سے۔ مگر حضرت عمرؓ اپنے دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: بس ہم راضی ہیں کہ اللہ (ہمارا) ربّ ہے اور اسلام (ہمارا) دین ہے اور محمد ﷺ (ہمارے) نبی ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش ہو گئے۔

تشریح: **مَنْ بَرَكَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْاِمَامِ**: یہاں امام بخاریؒ نے سابقہ واقعہ دہرا کر تئیسویں ادب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس روایت کو دہراتے ہوئے سند نئی بیان کی ہے۔ روایت کے الفاظ میں فرق ہے۔ پہلی روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ہے اور دوسری حضرت انس بن مالکؓ کی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے

الفاظ نقل کئے ہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کا مفہوم ادا کیا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہم اسلام میں داخل ہوکر جاہلیت کی باتیں ترک کر چکے ہیں۔ اس روایت میں واقعہ کو یوں شروع کیا ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ... - اس میں درمیانی حصہ حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ عربوں کا دستور تھا کہ کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کر کے صرف مطلب کی بات بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (ابن جریر)

بَاب ٣٠: مَنْ أَعَادَ الْحَدِيْثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

جو شخص بات تین دفعہ دہرائے تا سمجھی جائے

فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا.

(نبی ﷺ) نے فرمایا: خبردار! اور جھوٹی بات سے بچنا۔ آپؐ اس فقرے کو دہراتے رہے اور حضرت ابن عمرؓ نے کہا: نبی ﷺ نے تین بار فرمایا: کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟

٩٤: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا

۹۴: ہم سے عبدہ نے بیان کیا، کہا کہ عبدالصمد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عبداللہ بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: ثمامہ بن عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق بیان کیا کہ آپؐ جب سلام کرتے تو تین بار السلام علیکم کہتے اور جب کوئی بات کرتے تو اسے تین بار دہراتے۔

٩٥: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ

۹۵: ہم سے عبدہ بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: کہ عبدالصمد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عبداللہ بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: ثمامہ بن عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق بیان کیا کہ آپؐ جب کوئی بات کرتے تو اسے تین بار

وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا

دہراتے حتیٰ کہ وہ آپؐ سے سمجھ لی جاتی اور جب آپؐ کسی قوم کے پاس آتے تو تین بار السلام علیکم کہتے۔

٩٦: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ صَلَاةَ الْعَصْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

٩٦: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابو بشر سے، ابو بشر نے یوسف بن ماہک سے، یوسف نے حضرت عبد اللہؓ بن عمرو سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں پیچھے رہ گئے جو کہ ہم نے کیا تھا۔ پھر آپؐ ہم سے آ ملے اور حالت یہ تھی کہ ہم نماز میں یعنی نمازِ عصر میں اتنی دیر کر چکے تھے (کہ دوسری کا وقت بھی شروع ہونے کو تھا) اور ہم ابھی وضو ہی کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے پاؤں کو یونہی پانی سے پونچھنا شروع کر دیا۔ اس پر آپؐ نے بلند آواز سے پکارا۔ ہائے شامت! ان ایڑیوں کی آگ سے۔ دو دفعہ یا تین دفعہ فرمایا۔

تشریح: **أَلَا وَقَوْلَ الزُّوْرِ:** یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جو امام بخاریؒ نے کتاب الشهادات، باب ماقيل في قول الزور میں موصولاً نقل کیا ہے۔ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثلاثًا. تین بار پوچھا: کیا میں تمہیں بڑے سے بڑا گناہ نہ بتلاؤں؟ صحابہؓ نے کہا: بتلایئے۔ فرمایا: اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپؐ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ یہ کہہ کر آپؐ بیٹھ گئے اور فرمایا: أَلَا وَقَوْلَ الزُّوْرِ. آپؐ نے یہ جملہ اتنی بار دہرایا کہ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے چاہا کاش آپؐ خاموش ہو جائیں۔

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ: یہ اس خطبہ کے آخری الفاظ ہیں۔ جو آپؐ نے حجۃ الوداع میں پڑھا اور صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں اسی طرح معزز ہیں جیسے تمہارا یہ دن .... دیکھنا! میرے بعد پھر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اُڑاتے پھرو۔ یہ کہہ کر آپؐ نے دو بار فرمایا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ.

امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر مذکورہ بالا حدیثوں کی طرف جو اشارہ کیا ہے تو اس امر کے جتانے کے لئے کہ آپؐ موقع و محل کی اہمیت و تقاضا کے مطابق بات دہرایا کرتے تھے تا وہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے یا کسی گناہ کے متعلق جذباتِ نفرت کو اچھی طرح ابھار دیا جائے یا جو بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اس کا بھی اعادہ فرماتے تھے۔ السلام علیکم کو

بھی مناسب موقع پر دہراتے۔ مثلاً اگر کسی کے گھر پر تشریف لے گئے ہیں اور اندر سے جواب نہیں آیا ہے تو پھر آپؐ نے اس تحیہ سلام کو دہرایا ہے یا کسی بڑی مجلس میں تشریف لے گئے ہیں تو اس کے مختلف حصوں میں گذرتے ہوئے تین دفعہ السلام علیکم کہا ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کر کے تعلیم کے ضمن میں **چوبیسواں ادب** سکھلایا گیا ہے کہ معلم کا فرض ہے کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ سننے والے اس کی بات کو سمجھے بھی ہیں یا نہیں اور یہ کہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین بھی ہوگئی ہے یا نہیں۔ طلباء جو زیادہ تر بات بھول جاتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اساتذہ اپنی تعلیم میں اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔

وَ يْلٌ لِّلاَ عْقَابِ مِنَ النَّارِ: یہ واقعہ روایت نمبر ۶۰ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ابونعمان راوی ہیں یہاں مسدد۔ آپؐ کے یہ الفاظ بددعائیہ نہیں ہیں بلکہ محض بطور انذار کے ہیں۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء، روایت ۱۶۵۔

بَاب ۳۱: تَعْلِيْمُ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ

آدمی کا اپنی لونڈی اور اپنے اہل بیت کو تعلیم دینا

۹۷: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا صَالِحُ ابْنُ حَيَّانَ قَالَ قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِي أَبُوبُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ

۹۷: ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا (کہا:) محاربی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: صالح بن حیان نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: عامر شعبی کہتے تھے کہ ابوبردہ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ہیں انہیں دہرا اجر ملے گا۔ وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہے اور اس نے اپنے نبی کو مانا اور محمد (ﷺ) کو بھی مانا اور وہ بندہ جو کسی کا غلام ہو اس کو بھی دہرا اجر ملے گا۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اور اپنے مالکوں کا حق ادا کرتا ہو اور وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی ہو تو وہ اسے سکھلائے اور اس کو تعلیم دے اور نہایت اچھی تعلیم دے اور پھر اس کو آزاد کردے اور اس سے شادی کرلے تو ایسے شخص کو بھی دو اجر ملیں گے۔ یہ روایت کر کے عامر کہتے تھے: ہم نے تمہیں یہ حدیث

أَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُوْنَهَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ.

مفت دے دی۔ اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے سوار ہو کر مدینہ تک جانا پڑتا تھا۔

تشریح: **تَعْلِيمُ الرَّجُلِ اَمَتَهُ وَاَهْلَهُ:** باب مذکور کے ذیل میں جو حدیث لائی گئی ہے۔اس میں اَمَةٌ یعنی لونڈی کی تعلیم کا ذکر ہے اور عنوان باب میں (وَاَهْلَهُ) بیوی کی تعلیم کا بھی ذکر ہے۔ یہ استنباط اس قاعدہ کے مطابق کیا گیا ہے کہ جب ادنیٰ شخص کی تعلیم کے متعلق اس قدر تاکید ہے تو اعلیٰ شخص کی تعلیم بدرجہ اولیٰ ضروری ہوئی۔

فَتَزَوَّجَهَا کا جملہ بالصراحت بتلاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم لونڈیوں کے بارے میں کیسی واضح اور کتنی اعلیٰ ہے۔ وہ انہیں تعلیم یافتہ آزاد منکوحہ عورت کی حیثیت دینا چاہتی ہے اور مسلمان کے گھر کو علم کے نور سے روشن کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ وہ حرم سرا جو بعد کے زمانہ میں لونڈیوں سے بھرے ہیں، اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے انذاری پیشگوئی کردی تھی (دیکھیں حدیث نمبر ۵۰)

علم و تعلیم کے ضمن میں **پچیسواں ادب** یہ سکھلایا گیا ہے کہ مرد کو اپنے اہل بیت کی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَاب ۳۲ : عِظَةُ الْإِمَامِ النِّسَاءَ وَ تَعْلِيْمُهُنَّ

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور انہیں تعلیم دینا

۹۸ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ عَطَاءٌ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ {النِّسَاءَ ☆} فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ

۹۸: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ایوب سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں نے عطاء سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے: میں نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتا ہوں یا عطاء نے کہا: میں حضرت ابن عباسؓ کے متعلق شہادت دیتا ہوں کہ (انہوں نے کہا:) رسول اللہ ﷺ باہر گئے اور آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے۔ آپؐ نے خیال کیا کہ آپؐ عورتوں کو☆ نہیں سنا سکے۔ اس لئے آپؐ نے ان کو نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔ اس پر عورتیں بالیاں اور انگوٹھیاں پھینکنے لگیں اور حضرت بلالؓ

☆ اس جگہ لفظ "النِّسَاءَ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۵۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

وَقَالَ إِسْمَاعِيْلُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ عَطَاءٍ وَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اپنے کپڑے کے دامن میں لیتے جاتے تھے اور اسمٰعیل نے ایوب سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ایوب نے عطاء سے یوں روایت کی کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: میں نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتا ہوں۔

تشریح: عِظَةُ الْإِمَامِ النِّسَآءَ وَتَعْلِيْمُهُنَّ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ وتعلیم میں اور نیز اجتماعی کاموں اور قومی مشروعات میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ شریک کیا ہے۔ جیسا کہ آگے جا کر یہ امر واضح ہو جائے گا۔ بعض قومیں اپنے مذہبی عقیدہ کی رو سے عورتوں کی تعلیم گناہ اور عیب سمجھتی ہیں۔ بلکہ بعض مذاہب جیسے عیسائیت عورتوں کو انسانی روح سے بھی خالی اور بہشت میں ان کا داخلہ ناممکن خیال کرتے تھے۔

اسلام نے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء: ۲) {جس (ربّ) نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔} کا اعلان کر کے اس بدعقیدہ پر کاری تبر چلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے جنس لطیف کی حیثیت علم میں بھی بلند کر دی ہے۔ مگر باوجود اس کے ہندوستان میں مسلمان ہندوؤں کی بدرسومات وبدعقائد سے متاثر ہو کر عورتوں کو پھر زمانہ جاہلیت کے قبرستانوں میں لے گئے ہیں اور وہ اسلامی گھر جو نورِ علم سے چراغاں تھے۔ پھر تیرہ وتار ماتم کدہ بن گئے ہیں۔

بَاب۳۳: اَلْحِرْصُ عَلَى الْحَدِيْثِ

حدیث کے متعلق حرص کرنا

۹۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَّا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيْثِ أَحَدٌ أَوَّلُ

۹۹: ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سلیمان نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عمرو بن ابی عمرو سے، عمرو نے سعید بن ابی سعید مقبری سے، سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ (آپؐ سے) پوچھا گیا: یارسول اللہ! قیامت کے روز لوگوں میں سے وہ کون خوش قسمت ہے۔ جس کی آپؐ سفارش فرمائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہؓ مجھے یہی خیال تھا کہ تم سے پہلے یہ بات مجھ سے اور کوئی نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں جو

مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ.

حرص تمہیں حدیث کے متعلق ہے۔ قیامت کے روز میری شفاعت کے ذریعہ لوگوں میں سے خوش قسمت وہ شخص ہوگا جس نے اپنے دل یا فرمایا اپنے نفس کے اخلاص سے یہ کہا: اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

تشریح: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ: اسلام کا سارا خلاصہ اس ایک فقرے میں ہے۔ تمام محبتوں سے روگردانی کرتے ہوئے ایک اللہ کی محبت دل میں بسانا اور اس کی محبت میں ہوکر دوسروں سے محبت کرنا، یہی خلاصہ ہے دین اسلام کا اور اس کی تشریح قرآن مجید نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ. (التوبة: ۲۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

> ''یعنی اُن کو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں، خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔''

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۶۸، ۷۰۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۲، ۳۸۴)

انسان کا جو اقرار بھی دل کے ساتھ ہوگا۔ وہ عملی رنگ میں بھی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوگا۔

(ملاحظہ ہو تشریح حدیث نمبر ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی حقیقت وعظمت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسی کڑی شرط اپنے ساتھ رکھتی ہے۔

بَاب ۳٤: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ

علم کس طرح اُٹھالیا جائے گا

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلٰى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ

اور عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ہو وہ لکھ لیا کرو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے چلے

فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْتُفْشُوْا☆ الْعِلْمَ وَلْتَجْلِسُوْا☆ حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَّا يَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُوْنَ سِرًّا.

جانے کا خوف ہے اور صرف وہی قبول کرنا جو نبی ﷺ کی حدیث ہو اور چاہیے کہ (علماء) علم کو پھیلائیں اور انہیں☆ بیٹھ جانا چاہیے، تا جو بے علم ہو اس کو علم دیا جائے۔ کیونکہ علم ضائع نہیں ہوتا مگر اس وقت جب وہ بطور ایک راز کے ہو جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِذَلِكَ يَعْنِي حَدِيْثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلٰى قَوْلِهِ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

ہم سے علاء بن عبدالجبار نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن مسلم نے عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہوئے ہمیں یہ بتلایا۔ یعنی عمر بن عبدالعزیز کی یہ بات ان کے اس قول تک: علماء کا چلے جانا۔

۱۰۰: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا.

۱۰۰: ہم سے اسماعیل بن ابی اُوَیس نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ بندوں سے یونہی چھینا جھپٹی کر کے علم نہیں اٹھایا کرتا بلکہ وہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہتا تو لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنا لیتے ہیں کہ جن سے اگر (کوئی مسئلہ) پوچھا جائے تو بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ

فربری کہتے تھے: حضرت عباسؓ نے ہم سے بیان

☆ نسخہ بولاق میں اس جگہ الفاظ "وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوا" ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۵۶)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ.

کیا۔ کہا: قتیبہ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: جریر نے ہشام سے روایت کرتے ہوئے ہمیں اسی طرح بتلایا۔

تشریح: **كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ:** اس باب میں اس خطرناک مرض کی طرف توجہ دلائی ہے جو قدیم زمانہ سے علماء میں چلا آتا تھا اور وہ یہ کہ علماء علم کو بطور سربستہ راز کے رکھتے تھے۔ اب بھی ایک حد تک یہ مرض موجود ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے جس کا ازالہ اس زمانہ کی نشر و اشاعت نے بڑی حد تک کیا ہے۔ یہ وبائی مرض علم کے لئے طاعون کی طرح مہلک ثابت ہوا ہے۔ قرون مظلمہ میں اسلام نے اس کے برخلاف اونچی آواز سے صدا بلند کی جو سپین میں جا کر سارے یورپ میں اس زور سے گونجی کہ جہالت کے گھٹاٹوپ بادل چھٹ گئے اور تاریک راتیں کافور ہو گئیں۔

احادیث نبویہ کو جمع کرنے اور ان کو کتابی صورت میں محفوظ رکھنے کے لئے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنی امیہ نے اہتمام کیا۔ ان کے حکم سے سب سے پہلے جس نے احادیث کو لکھا؛ وہ ابن شہاب زُہریؒ ہیں۔ جو امام مالکؒ کے استاد تھے اور اس سے قبل یہ سلسلہ زبانی روایات تک محدود تھا۔ اگرچہ ان کی خلافت کا زمانہ بہت تھوڑا تھا۔ یعنی ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک۔ مگر آپؒ علم و تقویٰ کے اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ پہلی صدی کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں۔ آپؒ نے اس قلیل عرصہ میں قوم کے اندر ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی تھی اور جذبات جو دَب چکے تھے وہ از سر نو اُبھار دیئے۔ آپؒ نے اپنے عُمال کو تدوین حدیث کے متعلق احکام بھیجے۔ جن میں سے ایک ابن حزم انصاری بھی تھے۔ یہ آپؒ کی طرف سے مدینہ منورہ کے قاضی تھے اور اعلیٰ پایہ کے فقیہہ بھی تھے۔ ابو نُعیم نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ان خطوط کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۵۷)

يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ: علم و جہالت اسی طرح ضد واقع ہوئے ہیں جیسے نور و ظلمت۔ آنحضرت ﷺ نے یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا اور بتلایا ہے کہ علم فی نفسہٖ کوئی ایسی شئے نہیں، جو خود بخود دنیا میں قائم رہے۔ بلکہ علماء کے وجود کے ساتھ اس کا بقاء ہے اور کسی قوم کی آبادی یا بربادی علماء کے موجود ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ ہے۔ اس میں علم کے متعلق چھبیسواں ادب سکھلایا ہے کہ قوم کا فرض ہے کہ وہ علماء پیدا کرنے کی طرف خاص خیال رکھے۔

بَاب ٣٥: هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ

کیا عورتوں کے لئے علم میں کوئی علیحدہ دن مقرر کیا جائے

١٠١: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ

۱۰۱: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ابن اصبہانی نے مجھے بتلایا۔ کہا: میں نے ابو صالح ذکوان سے سنا۔ وہ حضرت ابوسعید

أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِّنْ نَّفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَّقِيَهُنَّ فِيْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنْ وَّلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَّاثْنَيْنِ فَقَالَ وَاثْنَيْنِ.

خدریؓ سے روایت کرتے تھے کہ (انہوں نے کہا:) عورتوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ مرد آپؐ کو تنہا نہیں چھوڑتے کہ ہم آپؐ کے پاس آ سکیں۔ اس لئے آپؐ خود ہی ہمارے لئے ایک دن مقرر کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے لئے ایک دن مقرر کیا جس میں آپؐ ان کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی اور انہیں کرنے کی باتیں بتلائیں اور منجملہ ان باتوں کے جو آپؐ نے ان سے کہی تھیں، یہ بات بھی تھی کہ تم میں سے جس عورت نے اپنے بچوں میں سے تین بچے آگے بھیجے ہوں گے تو وہ اس کے لئے آگ سے روک بنیں گے۔ اس پر ایک عورت نے کہا: اور دو بھی۔ فرمایا: دو بھی۔

۱۰۲: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ثَلَاثَةً لَّمْ يَبْلُغُوْا الْحِنْثَ.

۱۰۲: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: غُندر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن اصبہانی سے، عبدالرحمٰن نے ذکوان سے، ذکوان نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے، حضرت ابوسعیدؓ نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہی بتلایا اور عبدالرحمٰن بن اصبہانی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوحازم سے سنا۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین ایسے (بچے) جو ابھی بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔

تشریح: هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَآءِ يَوْمٌ: یہ الگ باب قائم کرنے کی ضرورت اس اعتراض کی وجہ سے پیش آئی ہے جو آج کل بھی اُٹھایا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک نہ صرف یہ جائز بلکہ سنت نبوی کے مطابق ضروری ہے کہ عورتوں کو جمع کر کے انہیں تعلیم دی جائے۔ اپنے گھر کی عورتوں کو بھی اور دوسری عورتوں کو بھی۔

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَّ اثْنَيْنِ فَقَالَ وَاثْنَيْنِ: شارحین نے مختلف روایتیں لاکر یہ بحث اٹھائی ہے کہ اس حدیث میں دو تین کی تخصیص نہیں۔ بلکہ بعض پوچھنے والوں نے ایک بچے کے متعلق بھی پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ایک بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین کا عدد جو آپؐ نے اس موقع پر اختیار کیا تو کسی خاص عورت کے دل کو تسکین دینے کے لئے اختیار کیا ہے جس کے تین بیٹے فوت ہو گئے تھے اور جس عورت نے دو کے متعلق پوچھا اس کو یہی غلط فہمی ہوئی کہ تین کی تعداد حصر کے لئے ہے۔ آپؐ نے دو کی تعداد کو بھی تسلیم فرما کر اس کی غلط فہمی دور کی۔ (عمدۃ القاری جزءدوم صفحہ ۱۳۴)

کتاب الرقاق، باب العمل الذی یبتغی به وجه الله میں امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے اس کے ہم معنی جو حدیث نقل کی ہے۔ اس میں اِحْتَسَبَهُ کا لفظ ہے یعنی اس پیاری چیز کے چلے جانے پر جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر صبر کرتا ہے، وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے کہ جو عورت ایسے اندوہناک صدمہ پر رضاء الٰہی کی خاطر صبر کرتی ہے وہ بچے اس کے لئے آگ کے سامنے آڑ ہو جائیں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس میں ہمیں ستائیسواں ادب علم کے متعلق یہ سکھلایا ہے کہ تعلیم و وعظ میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو دل کی سوزشوں کے لئے پانی کا کام کرے۔ اس حدیث کی مزید تشریح اپنے موقع پر ہوگی۔

بَاب ٣٦: مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتَّى يَعْرِفَهُ

جو شخص کوئی بات سنے اور پھر اس کو دوبارہ اس لئے پوچھے کہ وہ اسے اچھی طرح معلوم کر لے

١٠٣: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَاتَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا رَاجَعَتْ فِيْهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا (الإنشقاق: ٩) قَالَتْ فَقَالَ إِنَّمَا ذٰلِكِ

۱۰۳: ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، کہا: نافع بن عمر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابوملیکہ کے بیٹے نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی جس بات کو نہ جانتی ہوتیں جب بھی اسے وہ سنتیں تو وہ ضرور ہی اس کے متعلق دوبارہ پوچھتیں۔ یہاں تک کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ لیتیں اور یہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس سے حساب کیا گیا۔ اسے سزا دی گئی۔ (حضرت عائشہؓ کہتی تھیں:) اس پر میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا) یعنی عنقریب اس سے

الْعَرْضُ وَلَكِنْ مَّنْ نُّوْقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ.

آسان حساب لیا جائے گا۔ کہتی تھیں: آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو صرف پیش کرنا ہے۔ حساب میں جس کی نکتہ چینی اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوگا۔

تشریح: مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَفْهَمْهُ فَرَاجَعَهُ: تحصیل علم کے ضمن میں اٹھائیسواں ادب یہ سکھلایا کہ معلم کا ہی یہ فرض نہیں کہ وہ تعلیم دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ سننے والا سمجھتا ہے یا نہیں۔ بلکہ خود سننے والے کا بھی یہ فرض ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئی ہو وہ پوچھ کر سمجھ لے اور بجا سوال کرنے سے نہ جھجکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی ایک آیت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر سوال اٹھایا۔ آپؐ نے اس آیت کا مفہوم واضح کیا: اِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ. یعنی اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کے سامنے اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ اور مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ سے آپؐ کی یہ مراد تھی کہ جس کے اعمال کی چھان بین ہوئی اور اس پر نکتہ چینی کی گئی اس سے مؤاخذہ ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک بھی آنحضرت ﷺ کی وہ بات جو بظاہر قرآن مجید کے مخالف معلوم ہوتی، اس کے متعلق سوال کرنا خلاف ادب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صحابہؓ قرآن مجید کو اصل سمجھتے تھے اور حدیث کو اس کے تابع۔ اور آنحضرت ﷺ کے جواب سے ہمیں یہ ادب سکھلایا گیا ہے کہ حدیث کے معنے کرنے میں ہم قرآن مجید کو مقدم رکھیں اور یہی اصل امام بخاریؒ نے ملحوظ رکھا ہے۔

بَاب ۳۷: لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو علم (کی بات) پہنچا دے

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بات نبی ﷺ سے بیان کی

۱۰۴: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيْدٌ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيْرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ

۱۰۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: لیث نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: سعید نے حضرت ابوشُریحؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا اور وہ (اس وقت) مکہ کی طرف فوجیں بھیج رہے تھے۔ اے امیر! مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو ایک ایسی بات بتاؤں جو نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان کی تھی۔

يَّوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُوْلِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَّكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَّا قَالَ عَمْرٌو قَالَ أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ لَّا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ.

میرے دونوں کانوں نے وہ سنی اور میرے دل نے سمجھ کر یاد کرلی اور جب آپؐ نے وہ کہی تھی تو میری دونوں آنکھیں آپؐ کو دیکھ رہی تھیں۔ اللہ کی حمد آپؐ نے بیان کی اور اس کی تعریف کی۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے مکہ کو عزت دی ہے اور لوگوں نے اس کو عزت نہیں دی۔ اس لئے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا کسی درخت کو کاٹے۔ پس اگر کوئی اس وجہ سے اس کے متعلق اجازت سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں لڑے تھے تو تم کہو کہ اللہ ہی نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور اس نے تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن میں سے ایک گھڑی بھر ہی اس کے متعلق اجازت دی گئی تھی۔ پھر اس کا ادب آج ویسے کا ویسا دوبارہ قائم ہوگیا ہے جیسے اس کا ادب کل تھا اور چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو یہ بات پہنچادے۔ اس پر حضرت ابوشُرَیحؓ سے پوچھا گیا کہ عمرو (بن سعید) نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا: ابوشریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مکہ نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ ایسے شخص کو جو خون کر کے بھاگا اور نہ ایسے کو جو کوئی خرابی کر کے بھاگا۔

۱۰۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ

۱۰۵: ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا، کہا: حماد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے محمد (بن سیرین) سے، محمد نے ابوبکرہ کے بیٹے سے، انہوں نے (اپنے باپ) ابوبکرہ سے روایت کی کہ انہوں نے نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ آپؐ

مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُوْلُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذَلِكَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ.

نے فرمایا: (دیکھنا) تمہارے خون اور تمہارے مال۔ محمد (بن سیرین) کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکرہ نے یہ بھی کہا اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے ایسی ہی معزز ہیں جیسے اس مہینے میں تمہارا یہ دن معزز ہے۔ سو چاہیے کہ جو تم میں سے حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہنچا دے اور محمد (بن سیرین) کہتے تھے: رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔ یہ ہو چکا۔ آپؐ نے دو دفعہ فرمایا: کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟

تشریح: **لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ:** امام بخاریؒ نے علم کی نشر و اشاعت کے متعلق باب باندھ کر پہلے عورتوں کی تعلیم کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور عمل درآمد کی طرف توجہ دلائی، کیونکہ تربیت اولاد میں پہلا وہی ذریعہ ہیں۔ پھر اسی ضمن میں علم کی نشر و اشاعت کے بارے میں ایک اور ذریعہ بتلایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیش کیا: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ اگر قوم کے افراد علم کے متعلق اس قدر اہتمام کریں کہ ایک دوسرے کو باخبر اور واقف رکھنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ساری قوم عالم ہوسکتی ہے۔ بہت سی علم کی چھوٹی چھوٹی باتیں جو روزانہ اعمال و معاملات میں نہایت قیمتی ہوتی ہیں۔ پڑھنے پڑھانے کی نسبت؛ سن سنا کر زیادہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہیں اور بہت کارآمد ہوسکتی ہیں۔

ابوشُرَیح ؓ: مشہور صحابی ہیں۔ ان کا نام خویلد تھا۔ یہ خزاعہ قبیلہ میں سے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور اہل مدینہ کے عقلمندوں میں سے شمار کئے جاتے تھے۔

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ: امیر معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کے متعلق اعلانِ خلافت کیا تو حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت امام حسینؓ تو کوفیوں کی غداری سے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ میں تھے اور اہل مدینہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یزید کو خلافت سے معزول کر دیا۔ جس پر یزید نے مدینہ کے عامل (گورنر) عمرو بن سعید کو اہل مدینہ سے لڑائی کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر حضرت ابوشریحؓ؛ عمرو بن سعید کو نصیحت کرتے ہیں، جس کا ذکر روایت نمبر ۱۰۴ میں ہے۔ عمرو بن سعید کا جواب بظاہر معقول ہے مگر درحقیقت وہ مغالطہ دے رہا ہے۔ بے شک مکہ کی حرمت قصاص سے مانع نہیں ہوسکتی، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلَّا بِحَقِّهَا کہہ کر اس کا اعلان فرمایا اور عمرو بن سعید آپؐ کے اسی استثناء کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے نہ کوئی خون کیا تھا اور نہ چوری اور نہ کوئی اور خرابی۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ پر حملہ کیا جاتا۔ اسلام نے خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کا حق قرار دیا ہے جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

یزید کی خلافت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور یہ کوئی جرم نہ تھا کہ اس کی وجہ سے مکہ کی بے حرمتی جائز سمجھی جاتی۔

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: روایت نمبر ۱۰۵ میں یہ جو الفاظ ہیں: فَكَانَ مُحَمَّدٌ يَّقُوْلُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. محمد سے مراد محمد بن سیرین ہیں۔ امام بخاریؒ کا ان کے قول کو دہرانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عمرو بن سعید کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے مقابل مردود ہے۔ امام بخاریؒ اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی اشارہ کر جاتے ہیں۔

كَانَ ذٰلِكَ: یہ بات ہو چکی۔ یعنی سننے والوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

بَاب ۳۸: إِثْمُ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

اس شخص کا گناہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے

۱۰۶: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْصُوْرٌ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَّقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَّقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ.

۱۰۶: ہم سے علی بن جعد نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: منصور نے مجھے بتلایا۔ کہا: میں نے ربعی بن حراش سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے علی سے سنا۔ وہ کہتے تھے: نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ مت باندھو۔ کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو پھر وہ آگ میں ہی داخل ہو۔

۱۰۷: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

۱۰۷: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے جامع بن شداد سے، جامع نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے، انہوں نے اپنے باپ سے راویت کی۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ میں آپ سے نہیں سنتا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح باتیں بیان کرتے ہوں جس طرح کہ فلاں فلاں شخص باتیں بیان کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: میں تو آپؐ سے کبھی بھی الگ نہیں ہوا۔ مگر بات یہ ہے کہ میں نے آپؐ کو فرماتے سنا تھا کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے تو وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

۱۰۸ : حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

۱۰۸: ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، کہا: عبدالوارث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالعزیز سے روایت کی کہ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ مجھ کو تمہیں بہت حدیثیں بتانے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو چاہیے کہ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

۱۰۹ : حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

۱۰۹: ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: یزید بن ابی عُبید نے سلمہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ سے ایسی بات نقل کرے جو میں نے نہیں کہی تو چاہیے کہ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

۱۱۰ : حَدَّثَنَا مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي حَصِيْنٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَّآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُوْرَتِي وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

۱۱۰: ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوحصین سے، ابوحصین نے ابوصالح سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ فرماتے تھے: میرے نام پر اپنا نام رکھو اور میری کنیت کو اپنے لئے مت اختیار کرو اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

تشریح: اِثْمُ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ : اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پانچ حدیثیں ایک ہی بات واضح کرنے کے لئے لائے ہیں اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یا آپؐ کی طرف

سے جھوٹی بات بیان کرنا گناہِ عظیم ہے۔لوگ اپنے بزرگوں کی بڑائی ثابت کرنے کے لئے عجیب سے عجیب معجزے تراشتے اور ان کی طرف اَنہونی باتوں کو منسوب کرتے ہیں۔کوئی قوم اس گندے جھوٹ سے نہیں بچی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نہایت منذر الفاظ میں اس سے آگاہ کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس قدر احتیاط برتی کہ وہ سچی بات بیان کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔مبادا کہیں اپنی طرف سے روایت میں کمی بیشی ہو جائے اور وہ اس وعید کے مستحق ہوں۔ یہ تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔آپؐ کے فیوض سے اُن تربیت یافتہ روحوں کا جن کی سچائی کے طفیل احادیث کی نعمت ہم تک پہنچی ہے۔مگر ان کے مقابل فیج اعوج کے زمانہ کے راویوں اور قصہ گوؤں کو دیکھو کہ وہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید انذار کے ہوتے ہوئے جھوٹ کی اس لعنت کے مورد بننے میں دوسری قوموں سے پیچھے نہیں رہے۔دوسری قوموں کو تو ضرورت تھی کہ وہ اپنے تخیلات کی مدد سے اپنے بڑوں کی بڑائی کا اظہار کریں اور قصے کہانیوں کی رنگ آمیزیوں سے ان کو سجائیں۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اس خیالی بناؤ سنگار سے بالکل مستغنی تھی۔

ان احادیث میں جو کہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، غور کرنے والوں کے لئے ایک نشان ہے۔ان سے سچائی سے بھری ہوئی اس روح القدس کا پتہ چلتا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں بسیرا کیا ہوا تھا۔عموماً گدی نشین، پنڈت، سادھو اور اس قماش کے دوسرے اشخاص اپنی جھوٹی مدح سرائیوں پر جھومتے ہیں۔ان کے دل تو ان مدح سرائیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔مگر وہ اپنے چہروں سے اپنے آپ کو ان تعریفوں کا مصداق ظاہر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تا لوگوں میں ان کی ساکھ بنی رہے۔لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نمونہ دیکھو کہ وہ دلی نفرت سے ان لوگوں کو جو آپؐ کے متعلق افتراء سے کام لینے والے ہوں یہ بددعا دیتے ہیں کہ وہ جہنم میں جھونکے جائیں۔یہ وہ انذارِ شدید ہے جو احادیث کا محافظ رہا اور جس نے علم کی وراثت کے پہنچانے میں مسلمانوں کو خیانت سے بچائے رکھا۔سوائے ان مجلسی قصہ گوؤں کے جو آج کل بھی مصر، حجاز، شام، عراق میں بہت ہیں اور جن کو دیکھ کر ابن بابویہ وغیرہ راویوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ واضح ہے۔ان احادیث میں علم کے متعلق **انتیسواں ادب** بتلایا گیا ہے۔حدیث نمبر ۱۰۶ میں آپؐ کے متعلق جھوٹی بات بیان کرنے کا ذکر ہے۔روایت نمبر ۱۰۷ میں آپؐ سے جھوٹی روایت کرنا مراد ہے۔اس روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ قول کہ **اِنِّی لَمْ اُفَارِقْهُ** یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوا۔اس سے اکثر اوقات آپؐ کے ساتھ رہنا مراد ہے۔حدیث نمبر ۱۰۸ لا کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ بھول کر یا بغیر قصد کے کوئی خلافِ واقعہ بات بیان ہو جانا مراد نہیں۔گو صحابہؓ اس کا بھی خیال رکھتے تھے اور اس لئے بہت روایتیں کرنے سے بچتے تھے۔حدیث نمبر ۱۰۹، ۱۱۰ لا کر بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تاکید کسی ایک وقت میں نہیں بلکہ مختلف اوقات میں ہوتی رہی ہے۔حضرت سلمہؓ بن عمرو بن اکوع ان صحابہ میں سے ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ فتح خیبر کے زمانے سے کچھ پہلے آئے تھے اور ہر ایک اپنا سماع بتلاتا ہے اور یہ لفظی اختلاف بتلاتا ہے کہ مختلف اوقات میں آپؐ نے یہ تاکید فرمائی ہے۔

بَاب ۳۹ : كِتَابَةُ الْعِلْمِ
علمی باتوں کا لکھنا

تشریح: **كِتَابَةُ الْعِلْمِ:** امام بخاریؒ نے جہاں حفاظت علم کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شدید انذار کو احادیث کے پوری صحت کے ساتھ محفوظ رہنے کا سبب قرار دیا ہے وہاں تحریری ضبط کو بھی ایک سبب بتایا ہے۔انہوں نے اس کے متعلق چار حدیثیں بیان کی ہیں۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں تحریر کا رواج تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی ضرورت سمجھتے تھے۔مختلف قوموں پر ایک تاریخی زمانہ ایسا بھی آیا ہے جس میں وہ اپنے حافظہ سے کلی طور پر کام لیتی تھیں اور تحریر کو ایک نقص خیال کر کے اسے معیوب سمجھتی تھیں۔عرب لوگ اس امر میں حد درجہ متعصب تھے اور بوجہ اس جہالت کے ان کا نام اُمّي تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جہالت کی بھی اصلاح فرمائی اور مسلمانوں کو تحریر کی طرف شوق دلایا۔قیدیوں میں اگر کوئی لکھا پڑھا قیدی آجاتا تو اس کی آزادی کا فدیہ یہ قرار دیتے کہ وہ لوگوں کو لکھنا سکھائے۔

۱۱۱ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قُلْتُ فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيْرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.

۱۱۱: ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا: وکیع نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سفیان سے، سفیان نے مُطَرِّف سے، مُطرِّف نے شَعْبِی سے، شَعْبِی نے ابوجحیفہ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپؓ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: کوئی نہیں مگر اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ ہے جو ایک مسلمان آدمی کو دی گئی ہے یا جو اس ورق میں ہے۔ابوجحیفہ کہتے تھے میں نے کہا: اس ورق میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت دینا اور قیدی کو چھڑوانا اور (یہ کہ) مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جاوے۔

تشریح: **هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ:** عِنْدَكُمْ سے مراد صحابہؓ ہیں نہ کہ اہل بیت۔
ابوجحیفہ جنہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا ہے، ان کا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بچے تھے، حضرت علیؓ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے، ان کو کوفہ میں بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا اور یہ ان کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے۔حدیث نمبر ۱۱۲ لا کر یہ بتلایا ہے کہ یہ احکام دیت وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپؐ کی موجودگی میں لکھے گئے تھے۔

اَوْفَهْمٌ اُوْعُطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ: شارحین نے یہاں حضرت علیؓ کے قول سے ضمناً یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید سے سوائے مفسرین کے اور مسلمان بھی استنباط کر سکتے ہیں اور شیعہ کا بھی اس میں ردّ ہے جو باطنی علم کو صرف حضرت علیؓ کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے الفاظ عام ہیں۔ اَوْفَهْمٌ اُوْعُطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ.
(فتح الباری جزءاول صفحہ ۲۷۰) (عمدۃ القاری جزءدوم صفحہ ۱۶۱) (ارشادالساری جزءاول صفحہ ۲۰۴)

وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ: روایت ۱۱۱ میں حضرت علیؓ کی شہادت پیش کی ہے کہ دیت اور قیدیوں کے متعلق ان کے پاس احکام لکھے ہوئے موجود تھے اور اس ورق میں منجملہ دیگر احکام کے جن کا ذکر دوسری حدیثوں میں آیا ہے، یہ حکم بھی تھا: وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. یہ حکم اس مسلمان کے متعلق ہے جو جنگی حالت میں کافر کو مار ڈالے۔ ورنہ حالت صلح میں ایسا نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے بھی اس مسلمان کی سزا جس نے کسی ذمی کافر کو مار ڈالا ہو، قتل یا دیت جیسا بھی وارث چاہیں قرار دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسے مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا: أَنَـا أَوْفَـى مَـنْ وَفّـى بِذِمَّتِهٖ .
(المراسيل لابی داؤد. باب الديات في المسلم يقاد بالكافر إذا قتله. روایت نمبر ۲۵۰) مزید بحث آگے آئے گی۔

۱۱۲ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلاً مِّنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيْلٍ مِّنْهُمْ قَتَلُوْهُ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِيْلَ{☆ قَالَ مُحَمَّدٌ وَّاجْعَلُوْهُ عَلَى الشَّكِّ }وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ أَلَا

۱۱۲: ہم سے ابونُعَیم فضل بن دُکین نے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحییٰ سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ خزاعہ قبیلے نے بنولیث قبیلے کے ایک آدمی کو فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا؛ قتل کر دیا۔ نبی ﷺ کو اس کے متعلق اطلاع دی گئی تو آپؐ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا: اللہ نے مکہ سے خون ریزی کو یا (فرمایا) ہاتھیوں کو روک دیا تھا۔ {محمد (بن سیرین) نے کہا: اس لفظ کو شک کے ساتھ ہی رکھو۔☆} اور رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو اس پر مسلط کر دیا۔ مگر خبردار یہ (بستی) مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہوئی اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہے خیال رکھنا کہ وہ میری خاطر دن کی ایک گھڑی بھر کے لیے ہی حلال ہوئی تھی۔

☆ یہ عبارت نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزءاول حاشیہ صفحہ ۲۷۱)

وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَّا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيْلِ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِي يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ اكْتُبُوْا لِأَبِي فُلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوْتِنَا وَقُبُوْرِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يُقَالُ يُقَادُ بِالْقَافِ فَقِيْلَ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ أَيَّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ قَالَ كَتَبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةَ.

یادرکھو کہ وہ اب اس وقت حرام ہے۔اس کے کانٹے نہ توڑے جائیں اوراس کے درخت نہ کاٹے جائیں اوراس کی گری پڑی چیز نہ اُٹھائی جائے۔مگر گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرنے والے کو اجازت ہے۔اور جو شخص مارا جائے تو اس کے لیے دو باتوں میں سے جو بات بہتر ہو، وہ اختیار کی جائے۔یا تو اس کی دیت دلائی جائے یا قاتل کو قصاص کے لیے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے۔اتنے میں اہل یمن سے ایک آدمی آیا اوراس نے کہا: یارسول اللہ مجھے لکھ دیں۔فرمایا: فلاں کے باپ کو لکھ دو۔قریش میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! سوائے اذخر (گھاس) کے۔کیونکہ ہم اپنے گھروں پر اور اپنی قبروں میں اسے ڈالتے ہیں۔اس پر آپؐ نے فرمایا: سوائے اذخر کے بھی۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: يُقَادُ قاف کے ساتھ بولتے ہیں۔ابوعبداللہ سے پوچھا گیا: آپ نے اس کو کیا بات لکھ کر دی؟ کہا: یہی خطبہ لکھ کر دیا۔

تشریح: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ اَوِ الْفِيْلَ : یہ شک ابونعیم راوی کو ہے۔اس سے راویوں کی حددرجہ احتیاط کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے روایت میں یقینی اور شکی باتوں میں پورا پورا امتیاز رکھا ہے۔محمد بن سیرین کے قول کا حوالہ دے کر بتلایا کہ بہتر یہی ہے کہ یہ روایت اس شک کے ساتھ ہی نقل کی جائے کیونکہ دونوں لفظوں سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد واضح ہے کہ آپؐ اس مشہور و معروف واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں اہل حبشہ مکہ پر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی طرف توجہ دلا کر صحابہؓ کے جذبات کو اُبھارا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بیت اللہ کے متعلق اس قدر غیرت ہے کہ اس نے بیت اللہ کی خاطر اہل مکہ کی باوجود ان کے مشرک ہونے کے نصرت کی تھی اوران کے خون بچالئے تھے۔تم مسلمان ہو تمہیں اس کی حرمت کا پاس زیادہ ہونا چاہیے۔

فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ: یہ حضرت ابوشاہؓ تھے۔ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ: یہ حضرت عباسؓ تھے۔

۱۱۳ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ عَنْ أَخِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

۱۱۳: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عمرو نے ہمیں بتلایا۔ کہا: وہب بن منبہ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے اپنے بھائی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا وہ کہتے تھے: نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہوں جو آپؐ سے مروی ہوں، سوائے ان حدیثوں کے جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کیا کرتے تھے۔ (یعنی وہ زیادہ ہیں) کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ وہب کی طرح معمر نے بھی یہی بیان کیا۔ معمر نے ہمام سے، ہمام نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔

تشریح: حدیث نمبر۱۱۳ لا کر یہ بتلایا ہے کہ سابقہ واقعہ تحریر شواذ میں سے نہ سمجھا جائے بلکہ صحابہؓ ایسے بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: یہاں شارحین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو کے الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کی حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں سے زیادہ تھیں، جو واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لئے انہوں نے اِلَّا کو منقطع قرار دیا اور یہ مراد لی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جہاں یہ فخر کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں ان سے بڑھ کر کسی کے پاس حدیثیں نہیں۔ وہاں وہ اپنے نقص کا اظہار بھی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ لکھنا نہیں جانتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اس وجہ سے اپنے اوپر فوقیت دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے جو روایتیں کم بیان کی جاتی ہیں، امام ابن حجرؒ نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ فتوحات کے بعد مصر میں چلے گئے تھے اور ان کو روایت کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا اور حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ میں اس کام کے لئے وقف ہو چکے تھے اور ابن وہب نے حسن بن عمرو بن امیہ کا یہ قول جو نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس کوئی بات جو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے نوشتے مجھے دکھلائے۔ ابن عبدالبر کے نزدیک ہمام بن منبہ کی یہ روایت زیادہ صحیح ہے اور امام ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نوشتے خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے کیونکہ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ وہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۷۴)

تَابَعَهٗ مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ (بْنِ مُنَبِّهٍ) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اشارہ بلاضرورت نہیں بلکہ اپنے اندر ایک اہم بات رکھتا ہے جس کا احادیث کی لفظی صحت وضبط کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جس متابعت کا انہوں نے یہاں ذکر کیا ہے وہ عبدالرزاق، نیز ابوبکر بن علی مروزی نے کتاب العلم میں نقل کی ہے۔ ایسا ہی احمد بن حنبلؒ اور بیہقی نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ مجاہد اور مغیرہ بن حکیم دونوں نے کہا: سَمِعْنَا اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَا كَانَ اَحَدٌ اَعْلَمَ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنِّي اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ بِيَدِهٖ وَيَعِي بِقَلْبِهٖ وَكُنْتُ اَعِيْ وَلَا اَكْتُبُ. اِسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي الْكِتَابِ عَنْهُ فَاَذِنَ لَهٗ.☆ اس کی سند عمدہ ہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۷۴)

خلاصہ ان تمام روایتوں کا یہ ہے کہ بلحاظِ صحت الفاظ حضرت ابوہریرہؓ بوجہ لکھنا نہ جاننے کے اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کو نسیان کی جو شکایت تھی، اگرچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے دور ہوگئی اور وہ کہتے ہیں: فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدَهٗ (حدیث نمبر ۱۱۹) کہ اس کے بعد میں نہیں بھولا۔ مگر یہ تمیز کرنا کہ پہلے کی حدیثیں کون سی ہیں اور بعد کی کونسی بہت مشکل امر ہے۔ غرض امام بخاریؒ یہاں حفاظت علم کے لئے تحریر کی ضرورت واضح کرنا چاہتے ہیں۔

۱۱۴: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُوْنِي بِكِتَابٍ أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَّا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفُوْا

۱۱۴: ہم سے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، کہا: ابن وہب نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: یونس نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: جب نبی ﷺ پر آپؐ کی بیماری نے سخت حملہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے پاس کوئی لکھنے کا سامان لاؤ۔ تا میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم بھولو نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: نبی ﷺ پر بیماری نے غلبہ کیا ہے۔ اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمارے لیے کافی

☆ {ترجمہ: ہم نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ (صحابہ میں سے) کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں جانتا ہو۔ سوائے ان حدیثوں کے جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے تھے اور سینہ میں محفوظ بھی کر لیتے تھے۔ اور میں صرف سینہ میں محفوظ کرتا تھا، لکھتا نہیں تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھنے کی اجازت چاہی تھی تو آپؐ نے انہیں اجازت دے دی تھی۔}

وَكَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قُوْمُوْا عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ.

ہے۔اس پر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور شور بہت ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا: اُٹھو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑنا نہیں چاہیے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ باہر چلے گئے۔ وہ کہا کرتے تھے: بڑا نقصان سارے کا سارا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے سے روک دیا۔

تشریح: **لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ :** آپ نے روایت نمبر۱۱۴ لا کر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ آخری وقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی فکر رہی: **لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ** کہ کہیں تم بھول نہ جاؤ تحریر لکھ دوں۔ ضَلَالٌ کے معنی بھولنا، بھول کر راہ سے بے راہ ہو جانا۔ (لسان العرب تحت لفظ ضلل) **إِئْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ:** کتاب سے مراد کوئی لکھنے کی چیز۔

غَلَبَهُ الْوَجَعُ: یعنی آپؐ کو بیماری نے نڈھال کر دیا ہے۔ کہیں تکلیف بڑھ نہ جائے اور آپؐ کے فوت ہو جانے کا تو وہم بھی حضرت عمرؓ کو نہیں تھا۔ **عِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا** حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِيْ الْكِتَابِ مِنْ شَيْئٍ (الأنعام:۳۹) تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ (النحل:۹۰) یعنی یہ کتاب ہر بات کو واضح کر کے بیان کرتی ہے۔ ہم نے اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

لَا يَنْبَغِيْ عِنْدِيْ التَّنَازُعُ: یعنی بعض لوگ جن کے جذبات حضرت عمرؓ کی طرح رقیق تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے وقت میں تکلیف نہیں دینی چاہیے اور بعض نے کہا کہ حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میرے پاس شور نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو کتاب اللہ کی عزت کا اس حالت بے قراری میں بھی اس قدر پاس تھا کہ حضرت عمرؓ کی بات سننے کے بعد کاغذ، قلم، دوات منگوانے کا اعادہ نہیں فرمایا۔ جیسا کہ بخاری کی دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپؐ اس واقعہ کے بعد بھی چند روز زندہ رہے اور اس دن کچھ اور وصیتیں بھی کیں ہیں۔ مگر اس خیال کا اعادہ نہیں فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن احکام کے لکھوانے کی ضرورت سمجھی تھی وہ کتاب اللہ میں موجود تھے گویا کہ قرآن مجید سے چمٹے رہنے کی تاکید فرمانا چاہتے تھے اور آپؐ نے حضرت عمرؓ کی تائید کی اور خاموش ہو رہے۔ یہ وہ ادب ہے جس کی پروا نام نہاد علماء کو نہیں ہوتی۔ ایک رائے کا جو اظہار کر بیٹھیں تو پھر وہ اسے وحی الٰہی کی طرح سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس پاکیزہ نمونہ کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے۔ کتاب اللہ کے سامنے سب دوسری باتیں کالعدم ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں **تیسواں ادب** حفاظت علم کے متعلق سکھلایا اور حفاظت حدیث کے تاریخی اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔

خَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: یہ مراد نہیں کہ یہ الفاظ حضرت ابن عباسؓ نے (وہاں سے) نکلتے وقت کہے تھے، بلکہ یہ واقعہ بیان کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسری روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: **فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ....** (فتح الباری جزءاول صفحہ ۲۷۶-۲۷۷)

بَاب ٤٠ : اَلْعِلْمُ وَالْعِظَةُ بِاللَّيْلِ

رات کو علم اور نصیحت کی باتیں کرنا

١١٥ : حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَّعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَعَمْرٌو وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَيْقِظُوْا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ.

۱۱۵: ہم سے صدقہ نے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ابن عیینہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے معمر سے، معمر نے زُہری سے، زُہری نے ہند سے، ہند نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی۔ نیز عمرو اور یحییٰ بن سعید نے زُہری سے روایت کی۔ انہوں نے ہند سے، ہند نے حضرت ام سلمہؓ سے۔ وہ کہتی تھیں: نبی ﷺ ایک رات جاگے اور فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کیا کیا فتنے اُتارے گئے اور کیا کیا خزانے کھولے گئے ہیں۔ کوٹھڑیوں والیوں کو جگاؤ۔ دنیا میں کتنی ہی پوشاک پہنے ہیں جو آخرت میں ننگی ہوں گی۔

تشریح: اَلْعِلْمُ وَالْعِظَةُ بِاللَّيْلِ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو باب یکے بعد دیگرے باندھے ہیں جن کا تعلق رات کے وقت علمی ذکر واذکار اور نصیحت کے ساتھ ہے۔ وہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ رات کا وقت ایک ایسا وقت ہے۔ جب لوگ دنیا کے دھندوں سے فارغ ہوکر یکسو ہوجاتے ہیں اور وہ رات کو طبعاً باتیں سننے سنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ یہ وقت احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کی باتیں اور نصیحت آمیز واقعات بیان کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ ذہن جو اثر اس وقت باتوں باتوں میں سہولت سے قبول کرلیتا ہے۔ وہ عالم خواب کی مخفی در مخفی تاثیروں کے ماتحت مستحکم ہوجاتا ہے۔ یہاں حصولِ علم کے ضمن میں **اکتیسواں ادب** سکھلایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اب عام علم کے مضمون کو چھوڑ کر خصوصیت سے علم حدیث کو لے رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے تذکرہ کے لئے موزوں وقت رات کا ہے۔ اس وقت کی نصیحت بھی دل میں گھر کرنے والی ہوتی ہے۔

اَيْقِظُوْا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ: حدیث نمبر ۱۱۵ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ اَيْقِظُوْا

صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ. جو اس جگہ نقل کیا گیا ہے وہ محض اسی تاثیر کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے۔ ورنہ ترجمہ باب سے زیادہ مطابقت کھانے والی روایت کتابُ التَّفْسِيرِ، بَابُ قَوْلُهُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ والی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ (روایت نمبر ۴۵۶۹)۔ صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ یہ فقرہ گوناگوں تاثرات کا مخزن ہے اور حسرت و افسوس اور غم و اضطراب کے جذبات ایسے کوٹ کوٹ کر اس کے اندر بھر دیئے گئے ہیں کہ دل کو ٹھیس لگائے بغیر نہیں رہتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کی روحانی ترقی کے لئے بھی اسی طرح مضطرب و غمگین ہیں؛ جیسے تمام دوسرے لوگوں کے لئے۔ ان پیرزادوں اور سجادہ نشینوں وغیرہ کے لئے اس میں ایک سبق ہے جن کے گھر ظلمت کدہ ہیں اور ان میں دینداری کیا بلکہ وہ تو دنیا کی ہوس کے تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔

نیک اعمال ہی ہیں جو آخرت میں انسان کا ننگ ڈھانپنے والے ہیں۔ کوئی ظاہری نسبت و تعلق یا واسطہ عمل کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

فَرُبَّ كَاسِيَةٍ کا فقرہ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ کی ایک تیسری مثال ہے۔

بَاب ٤١ : اَلسَّمَرُ فِي الْعِلْمِ

رات کو علم کی باتیں کرنا

١١٦ : حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

۱۱۶: ہم سے سعید بن عُفَیر نے بیان کیا۔ کہا: لیث نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عبدالرحمٰن بن خالد نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سالم سے۔ نیز ابوبکر بن سلیمان بن ابی حَثْمہ سے روایت کی کہ عبداللہ بن عمر کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری زندگی میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب آپؐ سلام پھیر چکے تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: تمہیں اپنی اس رات کا کچھ پتہ بھی ہے؟ اس سے سو برس کے آخر تک جو لوگ بھی سطح زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

۱۱۷: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ ثُمَّ قَالَ نَامَ الْغُلَيِّمُ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَّمِيْنِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيْطَهُ أَوْ خَطِيْطَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

۱۱۷: ہم سے آدم نے بیان کیا۔ کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: حکم نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میں نے سعید بن جُبَیر سے سنا۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کے گھر سویا جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں اور نبی ﷺ ان کی باری کی رات اُن کے ہاں تھے۔ نبی ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر اپنے گھر آئے اور چار رکعتیں نماز پڑھی۔ پھر سو گئے۔ اس کے بعد اُٹھے اور فرمایا: یہ ننھا سو گیا ہے۔ یا کوئی ایسا ہی کلمہ فرمایا جو اس سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے بعد آپؐ (نماز کے لیے) کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپؐ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے اپنے دائیں طرف کر دیا اور پانچ رکعتیں نماز پڑھی۔ پھر دو رکعتیں نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے خراٹے سنے۔ غَطِيْطَهُ (کہا) یا خَطِيْطَهُ (یعنی خراٹے کی آواز) پھر آپؐ نماز کے لیے باہر گئے۔

تشریح: فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ: حدیث نمبر ۱۱۶ میں ایک پیشگوئی کا ذکر ہے جو علم غیب پر مبنی ہے اور وہ نہایت صحت کے ساتھ پوری ہوئی۔ ایک سو سال کے اختتام پر آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ فوت ہوئے یعنی ۱۱۰ھ میں۔ آپؐ نے یہ پیشگوئی اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے کی، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں اس کی صراحت ہے

(دیکھئے فتح الباری جزء دوم صفحہ ۹۹- کتاب مواقیت الصلوۃ باب ۴۰، تشریح روایت نمبر ۶۰۱)

یہاں صحابہ مخاطب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا کر کہ موجودہ لوگ ایک سو سال کے اندر یکے بعد دیگرے اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے، دنیا کی ناپائیداری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ صحابہ کے متعلق جس صحت کے ساتھ پیشگوئی پوری ہوئی ہے، اس سے دوسرے لوگوں کے متعلق بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نئے لوگ

پیدا نہیں ہوں گے۔ بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ جو اس وقت موجود ہیں وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اس رات کی خصوصیت بتلائی۔ گو ہم اب اس وقت یہ حقیقت آشکارانہ کر سکیں مگر یہ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے کہ سلسلہ موت اور پیدائش کے ساتھ زمانہ کا بھی ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ایک خاص موسم میں بلکہ ایک معین رات میں لڑکے یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ واقعات تصدیق کرتے ہیں کہ ایک سو سال تک صحابہ کی صحبت اور ان کے فیض سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

اَلسَّمَرُ فِی الْعِلْمِ: حدیث نمبر ۱۱۷ جو صحیح بخاری میں مفصل آئی ہے اور یہاں ایسی مختصر کہ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین کو یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ بظاہر اس کا باب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ کلام نَامَ الْغُلَيِّمُ کو سَمَرُ اللَّيْلِ پر محمول کیا جائے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۸۱) مگر اس کو سَمَرٌ نہیں کہتے۔ میں نے بتلایا ہے کہ امام بخاریؒ بعض وقت کسی حدیث کو اختصار کے ساتھ جو پیش کرتے ہیں تو وہ اپنے کسی خاص مقصد کے ظاہر کرنے کے لئے۔ یہاں صرف رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا مقصود بالذات ہے۔ اس لئے باقی تفصیل نظر انداز کر دی ہے اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تہجد بھی سَمَرُ اللَّيْلِ کی ایک قسم ہے، جس میں انسان اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ قِيْلًا. (المزمل: ۷) {ترجمہ: رات کا اُٹھنا یقیناً (نفس کو) پاؤں تلے کچلنے کے لیے زیادہ شدید اور قول کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے۔}

بَاب ٤٢ : حِفْظُ الْعِلْمِ

علم کو یاد رکھنا

۱۱۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَوْ لَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا ثُمَّ يَتْلُو إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ إِلَى قَوْلِهِ الرَّحِيْمُ (البقرة: ١٦٠-١٦١) إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ

۱۱۸: ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ.

....وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تک۔☆ ہمارے بھائی مہاجرین کو تو منڈیوں میں خرید وفروخت مصروف رکھتی اور ہمارے بھائی انصار کو ان کی جائدادوں کے متعلق کام کاج مصروف رکھتا تھا اور ابو ہریرہ اپنا پیٹ بھر کر رسول اللہ ﷺ سے لپٹا رہتا تھا اور وہ ان موقعوں پر حاضر رہتا جہاں وہ حاضر نہ ہوتے اور وہ باتیں یاد رکھتا جو وہ یاد نہ رکھتے۔

۱۱۹: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُومُصْعَبٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُّهُ قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدَهُ

۱۱۹: ہم سے احمد بن ابی بکر ابو مصعب نے بیان کیا، کہا: محمد بن ابراہیم بن دینار نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے سعید مقبری سے، سعید نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپؐ سے بہت باتیں سنتا ہوں۔ انہیں بھول جاتا ہوں۔ فرمایا: اپنی چادر پھیلا۔ میں نے پھیلا دی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے تھے: آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر ڈالا۔ پھر فرمایا: اس کو اکٹھا کرلو۔ میں نے اسے اکٹھا کرلیا۔ اس کے بعد میں کوئی بات نہ بھولتا تھا۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ

ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، کہا

☆ {ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو اُسے چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح نشانات اور کامل ہدایت میں سے نازل کیا، اس کے بعد بھی کہ ہم نے کتاب میں اس کو لوگوں کے لیے خوب کھول کر بیان کر دیا تھا۔ یہی ہیں وہ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور اُن پر سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور (اللہ کے نشانات کو) کھول کھول کر بیان کیا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں توبہ قبول کرتے ہوئے جھکوں گا۔ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہوں۔}

قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ بِهٰذَا أَوْ قَالَ غَرَفَ بِيَدِهِ فِيْهِ.

کہ ہم سے ابن ابی فُدَیک نے یہی حدیث بیان کی۔ انہوں نے یا یہ لفظ کہے: آپؐ نے اپنے ہاتھ سے چلّو بھر کر اس میں ڈال دیا۔

۱۲۰: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبَلْعُوْمُ. { ☆ قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ الْبَلْعُوْمُ مَجْرَى الطَّعَامِ. }

۱۲۰: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: میرے بھائی نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے سعید مقبری سے، سعید نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کی یادداشتیں محفوظ رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک جو ہے اس کو تو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسری جو ہے اگر اس کو پھیلاتا تو یہ نرخرا کاٹ دیا جاتا۔ {ابوعبداللہ نے کہا: بَلْعُوْمُ جہاں سے کھانا گزرتا ہے۔☆}

تشریح: **حِفْظُ الْعِلْمِ** کا باب باندھ کر حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظہ وغیرہ کے متعلق ان کی اپنی ہی تین روایتیں نقل کی ہیں۔ ان سے جہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس جگہ **حِفْظُ الْعِلْمِ** سے مراد حدیث یاد رکھنا ہے۔ وہاں اس امر پر بھی روشنی ڈالنا منظور ہے کہ حدیثوں کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک بڑا حصہ ہے اور یہ کہ ان کے متعلق جو وقتاً فوقتاً چہ میگوئیاں ہوئی ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے؟ حدیث نمبر ۱۱۸ میں بتلایا کہ انہیں کوئی کام کاج نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا انہیں بہت موقع ملتا جو دوسرے انصار و مہاجرین کو میسر نہ تھا۔ اس لئے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے اور یاد کرنے کا زیادہ موقع ملا تھا۔ حدیث نمبر ۱۱۹ میں ان کے نسیان کا ذکر کیا اور بتلایا ہے کہ وہ نسیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنے سے دور ہو گیا تھا۔

اُبْسُطْ رِدَائَکَ: اپنی چادر پھیلاؤ۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ فارغ البال ہو کر توجہ واطمینان سے سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ اپنے اندر اس سوالی کی سی حالت پیدا کرو، جو لینے کے لئے اپنی چادر پھیلا دیتا ہے۔ جب تک طالب علم کی یہ حالت نہ ہوگی وہ کچھ فائدہ نہ اٹھائے گا۔ جو سنے گا بھول جائے گا۔ استفادہ کے لئے شوق وحرص اور حضورِ قلب ہونا چاہیے۔ تحصیل علم کے لئے یہاں **بتیسویں ادب** کی طرف توجہ دلائی ہے۔ **فَبَسَطْتُ**: چنانچہ آپؐ کے

☆ یہ عبارت نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۷۵)

ارشاد کی تعمیل میں مَیں نے اپنی چادر پھیلا دی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ایک دوسری روایت میں یوں نقل کیا ہے: لَنْ يَّبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعَهُ اِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَّيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ ﷺ مَقَالَتَهُ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ مِنْ مَّقَالَتِهٖ تِلْكَ اِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا.

(بخاری. کتاب المزارعة. باب ماجاء فی الغرس۔ روایت نمبر ۲۳۵۰)

{ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بھی اپنے کپڑے کو جب تک میں اپنی بات ختم نہ کرلوں، پھیلائے رکھے گا۔ پھر وہ اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لے گا تو وہ میری بات کبھی نہیں بھولے گا۔ چنانچہ میں نے اپنی چادر بچھا دی۔ اس کے سوا مجھ پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات ختم کی تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسی ذات کی قسم ہے، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی کے ساتھ بھیجا تھا، میں آپؐ کی اس گفتگو کو آج تک نہیں بھولا۔}

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صرف حضرت ابو ہریرہؓ کو ہی نہیں بلکہ تمام صحابہؓ کو بالعموم یہ ہدایت دی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس پر پورے طور پر عمل کیا اور کان اور سینہ کھول کر آپؐ کی باتیں سننے اور یاد کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ اس لئے ان کو یاد رہیں اور نسیان کی شکایت جاتی رہی۔ **فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ** بھی اسی طرح مجازاً استعمال ہوا ہے۔ جس طرح اُبْسُطْ رِدَائَكَ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فیضان کے چلو بھر بھر کر ڈالتے رہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اس فیضان کو اپنی چادرِ سینہ میں سمیٹتے رہے۔ فَبَسَطْتُ نَمِرَةً: نَمِرَةٌ کے معنی چادر۔ یہ اپنی کم مائیگی اور بے بساطی نوشت وخواند کی طرف اشارہ ہے۔

نسیان فی ذاتہ کوئی مستقل چیز نہیں جو صفت لازمہ کی طرح ہمیشہ قائم رہے۔ بلکہ ایک عارضی حالت کا نام ہے۔ نسیان کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بعض آدمی کان سے سنی ہوئی بات جلدی بھول جاتے ہیں اور آنکھ سے دیکھی ہوئی بات کبھی نہیں بھولتے اور بعض اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو پڑھی ہوئی بات نہیں بھولتے اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ جب تک سنی پڑھی بات کے لئے اپنے ذہن میں خود استدلال کر کے کوئی منطقی تعلق نہ قائم کرلیں، انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہتا اور بعض توجہ سے پوری بات نہیں سنتے اور اس لئے بھول جاتے ہیں۔ غرض بہت سے اسباب ہیں جو نسیان کا موجب ہوتے ہیں اور ان کے ازالہ سے وہ دور ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے شوق کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس شکایت پر کہ انہیں نسیان ہے، ان کو دعا کرنے کی ہدایت فرمائی اور خود بھی دعا کی۔ جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔ (مستدرک حاکم، کتاب معرفة الصحابة، باب دعاء أبی هريرة بعلم لا ينسى وتأمين النبی ﷺ، جلد۳ صفحہ ۱۲۷) اور یہ دعا ان کے حق میں ایسے معجزانہ طور پر قبول ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے شہادت دی اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بھی یہ رائے قائم کی ہے کہ (اَحْفَظُ مَنْ رَّوَى الْحَدِيْثَ فِيْ عَصْرِهٖ) حضرت ابو ہریرہؓ اپنے ہم عصر راویوں میں سب سے زیادہ حدیث کو یاد رکھنے والے تھے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۸۲)

دعا کی قبولیت اسباب کی مانع نہیں بلکہ خود دعا بھی ایک سبب ہے، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی مشیئت کو تحریک دیتا ہے اور مسبب الاسباب وہ ضروری اسباب پیدا کر دیتا ہے جو پہلے نہیں ہوتے۔ دعا کی قبولیت کا یہی اعجاز ہے۔ حدیث نمبر ۱۱۹ کے آخر میں ابن ابی فدیک کا جو لفظی اختلاف امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے، یہ اس روایت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے جو انہوں نے کتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبیﷺ اٰية، روایت نمبر ۳۶۴۸ میں اسی سند سے بیان کی ہے۔ ابن ابی فُدَیک بھی محمد بن ابراہیم بن دینار کی طرح ابن ابی ذئب سے نقل کرتے ہیں اور وہ سعید مقبری سے اور سعید حضرت ابو ہریرہؓ سے۔ اِس روایت میں یہ ہے: اِنِّيْ اَسْمَعُ مِنْكَ. اور اُس میں ہے: اِنِّيْ سَمِعْتُ مِنْكَ. اِس میں ہے: أَنْسَاهُ ہے، اُس میں ہے: فَأَنْسَاهُ. اِس میں ہے فَبَسَطْتُهٗ. اُس میں ہے: فَبَسَطْتُ. اِس میں ہے: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ. اُس میں ہے: فَغَرَفَ بِيَدِهٖ. اِس میں ہے: فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا. اُس میں ہے: فَمَا نَسِيْتُ حَدِيْثًا ۔ یہ حدیث بطور ایک مثال کے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے لفظی اختلاف کے ساتھ معنی میں فرق نہیں پڑتا اور اس قسم کا نسیان جو محض لفظی اختلاف کے ساتھ ہو قابل اعتراض نہیں اور نہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہے۔

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: روایت ۱۲۰ میں بتلایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا دار و مدار حافظہ پر تھا اور ان کی تحریری روایات کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ اس روایت سے روایت نمبر ۱۱۳ کی مزید تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۳۶۴ روایتیں مروی ہیں۔ اس کثرت روایت کی یہی وجہ ہے کہ ان کا کام ہی حدیثیں یاد کرنا تھا۔

وِعَاءٌ ظرف کو کہتے ہیں اور اس سے مراد وہ چیز بھی ہوتی ہے جو ظرف کے اندر رکھی جائے۔ ایسا ہی وَعْيٌ یاد کرنے کو بھی کہتے ہیں اور نفس واعیہ ذہن کی وہ قوت ہے جو احساسات و تصورات کو اپنے اندر سمیٹ کر محفوظ کر لیتی ہے اس لئے اس کا ترجمہ یادداشت کیا گیا ہے۔

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ: ایک طرف تو حضرت ابو ہریرہؓ یہ کہتے ہیں کہ میں حدیثیں اس لئے بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ چھپانے والے کو ملعون قرار دیتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. (البقرہ: ۱۶۰) اگر اس آیت کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی بھی حدیثیں بیان نہ کرتا اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں: ایک دوسری قسم کی یادداشت بھی میرے پاس ہے۔ اگر اُسے ظاہر کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے گی۔ امام ابن حجرؒ وغیرہ نے اس اختلاف کو یوں رفع کیا ہے کہ پہلی قسم سے مراد احادیث کی وہ قسم ہے جو احکام شریعت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ دوسری قسم سے مراد وہ ہیں جن کا تعلق خاص افراد کے ساتھ تھا اور جو انذاری پیشگوئی کے رنگ میں تھیں جن کا بیان کرنا فتنہ کا موجب ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اشارہ و کنایہ سے وہ باتیں بتلا بھی دیا کرتے تھے، جیسا کہ ان کی یہ دعا: (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ رَّأْسِ السِّتِّيْنِ وَاَمَارَةِ الصِّبْيَانِ) یعنی میں ساٹھویں سال کے آغاز اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی یزید بن معاویہ جو ۶۰ھ میں خلیفہ نامزد کیا گیا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ اس سے ایک سال پہلے فوت ہوئے۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۸۶)

ان انذاری خاص پیشگوئیوں کے علاوہ بعض اور ایسے امور بھی ہوتے ہیں جن کا ہر کس و ناکس کے سامنے بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض کم فہم انکار کر دیتے ہیں۔ (دیکھئے باب ۴۸ روایت نمبر ۱۲۶)

بَثٌّ کے معنی ہیں عام نشر و اشاعت کرنا۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: اَلْبُلْعُوْمُ - مَجْرَى الطَّعَامِ: ''ابوعبداللہ'' امام بخاریؒ کی کنیت ہے اور ان کی یہ تشریح ظاہر میں تو بے محل معلوم ہوتی ہے کیونکہ بُلْعُوْم ایسا مشکل لفظ نہیں جس کی وضاحت کی ضرورت پڑتی۔ لیکن میرے نزدیک امام بخاریؒ اپنی عادت کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔ موت کا خوف جو دراصل کھانے پینے کی بندش سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ایک نقص ہے۔ اس بارے میں ان کا وہی مذہب ہے جو حضرت ابوذرؓ کا، جسے وہ کتاب العلم (باب ۱۰) میں بیان کر چکے ہیں۔ کسی شخص کی کم فہمی و بلادت کی وجہ سے اس کے سامنے کسی امر کا ظاہر نہ کرنا اور بات ہے اور اپنی موت کے خوف سے کسی امر کو مخفی رکھنا اور بات ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

بَاب ۴۳: اَلْإِنْصَاتُ لِلْعُلَمَاءِ

علماء کی باتیں خاموشی سے سننا

۱۲۱: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ جَرِيْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

۱۲۱: ہم سے حجاج نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: علی بن مُدْرِک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابوزُرْعَہ سے۔ ابوزُرْعَہ نے حضرت جَرِیرؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں ان سے فرمایا: لوگوں کو سننے کے لئے خاموش کراؤ۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔

تشریح: أَلْإِنْصَاتُ لِلْعُلَمَآءِ: امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اُبْسُطْ رِدَائَکَ کے مضمون کی جو اس سے پہلے باب میں ہے وضاحت کر دی ہے اور آنحضرت ﷺ کے عمل در آمد سے تیئیسویں ادب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہی ارشاد ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (الأعراف: ۲۰۵) یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر توجہ سے سنو۔ جن لوگوں نے کفر کے لفظ کو ڈراؤنی شئے بنا رکھا ہے وہ ذرا اس وسعت استعمال پر غور کریں۔ قتل وغیرہ سے اگر لوگ کفر کی طرف منسوب کئے جا سکتے ہیں تو کسی نبی موعود کا انکار بدرجہ اولیٰ

کفر ہے۔ بات جس قدر واضح اور مؤثر ہوگی اور جس قدر توجہ سے سنی جائے گی اس کے بھولنے اور اس کی روایت میں اختلاف واقع ہونے کا اس قدر کم احتمال ہوگا۔ (دیکھئے روایت نمبر ۸۷، ۹۴، ۱۰۴)

بَاب ٤٤

مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللهِ

عالم کے شایان ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ لوگوں میں کون سب سے بڑھ کر عالم ہے تو وہ علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے

١٢٢: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوْسَى لَيْسَ بِمُوْسَى بَنِي إِسْرَائِيْلَ إِنَّمَا هُوَ مُوْسَى آخَرُ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {قَالَ☆} قَامَ مُوْسَى النَّبِيُّ خَطِيْبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيْلَ فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ

۱۲۲: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عمرو نے ہم سے بیان کیا، کہا: سعید بن جُبَیرؒ نے مجھے خبر دی۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اور موسیٰ ہیں۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ (آپؐ نے فرمایا:☆) موسیٰؑ نبی نے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں تقریر کی تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون سب سے بڑھ کر عالم ہے۔ اس پر انہوں نے کہا: میں سب سے بڑھ کر عالم ہوں تو اللہ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا تھا: اللہ ہی کو علم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے۔ وہ تجھ سے

☆ نسخہ بولاق میں اس جگہ لفظ "قَالَ" ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۸۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

يَا رَبِّ وَ كَيْفَ بِهِ فَقِيْلَ لَهُ احْمِلْ حُوْتًا فِي مِكْتَلٍ فَإِذَا فَقَدْتَّهُ فَهُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَحَمَلَا حُوْتًا فِي مِكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُؤُوْسَهُمَا وَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (الكهف:٦٢) وَكَانَ لِمُوْسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوْسَى لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا(الكهف:٦٣)وَلَمْ يَجِدْ مُوْسَى مَسًّا مِّنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيْتُ الْحُوْتَ (الكهف:٦٤) قَالَ مُوْسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِيْ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ فَسَلَّمَ مُوْسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ

زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: اے میرے ربّ ان سے کس طرح ملا جائے؟ تو انہیں کہا گیا کہ مچھلی کو ایک ٹوکری میں اُٹھالو اور جب تم اس کو نہ پاؤ تو وہ شخص وہیں کہیں ہوگا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ چل پڑے اور اپنے نوجوان خادم یوشع بن نون کو اپنے ساتھ لے لیا اور ٹوکری میں ایک مچھلی اُٹھالی۔ جب وہ چٹان کے پاس پہنچے تو وہ دونوں سر ٹکا کر سو گئے اور مچھلی ٹوکری سے سرک کر نکل گئی اور وہ پانی کو چیرتے ہوئے سمندر میں اپنی راہ لگی اور حضرت موسیٰؑ اور آپؑ کے خادم کو تعجب ہوا۔ وہ دونوں اپنی باقی ماندہ رات اور سارا دن چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا کھانا ہمیں دو۔ کیونکہ ہم نے اس سفر سے بہت تکلیف پائی ہے اور حضرت موسیٰؑ نے ذرا بھی تھکان محسوس نہیں کی۔ مگر اسی وقت کہ جب وہ اُس مکان سے آگے گزر گئے، جہاں جانے کا اُن کو حکم ہوا تھا۔ ان کے خادم نے کہا: دیکھا آپؑ نے، جب ہم نے چٹان کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی بھول گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: یہی تو وہ ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے۔ اس پر وہ دونوں اپنے پاؤں کے نشانوں کا کھوج ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے۔ جب وہ دونوں اس چٹان کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے جو کپڑے میں لپٹا پڑا ہے یا کہا: جو اپنا کپڑا اوڑھے ہوئے ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے سلام کیا اور خضرؑ نے کہا: تمہارے

أَنَا مُوْسَى فَقَالَ مُوْسَى بَنِي إِسْرَائِيْلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الكهف:٦٨) يَا مُوْسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِيْ لَكَ أَمْرًا (الكهف:٧٠) فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمُوْهُمْ أَنْ يَّحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوْسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِّنْ أَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوْسَى قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ إِلَى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا

ملک میں کہاں سلامتی ہے؟ انہوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ کہا: ہاں۔ حضرت موسیٰ نے کہا: کیا میں آپ کی پیروی کروں؛ اس شرط پر کہ آپ مجھے راستی میں سے وہ باتیں سکھائیں جو آپ کو سکھلائی گئیں ہیں؟ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ مجھے علم الٰہی سے وہ علم حاصل ہے جو اس نے مجھے خود سکھایا ہے۔ تم اس کو نہیں جانتے اور تمہیں بھی ایک علم حاصل ہے جو تمہیں (اللہ نے) سکھایا ہے میں اس کو نہیں جانتا۔ انہوں نے کہا: آپ انشاء اللہ مجھے مستقل مزاج پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کروں گا۔ اس پر دونوں سمندر کے کنارے چل پڑے۔ ان دونوں کی کوئی کشتی نہ تھی۔ اتنے میں ان کے پاس سے ایک کشتی گزری تو انہوں نے کشتی والوں سے کہا کہ وہ ان دونوں کو سوار کر لیں۔ خضر پہچانے گئے اور کشتی والوں نے ان دونوں کو بغیر کرائے کے سوار کرلیا۔ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں تو خضر نے کہا: اے موسیٰ میرے اور تیرے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا بھی کم نہیں کیا، جتنا کہ اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے نے۔ یہ کہہ کر خضر اس کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کی طرف بڑھے اور اس کو اُکھیڑ ڈالا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے

لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ: لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيْتُ {وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِيْ عُسْرًا } (الكهف:٧٣-٧٤) فَكَانَتِ الْأُوْلَى مِنْ مُوْسَى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَإِذَا غُلَامٌ يَّلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوْسَى: أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ (الكهف:٧٥) قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الكهف:٧٦) قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهَذَا أَوْكَدُ { فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ (الكهف:٧٨)☆} قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ (الكهف:٧٨) فَقَالَ لَهُ مُوْسَى لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا (الكهف:٧٨) قَالَ: هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (الكهف:٧٩) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا تھا۔ آپ نے ان کی کشتی میں عمداً سوراخ کر دیا ہے تا کشتی والوں کو غرق کر دیں۔ انہوں نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: میری بھول پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے (اور میری اس بات کی وجہ سے مجھ پر سختی نہ کریں۔) سو پہلی بات حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوئی۔ اس پر وہ دونوں پھر چل پڑے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لڑکا ہے جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کا سر اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر اُکھیڑ ڈالا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے کہا: آپ نے تو ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے مار ڈالا ہے۔ انہوں نے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ ابن عُیَیْنَہ کہتے تھے: (خضر کی) یہ بات زیادہ تاکید کرنے والی تھی۔ {☆اس پر وہ دونوں پھر چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا مانگا تو انہوں نے ان کو مہمان ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کو تھی۔} خضر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ سیدھی کر دی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے۔ انہوں نے کہا: اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ نبی

☆ یہ عبارت نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۸۸)

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا.

ﷺ نے فرمایا: اللہ موسیٰ پر رحم کرے ہم تو چاہتے تھے کہ کاش وہ صبر کرتے تا اُن دونوں کا حال ہم سے بیان کر دیا جاتا۔

تشریح: **يَكِلُ الْعِلْمَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى:** یہ حدیث مختصر طور پر اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔ روایت نمبر ۷۴، ۷۸ میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حرّ بن قیسؓ کے جھگڑے کا ذکر ہے اور اس میں موضوعِ نزاع حضرت موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ آیا وہ خضر تھے یا کوئی اور۔ روایت نمبر ۱۲۲ میں سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کرتے ہیں کہ نوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ جس کا واقعہ خضر کے ساتھ ہوا، وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے کوئی اور تھے اور دونوں اختلافات کا حل حضرت اُبی بن کعبؓ کی روایت سے کیا گیا ہے۔ اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کو جو اس وقت ان کے پاس سے گذر رہے تھے، بلایا اور پوچھا اور یہ روایت بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کا حوالہ دیا۔ یعنی حضرت اُبی نے ہم سے بیان کیا۔ امام ابن حجر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ دو جدا جدا واقعات ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۸۹) حضرت حر بن قیسؓ کا اختلاف حضرت ابن عباسؓ سے ہے اور سعید بن جبیر کا اختلاف نوف بکالی سے ہے۔ لیکن ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ روایت ۷۴، ۷۸ میں حضرت اُبی ابن کعبؓ واقعہ بیان کرتے ہوئے مُوسٰی النَّبِيُّ نہیں کہتے اور جب حضرت ابن عباسؓ ان کا حوالہ دے کر واقعہ بیان کرتے ہیں تو مُوسٰى النَّبِيُّ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے وضاحت کی کہ سعید بن جبیر کا سوال حضرت ابن عباسؓ سے موسیٰ نبی کے متعلق تھا جیسا کہ روایت نمبر ۷۴، ۷۸ کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں: اَلَّذِیْ سَأَلَ السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهٖ. دوسرا اَمر قابل غور یہ ہے کہ سابقہ روایتوں میں حضرت اُبی بن کعبؓ کی طرف یہ الفاظ منسوب نہیں کئے گئے: فَعَتَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذْ لَمْ يَرُدِّ الْعِلْمَ اِلَى اللّٰهِ. ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر سعید بن جبیر سے واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ الفاظ کہے ہوں اور عبید اللہ بن عبد اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کا جھگڑا بیان کرتے ہوئے اُبی کے یہ الفاظ نہ سنے ہوں یا سنے ہوں اور بھول گئے۔ تیسرا اَمر قابل غور یہ ہے کہ عبید اللہ کی دونوں روایتوں میں یہ الفاظ ہیں. هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ اور سعید بن جبیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ وہاں حضرت موسیٰ کا جواب نفی میں ہے اور یہاں ہے: اَنَا اَعْلَمُ۔ چوتھا اور سب سے زیادہ قابل غور اَمر یہ ہے کہ راوی حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ الفاظ منسوب کرتا ہے: وَكَانَ لِمُوْسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا. یعنی جب مچھلی سمندر میں چلی گئی تو حضرت موسیٰ اور یوشع دونوں کو تعجب ہوا۔ حالانکہ مچھلی کے چلے جانے کے وقت ان کو علم بھی نہیں ہوا تھا۔ علم تو انہیں اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ نے کھانا مانگا اور سابقہ روایتوں میں یہ الفاظ نہیں۔ وہاں اس کو مختصر بیان کرتے ہوئے قرآن مجید کے بیان کی طرف اشارہ کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ ذکر اس طرح پر نہیں۔

یہ ملاحظات بتلاتے ہیں کہ راویوں کے اختلاف کے ساتھ روایت میں اختلاف ہو جانا ایک امر واقعہ ہے اور ہر حدیث کے الفاظ کی بابت یہ اصرار کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ہیں؛ درست نہیں۔ کیونکہ احادیث بالمعنی بھی روایت ہوئی ہیں۔ امام بخاریؒ نے یہی مقصد واضح کرنے کے لئے یہ باب باندھا ہے۔ اگرچہ انہوں نے عنوان بیان کرتے ہوئے عموم کا رنگ رکھا ہے۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کے ذکر کرنے کے بعد **اَلإِنْصَاتُ لِلْعُلَمَآءِ** کا باب باندھ کر اس عنوان اور روایت کو انتخاب کر کے یہ بتلایا ہے کہ ایک ہی عالم سے سننے والوں میں روایت کرتے وقت کیسے کیسے اختلاف واقع ہوتے ہیں اور اس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ سب سننے والے یکساں نہیں ہوتے مگر صحابہ کرامؓ کی روایتوں میں یہ لفظی اختلاف بھی کم ہے۔ وہ عاشقانہ انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے، یاد کرتے اور بلا کم و کاست دوسروں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

بَاب ٤٥ : مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا

ایک عالم سے جو بیٹھا ہو کوئی کھڑے کھڑے سوال کرے

١٢٣ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوْسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ قَالَ وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

۱۲۳: ہم سے عثمان نے بیان کیا، کہا: جریر نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابووائل سے، انہوں نے حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں لڑنا کیا ہوتا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے ایک غصے کی وجہ سے بھی لڑتا ہے اور حمیّت کی وجہ سے بھی لڑتا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس کی طرف سر اُٹھایا۔ راوی نے کہا: اور آپؐ نے اس کی طرف سر اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ کھڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو تو یہ (لڑنا) اللہ عزوجل کی راہ میں ہوگا۔

بَاب ٤٦ :اَلسُّؤَالُ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

کنکریاں پھینکتے وقت سوال کرنا اور فتویٰ دینا

١٢٤ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ قَالَ انْحَرْ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

۱۲۴: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا کہا: عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے۔ زُہری نے عیسیٰ بن طلحہ سے۔ عیسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو جمرۂ (عقبہ) کے پاس دیکھا، جبکہ آپؐ سے مسئلے پوچھے جارہے تھے۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کنکر پھینکنے سے پہلے قربانی کردی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: (اب) پھینک لے۔ کوئی حرج نہیں۔ دوسرے نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: (اب) قربانی کرلے۔ کوئی حرج نہیں۔ آپؐ سے کوئی بات بھی ایسی نہیں پوچھی گئی جس کو آگے پیچھے کیا گیا ہو۔ مگر آپؐ نے یہی فرمایا: (اب) کرلے اور کوئی حرج نہیں۔

تشریح: باب (۴۶،۴۵) مستقل عنوانوں سے باندھ کر امام بخاریؒ نے علم کے متعلق چونتیسویں اور پینتیسویں ادب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ نیز دو ایسی باتوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جن کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض لوگ اس طرح کھڑے ہو کر عالم سے پوچھنا جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی ایسے وقت پوچھنا جائز سمجھتے ہیں جب انسان کسی عبادت میں مشغول ہو۔ امام بخاریؒ نے ایسے اعمال کے اثناء میں پوچھنے اور جواب دینے کو جائز قرار دیا ہے جن میں خاص توجہ یا استغراق نہ ہو۔ مگر الفاظ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بحالت رمی الجمار آپؐ سے پوچھا گیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۹۴)

بَاب ٤٧ :قَوْلُ اللهِ تَعَالىٰ : وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا

(بني إسرائيل: ٨٦)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:{اور تمہیں معمولی علم کے سوا کچھ نہیں دیا گیا}

١٢٥ : حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خِرَبِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيْبٍ مَّعَهُ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوْهُ لَا يَجِيْءُ فِيْهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُوْنَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوْحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ فَقَالَ: وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: ٨٦)

قَالَ الْأَعْمَشُ {☆هِيَ كَذَا فِي قِرَاءَتِنَا وَمَا أُوْتُوْا.}

۱۲۵: ہم سے قیس بن حفص نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہمیں اعمش سلیمان (بن مہران) نے بتلایا۔ انہوں نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھنڈرات میں چلا جا رہا تھا اور آپؐ ایک کھجور کی چھڑی پر جو کہ آپؐ کے پاس تھی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں آپؐ چند یہودیوں کے پاس سے گزرے تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اس سے روح کے متعلق پوچھو ان میں سے بعض نے کہا: اس سے نہ پوچھو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات بیان کر دے جو تم ناپسند کرو اور بعض نے کہا کہ ہم تو ضرور پوچھیں گے۔ اس پر ان میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا: ابوقاسم! روح کیا ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ میں سمجھا: آپؐ کو وحی ہو رہی ہے اور میں کھڑا ہو گیا۔ جب وحی کی حالت آپؐ سے ہٹ گئی تو آپؐ نے فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ..... یعنی اور وہ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ روح میرے ربّ کے حکم سے ہے اور تمہیں معمولی علم کے سوا کچھ نہیں دیا گیا۔

اعمش نے کہا { کہ ہماری قرأت میں یہ آیت یوں ہے: وَمَا اُوْتُوْا یعنی انہیں نہیں دیا گیا۔☆}

☆ یہ عبارت نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۹۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا:** باب کا عنوان اپنے مفہوم اور مطالب میں نہایت واضح ہے کہ علم الٰہی غیر متناہی ہے اور انسان کو بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔ انبیاء بھی وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا میں مخاطب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال کرنا کہ آپؐ کو سارے کا سارا علم دیا گیا تھا۔ اس آیت کے منشاء کے خلاف ہے۔

آیت مذکورہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے جو مکی ہے اور روایت نمبر ۱۲۵ میں بیان کردہ واقعہ مدینہ کا ہے۔ اس واقعہ سے پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کا کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوال پر خاموش رہے اور میں سمجھا کہ وحی ہو رہی ہے، یہ ان کا اپنا خیال تھا۔ **قُلْتُ** کا لفظ وسیع معنی رکھتا ہے۔ سوچنے، سمجھنے، خیال کرنے کے مفہوم میں بھی عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاموش ہونے سے یہ سمجھے کہ وحی ہو رہی ہے۔ حالانکہ خاموشی سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپؐ جواب سوچ رہے ہوں یا کسی آیت کو تلاش کر رہے ہوں۔ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کے ماتحت صحابہؓ کا یہ اعتقاد تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وحی کی تجلی سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے کسی آیت سے استنباط کرنے کو بھی صحابہؓ وحی کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے علم کے ضمن میں یہ چھتیسواں **ادب** سکھلایا ہے کہ ہمہ دان صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کم مایہ علماء کے لئے اس میں ایک سبق ہے جو چند کتابیں پڑھ پڑھا کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے اور ہر بات میں خواہ مخواہ دخل دے دیتے ہیں۔

بَاب ٤٨ : مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الِاخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَّقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوْا فِي أَشَدَّ مِنْهُ

جو شخص کسی پسندیدہ بات کو اس خوف سے چھوڑ دے کہ بعض لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر رہے گی اور وہ اس سے بڑھ کر مشکلات میں پڑ جائیں گے

١٢٦ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى عَنْ إِسْرَائِيْلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيْرًا فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ

۱۲۶: ہم سے عبیداللہ بن موسٰی نے بیان کیا۔ انہوں نے اسرائیل سے۔ اسرائیل نے ابو اسحاق سے۔ ابو اسحاق نے اَسود سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: حضرت ابن زبیرؓ نے مجھ سے کہا: حضرت عائشہؓ آپ سے بہت راز کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے آپ کو کعبہ کے متعلق کیا بتلایا؟ میں نے کہا: انہوں نے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا۔ حضرت

بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابٌ يَّدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُوْنَ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

ابن زبیرؓ نے کہا: یعنی کفر سے- تو میں کعبہ کو توڑ ڈالتا اور اس کے دو دروازے رکھتا۔ ایک دروازہ (جس) سے لوگ داخل ہوتے اور ایک دروازہ (جس) سے وہ نکلتے۔ چنانچہ حضرت ابن زبیرؓ نے ایسا کر دیا۔

تشریح: مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ اَنْ يَّقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ: کسی شخص کے ابتلاء کی وجہ سے کوئی اچھی بات چھوڑ دینا یہ عین دانش مندی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف مالا یطاق کے سخت مخالف تھے اور احکام دین کے اجراء میں سہولت مدّ نظر رکھتے۔ بیت اللہ کا وسیع کرنا اور اس میں دو دروازے رکھنا، یہ ایسا ضروری اَمر نہ تھا، جس کے نہ کرنے سے دین میں نقص لازم آتا ہو۔ لیکن آپؐ نے مصلحت وقت کو مدنظر رکھا۔ آج کل کے علماء اس دانشمندانہ سیاست سے بالکل کورے ہیں۔ پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچے جائے تو کفر و زندقہ کے فتویٰ سے کم پر صبر نہیں کر سکتے۔ جلد بازی و کوتاہ نظری ان کے سروں پر سوار رہتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک نمونہ سے امام بخاریؒ نے ایسے لوگوں کو **سینتیسواں ادب** سکھلایا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۶ میں جو حضرت ابن زبیرؓ کے کعبہ بنوانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب یزید کی بیعت سے انکار کر کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ کو بھاگ گئے تھے اور وہاں جا کر اپنی خلافت کے متعلق اہل مکہ سے بیعت لی تھی۔ اہل مدینہ بھی اہل مکہ کے ساتھ تھے اور ان کے باہمی مشورہ سے یہ انتخاب خلافت ہوا۔ کیونکہ یزید کی نامزدگی اصولِ شریعت اسلامیہ کے خلاف تھی۔ اس سے کچھ مدت پہلے بیت اللہ کو آگ سے نقصان پہنچ چکا تھا اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کو گرا کر بنیادِ ابراہیمؑ پر بنایا۔ جس کو حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے گرا کر پھر اپنی سابقہ بنیاد پر کر دیا۔ کیونکہ عبدالملک نے حضرت ابن زبیرؓ کی یہ روایت تسلیم نہیں کی تھی۔ جیسا کہ مسلمؒ نے عبدالملک کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اس نے کہا کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ پر افتراء کیا ہے جو انہوں نے کہا: لَجَعَلْتُهَا عَلٰى اَسَاسِ اِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّ قُرَيْشًا حِيْنَ بَنَتِ الْبَيْتَ اسْتَقْصَرَتْ. (مسلم. كتاب الحج. باب نقض الكعبة وبنائها) عبدالملک کا یہ قول سن کر حارث بن عبداللہ بن ربیعہ نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ میں نے خود حضرت عائشہؓ ام المؤمنین سے یہ حدیث سنی ہے۔ تب عبدالملک نے معذرت کرتے ہوئے کہا: اگر تعمیر سے پہلے میں یہ بات سنتا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کو برقرار رکھتا۔

اسود جنہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا حوالہ دیا ہے، یزید بن قیس نخعی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا مگر آپؐ کو دیکھا نہیں۔ ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے ۸۰ حج اور عمرہ الگ الگ کئے۔ ایسا ہی ان کے بیٹے عبدالرحمان نے بھی اور آلِ اسود کو لوگ بوجہ ان کے زہد و تقویٰ کے اَهْلُ الْجَنَّةِ کہا کرتے تھے۔ یہ روایت ان کی نہایت قوی ہے۔ (عمدۃ القاری جزء دوم صفحہ ۲۰۲)، (فتح الباری جزء اول صفحہ ۲۹۶)

بَاب ٤٩ : مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ أَنْ لَّا يَفْهَمُوْا

جوشخص کچھ لوگوں کو علم کے لئے مخصوص کر لے اور کچھ لوگوں کو چھوڑ دے۔ اس خیال سے کہ وہ نہیں سمجھیں گے

وَقَالَ عَلِيٌّ حَدِّثُوْا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ أَتُحِبُّوْنَ أَنْ يُّكَذَّبَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ.

اور حضرت علیؓ نے فرمایا: لوگوں سے وہ باتیں بیان کرو جن کو وہ سمجھیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول جھٹلایا جائے۔

١٢٧ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى عَنْ مَّعْرُوْفِ بْنِ خَرَّبُوْذٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ بِذَلِكَ.

۱۲۷: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہمیں یہ بتلایا۔ انہوں نے معروف بن خربوذ سے، معروف نے ابو طفیل سے، ابو طفیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

١٢٨ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ـــ ثَلَاثًا. قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ

۱۲۸: نیز ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: معاذ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے قتادہ سے روایت کی۔ کہا: حضرت انس بن مالکؓ نے ہم سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے جبکہ حضرت معاذؓ پالان پر آپؐ کے پیچھے سوار تھے، فرمایا: معاذ بن جبل! انہوں نے کہا: یارسول اللہ! حاضر ہوں اور حضور کی خدمت میں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: معاذ! انہوں نے کہا: حاضر ہوں، یارسول اللہ آپ کی خدمت میں ہوں۔ (فرمایا: معاذ! انہوں نے کہا: حاضر ہوں یارسول اللہ آپ کی خدمت میں ہوں) تین بار (آپؐ نے پکارا) فرمایا: جو کوئی بھی اپنے دل کی سچائی سے یہ اقرار کرے گا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے تو اللہ ضرور اس کو آگ پر حرام کر دے گا۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کے متعلق خبر نہ دوں؟ وہ خوش ہو جائیں

إِذًا يَتَّكِلُوْا وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا.

گے۔ آپؐ نے فرمایا: تب تو وہ بھروسہ کرلیں گے۔ حضرت معاذؓ نے مرتے وقت یہ بات بتلائی تاکہ وہ گناہ سے بچ جائیں۔

۱۲۹: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاذٍ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوْا.

۱۲۹: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: معتمر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا۔ ان کے باپ نے کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذؓ سے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس نے اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرایا ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت معاذؓ نے پوچھا: کیا میں لوگوں کو (اس کی) خوشخبری نہ دوں۔ فرمایا: نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بھروسہ کرلیں گے۔

تشریح: **مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ:** اس باب میں علماء کو اُنتیسواں ادب سکھلایا ہے۔ پہلے باب میں تو یہ تھا کہ کسی پسندیدہ بات کو ابتلاء کے ڈر سے نہ کرنا اور یہاں یہ ہے کہ کسی علمی بات کو خاص لوگوں میں محدود کرنا۔ کیونکہ عام لوگ اس کے صحیح مطلب تک نہ پہنچنے کی وجہ سے نقصان اُٹھائیں گے۔ اس حدیث نے اس قسم کی باتوں کی نوعیت واضح کردی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جو قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ کی فکر سے بعض باتیں چھپائی ہیں۔ اس کی بالکل اور صورت تھی (ملاحظہ ہو تشریح روایت نمبر ۱۲۰) اور یہ اور صورت ہے۔ باب میں حضرت علیؓ کا قول جو نقل کیا ہے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم واضح کرنے کے لئے کیا ہے۔ مسلمؒ نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت صحیح سند سے بیان کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں: مَا اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيْثًا لَّا يَبْلُغُهُ عُقُوْلُهُمْ اِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةٌ... (مسلم، المقدمة، حدثني ابو الطاهر) ان ارشاداتِ نبویہ کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق مخاطب کرنا چاہیے۔ حضرت ابوذرؓ سے جو آپؐ نے فرمایا: وہی آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی فرمایا۔ جسے وہ سن کر لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا اور وہ باز نہ آئے۔ جس پر انہوں نے ان کو مارا اور پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپؐ نے حضرت عمرؓ کی تائید فرمائی۔

(مسلم. كتاب الايمان. باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة)

ہم اب بھی دیکھتے ہیں کہ مومن ساز لوگوں نے کس طرح لا الٰہ الا اللہ کے محض زبانی اقرار کو اپنے لئے آڑ بنا رکھا ہے اور شریعت کی تکلیفوں سے بنی نوع انسان کو آزاد کرکے ان کو ایمان کا سرٹیفکیٹ دے دینا چاہتے ہیں اور صِدْقًا مِّنْ

قَلْبِهٖ. یعنی اس کے ضروری لوازمات کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ زبان سے اقرار کرنے والے انہی مومنوں کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایمان اس وقت نہ دلوں میں ہوگا نہ زبان پر، بلکہ ثریا پر ہوگا۔ حدیث نمبر ۱۲۹ لا کر حدیث نمبر ۱۲۸ کی مزید تشریح کر دی۔ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا. یعنی جو شخص موت تک ہر قسم کے شرک سے بچتا رہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (نیز حدیث نمبر ۴۴، ۹۹ کا مضمون بھی اس کے ساتھ دیکھا جائے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ کو دو تین دفعہ مخاطب کر کے خاموش ہو جانا اور پھر بتلانا یہ اسی اصل کے مطابق ہے جس کا ذکر حدیث نمبر ۹۴ کی تشریح میں ہو چکا ہے۔ آپؐ نے جستجو کے متعلق احساس اور خواہش کو اُبھارا ہے تا آپؐ کی بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور اس کا اثر نفس میں قائم رہے۔ (دیکھیں تشریح باب ۳۰)

حضرت معاذؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا پورا ادب کیا اور مرتے وقت بتلایا کہ مبادا ایک نہایت ضروری بات کے نہ بتانے سے ان سے مؤاخذہ ہو۔

لَبَّيْكَ: لَبَّ سے مشتق ہے اور جو موجود ہونے، توجہ کرنے یا محبت واخلاص کے اظہار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ **سَعْدَيْكَ**: سَعْد سے ہے۔ مدد کرنا، حکم بجالانا، دونوں اسی طرح تثنیہ ہیں۔ جس طرح حَنَانَيْكَ یہ تثنیہ تاکید کے لئے ہوتی ہے۔

بَاب ٥٠: اَلْحَيَاءُ فِي الْعِلْمِ

علم میں شرم کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ.

اور مجاہد کہتے تھے: شرم کرنے والا علم نہیں سیکھتا اور نہ ہی متکبر اور حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: اچھی عورتیں تو انصاری عورتیں ہیں۔ انہیں شرم اس بات سے نہیں روکتی کہ وہ دین سیکھیں اور سمجھیں۔

١٣٠: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱۳۰: ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا: ابومعاویہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہشام نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ (عروہ) سے، ان کے باپ نے حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے، انہوں نے (اپنی ماں) حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی

فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا.

تھیں کہ حضرت اُمّ سُلیمؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا: جب پانی دیکھے۔ اس پر حضرت اُمّ سلمہؓ نے ڈھانک لیا۔ یعنی اپنا منہ اور کہا: یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ (تیرا بھلا ہو) کس وجہ سے اس کا بچہ اس سے مشابہ ہوتا ہے۔

۱۳۱: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللهِ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَخْبِرْنَا بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللهِ فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي فَقَالَ لَأَنْ تَكُوْنَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لِي كَذَا وَكَذَا.

۱۳۱: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، ابن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثال ہے۔ مجھے بتلاؤ کہ وہ کیا درخت ہے؟ اس پر لوگ بیابان کے درختوں میں تلاش کرنے لگے۔ اور میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور ہے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے: میں شرمایا۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ ہی ہمیں یہ بتلائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور ہے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے: میں نے اپنے باپ سے بیان کیا جو میرے دل میں آیا تھا تو انہوں نے کہا: تم نے یہ کہہ دیا ہوتا تو یہ بات مجھ کو زیادہ پسندیدہ ہوتی اس سے کہ میرے لئے یہ یہ ہو۔

تشریح: **اَلْحَيَاءُ فِيْ الْعِلْمِ:** حیا جو اس وجہ سے ایمان کا جزء قرار دی گئی تھی کہ وہ انسان کو بدیوں سے روکتی ہے، اس باب میں اس لئے معیوب قرار دی گئی ہے کہ وہ بعض وقت تحصیل علم میں مانع ہوتی ہے۔ خاص کر عورتوں کے لئے کہ وہ شریعت کے ان امور کے معلوم کرنے میں بہت شرماتی ہیں، جن کا تعلق جنس اِناث کے ساتھ خصوصیت سے ہے۔ مدینہ کی عورتیں بوجہ تعلیم یافتہ قوموں سے تعلقات رکھنے کے آزاد طبع واقع ہوئی تھیں۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تعریف کی ہے۔ مسلمؒ نے ان کا یہ قول ابراہیم بن مہاجر سے نقل کیا ہے، جو یوں شروع ہوتا ہے: اِنَّ اَسْمَآءَ بِنْتَ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيَّ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ غُسْلِ الْمَحِيْضِ...

(مسلم، کتاب الحیض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض)

یہاں جس عورت کا ذکر ہے وہ حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ بنت ملحان ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ عَنِ الْحَقِّ: اللہ حق بات کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ یہاں شرمانا مجازاً استعمال کیا ہے۔ مراد رُکنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ایسے سوالوں کے جواب اشارہ و کنایہ سے دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ یہاں بھی اشارہ سے دیا ہے۔ پانی کا لفظ جو آپؐ نے اختیار کیا تو وہ اس لئے کہ بعض وقت احتلام میں کچھ نہیں نکلتا تو ایسی حالت میں نہانا ضروری نہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ جواب کا مفہوم سمجھ کر کچھ شرما گئیں اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ **تَغْنِيْ وَجْهَهَا** یہ حضرت عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے۔ لیکن دوبارہ جو پوچھا تو اس لئے کہ انہیں تعجب ہوا کہ عورتوں کو بھی ایسا احتلام ہوتا ہے جس میں پانی نکلتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کا جواب دیا ہے، وہ مشاہدہ پر مبنی ہے اور جواب میں بوجہ اپنے طبعی حیا و شرم کے ذرہ انقباض کا اظہار کیا۔

تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ: یہ الفاظ اپنے ظاہری معنوں میں نہیں بلکہ ان سے مراد اس اضطراب کا اظہار ہے جو بعض وقت انسان ایسے موقع پر محسوس کرتا ہے اور یہ ہلکی سی توبیخ کا بھی رنگ رکھتے ہیں۔ دعا یا بددعا کے معنوں میں یہ فقرہ استعمال نہیں ہوتا۔ البتہ تحریص و ترغیب کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ (اقرب الموارد زیر لفظ ترب)

امام بخاریؒ نے باب مذکور کے لئے ایسی حدیث انتخاب کی ہے جو نہایت خوبی سے بتلاتی ہے کہ کہاں تک حیاء کرنا جائز ہے۔ حیا کی حد کے اندر رہتے ہوئے بھی انسان اپنے مافی الضمیر کو ایسے پیرایہ میں ادا کرسکتا ہے جو مانع حیا نہیں۔ یہاں ہمیں **اُنتالیسواں ادب** سکھلایا گیا ہے۔ حدیث نمبر ۱۳۱ لاکر یہ بتلایا ہے کہ بعض وقت انسان سچی بات کے اظہار سے بھی شرماتا ہے، جس کا تعلق درحقیقت کسی ایسے سبب سے نہیں ہوتا جو شرم کا تقاضا کرے۔ یہ حدیث پہلے بھی آچکی ہے مگر یہاں بوجہ باب کی مناسبت کے تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کی اس شرم کو ناپسند کیا۔

بَاب ۵۱ :مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ

جو شخص خود شرم کرے اور دوسرے سے پوچھنے کے لئے کہے

۱۳۲ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَّسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ.

۱۳۲: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: عبداللہ بن داوُد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے منذر ثوری سے، انہوں نے محمد بن حنفیہ سے، محمد نے حضرت علیؓ (بن ابی طالب) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں ایسا آدمی تھا جس کی مذی بہت نکلتی تھی۔ میں نے مقدادؓ سے کہا کہ وہ نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھیں۔ تو انہوں نے آپؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس میں وضو ہی کرنا ہوگا۔

تشریح: **مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ:** اس باب میں چالیسواں ادب سکھلایا ہے کہ اگر کوئی شخص بوجہ غلبہ شرم وحیاء خود نہیں پوچھ سکتا تو وہ کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے دریافت کرلے۔ عورتیں اپنے خاوندوں کے ذریعہ سے دریافت کرسکتی ہیں۔

مَذَّاءٌ: وہ جس کی مذی کثرت سے نکلتی ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مذی ایک رطوبت ہے جو منی کی نسبت رقیق ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ آپؐ کے داماد تھے، غالباً وہ اس وجہ سے شرماتے تھے۔ غرض صحابہ کرام عورتیں اور مرد مسائل دینیات دریافت کرنے اور سمجھنے میں نہیں ہچکچاتے تھے اور اس لئے ان کی معلومات میں وضاحت اور تعیین ہوتی۔

بَاب ۵۲ : ذِكْرُ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں علم اور فتویٰ پوچھنے پوچھانے کے متعلق ذکر

۱۳۳ : حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ

۱۳۳: مجھ سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا: لیث بن سعد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کے (آزاد کردہ) غلام نافع نے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ

رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَيَزْعُمُوْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَّلَمْلَمَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ لَمْ أَفْقَهْ هَذِهِ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ

سے روایت کی کہ مسجد میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس مقام سے آپؐ ہمیں احرام باندھنے کے لئے فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: مدینہ والے ذی الحُلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جُحْفَہ سے احرام باندھیں اور نجد والے قرن سے احرام باندھیں اور حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھا کریں اور حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات میں نہیں سمجھا۔

تشریح: **ذِكْرُ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ:** امام بخاریؒ کے نزدیک علمی مذاکرہ و درس و تدریس کے لئے سب سے بہتر جگہ مسجدیں ہیں اور جو لوگ مسجدوں کو محض عبادت کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں، وہ ان کے خلاف ہیں۔ علم ہی سے درحقیقت مسجدوں کی روحانی آبادی قائم رہتی ہے۔ اس لئے سلف صالح نے مسجدیں بطور درس گاہوں کے استعمال کیں۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے بیت المقدس کو فتح کر کے مسجدوں میں درس گاہیں کھولیں اور لاکھوں کی جائیدادیں وقف کیں۔ انہی میں سے حرم بیت المقدس کے پاس ان کا ایک قائم کردہ دارالحدیث بھی ہے جو مسجد ہی تھی۔ فرانسیسیوں نے بعد میں اس کو گرجا بنالیا اور اس کے اردگرد انہوں نے ایک عالی شان تبلیغی کالج بنایا ہے۔ ترکوں نے اپنی حکومت کے آخری دنوں میں اس پر قبضہ کر کے صلاح الدین ایوبیہ کالج کی بنیاد ڈالی۔ جس کی غرض بھی تبلیغ اور دیندار کارکن پیدا کرنا تھی۔ گرجے کی موجودہ قبلی دیوار صلاح الدین ایوبی کے زمانہ سے ہے اور اس پر پرانا کتبہ اب تک موجود ہے۔ (پہلی) عالمگیر جنگ کے بعد اب پھر فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں نے بھی مسجدوں میں درسگاہیں قائم کر کے ان سے بہت بڑا تبلیغی کام لیا ہے۔ مگر آج وہ مسجدیں بالکل غیر آباد ہیں۔ نہ وہ علم ہے نہ اسلامی روح۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں تبلیغ اسلام کے لئے مسجدیں ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ بشرطیکہ وہ انہیں صحیح طور پر استعمال کریں۔ روایت نمبر ۱۳۳ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ پوری دیانتداری سے روایت نقل کرتے تھے۔

امام بخاریؒ حدیث مذکورہ بالا کو کتاب الحج (کتاب المناسک) میں بھی لائے ہیں۔ مقاماتِ احرام کی تشریح کے لیے کتاب المناسک (کتاب الحج) باب ۵، ۷ تا ۱۳ دیکھئے۔ دوسری روایت میں **لَمْ اَفْقَهْ** کی بجائے **لَمْ اَسْمَعْ** ہے یعنی انہوں نے یہ الفاظ نہیں سنے۔ اس لئے کہا: **يَزْعُمُوْنَ** لوگ کہتے ہیں۔

بَاب ۵۳ : مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ

جو شخص پوچھنے والے کو جتنا اس نے پوچھا ہے اس سے زیادہ جواب دے

۱۳۴ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ فَإِنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُوْنَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.

۱۳۴: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: ابوذئب کے بیٹے نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے، حضرت ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی - نیز زُہری سے بھی منقول ہے۔ انہوں نے سالم سے، سالم نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت کی کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احرام والا کیا پہنے؟ فرمایا: نہ قمیص پہنے اور نہ پگڑی اور نہ پاجامہ اور نہ باراتیا (یعنی لمبی ٹوپی) اور نہ وہ کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگی ہو اور اگر وہ جوتا نہ پائے تو موزے پہن لے اور چاہیے کہ وہ ان کو اس قدر کاٹ دے کہ وہ ٹخنوں کے نیچے تک ہو جائیں۔

تشریح: **مَنْ اَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ گیا تھا کہ احرام والا کیا پہنے اور جواب آپؐ نے یہ دیا کہ یہ بھی نہ پہنے اور یہ بھی نہ پہنے۔ یہ اس لئے کہ پہننے کی چیزیں تو بہت سی ہیں اگر وہ گنی جاتیں تو ایک لمبی فہرست ہو جاتی اور پھر وہ فہرست خواہ مخواہ تخصیص کے معنی میں لے لی جاتی۔ اس لئے آپؐ نے چند اُن چیزوں کا نام لیا جن کا پہننا اور استعمال کرنا محرم کے لئے جائز نہیں تھا (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۰۴) آپؐ نے جواب بھی مختصر دیا اور جواب بھی ایسا جو اپنے اندر پوری تفصیل رکھتا ہے اور سوال کرنے والے کے لئے جواز کا میدان کھلا چھوڑ دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا عنوان قائم کرتے ہوئے بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ کیوں کہا؟ بظاہر آپؐ کا جواب اس کے سوال سے زیادہ نہیں۔ اس نے یہی پوچھا تھا کہ کیا پہنے۔ آپؐ نے فرمایا: ان چیزوں کے سوا جو چاہو پہنو۔ دراصل امام موصوفؒ نے سوال و جواب کے ان الفاظ کو مدنظر رکھ کر عنوان باندھا ہے۔

مَا يَلْبَسُ : سوال نہایت مختصر ہے اور اس کا جواب لمبا ہے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض وقت سوال کرنے والے کا سوال تو چھوٹا ہوتا ہے مگر اس کی تشفی نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کو جامع مانع جواب نہ دیا جائے۔ تعلیم کے ضمن میں یہ **اکتالیسواں ادب** ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت میں وہ تمام امور ملحوظ رکھے جو ایک دانشمند اور حاذق استاد و مربی کے شایاں ہیں۔

امام ابن رشد نے امام بخاریؒ کے اس خاتمہ کے متعلق ایک لطیف بات کہی ہے جو امام موصوفؒ کے طریقہ استدلال و بیان کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب العلم کو اس حدیث پر جو ختم کیا ہے تو یہ واضح کرنے کے لئے کہ علم کے متعلق آداب بیان کرنے میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی ہے۔ بعض ضروری باتیں بیان کردی ہیں اور بعض پڑھنے والوں پر چھوڑ دی ہیں۔ اسی نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے باب نمبر ۴۸ میں بھی اشارہ کیا ہے: مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الِاخْتِيَارِ مَخَافَةَ اَنْ يَّقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۰۵)

منکرین احادیث جو یہ کہتے ہیں کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں، ان کے لئے ان آداب میں ایک بہت بڑا سبق ہے۔ وہ آج پڑھ پڑھا کر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اجی یہ ایسی باتیں ہیں کہ عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہیں۔ مگر ان احادیث کی عدم موجودگی میں یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمارا رسول (فَدَتْهُ اَنْفُسُنَا) اپنے اندر ایک کامل اسوہ رکھتا ہے۔

کتاب العلم کے مطالعہ سے یہ بات ازخود ہویدا ہوجاتی ہے کہ صحابہ کرام کی علمی تربیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ تبلیغ کے کما حقہ اہل تھے اور یہ کہ ان کی روایتوں پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ مقدمہ کتاب میں ان تمام امور کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے جو اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الْوُضُوْء

ہمارے سید وآقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز اصلاح کی اہمیت وعظمت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے جس قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، وہ تمدن کے نہایت ہی ادنیٰ حالات میں چکر لگا رہی تھی۔ قرآن مجید نے ان کی حالت کا نقشہ ان مختصر الفاظ میں کھینچا ہے: اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلاً. (الفرقان: ۴۵) وہ تو بالکل چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ باعتبار راستہ کے وہ تو حیوانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ یعنی حیوان تو اس راستہ پر چل رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کیا ہے، مگر یہ لوگ نہیں۔ یہ تو اپنے طبعی راستے سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے ان کی اصلاح بالکل ابتدائی حالتوں سے شروع کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک نمونہ سے ان کو کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، نہانے اور صاف ستھرا رہنے کے متعلق آداب سکھلائے اور اس طرح ان کو پہلے طبعی حالتوں کی کج روی سے نکالا اور پھر با اخلاق و باخدا انسان بنا کر دنیا و آخرت کی ہر نعمت کا انہیں وارث بنا دیا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت گری ہوئی قوم میں مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپؐ کو کامل اصلاح کا موقع ملا اور آپؐ بنی نوع انسان کے ایک حصہ کی طبعی، اَخلاقی اور روحانی حالتوں کی کامل اصلاح کر کے کامل مصلح کا لقب پانے کے مستحق ٹھہرے اور جو کتاب آپؐ کو دی گئی ہے وہ بھی اس وجہ سے دنیا کی تمام ہدایتوں کے مقابلہ میں ان الفاظ کے ساتھ اکمل واتم ہونے کا دعویٰ کرتی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ: ۴) یعنی میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت بھی تمہیں پوری کی پوری دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔ چونکہ قرآن شریف کا مقصد یہ ہے کہ حیوان سے انسان، انسان سے بااَخلاق انسان اور بااَخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔ اس لئے اس کی تعلیم ان تین قسم کی اصلاحوں پر مشتمل ہے۔ قرآن شریف روحانی ترقی میں سب سے پہلے طبعی اور اَخلاقی حالتوں کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر روحانی اصلاح ناممکن ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۲ تا ۸۲- روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۶ تا ۳۹۶)

مصلح کامل کی اصلاح کا ایک پاک نمونہ کتاب الوضوء کے مطالعہ سے بھی نظر آئے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ نے کس طرح ایک مشفق باپ کی مانند انسان کو طہارت اور پاکیزگی کے آداب سکھلائے ہیں۔ بلکہ والدین اکثر اپنے بچوں کی تربیت کا اتنا خیال نہیں رکھتے جتنا کہ آپؐ نے رکھا۔ آپؐ نے ظاہری پاکیزگی پر اتنا زور دیا ہے کہ کسی دینی معلم ومقتدا نے اتنا زور نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری پاکیزگی بھی باطنی پاکیزگی پر اثر ڈالتی ہے۔ جیسا کہ کتاب

''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے ابتدائی صفحوں (۵ تا ۷) میں اس بات کو بدلائل واضح کیا گیا ہے کہ جسم کے ظاہری حالات کا روحانی حالات کے ساتھ شدید تعلق ہے۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید نے نماز کو جو کہ دراصل روحانی عبادت ہے، شروع کرنے سے پہلے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے اور اس حکم کے ساتھ وضوء کی یہ غرض و غایت کھلے الفاظ میں بیان بھی کر دی ہے۔ چنانچہ جس آیت کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شروع باب میں اشارہ کیا ہے، اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (المائدہ:۷) یعنی اللہ تعالیٰ اس حکم سے تمہیں کسی تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے۔ تا کہ تم یہ دیکھ کر کہ تم کس گندی حالت میں تھے اور پھر کہاں پہنچ گئے ہو شکر گزار بنو۔

قرآن مجید نے جہاں بھی نعمت کے کمال کا ذکر کیا ہے وہاں دنیوی و روحانی دونوں ترقیاں مراد لی ہیں۔ اس آیت نے وضو کی اصل غرض و غایت واضح کر دی ہے اور وضوء کے لغوی معنی بھی یہی ہیں: پاک اور صاف ستھرا رہنا اور خوبصورت ہونا۔ (لسان العرب تحت لفظ وضؤ)

بَاب ۱ : مَاجَاءَ فِي الْوُضُوْءِ

وضو کے متعلق

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ. (المائدة:۷) قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً وَتَوَضَّأَ أَيْضًا مَّرَّتَيْنِ {مَرَّتَيْنِ☆} وَثَلَاثًا وَ لَمْ يَزِدْ عَلَى ثَلَاثٍ وَّكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْإِسْرَافَ فِيْهِ وَأَنْ يُجَاوِزُوْا فِعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق (جو حدیثیں آئی ہیں): اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ .... (یعنی) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دیا ہے کہ ایک ایک بار ہی دھونا فرض ہے اور آپؐ نے دو (دو) دفعہ بھی دھویا اور تین (تین) دفعہ بھی اور تین بار سے زیادہ نہیں دھویا۔ اور اہل علم نے وضو میں بھی اسراف کو ناپسند کیا ہے اور اس امر کو بھی کہ لوگ نبی ﷺ کے فعل سے تجاوز کریں۔

☆ نسخہ بولاق میں اس جگہ الفاظ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ درج ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۰۶) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً:** عنوانِ باب میں آیت مذکورہ بالا کے ماتحت امام بخاریؒ نے یہ حوالہ جو نقل کیا ہے: أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً اس سے ان کا مقصد کم از کم مقدار بتلانا ہے، جس پر وضو کا لفظ اطلاق پا سکتا ہے۔ یعنی ایک بار دھونے سے وضوء کا فرض ادا ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار بھی دھویا۔ اسلام نے جیسا کہ ہر بات میں اسراف سے روکا، وضوء میں بھی اس سے روکا ہے۔

كَرِهَ اَهْلُ الْعِلْمِ الْاِسْرَافَ: یہ اشارہ ہے اُن احادیث کی طرف جن میں اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ خواہ انسان ایک ندی کے کنارے بیٹھا ہوا وضوء کیوں نہ کر رہا ہو۔ نیز اس سے امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ علماء کے اختلاف کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص تین بار سے زیادہ دھوئے تو یہ فعل مکروہ ہوگا، حرام نہیں ہوگا کہ وضوء اس سے باطل ہو جائے؛ جیسا کہ بعض فقہاء کا خیال ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۰۸)

بَاب ۲ : لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ

کوئی نماز بغیر طہور کے قبول نہیں کی جاتی

۱۳۵ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَ مَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ.

۱۳۵: ہم سے اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے بیان کیا کہا: عبدالرزاق نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: معمر نے ہمام بن منبہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بے وضوء ہو جائے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی؛ جب تک کہ وہ وضوء نہ کرے۔ ایک شخص نے جو حضر موت کا رہنے والا تھا، پوچھا: ابوہریرہؓ! یہ بے وضوء ہونا کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: پھسکی یا پاد۔

تشریح: **لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ:** یہ الفاظ ایک حدیث نبوی کے ہیں جو مسلمؒ اور ابوداؤدؒ وغیرہ نے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کی ہے۔ (دیکھئے مسلم. کتاب الطهارة. باب وجوب الطهارة للصلوٰة. نیز ابوداؤد. کتاب الطهارة. باب فرض الوضوء) طہور کے معنی پاکیزگی۔ یہ لفظ وضوء اور غسل وغیرہ- پاکیزگی کے تمام طریقوں پر حاوی ہے۔ اسلامی نماز درحقیقت پاکیزگی کا کامل مفہوم اپنے اندر رکھتی ہے۔ جسم کی پاکیزگی بھی ایک ایسی ضروری شرط ہے جس کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: جو شخص

پانچ دفعہ روزانہ ندی میں نہاتا ہو، کیا اس کے بدن پر میل رہے گی؟ صحابہؓ نے جواب دیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: نمازی کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ (بخاری. کتاب مواقیت الصلوٰة. باب الصلوات الخمس کفارة. روایت نمبر ۵۲۸)

لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ أَحْدَثَ: أَحْدَثَ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ایک نئی حالت میں ہو جانا اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں قضائے حاجت یا ہوا خارج ہو جانے سے وضوء کا ٹوٹ جانا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب میں "فُسَآءٌ اَوْ ضُرَاطٌ" جو کہا تو چھوٹی چیز کا نام لے کر بڑی چیز کو سننے والے کے قیاس پر چھوڑ دیا۔ اس طریقہ تعبیر کو عربی میں اکتفاء کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پہلے باب میں جو آیت لائے ہیں۔ اس میں یہ حکم ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ .... یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنا چہرہ وغیرہ دھولیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ حکم نہیں دیا کہ جب حَدَث کی حالت ہو تو وضو کرلیا کرو۔ بلکہ جو حکم دیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وضو نماز کے لئے بذاتہ ایک ضروری شرط ہے اور حَدَث چونکہ طہارت کی حالت میں ایک عارضی بات ہے۔ اس لئے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا کے حکم کے بعد اس کا ضمناً ذکر کیا اور فرمایا ہے: اَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (المائدہ:۷) یعنی دونوں راستوں سے غلاظت وغیرہ نکلنے پر اگر پانی ملے تو وضوء کرلو ورنہ تیمّم۔ اس طریقہ تعبیر کو اختیار کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ بے وضوء ہونے کی یہ ظاہری شرط طہارت کے لئے وہی نسبت رکھتی ہے جو نسبت کہ تیمّم وضوء کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے وضو کے ساتھ رکھتا ہے۔ اس تعلق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر دوسرے باب کا یہ عنوان باندھا ہے: لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ۔ یعنی نماز کی قبولیت کے لئے طہارت کی حالت اصل شرط ہے اور اس ضمن میں مذکورہ بالا حدیث لا کر بتلایا ہے کہ حَدَث اس طہور میں ایک عارضی حالت ہے جو طہارت کے منافی ہے اور اس کے پیدا ہونے سے طہارت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تاوقتیکہ پانی وغیرہ سے اس کا ازالہ نہ کیا جائے۔

حَدَث کے لغوی معنی خود اس حالت کے عارضی ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور شریعت اسلامیہ نے خفیف سے خفیف غلاظت کے جسم سے خارج ہونے کو بھی جو بصورتِ ہوا ہوتی ہے، طہارت میں فرق آنے پر ایک ظاہری علامت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس غلاظت کے اندر رہنے سے جسم کی صحت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ صحت قائم نہیں رہ سکتی جب تک یہ غلاظتیں باہر نہ آ جائیں۔ روحانی صحت بھی اس سے قائم رہتی ہے کہ نفس کی غلاظتیں باہر نکال دی جائیں اور اس غرض کے لئے نماز کو اسی طرح ایک ذریعہ بنایا گیا ہے، جس طرح وضوء کو جسمانی پاکیزگی کے لئے۔ اسی حکمت کی طرف توجہ دلانے کے لئے حَدَث کی حالت پیدا ہونے پر طہارت اور وضوء لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ .... (المائدة:۷) کے ارشاد سے دراصل یہی نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ پاک وصاف کرنا چاہتا ہے، اسی طرح جس طرح ظاہری گندگی پانی سے پاک وصاف کر دی جاتی ہے۔ ان غلاظتوں کے نکلنے پر نہ صرف قیامِ صحت کا دارومدار ہے بلکہ سلسلہ حیات اور اس کے نشوونما کے ساتھ ان کا گہرا تعلق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ

نے جب حَدَث کی حالتیں بیان کی ہیں تو جنبی ہونے کی حالت کا سب سے پہلے ذکر کر کے یہ حکم دیا ہے: وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدة:۷) جنبی ہونے کی حالت میں نہاؤ اور نہا کر اچھی طرح پاک وصاف ہو جاؤ۔ جنبی ہونے کی حالت میں طہارت پر اس لئے زور دیا ہے کہ یہ حَدَث کی وہ حالت ہے جس میں انسان کو اپنی شہوت میں بکلی انہماک اور کامل محویت حاصل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کا سارا وجود متأثر ہوتا ہے۔ شہوت جنسین کا مظاہرہ جس قدر زیادہ جوش وخروش اپنے اندر رکھتا ہے اور جس قدر زیادہ وہ انسان کو اپنے حدود سے نکالنے کے لئے خودسر ہو جاتا ہے۔ اسی قدر زیادہ معنوی طہارت و پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

اعتراض کرنے والے یہ اعتراض تو کر دیتے ہیں کہ ہوا خارج ہونے سے ظاہری پاکیزگی میں کیا فرق آجاتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ انسان نہا دھو کر باوضو بیٹھا ہو؟ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ شریعت اسلامیہ نے حَدَث کے ساتھ وضوء اور طہارت کو کیوں ضروری قرار دیا ہے۔ اصل غرض وغایت سمجھنے سے ان کا اعتراض خود بخود درفع ہو جاتا ہے۔ شریعت کے اس حکم میں یہ غرض پنہاں ہے کہ خفیف سے خفیف باطنی آلائش اور گندبھی روحانی صحت اور پاکیزگی کو مکدر کرنے کے لیے مہلک زہر ہے۔ مسلمان یہ امر ہمیشہ خیال میں رکھے اور اپنی نماز کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کے گند سے نجات پا کر کامل پاکیزگی حاصل کرے، اس غرض کی عظمت واہمیت قائم رکھنے کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے تھوڑے اور بہت کی کوئی شرط نہیں لگائی اور اس امر میں کسی قسم کا بھی استثناء جائز نہیں رکھا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی نہا دھو کر آئے تو ہوا خارج ہونے سے نماز کے لیے اس کو وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی استثنائی صورت رکھی جاتی تو نہ صرف اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا، بلکہ مسجدوں کے اجتماعات کی فضا اسی طرح بگڑ جاتی جس طرح گرجوں اور دیگر معابد میں لوگوں کے اژدھام سے عام طور پر بگڑ جاتی ہے۔ اور اس کی یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے لباس پہن کر آتے ہیں، مگر چونکہ اُن کی شریعت میں حَدَث کے متعلق اس قسم کی کوئی پابندی نہیں اور ہر شخص کا یہی خیال ہوتا ہے کہ صرف وہی اکیلا ہوا خارج کر رہا ہے۔ اس لیے ایک آدھ گھنٹے میں ساری فضا بدبودار ہو جاتی ہے۔ بیت المقدس اور دمشق میں عیسائی اپنے تہواروں پر مجھے بھی مدعو کیا کرتے تھے اور فضا کی یہ بگڑی ہوئی حالت ایسے کھلے طور پر محسوس ہوتی کہ اَور تو اور؛ میرے بعض عیسائی دوست بھی گھبرا اُٹھتے اور جلدی ہی باہر کی کھلی ہوا کے لیے مجبور ہو جاتے۔ مگر اسلام نے اس معاملہ کے متعلق افراد واجتماع میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ کیونکہ افراد کی پاکیزگی یا گندگی، اجتماع کی پاکیزگی یا گندگی سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ اس لیے طہارت کا معنی ذہن میں ہمیشہ کے لیے قائم رکھنے کے لیے یہ خاص تدبیر اختیار کی اور اس کے لیے کوئی استثناء نہیں رکھی۔ بلکہ طہارت کے اِن معنوں پر اتنا زور دیا ہے کہ بیماری کی حالت میں یا پانی نہ ملنے پر تیمّم کرنے کا حکم دے کر مسلمان کے ذہن کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس معنی سے خالی نہیں رہنے دیا کہ روحانی طہارت وصحت کی بقا گندگی کے دور ہو جانے پر ہے۔

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا: یعنی پاکیزہ مٹی کا قصد کرو۔ تیمّم کے معنی کسی جہت کا قصد کرنا۔ پاکیزگی کو اپنا اصل مقصود اور نصب العین بنانے کی وجہ سے ہی تیمّم کو تیمّم کہتے ہیں۔ شریعت نے پانی کا قائم مقام جو تلاش کیا تو محض اس لیے کیا

ہے کہ تا مسلمان کی نظر سے نماز کا اصل مقصد اوجھل نہ ہو جائے۔ تیمّم کے لیے پاکیزہ مٹی بھی اس لیے تجویز کی گئی ہے کہ وہ ہر جگہ پائی جاتی ہے اور وہ پانی کے ساتھ مل کر زندگی کی نشوونما کا سبب ہوتی ہے۔ اسلامی وضو کے جتنے ارکان ہیں، وہ اپنے اندر ایک معنوی اشتراک بھی رکھتے ہیں۔ حَـدَث کی حالتیں جسم سے گندگی کے دور ہونے پر نیز وضو اور تیمّم کے عناصر؛ پاکیزگی اور زندگی کے حصول اور اس کے نشوونما پر دلالت کرتے ہیں۔ نفس کی پاکیزگی پر روحانی نشوونما کا دارومدار ہے۔ نماز اس کی تکمیل کی متکفل اور وضو اس کے لیے بطور ایک تمہیدی نشان کے ہے۔ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا میں اسی غرض و غایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صَعِيْدًا کا مصدر صَعُوْد ہے جو ارتقاء پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ طَيِّبًا کا لفظ پاکیزگی اور صلاحیت پر۔

بَاب ۳: فَضْلُ الْوُضُوْءِ

وضو کی فضیلت

وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ

اور وہ لوگ جن کی پیشانیاں وضو کے آثار سے چمکتی ہوں گی اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔

۱۳۶: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.

۱۳۶: ہم سے یحيٰ بن بُکَیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے خالد سے، خالد نے سعید بن ابی ہلال سے، سعید نے نُعَیم مُجمِر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا اور انہوں نے وضو کیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری اُمت کی پیشانیاں وضو کے آثار سے چمکتی ہوں گی اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے جبکہ لوگ قیامت کے دن بلائے جائیں گے۔ پس تم میں سے جو بھی اپنی روشنی بڑھا سکے تو چاہیے کہ وہ بڑھائے۔

تشریح: اَلْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ: الغُرَّةُ گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی اور تَحجِيل اس کے (ہاتھ) پاؤں کی سفیدی۔ یہ اصیل گھوڑے کی علامت ہوتی ہے۔ سفید پیشانی والے گھوڑے کو أَغَرّ کہتے ہیں اور غُرٌّ جمع ہے۔ اور سفید پنڈلیوں والے گھوڑے کو مُحَجَّل کہتے ہیں۔ مُحَجَّلُوْنَ جمع ہے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز وضو کی

وجہ سے ان میں ایک نور پیدا ہوگا اور وہ تمام قوموں میں ممتاز ہوں گے۔ باب کے عنوان کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ وضو کی فضیلت ان پاکیزہ اثرات کی وجہ سے ہے جو وہ نماز کے ساتھ مل کر نفس میں پیدا کرتا ہے اور یہ اثرات جو اس دنیا میں ایک مخفی صورت رکھتے ہیں، قیامت کے دن ظاہراً نورانی تجلیات میں نمایاں ہو جائیں گے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اسلامی اصول کی فلاسفی۔ دوسرا سوال موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ صفحہ ۸۲ تا ۱۰۱- روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۶ تا ۴۱۴)

فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت جو یہاں بیان کی گئی ہے ان کے علاوہ دس اور صحابہؓ نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ مگر ان کی روایتوں میں **فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ** کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس سے امام ابن حجرؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ استنباط خود حضرت ابو ہریرہؓ کا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے نُعَیم مُجمر سے جو روایت فُلَیح کی سند سے نقل کی ہے اس میں یوں ہے: نُعَیم کہتے تھے میں نہیں جانتا کہ یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ کے ہیں یا نبی ﷺ کے۔ (مسند احمد بن حنبل جزء ثانی صفحہ ۳۳۴) (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۱۱)

مسلم وغیرہ کی روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اور پاؤں کو گھٹنوں تک دھو رہے تھے تو نُعَیم نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ جواب میں حضرت ابو ہریرہؓ نے مندرجہ بالا حدیث ان سے بیان کی۔ (مسلم. كتاب الطهارة. باب استحباب إطالة الغرّة)

اگرچہ امام ابن حجرؒ کا استدلال اپنے ساتھ قوی قرائن رکھتا ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ کے ہیں۔ لیکن اس امر کی بھی گنجائش موجود ہے کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سمجھے جائیں۔ کیونکہ صحابہؓ سے یہ امر بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے خیال کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی سنت کے خلاف عمل درآمد کریں۔ جیسا کہ امام ابن حجرؒ کے استدلال کی بناء پر ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایسا کیا۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے مگر مفہوم سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی۔

فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ یعنی تم میں سے جو شخص اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے۔ یہاں روشنی بڑھانے سے مراد ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید ہے۔ اکثر صحابہؓ اس کا یہی مطلب سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ سمجھا ہے کہ ہاتھ پاؤں کی روشنی بڑھانے سے یہ مراد ہے کہ ہاتھ پاؤں بڑھا بڑھا کر دھوئے جائیں۔ مگر یہ مفہوم نہ صرف صحابہؓ ہی کے سمجھنے اور ان کے عمل درآمد کے برخلاف ہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عام عمل کے بھی برخلاف ہے۔ آپؐ کا باوجود باوضو ہونے کے وضو کر لینا یا اوقات نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں وضو کر لینا اور ہاتھ پاؤں کو حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح نہ دھونا زبردست دلیل ہے، اس امر کی کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث مذکورہ کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ نیز یہ استدلال قرآن مجید کے بھی خلاف ہے کیونکہ کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر مقام وضو ہی نہیں اور ان کی غلطی دونوں صورتوں میں تسلیم کرنی پڑے گی۔ اس صورت میں بھی کہ الفاظ مذکورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھے جائیں اور اس صورت میں بھی کہ جس کی طرف امام ابن حجرؒ گئے ہیں، یعنی الفاظ **فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں بلکہ خود حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا استنباط ہے جو انہوں نے **غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ** سے کیا ہے۔

بَاب ٤ : لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ

شک کی وجہ سے وضو نہ کیا جائے جب تک کہ یقین نہ ہو جائے

١٣٧ : حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَنْفَتِلْ أَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا.

۱۳۷: ہم سے علی نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: زُہری نے ہمیں بتلایا۔ زُہری نے سعید بن مسیّب سے اور عباد بن تمیم سے، عباد نے اپنے چچا سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس آدمی کی شکایت کی جسے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ وہ نماز میں کچھ محسوس کرتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ نہ پھرے یا (فرمایا:) نہ مڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔

تشریح: لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ: وضو کے متعلق سب سے پہلی ہدایت ان وہمیوں کے متعلق نقل کی ہے جو وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے شک میں پڑ کر نماز ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ ہدایت ایسے لوگوں کے لئے ہے جن کی حس بوجہ بواسیر بادی وغیرہ بیماریوں کے تیز ہو جاتی ہے اور انہیں ہر وقت محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہو رہی ہے۔

بَاب ٥ : اَلتَّخْفِيْفُ فِي الْوُضُوْءِ

ہلکا وضو کرنا

١٣٨ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتَّى نَفَخَ ثُمَّ صَلَّى وَرُبَّمَا قَالَ اضْطَجَعَ حَتَّى نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ

۱۳۸: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے عمرو سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: کُریب نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ سو گئے یہاں تک کہ آپؐ گہری سانس لینے لگے۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی۔ اور کبھی سفیان نے یہ کہا کہ آپؐ لیٹ گئے یہاں تک کہ آپؐ گہری سانس لینے لگے۔ پھر آپؐ اُٹھے

مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَقَامَ☆ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءًا خَفِيْفًا يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ وَقَامَ يُصَلِّي فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِّمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ عَنْ شِمَالِهِ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَّمِيْنِهِ ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِيْ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو إِنَّ نَاسًا يَّقُوْلُوْنَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَّقُوْلُ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ (الصافات:۱۰۳).

اور نماز پڑھی۔ نیز سفیان نے یہی حدیث ہمیں کئی بار عمرو سے روایت کرتے ہوئے بتلائی۔ عمرو نے کُرَیب سے، کُرَیب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہا۔ نبی ﷺ رات کو سو گئے۔☆ جب کچھ رات گزار لی تو نبی ﷺ اُٹھے اور ایک مشکیزہ سے جو کہ لٹکا ہوا تھا، (پانی لے کر) ہلکا سا وضو کیا۔ عمرو اس وضو کو ہلکا اور مختصر بتلاتے تھے۔ آپؐ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے بھی اسی طرح وضو کیا جیسا کہ آپؐ نے وضو کیا تھا اور پھر آ کر آپؐ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا—اور سفیان نے کبھی یوں کہا کہ آپؐ کے شمال کی طرف—تو آپؐ نے مجھے ہٹا کر اپنی دائیں طرف کر دیا۔ پھر آپؐ نے جتنی اللہ نے چاہی نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ لیٹ گئے اور سو گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ گہری سانس لینے لگے۔ پھر مؤذّن آپؐ کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کو نماز کی اطلاع دی تو آپؐ اُٹھ کر اس کے ساتھ نماز کے لئے گئے اور نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ ہم نے عمرو سے کہا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ تو سوتی تھی اور آپؐ کا دل نہیں سویا کرتا تھا۔ عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عُمیر کو کہتے سنا کہ انبیاء کی خواب وحی ہوتی ہے اور اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی: (اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ) یعنی.... یقیناً میں سوتے میں دیکھا کرتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

☆ ابن السکن کی روایت میں یہاں فَقَامَ کی بجائے فَنَامَ کا لفظ ہے۔ (فتح الباری جزءاول صفحہ ۳۱۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے

تشریح: **اَلتَّخْفِيفُ فِي الْوُضُوْءِ:** بعض لوگ جو وضو کرنے بیٹھتے ہیں تو وسوسہ کی وجہ سے اعضاء کو بار بار دھوتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام تو نماز سے فارغ ہو جاتا ہے مگر ان کا وضو ختم نہیں ہوتا۔ یہ دوسری ہدایت ہے وہمیوں کے لئے اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پیش کی گئی ہے۔

وُضُوْءًا خَفِيْفًا سے یہ مراد نہیں کہ ادھورا وضوء کرتے۔ بلکہ جلدی سے فارغ ہونا مراد ہے۔ **يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَّيُقَلِّلُهُ.** یعنی عمرو بن دینار بیان کرتے تھے کہ آپؐ نے اعضاء کو آہستہ آہستہ دھویا۔ زور سے نہیں ملا اور تین تین بار نہیں دھویا۔ بلکہ ایک ہی بار پر کفایت کی۔ خاص حالت میں آپؐ نے ایسا کیا ہے اور ضرورت کے وقت مثلاً جب پانی کم ہو یا بدن پہلے ہی سے اچھی طرح صاف ہو یا وقت تنگ ہو تو ایک بار دھونے پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ: نَفَخَ کا ترجمہ خراٹے لینے لگے، صحیح نہیں۔ بلکہ ہلکی سی نیند یا اونگھ میں بعض وقت جو سانس گہری ہو جاتی ہے اس کو نَفَخ کہتے ہیں۔ جس میں ایک خفیف سی ربودگی طاری ہوتی ہے اور منہ سے پھونک نکل جاتی ہے۔ جس سے انسان بسا اوقات چونک پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں بعض وقت ہوش بھی قائم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انبیاءؑ کی حالت ذکر الٰہی میں دائمی استغراق کی وجہ سے بالکل نرالی ہوتی ہے۔ نیند کی حالت میں بھی وہ غافل نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے سفیان بن عُیَیْنہ نے عَمرو بن دینار سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی آنکھ تو سوتی تھی مگر دل نہیں سوتا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں انکار نہیں کیا، بلکہ تائید کی اور بتلایا کہ اسی قلبی کیفیت کی وجہ سے انبیاء کی رؤیا بھی وحی کی ایک تجلی ہوتی ہے جس سے وہ ایک لحہ کے لئے بھی خالی نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے خواب کو قطعی حکم سمجھا۔ یہ بات دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کو اس خاص حالت پر اپنی حالت کا قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس حدیث سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نیند فی ذاتہ ناقض وضو نہیں بلکہ درحقیقت وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہ غفلت ہے جس کی وجہ سے سونے والا نہیں جانتا کہ حَدَث کی حالت پیدا ہوئی ہے یا نہیں۔

بَاب ٦ : إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ

وضو پورے طور پر کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ الْإِنْقَاءُ.

اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی کہا: پورے طور پر وضوء کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اچھی طرح صاف کیا جائے۔

١٣٩ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ مُّوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مُّوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ

۱۳۹: ہم سے عبد اللہ بن مسلمہ نے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے موسیٰ بن عقبہ سے، موسیٰ نے کُریب سے؛ جو کہ حضرت ابن عباسؓ کے (آزاد کردہ) غلام تھے۔ انہوں نے حضرت اسامہ

زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ الصَّلَاةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِي مَنْزِلِهِ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا.

بن زیدؓ سے روایت کی کہ انہوں نے (حضرت اسامہؓ سے) سنا۔ وہ کہتے تھے: رسول اللہ ﷺ عرفات سے واپس آئے۔ جب گھاٹی میں پہنچے تو آپؐ نے اُتر کر پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا اور وضو پوری طرح نہ کیا۔ تو میں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپؐ نماز پڑھیں گے؟ فرمایا: نماز تو آگے جا کر پڑھیں گے۔ پھر آپؐ سوار ہو گئے۔ آپؐ جب مزدلفہ پہنچے تو آپؐ نے اُتر کر وضو کیا اور پورے طور پر وضو کیا۔ پھر نماز کی تکبیر کہی گئی تو آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد ہر شخص نے اپنا اونٹ اپنے ڈیرے میں بٹھایا۔ پھر عشاء کی نماز کی تکبیر کہی گئی اور آپؐ نے نماز پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان آپؐ نے کوئی نماز نہ پڑھی۔

تشریح: **اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ:** اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وضو کی تشریح باعتبار کمیت کے کر رہے ہیں۔ ایک ہلکا وضو ہے جس میں اعضاء ایک ہی بار چلو بھر پانی لے کر دھوئے جاتے ہیں اور ایک پورا وضو ہے، جس میں اعضاء اچھی طرح صاف کر کے دھوئے جاتے ہیں۔ پیشاب کرنے کے بعد آپؐ نے وضو کیا اور ہلکا وضو کیا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو خیال ہوا کہ شاید آپؐ نماز پڑھیں گے۔ مگر آپؐ نے نماز نہیں پڑھی اور ایک دوسرا وضو کیا، جو پورے طور پر کیا۔ یعنی اعضاء کو اچھی طرح دھویا اور مغرب کی نماز پڑھی اور یہ وضو اس وقت کیا جب آپؐ نے قیام کیا تھا۔ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ - ہر ایک نے ڈیرا لگا دیا۔ ایسے وقت میں سفر کی تھکان اور گرد و غبار کا یہی تقاضا تھا کہ اچھی طرح اعضاء دھوئے جاتے۔ پہلا وضو آپؐ نے سفر کے اثناء میں ہلکا سا اس لئے کیا کہ آپؐ باوضو رہا کرتے تھے۔ یہ حدیث لا کر امام بخاریؒ نے بتلایا کہ ہلکا یا پورا وضو آپؐ موقع و محل پر اور ضرورت کے ماتحت کیا کرتے تھے اور ہلکے وضو سے یہ مراد نہیں کہ ادھورا وضو کیا کرتے اگر ادھورا ہوتا تو حضرت اسامہؓ یہ نہ پوچھتے کہ آپؐ نماز پڑھیں گے۔

اَلْاِنْقَاءُ: باب کے عنوان میں یہ جو ہے: وَقَدْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ الْاِنْقَاءُ، یہ اس طرف توجہ دلانے کے لئے کہ وضو کرنے سے مقصد صفائی ہے نہ کہ صرف پانی چھڑ لینا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت عبدالرزاق نے صحیح سند سے نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۱۶)

بَاب ٧: غَسْلُ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ
ایک چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا

١٤٠: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُوْرُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هَكَذَا أَضَافَهَا إِلَى يَدِهِ الْأُخْرَى فَغَسَلَ بِهِمَا☆ وَجْهَهُ ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنَى ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً أُخْرَى فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ يَعْنِي الْيُسْرَى ثُمَّ قَالَ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ.

۱۴۰: ہم سے محمد بن عبد الرحیم نے بیان کیا۔ کہا: ابوسلمہ خزاعی منصور بن سلمہ نے ہمیں خبر دی۔ کہا: بلال کے بیٹے یعنی سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کے متعلق کہا کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنا منہ دھویا، اس طرح کہ پانی کا ایک چلو لے کر اس سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ پھر پانی کا ایک اور چلو لیا اور یوں کیا کہ اس کو اپنے دوسرے ہاتھ سے ملایا اور اس☆ سے اپنا منہ دھویا۔ پھر پانی کا ایک اور چلو لیا اور اس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا۔ پھر پانی کا ایک اور چلو لیا اور اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا۔ پھر انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اس کو اپنے دائیں پاؤں پر چھڑک کر اس کو دھویا۔ پھر ایک اور پانی کا چلو لیا اور اس سے دھویا۔ یعنی اپنے بائیں پاؤں کو۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کہا: اس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔

☆ نسخہ بولاق میں "بِهِمَا" کی جگہ "بِهَا" کا لفظ درج ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۱۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے

تشریح: غَسُلُ الْوَجْهِ.... مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں جو وضو کا حکم ہے، اس کے متعلق علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بار دھونے پر وضو کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ کم از کم ایک بار دھونا لازمی ہے اور تین بار دھونا سنت نبوی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کے ضمن میں یہ فرق دکھلایا ہے کہ اصل غرض پاکیزگی ہے۔ قلت و کثرت تو حالات کے ماتحت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے چونکہ لوگوں کو طریق وضو کا مسئلہ بتلانا تھا، اس لئے انہوں نے ایک ایک دفعہ اعضاء کو دھویا۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے دیکھا، اس سے یہ مراد نہیں کہ آپؐ ہمیشہ ایسا کرتے تھے۔ اس باب کو سابقہ باب (نمبر۶) کے بعد لانے سے امام موصوفؒ یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ وضو میں اصل مقصود ''اَلْاِنْقَاءُ'' یعنی صفائی ہے۔ البتہ حالات کے ماتحت ایک بار پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

بَاب۸: اَلتَّسْمِيَةُ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَّ عِنْدَ الْوِقَاعِ

ہر حالت میں بسم اللہ پڑھنا اور جماع کے وقت بھی

۱۴۱: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَّبْلُغُ ☆ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَّمْ يَضُرُّهُ.

۱۴۱: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے سالم بن ابی جعد سے، سالم نے کُریب سے، کُریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ اور حضرت ابن عباسؓ (اس روایت کو☆) نبی ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے اور یہ کہے کہ (میں) اللہ کے نام کے ساتھ (شروع کرتا ہوں) اے میرے اللہ! ہمیں شیطان سے بچائے رکھیو اور شیطان کو اس (بچہ) سے دُور رکھیو جو تو ہمیں دے۔ تو ان کے باہمی تعلق سے ایسے بچے کے پیدا ہونے کا فیصلہ کیا جاوے گا کہ جس کو شیطان ضرر نہ دے سکے گا۔

تشریح: اَلتَّسْمِيَّةُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ: وضو کا مفہوم معین کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے ایک نیا باب قائم کیا ہے جس میں یہ بتلایا ہے کہ وضو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے۔ عِنْدَ الْوِقَاعِ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جب جماع کے وقت ضروری ہے جو حَدَث کی سب سے بڑی حالت ہے تو وضو کے وقت کیوں

☆ نسخہ بولاق اور انصاریہ میں يَبْلُغُ بِهٖ کے الفاظ ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۱۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

ضروری نہ ہوگا۔ بعض لوگ اس وقت اللہ کا نام لینا مکروہ سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری جزءاول صفحہ ۳۱۸)

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ہر عمل کے لئے نیت نہایت ضروری قرار دی ہے۔ یہاں تک کہ ایمان میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اسی طرح وضو میں بھی اور بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے میں بھی۔ (دیکھیں حدیث ۵۴ تا ۵۶) یہاں بھی تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی ہدایت کرنے سے یہی مراد ہے کہ مسلمان کا ہر عمل اللہ کے نام کے ساتھ شروع ہونا چاہیے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے نیت وضو کے لئے ضروری شرط قرار دی ہے۔ شارحین نے امام بخاریؒ کی قائم کردہ ترتیب کے متعلق چہ مگوئیاں کی ہیں اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہاں ان ابواب میں قطعاً کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی۔ حالانکہ ترتیب نہایت واضح ہے۔ وضو اور طہارت کے مسائل حالاتِ حدث سے شروع کئے ہیں۔ جس کا تعلق ایک طرف جماع سے ہے اور دوسری طرف بیت الخلاء سے ہے اور ان دونوں کے متعلق اسلامی آداب کا ذکر کیا اور بتلایا ہے کہ اسلام کیا چاہتا ہے۔ ایسی اولاد جو شیطان کے ہر گندے امر سے پاک ہو اور ایسے لوگ جو ہر قسم کے گند اور گندی باتوں سے پاک ہوں، اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع کے وقت بھی دعا سکھلائی ہے اور بیت الخلاء میں جاتے وقت بھی دعا سکھلائی؛ جو سراسر طہارت اور پاکیزگی پر دلالت کرتی ہے اور یہ دعائیں شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصب العین کو کھلے الفاظ میں واضح کرکے دکھلاتی ہیں۔ پس کسی خاص حالت میں ایک ایک بار اعضاء دھونے کو حجت قرار دے لینا؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقتضائے تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ مذکورہ بالا ابواب میں یہ ایک نہایت واضح تعلق تھا، جو شارحین کی نظر سے مخفی رہا۔ چنانچہ مابعد باب کا بھی یہی مضمون ہے۔

بَاب ٩ : مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الْخَلَاءِ

قضائے حاجت کے لئے جانے کے وقت کیا کہے

١٤٢ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَّقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ . تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ وَقَالَ مُوْسَى عَنْ حَمَّادٍ إِذَا

۱۴۲: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالعزیز بن صُہَیب سے روایت کی۔ کہا کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء جاتے تو فرماتے: اے اللہ! میں گندگی اور گندی باتوں سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ ابن عرعرہ نے بھی شعبہ سے یہی روایت کی اور غُندر نے شعبہ سے یہ الفاظ بیان کئے: جب آپؐ بیت الخلاء میں آتے۔ اور موسیٰ نے حماد

دَخَلَ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَ.

سے یہ الفاظ بیان کیے: جب آپؐ داخل ہوتے۔ اور سعید بن زید نے کہا: عبدالعزیز نے ہم سے یہ الفاظ بیان کئے: جب آپؐ داخل ہونے کا ارادہ کرتے۔

تشریح: **مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الْخَلَآءِ:** اس باب میں جو دو لفظ اَلْخُبُث وَالْخَبَائِث دعا میں وارد ہوئے ہیں۔ ان میں پہلے لفظ سے مراد ہر ایک ظاہری میل کچیل اور گندگی ہے اور خَبَائِث جو خَبِيْثَةٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر ایک گندی بات، خواہ وہ دل کے خیالات سے تعلق رکھتی ہو یا اعمال سے یا زبان سے۔ نیز خَبَائِث سے مراد اَرواحِ خبیثہ بھی ہیں؛ جو گندی جگہوں میں عموماً جراثیم کی شکل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ خُبُث جو خَبِيْث کی جمع ہے اس سے مراد گندہ آدمی بھی ہوسکتا ہے اور گندی بات بھی۔

باب کے عنوان میں الفاظ عِنْدَ الْخَلَآءِ مندرجہ روایت کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں کہ قضاء حاجت کی حالت میں یہ دعا نہ مانگی جائے بلکہ اس سے پہلے جاتے وقت جیسا کہ اس روایت کی دوسری سندوں سے ظاہر ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ فقہاء نے یہ تعیین کی ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اور باہر جنگل میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے وقت دعا مانگے اور جو بھول جائے تو دل میں دعا کرلے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مطلق جائز ہے کہ قضائے حاجت کی حالت میں دعا کرے یا اس سے پہلے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۲۱)

بَاب ١٠: وَضْعُ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ

قضائے حاجت کے وقت پانی رکھنا

١٤٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءًا قَالَ مَنْ وَّضَعَ هَذَا فَأُخْبِرَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

۱۴۳: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: ہاشم بن قاسم نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: ورقہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ بن ابی یزید سے۔ عبیداللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ بیت الخلاء میں گئے تو میں نے آپؐ کے لئے وضو کا پانی رکھا۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کس نے رکھا ہے؟ تو آپؐ کو بتلایا گیا۔ اس پر آپؐ نے دعا کی: اے اللہ! اسے دین کی سمجھ دیجیو۔

بَاب ۱۱

لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ جِدَارٍ أَوْ نَحْوِهِ

پاخانہ یا پیشاب کرنے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے،
سوائے اس کے کہ عمارت کے پاس- دیوار ہو یا اسی قسم کی کوئی اور چیز

١٤٤ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا.

۱۴۴: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: ابوذئب کے بیٹے نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا: زُہری نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عطاء بن یزید لیثی سے، عطاء نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت کی۔انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو وہ قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ اس کی طرف اپنی پیٹھ کرے۔مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف۔

تشریح: لَاتُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ اَوْبَوْلٍ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا بلکہ حرمات اللہ کا بھی ادب ہر حالت میں ملحوظ رکھا ہے۔چنانچہ قضائے حاجت کے وقت آپؐ نے یہ تعلیم دی ہے کہ قبلہ کی طرف منہ نہ کرو۔یہ ظاہری ادب آپؐ نے دراصل باطنی ادب کے قائم رکھنے کے لئے سکھلایا ہے۔ظواہر کے ترک کرنے سے باطنی حقیقت بھی محفوظ نہیں رہتی، بلکہ ضائع ہو جاتی ہے اور بسا اوقات ظاہری حالت سے باطنی احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔(ملاحظہ ہو: اسلامی اصول کی فلاسفی، صفحہ۵ تا۷۔روحانی خزائن جلد۱۰ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۱)

شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا: شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا جو فرمایا ہے تو یہ مدینہ والوں کے لئے۔ہندوستان کے لوگ شمال یا جنوب کی طرف منہ کر سکتے ہیں۔غرض شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قضائے حاجت کے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت دی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اس کدورت سے بھی پاک رکھے، جس سے شعائر اللہ کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو۔یہ تیسرا ادب ہے جو اس ضمن میں سکھلایا گیا ہے۔

اِلَّاعِنْدَ الْبِنَاءِ: یعنی اگر سامنے اوٹ ہو تو قبلہ رخ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔یہ استثناء بعض دوسری روایتوں کی بناء پر ہے جو امام احمد بن حنبلؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن خزیمہؒ وغیرہ نے نقل کی ہیں۔نہ کہ لفظ غَائِط کی بناء پر جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے اور نیز حضرت ابن عمرؓ کی روایت کی بناء پر جو اگلے باب میں ہے۔(عمدۃ القاری جزء ثانی صفحہ ۲۷۸)

بَاب ۱۲ : مَنْ تَبَرَّزَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ

جو دو(۲) اینٹوں پر بیٹھ کر پاخانہ کرے

١٤٥ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ نَاسًا يَّقُوْلُوْنَ إِذَا قَعَدْتَّ عَلَى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ وَقَالَ لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ فَقُلْتُ لَا أَدْرِي وَاللهِ، قَالَ مَالِكٌ يَّعْنِي الَّذِي يُصَلِّي وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ.

۱۴۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحیٰی بن سعید سے، یحیٰی نے محمد بن یحیٰی بن حبان سے، انہوں نے اپنے چچا واسع بن حبان سے، واسع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تم قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ ہی بیت المقدس کی طرف۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے: میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ قضائے حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور انہوں نے کہا: شاید تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جو نماز میں سجدہ کے وقت اپنا پیٹ رانوں سے لگا دیتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا: بخدا! میں نہیں جانتا۔ مالکؒ نے کہا: (اس سے حضرت ابن عمرؓ کی) مراد وہ شخص ہے، جو نماز پڑھتا ہے اور زمین سے اونچا نہیں ہوتا۔ سجدہ کرتا ہے اور زمین سے لگا رہتا ہے۔

تشریح: مَنْ تَبَرَّزَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ: اس باب میں قضائے حاجت کی ایسی صورت بیان کی ہے جس میں انسان اپنے آپ کو نجاست سے بچا سکتا ہے اور یہ روایت لا کر بتلایا گیا ہے کہ آپؐ جو بیت المقدس کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے تھے تو آپؐ اینٹوں پر تھے۔ یعنی عمارت میں تھے۔ اس حدیث سے محدثین یہ استدلال کرتے ہیں کہ عمارت کے اندر قضائے حاجت کے وقت، قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس وقت

قضائے حاجت کرنے والے اور قبلہ کے درمیان اَوٹ ہوتی ہے۔ دیوار کے سامنے ہونے سے قبلہ کا تصور غائب ہو جاتا ہے اور کھلی فضاء میں کسی قسم کی اَوٹ نہ ہونے کی وجہ سے سامنے یا پیچھے قبلہ ہی قبلہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے۔ بعض فقہاء عمارت میں بھی اسے منع سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۲۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کے خیال کی تردید کی ہے۔

لَعَلَّکَ مِنَ الَّذِيْنَ: یہ خطاب واسع بن حبان سے ہے۔ مسلم کی حدیث میں واسع کی یہ روایت یوں شروع ہوتی ہے: كُنْتُ اُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ. یعنی میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیٹھے ہیں۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ان کی طرف منہ پھیر کر ہو بیٹھا۔ تب انہوں نے یہ کہا: يَقُوْلُ اِنَّ نَاسًا يَّقُوْلُوْنَ.... (مسلم. كتاب الطهارة. بالاستطابة)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے واسع کو اس طرح زمین سے چپکے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور یوں بات شروع کی کہ کچھ لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کا اتنا ادب کرتے ہیں کہ اس طرف چوتڑ نہیں کرتے۔ شاید تم نے جو نماز زمین سے چپکے ہوئے پڑھی ہے تو اسی ادب واحترام کو مدنظر رکھتے ہوئے پڑھی ہے۔ جس پر واسع نے جواب دیا: لَا اَدْرِيْ وَاللّٰهِ. یعنی یہ مسئلہ میں نہیں جانتا۔ یا یہ کہ مجھے پتہ نہیں کہ میں اس طرح نماز پڑھ رہا تھا۔ بعض لوگوں سے مراد حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ وغیرہ صحابہ ہیں جو قضائے حاجت کے وقت ہر حالت میں خانہ کعبہ کی طرف پیٹھ کرنے کو برا سمجھتے تھے خواہ صحرا میں ہوں یا گھر میں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۲۶)

بَاب ۱۳: خُرُوْجُ النِّسَاءِ إِلَى الْبَرَازِ

عورتوں کا (قضائے حاجت کے لئے) گھر سے باہر نکلنا

۱۴۶: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيْدٌ أَفْيَحُ فَكَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْجُبْ نِسَاءَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَّسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

۱۴۶: ہم سے یحيٰ بن بُکَیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عُقَیل نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ کی بیویاں جب قضائے حاجت کے لئے باہر مناصع کی طرف جاتیں تو رات کو نکلا کرتی تھیں اور مناصع ایک وسیع میدان ہے اور حضرت عمرؓ نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ اللَّيَالِيْ عِشَاءً وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيْلَةً فَنَادَاهَا عُمَرُ أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يُّنَزَّلَ الْحِجَابُ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ. (الأحزاب: ٥٤)

کرائیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ ایسا نہ کرتے۔ ایک رات عشاء کے وقت حضرت سودہؓ بنت زمعہ نبی ﷺ کی بیوی باہر گئیں اور وہ لمبے قد کی تھیں؛ تو حضرت عمرؓ نے ان کو پکار کر کہا: سودہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ کیونکہ وہ (بہت) چاہتے تھے کہ حجاب کے متعلق وحی نازل ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حجاب (کے حکم کے متعلق) آیت نازل کی۔

١٤٧: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ قَالَ هِشَامٌ يَّعْنِي الْبَرَازَ.

١٤٧: ہم سے زکریا نے بیان کیا، کہا: ابواُسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ (عروہ) سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے۔ حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: (تمہیں) اجازت دی گئی ہے کہ تم اپنی ضرورت کے لئے باہر جاؤ۔ ہشام نے کہا: یعنی قضائے حاجت کے لئے۔

تشریح: **خُرُوْجُ النِّسَآءِ اِلَى الْبَرَازِ:** امام بخاریؒ اس باب میں دو روایتیں لائے ہیں تا پہلی روایت سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ دوسری سے دور ہو جائے۔ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ الْحِجَابِ کے الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اسی وقت حجاب کا حکم نازل ہوا، ایسا نہیں۔ دوسری روایت جو زکریا بن یحییٰ کی ہے اور کتاب التفسیر میں تفصیل سے نقل کی گئی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: خَرَجَتْ سَوْدَةُ بَعْدَ مَا ضُرِبَ الْحِجَابُ لِحَاجَتِهَا وَكَانَتِ امْرَأَةً جَسِيْمَةً لَا تَخْفٰى عَلٰى مَنْ يَّعْرِفُهَا فَرَأَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ..... (بخاری کتاب التفسیر باب قوله لا تدخلوا بیوت النبی ﷺ اِلّا ان یؤذن لکم. روایت نمبر ٤٧٩٥) یعنی حجاب کا حکم ہونے کے بعد حضرت سودہؓ باہر نکلیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا: قَدْ أُذِنَ اَنْ تَخْرُجْنَ فِيْ حَاجَتِكُنَّ تو یہ آیات حجاب سے استنباط کرنے کے بعد فرمایا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ٣٢٨) یعنی حجاب ضروریات زندگی پورا کرنے میں روک نہیں اور حضرت عمرؓ کے تشدد کی تردید فرمائی۔ حضرت عمرؓ کا حضرت سودہؓ کو اس طرح ٹوکنا بھی بتلاتا ہے کہ حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضرت سودہؓ کا رات کے وقت نکلنا بھی ناپسند کیا۔ مگر حضرت عمرؓ اپنی اس رائے

میں غلطی پر تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے پردے کے متعلق جو تشدد اختیار کر رکھا ہے وہ بھی شریعت اسلام کے منشاء کے بالکل برخلاف ہے۔

فَكَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ احْجُبْ نِسَآءَ كَ: یہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ کرائیں۔ یہ ان کا مشورہ تھا۔ محض اپنے اس مشورہ کی بناء پر رات کے وقت آپؐ کی بیویوں کو نکلنے سے منع کرنا، یہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے بالکل بعید تھا۔

فَلَمْ يَكُنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ پر عمل نہیں کرتے تھے تو ہرگز باور نہیں ہوسکتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے خواہ مخواہ آپؐ کی بیوی کو حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے روکا ہو۔ اس لئے زکریا کی روایت واضح اور معقول ہے۔ دونوں روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلی روایت میں ایک جملہ معترضہ ہے جو پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احکام کے جاری کرنے میں انبیاء علیہم السلام حد درجہ احتیاط و ادب سے کام لیتے ہیں۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حکم نہیں دیتے۔ باوجود حضرت عمرؓ کے توجہ دلانے کے آپؐ نے عورتوں کو اس وقت تک پردہ کرنے کے لئے نہیں کہا جب تک کہ آپؐ کو وحی الٰہی نہیں ہوئی۔

بَاب ١٤ : اَلتَّبَرُّزُ فِي الْبُيُوْتِ

گھروں میں (یعنی بیوت الخلاء میں) پاخانہ پھرنا

١٤٨ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ وَّاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ.

۱۴۸: ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، کہا: انس بن عیاض نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ (بن عمر) سے، عبیداللہ نے محمد بن یحيٰ بن حبان سے، انہوں نے واسع بن حبان سے، واسع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اپنے کسی کام کے لئے حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ قضائے حاجت کر رہے تھے۔ قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوئے تھے اور شام کی طرف منہ۔

١٤٩ : حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ

۱۴۹: ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: یزید بن ہارون نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: یحيٰ

أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ أَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ قَالَ لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى ظَهْرِ بَيْتِنَا فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَاعِدًا عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

نے محمد بن یحییٰ بن حبان کی روایت ہم سے بیان کی کہ ان کے چچا واسع بن حبان نے انہیں بتلایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا۔ کہتے تھے کہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر جو چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو(۲) کچی اینٹوں پر بیٹھے دیکھا۔ (آپؐ) بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔

تشریح: اَلتَّبَرُّزُ فِي الْبُيُوْتِ: تمدنی حالت کی ترقی کے ساتھ بعد میں گھروں میں بیوت الخلاء بنائے گئے اور پھر عورتوں کو نکلنے کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ پہلے وہ رات کے وقت باہر جایا کرتی تھیں۔ جیسے اب بھی اکثر دیہاتی زندگی میں یہی رواج ہے۔ ہندوستان میں عورتوں کے گھروں سے نکلنے کے متعلق جو تشدد ہمیں نظر آتا ہے وہ شریعت کے کسی حکم کے ماتحت نہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گھر کی چھت پر پاخانہ کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ حدیث نمبر ۱۴۵ میں بھی واسع بن حبان کی روایت پہلے آ چکی ہے۔ وہاں راوی عبداللہ بن یوسف ہیں جو امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں اور یہاں ابراہیم بن منذر راوی ہیں جو انس بن عیاض سے نقل کرتے ہیں۔ اس لئے تھوڑا سا لفظی اختلاف ہے۔ مگر مفہوم ایک ہی ہے۔

بَاب ۱۵ : اَلْاِسْتِنْجَاءُ بِالْمَاءِ

پانی سے استنجا کرنا

۱۵۰ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ وَاسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُوْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَجِيْءُ أَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ يَعْنِي يَسْتَنْجِيْ بِهِ.

۱۵۰: ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابومعاذ سے روایت کی اور ابومعاذ کا نام عطاء بن ابی میمونہ ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے سنا کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے نکلتے تو میں اور ایک لڑکا آتے اور ہمارے ساتھ پانی کی چھاگل ہوتی۔ یعنی آپؐ اس (پانی) سے استنجا کرتے۔

تشریح: **اَلْاِسْتِنْجَآءُ بِالْمَآءِ:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان چھوٹے چھوٹے مسائل کے متعلق مستقل باب باندھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو گھروں میں بیوت الخلاء اور پانی سے استنجا کرنا مکروہ سمجھتے تھے اور یہ لوگ ابن ابی شیبہ کی ان روایتوں پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھتے تھے۔ جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: پانی سے استنجا کرنے سے میرے ہاتھ میں بدبو باقی رہے گی اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ کے متعلق بیان کیا کہ وہ پانی سے استنجا نہیں کیا کرتے تھے اور ابن حبیب مالکی بھی منع کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ ڈھیلے پتھر وغیرہ سے آلائش دور کرتے تھے۔ انہی لوگوں میں سے ابن معاذ رازی بھی ہیں جو حضرت انسؓ سے روایت نقل کرتے ہوئے اس بات کو صحیح قرار نہیں دیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجا کیا کرتے تھے۔ غرض ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے امام موصوفؒ نے یہ باب باندھا ہے اور اس میں حضرت انسؓ کی نہایت صحیح روایت بیان کی ہے اور اس بارے میں ایک روایت (نمبر ۱۴۳) حضرت ابن عباسؓ کی بھی ابھی گذر چکی ہے۔ مسلمؒ و ترمذیؒ وغیرہ نے بھی صحیح سندوں سے اس امر کے متعلق روایتیں نقل کی ہیں۔ ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی معتبر ذرائع سے اسی امر کو ثابت کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری، جزء ثانی، صفحہ ۲۸۷-۲۸۸)

امام بخاریؒ نے اس باب کے بعد چار الگ الگ باب قائم کرکے ان میں جو روایتیں بیان کی ہیں ان میں بھی پانی سے استنجا کرنے کا ذکر آتا ہے۔ دوسرے باب میں یہ جو کہا: **قَالَ اَبُو الدَّرْدَآءِ أَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُوْرِ وَالْوِسَادَةِ**، اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان چیزوں کو سفر و حضر میں سنبھال کر رکھتے تھے اور ضرورت کے وقت پیش کرتے۔ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ جو ہے کہ میں اور ایک لڑکا آپؐ کے پیچھے ہو لئے۔ بعض کے نزدیک اس لڑکے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی مراد ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ثانی صفحہ ۲۹۲)

غُلَامٌ: جوان آدمی کو بھی لڑکا مجازاً کہتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت ابن مسعودؓ کو جبکہ وہ بکریاں چرا رہے تھے، کہا: **إِنَّكَ غُلَامٌ مُّعَلَّمٌ**. (مسند أحمد بن حنبل. مسند عبداللّٰه بن مسعودؓ. جلد ۱، صفحہ ۴۶۲)

امام بخاریؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ یہ ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں ہمیشہ رہتے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دمشق کے قاضی تھے؛ علقمہ بن قیس کو مخاطب کرکے کہا کہ تم میں یعنی عراقیوں میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آخر عمر میں کوفہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ (عمدۃ القاری جزء ثانی صفحہ ۲۹۱) حضرت ابودرداءؓ کا واقعہ (بخاری) کتاب المناقب (باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے آگے جا کر پتھر سے استنجا کرنے کے متعلق بھی ایک الگ باب قائم کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے موجود نہ ہونے پر آپؐ نے پتھر سے بھی کام لیا ہے۔ جنگل و بیابان میں رہنے والوں کو پانی کم ملتا ہے اور ان کی سہولت کے لئے امام مالکؒ و امام شافعیؒ نے جواز کا عام فتویٰ دیا ہے۔ ورنہ پانی اصل ہے نجاست کے دور کرنے کے لئے اور اس میں کسی امام کو بھی اختلاف نہیں ہوا۔ (عمدۃ القاری جزء ثانی صفحہ ۲۹۰، ۳۰۰) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ پتھر سے استنجا کرنے کے بعد پانی بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

بَاب ١٦ : مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُوْرِهِ

جس کے ساتھ طہارت کے لئے پانی اُٹھا کر لے جایا جائے

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ أَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُوْرِ وَالْوِسَادِ.

اور حضرت ابودرداءؓ نے کہا: کیا تم میں وہ نہیں جو اپنے ساتھ (آنحضرت ﷺ کی) جوتیاں اور وضو کا پانی اور تکیہ رکھا کرتا تھا۔

١٥١ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ هُوَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُوْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَّقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ مِّنَّا مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ.

۱۵۱: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ابومعاذ یعنی عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب نبی ﷺ قضائے حاجت کے لئے نکلتے تو میں اور (ہمارے خاندان کا) ایک لڑکا آپؐ کے پیچھے ہو لیتے اور ہمارے ساتھ پانی کی ایک چھاگل ہوتی۔

بَاب ١٧ : حَمْلُ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ

استنجا کے وقت پانی کے ساتھ برچھی بھی اُٹھا کر لے جانا

١٥٢ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَّعَنَزَةً يَّسْتَنْجِي بِالْمَاءِ. تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ الْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ.

۱۵۲: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: محمد بن جعفر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کی چھاگل اور برچھی اُٹھا کر لے جاتے۔ پانی سے آپؐ استنجا کرتے۔ نضر اور شاذان نے بھی شعبہ سے یہی روایت کی۔ عَنَزَةٌ وہ لاٹھی ہوتی ہے جس پر پھل لگا ہو۔

تشریح: حَمْلُ الْعَنَزَةِ فِي الْإِسْتِنْجَاءِ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ جنگل میں جانے کے احتیاطاً برچھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اَلْخَلَاءِ کے معنی فضا، کھلا میدان، اس سے مراد جنگل جانا ہے۔ مسلمان سنت نبویؐ سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ برچھی چھوڑ سوٹی اُٹھانی ان کے لئے دوبھر ہے۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ سانپ درندے وغیرہ کے ضرر سے بچنے کے لئے آپؐ برچھی اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۳۱)

بَاب ۱۸ : اَلنَّهْيُ عَنِ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ

دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت

۱۵۳ : حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ هُوَ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهِ.

۱۵۳: ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، کہا: ہشام دستوائی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحيٰ بن ابی کثیر سے، یحيٰ نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلاء میں آئے تو دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ نہ چھوئے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔

تشریح: شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت اور پاکیزگی کا ہر بات میں خیال رکھا ہے۔ اس باب میں دو[۲] اور ادب سکھلائے گئے ہیں۔ اول دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کیا جائے۔ دوم پیتے وقت برتن میں سانس نہ لیا جائے اور یہ دونوں حکم اپنی غرض و غایت میں واضح ہیں۔ حدیث نمبر ۱۵۴ میں بھی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھونے کی ممانعت مذکور ہے۔

بَاب ۱۹ : لَا يُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ إِذَا بَالَ

جب پیشاب کرے تو اپنی شرمگاہ اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے

۱۵۴ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ

۱۵۴: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: اوزاعی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ بن ابی کثیر

أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ.

سے، یحییٰ نے عبد اللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ نہ پکڑے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔

بَاب ٢٠ : اَلْإِسْتِنْجَاءُ بِالْحِجَارَةِ

ڈھیلوں سے استنجا کرنا

١٥٥ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ وَكَانَ لَايَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ ابْغِنِيْ أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضُ بِهَا أَوْ نَحْوَهُ وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ.

۱۵۵: ہم سے احمد بن محمد مکی نے بیان کیا، کہا: عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو مکی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے دادا سے، اُن کے دادا نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے پیچھے ہو لیا اور آپؐ قضائے حاجت کے لئے نکلے اور آپؐ مڑ کر ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔ میں آپؐ کے قریب ہوا تو آپؐ نے فرمایا: میرے لئے ڈھیلے تلاش کرو تا کہ میں ان سے استنجا کروں یا اسی قسم کا فقرہ (فرمایا) اور نہ ہڈی اور نہ لید میرے پاس لانا۔ چنانچہ میں اپنے کپڑے کے کونے میں کچھ پتھر آپؐ کے پاس لے آیا اور انہیں آپؐ کے پاس رکھ دیا اور پھر میں آپؐ سے ایک طرف ہو گیا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو آپؐ انہیں استعمال میں لائے۔

تشریح: **أَلْإِسْتِنْجَآءُ بِالْحِجَارَةِ:** جن لوگوں نے استنجا میں پانی استعمال کرنے پر زور دیا ہے انہوں نے بعض حالات کی مجبوری مدنظر نہیں رکھی اور بہتوں کو نماز جیسے ضروری فرض کو ادا کرنے سے روک دیا ہے۔ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اپنے اندر ہر ضرورت پوری کرنے والا ہے۔ جب پانی نہ ملے تو ڈھیلے، پتھر؛ ہر ایسی چیز

سے جس سے آلائش دور ہوسکتی ہو؛ استنجا کرنا جائز ہے۔ استنجاء (جو نَجو سے ہے) کے معنے ہیں غلاظت دور کرنا، خواہ کپڑے سے ہو یا کاغذ یا پتھر سے مگر ہڈی اور لید نہ ہو۔ ناپاک سے پاکیزگی حاصل کرنے کو شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ فطرت رد کرتی ہے۔

هٰذَا رِكْسٌ: رِکس اور رِجزٌ ایک ہی ہیں۔ یعنی یہ لید ناپاک ہے۔ ڈھیلوں وغیرہ سے استنجا کرنے کے یہ معنی نہیں کہ پانی ملنے پر طہارت نہ کی جائے۔ بلکہ یہ تو مجبوری کی حالت میں جواز کی ایک صورت ہے۔ جب پانی ملے تو پانی سے طہارت کرنی چاہیے۔ اس کی مزید تفصیل باب نمبر ۵۴ تا ۵۶، حدیث نمبر ۲۱۴ تا ۲۱۸ میں دیکھی جائے؛ جہاں اس کے متعلق آپؐ نے سخت تاکید فرمائی ہے۔

بَاب ۲۱: لَا يُسْتَنْجَى بِرَوْثٍ

لید سے استنجا نہ کیا جائے

۱۵٦: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ وَلٰكِنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ يَقُوْلُ أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَوَجَدْتُّ حَجَرَيْنِ وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ أَجِدْهُ فَأَخَذْتُ رَوْثَةً فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هَذَا رِكْسٌ. وَّقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ.

۱۵٦: ہم سے ابونُعَیم نے بیان کیا، کہا: زُہَیر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ابوعُبَیدہ نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن عبدالرحمٰن بن اسود نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کو یہ کہتے سنا کہ نبی ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میں آپؐ کو تین پتھر لادوں۔ مجھ کو دو پتھر ملے اور تیسرے کو تلاش کیا تو مجھے نہ ملا۔ اس پر میں نے لید لے لی اور یہ لاکر آپؐ کو دیئے۔ آپؐ نے دو پتھر تو لے لئے اور لید پھینک دی اور فرمایا: یہ پلید ہے۔ اور ابراہیم بن یوسف نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی کہ عبدالرحمٰن نے مجھ سے بیان کیا۔

بَاب ۲۲ : اَلْوُضُوْءُ مَرَّةً مَرَّةً

وضو میں اعضاء کا ایک ایک بار دھونا

۱۵۷ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً.

۱۵۷: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار اعضاء دھوئے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے استنجا کے متعلق چھ آداب طہارت بیان کرنے کے بعد وضو کے متعلق تین باب قائم کئے ہیں اور ان میں ایک سے تین بار تک اعضاء دھونے کے بارے میں جو روایتیں آئی ہیں ان کو پیش کر کے وضو کے متعلق تینوں باتیں ہی جائز ثابت کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں جو وضو کی بحث اُٹھائی تھی وہ محض وضو کی تعریف وتجدید بیان کرنے کے لئے تھی۔ حالات کے لحاظ سے جونسی صورت مناسب ہو، اختیار کی جائے۔

بَاب ۲۳ : اَلْوُضُوْءُ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

وضو میں اعضاء دو دو بار دھونا

۱۵۸ : حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيْسَى قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ {بْنِ مُحَمَّدٍ ☆} بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ.

۱۵۸: ہم سے حسین بن عیسیٰ نے بیان کیا، کہا: یونس بن محمد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: فلیح بن سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر (بن محمد ☆) بن عمرو بن حزم سے، عبداللہ نے عباد بن تمیم سے، عباد نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار اَعضاء دھوئے۔

☆ عمدۃ القاری میں اس جگہ ان کا پورا نام "عَبدِ اللّٰہِ بنِ اَبِی بَکرِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَمرِو بنِ حَزمٍ" درج ہے۔

بَاب ٢٤ : اَلْوُضُوْءُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا

١٥٩ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيْدَ أَخْبَرَهُ أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَّيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِي هَذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَايُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

۱۵۹: ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ اُویسی نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی کہ عطاء بن یزید نے انہیں خبر دی کہ حمران نے جو کہ حضرت عثمانؓ کے (آزاد کردہ) غلام تھے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو دیکھا کہ انہوں نے ایک برتن منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ تین بار (پانی) ڈال کر دھوئے۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور کلی کی اور ناک صاف کیا۔ پھر اپنا منہ اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین تین بار دھوئے۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین تین بار دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر اس طرح دو رکعتیں پڑھیں کہ ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کیں تو جو گناہ بھی اس سے پہلے ہو چکے ہیں، ان سب سے اس کی مغفرت کی جائے گی۔

١٦٠ : عَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّلَكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ

۱۶۰: اور ابراہیم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ صالح بن کیسان نے کہا کہ ابن شہاب کہتے تھے۔ مگر عروہ اس حدیث کو حمران سے یوں بیان کرتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے وضو کر لیا تو انہوں نے کہا: میں تمہیں ایک حدیث بتاتا ہوں جو میں تمہیں نہ بتلاتا اگر

حَدِيْثًا لَّوْلَا آيَةٌ مَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ وَيُصَلِّي الصَّلَاةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا قَالَ عُرْوَةُ الْآيَةَ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ. (البقرة: ١٦٠)

ایک آیت نہ ہوتی۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے۔ پھر نماز پڑھے تو جو (وسوسے) اس کے اور اس کی نماز کے درمیان حائل ہوں گے ان کی اس کے لئے مغفرت کی جائے گی، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے گا۔ عروہ نے کہا: وہ آیت یہ ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ ..... یعنی ''یقیناً وہ لوگ جو اُسے چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح نشانات اور کامل ہدایت میں سے نازل کیا۔''

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ ثَلاثًا ثَلاثًا:** حدیث نمبر ۱۵۷، ۱۵۸ صرف جواز کو ثابت کرتی ہیں اور باب نمبر ۲۴ میں حدیث نمبر ۱۵۹، ۱۶۰ جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہیں اصل ہے جس پر اکثر صحابہؓ و تابعین کا عملدرآمد تھا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا .... یعنی جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے گا۔ پھر دو رکعتیں پڑھے گا اور ان کے درمیان اپنے آپ سے باتیں نہیں کرے گا تو اس سے جو قصور پہلے ہو چکے ہیں، ان کی پردہ پوشی کی جائے گی۔ یہ الفاظ عطاء بن یزید کی روایت میں ہیں؛ جو ابن شہاب زُہری نے نقل کئے ہیں اور اس باب میں جو روایت انہوں نے عروہ بن زُبیر سے نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ يُحْسِنُ وُضُوْءَهُ وَيُصَلِّيْ الصَّلٰوةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ .... یعنی جو اچھی طرح وضو کرے گا اور جیسے نماز پڑھنے کا حق ہے ویسے پڑھے گا تو جو وسوسے اس کے اور اس کی نماز کے درمیان حائل ہوں گے، ان کی مغفرت کی جائے گی۔ امام بخاریؒ نے یہ روایت آخر میں لاکر وضو اور نماز کی اصل غرض واضح کر دی ہے۔ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ. خیالات کا انتشار بہت حد تک وضو سے رُک جاتا ہے۔ انسان جب کام کاج سے فارغ ہو کر آتا ہے تو اس کے بعض قویٰ دبے ہوئے ہوتے ہیں، جس سے تھکاوٹ محسوس کرتا ہے اور بعض قویٰ اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں، جس سے اعصاب میں ہیجان و اضطراب محسوس کرتا ہے۔ پانی دبے ہوئے قویٰ کو اُبھار کر اور اُبھرے ہوئے قویٰ کو دبا کر انہیں حدِ اعتدال میں لاتا اور سکون کی حالت پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم غشی میں دیکھتے ہیں کہ اگر بے ہوش آدمی پر پانی چھڑکا جائے تو وہ ہوش میں آ جاتا ہے۔ (روایت نمبر ۱۹۴) اور غصے کی حالت میں اگر پانی پیا جائے تو جوش مدھم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو کرنے والا اعضاء دھونے پر اپنے اندر ایک تسکین پاتا ہے جو عبادت کے لئے ازبس ضروری ہے اور انسان اس اطمینان و سکون کی حالت کے بعد اپنی توجہ بغیر خیالات کے انتشار کے ذکرِ الٰہی میں قائم رکھ سکتا ہے۔ یہی مطلب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ میری طرح

وضو کر کے یعنی اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اپنے آپ سے باتیں نہ کرے (غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ) تو اس کے سابقہ قصور ڈھانپ دیئے جاتے ہیں۔ یعنی اس کے اثرات دبائے جاتے ہیں۔ وہ اس نماز کے بعد ایک نیا انسان بن کر دنیا میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ کے اقرار کے ساتھ آتا ہے۔ یعنی اس کا بندہ ہوتا ہے، نہ اپنے نفس کا بندہ۔ وہ اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے خالق کی مرضی پوری کرتا ہے۔ اس کے اندر الٰہی خدمت بجالانے کی ایک نئی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ گناہ جو اس کی عبودیت کی راہ میں حائل تھا، وہ دَب جاتا ہے اور اس کا دل گناہ کی کدورت سے ایک گونہ صاف ہوتا ہے۔ یہ نسبت و تعلق ہے وضو کا (جو ظاہری طہارت ہے) نماز کے ساتھ (جو باطنی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔)

یہ مقصد واضح کرنے کے لئے امام موصوفؒ باب نمبر ۲۴ میں دو روایتیں لائے ہیں اور مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي کی تشریح دوسری روایت یعنی يُحْسِنُ وُضُوئَهُ سے کی ہے۔ جیسا کہ يُصَلِّيْ الصَّلٰوةَ کی تشریح؛ پہلی روایت یعنی صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّث فِيْهِمَا نَفْسَهُ سے کی ہے۔ الصَّلٰوةَ میں "ال" تعریف و تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی وہ نماز پڑھے جو پڑھنے کا حق ہے۔ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ.... میں مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ سے وہ وساوس مراد ہیں جو انسان اور اس کی نماز کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ ان کی مغفرت کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان پر پردہ ڈال کر انہیں چھپا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ معطل ہو کر بے اثر ہو جاتے ہیں۔ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا۔ اور اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان نماز کو جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے پڑھ لیتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ دو نمازوں کے درمیان وہ جو گناہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بخشتا چلا جائے گا۔ یہ اسلام کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔ یعنی نماز بے حیائی کے کاموں اور ناپسندیدہ باتوں اور حدود سے تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔ جو نمازی گناہ کی آلائشوں سے پاک و صاف نہیں ہوتے، وہ اس آیت کے مصداق ہیں: وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ..... ہلاکت ہو ان نمازیوں کو جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیسا چاہتے ہیں اور نماز کیسی۔ "اَلْإِحْسَان" یعنی نہایت عمدگی سے کام کرنے کا ارشاد ہر عمل کے لئے ہے۔ (دیکھئے کتاب الایمان تشریح حدیث نمبر ۵۰)

بَاب ۲۵ : اَلْإِسْتِنْثَارُ فِي الْوُضُوْءِ

وضو کرتے وقت ناک صاف کرنا

ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ وَّ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے اس (مسئلہ) کا ذکر کیا۔

۱۶۱: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ

۱۶۱: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: یونس نے زُہری سے روایت

الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيْسَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ.

کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابوادریس نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: جو وضو کرے تو ناک صاف کرے اور جو استنجا کے لئے ڈھیلے استعمال کرے تو طاق استعمال کرے۔

بَاب ٢٦ : اَلْإِسْتِجْمَارُ وِتْرًا

ڈھیلے طاق عدد لینا

١٦٢ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ {مَاءً ☆} ثُمَّ لِيَنْثُرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَّوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُّدْخِلَهَا فِي وَضُوْئِهِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ.

۱۶۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوزناد سے، ابوزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو چاہیے کہ اپنی ناک میں (پانی ☆) ڈالے۔ پھر اس کو صاف کرے اور جو استنجا کے لئے ڈھیلے لے تو وہ طاق لے اور اگر تم میں سے کوئی اپنی نیند سے جاگے تو چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ وضو کے پانی میں ڈالنے سے پہلے دھو لے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں بسر کی ہے۔

تشریح: اَلْإِسْتِنْثَارُ فِي الْوُضُوْءِ وَالْإِسْتِجْمَارُ فِي الْإِسْتِنْجَاءِ: امام بخاریؒ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، تقدیم وتاخیر میں بھی اپنا کوئی نہ کوئی مقصد ملحوظ رکھتے ہیں۔ باب میں وضو کی اصل غرض و غایت پر بحث تھی۔ اس بحث کے ضمن میں ناک صاف کرنے اور ڈھیلے طاق عدد رکھنے کے متعلق شارع اسلام ﷺ کا حکم پہلے بیان کیا ہے تا معلوم ہو کہ جہاں ظاہری صفائی مدنظر ہے وہاں ساتھ ہی ایک معنوی امر بھی ملحوظ ہے۔ ناک کو صرف پانی لگا دینا مقصود نہیں بلکہ اس کو اچھی طرح صاف کرنا ہے۔ اسی کو اِسْتِنْثَارْ کہتے ہیں، جو اسْتِنْشَاق یعنی ناک میں پانی لینے

☆ لفظ "مَاءً" نسخہ بولاق اور انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۴۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

کے علاوہ ہے۔ نیز وضو کے ادنیٰ سے ادنیٰ مبادی میں بھی معنوی پاکیزگی مدنظر رکھی گئی ہے۔ جیسے استنجا میں ڈھیلے پتھر وغیرہ اشیاء استعمال کرنے والے کے لئے طاق عدد رکھنے کا حکم دیا تا اسلام کا بڑا مقصد جو توحید باری تعالیٰ ہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ عمل میں بھی نظر سے اُوجھل نہ ہو۔ شرک جیسا کہ ظلم عظیم اور تمام گناہوں کا منبع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح توحید کا اعتقاد؛ اسلام میں تمام پاکیزگیوں اور نیکیوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل اپنے محل پر آئے گی۔

لَا يَدْرِیْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ: حدیث نمبر ۱۶۲ میں یہ لفظ جو ہیں: لَا يَدْرِیْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ اس ارشاد میں بھی پاکیزگی کی ہی تعلیم ہے اور مسلمان کو محتاط ہونے کے لئے فرمایا ہے۔

بَاب ۲۷: غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ

دونوں پاؤں کو دھونا اور پیروں پر مسح نہ کرے

۱۶۳: حَدَّثَنَا مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

۱۶۳: ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوبشر سے، ابوبشر نے یوسف بن ماہک سے، یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ ہم سے ایک سفر میں پیچھے رہ گئے۔ پھر ہم سے آ ملے اور حالت یہ تھی کہ ہم عصر کی نماز میں اتنی دیر کر چکے تھے کہ دوسری نماز کا وقت بھی قریب آ گیا تھا۔ تو لگے ہم وضو کرنے اور اپنے پیروں پر مسح کرنے۔ اس پر آپؐ نے بلند آواز سے پکار کر فرمایا: ہلاک ہو گئیں ایڑیاں آگ سے۔ دو دفعہ یا تین دفعہ فرمایا۔

تشریح: **وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ:** اس باب کے ماتحت حدیث نمبر ۱۶۳ میں بھی یہی بات ذہن نشین کرائی ہے کہ اعضاء کو صرف پانی سے بھگونے کا نام وضو نہیں۔ اگر اعضاء کو اس طرح بھگو دینے سے وضو ہو جاتا تو آپؐ یہ نہ فرماتے: وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ۔ حالانکہ اس وقت نماز کا وقت گزر رہا تھا۔ ایسے وقت میں بھی آپؐ نے اس امر میں چشم پوشی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ نہایت شدید الفاظ میں صحابہ کو آگاہ کیا کہ کامل طہارت و پاکیزگی ہی ہے جو انسان کو آگ سے نجات دے گی۔ اس امر میں ذرہ سی کوتاہی اور غفلت بھی ہلاک کر دینے والی ہے۔ آپؐ میں پاکیزگی کے لئے یہ احساس اپنے انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اس میں ان احمق لوگوں کے لئے سبق ہے؛ جو کسی استثنائی حالت کو دیکھ کر آپؐ کے وضو پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بَاب ۲۸ : اَلْمَضْمَضَةُ فِي الْوُضُوْءِ

وضو میں کلی کرنا

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ (مسئلہ) بیان کیا۔

۱٦٤ :حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الْوَضُوْءِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَّيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوْئِي هَذَا وَقَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِي هَذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

۱٦۴: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی۔ زُہری نے کہا: عطاء بن یزید نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے (آزاد کردہ) غلام حمران سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر اپنے برتن سے پانی ڈالا اور انہیں تین بار دھویا۔ پھر وضو کے پانی میں آپ نے اپنا دائیاں ہاتھ ڈالا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور ناک صاف کیا۔ پھر انہوں نے اپنا منہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین تین بار دھوئے۔ پھر انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر ہر ایک پاؤں کو تین تین بار دھویا۔ پھر کہا: میں نے نبی ﷺ کو اپنے اس وضو کی طرح کرتے دیکھا اور آپؐ نے فرمایا: جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ ان کے درمیان دل میں اپنے آپ سے باتیں نہ کرتا ہو تو جو گناہ اس سے پہلے ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اس کی مغفرت کر دے گا۔

تشریح: اَلْمَضْمَضَةُ فِي الْوُضُوْءِ: مَضْمَضَ کے معنی حَرَّکَ یعنی اس نے حرکت دی اور مَضْمَضَةٌ حرکت دینا، پھرانا، منہ کے عضلات اور زبان سے پانی کو اِدھر اُدھر ہلانا۔ مَجَّاجٌ کلی کرنا اور غَرْغَرَ غرارہ کرنا۔ امام بخاریؒ نے وضو کے چھوٹے چھوٹے مسائل (مثلاً کلی کرنا، ایڑیاں دھونا، ناک میں پانی ڈالنا اور اس کو اچھی طرح صاف کرنا) بیان کرکے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ شارع اسلام ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ وضو نہایت احتیاط سے کرنا چاہیے اور کسی عضو کے دھونے میں کوتاہی نہ ہو۔ چنانچہ غَسْلُ الْأَعْقَاب کا باب (نمبر ۲۹) قائم کرکے اس میں ابن سیرین کا جو حوالہ دیا ہے، وہ اسی غرض کے سمجھانے کے لئے ہے کہ مَضْمَضَةٌ کے باب میں یہ جو کہا ہے: قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ. حضرت ابن عباسؓ کا قول حدیث نمبر ۱۴۰ میں گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ کا قول آگے حدیث نمبر ۱۸۵ میں آئے گا۔

بَاب ۲۹ : غَسْلُ الْأَعْقَابِ

ایڑیاں دھونا

وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ.

اور ابن سیرین جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ کو بھی دھویا کرتے۔

۱۶۵ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُوْنَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ قَالَ أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ {ﷺ} قَالَ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.

۱۶۵: ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: محمد بن زیاد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا اور وہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور (اس وقت) لوگ ایک لگن سے وضو کر رہے تھے تو انہوں نے کہا: وضو پورے طور پر کیا کرو۔ کیونکہ ابوالقاسم (ﷺ) نے فرمایا ہے: ہائے شامت ان ایڑیوں کی آگ سے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے ابن سیرین کے متعلق یہ روایت اپنی تاریخ میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۵۰) امام موصوفؒ نے ابن سیرینؒ کے اس عمل کا ذکر کرکے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ثالث صفحہ ۲۳) جس اہم مقصد کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہؓ کے یہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں: أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ. وضو پورے طور پر

کرو۔اعضائے وضو میں سے کوئی حصہ بغیر اچھی طرح دھونے کے رہ نہ جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے شدید الفاظ میں تنبیہ کی ہے۔غفلت عموماً چھوٹے چھوٹے حصوں کے دھونے میں ہی ہوا کرتی ہے،اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔

بَاب ۳۰

غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ

چپلی پہن کر پاؤں دھونا اور چپلیوں پر مسح نہ کرنا

١٦٦ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَّمْ أَرَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ قَالَ عَبْدُ اللهِ أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱۶۶: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سعید مقبری سے، سعید نے عبید بن جُریج سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: ابوعبدالرحمٰن! میں نے آپ کو چار (ایسے) کام کرتے دیکھا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے پوچھا: ابن جریج! وہ کیا کام ہیں۔ ابن جریج نے کہا: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ رکنوں کو نہیں چھوتے،سوائے دو یمانی (رکنوں) کے اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ سبتی جوتی پہنتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ زردی سے رنگتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں ہوں اور لوگ ہلال کو دیکھ کر لبیک پکاریں تو آپ نہیں پکارتے، جب تک کہ آٹھویں تاریخ نہ ہو جائے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: رکنوں کے متعلق یہ بات ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف یمانی رکن چھوتے دیکھا تھا اور سبتی جوتے (جو میں) پہنتا ہوں تو اس کے متعلق یہ بات ہے کہ میں نے

يَلْبَسُ النَّعْلَ☆ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا شَعَرٌ وَّيَتَوَضَّأُ فِيْهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ وہی جوتے☆ پہنا کرتے کہ جن پر بال نہ ہوتے اور انہیں میں وضو کیا کرتے تھے۔ اس لئے میں انہیں کو پہننا پسند کرتا ہوں اور زردی جو ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ اس سے رنگتے تھے اور میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ اس سے رنگوں اور لبیک (جو میں آٹھویں تاریخ کو پکارتا ہوں) تو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تا وقتیکہ آپؐ کی اونٹنی آپؐ کو لے کر اُٹھ نہ کھڑی ہوتی، لبیک پکارتے نہیں دیکھا۔

تشریح: **غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ فِى النَّعْلَيْنِ:** اس باب میں ضمناً ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ جوتی جو سارے پاؤں کو نہ ڈھانپے جیسے چپلی اور سلیپر؛ آیا اس پر مسح جائز ہے یا نہیں۔ موزے، جراب جو پاؤں کو ٹخنوں یا ان کے اوپر تک چھپا لیتے ہوں، ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ فقہاء نے موزے اور جراب پر بوٹ وغیرہ کو قیاس کرنے کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس قیاس کو جائز سمجھا ہے (اس لیے ان کے نزدیک ایسے بوٹوں پر جو ٹخنوں یا اُن کے اوپر تک آتے ہوں؛ مسح کرنا جائز ہے) اور بعض نے نہیں۔ ترمذی نے اس قیاس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مفصل دیکھئے بدایة المجتهد کتاب الوضوء. المسئلة الأولى فى جواز المسح على الخفين)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں خاموش ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق کوئی حدیث یا اپنی رائے بیان نہیں کی۔

وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ: امام بخاریؒ نے یہ کہہ کر اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے وضو کرتے وقت اپنی جوتیوں پر مسح کیا اور پھر نماز پڑھی۔ ابوداوٗدؒ وغیرہ نے یہ روایت مرفوعاً بیان کی ہے۔ مگر عبدالرحمٰن مہدی اور ان کے ماسوا دیگر آئمہ اسے کمزور سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۵۱)

اَلنِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ: اس سے مراد وہ نرم جوتیاں ہیں جن کو دباغ کیا گیا ہو اور ان پر بال نہ ہوں۔

يَتَوَضَّأُ فِيْهَا: ان میں وضو کیا کرتے تھے۔ یعنی پاؤں دھویا کرتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان جوتوں کو پہن کر پاؤں پر مسح نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں دھوتے تھے۔ انہی الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے باب مذکور کو قائم کیا ہے۔ اس روایت کے باقی حصہ کی تشریح کتاب الحج میں دیکھئے۔

امام موصوفؒ اس باب میں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شارع اسلامؐ نے صفائی کا اس قدر خیال رکھا ہے کہ باوجود جوتی پہننے کے پاؤں دھوئے ہیں۔ کیونکہ اس میں پاؤں کو زمین کی گرد و غبار لگ جانے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اصل مسئلہ مسح

☆ نسخہ بولاق میں اس جگہ لفظ "النِّعَال" ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۵۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

کے متعلق بحث آگے ہے۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کو آپؐ کی اتباع کا کس قدر شوق تھا۔ ہر مسلمان کو یہی شوق ہونا چاہیے۔ آپؐ کے وضو کی طرح وضو ہو اور آپؐ کی نماز کی طرح نماز۔ حضرت ابن عمرؓ کا عمل درآمد بیان کر کے امام بخاریؒ نے یہی امر ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔

بَاب ۳۱: اَلتَّيَمُّنُ فِي الْوُضُوْءِ وَالْغَسْلِ

وضو وغسل میں داہنی طرف سے شروع کرنا

۱٦۷: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِي غَسْلِ ابْنَتِهِ ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا.

۱۶۷: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: اسماعیل نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: خالد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حفصہ بنت سیرین سے، حفصہ نے حضرت ام عطیہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی کو نہلانے کے متعلق اُن سے فرمایا کہ اس کے داہنی طرف سے ان جگہوں سے شروع کرو جو وضو میں دھوئی جاتی ہیں۔

۱٦۸: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ، فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ.

۱۶۸: ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اشعث بن سلیم نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ نبی ﷺ کو اپنے ہر کام میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند ہوتا- اپنا جوتا پہننے میں اور اپنی کنگھی کرنے میں اور اپنے نہانے میں۔

تشریح: اَلتَّيَمُّنُ فِي الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ: یہ باب باندھ کر پھر اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نبی ﷺ نے وضو میں صرف ظاہری طہارت ہی ملحوظ نہیں رکھی بلکہ اس کے ساتھ ایک روحانی مقصد بھی مدنظر رکھا ہے۔ چنانچہ آپؐ نہ صرف خود وضو میں اور غسل اور ہر کام میں داہنی طرف سے شروع فرماتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس کے متعلق حکم دیتے۔ حدیث نمبر ۱۶۷ میں جس لڑکی کو غسل دینے کا ذکر ہے وہ آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں؛ جوفوت

ہوگئی تھیں۔عربوں کے نزدیک یُمن یعنی داہنی طرف خیروبرکت پر دلالت کرتی ہے اور بائیں طرف شُؤم اور نحوست پر۔آپؐ نے اس خیروبرکت کے معنی کو وضو میں بھی ملحوظ رکھا ہے، نہانے میں بھی اور اپنے ہر عمل میں۔ اور اسی کی تعلیم دی ہے۔ ہر اچھی بات لے کر آپؐ نے اس سے روحانی مقاصد ذہن نشین کرائے ہیں۔

بَاب ۳۲: اِلْتِمَاسُ الْوَضُوْءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ

جب نماز کا وقت ہو جائے تو وضو کا پانی تلاش کرنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَضَرَتِ الصُّبْحُ فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوْجَدْ فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ.

اور حضرت عائشہؓ نے کہا کہ صبح ہوئی اور پانی تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ اس پر تیمّم (کا حکم) نازل ہوا۔

۱۶۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّئُوْا مِنْهُ قَالَ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبَعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّئُوْا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ.

۱۶۹: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے، اسحاق نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اس وقت عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کا پانی تلاش کرنے لگے مگر نہ پایا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ پانی لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور لوگوں سے فرمایا کہ اس سے وضو کریں۔ (حضرت انسؓ) کہتے تھے: میں نے پانی کو دیکھا کہ وہ آپؐ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا ہے۔ یہاں تک کہ سب نے وضو کرلیا۔

تشریح: اِلْتِمَاسُ الْوَضُوْءِ اِذَا حَانَتِ الصَّلٰوةُ: اس باب میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ محض پانی کے پاس نہ ہونے پر تیمّم جائز نہیں بلکہ وہ تلاش کیا جائے اور اگر باوجود تلاش کے نہ ملے تو پھر تیمّم کرنا جائز ہوگا۔ اصل مقصد تو جسم کا دھونا ہے۔ تیمّم کی اجازت مجبوری کی حالت میں ہے۔ باب کے عنوان میں حضرت عائشہؓ

کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کتاب التیمم میں مفصل آئے گا۔اس ضمن میں حدیث نمبر۱۶۹جولائے ہیں، اس سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ وضو کی اہمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس قدر تھی کہ ایک دفعہ جب پانی تلاش کرنے پر نہ ملا تو آپؐ نے اعجازی رنگ میں تھوڑے سے پانی کو اس قدر برکت دی کہ سب صحابہؓ نے جو ستر (۷۰) کے قریب تھے، وضو کرلیا۔ یہ واقعہ پیش کر کے وضو کی ضرورت بیان کی ہے۔ بہت سے سُست لوگ ہیں جو ذرہ سے بہانے پر تیمّم کو اپنے لئے غنیمت سمجھ لیتے ہیں۔ اُنہیں اس سے نصیحت پکڑنی چاہیے۔

یہ واقعہ آگے جا کر معجزات میں بھی بیان ہوگا۔ وہاں اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

بَاب۳۳: اَلْمَاءُ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الْإِنْسَانِ

وہ پانی جس سے آدمی کے بال دھوئے جائیں

وَكَانَ عَطَاءٌ لَّا يَرَى بِهِ بَأْسًا أَنْ يُّتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوْطُ وَالْحِبَالُ وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَّيْسَ لَهُ وَضُوْءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَقَالَ سُفْيَانُ هَذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ، يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا (المائدة:۷) وَهَذَا مَاءٌ وَّفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَّتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ.

اور عطاء اس بات میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے کہ ان کے بالوں سے دھاگے اور رسّیں بنائی جائیں۔ نیز کتوں کا جوٹھا اوران کا مسجد میں سے گذرنا اور زُہری نے کہا: جب کسی برتن میں کتا منہ ڈالے اور آدمی کے پاس اس کے سوا اور پانی نہ ہو تو اس سے وضو کرلے۔ سفیان نے کہا کہ فقہ اصل میں یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً... یعنی اگر تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو اور یہ پانی ہی ہے اور دل میں اس کے متعلق کچھ شبہ ہے تو اس سے وضو کرے اور تیمّم کرلے۔

۱۷۰: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ

۱۷۰: ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: اسرائیل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عاصم سے، عاصم نے ابن سیرین سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی ﷺ کے کچھ بال ہیں۔ہم نے یہ حضرت انسؓ سے یا (کہا)

أَنَسٍ فَقَالَ لَأَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعَرَةٌ مِّنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

حضرت انسؓ کے گھر والوں سے لئے ہیں۔تو انہوں نے کہا: میرے پاس ان میں سے ایک بال بھی ہوتو وہ مجھے دنیا اور دنیا کی ہر شئے سے زیادہ پیارا ہے۔

١٧١: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ قَالَ أَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ.

۱۷۱: ہم سے محمد بن عبدالرحیم نے بیان کیا، کہا: سعید بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عباد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن عون سے، ابن عون نے ابن سیرین سے، ابن سیرین نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بال اُتروائے تو حضرت ابوطلحہؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپؐ کے بالوں میں سے کچھ بال لئے۔

تشریح: اَلْمَآءُ الَّذِیْ یُغْسَلُ بِهٖ شَعَرُ الْاِنْسَانِ: باب مذکورہ میں یہ الفاظ اختیار کر کے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو فقہاء کے درمیان بوجہ مختلف روایتوں کے پیدا ہوا ہے۔ حدیث نمبر ۱۶۲ میں گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے پانی میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایسا ہی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لَا یَبُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ. (روایت نمبر ۲۳۹) یعنی کھڑے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں نہائے۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست خواہ تھوڑی ہو یا بہت؛ پانی کو ناپاک کر دیتی ہے۔ اس پر فقہاء مسئلہ طہارت کے متعلق موشگافیاں کرتے ہوئے مختلف بحثوں میں پڑ گئے، جن میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ پانی جو سر پر ڈالا جاتا ہے اور بالوں میں سے ہو کر جسم پر پڑتا ہے، ناپاک ہے یا پاک۔ اس مسئلہ میں بعض علماء تو تفریط کی طرف نکل گئے ہیں۔ اور بعض افراط کی طرف۔ یہاں تک کہ اگر اور پانی نہ ہو تو کتوں کے جوٹھے پانی سے بھی وضو کرنا جائز قرار دے دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے باب کے عنوان میں اس افراط و تفریط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہایت خوبی سے اختلاف کو حل کیا ہے۔ بالوں کے پانی کے نجس ہونے یا نہ ہونے کے متعلق یہ جواب دیا ہے کہ صحابہؓ سے اس بارہ میں سوائے حدیث نمبر ۱۷۰ اور ۱۷۱ کے اور کچھ منقول نہیں۔ یعنی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بطور تبرک لئے اور محفوظ رکھے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے سب سے پہلے یہ بال لئے تھے اور چونکہ حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابوطلحہؓ کے ربیب تھے۔ اس لئے وہ بال اُن کے پاس رہے۔ پھر ان سے محمد بن سیرین کے پاس پہنچے جو حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

سُؤْرُ الْكِلَابِ: دوسرا اختلافی مسئلہ احادیث ۱۷۲ تا ۱۷۵ سے حل کیا ہے جو صحابہؓ سے مروی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر ۱۷۲ کی صحت پر سب کو اتفاق ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو، نہ ایک دو بار بلکہ سات بار دھونے کا حکم دیا ہے تو اس کے جوٹھے پانی سے احتیاط نہ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ حدیث نمبر ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵ لا کر بتلایا ہے کہ یہ حکم اس کے پلید ہونے کی وجہ سے نہیں دیا بلکہ کسی اور وجہ سے دیا ہے۔ اگر اس کا سبب یہ ہوتا کہ کتا نجس ہے تو پھر کتوں کو مسجد میں آنے کا موقع نہ دیا جاتا اور نہ اُن کا مارا ہوا شکار کھانے کی اجازت ہوتی۔ جو لوگ کتے کو نجس سمجھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں، وہ اس مشفقانہ روح سے خالی ہیں؛ جس کے پیدا کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے بھی رحمت وشفقت کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ مسئلہ نجاست و طہارت کی موشگافیوں کا ردّ کرتے ہوئے اس خوبی سے امام موصوفؒ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی پاکیزہ تعلیم پیش کی ہے، جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ کتے کے زہریلے لعاب سے محفوظ رہنے کے لئے سات بار دھونے کا حکم دیا ہے۔ اگر اس کی وجہ نجاست ہوتی تو نجاست کو تو اس وقت تک دھونے کا حکم ہے کہ وہ دور ہو جائے۔ سات بار کی تخصیص بتلاتی ہے کہ نجاست کے سوا کوئی اور غرض ہے جس کی وجہ سے اس قدر اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے اس کا جوٹھا پانی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہی خلاصہ ہے امام مالکؒ کے مذہب کا بھی۔

(بداية المجتهد. كتاب الوضوء. الباب الثالث فى المياه. المسئلة الرابعة)

کتے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشفقانہ سلوک کرنے کی بھی نصیحت کی (جیسا کہ روایت نمبر ۱۷۴ میں صحابہؓ کے عمل سے واضح ہے) تا لوگ کوئی غلط راہ اختیار نہ کرلیں، جیسا کہ بعض جھوٹی طہارت کا دم بھرنے والوں نے کی ہے اور کتے بچارے سے کتوں کا سا سلوک کیا ہے اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی نصیحت کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهٖ: باب کے عنوان میں عطاء بن ابی رباح محمد بن مسلمؒ ابن شہاب زُہری اور سفیان ثوری کے جو حوالے دیئے ہیں تو یہ اس لئے کہ معلوم ہو کہ ایسے مسائل دوسری صدی میں جا کر پیدا ہوئے، صحابہؓ میں نہ تھے۔ یہ الفاظ (قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهٖ) جو امام بخاریؒ نے بطور جملہ معترضہ کے نقل کئے ہیں، اس سے آپ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ نہیں بلکہ ثوری ہیں۔ کیونکہ سفیان نامی دو شخصوں نے ابن شہاب سے روایتیں کی ہیں اور امام موصوفؒ جب خالی سفیان کہتے ہیں تو اس سے مراد سفیان ثانی الذکر ہوتے ہیں۔ ولید بن مسلمؒ نے زُہری کا قول اِذَا وَلَغَ فِيْ اِنَاءٍ ..... سفیان ثوری سے بیان کیا۔ جس پر سفیان نے مذکورہ بالا الفاظ کہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۵۷) امام موصوفؒ نے ان کا سارا قول نقل کر کے خود انہی کا شبہ پیش کیا ہے: وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْئٌ. یعنی وہ خود بھی مطمئن نہ تھے۔ اس واسطے کہا: يَتَوَضَّأُ بِهٖ وَيَتَيَمَّمُ۔ (یعنی اس سے وضو کرے اور تیمّم بھی کرلے) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شبہات سے بچنا ہی اصل میں تقویٰ ہے۔ شبہ کی صورت میں اس سے وضو نہیں کرنا چاہیے۔

{بَابٌ☆: إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي الإِنَاءِ}

جب کتا (تم میں سے کسی کے) برتن میں پیے

۱۷۲ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا.

۱۷۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے مالک سے، مالک نے ابو زناد سے، ابوزناد نے اَعرج سے، اعرج نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی جائے تو چاہیے کہ وہ اسے سات دفعہ دھوئے۔

۱۷۳ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرْوَاهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.

۱۷۳: ہم سے اسحاق نے بیان کیا (کہا:) عبدالصمد نے ہمیں بتلایا۔ (انہوں نے کہا:) عبدالرحمان بن عبد اللہ بن دینار نے ہم سے بیان کیا، (کہا:) میں نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے ابوصالح سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے مٹی کھا رہا ہے۔ تو اس شخص نے اپنا موزہ لیا اور اس سے پانی نکال کر اسے پلایا۔ یہاں تک کہ اس کو سیر کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

۱۷۴ : وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُوْلُ وَتُقْبِلُ

۱۷۴: اور احمد بن شبیب نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حمزہ بن عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے مجھے

☆ یہ باب ابن عساکر کی روایت کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۵۹)

وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ.

بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کتے مسجد میں آیا جایا کرتے تھے اور پیشاب (بھی) کر دیتے تھے۔ لوگ اس میں سے کچھ بھی نہ دھوتے۔

۱۷۵ : حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ابْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبٍ آخَرَ.

۱۷۵: ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن ابی سفر سے۔ انہوں نے شعبی سے، شعبی نے حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا... آپؐ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور وہ شکار مارے تو تم کھاؤ اور اگر وہ کھالے تو تم نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس نے اُسے اپنے لئے ہی پکڑا ہے۔ میں نے کہا: میں اپنے کتے کو چھوڑوں اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا پاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: نہ کھاؤ۔ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی تھی اور دوسرے کتے پر نہیں پڑھی۔

تشریح: **إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ:** اَلتَّسْمِيَةُ عَلٰى كُلِّ حَال (کتاب الوضوء باب ۸) کی یہ ایک اور مثال ہے۔ شارع اسلام نے ہر بات میں اللہ کے نام کو مقدم رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اعمال کا قبلہ رخ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔

فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا: رَشَّ کے معنی پانی چھڑکا۔ رَشَّ الشَّيْءُ کے معنی ہیں چیز کو دھویا۔

بَاب ۳۴

مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوْءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ

جو شخص دو[۲] راہوں یعنی آگے اور پیچھے سے ہی نکلنے کے سبب وضو کرنا ضروری سمجھتا ہو

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ (المائدة:۷) وَقَالَ عَطَاءٌ

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یا تم میں سے کوئی حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو۔'' اور عطاء نے کہا:

فِيْمَنْ يَّخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّوْدُ أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ يُعِيْدُ الْوُضُوْءَ وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ وَأَظْفَارِهِ أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا وُضُوْءَ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ وَّ يُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ وَقَالَ الْحَسَنُ مَا زَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِي جِرَاحَاتِهِمْ وَقَالَ طَاؤُوْسٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَّعَطَاءٌ وَّأَهْلُ الْحِجَازِ لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوْءٌ وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَبَزَقَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى دَمًا فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيْمَنْ يَّحْتَجِمُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ.

جس کے مقعد سے کوئی کیڑا یا ذکر سے جوں کی طرح کوئی چیز نکلے تو وضو دوبارہ کرلے اور حضرت جابر بن عبداللہؓ نے کہا: اگر نماز میں ہنسے تو نماز دوبارہ پڑھے اور وضو دوبارہ نہ کرے اور حسن نے کہا: اگر وہ اپنے بالوں یا ناخن سے کچھ لے یا موزے اُتارے تو اس کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں اور حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ وضو تو صرف ہوا خارج ہونے سے ہی کرے اور حضرت جابرؓ سے روایتاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات الرقاع کی جنگ میں تھے تو ایک شخص کو تیر لگا۔ اس سے بہت خون نکلا۔ اس نے رکوع بھی کئے اور سجدے بھی اور وہ اپنی نماز میں مشغول رہا اور حسن نے کہا کہ مسلمان اپنے زخموں میں ہی نماز پڑھتے رہے اور طاؤس اور محمد بن علی اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا: خون کی وجہ سے وضو نہیں کیا جاتا اور حضرت ابن عمرؓ نے پھنسی دابی تو اس سے خون نکلا اور انہوں نے وضو نہ کیا۔ ابن ابی اَوفی نے خون تھوکا اور نماز پڑھتے رہے اور حضرت ابن عمرؓ اور حسن نے اس شخص کے متعلق کہ جس نے پچھنے لگوائے ہوں کہا کہ وہ صرف پچھنے کی جگہوں کو ہی دھوئے۔

١٧٦: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدٍ

۱۷۶: ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا: ابن ابی ذئب نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے سعید

الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ مَا لَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ مَّا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ الصَّوْتُ يَعْنِي الضَّرْطَةَ.

مقبری سے، سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے (ہمیں) بتلایا۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: بندہ نماز میں ہی ہوتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا رہے، بشرطیکہ وہ بے وضو نہ ہوجائے۔ اس پر ایک اعجمی شخص نے پوچھا: ابوہریرہؓ! یہ بے وضو ہونا کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: آواز یعنی گوز (پاد)۔

۱۷۷: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا.

۱۷۷: ہم سے ابوولید نے بیان کیا، کہا: ابن عیینہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے، زُہری نے عباد بن تمیم سے، عباد نے اپنے چچا سے، ان کے چچا نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے، (نماز سے) نہ پھرے۔

۱۷۸: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّنْذِرٍ أَبِي يَعْلَى الثَّوْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ كُنْتُ رَجُلًا مَّذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ ابْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ.

۱۷۸: ہم سے قُتَیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے منذر ابویعلی ثوری سے، انہوں نے محمد بن حنفیہ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کہتے تھے: میں ایسا شخص تھا جس کی مذی بہت نکلا کرتی تھی۔ میں شرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں۔ اس لئے میں نے مقداد بن اسودؓ سے کہا تو انہوں نے آپؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس میں وضو ہی کرنا ہے۔ اور اس حدیث کو شعبہ نے بھی اعمش سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

۱۷۹ : حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ ابْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ.

۱۷۹: ہم سے سعد بن حفص نے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتلایا۔ شیبان نے یحیٰی سے، یحیٰی نے ابوسلمہ سے روایت کی کہ عطاء بن یسار نے ان سے بیان کیا کہ زید بن خالد نے ان کو بتلایا کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میں نے کہا: بتلائیں جب کوئی جماع کرے اور انزال نہ ہو (تو کیا وہ نہائے) حضرت عثمانؓ نے کہا: وضو کرے جیسا کہ وہ نماز کے لئے وضو کرتا ہے اور اپنے ذَکر کو دھولے۔ حضرت عثمانؓ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔ اس پر میں نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے بھی ان کو اسی بات کا حکم دیا۔

۱۸۰ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ تَابَعَهُ وَهْبٌ

۱۸۰: ہم سے اسحاق (بن منصور) نے بیان کیا، کہا: نضر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے حکم سے، حکم نے ابوصالح ذکوان سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار میں سے ایک شخص کو بُلوا بھیجا۔ وہ آیا اور اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شاید ہم نے تمہیں وقت سے پہلے بُلا لیا ہے؟ تو اُس نے کہا: ہاں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں وقت سے پہلے چھوڑنا پڑے یا انزال نہ ہو تو تمہیں صرف وضو ہی کرنا

قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَّيَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ الْوُضُوْءَ.

چاہیے۔ وہب نے بھی نضر کی طرح یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا کہ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: غندر اور یحییٰ نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے وضو کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: مَنْ لَّمْ يَرَ الْوُضُوْءَ اِلَّا الْمَخْرَجَيْنِ: اس باب میں بھی امام بخاریؒ نے ایسے مسائل کا حل کیا ہے جن کے متعلق فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ نواقض وضو کے بارے میں اس امر میں سب متفق ہیں کہ دو طبعی راہوں سے غلاظتوں کے نکلنے پر وضو دُہرایا جائے۔ اس میں مذی بھی شامل ہے۔ مسلسل بول، استحاضہ، پتھری، کیڑوں اور ریاح وغیرہ کے نکلنے کی حالتیں جو بیماری کا نتیجہ ہیں مستثنیٰ کی گئی ہیں۔ گو درحقیقت یہ بھی ناقض وضو ہی ہیں اور اسی وجہ سے ہر نماز کے لئے الگ وضو کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حالت جنابت وحیض میں وضو ہی نہیں بلکہ غسل کرنا ضروری ہے۔ اس کو حدث اکبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور پہلی حالت کو حدث اصغر۔

اس ضمن میں فقہاء نے اپنی عادت کے مطابق یہ بحث اُٹھائی ہے کہ منہ، ناک، کان یا جسم کے کسی دوسرے حصہ سے خون، پیپ وغیرہ نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے کہ نہیں۔ امام بخاریؒ نے إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ کہہ کر اس فریق کی رائے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو دو راستوں کے علاوہ کسی اور راستے سے کسی شئے کے نکلنے پر وضو دُہرانا ضروری نہیں سمجھتے۔ امام مالکؒ، نخعیؒ اور قتادہ کے نزدیک وہ چیزیں جو بوجہ بیماری اور زخم وغیرہ کے جسم سے نکلتی ہیں، ناقض وضو نہیں ہیں اور عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، سفیان ثوری، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَّخْرُجُ کہہ کر ان لوگوں کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن حزمؒ کے نزدیک پیشاب، پاخانہ جیسی غلاظتیں جسم کے جس حصہ سے اور جس طرح بھی نکلیں ناقض وضو ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان غلاظتوں کا کنایۃً ذکر کیا ہے۔ فرمایا: أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ میں یہ غلاظتیں شامل ہیں۔ پس ان کے نزدیک مخرج کی تخصیص نہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۶۷)

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ: دوسرا اختلاف اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ آیا ہنسی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ حضرت جابرؓ کا مذکورہ بالا قول بیہقی نے نقل کیا ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابوامامہ باہلی کے اقوال بھی نقل کئے ہیں کہ ہنسی سے وضو میں خلل نہیں آتا۔ مگر نماز میں خلل آجاتا ہے اور یہ مذہب معقول ہے۔ اسی کو امام بخاریؒ نے لیا ہے۔ امام مالکؒ، لیثؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور نخعیؒ وحسن بصریؒ کے نزدیک ہنسی ناقض صلوٰۃ ہونے کے علاوہ ناقض وضو بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے صرف نماز کی حالت میں قہقہہ کو ناقض وضو قرار دیا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری جزء ثالث صفحہ ۴۸)

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهٖ وَاَظْفَارِهٖ اَوْخَلَعَ خُفَّيْهِ فَلا وُضُوْءَ عَلَيْهِ: تیسرا اختلافی مسئلہ بال کتروانے اور ناخن کٹوانے یا جرابیں اُتارنے پر وضودُھرانے کے متعلق ہے۔ امام بخاریؒ نے حسن بصریؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ وضو کا اعادہ کرنا ضروری نہیں۔ علماء حجاز و عراق کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ جس میں امام ابوحنیفہؒ بھی شامل ہیں۔ امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر مجاہد، حکم بن عیینہ اور حماد وضودُھرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ چیزیں جو وضو کے وقت موجود تھیں، یعنی بال اور ناخن جسم پر باقی نہیں رہیں۔ لیکن اجماع اس کے خلاف ہے۔

چوتھا اختلافی مسئلہ منہ سے یا جسم کے کسی حصہ میں زخم سے خون نکلنے پر وضودُھرانے کے متعلق ہے۔ امام بخاریؒ نے اس مسئلے کے بارے میں جتنے حوالے دیئے ہیں ان سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خون آلودہ حصہ دھولینا چاہیے۔ جیسا کہ پچھنے لگانے والے کے متعلق حضرت ابن عمرؓ اور حسن بصریؒ کا فتویٰ نقل کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا یہ فتویٰ امام شافعیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے بھی موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۶۹)

وَبَزَقَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِیْ اَوْفٰی دَمًا فَمَضٰی فِیْ صَلَاتِهٖ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ صحابی تھے۔ ان کے والد حضرت ابواوفیٰؓ کا نام علقمہ بن حارث ہے۔ یہ بھی صحابی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی عمر سات برس تھی جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو دیکھا۔ سفیان ثوری نے اپنی کتاب جامع میں عطاء بن سائب سے روایتاً حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ کے متعلق واقعہ مذکورہ بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔ حسن بصری و طاؤس بن کیسان و محمد بن علی بن حسین جو امام باقر کے نام سے مشہور ہیں۔ نیز اہل حجاز یعنی امام مالک وغیرہ کے فتویٰ کا جو ذکر باب مذکور میں ہے یعنی لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوْءٌ. اکثر اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اس فتویٰ کے خلاف ہیں۔ وہ سوائے اس خون کے جو حلق سے نکلے، باقی زخموں کے خون کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں بشرطیکہ وہ اتنی مقدار میں ہو کہ بہہ نکلے۔ (عمدۃ القاری جزء ثالث صفحہ ۵۲)

مگر امام بخاریؒ کے نزدیک زخموں کا خون ناقض وضو نہیں اور اس کے لئے انہوں نے غزوہ ذات الرقاع میں حضرت عباد بن بشیر انصاریؓ کے واقعہ کا حوالہ دیا ہے جس کی تفصیل کتاب المغازی میں آئے گی۔ نَزَفَهٗ کے معنی خون اس قدر نکلا کہ اسے نڈھال کردیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۶۸)

اس باب میں مختلف آراء کی طرف اشارہ کر کے امام موصوفؒ نے مسائل میں اس پہلو کو لیا ہے جو أَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ کی صحیح تفسیر ہے اور جس میں عملی سہولت ہے اور اسی کے مطابق حدیث نمبر ۱۷۶ تا ۱۷۹ نقل کی ہیں۔ حدیث ۱۷۶ میں حَدَث کی ادنیٰ حالت کا ذکر ہے اور حدیث نمبر ۱۷۷ کا مضمون پہلے (روایت نمبر ۱۳۷ میں) آچکا ہے۔ عباد بن تمیم کے چچا حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو ہوا خارج ہونے کے متعلق شک پیدا ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خاص ہدایت دی۔ شک کرنے والے کے لئے یہی دو بڑی محفوظ صورتیں ہیں ورنہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ حدیث نمبر ۱۷۸ میں مذی کا نکلنا بھی ناقض وضو قرار دیا ہے۔ حدیث نمبر ۱۷۹ سے واضح ہے کہ حَدَث کی حالت پیدا ہونے

کے لئے کسی شئے کا دو مخصوص راستوں سے نکلنا ہے۔ بشرطیکہ اس کا سبب بیماری نہ ہو۔ حَدَث کی باقی جتنی حالتیں تھیں وہ سب نظر انداز کر دی ہیں، بوجہ صحیح روایات نہ ملنے کے جو ان کی شرط کے مطابق ہوں۔

اِذَا جَامَعَ وَلَمْ يُمْنِ: انزال نہ ہونے کی حالت میں وضوء ٹھہرانے کو اس لئے کہا کہ مذی نکلنے کا احتمال ہے۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ میں مَلامست یعنی عورتوں کو چھونے سے مراد جماع ہے اور یہ جملہ اسی طرح کنایہ ہے جس طرح کہ اس سے پہلے کا یہ جملہ کنایہ ہے۔ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ:** جنگل سے آنے سے محض آنا مراد نہیں بلکہ قضائے حاجت ہے۔ اسی طرح چھونے سے مراد صرف چھونا نہیں بلکہ قضائے شہوت مراد ہے؛ جو منی کے نکلنے کے ساتھ پوری ہوتی ہے اور اس کے لئے غسل ضروری ہے۔ وضو کے لئے مخرجین سے منی کے سوا دوسری کسی غلاظت کا نکلنا ضروری شرط ہے۔ چونکہ انزال ہونے سے پہلے مذی عموماً نکلتی ہے، اس لئے اس حالت کو حدثِ اصغر میں ہی شمار کیا ہے۔ حدیث نمبر ۱۷۹ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ مذی کے متعلق حکم واضح کرنے کے لئے یہ تینوں حدیثیں یکے بعد دیگرے بیان کی گئی ہیں۔ فقہاء نے اس بارے میں ایک اختلاف کیا ہے جس کی تفصیل کتاب الغسل باب ۲۸ حدیث نمبر ۲۹۱ کی تشریح میں ملاحظہ ہو۔ **مذی** سفید رطوبت ہے جو ذَکر سے نکلتی ہے۔

لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ: شاید ہم نے تجھے جلدی میں ڈالا ہے۔ یعنی انزال سے پہلے بلا لیا ہے۔

اِذَا أُعْجِلْتَ اَوْ قُحِطْتَّ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے یہ مراد ہے کہ خواہ بیرونی سبب سے تجھے قبل از وقت چھوڑنا پڑے یا قلت منی وغیرہ کے سبب سے انزال نہ ہو تو اس صورت میں وضو ہی کرنا ہوگا۔

وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَّيَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ الْوُضُوْءَ: یعنی غندر (محمد بن جعفر) اور یحیٰ بن سعید قطان نے شعبہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: عَلَيْكَ الْوُضُوْءَ. احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ان کی یہ روایت نقل کی ہے۔ یحیٰ کے الفاظ یہ ہیں: فَلَيْسَ عَلَيْكَ غُسْلٌ (مسند احمد بن حنبل جزء ۳ صفحہ ۲۶) اور غندر کے یہ الفاظ ہیں: فَلَا غُسْلَ عَلَيْكَ، عَلَيْكَ الْوُضُوْءَ. (مسند احمد بن حنبل جزء ۳ صفحہ ۲۱)

بَاب ۳۵: اَلرَّجُلُ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ

جو آدمی اپنے ساتھی کو وضو کرائے

۱۸۱: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُّوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مُّوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا

۱۸۱: مجھ سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا: یزید بن ہارون نے ہمیں بتلایا: انہوں نے یحیٰ سے، یحیٰ نے موسیٰ بن عقبہ سے، موسیٰ نے حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کُریب سے، کُریب نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جب عرفات

أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ فَقَضَى حَاجَتَهُ قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ أَتُصَلِّي فَقَالَ الْمُصَلَّى أَمَامَكَ.

سے واپس ہوئے تو راستہ چھوڑ کر گھاٹی کی طرف گئے اور قضائے حاجت کی۔ حضرت اُسامہؓ نے کہا: میں آپؐ پر پانی ڈالنے لگا اور آپؐ وضو کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ نماز پڑھیں گے؟ فرمایا: نماز آگے (پڑھی جائے گی۔)

۱۸۲: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ وَّأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَّهُ وَأَنَّ الْمُغِيْرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ {وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ☆} وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

۱۸۲: ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا، کہا: ہم سے عبدالوہاب نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے یحيٰ بن سعید سے سنا۔ وہ کہتے تھے: سعد بن ابراہیم نے مجھے بتلایا کہ نافع بن جبیر بن مطعم نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت کرتے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپؐ حاجت کے لئے گئے اور یہ کہ حضرت مغیرہؓ آپؐ پر پانی ڈالنے لگے اور آپؐ وضو کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنا منہ اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے (اور اپنے سر پر مسح کیا☆) اور موزوں پر بھی مسح کیا۔

تشریح: اَلرَّجُلُ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ: فقہاء کے درمیان اس امر کے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ کسی سے وضو کرانا مکروہ ہے۔ بعضوں نے کہا: مکروہ تو نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ خود کرے۔ امام بخاریؒ نے اس اختلافی مسئلہ کے متعلق حدیث مذکور سے فیصلہ کر دیا ہے۔ یہ (حدیث ۱۸۱) حدیث نمبر ۱۳۹ میں بھی پہلے آچکی ہے۔ وہاں روایت کی سند اَور ہے اور یہاں اَور۔ اسی وجہ سے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔ وہاں فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے ان الفاظ کی صحت ثابت کرنے کے لئے دو[۲] روایتیں نقل کی ہیں، تا باب کا عنوان پوری صحت کے ساتھ واضح ہو۔

☆ الفاظ مَسَحَ بِرَأْسِهِ نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۳۷۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَاب ٣٦: قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ

بے وضو ہونے کے بعد قرآن پڑھنا وغیرہ

وَقَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَيَكْتُبُ الرِّسَالَةَ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ وَّقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ وَإِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ.

اور منصور نے ابراہیم (نخعی) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: کچھ حرج نہیں جو حمام میں قرآن پڑھا جائے۔ اور بغیر وضو کے خط لکھا جائے اور حماد نے ابراہیم (نخعی) سے نقل کیا: اگر نہانے والے تہ بند باندھے ہوں تو انہیں سلام کرو، ورنہ سلام نہ کرو۔

١٨٣: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَّوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيْلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيْلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَّجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ

۱۸۳: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے مخرمہ بن سلیمان سے، مخرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کُریب سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے بیان کیا کہ وہ نبی ﷺ کی بیوی حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہے اور وہ ان کی خالہ تھیں (کہتے تھے:) میں توشک (یعنی گدے) کے چوڑان میں لیٹا اور رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی بیوی اس کی لمبان میں لیٹے۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوئی، اس سے کچھ پہلے کا وقت تھا یا بعد کا وقت تھا تو رسول اللہ ﷺ جاگے اور بیٹھ گئے اور اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر نیند دور کرنے لگے۔ پھر آپؐ نے سورۂ آل عمران سے آخیر کی دس آیتیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپؐ ایک مشکیزہ کی طرف جو لٹک رہا تھا، اُٹھ کر گئے اور اس سے وضو کیا اور عمدگی سے وضو کیا۔ پھر

مُّعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: میں بھی اُٹھا اور اسی طرح کیا جس طرح آپؐ نے کیا۔ پھر جا کر آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا داہنا کان پکڑ کر مروڑنے لگے۔ آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وتر پڑھا۔ اس کے بعد لیٹ گئے۔ جب مؤذن آپؐ کے پاس آیا۔ تب آپؐ اُٹھے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ پھر باہر جا کر آپؐ نے صبح کی نماز پڑھی۔

تشریح: **قِرَأَةُ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرُهُ:** اس میں لفظ وَغَيْرُهُ سے مراد ذکر الٰہی کرنا، دعائے سلام دینا، دوسری دعائیں کرنا اور وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (سورة الواقعة: ۸۰) یعنی اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک و صاف کئے گئے ہیں۔ اس کا مفہوم تو بالکل ظاہر ہے۔ یعنی وہی لوگ اس کے معانی و حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہ کی آلائش سے پاک کر دیا ہے اور جنہیں روحانی پاکیزگی اور صفائی قلب عنایت ہوئی ہے۔ مگر بعض علماء نے اس آیت کی بناء پر ظاہری ادب کو بھی ملحوظ رکھنے کے لئے یہاں تک زور دیا ہے کہ بے وضو قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں۔ یہ غلو ہے۔ جب انسان ظاہر پرستی میں حد سے نکل جاتا ہے تو بالطبع روحانی امر میں وہ بے توجہ اور غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہری مشکلات میں پڑ کر نہ صرف اپنے آپ کو روحانی کمال حاصل کرنے سے محروم کر لیتا ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی روک دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے لوگ عام طور پر نماز ترک کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ دیتے ہیں۔ ذکر الٰہی زبان پر لانا گناہ سمجھتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں سنت نبوی پیش کر کے ان ضرر رساں مسائل کا سد باب کیا ہے۔

لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ: اس باب میں منصور بن معتمر کا جو حوالہ پیش کیا ہے کہ ابراہیم نخعی حمام میں قرأت جائز سمجھتے تھے تو غالباً حدثِ اکبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور نخعی کا قول جو حماد سے نقل کیا ہے کہ تہ بند نہ ہوں تو سلام

کہنا بھی جائز نہیں۔اس قسم کے مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق فطرت کے فتویٰ کے ساتھ ہے۔شارع اسلام ﷺ کسی کے سامنے ننگا ہونا مکروہ سمجھتے تھے۔

غرض ان اختلافی مسائل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل صحیح طور پر ثابت ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے سونے کے بعد اُٹھ کر (بے وضو ہونے کی حالت میں) قرآن مجید کی آیتیں پڑھی ہیں۔

یہ حدیث مختصراً نمبر ۱۱۷، ۱۳۸ میں آچکی ہے۔وہاں ان دونوں روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهِ اور فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهِ. یعنی مجھے بائیں طرف سے پھیر کر دائیں طرف کر دیا۔یہاں یہ الفاظ ہیں: أَخَذَ بِأُذُنِيْ الْيُمْنٰى يَفْتِلُهَا. شفقت سے کان مروڑا ہے اور پھر ان کو دائیں طرف کر دیا۔

فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ: وِسَادَةٌ کے معنی توشک (یعنی گدا)۔

عرب لوگ اب تک بھی زمین پر سوتے ہیں اور ان کے توشک بڑے بڑے گدیلے ہوتے ہیں۔بعض اتنے بڑے کہ زمین سے تقریباً آدھ فٹ اوپر ہوتے ہیں۔غریب گھروں میں بسا اوقات ایک ہی لمبا چوڑا توشک ہوتا ہے۔جس پر تین چار اشخاص لمبان اور چوڑان میں سمٹ کر سو جاتے ہیں۔احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حال آج سے چودہ سو (۱۴۰۰) برس پہلے بھی تھا۔حضرت ابن عباسؓ بچے تھے۔توشک کی چوڑان میں ان کی خالہ کے پاؤں کی طرف ان کو سلا دیا گیا۔چار پائیوں پر سونے والے بھی کبھی ایسا کر لیتے ہیں۔

بَاب ٣٧: مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ

بغیر سخت بے ہوشی کے جو (دوبارہ) وضو نہ کرے

١٨٤: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ

۱۸۴: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنی بیوی فاطمہ سے، انہوں نے اپنی دادی حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی۔وہ کہتی تھیں: میں نبی ﷺ کی بیوی حضرت عائشہؓ کے پاس؛ جب سورج گرہن ہوا؛ آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی ہیں۔میں نے پوچھا: ان لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ تو اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور سبحان اللہ کہا۔میں نے

وَقَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَأَشَارَتْ أَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي مَاءً فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ أَوْ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ لَهُ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا وَّأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

کہا: کوئی نشان ہے؟ تو انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں۔ تب میں بھی کھڑی ہوگئی۔اتنی دیر کھڑی رہی کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی اور میں نے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف بیان کی۔ پھر فرمایا: جو بھی ایسی چیز تھی، جس کو میں نے نہ دیکھا تھا، میں نے اس کو اپنی اس جگہ کھڑے کھڑے دیکھ لیا ہے۔ یہاں تک کہ جنت بھی اور دوزخ بھی۔ اور مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تم کو ایسا ہی آزمایا جائے گا جیسا کہ دجال کے فتنہ کے ذریعہ سے یا اس کے قریب قریب۔ میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماءؓ نے کونسا لفظ کہا۔ حضرت اسماءؓ کہتی تھیں: تم میں سے ایک شخص کے پاس (فرشتے) آئیں گے اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ جو ایمان لانے والا ہوگا یا یقین کرنے والا؛ میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماءؓ نے ان میں سے کون سا لفظ کہا؛ وہ کہے گا: وہ محمدؐ ہے، اللہ کا رسول ہے۔ ہمارے پاس کھلے کھلے دلائل اور ہدایت کی باتیں لایا اور ہم نے قبول کیا اور ایمان لائے اور پیروی کی۔ تب اس سے کہا جائے گا۔ اچھی طرح سے سوجا۔ ہم تو جانتے ہی تھے کہ تو مومن ہے اور جو منافق ہوگا یا شک کرنے والا؛ میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماءؓ نے ان میں سے کون سا لفظ کہا؛ وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ لوگوں کو میں نے کچھ کہتے سنا۔ میں نے بھی کہہ دیا۔

تشریح: **لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ:** اس باب میں بھی ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے، جو خفیف سی بے ہوشی کو بھی ناقض وضو قرار دیتے ہیں۔ حضرت اسماءؓ کو ایسی غشی نہیں ہوئی تھی جس میں کوئی ہوش نہیں رہتا اور انہوں نے وضو نہیں دھرایا، بلکہ سر پر پانی ڈال لیا ہے۔

یہ واقعہ روایت نمبر ۸۶ میں بھی گذر چکا ہے۔ وہاں سورج گرہن کا ذکر نہیں۔ یہاں اس کا ذکر کر کے نماز پڑھنے کا سبب واضح کر دیا ہے۔ باقی امور کے متعلق روایت نمبر ۸۶ کی تشریح دیکھئے۔ نیز ملاحظہ ہو تشریح روایت نمبر ۲۱۶، ۲۱۸، ۴۲۸۔

بَاب ۳۸ : مَسْحُ الرَّأْسِ كُلِّهُ

سارے سر کا مسح کرنا

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ (المائدة:۷) وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلَى رَأْسِهَا وَسُئِلَ مَالِكٌ أَيُجْزِئُ أَنْ يَّمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِاللهِ بْنِ زَيْدٍ.

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ اور ابن مسیّب نے کہا: عورت بھی آدمی کی طرح ہے۔ اپنے سر پر مسح کرے اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا۔ کیا سر کے ایک حصہ کا مسح کرنا کافی ہوگا۔ تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث سے استدلال کیا۔

۱۸۵ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللهِ ابْنِ زَيْدٍ وَّهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى أَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ نَّعَمْ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ

۱۸۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عمرو بن یحییٰ مازنی سے، عمرو نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے جو عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے کہا: کیا آپؓ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو کیا کرتے تھے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے کہا: ہاں۔ اور انہوں نے پانی منگوایا اور اپنے ہاتھ دو[۲] دفعہ دھوئے۔ پھر کلی کی اور تین دفعہ ناک صاف کیا۔ پھر تین دفعہ اپنا منہ دھویا۔ پھر اپنے ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے۔ پھر دونوں

غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتَّى ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ اس طرح کہ ان کو آگے سے لے گئے اور پیچھے سے لے آئے۔ اپنے سر کے اگلے حصہ سے شروع کر کے ان کو اپنی گدی تک لے گئے۔ پھر ان کو اسی جگہ واپس لائے، جہاں سے انہوں نے شروع کیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

تشریح: **مَسْحُ الرَّأْسِ كُلِّهِ:** سر پر مسح کرنے کے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے۔ آیا سارے پر کیا جائے یا ایک حصہ پر۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے ساتھ متفق ہیں۔ جو وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ میں ''ب'' کو زائد قرار دیتے ہیں۔ برخلاف امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کے جو ''ب'' کو تبعیضیہ قرار دے کر ایک حصہ مراد لیتے ہیں۔ ''ب'' دونوں مفہوم ادا کرتی ہے۔ مگر چونکہ سنت نبویہ نے عملاً مسح کر کے ایک مفہوم کی تخصیص کر دی ہے، اس لئے دوسرا مفہوم نہیں لیا جائے گا۔ (تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۴)

بَاب ۳۹ : غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا

١٨٦ : حَدَّثَنَا مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِيْهِ قَالَ شَهِدْتُّ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُّضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ وُضُوْءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكْفَأَ عَلَى يَدِهِ مِنَ التَّوْرِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ

۱۸۶: ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، کہا: وُہَیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عمرو سے، عمرو نے اپنے باپ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں عمرو بن ابی حسن کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق پوچھا۔ حضرت عبداللہؓ نے پانی کا ایک لگن منگوایا اور نبی ﷺ کے وضو کی طرح وضو کر کے ان کو دکھلایا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ پر اس لگن سے پانی اُنڈیلا اور تین دفعہ اپنے ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ لگن میں داخل کیا اور کلی کی اور

ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ.

ناک میں پانی لیا اور ناک صاف کی، تین چلوؤں سے۔ اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اپنا منہ تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دو دفعہ دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے سر کا مسح کیا۔ اس طرح کہ ان دونوں کو آگے سے لے گئے اور پیچھے سے لائے، ایک بار ہی۔ پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔

تشریح: غَسْلُ الرِّجْلَیْنِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ: سر کے مسح کے بعد باب مذکور باندھنے کی غرض اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے جو مسلمانوں کے بعض فرقوں کے درمیان چلا آ رہا ہے۔ یعنی وہ مشہور اختلاف جو قرآن مجید کی اس آیت کی دوسری قرأت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (المائدۃ:۷) اَرْجُلَكُمْ کو بِرُؤُوْسِكُمْ پر عطف کر کے "ب" حرف جار کے عمل کی وجہ سے اَرْجُلِكُمْ بھی پڑھا گیا ہے اور وُجُوْهَكُمْ پر عطف کر کے اَرْجُلَكُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں پاؤں پر مسح کرنا فرض ہوگا اور دوسری صورت میں دھونا جو جمہور کا مذہب ہے۔ ایک تیسرا فریق ہے جس نے دونوں صورتیں جائز رکھی ہیں۔ جمہور کا استدلال وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ کی حدیث سے بھی ہے اور اِلَى الْكَعْبَيْنِ کے الفاظ صفائی سے بتلاتے ہیں کہ دھونا ہی مراد ہے۔ کیونکہ مسح کرنے کا حکم ہوتا تو مسح میں ٹخنوں کے شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس اختلاف کی تفصیل بدایۃ المجتہد (کتاب الوضوء. الباب الاول. المسئلة العاشرة من الصفات) میں ملاحظہ ہو۔ امام بخاریؒ کے نزدیک پاؤں دھونا ضروری ہے اور انہوں نے باب کے عنوان میں اِلَى الْكَعْبَيْنِ کہہ کر نہ صرف حدیث مذکور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ آیت کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی یہ کہ الفاظ اِلَى الْكَعْبَيْنِ، اِلَى الْمَرَافِقِ کے مقابل میں واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اَرْجُلَكُمْ کا عطف وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر ہونا چاہیے نہ بِرُؤُوْسِكُمْ پر۔ یہ بالکل عیاں ہے۔ قرآن مجید میں ایسا طریقہ تعبیر جو اختیار کیا گیا ہے تو یہ مسح کے جواز کی استثنائی صورت کی طرف ضمناً اشارہ کرنے کے لئے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے؛ جو وحی کے معنی سمجھتے تھے؛ اپنے قول وعمل سے ان کی تشریح کر کے بتلا دیا ہے کہ پاؤں کا دھونا کب فرض ہے اور ان پر مسح کرنا کب جائز۔ گویا شریعت الٰہی نے ایک عام حکم دے کر استثنائی حالتوں کی تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی۔ (باقی بحث ملاحظہ ہو باب ۴۸ کی تشریح میں)

بَاب ٤٠ : اِسْتِعْمَالُ فَضْلِ وَضُوْءِ النَّاسِ

لوگوں کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا

وَأَمَرَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَهْلَهُ أَنْ يَّتَوَضَّئُوْا بِفَضْلِ سِوَاكِهِ.

اور حضرت جریر بن عبداللہؓ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ (اس پانی سے) وضو کر لیں جو ان کی مسواک کرنے کے بعد بچا تھا۔

١٨٧ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُوْلُ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْءِهِ فَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهِ فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ

۱۸۷: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: حکم نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میں نے حضرت ابو جُحَیفہؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو پہر کو ہمارے پاس آئے اور آپؐ کے لئے وضو کا پانی لایا گیا۔ (جس سے) آپؐ نے وضو کیا۔ پھر لوگ آپؐ کے وضو کا بچا ہوا پانی بدن پر ملنے لگے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور آپؐ کے سامنے ایک برچھی تھی۔

١٨٨ : وَقَالَ أَبُومُوسَى دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيْهِ وَمَجَّ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهُمَا اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا.

۱۸۸: اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے تھے: نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں کچھ پانی تھا۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ اور منہ اس میں دھوئے اور اس میں کلی کی۔ پھر ان دونوں سے فرمایا: اس میں سے پی لو اور اپنے مونہوں اور سینوں پر ڈالو۔

١٨٩ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ

۱۸۹: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم نے کہا: میرے باپ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں

شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ قَالَ وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْءِهِ.

نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حضرت محمودؓ بن ربیع نے مجھے خبر دی۔ (ابن شہاب نے) کہا: یہ وہی محمودؓ ہیں جن کے منہ پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے کنوئیں سے (پانی لے کر) کلی کی تھی اور وہ اس وقت لڑکے تھے۔ نیز (ابن شہاب نے کہا:) عروہ نے مسور اور ان کے علاوہ (لوگوں) سے (بھی) روایت کی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی تصدیق کرتا تھا کہ جب نبی ﷺ وضو کرتے تو قریب ہوتا کہ صحابہؓ آپؐ کے وضو کے پانی پر آپس میں لڑ پڑیں۔

تشریح: **فَضْلُ وُضُوْءِ النَّاسِ:** سے مراد وہ بچا ہوا پانی بھی ہے جو وضو کرنے کے بعد برتن میں رہ جاتا ہے اور وہ بھی ہے جو اعضاء کو دھوتے وقت گرے۔ فقہاء کے درمیان ایسے پانی کو استعمال کرنے سے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال شدہ پانی کو اپنے جسم سے ملنے اور نیز حضرت جریر بن عبد اللہؓ کا اپنے اہل بیت کو مسواک سے بچے ہوئے پانی کو یا اس پانی کو جس میں مسواک بھگوئی گئی تھی، استعمال کرنے کی اجازت دینے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ایسا پانی پاک ہے اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔

كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ: يَأْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْءٍ فَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهٖ۔ یعنی لوگ آپؐ کے بچے ہوئے پانی سے برکت چاہتے تھے۔ مَسَّحَ اور تَمَسَّحَ برکت دینے اور چاہنے کے معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مَسِيْح کے معنے مبارک، جسے برکت دی گئی۔ روایت نمبر ۱۸۹ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کو برکت حاصل کرنے کی اس قدر ہوس تھی (اِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ) کہ جب آپؐ وضو کرتے تو آپؐ کے وضو کا پانی لینے کے لئے قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس قسم کے مظاہرۂ محبت کی ایک اور مثال کتاب الشروط. باب الشروط فی الجهاد. روایت نمبر ۲۷۳۲ میں بھی ملاحظہ ہو۔ مخلصانہ عقیدت مندی اور محبت و عشق کا یہ عجیب نظارہ تھا جو آپؐ کے سوا کسی اور انسان کو نصیب نہیں ہوا۔ صحابہؓ کو کامل یقین تھا کہ وہ پانی شفا ہے اور وہ ان کے لئے فی الحقیقت شفا کا موجب ہوتا تھا۔ علم نفس اس کی کچھ ہی تشریح کرے، ہمیں امر واقعہ سے غرض ہے۔ روایت نمبر ۱۸۸ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کتاب المغازی باب غزوة الطائف کی پانچویں حدیث میں مذکور ہے۔ آپؐ اس وقت جعر انہ مقام پر تھے کہ اتنے میں ایک بدوی آیا اور اس نے کوئی وعدہ پورا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو۔ یعنی ایفاءِ وعدہ کا وقت قریب ہے۔ اس نے کہا: یہ بشارتیں تو بہت ہو چکی ہیں۔ یہ سن کر آپؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپؐ نے حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت بلالؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: اس نے تو بشارت کو ردّ کر دیا ہے۔ تم ہی قبول کرلو۔ ان دونوں نے کہا: ہم نے قبول کی۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا، جس میں پانی تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر اس میں کلی کی اور فرمایا: اس میں سے پیو اور اپنے منہ اور سینہ پر ڈالو اور تمہیں بشارت ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بعد کے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کے وارث ہوئے۔

امام بخاریؒ ان واقعات کی طرف اشارہ کر کے بتلاتے ہیں کہ یہ خارق عادت امتیاز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اور جہاں سچی محبت و عشق ہو وہاں کراہت ونفرت کا سوال نہیں رہتا۔ ہم دنیاوی عشق ومحبت کے مظاہرات میں بھی یہی دیکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہر مومن کے بچے ہوئے پانی کو شفا کا موجب قرار دیا ہے اور اس طرح نفرت کے احساسات کو مٹا کر محبت کے جذبات کی طرح ڈالی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: سُؤْرُ الْمُؤْمِنُ شِفَاءٌ۔
(المقاصد الحسنة. حرف الراء. نمبر ۵۳۴)

غرض امام موصوفؒ نے فقہی مسئلہ سے نظر پھیر کر ایک روحانی امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ظاہری فتویٰ کے ساتھ اس کا اتنا ہی تعلق ہے جتنا محبت یا نفرت کے احساسات کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ قواعد حفظانِ صحت کے اعتبار سے شارع اسلام کی تعلیم نہایت واضح ہے۔ یعنی یہ کہ پانی پیتے وقت اس میں سانس مت لو اور کم از کم تین بار دَم لے کر پیو۔

بَاب

۱۹۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ عَنِ الْجَعْدِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَقِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوْءِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

۱۹۰: ہم سے عبدالرحمٰن بن یونس نے بیان کیا، کہا: حاتم بن اسماعیل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے جعد سے روایت کی۔ جعد نے کہا: میں نے حضرت سائبؓ بن یزید سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میری خالہ نبی ﷺ کے پاس مجھے لے گئی اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میری بہن کا بیٹا بیمار ہے۔ تو آپؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ پھر آپؐ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پیا اور پھر میں آپؐ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور میں نے نبوت کی مہر آپؐ کے دونوں کاندھوں کے درمیان دیکھی، چھپر کھٹ کی گھنڈی کے مانند تھی۔

تشریح: گذشتہ باب اور روایت نمبر ۱۸۷، ۱۸۸ نیز ۱۸۹ پیش کر کے امام بخاریؒ نے ان کے ضمن میں یہ باب باندھا ہے، جس کا کوئی الگ عنوان قائم نہیں کیا بلکہ اس میں صرف ایک روایت لائے ہیں۔ اس خاص ترتیب کے اختیار کرنے سے ایک تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ باب کوئی علیحدہ نہیں بلکہ پہلے باب سے پیوستہ ہے اور دوسرا یہ سمجھانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں، وہ اپنی ہر بات میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے جو دوسرے کو حاصل نہیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی وجہ سے **حضرت سائبؓ بن یزید** کے بیمار ہونے پر ان کی خالہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جاتی ہیں۔ آپؐ ان کو برکت کی دعا دیتے ہیں۔ سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اپنے وضو کے بچے ہوئے پانی سے ان کو پینے کے لئے دیتے ہیں۔ حضرت سائبؓ بن یزید شفا پا جاتے ہیں اور آپؐ کی دعا کی برکت سے ان کو ایک لمبی عمر ملتی ہے۔ تین ہجری میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں وہ اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے اور ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ کی منڈی کے منتظم تھے۔

(الإصابه في تمييز الصحابه. حرف السين. سائب بن يزيد. نمبر: ۳۰۷۷)

روایت نمبر ۱۹۰ کو مدنظر رکھا جائے تو گذشتہ باب کی روایتوں کے لانے سے امام بخاریؒ کا جو مقصد ہے وہ واضح ہو جاتا ہے۔

بَاب ٤١ : مَنْ مَّضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ

جس نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا

۱۹۱ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ أَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ أَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَا أَقْبَلَ وَمَا أَدْبَرَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۱۹۱: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: خالد بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: عمرو بن یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی۔ انہوں نے برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا۔ پھر انہوں نے (منہ کو) دھویا۔ یا (کہا) کلی کی اور ناک میں پانی لیا، ایک ہی چلو سے۔ اور تین بار ایسا ہی کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو دفعہ دھویا اور سر کا مسح کیا۔ آگے بھی اور پیچھے بھی اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو اسی طرح ہے۔

تشریح: **مَنْ مَّضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ:** فقہاء نے کلی کرنے اور ناک میں پانی لے کر اس کو صاف کرنے کے متعلق بھی مختلف بحثیں اٹھائی ہیں کہ آیا یہ فرض ہے یا سنت؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ. لفظ وَجْهٌ سے چہرہ کا ظاہری حصہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس کے مختلف حصے بھی۔ جیسے ناک، منہ، آنکھ۔ غرض یہ بحث اٹھا کر بعض فقہاء نے ان کے دھونے کو فرض قرار دیا ہے اور بعض نے سنت۔ پھر انہوں نے اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا ایک چلو پانی سے کلی بھی کر سکتا ہے۔ اور اسی سے ناک میں بھی پانی لے سکتا ہے یا نہیں۔ امام بخاریؒ شروع میں واضح کر چکے ہیں کہ مختلف حالات کے ماتحت ایک ایک دفعہ اعضاء کو دھونے سے بھی وضو ہو سکتا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق بھی سنت نبویہ پیش کر کے جواز کی صورت بتلائی ہے۔ پانی کم ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی یہ روایت نمبر ۱۸۵ میں بھی گذر چکی ہے اور روایت ۱۹۲، ۱۹۹ میں بھی ہے۔ تینوں جگہ سند مختلف ہے۔ اس لئے الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ ان تینوں روایتوں کو یکجائی طور پر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ایک موقع پر وضو کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعضاء کو دو دو دفعہ دھویا اور بعض کو تین دفعہ اور ایک چلو پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ ورنہ آپؐ اعضاء کو اکثر تین تین دفعہ دھویا کرتے تھے۔ خاص واقعہ سے صرف جواز کی صورت نکلتی ہے۔

بَاب ٤٢: مَسْحُ الرَّأْسِ مَرَّةً

سر کا ایک دفعہ مسح کرنا

١٩٢: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُّضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ

۱۹۲: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا کہ وُہَیب نے ہم سے بیان کیا، کہا: عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ وہ کہتے تھے: میں عمرو بن ابی حسن کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن زید سے نبی کریم ﷺ کے وضو کے متعلق پوچھا تو انہوں نے پانی کا ایک لگن منگوایا اور ان کو وضو کر کے دکھلایا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر (پانی) اُنڈیلا اور انہیں تین دفعہ دھویا۔ پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈال کر کلی کی اور ناک

غَرَفَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَحَدَّثَنَا مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً.

میں پانی لیا اور ناک صاف کی، تین دفعہ پانی کے تین چلوؤں سے۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے منہ کو تین بار دھویا۔ پھر اپنے ہاتھ کو برتن میں ڈالا اور کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھوں کو دو دو بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے سر کا مسح کیا۔ اپنے ہاتھوں کو آگے سے لے گئے اور پیچھے سے لے آئے۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور موسیٰ نے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ ہم سے وُہَیب نے بھی یہی حدیث بیان کی اور کہا: اپنے سر کا انہوں نے ایک بار مسح کیا۔

تشریح: مَسْحُ الرَّأْسِ مَرَّةً: امام شافعیؒ کے نزدیک سر پر تین بار مسح کرنا مستحب ہے، بوجہ اس کے کہ اَلْوُضُوْءُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا. وضو میں تین تین بار دھونا ہوتا ہے۔ (باب ۲۴) مگر اس باب میں حضرت عثمانؓ کا جو واقعہ مروی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے سر پر ایک ہی دفعہ مسح کیا۔ امام بخاریؒ نے مزید مستند روایتیں پیش کر کے جمہور کے مذہب کی تائید کی ہے۔

پہلی روایتوں میں پوچھنے والے کا نام مذکور نہیں۔ سلیمان بن حرب کی روایت میں اس کا ذکر ہے۔

بَاب٤٣ : وُضُوْءُ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا

وَفَضْلُ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيْمِ ، مِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ.

اور عورت کے وضو سے بچا ہوا پانی۔ اور حضرت عمرؓ نے گرم پانی سے (اور) ایک عیسائی عورت کے گھر سے لے کر وضو کیا۔

١٩٣ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِ

۱۹۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُوْنَ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْعًا.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: مرد اور عورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اکٹھے وضو کیا کرتے تھے۔

تشریح: وُضُوْءُ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ: باب مذکور میں ایک بیہودہ اعتقاد کا ازالہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ مرد کے ساتھ وضو کرے یا وہ ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے وضو وغیرہ کریں۔ اس اعتقاد میں مشرکانہ خیالات کی ملونی ہے۔ جیسا کہ ہندو اب تک اس قسم کے اختلاط سے پرہیز کرتے ہیں۔ صحابہؓ کو ان امور کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرد وزن اکٹھے وضو کیا کرتے تھے۔ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کرتے ہوں یا وضو کرنے والے مرد اور عورتیں محرم ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی صورت ہو۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ صحابہؓ کے درمیان یہ پرہیز نہ تھا۔ اس روایت (نمبر ۱۹۳) میں مسلمان تو مسلمان حضرت عمرؓ نے عیسائی عورت سے پانی لے کر بھی وضو کیا ہے۔ چھوت کا مسئلہ اسلام میں نہیں۔ مسلمان ہندوستان کی مشرکانہ اقوام میں رہ کر اس امر میں انہی کی نقالی کرنے لگے ہیں۔ کسی کا ہاتھ لگ جانے یا عورت کا پانی استعمال کرنے سے اس پانی کے اندر کوئی خاص تغیر واقع نہیں ہو جاتا۔ جس سے دوسرے مرد یا عورت کے لئے اس کا استعمال کرنا ناجائز ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيْمِ کہہ کر اس قول کا بھی رد کر دیا ہے جو مجاہد سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۰) یعنی یہ کہ گرم پانی سے وضو کرنا ناجائز ہے۔ گرمی سے اس کے اندر کوئی نئی حالت نہیں پیدا ہو جاتی جو اس کو پانی کے نام اور معنی سے خارج کر دیتی ہو اور نہ چھوت سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار بایں الفاظ کیا: اَلْمَآءُ لَيْسَ عَلَيْهِ جَنَابَةٌ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۳) پانی جنبی کے چھونے سے جنبی نہیں ہو جاتا اور نہ مشرک کے چھونے سے وہ نجس ہوتا ہے۔ عنوان باب میں حضرت عمرؓ کے عمل کے متعلق جو اشارہ کیا گیا ہے اس کا ذکر عبدالرزاق' دارقطنی اور امام شافعیؒ نے صحیح سند کے ساتھ کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۰) جو لوگ ظاہری طہارت میں غلو سے کام لیتے ہیں وہ باطنی طہارت کی حقیقت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

بَاب ٤٤ : صَبُّ النَّبِيِّ ﷺ وَضُوءَهُ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ

نبی ﷺ کا اپنے وضو کا پانی بے ہوش پر ڈالنا

١٩٤ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

۱۹۴: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا: رسول

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِي وَأَنَا مَرِيْضٌ لَّا أَعْقِلُ فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَّضُوْئِهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَنِ الْمِيْرَاثُ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ.

اللہ ﷺ میری عیادت کو آئے اور میں ایسا بیمار تھا کہ ہوش نہیں رکھتا تھا۔ آپؐ نے وضو کیا اور اپنے وضو کے پانی سے کچھ پانی مجھ پر ڈالا۔ میں ہوش میں آیا اور میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ میراث کس کے لئے ہوگی۔ میرے وارث تو کلالہ ہیں۔ تب فرائض کی آیت نازل ہوئی۔

تشریح: صَبُّ النَّبِيِّ ﷺ وَضُوْئَهُ عَلَى مُغْمًى عَلَيْهِ: حالت بے ہوشی میں پانی ڈالنے کے متعلق جو عنوان قائم کیا ہے۔ اس سے کسی مسئلہ کا جواز یا عدم جواز ثابت کرنا مقصود نہیں بلکہ پانی کی ایک عام تاثیر کی طرف توجہ دلا کر وضو کا فلسفہ بیان کرنا مقصود ہے۔ جواز و عدم جواز کے متعلق وہ گذشتہ بابوں میں ذکر کر آئے ہیں۔ جہاں آپؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو بطور تبرک استعمال کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ (روایت نمبر ۱۸۷) یہاں پر یہ الفاظ قابل غور ہیں: وَأَنَا مَرِيْضٌ لَا أَعْقِلُ... فَعَقَلْتُ. پانی کے پڑنے سے ہوش وحواس ٹھکانے پر آ گئے۔ وضو کے متعلق تفصیلی تشریح روایت نمبر ۱۵۷، ۱۵۹۔ اور روایت نمبر ۱۶۴ کے ضمن میں روایت نمبر ۱۹۰ ملاحظہ ہو۔

كَلَالَةٌ: اس کو کہتے ہیں کہ جس کے باپ دادا فوت ہو چکے ہوں اور اس کی اولاد بھی نہ ہو۔

فَنَزَلَتْ: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اسی وقت نازل ہوئی۔

بَاب ٤٥

اَلْغُسْلُ وَالْوُضُوْءُ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ

لگن اور پیالے اور لکڑی اور پتھر کے برتنوں میں غسل اور وضو کرنا

١٩٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ إِلَى أَهْلِهِ وَبَقِيَ قَوْمٌ فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ فِيْهِ مَاءٌ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَّبْسُطَ فِيْهِ

۱۹۵: ہم سے عبداللہ بن منیر نے بیان کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن بکر سے سنا۔ وہ کہتے تھے: حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: نماز کا وقت ہوا تو جن لوگوں کا گھر نزدیک تھا وہ اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پتھر کا ایک لگن لایا گیا جس میں کچھ پانی تھا۔ وہ

كَفَّهُ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ. قُلْنَا كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ ثَمَانِيْنَ وَزِيَادَةً.

لگن چھوٹا تھا۔ آپؐ اس میں اپنا ہاتھ نہ پھیلا سکتے تھے۔ سب لوگوں نے وضو کیا۔ ہم نے کہا: تم کتنے تھے۔ کہا: اَسی (۸۰) سے کچھ زیادہ۔

١٩٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيْهِ وَمَجَّ فِيْهِ.

۱۹۶: ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا: ابواسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے بُرید سے، بُرید نے ابو بردہ سے، ابو بردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا، جس میں پانی تھا۔ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ اس میں دھوئے اور اس میں کلی کی۔

١٩٧: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَتَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِّنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَّيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

۱۹۷: ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن ابوسلمہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: عمرو بن یحيٰی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ آئے تو ہم ایک پیتل کے لگن میں آپؐ کے لئے پانی لائے۔ آپؐ نے وضو کیا اور اپنا منہ تین بار دھویا اور اپنے ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے اور اپنے سر کا مسح کیا۔ (اپنے دونوں ہاتھوں کو) آگے سے لے گئے اور پیچھے سے لے آئے اور اپنے دونوں پاؤں (بھی) دھوئے۔

١٩٨: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ

۱۹۸: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی، کہا: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے مجھے بتلایا کہ

قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَّرَجُلٍ آخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَتَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ وَّكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَ مَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَّمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِّحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتَّى طَفِقَ يُشِيْرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ.

حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: جب نبی ﷺ بیمار ہوئے اور آپؐ کی بیماری نے آپؐ پر سخت حملہ کیا تو آپؐ نے اپنی بیویوں سے اجازت لی کہ میرے گھر میں آپؐ کی تیمارداری کی جائے۔ تو انہوں نے آپؐ کو اجازت دی۔ اس پر نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لیتے ہوئے نکلے۔ آپؐ کے پاؤں زمین پر لکیر ڈال رہے تھے۔ حضرت عباسؓ اور ایک اور شخص کے درمیان۔ عبیداللہ کہتے تھے: میں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو یہ بتلایا تو انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہا: وہ حضرت علیؓ (بن ابی طالب) ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ جب نبی ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی اور آپؐ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسی مَشکوں سے پانی اُنڈیلو کہ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں۔ شاید کہ میں لوگوں کو وصیت کرسکوں۔ آپؐ کو ایک لگن میں بٹھایا گیا جو نبی ﷺ کی بیوی حضرت حفصہؓ کا تھا۔ پھر ہم آپؐ پر مَشکیں ڈالنے لگے۔ یہاں تک کہ آپؐ ہم کو اشارہ کرنے لگے کہ بس تم کر چکیں۔ پھر آپؐ لوگوں کے پاس باہر گئے۔

تشریح: **اَلْغُسْلُ وَالْوُضُوْءُ فِي الْمِخْضَبِ:** اس باب میں اور نیز اگلے باب میں نہانے دھونے کے برتنوں کا ذکر کیا ہے۔ قَدَحٌ پیالہ کو کہتے ہیں جو اکثر لکڑی کا ہوتا ہے۔ مِخْضَبٌ لگن، کپڑے دھونے یا

رنگنے کا برتن۔ پتھر کا بھی ہوتا ہے۔ دو برتنوں کا ذکر کر کے وَالْخَشَبُ کو اَلْقَدَح پراور اَلْحِجَارَۃ کو اَلْمِخْضَب پر معطوف کیا ہے۔ یعنی لکڑی کا ہو یا پتھر کا، ان دونوں قسم کے برتنوں کے استعمال کے متعلق پہلی دو روایتیں لائے ہیں۔ اس کے بعد دو اور روایتیں نقل کی ہیں، جن میں پیتل کے برتن اور چمڑے کی اشیاء کا ذکر ہے۔ اگلے باب میں طشت سے وضو کرنے کا ذکر ہے۔ امام موصوفؒ نے ان احادیث کا حوالہ دے کر جہاں نہانے اور وضو کرنے میں پانی کی کمیت کے متعلق مسائل مختلف فیہا کا حل کیا ہے۔ وہاں ضمناً ان لوگوں کے باطل خیالات کا بھی رد کیا ہے، جو دینی عبادات میں برتنوں کی تخصیص کرتے ہیں کہ اس قسم کے ہوں اور فلاں قسم کے نہ ہوں۔ مثلاً اب بھی ہندوستان میں نہ صرف ہندوؤں میں ہی یہ خیال پایا جاتا ہے بلکہ مسلمانوں میں بھی ہے کہ گڈوی ہندو کی اور لوٹا مسلمان کا۔ یہ گڈوی استعمال کرنا مکروہ سمجھتے ہیں اور وہ لوٹا۔ نہ صرف برتنوں بلکہ دھاتوں کے متعلق بھی یہی خیال ہے۔ مثلاً ہندو تانبا استعمال نہیں کرتے، مسلمان پیتل۔ ان تعصبات کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام کی اس جدوجہد کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ جو انہیں بنی نوع انسان کو چھوٹی چھوٹی مگر نہایت راسخ جہالتوں سے مخلصی دینے میں کرنی پڑی ہے۔ جو لوگ اپنی موجودہ ترقی پر نازاں ہوتے ہوئے انبیاءؑ کے جہادِ عظیم کی قدر و قیمت کا شعور نہیں رکھتے، ان کی مثال بالکل ان نالائق بچوں کی ہے جن کو بڑے ہو کر والدین کی تکالیف کا احساس نہیں ہوتا۔ روایت نمبر ١٩٥ کتاب المناقب باب علامات النبوۃ میں بھی دہرائی گئی ہے۔ اس معجزے کی تشریح اپنے محل پر ہو گی۔

روایت ١٩٧ کی تشریح روایت ١٨٥ میں دیکھیں اور ١٩٨ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت کا جو ذکر ہے یہ بخاری میں سات جگہ آیا ہے۔ کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ میں متعلقہ واقعات کی تفصیل دیکھی جائے۔ نفس مضمون کے ساتھ روایت نمبر ١٩٨ کا یہ تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند الضرورت سات مشکوں سے نہائے اور روایت نمبر ١٩٥ تا ٢٠١ لا کر امام بخاریؒ نے یہ سمجھایا ہے کہ کبھی آپؐ نے لگن سے پانی لے کر وضو کیا اور کبھی بڑے پیالے سے اور کبھی طشت سے اور کبھی ایک مُدّ پانی سے جو گیارہ[11] چھٹانک کا ہوتا ہے اور ایسا ہی ان برتنوں سے آپؐ نہائے بھی۔ ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نہانے اور وضو کرنے میں آپؐ ضرورت کے مطابق پانی استعمال کیا کرتے تھے۔

بَاب ٤٦ : اَلْوُضُوْءُ مِنَ التَّوْرِ

لگن سے وضو کرنا

١٩٩ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوْءِ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ

١٩٩: خالد بن مَخلَد نے بیان کیا، کہا: سلیمان نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ وہ کہتے تھے: میرے چچا وضو میں پانی بہت استعمال کرتے

أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا ☆ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَدْبَرَ بِهِ وَأَقْبَلَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ.

تھے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زیدؓ سے کہا: مجھے بتلائیں کہ آپ نے نبی ﷺ کو کس طرح وضو کرتے دیکھا؟ اس پر انہوں نے پانی کا لگن منگوایا اور اپنے ہاتھوں پر (پانی) اُنڈیلا اور تین دفعہ (ہاتھ) دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ لگن میں ڈالا اور کلی کی، ناک صاف کیا۔ ایک ہی چلو سے تین بار (ایسا کیا)۔ پھر اپنے ہاتھ ڈالے ان دونوں ☆ سے چلولیا اور اپنا منہ تین بار دھویا۔ پھر اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دو دو دفعہ دھوئے۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں میں کچھ پانی لیا اور اپنے سر کا مسح کیا۔ (اپنے دونوں ہاتھوں کو) پیچھے لے گئے اور آگے کو لائے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا کہ اسی طرح میں نے نبی ﷺ کو وضو کرتے دیکھا تھا۔

۲۰۰: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِإِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ فَوَضَعَ أَصَابِعَهُ فِيْهِ قَالَ أَنَسٌ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ قَالَ أَنَسٌ فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّأَ مَا بَيْنَ السَّبْعِيْنَ إِلَى الثَّمَانِيْنَ.

۲۰۰: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: حماد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ثابت سے، ثابت نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا تو آپؐ کے لئے ایک کھلے منہ کا چوڑا پیالہ لایا گیا۔ جس میں کچھ پانی تھا۔ آپؐ نے اپنی انگلیاں اس میں رکھ دیں۔ حضرت انسؓ کہتے تھے۔ میں پانی کو دیکھنے لگا۔ وہ آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے تھے: جن لوگوں نے وضو کیا میں نے ان کا اندازہ کیا۔ ستر (۷۰)، اسی (۸۰) کے درمیان تھے۔

☆ نسخہ مصطفائیہ میں اس جگہ "اَدْخَلَ يَدَيْهِ فَاغْتَرَفَ بِهِمَا" کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ مِنَ التَّوْرِ:** حدیث ۱۹۵ میں بھی اسی قسم کے معجزے کا ذکر حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ لیکن وہاں اُتِیَ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ ہے۔یعنی آپؐ کے پاس پتھر کا لگن لایا گیا۔جو اتنا چھوٹا تھا کہ آپؐ اس میں اپنا ہاتھ نہیں پھیلا سکتے تھے اور اس باب کی دوسری روایت میں فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ ہے۔یعنی آپؐ کے پاس ایک فراخ پیالہ لایا گیا۔اس سے بعض شارحین کا یہ خیال ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔مگر یہ صحیح نہیں۔واقعہ ایک ہی ہے،جیسا کہ وضو کرنے والوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے۔اس روایت میں بھی اَسی (۸۰) کے قریب ہی تعداد ہے اور یہاں بھی ایک ہی عنوانِ باب کے ماتحت روایت نمبر ۱۹۹، ۲۰۰ کو جمع کرنا بتلاتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے۔روایت ۲۰۰ کے الفاظ یہ ہیں: بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ یعنی کھلے منہ کا پیالہ اور عنوان باب کے یہ الفاظ ہیں: اَلْوُضُوْءُ مِنَ التَّوْرِ اور روایت ۱۹۵ کو بھی مِخْضَب یعنی لگن کے عنوان کے ماتحت لایا گیا ہے۔

روایت نمبر ۱۹۹ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں: كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوْءِ. یعنی میرے چچا وضو میں پانی بہت استعمال کیا کرتے تھے۔اس لئے میں نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ وضو میں کتنا پانی استعمال کیا کرتے تھے۔اس پر انہوں نے پانی کا ایک لگن منگوایا اور اس سے وضو کر کے دکھلایا۔ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوفؒ ان روایات سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔باب ۴۷ بھی وضو کے پانی کی مقدار کے متعلق ہے۔

بَاب ٤٧ : اَلْوُضُوْءُ بِالْمُدِّ

ایک مُدّ (پانی) سے وضو کرنا

٢٠١ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْسِلُ أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ وَّيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ.

۲۰۱: ہم سے ابونُعیم نے بیان کیا، کہا: مِسعَر نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے کہا: ابن جبر نے مجھ سے بیان کیا کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔کہتے تھے: نبی ﷺ ایک صاع سے لے کر پانچ مُدّ تک (پانی سے) نہائے یا کہا: غسل فرمایا کرتے تھے اور ایک مُدّ پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ بِالْمُدِّ:** حدیث نمبر ۲۰۰ سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ وضو کرنے میں پانی کی کوئی مقدار معین نہیں کیونکہ صحابہ لگن سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پانی لے لے کر وضو کرتے جاتے تھے۔ اس استدلال سے انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مقدارِ معین پر زور دیتے ہیں۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۸)

امام بخاریؒ نے حدیث نمبر ۲۰۰ کے بعد یہ باب اسی مذکورہ بالا اختلافی مسئلہ کی مناسبت کی وجہ سے قائم کیا ہے اور

سابقہ روایات کے مشترکہ مضمون اور امام شافعیؒ کا استدلال تسلیم کرتے ہوئے وہ اس باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ خیال بھی درست نہیں کہ وضو اور نہانے میں پانی استعمال کرنے کا کوئی اندازہ ہی نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراف سے منع فرمایا ہے اور ہر شئی میں اندازہ اور مقدار ملحوظ رکھی ہے۔ وضو کے متعلق فرمایا: اگر تم ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے ہو۔ تب بھی اسراف نہ کرو۔ مُدّ ایک پیمانہ تھا جس میں دو رِطْل وزنی شئی سما سکتی تھی۔ یعنی ایک سیر کے قریب اور صاع چار مُدّ یعنی ۸ رِطْل کا ہوتا ہے۔ جس طرح آج کل سیر ہمارے ہاں پکا اور کچا ہوتا ہے، اس زمانہ میں رِطْل کے وزن میں بھی اسی طرح فرق تھا اور اب بھی کچھ نہ کچھ فرق ہر جگہ ہے۔ ایک رِطْل کا اندازہ سوا پانچ چھٹانک کیا گیا ہے۔ اس حساب سے وضو کے لئے کم از کم مقدار پانی کی ایک سیر ہوتی ہے اور نہانے کے لئے سوا پانچ سیر۔ مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ آپؐ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے، جس میں تین مُدّ پانی آتا تھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی مقدار ضرورت و حالات کے لحاظ سے کم و بیش ہو جایا کرتی تھی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۸)

امام بخاریؒ نے باب کے عنوان میں کم از کم مقدار کی جو تخصیص کی ہے تو اس سے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو کسی اندازے کے قائل نہیں۔

بَاب ٤٨ : اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنا

٢٠٢: حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ عَنْ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرٌو حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ إِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ وَقَالَ

۲۰۲: ہمیں اصبغ بن فرج مصری نے ابن وہب سے روایت کرتے ہوئے بتلایا، کہا: مجھ سے عمرو نے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ابونضر نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے، ابوسلمہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے نبی ﷺ کے متعلق بیان کیا کہ آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح کیا اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: (یہ بات) درست ہے۔ جب حضرت سعدؓ نبی ﷺ کے متعلق کوئی بات بتائیں تو کسی دوسرے سے اس کے متعلق نہ پوچھا کرو اور

مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي أَبُو النَّضْرِ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَعْدًا... فَقَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ اللهِ نَحْوَهُ.

موسیٰ بن عقبہ نے کہا۔ ابونضر نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوسلمہ نے ان کو بتلایا کہ حضرت سعدؓ نے (ان سے یہ حدیث بیان کی تو) حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ سے اسی طرح کہا۔

۲۰۳: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ نَّافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ أَبِيْهِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيْرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيْهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

۲۰۳: ہم سے عمرو بن خالد حرانی نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحيٰ بن سعید سے، یحيٰ نے سعد بن ابراہیم سے، سعد نے نافع بن جبیر سے، نافع نے عروہ بن مغیرہ سے، انہوں نے اپنے باپ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق روایت کی کہ آپؐ قضائے حاجت کے لئے باہر گئے تو حضرت مغیرہؓ ایک ڈول جس میں پانی تھا؛ لے کر آپؐ کے پیچھے ہو لئے اور جب آپؐ حاجت سے فارغ ہوئے تو انہوں آپؐ پر پانی ڈالا۔ آپؐ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

٢٠٤: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَّحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَتَابَعَهُ حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ وَّأَبَانُ عَنْ يَّحْيَى.

۲۰۴: ہم سے ابونُعیم نے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحيٰ سے، یحيٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے روایت کی کہ ان کے باپ نے ان کو بتلایا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ حرب بن شداد نے بھی اور ابان نے بھی یحيٰ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی۔

۲۰۵: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ وَتَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۲۰۵: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: اوزاعی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحییٰ سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے جعفر بن عمرو (بن اُمیہ) سے، جعفر نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ — معمر نے بھی یہ روایت اوزاعی کی طرح بیان کی۔ انہوں نے یحییٰ سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابو سلمہ نے عمرو سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا۔

تشریح: **اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ:** مسح کرنے کے بارے میں جہاں تک آیت وَامْسَحُوْا بِرُؤُوسِكُمْ کی بناء پر اختلافی مسئلہ کا تعلق ہے۔ اس کی مختصر بحث روایت نمبر ۱۸۶ میں گذر چکی ہے۔ پاؤں ننگے ہوں تو ان کا دھونا فرض ہے اور اگر وضو کر کے موزے یا جرابیں پہن لے تو بغیر پاؤں دھونے کے پانچ نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ دوبارہ وضو کرنے کے وقت ان پر صرف مسح کر لینا کافی ہے۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ بعض نے حالت سفر میں مسح جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسح کرنے کے متعلق جو اکثر روایتیں آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سفر میں تھے۔ مگر یہ استدلال ایسا نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ اس کے مقابل پر یہ استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ سفر میں آپؐ نے مسح اسی لئے کیا کہ موزے اُتارنے میں مشقت تھی۔ حضر میں بھی یہی وجہ قائم رہتی ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضر کی حالت میں بھی مسح کیا ہے۔ بعض نے مسح افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ خارجی اور اہل شیعہ اس کے قائل نہیں اور اس کو مکروہ جانتے ہیں۔ گویا ایک ثابت شدہ سنت مٹانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مسح کرنے کے متعلق مستند روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ان سے مسح کرنے کے بارے میں ستر صحابہؓ نے روایتیں بیان کی ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۳۹۹)

پس جو لوگ اس سنت کو مٹانا چاہتے ہیں، ان کے مقابل اس سنت پر عمل کر کے اس کو قائم رکھنا نہایت عمدہ بات ہے۔ روایت نمبر ۲۰۵ کے آخر میں معمر کی روایت کا حوالہ دے کر لفظ رَأَيْتُ کے بعد وہ روایت دُہرائی نہیں۔ امام موصوفؒ نے یہ حذف اس امر کی طرف توجہ دلانے کے لئے کیا ہے کہ مسح کے متعلق یہ روایت شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہے۔ اس لئے لفظ رَأَيْتُ پر خاص زور دیا ہے۔

موزے جرابیں وغیرہ پہننے کی حالت میں مسح کرنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک مسلمان اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میں تعمیل حکم کرتا ہوں۔ اسلام جس کے معنی کامل فرمانبرداری کے ہیں، یہ تعلیم دیتا ہے کہ حکم بجالاتے وقت فرمانبرداری کی کوئی شق بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ کی رخصتوں اور اجازتوں سے فائدہ اٹھانا بھی فرمانبرداری کا ایک جزء ہے۔ اور اس سے انکار کرنا درحقیقت اسلام کے مفہوم سے انحراف کرنا ہے۔ قبولیت نہ محض ایمان سے ہے اور نہ محض عمل سے، بلکہ فرمانبرداری کی روح قائم رکھنے سے، جس میں اپنے نفس کی مرضی کا دخل نہ ہو۔ اس لئے شریعت نے جہاں جہاں استثنائی حالات کو مدنظر رکھ کر تعلیم دی ہے۔ وہاں سہولت سے فائدہ اُٹھانا گویا منشائے الٰہی کو پورا کرنا ہے اور اس کے برخلاف عمل کرنا شریعت سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھنا ہے۔

بَاب ٤٩ : إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ

اگر اپنے دونوں پاؤں (موزوں میں) داخل کرے جبکہ وہ دونوں پاک ہوں

٢٠٦ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

۲۰۶: ہم سے ابونُعیم نے بیان کیا، کہا: زکریا نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عامر سے، عامر نے عروہ بن مغیرہ سے، عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ میں آگے بڑھ کر جھکا کہ آپؐ کے موزے اُتاروں تو آپؐ نے فرمایا: انہیں رہنے دو کیونکہ میں نے ان کو باوضو پہنا تھا۔ آپؐ نے ان پر مسح کیا۔

تشریح: اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَان: یہ مسئلہ بھی تقریباً متفق علیہ ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں اگر موزے وغیرہ پہنے جائیں تو ان پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ هُمَا طَاهِرَتَانِ سے شرعی طہارت یعنی وضو ہی مراد ہے؛ نہ کہ محض ان کا دھونا۔ اس مسئلہ میں ایک جزئی اختلاف ہے، جس کی بناء دراصل اس اختلافی مسئلہ پر ہے کہ آیا وضو میں اعضاء کو ترتیب سے دھونا ضروری ہے یا غیر ضروری۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ترتیب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰۴) اس لئے اگر پہلے پاؤں دھو کر موزے یا جرابیں پہنے ہوں تو وہ مسح جائز نہیں سمجھتے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ طَاهِرَتَانِ کے ظاہری الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

حضر میں مسح کی حد ایک دن رات ہے اور سفر میں تین دن رات۔ امام مالکؒ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب موزے اتارے یا جنبی ہو تو پاؤں دھوئے۔ ورنہ جب تک چاہے موزوں پر مسح کرتا رہے۔ (تفصیل کے

لئے دیکھئے بدایة المجتهد. کتاب الوضوء. الباب الثانی فی مسح الخفین. المسئلة الخامسة فی التوقیت) باوضو پہن کر اگر تجدید وضو کرتے وقت ان پر مسح کیا ہو اور پھر اُتارنے کی ضرورت پڑے تو بعض فقہاء کی رائے ہے کہ پاؤں دھولے۔ سارا وضو کرنے کی ضرورت نہیں اور بعضوں نے کہا کہ دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔

بَاب ٥٠: مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَّحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيْقِ

جو شخص بکری کا گوشت اور ستو کھا کر وضو نہ کرے

وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ {لَحْمًا☆} فَلَمْ يَتَوَضَّئُوْا.

حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے (گوشت☆) کھایا اور وضو نہ کیا۔

٢٠٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

۲۰۷: ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا، (کہا:) مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا شانہ کھایا۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

٢٠٨: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَى السِّكِّيْنَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

۲۰۸: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عُقیل سے، عُقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جعفر بن عمرو بن اُمیہ نے مجھے بتلایا کہ ان کے باپ نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: آپؐ بکری کے شانہ سے گوشت کاٹ کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں آپؐ نماز کے لئے بلائے گئے تو آپؐ نے چھری وہیں پھینک دی اور آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

☆ لفظ "لَحْمًا" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۰۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَّحْمِ الشَّاةِ:** امام بخاریؒ نے تین باب یکے بعد دیگرے باندھے ہیں۔ پہلے کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا گوشت اور ستو کھائے اور وضونہیں دھرایا۔ دوسرے کا مضمون یہ ہے کہ آپؐ نے ستو کھا کر کلی کی اور وضونہیں دُھرایا۔ تیسرے کا مضمون یہ ہے کہ دودھ پیا اور کلی کی اور فرمایا: اس میں چکنائی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا کھانا پینا جس میں چکنائی ہو یا جس کا اثر منہ میں باقی رہتا ہو جیسے ستو اور دودھ تو اس کے بعد کلی کر کے نماز پڑھی جائے۔ یہ ان آداب طہارت میں سے ہے جن کا تعلق وضو اور نماز کے ساتھ ہے۔ پہلے باب کی حدیثوں میں گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کرنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد کے دو بابوں میں جو روایتیں ہیں ان میں جہاں وضو کی نفی ہے، وہاں کلی کرنے کی صراحت ہے۔ اس لئے اصول منطق کی بناء پر یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ کھانے کے بعد کلی کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ پہلی روایتیں صرف یہ بتلاتی ہیں کہ آپؐ نے وضونہیں کیا۔ یہ نہیں بتلاتیں کہ آپؐ نے کلی بھی نہیں کی اور بعد کی روایتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ آپؐ نے نہ صرف کلی کی بلکہ کلی کرنے کی وجہ بھی بیان فرمائی۔

امام بخاریؒ نے بابوں کی ترتیب میں منطقی اصول ملحوظ رکھ کر مسئلہ مذکورہ کو خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے اور یہ ضرورت ان کو اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے ایک موقع پر گوشت کھایا اور وضو کیا۔ ایسی حالت میں یہ بھی امکان ہے کہ آپؐ بے وضو ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ آپؐ پہلے وضونہیں کیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں آپؐ نے فرمایا کہ آگ سے پکا ہوا کھانا کھایا جائے تو وضو کر لینا چاہیے۔ یہ لوگ آپؐ کا پہلا عمل درآمد منسوخ سمجھتے ہیں اور آگ سے پختہ اشیاء کھانے سے وضو دُہرانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے باب کے عنوان میں خلفائے راشدین کا عمل درآمد پیش کر کے ان کے اس خیال کا ردّ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ.** (ابن ماجہ کتاب المقدمہ باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين) آپؐ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کا عمل یہ تھا کہ انہوں نے گوشت کھانے کے بعد وضونہیں کیا۔ سلیم بن عامر وغیرہ نے ان کے متعلق یہ روایت مذکورہ بالا بیان کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰۶) لہٰذا خلفائے راشدین کا عمل درآمد اختلاف کی صورت میں ایک فیصلہ کن شہادت ہے۔ حضرت جابرؓ کی مشہور روایت اس باب میں واضح ہے۔ **كَانَ اٰخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكُ الْوَضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ.** (عمدۃ القاری جزء ثالث صفحہ ۱۰۵) اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

امام بخاریؒ نے باب کے عنوان میں **لَحْمُ الشَّاةِ** یعنی بکری کے گوشت کی جو تخصیص کی ہے تو یہ اس لئے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور بعض شافعی اہل حدیث نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو ضروری قرار دیا ہے۔ ان کے اس خیال کی بناء مسلمؒ کی ایک روایت ہے اور وہ اسے مستحب سمجھتے ہیں۔ اس خیال سے نہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ مشارالیہا روایت کے احترام کو مدنظر رکھ کر امام بخاریؒ نے **لَحْمُ الشَّاة** کی تخصیص کر کے اونٹ کے گوشت کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے۔ امام مسلمؒ کی روایت مذکورہ ان کی مقرر کردہ شروط صحت کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ اس تخصیص سے ضمناً اس کی تردید ہی معلوم ہوتی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰۵)

بَاب ٥١ : مَنْ مَّضْمَضَ مِنَ السَّوِيْقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

جس نے ستو کھا کر کلی کی اور وضو نہ کیا

٢٠٩ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَّوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

۲۰۹: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحيٰی بن سعید سے، یحيٰی نے بُشَیر بن یسار سے جو کہ بنو حارثہ کے مولیٰ تھے۔ روایت کی کہ سوید بن نعمان نے ان سے بیان کیا کہ جس سال خیبر فتح ہوا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب آپؐ صہباء میں پہنچے اور یہ جگہ خیبر کے وَرے نشیب میں ہے تو آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے توشے منگوائے۔ آپؐ کے پاس سوائے ستوؤں کے اور کچھ نہ لایا گیا۔ آپؐ نے حکم دیا اور وہ بھگوئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کھائے اور ہم نے بھی کھائے۔ پھر آپؐ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

٢١٠ : حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

۲۱۰: ہم سے اصبغ نے بیان کیا، کہا: ابن وہب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عمرو نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے بکیر سے، بکیر نے کُریب سے، کُریب نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے ان کے ہاں شانہ کا گوشت کھایا۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

بَاب ۵۲ : هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ

کیا دودھ پی کر کلی کی جاوے

۲۱۱ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَّ قُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسَمًا. تَابَعَهُ يُوْنُسُ وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

۲۱۱: ہم سے یحیٰ بن بکیر اور قتیبہ نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے تھے: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عُقیل سے، عُقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا اور کلی کی اور فرمایا کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے۔ عُقیل کی طرح یونس اور صالح بن کیسان نے بھی زُہری سے یہی روایت کی ہے۔

بَاب ۵۳ : اَلْوُضُوْءُ مِنَ النَّوْمِ

نیند سے اُٹھ کر وضو کرنا

وَمَنْ لَّمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوْءًا.

اور جو ایک دوبار کی اونگھ یا جھپکی سے وضو کرنا ضروری نہ سمجھے۔

۲۱۲ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَّا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ.

۲۱۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اونگھے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو چاہیے کہ وہ سو جائے۔ یہاں تک کہ اس سے نیند جاتی رہے۔ کیونکہ تم میں سے اگر کوئی اس حالت میں نماز پڑھے کہ وہ اونگھ رہا ہو تو اسے کچھ پتہ نہ ہوگا۔ شاید چاہے تو بخشش مانگنا- اور لگے اپنے آپ کو برا بھلا کہنے۔

۲۱۳ : حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ.

۲۱۳: ہم سے ابومعمر نے بیان کیا، کہا: عبدالوارث نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ایوب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوقلابہ سے، ابوقلابہ نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو وہ سو جائے، یہاں تک کہ جو کچھ پڑھ رہا ہو اسے معلوم بھی ہو۔

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ مِنَ النَّوْمِ:** اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ آیا نیند سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ بعض نے مطلق نیند کو خواہ تھوڑی ہو یا بہت ناقض وضو قرار دیا ہے اور بعض نے نہیں۔ اور بعض نے اونگھنا اور جھپکی وغیرہ ہلکی سی نیند کو مستثنیٰ کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر پوری نیند سے اُٹھے تو اسے وضو کرنا چاہیے۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا (المائدۃ:۷) میں قیام سے مراد نیند سے اُٹھنا لیا گیا ہے اور انہی معنوں میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث گذر چکی ہے: اِذَا اسْتَيْقَظَ احَدُكُمْ مِنْ نَّوْمِهٖ فَلْيَغْسِلْ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهَا فِيْ وَضُوْئِهٖ (روایت نمبر۱۶۲) یہی مذہب جمہور کا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے بھی لیٹ کر سونے والے کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ان میں سے امام مالکؒ نے بیٹھ کر سونے والے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ دیر تک نہ سوتا رہے۔ یعنی ایسی نیند ہو کہ کسی حد تک ہوش قائم رہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۰۹)

(بداية المجتهد. كتاب الوضوء. الباب الرابع. المسئلة الثانية فى النوم)

باب کے عنوان نیز حدیث نمبر۲۱۲، ۲۱۳ سے شارع اسلامؐ کا یہ مقصد واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اونگھنے والے کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ وضو کا رہنا یا نہ رہنا؛ یہ سوال ہی ایک دوسرا ہے۔ ایسے شخص کے لئے جو اونگھ رہا ہو، ارشاد نبویؐ یہ ہے: فَلْيَرْقُدْ۔ وہ نماز چھوڑ کر وضو کے رہنے یا نہ رہنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سو جائے۔ کیونکہ نماز صرف قیام، رکوع اور سجود کا نام ہی نہیں؛ بلکہ دعا و مناجات ہے جس کا سمجھنا و جاننا ضروری ہے۔ یہ اصل حکم ہے شارع اسلامؐ کا۔ ان احادیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے لئے اپنی نماز کے معانی کا سمجھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد اس بارے میں نہایت منذر ہے۔ فرماتا ہے: وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥ (الماعون: ۵-۶) یعنی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ منہ سے الفاظ تو نکل رہے ہیں مگر سمجھتے بوجھتے کچھ نہیں اور نہ دلوں میں ان کا کچھ اثر ہے۔

بَاب ٥٤ : اَلْوُضُوْءُ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

باوضو ہوتے ہوئے وضو کرنا

٢١٤ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا... ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قَالَ يُجْزِئُ أَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

۲۱۴: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عمرو بن عامر سے روایت کی۔ عمرو نے کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔__ (امام بخاریؒ نے کہا:) نیز ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سفیان سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: عمرو بن عامر نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: تم کس طرح کرتے تھے۔ جواب دیا: ہم میں سے ایک کے لئے وضو اس وقت تک کافی ہوتا جب تک وہ بے وضو نہ ہو جاتا۔

٢١٥ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ فَلَمَّا صَلَّى دَعَا بِالْأَطْعِمَةِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

۲۱۵: ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، کہا: سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: یحيٰ بن سعید نے مجھ سے بیان کیا۔ (یحيٰ نے) کہا: بُشَیر بن یسار نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے کہا: سوید بن نعمان نے مجھے بتلایا۔ کہا: جس سال خیبر فتح ہوا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب ہم صہباء میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو کھانے منگوائے۔ سوائے ستو کے اور کچھ نہ لایا گیا۔ ہم نے کھایا پیا۔ پھر نبی ﷺ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

مغرب کے لئے اُٹھے اور کلی کی اور پھر اس کے بعد آپؐ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ:** یہ عنوان قائم کر کے امام موصوف یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ حدث کی حالت پیدا ہو تو ہی وضو کیا جائے بلکہ وضو ہوتے ہوئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۲۱۴ سے واضح ہوتا ہے اور روایت نمبر ۲۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی حالت میں جب کہ پانی احتیاطاً محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی آپؐ ہر نماز کے لئے نیا وضو نہ کرتے۔ اس باب میں یہ سمجھایا ہے کہ کسی امر کا جواز اس بات کے منافی یا مانع نہیں ہوتا کہ اس سے بہتر بات نہ کی جائے۔ قرآن مجید کے الفاظ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (المائدة:۷) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز کے لیے اُٹھو؛ نیا وضو کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طور پر عمل درآمد بھی یہی تھا۔ ایسا ہی یہ جو اجازت دی گئی ہے کہ ہلکی نیند پر جو بصورت اونگھ یا غنودگی ہو، وضو نہ دہرایا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو بہتر بات ہو وہ نہ کرے بلکہ اصل حکم و منشاء پر نظر رکھنا سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہے۔ باقی رہے جائز اُمور تو ان سے ضرورت پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اس سے فائدہ اُٹھایا۔ باب مذکور کے ذیل میں یہ دونوں روایتیں پہلو بہ پہلو لا کر امام موصوفؒ نے یہی نکتہ واضح کیا ہے۔ اب حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جائز امور تو اصل مقصد قرار دئے گئے ہیں اور اصل مقصد کو بالکل نَسْيًا مَّنْسِيًّا کر دیا گیا ہے۔

بَاب ٥٥ : مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لَّا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ

کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے بول (پیشاب) سے بچاؤ نہ کرے

٢١٦: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ أَوْ مَكَّةَ فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي

۲۱۶: ہم سے عثمان نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے مجاہد سے، مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کی دیوار کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے دو آدمیوں کی آواز سنی، جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: انہیں

كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً فَقِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ إِلَى أَنْ يَّـيْبَسَا.

عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا۔ پھر فرمایا: بلکہ ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپؐ نے ایک کھجور کی شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑہ گاڑ دیا۔ آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپؐ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا: شاید ان سے یہ عذاب ہلکا کردیا جائے جب تک کہ یہ خشک نہ ہو جائیں۔ یا (یہ کہا:) حتی کہ یہ خشک ہو جائیں۔

تشریح: **مِنَ الْكَبَائِرِ اَنْ لَّا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهٖ:** عام طور پر لوگ پیشاب کی ناپاکی کو معمولی خیال کر کے اس سے پرہیز نہیں کرتے اور یہ سمجھ کر کہ ایک آدھ قطرے یا چھینٹے سے کپڑا ناپاک ہوگا۔ بغیر پانی وغیرہ سے صاف کرنے کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس تساہل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قطرہ قطرہ جمع ہو کر عفونت و بدبو پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے شارع اسلامؐ نے پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کو گناہ قرار دیا ہے اور مسلمان ایک لمبے عرصہ تک اپنے مرشد کامل کی ہدایت کی بڑی احتیاط سے پابندی کرتے رہے ہیں۔ مگر یورپ کی اندھا دُھند تقلید نے پھر ان کو الٹے پاؤں پھیر دیا ہے۔ نہ ظاہری نجاست سے ان کو پرہیز رہا ہے نہ باطنی نجاست سے۔

روایت نمبر ۲۱۶ میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس کا تعلق عالم کشف سے ہے۔ (نیز دیکھیں تشریح روایت نمبر ۴۲۸) اہل اللہ اس قسم کے روحانی مشاہدات سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں اور ہمیں ان کے مشاہدات پر کامل یقین ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی- پہلا دقیقہ معرفت، صفحہ ۸۶۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف میں ان کی آواز روحانی کانوں سے سنی اور آپؐ نے روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ انہیں سزا دی جارہی ہے اور سزا بھی ایسی باتوں کی وجہ سے دی جارہی ہے، جو ایک اعتبار سے معمولی ہیں اور ایک اعتبار سے بڑی۔ یعنی چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر اگر اصرار کیا جائے تو وہ بڑا ہو جاتا ہے اور انسان کو سزا کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ لوگ پیشاب سے اور چغلی سے پرہیز نہیں کرتے اور انہیں معمولی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں ان کی روحانیت کو گندہ بنا سکتی ہیں۔ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے پرہیز نہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ طبیعت سے اس کی نفرت دور ہو کر گندی باتوں کے لئے میلان پیدا کرنے والی حرکات اور بواعث کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ معمولی بے احتیاطی ایک کبیرہ گناہ ہوگا۔ ایسا ہی چغلی کھانا بھی انسان کی سرشت میں فساد کا مرض پیدا کر کے ایک خطرناک صورت پیدا

کرسکتا ہے۔

وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ: یہ آپؐ نے ان فعلوں کی ظاہری صورت کو مدنظر رکھ کر فرمایا اور پھر بلٰی کہہ کر آپؐ نے نتائج کے اعتبار سے اُن کو کبیرہ قرار دیا ہے۔ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ کے یہ معنی بھی ہیں کہ پیشاب کرتے وقت لوگوں کے سامنے ننگ دھڑنگ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ پرواہ نہیں کرتا تھا۔ یہ فعل بھی بے حیائی پر دلالت کرتا ہے۔

دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا: آپؐ نے سبز ٹہنی جو دو ٹکڑے کر کے قبروں پر گاڑی ہے اور اس امید کا اظہار فرمایا ہے کہ ممکن ہے جب تک یہ خشک نہ ہوں سزا ان سے ہلکی کر دی جائے۔ یہ آپؐ نے گناہ اور سزا کی اہمیت آشکار کرنے کے لئے کیا۔ ان کی سزا کی کیفیت دیکھ کر آپؐ کا دل رقت سے بھرا ہوا تھا اور رحمت جو آپؐ کی فطرت کا خمیر تھا، جوش میں تھی۔ آپؐ نے ان کے لئے دعا کی اور گو ظاہری الفاظ میں دعا نہ بھی کی ہو۔ مگر اہل اللہ کی یہ قلبی رقت بذات خود ایک دعا ہے اور ان شاخوں کا گاڑنا بھی بتلاتا ہے کہ آپؐ نے ان دونوں سے عذاب ہلکا ہو جانے کی عملاً خواہش ظاہر فرمائی ہے اور اُمید کا اظہار کیا کہ ممکن ہے ان سے سزا ہلکی کی جائے اور یہ اس لئے کہ وہ نظارہ آپؐ کے دل میں کامل تواضع وخشیت کے جذبات پیدا کرنے والا تھا۔ جس کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جلال واستغناء کی صفات کا نقشہ واضح طور پر آپؐ کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا اور ان معنوی کیفیات کی وجہ سے آپؐ نے فرمایا: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا. انبیاء باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق عاشق کا سا ہوتا ہے اور وہ اس سے کبھی اپنی بھی منواتے ہیں۔ مگر وہ اس کے جلال و استغناء سے غافل نہیں ہوتے۔ خصوصاً جب وہ روحانی آنکھ سے ایسا ہیبت ناک نظارہ دیکھ رہے ہوں۔ ایک طرف تو آپؐ نے یہ راز کھولا اور دوسری طرف عالم آخرت کا یہ راز افشاء کیا کہ نباتات جس طرح ایک کثیف بے حرکت جسم کو اپنے اندر جذب کر کے ایک لطیف متحرک زندگی میں اسے تبدیل کرتے ہیں اور غیر عضوی زندگی کو عضوی زندگی میں نمایاں کرتے ہیں، اسی طرح انسان جو اپنی بدعملی سے ایک کثیف جسم اپنے ساتھ لے جاتا ہے؛ اس کا استحالہ کثافت سے لطافت میں اسی قسم کے قانون ربانی کے ماتحت ہے، جو قانون اس دنیا کے عالم جمادات ونباتات میں کام کر رہا ہے اور آپؐ کا سبز شاخوں کو گاڑنا اس راز کے بتانے کے لئے ایک ظاہری علامت تھی اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے خود اس کے ایک فعل کو بطور سفارش کے کھڑا کر دیا۔ عالم روحانی کے یہ راز ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے آپؐ نے لوگوں کو مختصر جواب دیا اور ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے اس قانون ربانی کی تشریح بھی کر دی۔ فرمایا: كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ. یعنی عالم آخرت میں اسی طرح نشو ونما پائے گا، جس طرح سیلاب کے کیچڑ میں دانہ نشو ونما پاتا ہے۔ وہاں بھی روح کی کثافتیں اسی طرح لطافتوں میں تبدیل ہوں گی، جیسے یہاں ترابی مواد لطیف زندگی میں تبدیل ہوتے ہیں

(دیکھئے حدیث نمبر ۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ .... لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ. آپؐ کے دل کی انتہائی افسردگی اور انقباض پر دلالت کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظارے نے آپؐ پر بہت گہرا اثر کیا تھا اور یہ مختصر جواب بھی جو آپؐ نے دیا ہے؛ صحابہؓ کے پوچھنے پر دیا ہے۔

بَاب ٥٦ : مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ

پیشاب دھونے کے متعلق جو حکم آیا ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

اور نبی ﷺ نے قبر والے کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے پیشاب سے بچاؤ نہیں کیا کرتا تھا اور آپؐ نے آدمیوں کے پیشاب کا ہی ذکر کیا۔

۲۱۷ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُوْنَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ.

۲۱۷: ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن ابراہیم نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے کہا: روح بن قاسم نے مجھ سے بیان کیا، کہا: عطاء بن ابی میمونہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ جب حاجت کے لئے جنگل کو جاتے تو میں آپؐ کے لئے پانی لاتا اور آپؐ اس سے استنجاء کرتے۔

تشریح: **غَسْلُ الْبَوْلِ:** امام بخاریؒ نے پیشاب دھونے کے متعلق باب باندھ کر ایک تو سابقہ حدیث کا حوالہ دیا ہے اور دوسرے حضرت انسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے وقت پانی سے استنجا کیا کرتے تھے۔ اس سے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپؐ ڈھیلے پر اکتفاء کیا کرتے تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ جنگل میں پانی نہ ملنے پر اگر کبھی ڈھیلے کو استعمال کرتے تو آپؐ بعد میں پانی سے استنجا کرتے۔ یہ مقصد ہے امام موصوفؒ کا اس باب کے باندھنے سے۔ چنانچہ اس کے بعد ایک دوسرا باب باندھا ہے مگر اس کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا۔ بلکہ سابقہ حدیث ہی دُہرا دی ہے تا پہلے باب کا مضمون واضح ہو جائے۔

وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاس: پہلے باب کے عنوان میں یہ جو کہا: وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو اپنے پیشاب ہی سے بچنے کی تاکید فرمائی تھی۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود اس پر کاربند نہ ہوتے۔ آپؐ جو کام کرنے کے لئے لوگوں کو فرماتے وہ خود بھی ضرور کرتے تھے۔

بَاب

۲۱۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَّطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَحَدَّثَنَا وَكِيْعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا مِّثْلَهُ.

۲۱۸: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: محمد بن خازم نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اعمش نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے طاؤس سے، طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: نبی ﷺ دوقبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: انہیں تو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے بچاؤ نہیں کیا کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپؐ نے کھجور کی تازہ شاخ لی اور درمیان سے اس کو دو ٹکڑے کر کے ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑہ گاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: شاید ان سے تخفیف کی جائے، جب تک یہ نہ سوکھیں۔ محمد بن مثنیٰ نے کہا: وکیع نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ (اعمش نے) کہا: میں نے مجاہد سے اسی طرح سنا ہے۔

بَاب ۵۷: تَرْكُ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيَّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ

نبی ﷺ اور لوگوں کا بدوی کو چھوڑ دینا، یہاں تک کہ وہ مسجد میں پیشاب کر چکا

۲۱۹: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ عَنْ

۲۱۹: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ہم سے ہمام نے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) اسحاق نے

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى أَعْرَابِيًّا يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ دَعُوْهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ.

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ نبی ﷺ نے ایک بدوی کو مسجد میں پیشاب کرتے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: اسے رہنے دو۔ یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہوگیا تو آپؐ نے پانی منگوایا اور اُسے وہاں بہادیا۔

تشریح: حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهٖ فِي الْمَسْجِدِ: بعض نے اس واقعہ سے ایک جواز کی صورت نکالی ہے اور وہ یہ کہ پانی میں اگر تھوڑی سی نجاست ہوتو بوجہ پانی کی پاکیزگی غالب ہونے کے وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ مگر یہ اسی طرح کا مسئلہ ہے جس کی بحث روایت نمبر ۱۷۰ باب ۳۳ میں ہوچکی ہے۔ اس سے قطعاً کسی قسم کے جواز کا استدلال نہیں ہوسکتا۔ امام موصوفؒ نے عنوان باب کے الفاظ نہایت احتیاط سے اختیار کئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدوی کو چھوڑ دینے اور پانی کے بہا دینے سے مذکورہ بالا جواز کی صورت نہیں نکلتی۔ امر مجبوری کی وجہ سے یہی ایک سہل علاج تھا کہ پانی بہا کر پیشاب کی نجاست ہلکی کردی جاتی تا وہ جلد زمین میں جذب ہوجائے۔ اس واقعہ سے جو بات نمایاں طور پر ہماری توجہ کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس مشفقانہ اخلاق سے متصف تھے۔ کوئی مولوی ہوتا تو وہ شور مچاتا اور گالی گلوچ پر اُتر آتا۔ مگر آپؐ نے لوگوں کو اس پر سختی کرنے سے روک دیا اور اس کو پیشاب کرنے دیا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اسے فرمایا کہ یہ مسجدیں پیشاب وغیرہ کے لئے نہیں۔ بلکہ اللہ کے ذکر کے لئے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۲۱)

بَاب ۵۸: صَبُّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں پیشاب پر پانی ڈالنا

۲۲۰: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ

۲۲۰: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے زُہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا: انہوں نے کہا: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے مجھے بتلایا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: ایک بدوی اُٹھا اور اس نے مسجد میں پیشاب کردیا۔ لوگوں نے اسے برا بھلا کہا۔ اس پر نبی ﷺ نے ان سے کہا:

وَهَرِيْقُوْا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ أَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُّيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ.

اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہادو۔ سَجْلٌ کا لفظ (کہا) یا ذَنُوب کا اور تم صرف اس لئے مبعوث کئے گئے ہو کہ آسانی کرنے والے بنو اور تم سختی کرنے کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے۔

۲۲۱: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۲۲۱: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: یحیٰ بن سعید نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے سنا۔ وہ نبی ﷺ کے متعلق روایت کرتے تھے۔

بَاب: يُهْرِيْقُ الْمَاءُ عَلَى الْبَوْلِ

پیشاب پر پانی بہا دیا جائے

وَحَدَّثَنَا خَالِدُ قَالَ وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُ النَّاسُ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوْبٍ مِّنْ مَّاءٍ فَأُهْرِيْقَ عَلَيْهِ.

نیز ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، کہا: سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحیٰ بن سعید سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے سنا۔ وہ کہتے تھے: ایک گنوار آیا اور اس نے مسجد کے ایک طرف پیشاب کیا۔ لوگوں نے اسے جھڑکا مگر نبی ﷺ نے انہیں منع کیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک ڈول پانی بہا دیا جائے۔ چنانچہ وہ اس جگہ بہا دیا گیا۔

تشریح: **صَبُّ الْمَآءِ عَلَى الْبَوْلِ:** سابقہ باب (نمبر ۵۷) کے ذیل میں حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے اور باب (نمبر ۵۸) میں حضرت ابو ہریرہؓ کی اور پھر حضرت انسؓ کی جو یحیٰ بن سعید نے نقل کی ہے۔ ان دونوں کا مضمون ایک ہے۔ یعنی لوگوں نے اس بدوی کو ڈانٹا۔ حضرت انسؓ کے الفاظ یہ ہیں: فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روک دیا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں جو آپؐ

نے ان کو روکتے ہوئے فرمائے: فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا الْمُعَسِّرِيْنَ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہؓ کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح میں نرمی اور آسانی اختیار کرنی چاہیے۔ یہاں اس روایت میں ایک عملی ثبوت ہے کہ آپؐ لوگوں کو جو کام کرنے کے لئے فرماتے وہ خود بھی ضرور کرتے۔

یہ ابواب سابقہ باب سے دو طرح کی مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات میں اسوۂ حسنہ تھے۔ جیسا کہ یہ حکم دیا: يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا. اور جب موقع ہوا تو آپؐ نے خود عملاً آسانی اور نرمی کا سلوک کیا۔ مگر پیشاب کی نجاست کو جہاں تک ممکن ہوا، دور کیا اور اس سے ملوث ہونے کو ایک گناہ سمجھا۔ اس لئے آپؐ کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ اس بارے میں تساہل سے کام لیتے ہوں اور دوسری مناسبت ظاہر ہی ہے کہ پیشاب دھونے کا مضمون ہے۔

بَاب ۵۹ : بَوْلُ الصِّبْيَانِ

بچوں کا پیشاب کرنا

۲۲۲ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ.

۲۲۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ ام المومنین سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا اور اس نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپؐ نے پانی منگوایا اور اسے اس پر بہا دیا۔

۲۲۳ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَّهَا صَغِيْرٍ لَّمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُوْلُ

۲۲۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، عبیداللہ نے محصن کی بیٹی حضرت ام قیسؓ سے روایت کی کہ وہ اپنے ایک چھوٹے بیٹے کو کہ جو کھانا نہیں کھاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں۔ رسول اللہ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ.

ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھایا۔اس نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔اس پر آپؐ نے پانی منگوایا اوراس پر چھڑک دیا اوراسے نہ دھویا۔

تشریح: بَوْلُ الصِّبْيَانِ: فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ کی ایک اور مثال دی۔اگر بچوں کے پیشاب کی وجہ سے ہر بار کپڑے دھونے اور بدلنے کا حکم ہوتا تو والدین کو مصیبت پڑ جاتی اور مائیں تو شاید کبھی بھی نماز نہ پڑھ سکتیں۔اسلام ایک عملی مذہب ہے اور شارع اسلام نے اعمال میں جس قدر سہولتیں دی تھیں۔آج کل کے مدعیان اسلام نے مسائل کو پیچیدگیوں میں ڈال کر بہت سی دقتیں اور دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔یہاں تک کہ ان کی ان حرکتوں نے نماز جیسی پاک چیز لوگوں سے چھڑا دی ہے۔امام بخاریؒ نے اسی وجہ سے یہ باب باندھے ہیں۔اسلام حد اعتدال چاہتا ہے۔نہ کہ افراط و تفریط۔قبروں کے متذکرہ بالا واقعہ کی بنا پر سختی شروع کر دینا شارع اسلام کے منشاء وحکم کے برخلاف ہے۔بعض شواذ روایتوں کی بناء پر لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں امام احمد بن حنبلؒ نے فرق کیا ہے۔یعنی لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنا کافی ہے اور لڑکی کے پیشاب پر پانی بہانا چاہیے۔مگر امام بخاریؒ نے یہ فرق نہیں کیا اور یہی مذہب ہے، اکثر ائمہ کا۔یعنی انہوں نے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھا۔دونوں پر پانی چھڑک دیا جائے یا پانی بہا دیا جائے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۲۴-۴۲۵)

نَضَحَ: اس کے معنی ہیں چھڑکنا۔کبھی آپؐ نے پانی بہایا اور کبھی چھڑکنے پر کفایت کی ہے۔جیسی ضرورت ہو، کیا جائے۔چھڑکنے سے مقصد صرف یہ ہے کہ اصل حکم طہارت نظر سے غائب نہ ہو۔

لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ: یعنی ایسا بچہ ہو جو کھانا نہ کھاتا ہو صرف دودھ پی رہا ہو اور اگر اس سے بڑا بچہ پیشاب کرے تو کپڑے یا جسم دھویا جائے۔

بَاب ٦٠: اَلْبَوْلُ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا

پیشاب کرنا؛ کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی

٢٢٤: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ.

۲۲۴: ہم سے آدم نے بیان کیا، (کہا:) شعبہ نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابووائل سے، انہوں نے حضرت حُذَیفہؓ سے روایت کی۔وہ کہتے تھے: نبی ﷺ ایک قوم کے گھورے (یعنی کوڑے کی جگہ) پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔پھر پانی منگوایا تو میں آپؐ کے پاس پانی لے کر آیا اور آپؐ نے وضو کیا۔

تشریح: اَلْبَوْلُ قَائِمًا: اس باب میں جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر ہے۔ بیٹھنے کے متعلق کسی خاص روایت لانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ ایک طبعی اور عام بات ہے کہ انسان جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتا ہے تو پیشاب بھی کرتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کسی روایت کے لانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حضرت حذیفہؓ کی یہی روایت اگلے باب میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: فَانْتَبَذْتُ یعنی میں ایک طرف ہٹ گیا۔ پانی منگوایا فَتَوَضَّأَ اور وضو کیا۔ یعنی استنجا کرنے کے بعد۔ نرم جگہ پیشاب کرنے سے چھینٹیں نہیں پڑتیں۔ بعض حالات میں انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔

بَاب ٦١

اَلْبَوْلُ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَالتَّسَتُّرُ بِالْحَائِطِ

اپنے ساتھی کے نزدیک پیشاب کرنا اور دیوار کی اوٹ لینا

۲۲۵: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُنِي أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشَى فَأَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ فَقَامَ كَمَا يَقُوْمُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ.

۲۲۵: ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابو وائل سے، ابو وائل نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے تو یہ (بھی) دیکھا ہے کہ میں اور نبی ﷺ اکٹھے چلے جا رہے تھے۔ آپؐ بعض لوگوں کے گھورے (کوڑے کی جگہ) پر گئے جو کہ ایک (باغ کی) دیوار کے پیچھے تھا اور اس طرح کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے جیسا کہ تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے۔ میں آپؐ سے ہٹ کر ایک طرف ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے اشارہ سے بلایا اور میں آپؐ کے پاس آیا اور آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ فارغ ہوئے۔

تشریح: اَلْبَوْلُ عِنْدَ صَاحِبِهِ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپؐ قضائے حاجت کے لئے دور جایا کرتے تھے حتیٰ کہ پیشاب کے وقت بھی کسی نہ کسی چیز کی آڑ لیتے۔ یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ آپ مسلمانوں کے بعض ضروری کاموں میں مشغول تھے۔ اسی اثنا میں پیشاب کی حاجت ہوئی اور آپؐ مجلس سے اُٹھ کر قریب کے گھورے (کوڑا کی جگہ) پر گئے۔ سامنے ایک باغ کی دیوار تھی۔ حضرت حذیفہؓ جو آپؐ کے ساتھ گئے تھے،

آپؐ نے ان کو اشارہ کر کے قریب کھڑا کر لیا تا آپؐ کو پیچھے سے آڑ میں رکھیں۔ وہ اس طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ جہاں سے آنے جانے والوں کی نظر پڑنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس سے آپ کی شرم و حیا کا پتہ چلتا ہے۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۲۹)

الفاظ وَالتَّسَتُّرُ بِـالْحَـائِطِ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپؐ دیواروں کی اُوٹ میں تھے۔ حضرت حذیفہؓ کو بطور مزید احتیاط کے کھڑا کیا کہ کوئی اس طرف نہ آئے۔

بَاب ٦٢: اَلْبَوْلُ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

کسی قوم کے گھورے کے پاس پیشاب کرنا

٢٢٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ أَبُو مُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَقُوْلُ إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ قَرَضَهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لَيْتَهُ أَمْسَكَ أَتَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا.

۲۲۶: ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابووائل سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پیشاب کی وجہ سے سختی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنو اسرائیل کی عادت تھی کہ جب ان میں سے کسی کے کپڑے میں (پیشاب) لگ جاتا تو وہ اس کو کتر ڈالتا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: کاش ابوموسیٰ رُک جاتے۔ رسول اللہ ﷺ بعض لوگوں کے گھورے کے پاس آئے اور آپؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

تشریح: **يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ:** اس باب میں روایت مذکورہ بالا لا کر امام بخاریؒ نے آخر میں اپنا مقصد واضح کر دیا ہے کہ پیشاب وغیرہ کے متعلق اس قسم کا تشدد کرنا کہ کھڑا ہو کر نہ کرے۔ یا فلاں جگہ بیٹھ کر کرے اور پیشاب کا چھینٹا اتنا پڑے تو کوئی حرج نہیں اور اتنا پڑ جائے تو نماز جائز نہیں۔ یہ سب تکلیف مالا یطاق ہے۔ شارع اسلام نے جہاں یہ حکم دیا ہے کہ انسان صاف ستھرا اور پاکیزہ رہے وہاں یہ بھی حکم دیا ہے کہ توہمات میں پڑ کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالے۔ بلکہ ہر امر میں میانہ روی اختیار کرے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نہایت برا جانتے تھے اور اگر کسی کو دیکھ لیتے تو اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ بنی اسرائیل اس امر میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ وہ جس جگہ چھینٹیں پڑ جائیں اتنا کپڑا کتر ڈالتے تھے۔ لیکن یہ افراط کوئی دلیل نہیں کہ وہ لوگ بہت پاک تھے۔ جب انسان

کسی ظاہری امر میں غلو کرتا ہے تو اس کی باطنی جہت میں کوتاہی کرنے لگتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے جو کہ جلیل القدر صحابی تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تشدد کے خلاف سنت بتائی ہے۔

بَاب ٦٣ : غَسْلُ الدَّمِ

خون دھونا

٢٢٧ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ كَيْفَ تَصْنَعُ قَالَ تَحُتُّهُ ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ وَتَنْضَحُهُ وَتُصَلِّي فِيهِ.

۲۲۷: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: فاطمہ نے حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ وہ کہتی تھیں: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: بھلا بتلائیں کہ ہم میں سے ایک کو کپڑے میں حیض آتا ہے تو وہ کیا کرے۔ فرمایا: اسے کھرچ ڈالے۔ پھر اس کو رگڑے اور پانی سے اس کو دھوڈالے اور اس میں نماز پڑھے۔

٢٢٨ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ

۲۲۸: ہم سے محمد نے بیان کیا، کہا: ابومعاویہ نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ہشام بن عروہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: ابوحُبَیش کی بیٹی حضرت فاطمہؓ نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ میں ایک عورت ہوں جس کو استحاضہ کی بیماری ہے اور میں پاک ہی نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ یہ تو ایک رگ (کا خون) ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ

الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي قَالَ وَقَالَ أَبِي ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلَاةٍ حَتَّى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ.

دواور جب بند ہو جائے تو خون اپنے بدن سے دھواور نماز پڑھ لو۔ (ہشام) کہتے تھے: میرے باپ نے یہ حدیث یوں بیان کی۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کر، یہاں تک کہ پھر وہی وقت آ جائے۔

تشریح: **غَسْلُ الدَّمِ:** یہ ایک تیسری مثال ہے عملی سہولت کی جو شارع اسلام نے دی ہے۔ استحاضہ کی حالت میں بیمار کو جائز ہے کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔ جب دوسری نماز کا وقت ہو تو پھر وضو کر لے۔ مسلسل بول یعنی پیشاب کے قطرہ قطرہ آنے یا ہوا کے بار بار خارج ہونے کی بیماری میں بھی ایسا ہی کرے۔

حَتّٰى يَجِيْءُ ذٰلِكَ الْوَقْتُ: حدیث نمبر ۲۲۸ میں جو حَتّٰى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ کے الفاظ ہیں، ان سے مراد حیض کا معین وقت ہے۔ اس میں نماز ترک کر دے اور حیض کا وقت ختم ہونے پر نہانے دھونے کے بعد پھر اسی طرح تازہ وضو کے ساتھ نماز پڑھے۔

بَاب ٦٤

غَسْلُ الْمَنِيِّ وَفَرْكُهُ وَغَسْلُ مَا يُصِيْبُ مِنَ الْمَرْأَةِ

منی کا دھونا اور اسے مل کر دور کرنا اور اس کو بھی دھونا جو عورت سے لگ جائے

۲۲۹: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ الْجَزَرِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ.

۲۲۹: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ (بن مبارک) نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عمرو بن میمون جزری نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے سلیمان بن یسار سے، سلیمان نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: میں نبی ﷺ کے کپڑے سے جنابت دھوتی۔ آپؐ نماز کے لئے نکلتے اور پانی کے دھبے آپؐ کے کپڑے پر ہوتے۔

۲۳۰: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ

۲۳۰: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: یزید نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عمرو نے سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میں

قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ.

نے حضرت عائشہؓ سے سنا۔ نیز ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عمرو بن میمون نے سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے منی کے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے تو انہوں نے کہا: میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھو دیا کرتی تھی اور آپؐ نماز کو نکلتے اور دھونے کا نشان آپؐ کے کپڑے میں ہوتا۔ (یعنی) پانی کے دھبے۔

تشریح: غَسْلُ الْمَنِيِّ وَ فَرْكِهِ: باب مذکور میں بیان کردہ مسئلہ ایسا ہے، جس کا ہر سلیم الفطرت انسان جو طہارت کو پسند کرتا ہے بالطبع پابند ہوتا ہے۔ سوائے ان کے جو ناپاک طبع ہوں۔ نفس مسئلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک امر جو امام بخاریؒ کے طریقہ بحث و تمحیص اور استنباط پر روشنی ڈالتا ہے، اس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہی واقعہ مختلف راویوں سے نقل کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے سننے یا ان سے پوچھنے کے متعلق جو اختلاف تھا وہ دور کر دیا ہے اور اس ضمن میں دوسرا باب قائم کر کے ایک اور مسئلہ بھی بیان کیا ہے۔ یعنی اگر دھونے کا نشان رہے تو کچھ حرج نہیں؛ نماز پڑھ لے۔ حضرت عائشہؓ کے قول کے راوی سلیمان بن یسار ہیں۔ روایت نمبر ۲۲۹ میں ان کے یہ الفاظ ہیں: عَنْ عَائِشَةَ ؓ یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ روایت نمبر ۲۳۰ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک میں سَمِعْتُ عَائِشَةَ ؓ یعنی میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا اور دوسری میں ہے سَأَلْتُ عَائِشَةَ یعنی میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ روایت ۲۳۱ میں ہے: قَالَتْ عَائِشَةُ ؓ یعنی حضرت عائشہؓ کہتی تھیں۔ روایت نمبر ۲۳۲ میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ امام بخاریؒ نے اس روایت کو مختلف سندوں سے اس لئے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ سلیمان نے حضرت عائشہؓ سے نہ خود پوچھا نہ خود سنا۔ بلکہ کسی عورت سے پوچھوایا۔ امام بخاریؒ نے ان کے اس خیال کی تردید کی ہے اور امام مسلمؒ نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے کہ سلیمان نے حضرت عائشہؓ سے خود سنا۔ صحابہؓ ضروری مسائل کی تحقیق میں بے جا شرم و حیا نہیں کرتے تھے۔ آزاد قومیں تحقیق کے ضمن میں شرم و حیا کے جذبات کو معیوب نہیں سمجھتیں اور محکوم قوم کی ذہنیت اس کو جائے عار و شرم گردانتی ہے۔ آج سے سینکڑوں برس پہلے بھی یہی حالت تھی اور اب بھی یہی ہے وہ قومیں جن کا ذہنی ارتقاء نمایاں ہوتا ہے، تحقیق و اکتشاف کے دوران میں جنسین کے شرم و حیا کے سوال کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں اور ان کے مقابل مغلوب قومیں بے جا شرم و حیا کا شکار ہو جاتی ہیں اور جنس اناث تو

خطرناک بیماریوں میں بھی مبتلا ہوکر اپنی حیا کے احساس پر غالب نہیں آ سکتیں۔صحابہؓ کے ذہنی ارتقاء کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم کو یہ نہیں دیکھنا کہ مسائل چھوٹے تھے یا بڑے۔ بلکہ اس روح حریت واخلاص کو دیکھنا ہے، جو اُن کے اقوال واعمال کے پیچھے کام کر رہی تھی۔طہارت وغیرہ مسائل کے متعلق پوچھنے پوچھوانے کو پست ذہنیت ہی بے شرمی کہے تو کہے مگر ترقی یافتہ ذہنیت اس کو نظر استحسان سے دیکھے گی۔صحابہؓ کا پہلا نقطہ نظر یہ تھا کہ ظاہر و باطن میں پاک وصاف ہونا ضروری ہے اور اسی دائرہ میں وہ اپنی آزادانہ روح کا اظہار کرتے تھے۔ پھر جیسے جیسے دائرہ عمل وسیع ہوتا گیا، ویسے ویسے وسعت کے ساتھ وہ اس آزادانہ روح کا اظہار کرتے گئے۔ یہاں تک کہ علم تشریح وطب وغیرہ علوم میں ان کی تحقیقات نہایت وسعت نظر اور علو ہمت پر دلالت کرتی ہے۔

بَاب ٦٥

إِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ أَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ

جب جنابت وغیرہ کو دھوئے اور اس کا نشان نہ جائے

٢٣١: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ الْمِنْقَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيْهِ بُقَعُ الْمَاءِ.

۲۳۱: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل منقری نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا: عمرو بن میمون نے ہمیں بتلایا۔کہا: میں نے سلیمان بن یسار سے سنا۔ وہ اس کپڑے کے متعلق جس کو جنابت لگ جائے، کہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے اس کو دھویا کرتی تھی۔ پھر آپؐ نماز کو نکلتے اور دھونے کا نشان اس میں ہوتا۔(یعنی) پانی کے دھبے۔

٢٣٢: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَرَاهُ فِيْهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا.

۲۳۲: ہم سے عمرو بن خالد نے بیان کیا، کہا: زُہَیر نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا: عمرو بن میمون بن مہران نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے سلیمان بن یسار سے،سلیمان نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ کے کپڑے سے منی دھویا کرتی تھیں۔(کہتی تھیں:) پھر میں اس میں کوئی دھبہ یا کئی دھبے دیکھتی۔

بَاب ٦٦ : أَبْوَالُ الْإِبِلِ وَالدَّوَابِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضُهَا

اونٹ اور چار پایوں اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے بیٹھنے کی جگہیں

وَصَلَّى أَبُو مُوْسَى فِي دَارِ الْبَرِيْدِ وَالسِّرْقِيْنِ وَالْبَرِّيَّةُ إِلَى جَنْبِهِ فَقَالَ هَاهُنَا أَوْ ثَمَّ سَوَاءٌ.

اور حضرت ابوموسیٰ نے دارالبرید اور گوبر کی جگہ میں نماز پڑھی، حالانکہ جنگل ان کے قریب ہی تھا اور کہا کہ یہاں وہاں برابر ہے۔

۲۳۳ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ أُنَاسٌ مِّنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَّأَنْ يَّشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوْا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيْءَ بِهِمْ فَأَمَرَ فَقُطِعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوْا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَلَا يُسْقَوْنَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَهَؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا وَكَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَحَارَبُوْا اللهَ وَرَسُوْلَهُ.

۲۳۳: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: حماد بن زید نے ہم سے بیان کیا۔ حماد نے ایوب سے۔ ایوب نے ابوقلابہ سے، ابوقلابہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عُکل یا عُرَینہ قبیلہ کے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے مدینہ کی ہوا ناموافق پائی تو نبی ﷺ نے انہیں چند اونٹنیوں کے متعلق حکم دیا اور فرمایا: وہ ان کے پیشاب اور دودھ پئیں۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ جب تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی ﷺ کے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ یہ خبر پہلے پہر پہنچی تو آپؐ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے۔ جب دن چڑھ گیا تو ان کو پکڑ کر لے آئے۔ آپؐ نے حکم دیا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور وہ پتھریلی زمین میں ڈال دیئے گئے۔ وہ پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی نہ دیا جاتا تھا۔ ابوقلابہ کہتے تھے: ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد انکار کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

٢٣٤: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ يَزِيْدُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ أَنْ يُّبْنَى الْمَسْجِدُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ.

۲۳۴: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ابوالتیاح یزید بن حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ پیشتر اس کے کہ مسجد بنائی جاتی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: **أَبْوَالُ الْاِبِلِ وَالدَّوَابِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضُهَا:** یہ ایک پانچویں سہولت ہے جو شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے گوالیہ اور زمیندار طبقہ کے لئے دی ہے۔ یہ لوگ عموماً ایسی جگہوں میں رہتے ہیں جہاں جانوروں کا پیشاب اور گوبر ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں ستھری جگہ دیکھ کر نماز پڑھ لے اور بے جا شکوک میں نہ پڑے۔

صَلَّى اَبُوْ مُوْسَى فِيْ دَارِ الْبَرِيْدِ : دارالبرید کوفہ میں ایک سرائے تھی۔ خلفاء کے پیغامبر اور ایلچی وہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس لئے اس کا نام دارالبرید مشہور ہوگیا۔ برید کے معنی ایلچی، پیغامبر اور برید بارہ میل کی مسافت کو بھی کہتے تھے۔ ۱۲ میل پر ڈاک تبدیل ہوا کرتی تھی۔ یہ سرائے کوفہ کے ایک کنارے پر تھی اور اس کے قریب ہی ایک بیابان بھی تھا۔ جہاں شہر کے جانور چرا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے وہیں صاف ستھری جگہ دیکھ کر نماز پڑھی اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ وہ مشکوک جگہ ہے۔

فقہاء نے ایک یہ بحث اٹھائی ہے: آیا نجاست دور کر کے طہارت حاصل کرنا نماز کے لئے بطور شرط کے ہے جس کے پورا ہونے کے ساتھ نماز درست ہوتی ہے یا بطور خود ایک علیحدہ ضروری امر ہے، جس کا براہ راست نماز کے ساتھ ایسا لازم وملزوم کا تعلق نہیں جس طرح وضو کا؟ جو لوگ اس کو نماز کے لئے شرط نہیں مانتے وہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے اس عمل سے اور نیز اس صحابیؓ کے عمل سے جو مجروح ہونے کی حالت میں نماز پڑھتا رہا تھا استدلال کرتے ہیں۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۳۷)

یہاں پیشاب، گوبر اور لید یا ناپاک ہونے کا قطعاً سوال نہیں۔ بلکہ ضرورت وقت اور تقاضائے حالات کا سوال ہے۔ بیماری کی مجبوری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیوں کو اونٹ کا پیشاب بطور علاج کے استعمال کرنے کی اجازت دی۔ اس اجازت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیشاب طیب وحلال شئے ہے۔ کسی استثنائی حالت سے قاعدہ کلیہ کا استنباط کرنا غلط طریقہ ہے، یہ نکتہ سمجھانے کے لئے امام بخاریؒ باب مذکورہ کے ذیل میں روایت ۲۳۳ لائے ہیں اور روایت ۲۳۴ سے بھی یہی سمجھانا مقصود ہے کہ شروع میں جب مدینہ میں کوئی مسجد نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھنی پڑی۔ روایت نمبر ۲۲۶ کے پیش نظر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا یہ حوالہ بھی قابل غور ہے۔

فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا: روایت نمبر۲۳۳ میں یہ جوآیا ہے: قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا .... اس واقعہ کی تفصیل کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں ملاحظہ ہو۔ خلاصہ اس کا یہ ہے: عکل یا عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے اور وہ بظاہر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد انہوں نے ظاہر کیا کہ مدینہ کی آب وہوا اور خوراک ان کے ناموافق ہے اور وہ بیمار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اونٹوں کا مطالبہ کیا: قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْغِنَا رِسْلًا ہمیں اونٹوں کے دودھ پینے کی عادت ہے۔ عرب لوگ بعض بیماریوں کا علاج اونٹ کے پیشاب اور دودھ سے کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایسا بخار رہوا تھا جس سے ان کے پیٹ پھول گئے تھے۔ چہروں کے رنگ زرد پڑ گئے تھے۔ ان کے جسم بھی لاغر ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے علاج کے لئے اونٹنیاں مانگیں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس یہاں تو کوئی اونٹ نہیں۔ صدقہ کے اونٹ ۷ میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ وہاں گئے اور جب اچھے ہو گئے تو وہ اونٹ ہانک کر لے گئے اور آپؐ کے چرواہے نے جس کا نام یسار تھا، ان کا تعاقب کیا تو انہوں نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ نہ صرف مار ڈالا بلکہ پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور اس کی آنکھیں اور اس کی زبان میں کانٹے چبھو چبھو کر چھلنی کر دیا اور اس طرح سخت اذیت دے کر اس کو ہلاک کیا۔ اس وقت تک عرب کے عام رواج کے مطابق قصاص کے قانون پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ اس لئے ان سے وہی سلوک کیا گیا۔ بعد میں جب اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (المائدة: ۳۴) کی آیت نازل ہوئی تو ایسی سزاؤں کی ممانعت کر دی گئی اور یہ واقعہ شرعی حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ ابوقلابہ کسی مسئلہ کے جواز کے متعلق رائے نہیں دے رہے۔ بلکہ جو اصل واقعہ ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ان کے جرم گنتے ہیں۔ کفر بھی ایک جرم تھا مگر کفر و ارتداد کی وجہ سے ان کو یہ سزا نہیں دی گئی۔ ان امور کی تفصیل انشاء اللہ اپنے محل پر ہوگی۔

بَاب ٦٧ : مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ

گھی اور پانی میں جو پلید چیزیں پڑ جائیں

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيْحٌ أَوْ لَوْنٌ وَّ قَالَ حَمَّادٌ لَّا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوَ الْفِيْلِ وَغَيْرِهِ أَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُوْنَ بِهَا وَيَدَّهِنُوْنَ فِيْهَا

اور زُہری کہتے تھے: پانی میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ مزا یا بُو یا رنگ اس کو بدلا نہ دے۔ حماد نے کہا کہ مردار کے ''پر'' استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زُہری نے ہاتھی وغیرہ جیسے مردہ جانوروں کی ہڈیوں کے متعلق کہا کہ میں نے پہلے علماء میں سے بعض لوگوں کو دیکھا ہے، جو اُن سے کنگھی کرتے تھے اور ان

لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا وَّقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَإِبْرَاهِيْمُ وَلَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ.

میں تیل رکھتے تھے اور اس بات میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا: ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں۔

۲۳۵: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ فَقَالَ أَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوْهُ وَكُلُوْا سَمْنَكُمْ.

۲۳۵: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، عبیداللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر گیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا: اس کو اور جو اس کے اردگرد ہے، پھینک دو اور اپنا گھی کھاؤ۔

۲۳۶: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ فَقَالَ خُذُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوْهُ قَالَ مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ مَا لَا أُحْصِيْهِ يَقُوْلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ.

۲۳۶: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: ہم سے معن نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ نبی ﷺ سے چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو اور جو گھی اس کے آس پاس ہے پھینک دو۔ معن نے کہا کہ مالکؒ نے اس حدیث کو اتنی دفعہ بیان کیا ہے کہ میں شمار نہیں کرسکتا۔ وہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے تھے۔ وہ حضرت میمونہؓ سے۔

۲۳۷: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيْلِ اللهِ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ.

۲۳۷: ہم سے احمد بن محمد نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: معمر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ہمام بن مُنبہ سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: ہر وہ زخم جو مسلمان کو اللہ کی راہ میں لگتا ہے، قیامت کے دن ہو بہو اپنی اسی شکل میں ہوگا جیسے اس وقت کہ جب وہ زخم لگایا گیا تھا۔ اس سے خون پھوٹ کر نکلتا ہوگا۔ رنگ تو خون کا رنگ ہوگا اور بو مشک کی بو ہوگی۔

تشریح: **مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَآءِ:** اس باب میں چند ایسے مسائل کی طرف اشارہ کرکے ان کا حل کیا ہے، جن کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ پانی کے متعلق متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ پانی پاک ہے، جب تک کہ اس کا مزہ یا رنگ یا بو نہ بدلے۔ اس پر یہ بحث اُٹھائی گئی ہے کہ اگر تھوڑی سی نجاست پانی میں پڑ جائے جس سے نہ اس کا رنگ بدلے نہ مزہ نہ بو تو کیا وہ پاک ہوگا اور آیا وہ استعمال کرلیا جائے اور کیا وہ اس آیت کے مطابق پانی کہلا سکے گا: وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (الانفال: ۱۲) یعنی وہ تم پر آسمان سے پانی اتارتا ہے تا اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کرے۔ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر نجاست سے پانی کے صفات مذکورہ میں تغیر واقع نہیں ہو تو وہ پانی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لَا بَأْسَ بِالْمَآءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ اَوْ رِيْحٌ اَوْ لَوْنٌ: زُہری بھی انہی میں سے ہیں جن کا حوالہ امام موصوفؒ نے باب کے عنوان میں دیا ہے۔ فقہاء کے درمیان یہ ایک اختلاف تھا۔ امام موصوفؒ نے اس کا حل نہایت خوبی سے کیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایسے پانی کے استعمال کرنے کا جواز امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس بارے میں ان کے تین قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ تھوڑی سی نجاست پانی کو خراب نہیں کرتی۔ وہ استعمال کرلیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خراب کردیتی ہے۔ استعمال نہ کیا جائے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ بکثرت ہو۔ امام بخاریؒ نے اس میں اختلاف کا حل خود امام مالکؒ کی مستند روایت سے کیا ہے جو بقول معن کے انہوں نے اتنی دفعہ بیان کی کہ وہ شمار نہیں کرسکتے اور وہ یہ کہ گھی میں چوہا پڑنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے گھی کو پھینکنے کا حکم دیا ہے۔ بعض مستند روایتوں میں اس امر کی تصریح ہے کہ گھی منجمد تھا اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمے ہوئے گھی کے متعلق یہ فتویٰ دیا

اور مائع گھی کے استعمال سے منع فرمایا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۴۷) غرض جبکہ منجمد گھی جس میں نجاست سرایت نہیں کرنے پاتی پھینکنے کے لئے فرمایا تو پانی جس میں نجاست سرایت کرتی ہے، اس کو استعمال کرنا کب جائز ہوگا۔ یہ امر واضح کرنے کے لئے باب باندھا ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کیا ہے: لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ. (روایت نمبر ۲۳۸) یعنی کھڑے پانی میں انسان پیشاب نہ کرے کیونکہ وہ ہاتھ منہ دھونے اور نہانے کے کام کا نہیں رہے گا۔ اگر نجاست کے پڑنے سے بو، رنگ اور مزہ کے بدلنے کی ہی خاص شرط ہوتی تو آپؐ اس کا ذکر فرماتے۔ ایک تو یہ مسئلہ اس طرح حل کیا اور دوسرا حل روایت نمبر ۲۳۷ سے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی چیز کی شکل بھی وہی ہو، رنگ بھی وہی ہو جو دیکھنے میں آیا کرتا تھا۔ مگر حقیقت اس کی متغیر ہو۔ جیسے شہداء کا خون۔ نظر تو وہ خون ہی آئے گا، رنگ بھی خون کا ہوگا۔ مگر حقیقت میں وہ خون نہ ہوگا۔ اس کی ماہیت تبدیل شدہ ہوگی۔ اس لئے اگر پانی کا مزہ بھی نہ بدلے اور بو اور رنگ بھی نہ بدلے۔ تب بھی یہ ممکن ہے کہ اس کے اندر ایسا فرق پیدا ہو جائے جس سے اس کی صفت طہارت مفقود ہو جائے۔ اگر صرف ظاہری الفاظ پر ہی انحصار رکھنا ہے تو پھر خوش بودار پانی بھی استعمال کرنا ناجائز ہوگا۔ حالانکہ وہ جائز بلکہ پسندیدہ چیز ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو امام بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پیش کیا ہے اور زُہری جیسے فقہاء کی منطق کا جواب منطق سے دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ کو قیاسی گردان کر یوں حل کیا ہے کہ انسان دیکھ لے کہ پانی اگر اس کثرت سے ہے کہ نجاست تمام پانی میں سرایت نہیں کرسکتی تو وہ اس کو بغیر توہم وتردد کے استعمال کرلے اور یہی خلاصہ ہے، روایت ۲۳۵، ۲۳۶ کا۔

لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ: باب کے عنوان میں ایک قول حماد کا نقل کیا ہے کہ مردہ جانوروں کے پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور دوسرا قول زُہری کا نقل کیا ہے کہ ہاتھی جیسے مردہ جانوروں کی ہڈیاں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے بعد ابن سیرین کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان اقوال کو ایک خاص ترتیب سے بیان کر کے یہ سمجھانا چاہا ہے کہ اس طرح مسائل کی باریکیوں میں پڑ کر انسان کہاں چلا جاتا ہے اور احادیث سے استدلال کرتے وقت (امام موصوفؒ نے) ان تمام مختلف فیہ مسائل کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ہم بھی اپنی شرح میں انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔ حرام اشیاء کی بیع کا مسئلہ کتاب البیوع میں اپنے محل پر بیان ہوگا۔

بَاب ٦٨ : اَلْبَوْلُ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

کھڑے پانی میں پیشاب کرنا

۲۳۸: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ	۲۳۸: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابوزناد نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمان بن ہرمز اعرج نے ان

حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ.

سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے: ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن آگے بڑھنے والے ہیں۔

۲۳۹: وَبِإِسْنَادِهِ قَالَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَايَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ.

۲۳۹: اور اسی اسناد کے ساتھ یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے پانی میں جو بہتا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں نہائے۔

بَاب ٦٩

إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيْفَةٌ لَّمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

اگر نماز پڑھنے والے کی پیٹھ پر گندگی یا مردار پھینک دیا جائے تو اس کی نماز خراب نہیں ہوتی

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ دَمًا وَّهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ إِذَا صَلَّى وَفِي ثَوْبِهِ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ أَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ أَوْ تَيَمَّمَ فَصَلَّى ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهِ لَا يُعِيْدُ.

(بخاریؒ نے کہا:) اور حضرت ابن عمرؓ جب کپڑے میں خون دیکھتے اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہے ہوتے تو اسے اتار دیتے اور نماز پڑھتے رہتے۔ اور ابن مسیّب اور شعبی نے کہا جب نماز پڑھے اور اس کے کپڑے میں خون یا جنابت ہو یا قبلہ سے کسی اور طرف منہ ہو یا تیمّم کر کے نماز پڑھے اور پھر (اسی نماز کے) وقت میں پانی پالے تو نماز نہ دھرائے۔

۲۴۰: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۲۴۰: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے ابو اسحاق سے، ابو اسحاق نے عمرو بن میمون سے روایت کی انہوں نے حضرت عبد اللہ (بن مسعودؓ) سے، انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ ﷺ

{سَاجِدٌ ☆} ح قَالَ وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَأَبُوجَهْلٍ وَّأَصْحَابٌ لَّهُ جُلُوْسٌ إِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَيُّكُمْ يَجِيْءُ بِسَلَى جَزُوْرِ بَنِي فُلَانٍ فَيَضَعُهُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهِ فَنَظَرَ حَتَّى إِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَأَنَا أَنْظُرُ لَا أُغْنِي شَيْئًا لَّوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ قَالَ فَجَعَلُوْا يَضْحَكُوْنَ وَيُحِيْلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَّرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ

{سجدہ میں☆} تھے۔ نیز (ابوعبداللہ بخاریؒ) نے کہا: مجھ سے احمد بن عثمان نے بیان کیا، کہا: شُرَیح بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ابراہیم بن یوسف نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے ابواسحاق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عمرو بن میمون نے مجھے بتلایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے بیان کیا کہ نبی ﷺ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم میں سے کون فلاں قبیلے کی اونٹنی کا بچہ دان لائے گا اور محمد کی پیٹھ پر جب وہ سجدہ کرے اس کو رکھ دے گا؟ تو ان لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ بد بخت تھا؛ اُٹھ کھڑا ہوا اور اسے لے آیا اور انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نبی ﷺ نے سجدہ کیا تو اس نے آپؐ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان اسے رکھ دیا اور میں دیکھ رہا تھا اور میں کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کاش مجھے روکنے کی قوت ہوتی۔ (حضرت ابن مسعودؓ) کہتے تھے: وہ ہنسنے لگے اور ایک دوسرے کے ذمے لگا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ سجدہ میں پڑے تھے۔ اپنا سر نہیں اُٹھاتے تھے۔ آخر حضرت فاطمہؓ آپؐ کے پاس آئیں اور انہوں نے آپؐ کی پیٹھ سے اس کو اُتار کر (ایک طرف) پھینک دیا۔ آپؐ نے اپنا سر اُٹھایا۔ پھر کہا:

☆ لفظ "سَاجِدٌ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۴۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذَا دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّ الدَّعْوَةَ فِي ذَلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ ثُمَّ سَمَّى اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ وَّعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَّعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْهُ قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْنَ عَدَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَرْعَى فِي الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ.

اے اللہ! تو ہی قریش سے سمجھ۔ تین بار فرمایا۔ یہ بات ان پر گراں گزری۔ کیونکہ آپؐ نے ان کے لئے بددعا کی اور (حضرت ابن مسعودؓ) کہتے تھے: وہ سمجھتے تھے کہ دعا اس شہر میں مقبول ہوتی ہے۔ پھر آپؐ نے نام لیا کہ اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ، عتبہ بن ربیعہ کو پکڑ، شیبہ بن ربیعہ کو پکڑ، ولید بن عتبہ کو پکڑ، اُمیہ بن خلف کو پکڑ اور عقبہ بن ابی مُعَیط کو پکڑ۔ (عمرو بن میمونہ نے) ساتویں کو بھی گنا۔ لیکن ہمیں یاد نہیں رہا۔ (حضرت ابن مسعودؓ) کہتے تھے: پس مجھے اس کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے ان لوگوں کو جن کو رسول اللہ ﷺ نے شمار کیا تھا، دیکھا کہ کنوئیں میں پچھڑے ہوئے پڑے تھے۔ یعنی بدر کے کنوئیں میں۔

تشریح: **اِذَا اُلْقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ:** باب نمبر ۶۶ کی تشریح میں بتلایا جاچکا ہے کہ فقہاء نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ آیا نجاست کا دور کرنا اور پاک وصاف رہنا وضوء کی صحت کے لئے اسی طرح شرط ہے جس طرح کہ حدث کی حالت میں وضو کرنا۔ یا وہ بذات خود ایک مستقل علیٰحدہ مقصد ہونے کی وجہ سے واجب اور ضروری ہے۔ جن لوگوں نے اس کو شرط قرار دیا ہے، ان کے نزدیک کپڑے پر تھوڑی سی نجاست بھی لگی ہو تو نماز جائز نہ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ اس کو اس کا علم نہ ہو یا وہ بھول گیا ہو یا اس کو دور کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور جن لوگوں نے اس کو نماز کے لئے شرط نہیں قرار دیا بلکہ اس کو علی الاطلاق ضروری قرار دیا ہے۔ یعنی نماز کی حالت میں ہو یا نہ۔ ان کے نزدیک نماز کے درست یا فاسد ہونے کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بذات خود ایک پسندیدہ فعل ہے اور اس کا تعلق پاکیزہ اخلاق کے ساتھ ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس بارہ میں علیحدہ تاکیدی احکام اور ہدایتیں دی ہیں۔ صاف ستھرا اور پاک وصاف رہنا بھی تعلیم اسلام کی رو سے ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر: ۵) نہ اس لئے کہ اس کا نماز کی صحت کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق ہے، جیسے وضو کا۔ یہ مذہب معقول ہے اور اسی مذہب کی تائید میں امام بخاریؒ روایت نمبر ۲۴۰ لائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بچہ دان ایک ناپاک چیز ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اس سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ صحابہؓ جوتیاں پہنے نماز پڑھتے اور کون نہیں جانتا کہ جوتیوں کے تلے علی العموم آلائش سے خالی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جوتا نماز پڑھنے کی حالت میں اتارا

اور صحابہؓ نے بھی یہ دیکھ کر اپنی اپنی جوتیاں اتار دیں تو آپؐ نے اپنا جوتا اتارنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے اتارنے کو پسند نہیں کیا اور نہ آپؐ نے نماز دہرائی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے بداية المجتهد)

باب کے عنوان میں یہ جو کہا ہے: قَالَ (أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِيْ ثَوْبِهٖ دَمًا وَّ هُوَ يُصَلِّيْ وَضَعَهُ. یہ قول مسئلہ مذکورہ کے متعلق اختلافی رائے بیان کرنے کے لئے درج کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ متشددین میں سے تھے۔ امام موصوفؒ کا یہ قاعدہ ہے کہ مخالف گروہ کا نقطہ نظر بھی وہ کسی نہ کسی رنگ میں بیان کر کے مستند حدیث سے اپنے اصل مقصد کو واضح کر دیتے ہیں۔ ابن مسیّب اور شعبی کے (جو تابعی ہیں) متذکرہ بالا حوالے امام ابن حجرؒ نے مفصل نقل کئے ہیں۔ اگر کوئی تیمّم کر کے نماز پڑھے اور پھر پانی پالے تو ان کے نزدیک اور آئمہ اربعہ کے نزدیک وہ نماز کا اعادہ نہ کرے۔ ایسا ہی قبلہ کے بارے میں بھی اکثر فقہاء کا یہی فتویٰ ہے۔ نیز خون یا منی وغیرہ کپڑے میں ہو تو اسلامی شریعت کے عام حکم کے مطابق تو یہی چاہیے کہ اسے دھو کر دور کر دے لیکن اگر کوئی مانع ہو تو نماز میں فرق نہیں آئے گا۔ اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی جو کہ متشددین میں سے تھے گو کپڑے اُتار دیتے مگر نماز جاری رکھتے۔ روایت نمبر ۲۴۰ کو ۵۲۰ میں دہرایا گیا ہے۔ اس میں ساتویں آدمی کا نام عمارہ بن ولید مذکور ہے۔

بَاب ٧٠: اَلْبُزَاقُ وَالْمُخَاطُ وَنَحْوُهُ فِي الثَّوْبِ

کپڑے میں تھوک اور رینٹھ وغیرہ کا لگنا

وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ.

عروہ نے مسور اور مروان سے نقل کیا کہ جس وقت حدیبیہ کا واقعہ ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ پھر انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تھوکا تو وہ تھوک ان میں سے کسی نہ کسی شخص کے ہاتھ پر پڑتا اور وہ اس کو اپنے منہ اور بدن پر مل لیتا۔

٢٤١: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۲۴۱: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حُمید سے، حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ کہا: نبی ﷺ نے اپنے

فِي ثَوْبِهِ {قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ ☆} طَوَّلَهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کپڑے میں تھوکا۔ (ابوعبداللہ☆ نے کہا کہ) ابن ابی مریم نے یہ حدیث لمبی بیان کی۔ انہوں نے کہا: یحيٰ بن ایوب نے ہمیں بتایا۔ یحيٰ نے کہا: حُمید نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ حضرت انسؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

تشریح: **اَلْبُزَاقُ وَالْمُخَاطُ فِي الثَّوْبِ:** کپڑے میں تھوک، رینٹھ وغیرہ لگا ہوتو کیا اس سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابن حزم نے ابراہیم نخعی اور حضرت سلمان فارسیؓ کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس کی رو سے تھوک وغیرہ جب وہ منہ سے باہر آ جائیں پاک نہیں رہتے بلکہ نجس ہوجاتے ہیں۔ بعض نے صلح حدیبیہ کے واقعہ سے جس کا مختصر ذکر اس سے پہلے روایت نمبر ۱۸۷ میں بھی آ چکا ہے۔ استدلال کیا ہے کہ تھوک پاک ہے۔ اگر پاک نہ ہوتا تو صحابہؓ منہ اور بدن پر کیوں ملتے۔ امام بخاریؒ نے باب کے عنوان اَلْبُزَاقُ وَالْمُخَاطُ وَنَحْوِهِ کے ساتھ فِي الثَّوْبِ کا لفظ بڑھا کر اس غلط خیال کی تردید کرتے ہوئے اصل بحث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آیا ان چیزوں کے لگنے سے کپڑا ایسا ناپاک ہوجاتا ہے کہ نماز ہی اس میں درست نہیں ہوتی اور باب کے عنوان میں صلح حدیبیہ کا واقعہ جو اشارۃً نقل کیا ہے، وہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ وہ خود اس سے تھوک کے پاک ہونے کے مسئلہ کا استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں۔ اگر یہ مسئلہ استنباط کرنے کا منشاء ہوتا تو باب کے عنوان سے الگ اس واقعہ کو حَدَّثَنَا کہتے ہوئے شروع کرتے۔ کیونکہ یہ روایت ایسی نہ تھی جو امام موصوفؒ کی شرطوں کے مطابق مستند نہ ہو۔ گو لفظی اختلاف ہے، مگر وہ اس کو مختصراً پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ (دیکھئے روایت نمبر ۱۸۷) اور کتاب الشروط میں تفصیل کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ عنوانِ باب میں اس کو لانے سے امام بخاریؒ کا مقصد صرف ان لوگوں کا نقطۂ نظر پیش کرنا ہے جو محولہ بالا واقعہ کی بناء پر تھوک کے پاک ہونے کا استدلال کرتے ہیں اور اس باب کے ضمن میں حضرت انسؓ کی جو روایت مختصراً بیان کی ہے، اس سے اپنا نقطۂ نظر بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ روایت بھی کتاب الصلوٰۃ میں مفصل آئے گی۔ اس میں ہے کہ آپؐ نے نماز کی حالت میں کپڑے میں تھوکا اور نماز فاسد نہیں ہوئی۔ جس طرح بچہ دان کے رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فاسد نہیں ہوئی تھی۔

بَزَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ثَوْبِهِ: امام بخاریؒ نے عنوان باب میں جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اس کا مقابلہ حضرت انسؓ کی روایت کے ساتھ اشارہ سے کیا ہے اور اس خوبی سے کیا ہے کہ بغیر بہت الفاظ استعمال کرنے کے اپنا مقصد واضح کر گئے ہیں اور قارئین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس پر غور کریں۔ کیونکہ اس کتاب کی ساری زینت یہی ان کا طرز بیان و استدلال ہے۔ بہت سے مسائل وہ اس طریقہ تعبیر سے حل کرتے جائیں گے۔

☆ الفاظ "قَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ" نسخہ بولاق کے مطابق ہیں (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۵۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

وہ روایت جو ان کے نقطۂ نظر کو پیش کرتی ہے۔ اس پر ایک اعتراض تھا اور وہ یہ کہ یحیٰی (قطان) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حُمید نے حضرت انسؓ سے نہیں سنا۔ بلکہ ثابت سے سنا، ثابت نے ابونضر سے سنا۔ امام موصوفؒ نے دوسندوں کا ذکر کرکے بتلایا کہ حُمید کی سماعت حضرت انسؓ سے ثابت ہے اور ان کی طرف سے اس روایت میں کوئی تدلیس یعنی ملاوٹ نہیں ہوئی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۵۹) چونکہ امام موصوفؒ اس سماعت کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ اس لئے سَمِعْتُ اَنَسًا کہنے پر کفایت کی ہے اور طَوَّلَهُ ابْنُ اَبِیْ مَرْيَمَ کہہ کر اس روایت کی طرف توجہ دلائی جس میں وضو کا ذکر ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے تدلیس کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ یہ بتلانے کے لئے کہ تدلیس عروہ کی مذکورہ بالا روایت میں ہوئی ہے نہ کسی اور میں۔ کیونکہ صلح حدیبیہ کے وقت وہ موجود نہ تھے۔ اس اعتبار سے یہ روایت مرسل ہوگی اور دوسری روایتیں وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِیُّ ﷺ کے مضمون کی تصدیق نہیں کرتیں، جیسا کہ وضو کے پانی پر صحابہؓ کے لپکنے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس لئے اس روایت کی بناء پر مسئلہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔ اس ضمن میں روایت نمبر ۱۸۹ کی تشریح بھی دیکھی جائے۔ وہاں امام بخاریؒ کے الفاظ قابل غور ہیں جو انہوں نے ابن شہاب سے نقل کئے ہیں۔ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ (اور اس کے بعد کے الفاظ بطور جملہ معترضہ کے ہیں جو تعارف کرانے کے لئے ابن شہاب نے کہے) وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهٖ سے مراد مروان بن حکم ہیں۔ عروہ وغیرہ کے قول کا عطف صالح پر پڑتا ہے۔ یعنی صالح نے ابن شہاب سے محمود بن ربیع کا قول بھی نقل کیا ہے اور عروہ کا بھی۔ اس بناء پر يُصَدِّقُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ سے مراد یہ ہوگی کہ محمود اور عروہ ایک دوسرے کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ تعلق کرمانیؒ نے واضح کیا ہے۔ جس کو امام ابن حجرؒ نے قبول نہیں کیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۵۹) مگر امام بخاریؒ کا طرز بیان دیکھ کر کرمانیؒ کا یہ خیال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

بَاب ۷۱: لَا يَجُوْزُ الْوُضُوْءُ بِالنَّبِيْذِ وَلَا الْمُسْكِرِ

نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں اور نہ ہی ایسی چیز سے جو نشہ آور ہو

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ وَقَالَ عَطَاءٌ التَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ وَاللَّبَنِ.

اور حسن اور ابوعالیہ نے اس کو مکروہ جانا ہے اور عطاء نے کہا کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کی نسبت تیمّم کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

۲۴۲: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ

۲۴۲: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: زُہری نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

حضرت عائشہؓ سے، حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: ہر ایک پینے کی چیز جونشہ لائے حرام ہے۔

تشریح: نَبِیْذٌ: خشک انگور کا شربت جونشہ آور نہیں ہوتا۔ امام بخاریؒ کو یہ باب قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ ایک کمزور روایت کی بناء پر جو امام ابن رشدؒ نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں مفصل بیان کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے سفر میں پانی نہ ملنے پر کھجور کے شربت سے وضو کرنے کی اجازت دی تھی۔ گو بعد میں انہوں نے اس فتویٰ سے رجوع بھی کرلیا۔ مگر باوجود اس کے بعض علماء اس کے جواز و عدم جواز کی بحث میں پڑ گئے۔ امام بخاریؒ نے یہ روایتیں بوجہ کمزور ہونے کے نظر انداز کر دی ہیں اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان چیزوں سے وضو کرنا جائز نہیں۔ حسن بصری اور ابوالعالیہ اور عطاء بن ابی رباح کے جن فتووں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل فتح الباری (جزء اول صفحہ ۴۶۰) میں دیکھی جائے۔ جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے قرآن مجید کے اس صریح حکم سے استدلال کیا ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدہ:۷) پانی نہ ملے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو صاف سادہ حکم ہے۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا شارع اسلامؐ کے منشاء کے بالکل برخلاف ہے۔

بَاب ۷۲: غَسْلُ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهِ

عورت کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ امْسَحُوْا عَلَى رِجْلِي فَإِنَّهَا مَرِيْضَةٌ.

اور ابوالعالیہ نے کہا: میرے پاؤں پر مسح کرو۔ کیونکہ وہ بیمار ہے۔

۲۴۳: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَسَأَلَهُ النَّاسُ وَمَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ أَحَدٌ بِأَيِّ شَيْءٍ دُوْوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي كَانَ عَلِيٌّ يَجِيْءُ بِتُرْسِهِ فِيْهِ مَاءٌ

۲۴۳: ہم سے محمد نے بیان کیا، کہا: سفیان بن عیینہ نے ابوحازم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سہل بن سعد ساعدی سے سنا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا تھا۔ اس وقت میرے اور ان کے درمیان اور کوئی نہ تھا۔ کس چیز سے نبی ﷺ کے زخم کا علاج کیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال لاتے تھے جس میں پانی ہوتا اور

وَّفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَّجْهِهِ الدَّمَ فَأُخِذَ حَصِيْرٌ فَأُحْرِقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ.	حضرت فاطمہؓ آپؐ کے چہرے سے خون دھوتی تھیں۔ پھر چٹائی لی گئی اور اسے جلایا گیا اور اس سے آپؐ کا زخم بھرا گیا۔

تشریح: **غَسْلُ الْمَرْأَةِ اَبَاهَا الدَّمَ:** باب مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت پر اپنا زخم اپنی بیٹی سے دھلوایا۔ جبکہ آپؐ کے داماد حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ پس اگر انسان بیمار ہونے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے خود وضو نہیں کر سکتا یا نہا نہیں سکتا تو وہ کسی دوسرے سے مدد لے لے، خواہ محرم عورت ہی ہو۔ ابوالعالیہ نے تو مسح بھی دوسروں سے کروایا تھا۔ ابوالعالیہ کا یہ واقعہ عاصم بن سلیمان نے بیان کیا ہے۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۶۱)

سابقہ باب میں کپڑے میں تھوک وغیرہ لگنے کا ذکر تھا۔ یہ باب قائم کر کے سمجھایا ہے کہ ازالہ نجاست ضروری ہے۔ خواہ وہ خون کی صورت میں ہو یا تھوک و رینٹھ کی صورت میں۔ بچہ دان جو آپؐ کی پیٹھ پر رکھا گیا تھا، وہ بھی علیحدہ کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ برداشت نہیں کیا کہ آپؐ کے سر اٹھانے سے بچہ دان گر کر بیت اللہ کے فرش کو خراب کر دے اور اس کا انتظار کیا کہ کوئی آ کر اس کو پیٹھ سے اُتار دے۔

امام موصوفؒ نے غَسْلُ الْمَرْأَةِ اَبَاهَا کے الفاظ منتخب کر کے ان علماء کے غلو آمیز خیال کی تردید کر دی ہے۔ جو اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدة:۷) {یا تم نے عورتوں سے تعلق قائم کیا ہو اور اس حالت میں تمہیں پانی نہ ملے تو خشک پاکیزہ مٹی کا تیمّم کرو۔} کے حکم کی بناء پر لفظ ملامست میں ہاتھ سے مطلق چھونا بھی شامل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک پہنچ گئے کہ انہوں نے محرم رشتہ دار عورت کے چھونے سے بھی وضو دھرانا ضروری قرار دیا ہے خواہ کوئی ہو۔ حالانکہ آیت اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ میں ملامست سے مراد مباشرت ہے۔ قواعد کی رو سے اگر کوئی لفظ حقیقت و مجاز دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہو اور کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ وہ لفظ اکثر کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور غالب معنی کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً غَائِط کے حقیقی معنی نشیب زمین کے ہیں لیکن عام بول چال میں اس کے معنی قضائے حاجت کی جگہ مراد ہوتی ہے۔ اسی طرح ملامست کا لفظ مجازاً جماع کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ دو قرینے ہیں۔ ایک یہ کہ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کا فقرہ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ کے مقابل پر واقع ہوا ہے اور ان فقروں کے مفاہیم میں معنوی اشتراک ہے یعنی قضائے حاجت اور دوسرا قرینہ النساء کا ہے۔

بَاب ۷۳: اَلسِّوَاكُ

مسواک کرنا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: میں نبی ﷺ کے ہاں رات ٹھہرا اور آپؐ نے مسواک کی۔

۲۴۴: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُوْلُ أُعْ أُعْ وَالسِّوَاكُ فِي فِيْهِ كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

۲۴۴: ہم سے ابونعمان نے بیان کیا، کہا: حماد بن زید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے غیلان بن جریر سے، غیلان نے ابو بردہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہا: میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ اپنے ہاتھ سے مسواک کر رہے ہیں۔ مسواک آپؐ کے منہ میں تھی۔ آپؐ اُع اُع کی آواز نکال رہے تھے، جیسے آپؐ قے کرنے پر آمادہ ہیں۔

۲۴۵: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

۲۴۵: ہم سے (ابوشیبہ کے بیٹے) عثمان نے بیان کیا کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابو وائل سے، ابو وائل نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ جب رات کو اُٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے اوپر نیچے مل کر صاف کرتے۔

تشریح: اَلسِّوَاکُ: اس باب کا تعلق بھی نفس مضمون کے ساتھ واضح ہے اور وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام عمل درآمد یہ تھا کہ حتی الوسع میل کو جو پاکیزگی اور صفائی کے خلاف ہے، دور فرمایا کرتے تھے۔ خواہ وہ جسم کے باہر کے حصے پر ہو یا منہ کے اندر دانتوں پر ہو یا کپڑے پر ہو۔ نماز کی حالت میں کپڑے میں تھوکنا؛ ایک استثنائی حالت میں ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ طاہر ہے یا اس کو دور نہ کیا جائے۔ بعض فقہاء فقہی مسائل کے استنباط میں جادۂ استقامت سے ادھر ادھر نکل گئے ہیں اور اس سے عملی مشکلات اتنی بڑھ گئیں کہ جو ضروری و اہم باتیں تھیں وہ نظر انداز

ہوگئیں۔مسواک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل درآمد نہایت واضح ہے اور آپؐ کثرت سے مسواک کرتے اور پورے اہتمام سے کرتے اور منہ کی صفائی کے لئے اتنا زور دیتے کہ قے کرنے کی سی حالت ہو جاتی۔علاوہ اوراوقات کے رات کو تہجد کے وقت بھی کرتے۔صفائی کے متعلق آپؐ کا یہ اہتمام ایسا ضروری و دائمی تھا کہ اس واضح عمل درآمد سے مسئلہ اخذ کرنا چاہیے تھا جو نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنے کے متعلق نہایت تاکید فرمائی ہے۔جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ و کتاب الصیام میں آپؐ کے تاکیدی ارشاد کا ذکر آئے گا۔یہاں امام بخاریؒ کا مقصد یہ نہیں کہ مسواک کے متعلق شارع اسلام کا کوئی حکم بتلایا جائے بلکہ محض صفائی وطہارت کے متعلق آپؐ کے عمل درآمد کو پیش کرنا ہے اور بعض علماء نے جو کسی شاذ واقعہ سے تھوک وغیرہ کے متعلق مسئلے بنالئے ہیں،ان پر جرح کرنا مقصود ہے۔اس لئے مناسب مقام کی وجہ سے دو مفید مطلب روایتیں لائے ہیں۔ایک میں اُعْ اُعْ کا ذکر ہے اور دوسری میں رات کو تہجد کے وقت مسواک کرنے کا ذکر ہے۔

وضو کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جہاں تک ہو سکے صاف ستھرا اور پاک رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام عملی نمونہ بتلاتا ہے کہ آپؐ اس کے متعلق پورا پورا اہتمام فرماتے اور آپؐ نے وضو کا صحیح صحیح مفہوم عملاً ادا کیا۔یہاں تک کہ سوتے وقت بھی وضو کرتے اور دوسروں کو ایسا کرنے کے لئے فرماتے تا طبیعت میں پاکیزگی کا معنی ہر حالت میں قائم رہے۔اسی مفہوم کو مدنظر رکھ کر تیسرا باب (نمبر ۷۵) یہ قائم کیا ہے: فَضْلُ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ۔جس شخص کی پاک فطرت کا یہ حال ہو اس کے متعلق کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ تھوک وغیرہ کے مسائل جو فقہاء نے شاذ واقعہ کی بناء پر پیدا کردئے ہیں۔آپؐ کی منشاء کے موافق تھے اور یہ کہ آپؐ کی طبعی نفاست اس سے نفرت نہ کرتی تھی۔

بَاب ٧٤: دَفْعُ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ

بڑے کو مسواک دینا

٢٤٦: وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيْلَ لِي كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ

۲۴۶: اور عفان نے کہا: صخر بن جویریہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ میں نے اپنے آپ کو (خواب میں) دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں۔اتنے میں دو شخص آئے۔ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔جو اُن میں سے چھوٹا تھا اس کو میں نے مسواک دی تو مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دو۔میں

إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ أُسَامَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

نے ان میں سے بڑے کو دے دی۔ ابو عبداللہ (بخاریؒ) نے کہا کہ نُعیم نے یہ حدیث ابن مبارک سے مختصر بیان کی۔ (ابن مبارک نے) اسامہ سے، اسامہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے۔

تشریح: **دَفْعُ السِّوَاكِ اِلَى الْاَكْبَرِ:** یہ باب جو درمیان میں قائم کیا ہے، ان لوگوں کا خیال رد کرنے کے لئے کیا ہے جو یہ استدلال کرتے ہیں کہ تھوک اگر پاک نہ ہوتا تو آپؐ اپنی جوٹھی مسواک دوسرے کو کیوں دیتے۔ امام بخاریؒ نے باب قائم کر کے حدیث الگ بیان نہیں کی کیونکہ اس کا تعلق پہلے مضمون کے ساتھ ہے۔اس لئے وَقَالَ کہہ کر واوِ عاطفہ سے شروع کیا ہے۔ یہ خواب کا نظارہ ہے۔ بعض نے اسے ظاہر کا واقعہ بتلایا ہے۔

اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ کہہ کر اس لمبی روایت کو رد کیا ہے۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرتے دیکھا۔ پھر آپؐ نے وہ مسواک بڑے کو دے دی اور فرمایا: جبرائیل نے مجھ سے کہا ہے کہ میں بڑے کو دے دوں۔ یہی روایت نُعیم نے ابن مبارک سے نقل کی ہے۔ مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ صرف خواب کا ذکر ہے۔ جس سے شرعی مسئلہ کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ امام بخاریؒ نے جہاں ان لوگوں کے خیال کا رد کیا ہے وہاں یہ روایت باب میں ہی ذکر کر کے چھوڑ دی ہے اور علیحدہ بیان نہیں کی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے جو صحت کی شرطیں مقرر کی ہیں، ان کے اعتبار سے یہ روایت مستند نہیں۔

بَاب ٧٥: فَضْلُ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ

اس شخص کی فضیلت جو رات کو باوضو رہے

٢٤٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ

۲۴۷: ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے براء بن عازب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تم اسی طرح وضو کرو جس طرح کہ تم اپنی نماز کے لئے وضو کرتے ہو۔ پھر اپنے داہنے کروٹ پر لیٹو اور پھر یوں دعا کرو۔ اے اللہ!

أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اللَّهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُّتَّ مِنْ لَّيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ اللَّهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ.

میں نے اپنے تئیں کلیۃً تیرے حوالے کر دیا ہے اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا ہے اور تیرے آسرے پر اپنی پیٹھ رکھ دی ہے، امید رکھتے ہوئے، ڈرتے ہوئے۔ تیرے ہی حضور آنا ہے نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ تجھ سے بچ کر کوئی بھاگنے کی صورت اور نہ نجات کی جگہ، مگر تیرے ہی پاس۔ اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر جس کو تو نے اُتارا ہے اور تیرے اس نبی پر جس کو تو نے بھیجا ہے، ایمان لایا۔ پس اگر تم اس رات مر گئے تو تم فطرت پر ہی ہو گے اور یہ کلمات سب سے آخری بات ہو جو تم کہو۔ (حضرت براءؓ) کہتے تھے: میں نے یہ کلمات نبی ﷺ کے پاس دہرائے۔ جب میں یہاں تک پہنچا۔ اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری ہے تو میں نے کہا: اور تیرے رسول پر۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں (بلکہ یہ کہو) اور تیرے اس نبی پر جو تو نے بھیجا ہے۔

تشریح: **فَضْلُ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ:** کتاب الوضو کو امام بخاریؒ نے کس خوبی سے ختم کیا ہے جو حدیث خاتمہ کتاب پر رکھی ہے، وہ طہارت و پاکیزگی کے اس انتہائی نقطۂ نظر کو پیش کرتی ہے۔ جس کی تعلیم شارع اسلامؐ نے اپنے پیرووں کو دی اور اس پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ رات کو سوتے وقت اسی طرح وضو کر کے سوؤ، جس طرح نماز کے لئے وضو کیا کرتے ہو اور سوتے وقت دائیں کروٹ سوؤ تا تمہارا دل ہر ایک بوجھ سے آزاد رہے اور تمہاری نیند تمہارے لئے بابرکت ہو اور یہ دعا مانگو۔ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ. یعنی اپنے خیالات کو ہر ایک قسم کی دوئی سے کلیۃً پاک و صاف کر کے محض ایک تصور یگانہ اور وحدت تامہ میں از خود رفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے آغوش میں آرام و اطمینان کی میٹھی نیند سوؤ۔ نہ غیر اللہ سے امید ہو، نہ اس کا ڈر۔ وہی ذات تمہارا آسرا ہو۔ وہی تمہارا مَأْوٰى اور مَلْجَاء۔ کیا ہی پاک تعلیم ہے! آپؐ نے نفس بشری کی گہرائیوں کے متعلق کامل معرفت و بصیرت رکھتے ہوئے اس کے خیالات و اعتقادات کو ہر ایک شرک کی ناپاکی سے پورے طور پر پاک کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ کیونکہ جو خیال سوتے وقت میں سر میں سما جاتا ہے وہ صحیفہ نفس پر گہرا نقش چھوڑتا ہے۔ خصوصاً جب ہر روز اس ہدایت پر عمل

در آمد ہوتا رہے۔

غرض اسلامی وضو کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں پاک وصاف ہو اور کامل طہارت اسے نصیب ہو۔ امام بخاریؒ یہ مقصد واضح کرنے کے لئے خاتمہ پر مذکورہ بالا حدیث لائے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر تم اس رات مر گئے تو تم فطرت پر مرو گے۔ آپؐ نے اس سے یہ سمجھایا ہے کہ انسان کی فطرت پاک ہے اور باہر کے عارضی حالات اس کو مکدر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس بارے میں آپؐ کا ارشاد نہایت واضح الفاظ میں آگے بھی آئے گا اور انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی فطرت کو دعا سے اور دیگر وسائل سے پاک کرتا رہے اور اسلامی وضو بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس فطرت کے ظاہر و باطن کو پاک کرنے کا۔ کیونکہ ظاہری پاکیزگی بھی اپنا اثر باطن پر کم وبیش ڈالتی ہے۔ جیسے ظاہر کی گندگی نفس میں گندا اثر و گندا میلان پیدا کرتی ہے۔ پس تمام ایسے مسائل جن سے فطرت کراہت کرتی ہو؛ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت براء بن عازبؓ کی اصلاح کرنا کہ یوں نہ کہو: وَرَسُوْلِکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ بلکہ یوں کہو: وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ. یہ اس لئے کہ پہلے جملہ میں تکرار ہے۔ رسول کے معنی وہ شخص جس کو اللہ نے بھیجا ہو۔ اس صورت میں الفاظ اَلَّذِیْ اَرْسَلْتَ کی ضرورت نہ تھی اور وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ کا جملہ دو مقصد ادا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تعلق باللہ بحیثیت نبوت کے اور آپؐ کا دوسرا تعلق بنی نوع انسان کے ساتھ بحیثیت رسالت کے۔ دونوں تعلقات کو آپؐ نے کامل طور پر نبھایا ہے۔ گندگی میں لتھڑی ہوئی انسانیت کو پاک وصاف کر کے اس کو اللہ تعالیٰ سے ملانے کا بیڑا آپؐ نے اُٹھایا تھا۔ آپؐ کی رسالت کا یہی مقصد اعلیٰ ہے اور اس کے لئے پہلا مرحلہ جسم کی طہارت اور خیالات کی پاکیزگی تھا۔ آپؐ نے اس مرحلے کی ایک منزل وضو قرار دی ہے جو اپنے مقام میں ظاہری پاکیزگی بھی شامل رکھتا ہے اور باطنی پاکیزگی بھی اور اس بارے میں محمد رسول اللہ ﷺ کی خالص تعلیم اور آپؐ کے پاک نمونے کو مدنظر رکھ کر ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپؐ نے رسالت کے اس حق کو پورے طور پر ادا کر دیا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ وَثِيَابَکَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۲تا۶) {اے کپڑا اوڑھنے والے! اُٹھ کھڑا ہو اور اِنتباہ کر اور اپنے ربّ ہی کی بڑائی بیان کر۔ اور جہاں تک تیرے کپڑوں (یعنی قریبی ساتھیوں) کا تعلق ہے، تُو (اُنہیں) بہت پاک کر۔ اور جہاں تک ناپاکی کا تعلق ہے تو اس سے کلیتہً الگ رہ۔} اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ. اور امام بخاریؒ نے بھی اس کو ہم تک پہنچانے میں اپنا فرض خوبی سے ادا کیا ہے۔ جَزَاهُ اللهُ عَنَّا اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الْغُسْلِ

وَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى وَ إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ إِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(المائدة:٧) وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيْلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوْا وَ إِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء: ٤٤)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور اگر تم جنبی ہو تو (نہا کر) پاک ہو جاؤ، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور پانی نہ پا سکو تو تم پاکیزہ مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تمہیں اپنی نعمت پورے طور پر دے تا کہ تم شکر گزار رہو۔ (المائدہ:۷) اور اللہ جل ذکرہ کا یہ فرمانا: اے وے جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب اس حالت میں مت جاؤ کہ تم مدہوش ہو۔ یہاں تک کہ جو تم کہو، اسے سمجھو اور نہ جنبی ہونے کی حالت میں، سوائے اس کے کہ تم سفر کر رہے ہو، یہاں تک کہ نہالو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور پانی نہ پا سکو تو تم پاکیزہ مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ یقیناً اللہ بہت عفو کرنے والا، مغفرت کرنے والا ہے۔ (النساء:۴۴)

تشریح: امام بخاریؒ نے احکام غسل بیان کرنے سے پہلے دو آیتوں کو منتخب کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورۂ مائدہ کی ہے اور دوسری سورۂ نساء کی۔ پہلی میں جنبی کے لیے فَاطَّهَّرُوْا ہے اور دوسری میں تَغْتَسِلُوْا ہے۔ یعنی اطّہار سے مراد غسل کرنا ہے۔ امام موصوفؒ کا یہ انتخاب بھی درحقیقت ان کے اسی اصل کے ماتحت ہے کہ احادیث نبویہ میں وارد شدہ احکام بھی قرآن مجید کے حکموں کی تشریح و تفصیل ہیں۔ قرآن مجید اصل ہے اور حدیث اس کے تابع۔

قرآن مجید نے جنبی کے لیے ایک جگہ فَاطَّهَّرُوْا کا لفظ اختیار کیا اور دوسری جگہ تَغْتَسِلُوْا۔ یہ اس لیے کہ جنبی کو عام طور پر ناپاک سمجھا جاتا رہا ہے اور بعض مذاہب میں تو اس کی ناپاکی کی شدت ظاہر کرنے کے لیے غایت درجہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ مگر اسلام نے اس ناپاکی کو عارضی قرار دیا ہے جو نہانے سے دور ہو جاتی ہے جیسا کہ لفظ فَاطَّهَّرُوْا دلالت کرتا ہے۔ امام موصوفؒ نے بھی احکامِ جنابت وطہارت بیان کرنے کے ضمن میں اسی تعلق کو مدّنظر رکھتے ہوئے سورۂ مائدہ کی آیت کو دوسری آیت پر مقدم رکھا ہے تاکہ اس تقدیم سے کتاب الغسل کا اصل موضوع یعنی طہارت نظر کے سامنے رہے۔

جنبی کے متعلق عربوں میں بعض توہمات تھے جن کا ازالہ اسلام نے کیا۔ یہ توہمات ان میں غالباً یہودیوں سے آئے جو جنبی سے شدید نفرت رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک خروجِ منی کی وجہ سے آدمی ناپاک سمجھا جاتا، خواہ احتلام کی حالت میں ہو یا جماع کی حالت میں یا جریان کی وجہ سے۔ اس کا بستر ابھی ناپاک، اس کی چارپائی بھی ناپاک، اس کو چھونے والا بھی ناپاک، اس کی سواری بھی ناپاک اور وہ چیز بھی ناپاک جس کو جنبی چھو بیٹھے۔ اور نہانے کے بعد بھی وہ سارا دن ناپاک رہتا تھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوتا اور پھر وہ دوبارہ پاک ہوتا۔ (دیکھئے: احبار باب ۱۵۔ استثناء باب ۲۳، آیت ۹)

قدیم زمانہ سے لوگوں نے جنبی کے متعلق سخت سے سخت پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ تورات نے تو احتلام یا جریان والے پر علاوہ دیگر پابندیوں کے دو قسم کی قربانیاں بھی لازم کر دی تھیں۔ ان قربانیوں کے دینے کے بعد جنبی پاک سمجھا جاتا تھا۔ مرد اور عورت دونوں اس ناپاکی کی مصیبت میں گرفتار تھے جس سے شارعِ اسلام رحمة للعالمین نے آکر انہیں نجات دلائی۔ عربوں میں بھی اسی قسم کے غلط خیالات رائج تھے، جن کی وجہ سے ہم احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ صحابہؓ میں یہ پڑھتے ہیں: اَلْاِنْسَانُ لَا يُجْنِبُ وَالثَّوْبُ لَا يُجْنِبُ وَالْمَاءُ لَا يُجْنِبُ وَالْاَرْضُ لَا تُجْنِبُ ۔ (لسان العرب۔ تحت لفظ جنب۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۹۳) انسان جنبی نہیں ہوتا، کپڑا جنبی نہیں ہوتا، پانی جنبی نہیں ہوتا اور زمین جنبی نہیں ہوتی۔ یعنی انسان کے جنبی ہونے کا اثر اس کے نفس کی پاکیزگی پر نہیں پڑتا اور نہ ہی یہ چیزیں جنبی کے چھونے سے ناپاک ہوتی ہیں۔

اسلام نے الفاظ تو وہی رکھے ہیں جو عربوں میں مستعمل تھے۔ مگر اس نے ان الفاظ کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ معانی کا وہ حصہ جو بُرا تھا رَدّ کر دیا اور جو اچھا تھا بحال رکھا یا عندالضرورت اس میں کمی بیشی کر دی یا اگر کسی اصطلاح کے تبدیل کرنے کی ضرورت دیکھی تو وہ اصطلاح تبدیل کر دی۔ جُنُب کے لغوی معنی وہ شخص جو الگ رہے۔ (لسان العرب

تحت لفظ جنب۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۹۳) لفظ جُنُب کی بھی اسی اصل کے مطابق ضروری اصلاح کی گئی ہے۔ اسلام نے یہ قبول کرلیا کہ جنبی اپنے اندر ایک حد تک معنوی ناپاکی رکھتا ہے اور یہ ناپاکی صرف اس قدر ہے کہ جب انسان اپنی شہوت میں سرتاپا منہمک ہوجاتا ہے تو اس کے قویٰ متأثر ہوکر دب جاتے ہیں۔ اس پر ایک خمار اور ربودگی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ حالت اپنے ساتھ ایک پژمردگی بھی رکھتی ہے جو نہانے سے دور ہوجاتی ہے اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ انسان نہا نہ لے۔ نہانے تک جنبی نماز سے الگ رہے بوجہ اس کے کہ نماز کا حق نشاطِ نفس اور حضورِ قلب کے ساتھ ہی ادا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ معنی ہے جو اسلام نے لفظ جُنُب کو دیا اور فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ (المائدۃ:۷) اگر تم جنبی ہو تو نہا کر پاک وصاف ہوجاؤ۔ اس آیت میں فَاطَّهَّرُوْا سے جو ابہام پیدا ہوتا تھا وہ دوسری آیت سے دور کیا گیا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. وَلَا جُنُبًا .... حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا. (النساء: ۴۴) یعنی نشے کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ نشہ دور نہ ہوجائے اور تم جو کہو اس کا علم رکھو اور ایسا ہی جنبی ہونے کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم نہا نہ لو۔ اس آیت میں حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا کہہ کر فَاطَّهَّرُوْا کی تشریح کردی ہے۔ یعنی اطّہار سے مراد غسل کرنا ہے۔ نیز لفظ جُنُبًا کو وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کے مقابل پر رکھ کر بتلا دیا ہے کہ جنابت میں بھی قویٰ اس طرح دب جاتے ہیں جس طرح نشہ کی حالت میں اور جنابت کی یہ معنوی ناپاکی نہانے تک رہتی ہے جس طرح کہ نشہ کی ناپاکی ہوش آنے تک اور یہ دونوں حالتیں مانع ہیں نماز کی۔ شراب چونکہ بعد میں حرام کی جانی تھی اس لیے اس کے ساتھ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ کی شرط لگا دی ہے اور جنابت کی حالت چونکہ طبعی ضرورت کے ماتحت برقرار رہنی تھی اس لیے اس کا دائمی علاج غسل فرمایا جو سارے بدن کا وضو ہے۔ اور حالتِ جنابت میں نماز کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح حَدَثِ اَصْغَر میں وضو ضروری ہے۔ اس تعلق کو مدّنظر رکھ کر امام بخاریؒ نے کتاب الوضوء کے بعد کتاب الغسل کو شروع کیا ہے۔

غرض اسلام نے جنابت کی ناپاکی کو ایک نہایت محدود معنوں میں قبول کیا ہے اور صرف اسی حدّ تک جس حدّ تک کہ انسانی طبیعت پر اس کا اثر پڑتا ہے، نہ ان وسیع معنوں میں جن کا مختصر ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ مذکورہ بالا دو آیتیں مسئلہ جنابت وطہارت کے متعلق تمام شرعی احکام کی اصل بنیاد ہیں۔ امام موصوفؒ نے ان کا حوالہ دے کر اٹھائیس باب قائم کئے ہیں۔ جن میں جنابت اور طہارت کے متعلق مختلف مسائل کا بیان ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق زمانہ جاہلیت واہلِ کتاب کے اوہام اور رسم ورواج کی اصلاح کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق اسلامی فقہاء کی فقہی غلطیوں کے ساتھ اور بعض کا ان قواعد سے جن کی پابندی یا عدمِ پابندی جسمانی وباطنی اور معنوی طہارت پر اثرانداز ہوتی ہے۔

بَاب ۱ : اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الْغُسْلِ

نہانے سے پہلے وضو کرنا

۲۴۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُوْلَ الشَّعَرِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ.

۲۴۸: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے۔ ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غسلِ جنابت کرتے تو آپؐ اپنے دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر اسی طرح وضو کرتے کہ جس طرح نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے۔ پھر اپنی اُنگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین چلو ڈالتے۔ پھر اپنے سارے بدن پر (پانی) بہاتے۔

۲۴۹ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذَى ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثُمَّ نَحَّى

۲۴۹: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے سالم بن ابی جعد سے، سالم نے کریب سے، کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ نبی ﷺ کی بیوی سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح آپؐ اپنی نماز کے لیے وضو کرتے تھے وضو کیا، مگر پاؤں نہیں دھوئے اور آپؐ نے اپنی شرم گاہ کو دھویا اور اس آلائش کو بھی جو آپؐ کو لگ گئی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے

رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا هَذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ.

اپنے اوپر پانی بہادیا۔ پھر آپؐ نے دونوں پاؤں کو ایک طرف کر کے ان کو دھویا۔ یہ ہے آپؐ کا غسل جنابت۔

تشریح: **اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الْغُسْلِ:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب تقدیم وضو کے متعلق باندھ کر یہ بتلایا ہے کہ غسلِ جنابت بھی دراصل وضو کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس لیے غسلِ جنابت میں وضو پہلے کیا جائے تا کہ روحانی مقصد جو وضو میں مدّنظر ہے وہ اس غسل میں بھی مدّنظر رہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے: تشریح حدیث نمبر ۱۶۰، ۲۴۷)

يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ: یعنی آپؐ نہانے سے پہلے اسی طرح وضو کیا کرتے تھے جس طرح نماز کے لیے۔ خواہ نہانے کے بعد آپؐ نماز پڑھتے ہوں یا نہ۔ آپؐ کا یہ عمل محض اس لیے تھا تا وضو کا اصل مقصد نہانے میں بھی ہمیشہ پیش نظر رہے۔ اسی وجہ سے امام موصوفؒ نے اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الْغُسْلِ کا عنوان قائم کر کے تقدیم وضو پر زور دیا ہے۔ یہاں کسی اختلافی مسئلہ کا حل کرنا مقصود نہیں، جیسا کہ امام ابن حزم کا خیال ہے۔ اختلافی مسئلہ کا حل تو انہوں نے دسویں باب میں کیا ہے۔ جس کا عنوان یہ ہے: تَفْرِيْقُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ۔ دسویں باب میں بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت (نمبر ۲۶۵) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے۔ وہاں شرم گاہ دھونے کا پہلے ذکر ہے اور اس کے بعد وضو کرنے کا۔ روایت میں یہ جزئی اختلاف مختلف راویوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ورنہ دراصل ترتیب یہی ہے کہ آپؐ پہلے شرم گاہ دھوتے اور پھر وضو کرتے۔ محمد بن یوسف کی اس روایت کا جس میں ترتیب نظر انداز کر دی گئی ہے، یہاں ذکر کرنا صاف بتلاتا ہے کہ امام موصوفؒ یہ روایتیں اس غرض سے نہیں لائے کہ غسلِ جنابت کا طریق بتلائیں یا یہ اختلاف حل کریں کہ آیا نہانے سے وضو ہو جاتا ہے یا یہ کہ وضو الگ کیا جائے بلکہ اس لیے لائے ہیں کہ حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کی مختلف روایتوں سے متفق علیہ امر ثابت کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسلِ جنابت میں پہلے وضو کیا کرتے تھے اور آپؐ کا یہ عمل اسی حکیمانہ غرض کے ماتحت تھا جس کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے۔

بَاب ٢ : غُسْلُ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ نہانا

٢٥٠: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ

۲۵۰: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: ابوذئب کے بیٹے نے ہمیں بتلایا انہوں نے زہری سے۔ زہری نے عروہ سے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اور نبی صلی اللہ

وَّاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ.

علیہ وسلم ایک ہی برتن یعنی پیالے سے جسے دوہنی کہتے ہیں، نہایا کرتے تھے۔

تشریح: اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا سے مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔ لفظ جُنُب مذکر ومؤنث اور مفرد وجمع سب کے لیے یکساں ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ حکم بلا تمیز جنس دونوں کے لیے ہے اور اس کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً فرمائی ہے۔ یعنی جنبی ہونے کی حالت میں آپؐ خود بھی نہائے اور اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی نہلایا۔ اس بارے میں لوگ اکثر تساہل سے کام لیتے ہیں۔ مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ نہانے کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی اور وہ خود بھی بہت سُست و کاہل واقع ہوتی ہے اور شریعت کے اس حکم کی پابندی میں نہایت لاپرواہی سے کام لیتی ہے۔ اس لیے مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے بھی اس حکم کی تعمیل کرائے۔

فَرَق جس کا ترجمہ دوہنی کیا گیا ہے، ۱۶ رطل یعنی نوسیر آٹھ چھٹانک کا ہوتا ہے۔

بَابٌ ٣ : اَلْغُسْلُ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

صاع وغیرہ سے نہانا

٢٥١ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوٍ مِّنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ قَدْرِ صَاعٍ.

۲۵۱: ہم سے عبد اللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: عبدالصمد نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے مجھے بتلایا۔ کہا: ابوبکر بن حفص نے مجھ سے بیان کیا، کہا: میں نے ابوسلمہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں اور حضرت عائشہؓ کا بھائی، حضرت عائشہؓ کے پاس اندر گئے اور ان کے بھائی نے ان سے نبی ﷺ کے نہانے کے متعلق پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے ایک برتن منگوایا جو تقریباً صاع کے برابر تھا اور وہ نہائیں اور اپنے سر پر پانی ڈالا۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا کہ یزید بن ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: ایک صاع کے اندازے کے برابر۔

۲۵۲ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ وَأَبُوهُ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ فَسَأَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَكْفِيْنِي فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا وَخَيْرًا مِّنْكَ ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ.

۲۵۲: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ بن آدم نے ہمیں بتلایا، انہوں نے کہا، زُہَیر نے ہم سے بیان کیا کہ ابواسحاق سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا، ابوجعفر نے ہمیں بتلایا کہ وہ اور ان کے باپ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پاس تھے اور ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے، انہوں نے حضرت جابرؓ سے غسل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ایک صاع (پانی) تمہیں کافی ہے۔ایک شخص بولا: مجھے تو کافی نہیں ہوتا۔حضرت جابرؓ نے کہا: جس کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھا، اس کو تو کافی ہوا کرتا تھا۔پھر اس نے ایک ہی کپڑے میں ہماری امامت بھی کی۔

۲۵۳ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ قَدْرُ صَاعٍ.

۲۵۳: ہم سے ابونُعیم نے بیان کیا، کہا: ابن عیینہ نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عمرو سے۔عمرو نے جابر بن زید سے، جابر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔اور یزید بن ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے (اس کی مقدار) ایک صاع بیان کی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ أَخِيْرًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى أَبُو نُعَيْمٍ.

ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: ابن عیینہ اپنی آخری عمر میں یوں روایت کیا کرتے تھے: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی..... اور درست وہی ہے جو ابونُعیم نے روایت کیا۔

تشریح: ابوسلمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے اور حضرت عائشہؓ کے بھائی سے مراد عبدالرحمن بن ابی بکر ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ طفیل بن عبداللہ تھے جو اُن کی والدہ کی طرف سے ان کے بھائی تھے۔

اَلْغُسْلُ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهٖ: امام ابن حجر اور دیگر شارحینؒ کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے روایت نمبر ۲۵۱ سے یہ استدلال کیا ہے کہ کم از کم کس قدر پانی سے غسل کیا جائے اور یہ شارحینؒ اپنے اس خیال کی بناء جیسا کہ عنوانِ باب پر رکھتے ہیں ایسا ہی روایت نمبر ۲۵۲ پر بھی رکھتے ہیں، جس میں یہ ہے: سَأَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ. یعنی حضرت جابرؓ سے نہانے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ایک صاع کافی ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے پر واضح ہوگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب مذکور میں یہ مسئلہ استنباط نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ عنوانِ باب میں اَلصَّاع کے بعد نَحْوِهٖ کہہ کر قارئین کی توجہ اس طرف سے پھیرنا چاہتے ہیں، جس طرف شارحین گئے ہیں۔...... کیونکہ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهٖ سے معین طور پر ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ نہانے میں پانی کی کم از کم مقدار صاع ہونی چاہیے یا اس سے کم وبیش۔ علاوہ ازیں وہ اس سے ماقبل ایک روایت نقل کر چکے ہیں، جس میں فَرَق کا ذکر ہے جو تین صاع یعنی ۱۶ رطل ہوتا ہے۔ پس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بعید النظر انسان کے متعلق یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک طرف تو ایسی روایت کا ذکر کریں جس میں فرق سے نہانے کا ذکر ہو اور دوسری طرف معاً ایک ایسی روایت لائیں جس میں صاع سے نہانے کا ذکر ہو اور پھر یہ دونوں روایتیں سامنے رکھتے ہوئے ان سے استدلال یہ کریں کہ کم از کم پانی کی مقدار صاع ہونی چاہیے اور عنوان یہ باندھیں: اَلْغُسْلُ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهٖ. اس باب کے عنوان کی بناء پر امام موصوفؒ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ نہانے کے بارے میں ان کا یہ مذہب ہے، درست نہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ اپنا فتویٰ بَابُ الْغُسْلُ وَالْوُضُوْءُ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ میں تفصیل کے ساتھ اس کے خلاف دے چکے ہیں۔ (دیکھئے کتاب الوضوء باب ۴۵-۴۷ تشریح حدیث نمبر ۱۹۵ تا ۲۰۱) یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے مطابق کم وبیش پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ سات مشکوں سے بھی نہائے اور ایک صاع سے بھی۔ یہاں اس باب کا مقصد یہ مسئلہ نہیں، بلکہ وہ مضمون ہے جو اس باب کی پہلی دو روایتوں میں ہے اور وہ یہ کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا کمال شوق تھا۔ جس کا اصل سبب یہ آیت تھی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (ال عمران: ۳۲) یعنی کہو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تم سے محبت رکھے گا۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم ہر بات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قُدْوَه اور امام یقین کرتے تھے اور انہیں اس بات کا ہمیشہ خیال رہتا کہ ان کا ہر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو، اس لیے وہ مسائل کی تحقیق کرتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابوجعفر (محمد بن علی بن حسین بن علی) کا قول (مَا يَكْفِيْنِيْ) سن کر ذرہ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا: كَانَ يَكْفِيْ مَنْ هُوَ أَوْفٰى مِنْكَ شَعَرًا. یعنی تین سیر پانی نہانے کے لیے کافی کیوں نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کافی ہوجاتا

تھا۔ حالانکہ ان کے بال بھی زیادہ تھے اور وہ تم سے بہتر تھے اور ہمارے امام تھے۔ غرض ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو ہر بات میں اس امر کا خیال ہوتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا پر چلیں۔ یہ دو روایتیں لاکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں ایک تیسری روایت لائے ہیں جس میں صرف یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ دونوں ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔

اور اس روایت کے متعلق شارحینؒ کہتے ہیں کہ عنوانِ باب سے اس کا بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی اس میں پانی کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس روایت کو لاکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس کی خاطر یہ سارا باب باندھا ہے اور جس کا تعلق سابقہ باب سے ہے: **غُسْلُ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ.** یعنی لوگوں کو شریعت کے اس واضح حکم کی تو پرواہ نہیں جس کے لیے آیت **اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** میں مرد اور عورت دونوں مخاطب کئے گئے ہیں۔ یعنی حالتِ جنابت میں دونوں نہادھو کر پاک وصاف ہوں اور وہ ان بحثوں میں پڑ گئے ہیں کہ پانی تھوڑا ہو یا بہت۔ اصل چیز نظر انداز ہوگئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شوق تھا اور وہ ہر بات میں آپؐ کی پیروی کو مقدم سمجھتے تھے۔ غرض باب مذکور کی دو روایتوں میں صحابہؓ کا اسوۂ حسنہ پیش کر کے تیسری روایت میں **غُسْلُ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ** کا مضمون دہرادیا ہے۔

وَالصَّحِيْحُ مَارَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ: تیسری روایت میں یہ جو کہا ہے: **وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ** اس سے امام موصوفؒ کی یہ مراد ہے کہ ابونعیم کی مذکورہ بالا روایت یوں شروع ہوتی ہے۔ **عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَ مَيْمُوْنَةَ كَانَايَغْتَسِلَانِ.** یعنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔ مگر سفیان بن عیینہ آخری عمر میں یوں روایت کیا کرتے تھے: **عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ** ۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے۔ اس قول کی بناء پر یہ روایت حضرت میمونہؓ کی ہے اور ابونعیم کے قول کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کی اور امام بخاریؒ اس کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول، صفحہ ۴۷۶۔ عمدۃ القاری جزء سوم، صفحہ ۲۰۰)

وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ: باب مذکور کی پہلی روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورت کا مردوں کے سامنے نہانا شرم وحیا کے خلاف ہے۔ اس کا جواب خود اسی روایت میں ہے یعنی یہ کہ وہ پردے میں تھیں اور دوم یہ کہ وہ ان کے محرم بھائی تھے۔ سوم یہ کہ صاع کے متعلق لوگوں میں بحث معلوم ہوتی ہے کہ آیا اس قدر پانی سے انسان نہا سکتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شکوک موجود تھے۔ حضرت عائشہؓ کی رائے حجت سمجھی جاتی تھی۔ وہ دونوں مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ گرمی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو نہانے کی بھی ضرورت ہوتو انہوں نے ایک صاع پانی سے نہا کر دکھلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہایا کرتے تھے اور وہ پردے میں نہائیں۔ جسم کو دھو کر اتنا پانی بچا بھی لیا کہ سر پر اسے بہایا۔ اس روایت سے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ آپؐ صرف ایک صاع پانی نہانے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ **ایک صاع** یعنی تین سیر پانی جس سے تین متوسط حجم کے لوٹے بھرے جاسکتے ہیں۔ اس

قدر پانی سے انسان بخوبی نہا سکتا ہے۔ گرمی کے موسم میں جب پسینہ جسم سے بہہ رہا ہو، اتنا پانی بدن صاف کرنے کے لیے کافی ہے۔ جن جگہوں میں پانی کم ہوتا ہے وہاں طبعاً کم از کم مقدار پر گذارا کیا جاتا ہے۔ ہندو تو دو تین گڈویوں سے بھی اپنا اشنان کر لیتے ہیں۔

بَاب ٤ : مَنْ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا

جو اپنے سر پر تین بار پانی بہائے

٢٥٤ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ حَدَّثَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا.

۲۵۴: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا کہ زُہیر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کی، کہتے تھے کہ مجھے سلیمان بن صُرَد نے بتلایا، کہا: حضرت جبیر بن مطعمؓ نے مجھے بتلایا۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں اور آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتلایا۔

٢٥٥ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مِّخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا.

۲۵۵: مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: غندر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے مخول بن راشد سے۔ مخول نے محمد بن علی سے۔ محمد نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی وہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر تین بار پانی ڈالا کرتے تھے۔

٢٥٦ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ لِي جَابِرٌ وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ

۲۵۶: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا: معمر بن یحیٰ بن سام نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: ابوجعفر نے مجھ سے بیان کیا۔ کہتے تھے: حضرت جابرؓ نے مجھ سے کہا: تمہارے چچا کا بیٹا میرے پاس آیا۔ حسن بن

الْحَنَفِيَّةِ قَالَ كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ فَيُفِيْضُهَا عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ فَقَالَ لِي الْحَسَنُ إِنِّي رَجُلٌ كَثِيْرُ الشَّعَرِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا.

محمد بن حنفیہ کی طرف اشارہ تھا۔ اس نے پوچھا: جنابت کا غسل کس طرح کیا جائے؟ میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین چلو لیا کرتے تھے اور ان کو اپنے سر پر ڈالتے پھر اپنے سارے جسم پر پانی ڈالتے۔ اس پر حسن نے مجھے کہا: میں بہت بالوں والا آدمی ہوں تو میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ بالوں والے تھے۔

تشریح: مَنْ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا : باب نمبر۴ میں بتلایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہانے میں طاق عدد ملحوظ رکھتے تھے جیسا کہ وضو میں بھی۔ (دیکھئے تشریح کتاب الوضو، باب ۲۴، ۲۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نمبر ۲۴۸ سے بھی اور اس باب کی تین روایتوں سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پہلی روایت کا مضمون یہ ہے کہ آپؐ نہانے میں تین بار چلو بھر کر پانی سر پر ڈالتے تھے۔ اَفَاضَ اس جگہ اَفْرَغَ کے معانی میں ہے، یعنی ڈالا۔ اس سے مراد صرف پانی بہانا نہیں، بلکہ خود امام بخاریؒ نے دوسری روایت سے اس لفظ کی تشریح بایں الفاظ کی ہے۔ يُفْرِغُ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثًا۔ یعنی اپنے سر پر تین بار پانی ڈالا کرتے تھے۔ اَفَاضَ الْمَآءَ عَلٰى نَفْسِهٖ اَىْ اَفْرَغَهُ۔ یہاں اَفَاضَ بمعنی اَفْرَغَ ہے (لسان العرب زیر مادہ فیض) اس لیے اس لفظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نہانے سے مراد جسم پر صرف پانی بہا لینا ہے۔

تیسری روایت لاکر یہ بتلایا ہے کہ سر کو تین بار پانی ڈال کر دھونے کے بعد سارے جسم پر پانی ڈالا کرتے تھے۔ حسن بن محمد بن حنفیہ کا خیال تھا کہ اس قدر پانی ان کے بال بھگونے اور دھونے کے لیے کافی نہیں۔ اگر صرف پانی بہانا مراد ہوتا تو ان کا یہ خیال درست تھا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہم پڑھ چکے ہیں: يُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ الشَّعْرِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلَاثَ غُرَفٍ (کتاب الغسل. باب ۱: الوضوء قبل الغسل. روایت نمبر ۲۴۸) پہلے انگلیوں سے بالوں میں خلال کر کے ان کو اچھی طرح تر کر لیتے۔ پھر اس کے بعد تین بار پانی ڈال کر سر دھوتے۔ اس لیے آپؐ کو اس قدر پانی کافی ہوتا۔ روایت نمبر ۲۵۱ میں حضرت عائشہؓ کے متعلق بھی یہ بتلایا گیا ہے: فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰى رَاْسِهَا. یعنی وہ نہائیں اور انہوں نے اپنے سر پر پانی ڈالا۔ عربی زبان میں غَسَلَ کے معنی پانی سے دھو کر میل دور کرنے کے ہیں اور غَسِيْل دھلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔ (لسان العرب تحت لفظ غسل)

بَاب ۵ :اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً

ایک ہی دفعہ نہانا

۲۵۷ :حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهُ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَّكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

۲۵۷: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے۔ اعمش نے سالم بن ابی جعد سے۔ سالم نے کریب سے۔کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔وہ کہتے تھے: حضرت میمونہؓ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہانے کا پانی رکھا تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ دو یا تین دفعہ دھوئے۔ پھر آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پھر اپنی شرم گاہ دھوئی۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے جسم پر پانی ڈالا پھر اپنی جگہ سے ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

تشریح: **اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً:** سابقہ روایات سے نیز حدیث نمبر ۲۵۴ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ نہانے سے مراد جسم پر صرف ایک بار پانی ڈال لینا ہے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً سے مراد وہ ہے جس کی تشریح روایت نمبر ۲۵۷ کرتی ہے۔ یعنی آپؐ نے پہلے ہر ایک عضو علیحدہ علیحدہ دھویا اور پھر اس کے بعد اپنے جسم پر پانی بہا دیا اور نہانے میں عموماً یہی کیا جاتا ہے۔ اعمش کی یہی روایت باب ۱۶ میں بھی دہرائی گئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰی رَأْسِهِ الْمَاءَ ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ ۔یعنی آپؐ نے سر پر پانی ڈالا اور پھر اپنا سارا جسم دھویا۔ باب ۵ میں امام بخاریؒ سابقہ روایات سے پیدا شدہ وہم کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے کوئی ایسا مسئلہ استنباط کرنا مقصود نہیں جس کی طرف ابن بطال کا خیال گیا ہے۔ چونکہ اَفَاضَ عَلٰی جَسَدِهٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے سارے جسم پر پانی بہایا اور یہ مذکور نہیں کہ کتنی دفعہ بہایا تو بعض شارحینؒ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانی بہانے پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ (فتح الباری جزء اول، صفحہ ۴۷۹)

مگر حقیقت یہ ہے کہ مشار الیہ وہم کا ردّ کرنا مقصود ہے جیسا کہ اگلے باب میں بھی اسی قسم کے خیال کی تردید کی گئی ہے۔

بَاب ٦ : مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

جو غسل کرتے وقت حلاب یا خوشبو سے شروع کرے

٢٥٨ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَأَخَذَ بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلَى {وَسَطِ☆} رَأْسِهِ.

۲۵۸: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: ابو عاصم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حنظلہ سے۔ حنظلہ نے قاسم سے۔ قاسم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: نبی ﷺ جب غسل جنابت کرتے تو حلاب جیسی کوئی چیز منگواتے اور اپنی ہتھیلی میں لیتے اور اپنے سر کی دائیں طرف سے شروع کرتے پھر بائیں سے اور پھر اپنے سر کے درمیان☆ دونوں ہاتھوں سے ڈال کر دھوتے۔

تشریح: مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ: چھٹا باب بھی سابقہ وہم دور کرنے کی غرض سے باندھا گیا ہے۔ یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ غسل میں بدن پر صرف پانی نہیں بہایا کرتے تھے۔ بلکہ حلاب وغیرہ استعمال کر کے اس سے میل دور فرمایا کرتے تھے۔ حلاب کیا چیز تھی؟ شارحینؒ نے اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ اصل میں جُلاب لفظ تھا جو گلاب سے معرب ہے اور یہ گلاب کا خوشبودار پانی تھا جو نہاتے وقت استعمال کیا جاتا تھا اور کسی نے کہا کہ دودھ دوہنے کا برتن تھا جس میں پانی ڈال کر نہایا کرتے تھے۔ اسی لیے مسلم نے حلاب کو فَرَق وغیرہ برتنوں میں شمار کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ سمجھا گیا ہے کہ انہوں نے غلطی سے اسے خوشبودار پانی سمجھ لیا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ خطمی کا خیساندہ مراد ہے۔ جس سے آپؐ اپنا سر دھویا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے اور ابن ابی شیبہ وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایتیں اس کے متعلق نقل کی ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۷۹-۴۸۱) گو یہ روایتیں باعتبار سند کمزور ہیں مگر عام رواج پر نظر ڈالنے سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عرب لوگ بدن سے میل دور کرنے کے لیے ایسی چیزیں استعمال کیا کرتے تھے جیسے ہندوستان میں بٹنہ، بیسن، چھان وغیرہ اشیاء استعمال کی جاتی ہیں۔ وہ خطمی اور اُشنان تو عام طور پر استعمال کرتے تھے۔ صابن کی ایجاد پر یہ چیزیں اب تقریباً ترک کر دی گئی ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں فلسطین کے علاقہ میں ایک خاص قسم کے زرد رنگ کے بیج میں نے دیکھے ہیں جن کو پانی میں ڈال دیتے اور پھر اس کے نقوع سے اہل فلسطین اسی طرح کپڑے وغیرہ دھویا کرتے تھے۔ جس طرح ہندوستان میں ریٹھوں سے۔

☆ لفظ "وَسَطِ" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۷۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

اس بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ حلاب بیجوں کا نقوع یعنی خیساندہ ہے جو عرب لوگ نہاتے وقت بدن پر ملا کرتے تھے۔
(رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاریؒ۔ کتاب الغسل۔ باب من بدء بالحلاب)

حُلبه: عربی میں ایک درخت کا نام ہے۔ اس کے بیج زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ آیا اس کے بیج اس غرض کے لیے استعمال بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ عربی میں غَسّول اور غَسُول ہر ایسے خیساندہ وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے بدن اور کپڑوں سے میل دور کی جائے۔ (لسان العرب تحت لفظ غسل)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ **بالحِلَابِ اَوِ الطِّيْبِ** کہہ کر قارئین کو اس غلطی سے بچانا چاہتے ہیں جو امام مسلمؒ وغیرہ کو لفظ مذکور کے معنی سمجھنے میں لگی ہے۔ یعنی حِلاب سے مراد برتن نہیں ہے بلکہ وہ ایک خوشبودار خیساندہ تھا جو نہانے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض شارحینؒ دوسری روایتوں کی بناء پر حِلَاب کے معنی خوشبو ہی سمجھے ہیں جو آنحضرت ﷺ عام طور پر نہانے کے بعد لگایا کرتے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۷۹-۴۸۱) مگر یہ وہ خوشبو نہیں جو بعد میں لگائی جاتی ہے۔ **مَنْ بَدَاَ** کہہ کر امام موصوفؒ نے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ چیز نہاتے وقت شروع میں استعمال کی جاتی تھی۔ **دَعَا بِشَيْءٍ نَّحْوَ الْحِلَابِ** کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حلاب ہی نہیں استعمال کیا جاتا تھا بلکہ اس قسم کی اور اشیاء بھی۔ یعنی خطمی اُشنان وغیرہ۔ **فَاَخَذَ بِكَفِّهٖ** کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حلاب سے مراد برتن نہیں بلکہ نہانے کا وہ خاص پانی ہے جو آپؐ ہتھیلی میں لے کر پہلے جسم کا داہنا حصہ دھوتے اور پھر بایاں حصہ اور پھر دونوں ہاتھوں میں لے کر سر دھوتے۔ **فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسَطِ رَاْسِهٖ.** قَالَ کا فعل اپنے معنوں میں نہایت وسیع ہے۔ یہ ہر فعل کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔ (لسان العرب تحت لفظ قال)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب اور اس کے بعد کے ابواب اس غرض سے باندھے ہیں تا کہ اَفَاضَ، اَفْرَغَ اور صَبَّ وغیرہ سے قارئین یہ نہ سمجھ لیں کہ نبی ﷺ کا غسل صرف اسی قدر تھا کہ سر اور بدن پر دو تین دفعہ پانی بہا لیتے جیسا کہ بعض لوگوں نے روایتوں کے مختصر الفاظ سے یہ سمجھ کر بحث اٹھائی ہے کہ کیا غسل میں بھی وضو کی طرح اعضاء کا دھونا شرط ہے یا نہیں۔ (تفصیل کیلیے دیکھئے بداية المجتهد. كتاب الغسل. الباب الاول فی معرفة العمل فی هذه الطهارة. المسئلة الاولٰی. جلد اول صفحہ ۴۲) پہلا باب اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً بھی اسی غرض کے لیے قائم کیا تھا اور بعد کے بابوں میں بھی یہی تفصیلی بحث ہے

بَاب ۷: اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ فِي الْجَنَابَةِ

جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا

۲۵۹ :حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنَا مَيْمُوْنَةُ قَالَتْ صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَأَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيْلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا.

۲۵۹: ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے ہم سے بیان کیا کہ اعمش نے ہمیں بتلایا ،کہا: سالم نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے کریب سے ۔کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ۔انہوں نے کہا: حضرت میمونہؓ نے ہمیں بتلایا۔وہ کہتی تھیں: میں نے نبی ﷺ کے لیے نہانے کا پانی برتن میں ڈالا تو آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا۔ پھر اپنی شرم گاہ دھوئی۔پھر اپنا ہاتھ زمین پر رکھا اور مٹی سے اسے ملا اور اس کو دھویا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ پھر اپنا چہرہ دھویا اور اپنے سر پر پانی بہایا پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر ایک رومال لایا گیا تو آپؐ نے اس سے نہیں پونچھا۔

تشریح: اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ فِي الْجَنَابَةِ: ساتویں باب میں امام موصوفؒ نے پھر حضرت میمونہؓ کی وہی روایت دُہرائی ہے جو پانچویں باب اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً میں لائے تھے اور اس سے یہ بتلایا ہے کہ غسلِ جنابت کرتے وقت آپؐ چھوٹے چھوٹے عضو بھی صاف کیا کرتے تھے۔ یہ تکرار بتلاتا ہے کہ ان تین بابوں کا آپس میں تعلق ہے۔قارئین اس تکرار میں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ سند مختلف ہے۔پہلی روایت موسیٰ بن اسماعیل اور عبدالواحد سے مروی ہے اور یہ عمر بن حفص اور ان کے باپ سے۔اور اسی وجہ سے مضمون میں کچھ زیادتی ہے۔یعنی یہ کہ آپؐ کے پاس پونچھنے کے لیے رومال لایا گیا۔مگر آپؐ نے اس سے نہیں پونچھا۔اس سے امام موصوفؒ نے رومال سے پونچھنے کے متعلق کوئی نیا مسئلہ اخذ نہیں کیا بلکہ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ فِي الْجَنَابَةِ کا عنوان قائم کیا ہے اور یہ صرف اس لیے کیا ہے کہ اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ آپؐ جسم کے اعضاء نہیں دھویا کرتے تھے۔

بَاب۸: مَسْحُ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُوْنَ أَنْقَى

مٹی سے ہاتھ ملنا تاکہ زیادہ صاف ہو جائے

۲۶۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوئَهُ لِلصَّلَاةِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

۲۶۰: ہم سے عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اعمش نے ہمیں بتلایا۔ اعمش نے سالم بن ابی جعد سے۔ سالم نے کریب سے۔ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے غسل جنابت کیا اور اپنی شرم گاہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا اور پھر ہاتھ دیوار سے رگڑا۔ پھر اسے دھویا۔ اس کے بعد آپؐ نے وضو کیا جیسا کہ آپؐ نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے۔ جب اپنے غسل سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

تشریح: مَسْحُ الْيَدِ بِالتُّرَابِ: آٹھویں باب میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے کہ آپؐ ہاتھ مٹی پر رگڑتے تا وہ خوب صاف ہو جائے یعنی آپؐ کو بدن کی صفائی ملحوظ ہوتی اور اس باب میں پھر وہی روایت دہرائی گئی ہے، مگر حمیدی اور سفیان بن عیینہ کی سند کے ساتھ۔

بَاب۹

هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ

کیا جنبی اپنا ہاتھ پیشتر اس کے کہ اس کو دھوئے برتن میں ڈالے
بشرطیکہ اس کے ہاتھ پر جنابت کے سوائے کوئی اور آلائش نہ ہو

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُوْرِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت براءؓ بن عازب نے اپنا ہاتھ وضو کے پانی میں ڈالا اور انہوں نے اس کو نہیں

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ.

دھویا تھا پھر انہوں نے وضو کیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس (پانی) میں کوئی حرج نہیں سمجھا جو جنابت کے غسل سے ٹپکے۔

٢٦١ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَفْلَحُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِيْنَا فِيْهِ.

۲۶۱: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، کہا کہ افلح نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے قاسم سے۔ قاسم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے اکٹھے نہایا کرتے تھے۔ ہمارے ہاتھ باری باری اس میں پڑتے۔

٢٦٢ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ.

۲۶۲: ہم سے مسدّد نے بیان کیا۔ کہا: حماد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے۔ ہشام نے اپنے باپ سے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے تو آپؐ اپنے ہاتھ کو دھوتے۔

٢٦٣ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ جَنَابَةٍ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ.

۲۶۳: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا، انہوں نے ابوبکر بن حفص سے۔ ابوبکر نے عروہ سے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے جنابت کا غسل کیا کرتے۔ اور عبدالرحمٰن بن قاسم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے۔ ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

٢٦٤ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَبْرٍ

۲۶۴: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن عبداللہ بن جبر

قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِّسَائِهِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ.

سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو یہ کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی بیویوں میں سے کوئی بیوی ایک ہی برتن سے اکٹھے نہایا کرتے تھے۔ مسلم اور وہب (بن جریر) نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے "مِنَ الْجَنَابَةِ" کے الفاظ بڑھائے۔

تشریح: **هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ:** اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ اسلامی تعلیم کی رو سے حالتِ جنابت اپنی ذات میں ناپاک نہیں اور جنبی کا ہاتھ اگر صاف ستھرا ہو تو وہ نہانے کے لیے برتن سے پانی چلّو بھر کر لے سکتا ہے۔ یعنی محض جنابت کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہوتا کہ برتن کو بھی نہ چھوئے۔ اس باب کے ضمن میں چار روایتیں لائی گئی ہیں۔ پہلی روایت کا یہ مضمون ہے کہ مرد اور عورت دونوں برتن سے پانی لے سکتے ہیں۔ عورت کے چھونے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسا کہ مرد کے چھونے سے نہیں ہوتا۔ یعنی اسلام میں چھوت نہیں۔ دوسری روایت کا یہ مضمون ہے کہ نبی ﷺ نہاتے وقت اپنا ہاتھ دھو لیتے تھے۔ تیسری روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور نبی ﷺ دونوں حالت جنابت میں اکٹھے نہایا کرتے اور دونوں ایک ہی برتن سے پانی لیا کرتے تھے۔ ان کے چھونے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا تھا۔ چوتھی روایت کا یہ مضمون ہے کہ صرف حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہی یہ خصوصیت نہ تھی بلکہ تمام بیویوں کے ساتھ آپؐ کا ایسا ہی معاملہ تھا۔ ان میں سے ہر ایک برتن سے پوری آزادی کے ساتھ پانی لیتی تھی۔ یہ آزادی بعض دوسری قوموں کی عورتوں کو حاصل نہیں۔ نہ جنابت کی حالت میں اور نہ طہر کی حالت میں۔ عورت اور جنابت کے متعلق نفرت آمیز احساسات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مٹائے۔ ورنہ جنس لطیف اس سے پہلے جنبی کی ہی طرح ایک ناپاک وجود سمجھی جاتی تھی۔

أَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُوْرِ: عنوانِ باب میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت براءؓ بن عازب کا یہ حوالہ جو دیا گیا ہے کہ انہوں نے صاف ستھرا ہاتھ جو بغیر دھوئے کے برتن میں ڈالا اور اس میں سے لے کر وضو کیا، یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی جنابت کے مسئلہ میں وسعتِ نظر سے کام لیتے تھے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت میں پہلے اپنے ہاتھ دھوتے۔ اس مفہوم کی روایتیں زیر بحث مسئلہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ یہ صرف اس قدر بتلاتی ہیں کہ نبی ﷺ غسل کی ابتداء وضو سے کرتے، جس میں ہاتھ پہلے دھوئے جاتے ہیں۔ عنوانِ باب میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کا حوالہ بھی اسی وسعتِ نظر پر روشنی ڈالنے کے لیے دیا گیا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ میں آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی برکت

سے پیدا ہوئی تھی۔ یعنی یہ کہ جنابت اپنی ذات میں ناپاکی نہیں، یہاں تک کہ پانی کے جو چھینٹے جنبی کے بدن سے ادھر اُدھر پڑتے تھے وہ بھی ناپاک نہ سمجھے جاتے تھے۔ یہود اور عربوں کے نزدیک چھینٹا پڑنا تو بہت بڑی بات تھی۔ جنبی کے چھونے سے بھی چیز ناپاک ہو جاتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کے زاویہ نگاہ میں یہ تبدیلی اس اصلاح کی عظمت کو بتلاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا استیصال جو مدّت مدید سے فطرتوں میں گڑ چکی ہوں؛ نہایت دشوار کام ہے۔

بَاب ١٠: تَفْرِيْقُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

غسل اور وضو الگ الگ کرنا

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوءُهُ.

اور حضرت ابن عمرؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دونوں پاؤں اس وقت دھوئے جب وضو کا پانی خشک ہو چکا تھا۔

٢٦٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهُ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى

۲۶۵: ہم سے محمد بن محبوب نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اعمش نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سالم بن ابی جعد سے۔ سالم نے حضرت ابن عباسؓ کے مولی کریب سے۔ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت میمونہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی رکھا کہ آپؐ اس سے نہائیں۔ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دو دو یا تین بار دھویا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور اپنی شرم گاہ کی جگہیں دھوئیں۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ پھر اپنا منہ اور دونوں

جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى مِنْ مَّقَامِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

ہاتھ دھوئے اور اپنا سر تین بار دھویا۔اس کے بعد آپؐ نے اپنے جسم پر پانی ڈالا۔ پھر آپؐ اس جگہ سے ایک طرف ہو گئے، جہاں آپؐ کھڑے تھے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

تشریح: **تَفْرِيقُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ :** دسویں باب میں دو اختلافی مسئلوں کا حل کیا گیا ہے۔ایک یہ کہ نہاتے وقت اگر وضو کی نیت کر لی جائے تو کیا وضو ہو جائے گا یا یہ کہ وضو کا الگ کیا جانا ہی ضروری ہے۔فقہاء میں سے ایک فریق کا یہ خیال ہے۔ اِنَّ الْغُسْلَ لَا يَنُوْبُ عَنِ الْوُضُوْءِ لِلْمُحْدِثِ۔ بے وضو کے لیے نہانا وضو کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ان کے نزدیک وضو الگ کرنا چاہیے اور دوسرے فریق کے نزدیک نہاتے وقت اگر کوئی وضو کی نیت کر لے تو اس کو الگ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے برخلاف ہیں اور مستند روایت کی بناء پر وہ آنحضرت ﷺ کی سنت پیش کرتے ہیں کہ آپؐ وضو الگ کیا کرتے تھے اور غسل الگ۔ تا کہ جو حصے عبادت کے لیے دھوئے جاتے ہیں، نہاتے وقت بھی ان کا دھونا ممتاز رہے اور نہانے والا نہانے میں بھی عبادت کو مدنظر رکھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهُ: دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیا نہانے اور وضو میں اعضاء کا مسلسل بغیر وقفہ کے دھونا ضروری ہے یا یہ کہ اگر شروع میں ہاتھ منہ دھو کر بعد میں پاؤں دھو لئے جائیں تو کیا اس سے وضو ہو جائے گا۔ اور آیا اس طرح وقفہ کے ساتھ اعضاء دھونے کا نام وضو رکھا جا سکتا ہے۔امام موصوفؒ نے باب کے عنوان میں وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ ...... کہہ کر اس اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔امام شافعیؒ نے اپنی مشہور کتاب **اُمّ** میں بروایت امام مالکؒ یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے بازار میں وضو کیا اور پاؤں نہیں دھوئے۔مسجد میں واپس جا کر موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ وضو میں اعضاء کا مسلسل دھونا ضروری نہیں۔جس نے اعضاء دھوئے اس کا وضو ہو گیا۔خواہ وقفہ کے ساتھ ہی دھوئے ہوں۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ غسل میں وضو کرتے مگر پاؤں آخر میں دھوتے۔نیز انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کا فعل اپنے خیال کی تائید میں پیش کیا ہے۔امام مالکؒ اس رائے کے خلاف ہیں اور اعضاء کا مسلسل یکے بعد دیگرے ترتیب سے دھونا فرض قرار دیتے ہیں۔سوائے اس کے کہ کوئی بھول جائے یا یہ کہ وقفہ لمبا نہ ہو، جیسے آنحضرت ﷺ نے نہاتے وقت پاؤں آخر میں دھوئے۔امام بخاریؒ کا بھی اس مسئلہ میں یہی مذہب ہے جس کی تائید میں انہوں نے حضرت میمونہؓ کی روایت پیش کی ہے۔

(مذکورہ بحثیں فتح الباری جزء اول صفحہ ۴۸۷ اور عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۱۱ میں ہیں)

بَاب ١١ : مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

جس نے غسل میں اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا

٢٦٦ : حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا وَسَتَرْتُهُ فَصَبَّ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ قَالَ سُلَيْمَانُ لَا أَدْرِيْ أَذْكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لَا ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ بِالْحَائِطِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَغَسَلَ رَأْسَهُ ثُمَّ صَبَّ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَلَمْ يُرِدْهَا.

٢٦٦: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ہم سے ابوعوانہ نے بیان کیا کہ اعمش نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سالم بن ابی جعد سے۔ ابو جعد نے حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کریب سے۔ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حارث کی بیٹی حضرت میمونہؓ سے روایت کی کہ وہ کہتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہانے کا پانی رکھا اور آپؐ کو پردہ کیا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اسے ایک دفعہ یا دو دفعہ دھویا۔ سلیمان کہتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تیسری دفعہ کا ذکر کیا یا نہیں۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر ڈالا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر یا دیوار پر رگڑا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنا سر دھویا۔ پھر اپنے بدن پر پانی ڈالا۔ پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے تو میں نے آپؐ کو ایک کپڑا دیا۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح جھاڑ کر پونچھ دیا اور اسے نہ چاہا۔

تشریح: **مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ:** باب مذکور بعض نسخوں میں سابقہ باب سے پہلے ہے۔آنحضرت ﷺ نے استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔(روایت نمبر ۱۵۳، ۱۵۴)اور روایت نمبر ۲۶۶ سے ظاہر ہے کہ نہاتے وقت آپؐ اپنی شرم گاہ بھی بائیں ہاتھ سے دھویا کرتے تھے۔آپؐ کے سارے اعمال میں ایک ترتیب وانتظام اور یک جہتی و یگانگت نظر آتی ہے۔ جو اعمال دائیں ہاتھ سے کرنے والے ہوتے وہ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور بائیں ہاتھ سے کرنے والے اعمال بائیں ہاتھ سے۔آپؐ اپنے اس دستور العمل کے خلاف کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھے گئے۔آپؐ کے نفس میں پاکیزگی کا فطرتی احساس غالب رہتا جو آپؐ کو پاکیزگی کے پہلو کی طرف ہمیشہ جھکائے رکھتا تھا۔امام بخاریؒ نے آداب غسل کے ضمن میں جہاں مذکورہ بالا پاکیزہ ادب کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں اس خیال کا ردّ کرنا بھی مقصود ہے کہ وضو یا نہانے میں ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ کے تمام اعمال میں ایک ترتیب نظر آتی ہے۔ **فَقَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا** ۔یہاں قَالَ کے معنی نَفَضَ کے ہیں جیسے باب ۶ میں **فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسَطِ رَاْسِهٖ** میں قَالَ کے معنی صَبَّ یا اَفْرَغَ ہیں۔اس ضمن میں کتاب الغسل باب ۱۸ کی تشریح دیکھئے۔

بَاب ۱۲ : إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ

جب جماع کرے اور پھر دوبارہ کرے

وَمَنْ دَارَ عَلَى نِسَاءِهٖ فِي غُسْلٍ وَّاحِدٍ.

اور جو ایک ہی غسل میں اپنی بیویوں کے پاس ہو آئے۔

۲۶۷ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلَى نِسَائِهٖ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا.

۲۶۷: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: ابن ابی عدی اور یحییٰ بن سعید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے۔شعبہ نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے۔ انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت عائشہؓ کے پاس اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اللہ عبد الرحمٰن کے باپ پر رحم کرے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی اور آپؐ اپنی تمام بیویوں کے پاس چکر لگاتے۔صبح احرام باندھتے اور آپ خوشبو سے مہک رہے ہوتے۔

۲۶۸ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلَى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَوَكَانَ يُطِيْقُهُ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ.

۲۶۸: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا: معاذ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا۔ معاذ نے کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انھوں نے قتادہ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ حضرت انسؓ بن مالکؓ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو یا دن کو ایک ہی وقت میں اپنی بیویوں کے پاس ہو آتے اور وہ گیارہ تھیں۔ کہتے تھے کہ میں نے حضرت انسؓ سے کہا: کیا آپؐ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ آپؐ کو تیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے اور سعید نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت انسؓ نے انہیں بتلایا کہ نو (۹) بیویاں تھیں۔

بَاب ۱۳ : غَسْلُ الْمَذْيِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ

مذی کو دھونا اور اس کی وجہ سے وضو کرنا

۲۶۹ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ أَبِي حَصِيْنٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ رَجُلًا أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَسَأَلَ فَقَالَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ.

۲۶۹: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: زائدہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوحصین سے۔ ابوحصین نے ابوعبدالرحمٰن سے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ میں ایسا آدمی تھا جس کو مذی کا عارضہ تھا تو میں نے ایک شخص کو بوجہ اس کے کہ آپؐ کی بیٹی میرے ہاں تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کے لیے کہا: اس نے پوچھا اور آپؐ نے فرمایا: وضو کرو اور اپنی شرم گاہ دھولو۔

بَاب ١٤ : مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيْبِ

جوخوشبو لگائے اور پھر نہائے اور خوشبو کا اثر باقی رہے

٢٧٠ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ وَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ مَا أُحِبُّ أَنْ أُصْبِحَ مُحْرِمًا أَنْضَخُ طِيْبًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَنَا طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَافَ فِي نِسَائِهِ ثُمَّ أَصْبَحَ مُحْرِمًا.

۲۷۰: ہم سے ابونعمان نے بیان کیا، کہا: ابوعوانہ نے ہمیں بتلایا، انہوں نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے، ابراہیم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا اور ان سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا ''مجھے پسند نہیں کہ میں احرام کی حالت میں صبح اٹھوں اور خوشبو سے مہک رہا ہوں۔'' اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی۔ پھر آپؐ نے اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا اور پھر صبح احرام باندھا۔

٢٧١ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

۲۷۱: ہم سے آدم (بن ابی ایاس) نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: حکم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابراہیم سے۔ ابراہیم نے اسود سے۔ اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: جیسے کہ میں اب بھی خوشبو کی چمک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں۔ حالانکہ آپؐ احرام کی حالت میں تھے۔

تشریح: اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہویں باب میں دو عنوان قائم کئے ہیں۔ ایک دوبارہ جماع کرنا، اور دوسرا اپنی بیویوں سے جماع کرنے کے بعد ایک ہی دفعہ نہانے پر اکتفاء کرنا۔

اِذَا اور مَنْ سے دو جملے شروع کئے ہیں۔ اور اس لفظی تغیر سے پہلا جملہ ان روایتوں کا اصل موضوع ہے جو اس باب میں نقل کی گئی ہیں۔ اور دوسرا جملہ جو مَنْ سے شروع ہوتا ہے، اس کا موضوع ایک اختلاف ہے جو فقہاء کے درمیان ہوا۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے۔شریعت کا حکم نہایت واضح ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ..... جُنُبًا ..... حَتّٰى تَغْتَسِلُوا. (النساء: ۴۴) یعنی جنبی ہونے کی حالت میں جب تک تم نہا نہ لو، نماز کے قریب نہ جاؤ۔یعنی جنبی کو عبادت سے روکا گیا ہے۔باقی کام کرسکتا ہے۔بغیر نہانے کے اپنی بیوی سے دوبارہ بھی مباشرت کرسکتا ہے۔

وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَآئِهٖ فِيْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ: امام موصوفؒ نے اس ضمن میں ایک خاص بات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کے متعلق مروی ہے۔یعنی یہ کہ آپؐ اپنی تمام بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور اس کے بعد نہایا کرتے تھے۔امام موصوفؒ نے اس روایت کی اصلیت پر تین بابوں میں نہایت خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ بارہویں باب میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو مذکورہ بالا خیال کی اصل بناء ہے۔ یہ روایت چودھویں باب میں ذرا تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ صبح کو احرام باندھوں اور خوشبو سے مہک رہا ہوں۔یعنی رات کو خوشبو وغیرہ لگا کر بیوی کے پاس جاؤں اور صبح حج جیسے مقدس عمل کو بجالانے کی تیاری کروں۔اس پر حضرت عائشہؓ نے وہ جواب دیا جو روایت نمبر ۲۶۷ میں مذکور ہے۔روایت نمبر ۲۷۰ کے الفاظ قابلِ غور ہیں: اَنَا طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ طَافَ فِي نِسَآئِهٖ۔یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی اور پھر وہ اپنی بیویوں کے پاس گئے۔ روایت نمبر ۲۶۷ میں یہ الفاظ ہیں: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَيَطُوْفُ.....۔ یعنی میں خوشبو لگایا کرتی تھی ......ان دونوں روایتوں میں سے روایت نمبر ۲۷۰ کے الفاظ صحت وضبط کے زیادہ قریب ہیں۔کیونکہ آنحضرت ﷺ صرف ایک بار عمرہ کے لیے اور ایک بار حج کے لیے نکلے۔مگر روایت نمبر ۲۶۷ کے الفاظ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا نبی ﷺ عموماً ایسا کیا کرتے تھے اور یہ صحیح نہیں۔صرف ایک حج کے موقع پر آپؐ اپنی بیویوں کے پاس گئے۔

اِنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ: دوسری روایت حضرت انسؓ سے دوسندوں کے ساتھ مروی ہے۔ایک سند میں گیارہ بیویوں کا ذکر ہے اور دوسری میں نو کا اور نو کی تعداد درست ہے اور اسی وجہ سے امام موصوفؒ نے سعید بن ابی عروبہ کا حوالہ دیا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری جزءاول صفحہ ۴۹۰) آپؐ نے ۱۰ ھ میں حج کیا تھا۔اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔اور عمرہ ۷ ھ میں کیا تھا اور اس وقت آپؐ کی دس گیارہ بیویاں تھیں۔تعداد کو اگر مدنظر رکھا جائے تو یہی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جس واقعہ کی طرف حضرت عائشہؓ اشارہ کرتی ہیں وہ حج کا موقع ہے۔رات کو آپؐ خوشبو لگانے کے بعد اپنی بیویوں کے پاس گئے اور صبح آپؐ نے احرام باندھا۔حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ نے اپنی سب بیویوں کے ساتھ مباشرت کی، اور نہ حضرت عائشہؓ کا یہ مقصد ہے۔وہ صرف کنایۃً یہ بتلا رہی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا زاہدانہ خیال شریعت کے حکم اور نبی ﷺ کی سنت پر مبنی نہیں، بلکہ آپؐ نے صبح احرام باندھا اور اس سے قبل اپنی بیویوں کے پاس گئے۔رہا یہ سوال کہ تمام بیویوں کے ساتھ آپؐ نے مباشرت کی ہوگی۔اس کے متعلق جواب دینے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے یہ فرض کرلیا جائے کہ سب عورتیں حالت طہر میں تھیں۔ان میں سے کوئی بھی حائضہ نہ

تھی۔ پھر اس کے ساتھ طَافَ فِیْ نِسَائِہٖ کے معنوں کو جماع کے معنوں میں محدود کرنا ہوگا۔اور تمام عورتوں کو شامل کرنا ہوگا اور اگر سبھی کو شامل کیا جائے تو اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپؐ نے اس رات مباشرت کی تھی جو بوجہ بڑھاپے کے ناقابل ہو چکی تھیں۔علاوہ ازیں یہ امر بھی فرض کرنا ہوگا کہ آپؐ سے دریافت کیا گیا تھا اور آپؐ نے بتلایا تھا کہ میں نے سب کے ساتھ مباشرت کی ہے۔ یہ سب باتیں دُور از قیاس ہیں۔طبعی حیا اس قسم کے سوال کرنے اور جواب دینے سے مانع ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی امر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے تیرھواں باب باندھا ہے۔جس میں بتلایا ہے کہ صحابہؓ کو اپنے متعلق خاص اور ضروری مسائل پوچھنے سے بھی شرم مانع ہوتی تھی۔ وہ نبی ﷺ کے متعلق ایسے مسائل پوچھنے پچھوانے پر کیسے جرأت کر سکتے تھے۔اس باب کے بعد چودھواں باب قائم کر کے حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت کا اعادہ کیا ہے۔اور اس روایت سے جو مسئلہ اخذ کیا جا سکتا تھا اس کو عنوانِ باب میں واضح کر کے دکھلایا ہے۔تا کہ قارئین پر ظاہر ہو جائے کہ اصل موضوعِ روایت کیا تھا اور لوگ کس بحث میں پڑ گئے۔ بارھویں باب کے عنوان میں اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ کہہ کر مطلق اعادۂ جماع کا ذکر کیا ہے۔یعنی اس روایت میں اگر طواف کے معنی جماع کے ہی کئے جائیں تو زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ مطلق اعادۂ جماع ہے۔باقی رہا یہ امر کہ وَمَنْ دَارَ عَلٰی نِسَائِہٖ فِیْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ تو روایت کے الفاظ سے واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کے متعلق بحث ہی نہ تھی اور حضرت انسؓ کی روایت میں بھی عمومیّت کا رنگ ہے۔ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَدُوْرُ عَلٰی نِسَائِہٖ فِی السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ. رات کو بھی اور دن کو بھی ایک ہی وقت میں آپؐ اپنی بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ دوسری روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا یہ جانا ان کی خبر گیری کرنے اور بازار سے سودا وغیرہ لانے اور دیگر ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی غرض سے تھا۔قتادہ، حضرت انسؓ سے پوچھتے ہیں: اَوَ کَانَ یُطِیْقُهٗ. کیا آپؐ ایسا کر سکتے تھے یعنی ہر روز، دن کو بھی اور رات کو بھی، باوجود مصروفیت کے تمام بیویوں کے پاس جا کر ان کے کام کاج کریں۔حضرت انسؓ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپؐ کو تیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔یعنی آپؐ ان فرائضِ منزلیہ کو آسانی سے نبھاتے تھے۔ کُنَّا نَتَحَدَّثُ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نبی ﷺ کی طاقت کے متعلق آپس میں یہ گفتگو کیا کرتے تھے یعنی کہ آپؐ تیس جوانوں کی قوت رکھتے ہیں۔حضرت انسؓ کی روایت درحقیقت بالکل عمومیت کا رنگ رکھتی ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت کا تعلق بھی ایک خاص واقعہ کے ساتھ ہے۔صبح آپؐ نے حج یا عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ جانا تھا۔ رات اپنی بیویوں کے پاس گئے تا کہ ان سے رخصت ہوں اور حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے کنایۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بعض بیویوں کے ساتھ مباشرت بھی کی۔آپؐ اس وقت سفر پر جا رہے تھے اور یہ فعل طبعی تھا کہ آپؐ ایسا کرتے۔لیکن ان روایتوں سے یہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ آپؐ کا یہ ہمیشہ دستور العمل تھا اور یہ کہ آپؐ تمام بیویوں سے ایک ہی رات میں مباشرت کیا کرتے تھے۔زیادہ سے زیادہ جو مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے: اِذَا جَامَعَ وَعَادَ فِیْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ۔یعنی اعادۂ جماع کے لیے غسل ضروری نہیں۔

بَاب ۱۵

تَخْلِيْلُ الشَّعَرِ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ

بالوں میں خلال کرنا یہاں تک کہ جب سمجھے کہ اس نے اپنی جلد کو اچھی طرح تر کرلیا ہے تو (پھر) اس پر پانی بہادے

۲۷۲: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَ تَوَضَّأَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اغْتَسَلَ ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهِ شَعَرَهُ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ

۲۷۲: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ہشام بن عروہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے باپ سے۔ ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کی وجہ سے غسل فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھوتے اور وضو کرتے جس طرح کہ نماز کے لیے وضو کیا کرتے۔ اس کے بعد نہاتے پھر اپنے ہاتھ سے اپنے بالوں کا خلال کرتے، یہاں تک کہ جب سمجھتے کہ آپؐ نے اپنی جلد اچھی طرح تر کر لی ہے تو آپؐ اس پر تین بار پانی بہاتے۔ پھر اپنا (باقی ماندہ) سارا جسم دھوتے۔

۲۷۳: وَقَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيْعًا.

۲۷۳: اور (حضرت عائشہؓ) کہتی تھیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے ہم اکٹھے ہی اس سے پانی چلو بھر بھر کر لیا کرتے تھے۔

تشریح: تَخْلِيْلُ الشَّعَرِ حَتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوٰى بَشَرَتَهُ: جس بناء پر غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کے متعلق اختلاف ہوا ہے اسی بناء پر بالوں میں خلال کرنے کے متعلق بھی اختلاف ہے یعنی آیا یہ فعل غسل میں واجب ہے یا مستحب، یعنی پسندیدہ۔ اور یہ کہ سر پر پانی بہا دینا ہی کافی ہے یا اسے اچھی طرح دھونا چاہیے۔ نبی ﷺ سے یہ مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوْا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَ.

(ترمذی. ابواب الطهارة. باب ماجاء ان تحت كل شعرة جنابة)

یعنی ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔ اس لیے بالوں کو دھو اور جلد اچھی طرح صاف کرو۔ جنہوں نے یہ روایت صحیح قرار دی ہے ان کے نزدیک غسل جنابت میں بال اچھی طرح تر کرنا واجب ہے۔ (اس اختلاف کی تفصیل کے لیے

دیکھئے: بدایة المجتهد. کتاب الغسل. الباب الأول فی معرفة العمل فی هٰذه الطهارة. المسئلة الثالثة. الجزء الأول. صفحة ۴۴) نبی کریم ﷺ کا عمل درآمد مذکورہ بالا روایت سے واضح ہے۔

بَاب ١٦ : مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مَرَّةً أُخْرَى

جو جنابت (کی حالت) میں وضو کرے پھر اپنا (باقی ماندہ) سارا جسم دھوئے اور اپنے وضو کرنے کی جگہیں دوبارہ نہ دھوئے

٢٧٤ : حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسَى قَالَ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسَى قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ وَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءَ الْجَنَابَةِ فَأَكْفَأَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ قَالَتْ فَأَتَيْتُهُ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا فَجَعَلَ يَنْفُضُ {الْمَاءَ ☆} بِيَدِهِ.

۲۷۴: ہم سے یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا، کہا: فضل بن موسیٰ نے ہمیں بتلایا، انہوں نے کہا: اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے سالم سے۔ سالم نے حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کریب سے۔ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: رسول اللہ ﷺ نے غسل جنابت کرنے کے لیے پانی رکھا اور اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی دو دفعہ یا تین دفعہ اُنڈیلا۔ پھر اپنی شرمگاہ دھوئی۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر یا دیوار پر دو دفعہ یا تین دفعہ ملا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور دونوں بازو دھوئے۔ پھر اپنے سر پر پانی بہایا۔ پھر اپنا جسم دھویا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ کہتی تھیں کہ پھر میں ایک کپڑا لائی تو آپؐ نے اسے نہ چاہا اور اپنے ہاتھ سے (پانی ☆) جھاڑنے لگے۔

☆ لفظ "اَلْمَاءَ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۴۹۶) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ:** باب کا جوعنوان قائم کیا گیا ہے اس کے خلاف روایت نمبر۲۷۴ کا مضمون ہے۔یعنی یہ کہ نبی ﷺ نے پہلے وضو کیا پھر سر پر پانی بہایا۔ ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ ۔پھر اپنا بدن دھویا۔اس میں جسم کے دھونے کا ذکر ہے جس میں وہ اعضاء بھی شامل ہیں جو وضو میں پہلے دھوئے گئے تھے۔سابقہ روایت (نمبر۲۷۲) میں یہ الفاظ ہیں۔ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ۔یعنی سر دھونے کے بعد پھر باقی ماندہ سارا جسم دھویا۔گویا عنوانِ باب؛ روایت نمبر۲۷۲ کو مدنظر رکھ کر بطور وضاحت کے قائم کیا گیا ہے۔یعنی جَسَدَهُ سے مراد باقی ماندہ جسم ہے۔نیز اس روایت سے ایک لطیف استدلال بھی کیا ہے اور وہ یہ کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اعضاءِ وضو میں سے صرف پاؤں ہی دھوئے ہیں جو وضو کرتے وقت نہیں دھوئے گئے تھے۔اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محض نہانے سے وضو کا اصل مفہوم ادا نہیں ہوتا۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غَسَلَ جَسَدَهُ سے سارے جسم کا دھونا مراد نہیں ورنہ پاؤں کے الگ دھونے کا ذکر علیحدہ نہ ہوتا۔امام بخاریؒ کے نزدیک وضو اور غسل بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔نہاتے وقت وضو کی نیت کر لینا وضو کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور نہ وضو کر کے غسل میں اعضاءِ وضو ترک کر دینا غسل کا مفہوم پورے طور پر ادا کرتا ہے حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما دونوں کی روایتیں بتلاتی ہیں کہ آپؐ وضو کرنے کے بعد سارا جسم دھویا کرتے تھے۔

بَاب ۱۷

إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَّخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو جس حالت میں وہ ہو باہر چلا جائے اور تیمّم نہ کرے

۲۷۵ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتْ الصُّفُوْفُ قِيَامًا فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ

۲۷۵: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: عثمان بن عمر نے ہم سے بیان کیا، کہا: یونس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی۔وہ کہتے تھے: نماز کے لیے تکبیر اقامت کہی گئی اور صفیں جبکہ لوگ کھڑے ہوگئے سیدھی کی گئیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر آئے۔جب آپؐ اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہوئے تو آپؐ کو یاد آیا کہ آپؐ جنبی ہیں۔ آپؐ نے ہمیں فرمایا: اپنی جگہ کھڑے رہو۔(یہ کہہ کر)

يَقْطُرُ فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مَّعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

آپؐ واپس چلے گئے۔ آپؐ نے غسل کیا۔ پھر ہمارے پاس باہر آئے اور آپؐ کے سر سے (پانی کے) قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ عبدالاعلیٰ نے معمر سے۔ معمر نے زہری سے بھی اسی طرح یہ (بات) روایت کی اور اوزاعی نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کی۔

تشریح: اِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ اَنَّهُ جُنُبٌ: جنبی کے مسجد میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى...... وَلَا جُنُبًا ...... (النساء: ۴۴) میں اَلصَّلٰوةَ سے بعض نے نمازگاہ بھی مراد لی ہے اور اِلَّا عَابِرِیْ سَبِيْلٍ کے یہ معنے کئے ہیں کہ سوائے اس کے کہ جن کی گذرگاہ مسجد میں سے ہو وہ گذر سکتے ہیں اور بعض نے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے مطلق نماز نہ پڑھنے کا حکم مراد لیا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایک تیسرا گروہ ہے جس نے گذرنا بھی جائز نہیں سمجھا۔ اور ان کے نزدیک اِلَّا عَابِرِیْ سَبِيْلٍ سے مراد وہ مسافر ہیں، جن کو پانی نہ ملے۔ ان کے لیے نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ فریق اپنے اس قیاس کی بنیاد ایک روایت پر رکھتا ہے اور وہ یہ ہے: لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِجُنُبٍ وَّلَا حَآئِضٍ ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لیے جائز نہیں قرار دیتا۔ مگر یہ روایت ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے بداية المجتهد. كتاب الغسل. الباب الثالث فی احكام هذين الحديثين. المسئلة الأولى. الجزء الاول. صفحة ۴۷)

تشدد کرنے والوں نے یہاں تک تشدد کیا ہے کہ اگر جنبی بھول کر بھی مسجد میں داخل ہو جائے تو ان کے نزدیک وہ تیمم کرے اور باہر چلا جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہی لوگوں کا خیال مدنظر رکھ کر یہ عنوان باب قائم کیا ہے: يَخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ۔ جس حالت میں ہو باہر چلا جائے اور تیمم نہ کرے۔ اس ضمن میں جو روایت پیش کی گئی ہے اس میں صرف یہ ذکر ہے کہ آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تھے یاد آنے پر آپؐ گھر لوٹ گئے اور نہا کر نماز پڑھی۔ یہ روایت مذکورہ بالا خیال کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ہے۔ شریعتِ اسلامیہ جنبی کے وجود کو جنابت کی وجہ سے گوبر اور پیشاب وغیرہ اشیاء کی طرح ناپاک نہیں سمجھتی کہ جس کے چھونے سے لوگ ناپاک ہوجاتے ہیں اور وہ جگہ بھی ناپاک ہوجاتی ہے جس میں وہ داخل ہو۔ یہ جہالت کا خیال ہے صحیح ثابت شدہ روایتیں اس غلوآمیز اعتقاد کی تردید کرتی ہیں۔ اس باب اور روایت نمبر ۲۷۵ سے قارئین کو واضح طور پر یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عنوان باب ہمیشہ اس غرض کے لیے نہیں قائم کرتے کہ کوئی مسئلہ ثابت کرنا ہے بلکہ بعض وقت ایک غلط خیال پیش کر کے اس کی تردید کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بَاب ۱۸ : نَفْضُ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کر کے ہاتھ جھاڑنا

۲۷۶ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوحَمْزَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ.

۲۷۶: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: ابوحمزہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے اعمش سے سنا۔ وہ سالم (بن ابی جعد) سے، سالم کریب سے، کریب حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: حضرت میمونہؓ کہتی تھیں کہ میں نے نبی ﷺ کے لیے نہانے کا پانی رکھا اور آپؐ کو ایک کپڑے سے پردہ کیا۔ آپؐ نے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر رکھا اور اسے ملا۔ پھر اسے دھویا۔ پھر کُلّی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں کو دھویا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے سر پر پانی ڈالا اور اپنے جسم پر (پانی) بہادیا۔ پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر میں نے آپؐ کو ایک کپڑا دیا تو آپؐ نے اسے نہ لیا اور آپؐ چل پڑے۔ آپؐ اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑتے جاتے تھے۔

تشریح: وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ: یہ باب بھی ایک غلط خیال ردّ کرنے کے لیے باندھا گیا ہے اور وہ یہ کہ غسل جنابت کا پانی جسم سے نہیں جھاڑنا چاہیے تا کہ اس کے ساتھ عبادت کا اثر نہ جھڑ جائے۔ (عمدة القاری جزءسوم صفحہ ۲۲۶) آپؐ نے ہاتھ جھاڑ کر پانی دور کیا اور کپڑے سے نہیں پونچھا۔ غالباً اس لیے کہ کپڑا صاف نہ ہوگا۔ یہ روایت متعدد بار آچکی ہے اور ہر روایت میں بوجہ اختلافِ سند الفاظ میں کچھ نہ کچھ تغیر ہوا ہے، لیکن مفہوم قائم رہا ہے۔ باب ۷ روایت ۲۵۹ میں یہ الفاظ ہیں: ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيْلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا۔ باب ۱۱ روایت ۲۶۶ میں یہ ہیں: فَنَاوَلْتُهُ

خِرْقَةً فَقَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَلَمْ يُرِدْهَا ۔ باب ۱۶ روایت ۲۷۴ میں یہ ہیں: فَاَتَيْتُهٗ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا فَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَآءَ بِيَدِهٖ۔ باب ۱۸ روایت ۲۷۶ میں یہ ہیں: فَنَاوَلْتُهٗ ثَوْبًا فَلَمْ يَاْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدِيْهِ۔ باب ۱۱ کی روایت فَقَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا کا وہی مفہوم ہے جو دوسری روایتوں میں فَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَآءَ بِيَدِهٖ کا ہے۔

امام بخاریؒ کی کتاب کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ روایت دُھراتے ہوئے جہاں وہ نئے مسئلہ کا استنباط کرتے ہیں وہاں اس کی نئی سند بیان کر کے اس کو کمال صحت تک پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ دیباچہ کتاب میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے نیز اس مثال سے یہ بھی واضح ہوگا کہ روایت باللفظ میں متشددین کا مذہب درست نہیں۔ اس قسم کا لفظی تغیر کہ جس سے معنی میں فرق نہ آئے ایک طبعی امر ہے جس سے کوئی چارہ نہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر فرق کو قبول کیا ہے

بَاب ۱۹ : مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

جو غسل میں اپنے سر کے دائیں حصہ سے شروع کرے

۲۷۷ : حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا إِذَا أَصَابَتْ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ.

۲۷۷: ہم سے خلّاد بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن نافع نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حسن بن مسلم سے۔ حسن نے صفیہ بنت شیبہ سے۔ صفیہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ہم میں سے جب کوئی جنبی ہوتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے تین بار پانی لے کر اپنے سر پر ڈالتی پھر اپنے ہاتھ سے اپنے داہنے حصہ پر ڈالتی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے بائیں حصہ کو دھوتی۔

تشریح: مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْاَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ: باب ۶ میں بھی ان معنوں کی ایک روایت گذر چکی ہے۔ وہاں نبی ﷺ کی سنت کا ذکر ہے اور یہاں نبی ﷺ کی بیویوں کے عمل درآمد کا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کی عملی زندگی اپنے پاک نمونے کے سانچے میں ڈھال دی ہوئی تھی اور وہ بھی وہی کرتیں جو آپؐ کو کرتے دیکھتیں اور ان کے ذریعہ سے دیگر صحابہؓ کی عورتوں کی تربیت ہوئی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ منزلیہ کے متعلق آپؐ کی بیویوں سے پوچھتے پچھواتے۔ جن لوگوں کو مزید تحقیق کی ضرورت ہوتی وہ بعض معاملات کے متعلق خود بھی پوچھ لیتے۔ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کرنے والی شیبہ بن عثمان حجبی قرشی کی بیٹی صفیہ ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چھوٹی تھیں۔ (عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۲۷)

بَاب ۲۰: مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَّحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

جو خلوت میں تنہا برہنہ نہائے اور جو پردہ کرے تو پردہ زیادہ اچھا ہے

وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ.

اور بہز نے کہا کہ ان کے باپ سے مروی ہے، انہوں نے اپنے دادا سے، ان کے دادا نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ لوگوں کی نسبت اس سے حیا کی جائے۔

۲۷۸ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَكَانَ مُوْسَى يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوْسَى أَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَّغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَخَرَجَ[1] مُوْسَى فِي إِثْرِهِ يَقُوْلُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ {ثَوْبِي يَا حَجَرُ[2]} حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيْلَ إِلَى مُوْسَى فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسَى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَطَفِقَ

۲۷۸: ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، کہا: عبدالرزاق نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے معمر سے۔ معمر نے ہمام بن منبہ سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہؓ سے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے (اور) وہ ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے اور حضرت موسیٰؑ اکیلے نہایا کرتے تھے تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم موسیٰؑ کو ہمارے سامنے نہانے سے سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں روکتی کہ وہ فتق سے بیمار ہے۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰؑ نہانے کے لیے گئے اور اپنے کپڑے حجر کے پاس رکھے اور حجر آپؑ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا تو حضرت موسیٰ اس کے پیچھے دوڑے[1] اور یہ کہتے جاتے تھے: حجر! میرا کپڑا۔ {حجر! میرا کپڑا[2]} آخر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ

---

[1] لفظ "فَخَرَجَ" کی جگہ نسخہ بولاق میں "فَجَمَحَ" کا لفظ ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۰۰)

[2] الفاظ "ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ" نسخہ بولاق میں دو دفعہ ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۰۰) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللهِ إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ.

کو دیکھ لیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم موسیٰؑ کو تو کوئی بیماری نہیں. آپؑ نے اپنے کپڑے (اس سے) لے لیے اور حجر کو مارنے لگے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: اللہ کی قسم اس حجر پر چھ یا سات زخم کے نشان ہیں اس مار کی وجہ سے جو حجر کو پڑی۔

۲۷۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوْبُ يَحْتَثِيْ فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوْبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى وَعِزَّتِكَ وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ عَنْ مُّوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنَ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا.

۲۷۹: اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ایوبؑ ننگے نہا رہے تھے کہ سونے کی مکڑیاں ان پر آ گریں اور حضرت ایوبؑ انہیں اپنے کپڑے میں لپیں بھر بھر کر ڈالنے لگے۔ اس پر ان کے ربّ نے انہیں پکارا: ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے جس کو تو دیکھ رہا ہے، بے نیاز نہیں کر دیا؟ انہوں نے کہا: ہاں، بے شک تیری عزت کی قسم۔ لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں ہے۔ یہ روایت ابراہیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، موسیٰ نے صفوان بن سُلیم سے، صفوان نے عطاء بن یسار سے۔ عطاء نے حضرت ابوہریرہؓ سے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ انہوں نے یوں کہا: اسی اثناء میں کہ حضرت ایوبؑ ننگے نہا رہے تھے۔

تشریح: مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَّحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ: بیسویں باب میں دو مسئلوں کے متعلق عنوان قائم کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ تنہائی میں ننگے ہو کر غسل کرنا اور دوسرے تنہائی میں اپنا ننگ ڈھانپ کر نہانا۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور اکثر علماء نے خلوت میں ننگا ہو کر نہانا اگرچہ جائز قرار دیا ہے مگر پردہ کرنا ان کے نزدیک بہتر ہے۔ فقہاء میں سے بعض ننگا نہانا ہر حالت میں حرام سمجھتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۰۰، عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۲۸) اور یہ اپنی تائید میں بہز کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس کا حوالہ امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں دیا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے مشارالیہا روایت اپنی اپنی مسندوں میں نقل کی ہے۔ بہز بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کہتے تھے: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَوْرَا تُنَا مَا نَأْتِيْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ. قَالَ احْفَظْ عَوْرَاتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ. قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ قَالَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا تُرِيَهَا اَحَدًا فَلَا تُرِيَنَّهَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ ۔ (ابن ماجہ. کتاب النکاح. باب التستر عند الجماع) یعنی میں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اپنے ننگ کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں۔ آپؐ نے فرمایا: سوائے اپنی بیوی یا ملک یمین کے اور سب سے اپنے ننگ کی حفاظت کرو۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر لوگ اکھٹے مل جل کر رہتے ہوں۔ فرمایا: جہاں تک ہو سکے کسی کے سامنے ننگ ظاہر نہ ہونے دو۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو۔ فرمایا: تو پھر اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ وہ روایت ہے جو غلو کرنے والا فریق اپنے خیال کی تائید میں پیش کرتا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوانِ باب میں جسے بطور حوالہ کے پیش کیا ہے تا مخالف نکتہ خیال بھی معلوم ہو جائے۔ شارحینؒ نے اس روایت پر جرح کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی ہے کہ بہز راوی بذاتِ خود ثقہ ہیں مگر جب وہ اپنے باپ سے دادا کا قول نقل کرتے ہیں تو ان کی روایت پایہ صحت سے کچھ گر جاتی ہے اور امام بخاریؒ کی شرطوں پر ٹھیک نہیں اُترتی۔ کیونکہ ان کے دادا کے قول کی تصدیق کسی اور صحابیؓ سے نہیں ہوتی۔ مگر دیگر محدثین نے یہ روایت صحیح قرار دی ہے۔ ان کے دادا کا نام حضرت معاویہؓ بن حیدہ ہے، جو ایک روایت کے مطابق صحابی اور ثقہ ہیں اور ان کے باپ کا نام حکیم ہے اور یہ بھی ثقہ تابعین میں سے شمار کئے گئے ہیں۔ شارحین کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں وَالتَّسَتُّرُ اَفْضَلُ کے بعد بہز کی روایت لا کر اس سے یہ مراد لی ہے کہ خلوت میں پردہ کر کے نہانا افضل ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۰۱۔ عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۹۹) یعنی آنحضرت ﷺ نے جو جواب حضرت معاویہؓ بن حیدہ کو دیا ہے وہ اس روایت کے مخالف نہیں جو پہلے مسئلہ کی تائید میں پیش کی گئی ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تنہائی میں ننگا نہانے کی روایت کے اور شارحینؒ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت حضرت معاویہؓ بن حیدہ کو شرم و حیا کے متعلق تلقین فرما رہے تھے۔ سیاق کلام کا مقتضی یہی تھا کہ آپؐ ان کو یہی جواب دیتے خصوصاً جبکہ ان کا رجحانِ طبیعت اس طرف تھا کہ ننگا ہونے کے متعلق کچھ اور استثناء کر کے سہولت حاصل کی جائے۔ نبی ﷺ ان کو بیوی اور ملک یمین کے متعلق اجازت دے چکے تھے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ جب لوگ اکھٹے مل جل کر رہتے ہوں تو شدت گرمی وغیرہ کی وجہ سے بعض وقت کپڑے اتارنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے موقع پر احتیاط کرنی مشکل ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے احتیاط کرو۔ پھر وہ خلوت کے متعلق تیسری دفعہ سوال کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ ان کو پہلے جواب دے چکے ہیں: اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۔ اس رجحانِ طبیعت کا اندازہ کر کے آپؐ نے کیا ہی پیارے الفاظ میں فرمایا: فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ ۔ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ لوگوں کی نسبت اس سے شرم کی جائے۔ آپؐ نے اپنے مخاطب کی طبیعت کا صحیح اندازہ کر کے اس کو حیا

کی تلقین فرمائی اور حاذق طبیب کا یہی کام ہوتا ہے۔اس سے پہلے قارئین گم شدہ چیز کے متعلق فتویٰ پوچھنے والے کا واقعہ روایت نمبر۹۱ میں پڑھ چکے ہیں۔اس نے بھی ایسے طریق سے سوال کرنے شروع کردیے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی چیزیں اپنے تصرف میں لانے کی راہیں تلاش کررہا تھا۔جس پر آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

روایت نمبر ۲۷۸ اور ۲۷۹ کا جو تعلق نفس مسئلہ کے ساتھ ہے وہ ظاہر ہے۔قرآن مجید انبیائے بنی اسرائیل کا ذکر کرکے فرماتا ہے: فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:۹۱) یعنی انبیاء سابقین کا رویہ اختیار کرو۔نبی ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے ننگا نہانے کا ذکر کیا ہے۔اگر کسی صورت میں بھی ننگا نہانا خلافِ فطرت اور ناجائز امر ہوتا تو آپؐ ضرور اس کے متعلق صحابہؓ کو یہ واقعہ سناتے وقت تنبیہ فرما دیتے یا کم از کم اس واقعہ کے غلط ہونے کے متعلق کچھ فرماتے۔آپؐ کا خاموش رہنا بتلاتا ہے کہ آپؐ نے تنہائی میں ننگا ہوکر نہانا معیوب نہیں سمجھا۔شارحین کے نزدیک اس وجہ سے امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا روایتیں جو سند کے اعتبار سے صحیح ہیں عنوانِ باب میں مندرجہ دو مسئلوں میں سے پہلے مسئلہ کی تائید میں پیش کی ہیں۔(فتح الباری جزءاوّل صفحہ ۵۰۱۔عمدۃ القاری جزءسوم صفحہ ۲۲۹)

جہاں تک ان روایتوں کا واقعات کے ساتھ تعلق ہے،اس کے متعلق تین باتیں یادرکھنی چاہئیں۔ایک یہ کہ سلسلہ نقل کے اعتبار سے روایت نمبر ۲۷۸و۲۷۹ دونوں مستند اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ شروطِ صحت کے مطابق ہیں۔یعنی یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایتیں نبی ﷺ سے نقل کیں اور یہ کہ سلسلہ روایت میں کوئی ایسا راوی نہیں جس پر شک کیا جاسکے۔

فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ: دوسرا اُمر جو یادرکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ خود ان روایتوں کے مضمون میں کوئی انوکھی بات نہیں۔الفاظ کے غلط معنی کرنے سے تو ہر بات ہی انوکھی بن سکتی ہے۔جن ممالک میں پتھر اور چٹان آدمیوں کے نام نہیں رکھے جاتے،ان کو تو **حجر** اور **صخر** پڑھ کر یقیناً تعجب ہوگا کہ یہ پتھر کیسا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔مگر جن ملکوں میں یہ نام آدمیوں کے رکھے جاتے ہیں،انہیں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ **حجر** اسی طرح ایک آدمی کا نام تھا جس طرح **صخر** جس کے لغوی معنی چٹان کے ہیں۔سامی النسل قوموں میں جمادات،نباتات اور حیوانات کے ناموں پر آدمیوں کے نام بکثرت رکھے جاتے تھے۔چنانچہ **جَنْدَل، جَرْدل، صخر، حجر** یہ عام نام ہیں جو زمانہ قدیم میں صحرائے عرب میں بکثرت مستعمل تھے۔امام ابن حجر علیہ الرحمۃ کی مثال لیجئے۔اوس بن حجر ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔بعض قبیلوں کا نام بھی حجر تھا۔

جن شارحینؒ نے حجر کے معنی عام پتھر سمجھ کر واقعہ مذکورہ کو ایک اعجازی رنگ دیا ہے خود اُن کو بھی ایک تعجب ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو **یَا حَجَرُ ، یَا حَجَرُ** کہہ کر پکارتے ہیں۔(فتح الباری جزءاول صفحہ ۵۰۱۔عمدۃ القاری جزءسوم صفحہ ۲۳۰) قواعدِ نحو کی رو سے یہ منادیٰ اسم علم ہے اور کسی شخص کا نام ہونا چاہیے۔اگر پتھر ہوتا تو اسے **اَیُّھَا الْحَجَرُ** کہہ کر پکارا جاتا۔شارحینؒ نے یہ سوال نہایت معقول اٹھایا ہے اور بجائے اس کے کہ اس کا یہ جواب دیتے کہ حجر واقعہ میں

کسی شخص کا نام تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا۔ انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ آدمیوں کی طرح اس کو اس لیے بلایا گیا تھا کہ اس نے آدمیوں کا سا کام کیا۔ مگر ان کا یہ جواب ان کے اپنے فرضی خیال کو توڑ دیتا ہے۔ اس لیے کہ اگر اس روایت سے معجزے ہی کا اظہار کرنا مقصود تھا تو بدرجہ اولیٰ بیان میں وہ طریق اختیار کرنا چاہیے تھا جس سے یہ معلوم ہو کہ کپڑے لے کر بھاگنے والا پتھر ہی تھا نہ کوئی شخص اور اس امر کے ظاہر کرنے کے لیے اَیُّھَا الْحَجَرُ کے الفاظ استعمال کئے جاتے تا ذہن شئے مقصود کی طرف بآسانی منتقل ہوتا نہ یہ کہ دل میں تو مراد پتھر تھی۔ مگر طرزِ بیان ایسا کہ جس سے کوئی شخص سمجھا جائے۔ منادیٰ دو صورتوں میں مرفوع ہوتا ہے۔ اسمِ علم ہونے کی صورت میں جیسے یَا عَبَّاسُ ۔ یا اسمِ نکرہ ہونے کی صورت میں جبکہ مخاطب غیر معین شخص ہو، جیسے ایک اندھا ایک غیر معین شخص کو پکارے تو وہ یوں کہے گا: یَا رَجُلُ خُذْ بِیَدِیْ. یعنی کوئی آدمی میرا ہاتھ پکڑے۔ فَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِہٖ میں اَلْحَجَرُ کو معرفہ قرار دیکر پھر یَا حَجَرُ کہہ کر پکارا ہے۔ اس لیے یہ تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی غیر معین پتھر کو بلا رہے تھے۔ وہ حجر معین اور مخصوص تھا۔ اب اس معین شئے کو عاقل شخصوں کی طرح بلانا ظاہر کرتا ہے کہ یہ درحقیقت کسی شخص کا نام تھا اور روایات میں نداء و منادیٰ کی یہ خاص شکل اس لیے اختیار کی گئی ہے تا پڑھنے والوں کو دھوکہ نہ لگے۔ مگر جس غلطی میں پڑنے سے بچایا گیا تھا اسی میں شارحینؒ پڑ گئے۔ بعض استثنائی صورتوں میں گو غیر جاندار شئے کو بھی پکارتے وقت مرفوع کیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں آتا ہے: یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ. (الانبیاء:۷۰) اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو۔ یا جیسے یہ آیت یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآئَکِ وَ یَاسَمَآءُ اَقْلِعِیْ . (ھود:۴۵) گو بعض اوقات بے جان چیزیں بھی بطور اشخاص بلائی جا سکتی ہیں اور ان کے آخر پر حرکت (ُ) آتی ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ حرف نداء (یَا) ان سے محذوف کیا جائے۔ صرف اسمِ علم کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کو یَاعَبَّاسُ کہہ کر پکارا جائے۔ یا صرف عَبَّاسُ کہہ کر۔ یعنی بغیر (یَا) حرف نداء کے۔ لیکن بے جان چیزوں سے حرفِ ندا کبھی محذوف نہیں کیا جاتا۔ نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا، اَرْضُ ابْلَعِیْ، سَمَاءُ اَقْلِعِیْ کبھی نہیں کہیں گے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت کی بعض سندوں میں ثَوْبِیْ حَجَرُ. ثَوْبِیْ حَجَرُ کے الفاظ ہیں۔ حجر سے حرفِ نداء محذوف ہے۔ (بخاری، کتاب الانبیاء، باب الخضر مع موسیٰ) یہ بات ہمارے سابقہ استدلال کو اور بھی زیادہ قوی کرتی ہے کہ کپڑے لے کر بھاگنے والا ایک آدمی تھا جس کا نام حجر تھا۔

وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ: اگر شارحینؒ روایت مذکورہ بالا کے ان الفاظ پر بھی غور کر لیتے: وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ تو ان کے لیے فیصلہ کرنے میں کوئی مشکل نہ رہتی۔ نَدَبٌ کے معنے زخم کا نشان۔ کہتے ہیں: ضَرَبَهٗ حَتّٰی اَنْدَبَهٗ یعنی اس کو اتنا مارا کہ اس کے جسم پر نشان پڑ گئے۔ مذکورہ بالا الفاظ (خواہ امام بخاریؒ کی طرف سے بطور تعلیق کے سمجھے جائیں جیسا کہ کرمانی علیہ الرحمۃ کا خیال ہے۔ (عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۳۱) یا خود ہمام کی روایت کا حصہ ہوں) صاف بتلاتے ہیں کہ حجر آدمی تھا۔ جس کے جسم پر مارنے سے نشان پڑ گئے تھے۔ اگر پتھر کا بھاگنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاطر معجزہ دکھانے کے لیے تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اس معجزے کی حقیقت سے واقف تھے، پتھر کو کیوں مارنے لگے۔ بعض شارحینؒ یہ معقول سوال اٹھا کر اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ گیا تھا۔ (عمدۃ القاری جزء

سوم صفحہ ۲۳۱) یہ جواب مضحکہ خیز ہے۔ پتھر کو بھاگتے دیکھ کر غصہ نہیں آیا کرتا بلکہ حیرت وتعجب ہوتا ہے۔غصہ کسی انسان یا حیوان پر آیا کرتا ہے۔

غرض اس روایت میں بظاہر کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے شارحینؒ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہو، بلکہ اس میں ان کے اس خیال کی تردید کرنے والے قرائن کافی موجود ہیں اور ان میں سے بعض ایسے قرائن ہیں جو خود اُن کو بھی کھٹکے ہیں اور اس وجہ سے اپنی کمزوری محسوس کر کے انہوں نے اِدھر اُدھر کی بودی تاویلیں کرنی شروع کر دی ہیں۔ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلَى الْحَجَرِ کے الفاظ بھی ان کی تائید نہیں کرتے۔ عَلٰی بمعنی عِنْدَ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے اور اسی لیے ترجمہ متن میں لفظ عَلٰی کے معنے عِنْدَ (پاس) کئے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے کپڑے حَجَر کے پاس رکھے۔عَلٰی کے اس استعمال کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔مزاحم عقیلی کا یہ مشہور شعر کتب معانی اور لسان العرب میں دیکھیں

غَدَتْ مِنْ عَلَيْهِ بَعْدَ مَا تَمَّ ظِمْؤُهَا تَصِلُّ وَ عَنْ قَيْضٍ بِزِيْزَآءَ مَجْهَلِ

اور کہتے ہیں نَهَضَ مِنْ عَلَيْهِ یعنی اس کے پاس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔احادیثِ نبویہ میں بھی عَلٰی بمعنی عِنْدَ استعمال ہوا ہے۔حدیث میں آتا ہے: فَاِذَا انْقَطَعَ مَنْ عَلَيْهَا رَجَعَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ .

(لسان العرب،زیر مادہ"علا"، فصل العین،حرف الواو والیاء،جزء:۱۹،صفحة ۳۲۱)

پس لفظ عَلٰی کی وجہ سے یہ کہنا کہ حَجَر پتھر ہی تھا کہ جس پر کپڑے رکھے گئے تھے، درست نہیں۔کیونکہ عَلٰی کے معنی عِنْدَ کے بھی ہیں۔علاوہ ازیں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ روایات میں الفاظ باوجود راویوں کی حد درجہ کوشش کے پورے طور پر محفوظ نہیں رہ سکے۔مترادف الفاظ تو کچھ نہ کچھ ضرور تبدیل ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ اس کی ایک مثال ہم ابھی باب ۱۸ کی شرح میں واضح کر چکے ہیں اور اس لفظی تبدیلی میں جہاں راویوں کے حافظہ کا دخل ہے، وہاں ان کے خیالات کا بھی دخل ہے۔مثال کے لیے یہی روایت لے لیں۔جس راوی نے حَجَر کسی شخص کا نام سمجھا، اس نے خصوصیت سے اس طرف توجہ دلانے کے لیے ثَوْبِیْ حَجَرُ ثَوْبِیْ حَجَرُ کہا۔حرفِ ندا کو بالکل اُڑا دیا اور جس نے پتھر سمجھا اس نے یَاحَجَرُ روایت کیا۔چنانچہ بخاریؒ کے چار نسخوں کے سوا باقی جتنے نسخے ہیں اُن میں اس روایت کے یہ الفاظ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ اس طرح مروی ہیں: ثَوْبِیْ حَجَرُ .ثَوْبِیْ حَجَر ۔ ایسا ہی ان نسخوں میں اس روایت کے اور الفاظ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ ...... بعض نسخوں میں فَقَالَ کی جگہ قَالَ ہے جس کی وجہ سے کرمانی علیہ الرحمۃ نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ امام بخاریؒ کی طرف سے تعلیق ہے۔

امام موصوفؒ کی کتاب کے اصل مسودہ میں جس سے مستملی اور سرخسی وغیرہ نساخ نے نقل کیا ہے، بعض جگہیں خالی بھی چھوڑی ہوئی تھیں، جو نساخ نے سیاق وسباق دیکھ کر اپنی طرف سے پُر کیں۔

پس دیگر قرائن کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ عَلٰی کے ایک معنی پر زور دیا جائے اور کہا جائے کہ یہی لفظ آنحضرت ﷺ کے منہ سے نکلا تھا اور یہ کہ آپؐ نے یہ لفظ اسی ایک معنی میں ہی استعمال کیا تھا۔ایسا ہی یہ کہنا بھی غلط ہے کہ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ میں حَجَر پہلے نکرہ استعمال ہوا ہے اور پھر اَلْ سے معرفہ کیا گیا ہے۔گویا اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسمِ علم نہیں بلکہ اسمِ جنس ہے۔ کیونکہ بعض اسمِ علم اَلْ کے ساتھ بھی بولے جاتے ہیں اور اس کے بغیر بھی۔ مثلاً عبّاسُ بھی کہیں گے اور اَلْعَبّاسُ بھی۔ فَضْلُ بھی اور اَلْفَضْلُ بھی۔ ایک ہی جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں: نَادَيْتُ فَضْلاً فَلَمْ يُجِبْنِيْ الْفَضْلُ . بالفرض اگر الف لام کا قاعدہ ہمارے قیاس میں روک بن سکتا ہے تو پھر نداء ومنادیٰ کا مشہور ومعروف قاعدہ اس سے بڑھ کر روک ہے اس امر کے لیے کہ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ میں حَجَرُ کو اسمِ جنس سمجھا جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مخصوص طریقہ استدلال سے دوسری روایت حضرت ایوبؑ والی لا کر نداء ومناد یٰ کے اسی مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے فَنَادٰهُ رَبُّهُ يَاأَيُّوْبُ میں اَيُّوْبُ منادیٰ ہے اور شخصِ معین کا نام ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ: نیز ان دونوں روایتوں کے آخر میں ایک اور سند کا ذکر کرتے ہوئے امام موصوفؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا پر ہی ختم کردی ہے۔ جس سے ایک تو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ مذکورہ بالا روایت سے صرف اسی قدر مستنبط کیا جا سکتا ہے کہ ننگا نہانا بھی جائز ہے اور دوسرے یہ کہ مذکورہ بالا روایت ہر سند میں حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے۔ جن کا گو حافظہ مضبوط ہو مگر درایت میں وہ کمزور تھے اور انہی کا یہ خیال ہے کہ پتھر پر اب تک زخم ہیں۔ اس مخصوص طریقِ استدلال کی مثالیں پہلے بھی گذر چکی ہیں۔ (دیکھیں تشریح کتاب الغسل باب ۱۶، کتاب الحیض باب ۱۵) نیز ان دونوں روایتوں کو حرفِ عطف (واؤ) سے اکٹھا کر کے انہیں ایک دوسرے سے معناً مرتبط کر دیا ہے۔ یہ مخصوص تصرفات امام بخاریؒ کے مقصد کو پورے طور پر ظاہر کر رہے ہیں۔ عنوانِ باب میں "خلوت میں برہنہ ہو کر نہانے" کی تخصیص کر کے روایتوں کے غلط مفہوم لینے سے بچایا گیا ہے۔ عرب اور بعض دیگر قومیں لوگوں کے سامنے برہنہ نہانے سے عار نہیں کرتیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس بدعادت سے منع فرمایا۔

بَاب ۲۱ : اَلتَّسَتُّرُ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

لوگوں کے قریب نہاتے وقت پردہ کرنا

۲۸۰ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ

۲۸۰: عبداللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے۔ مالک نے عمر بن عبیداللہ کے مولیٰ ابونضر سے روایت کی کہ ابوطالب کی بیٹی حضرت امّ ھانیؓ کے مولیٰ ابومرہّ نے ان کو بتلایا کہ انہوں نے ابوطالب کی بیٹی حضرت امّ ھانیؓ سے سنا۔ وہ کہتی تھیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور میں نے آپؐ کو نہاتے پایا اور حضرت

فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ.

فاطمہؓ آپؐ کو پردہ کئے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو میں نے کہا: امّ ھانی ہوں۔

۲۸۱: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهِ عَلَى الْحَائِطِ أَوِ الْأَرْضِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوئَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَابْنُ فُضَيْلٍ فِي السَّتْرِ.

۲۸۱: ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: سفیان نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے اعمش سے۔ اعمش نے سالم بن ابی جعد سے۔ ابو جعد نے کریب سے۔ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی کہ وہ کہتی تھیں: میں نبی ﷺ کو پردہ کئے ہوئے تھی اور آپؐ غسل جنابت فرما رہے تھے۔ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور اپنی شرم گاہ کو اور جو کچھ اسے لگا ہوا تھا اسکو دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ دیوار یا زمین پر ملا۔ پھر آپؐ نے وضو کیا جیسا کہ نماز کے لیے آپؐ وضو کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے پاؤں نہیں دھوئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے جسم پر پانی ڈالا۔ پھر ایک طرف ہو کر آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ ابوعوانہ اور ابن فُضیل نے پردہ کرنے کے متعلق انہی کی طرح حدیث بیان کی۔

تشریح: **اَلتَّسَتُّرُ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ:** خلوت میں برہنہ نہانے کے متعلق جواز کی صورت بیان کرنے کے بعد اکیسواں باب باندھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کے قریب نہانے کے لیے مجبور ہو تو پردہ کر لیا جائے۔ شارع اسلام نے حیا کی صفت پیدا کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے بہت سی احتیاطیں اختیار کی ہیں جن میں سے ایک یہ احتیاط ہے: صرف بیوی کو مشروعہ تعلقات کی وجہ سے اجازت ہے کہ وہ اکھٹے نہا سکتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

روایت نمبر ۲۸۱: یہ روایت باب ۵ (اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَّاحِدَةً) میں بھی آچکی ہے۔ الفاظ میں جزئی تغیر ہے۔

بَاب ۲۲ : إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

جب عورت کواحتلام ہو

۲۸۲ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ.

۲۸۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے ہشام بن عروہ سے۔ہشام نے اپنے باپ سے۔ان کے باپ نے حضرت ابوسلمہؓ کی بیٹی حضرت زینبؓ سے۔حضرت زینبؓ نے امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہؓ سے روایت کی کہ وہ کہتی تھیں: حضرت ابوطلحہؓ کی بیوی حضرت امّ سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔کیا عورت بھی نہائے جب اسے احتلام ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔جب پانی دیکھے۔

تشریح: اِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ: بائیسواں باب باندھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ عورت کو احتلام نہیں ہوتا۔اس لیے وہ روایت مذکورہ بالا کو بھی صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے۔امام بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہما دونوں اس کی صحت پر متفق ہیں اور دیگر محدثین نے بھی اسے نقل کیا ہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۰۴-۵۰۵)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ کا مفہوم روایت نمبر ۲۶ میں دیکھا جائے۔اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ حق سے تو نہیں شرماتا مگر ناحق سے شرماتا ہے بلکہ یہ معانی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق بات پوچھنے میں شرم وحیا کو پسند نہیں کرتا۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۰۴)

بَاب ۲۳ :عَرَقُ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

جنبی کا پسینہ اور یہ کہ مسلمان پلید نہیں ہوتا

۲۸۳ :حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ.

۲۸۳: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: یحيٰی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: حُمید نے ہم سے بیان کیا، کہا: بکر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابورافع سے۔ ابورافع نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستے پر کسی جگہ پر انہیں ملے اور وہ جنبی تھے۔ (وہ کہتے تھے:) میں آپؐ سے جھجک کر پیچھے ہٹا اور پھر وہ گئے اور نہائے اور اس کے بعد آئے تو آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہؓ! تم کہاں تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں جنبی تھا اس لیے میں نے ناپسند کیا کہ میں آپؐ کے ساتھ بیٹھوں درآنحالانکہ میں ناپاک ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ مومن تو ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح: اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ: اس کتاب کے شروع میں مفصل بتایا جاچکا ہے کہ جنبی کے پلید ہونے کے متعلق کیا کیا خیالات پائے جاتے تھے جن کی اصلاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ امام بخاریؒ غسل جنابت کے متعلق احکام شریعت اور سنتِ نبویہ پیش کرنے کے بعد یہاں ان لغو خیالات کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ روایت نمبر ۲۸۳ سے بتلایا ہے کہ مومن بوجہ جنابت کے ناپاک نہیں ہوتا۔ کافر بھی بوجہ جنابت نہیں بلکہ گندے خیالات کی وجہ سے ناپاک ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں پسینہ کا ذکر نہیں۔ مگر امام بخاریؒ نے ضمناً استدلال کرتے ہوئے رائج شدہ خیال کا رد کیا ہے۔ یعنی جب مومن پاک ہے تو پھر جنابت کی وجہ سے اس کا پسینہ بھی ناپاک نہ ہوگا۔ پسینے کی حالت جنابت میں بھی وہی رہتی ہے جو جنابت سے پہلے ہوتی ہے۔ روایت مذکورہ بالا میں لفظ فَانْخَنَسْتُ بعض نسخوں میں فَانْتَجَسْتُ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں: میں اپنے آپ کو ناپاک سمجھ کر الگ ہوگیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۰۶)

بَاب ٢٤ : اَلْجُنُبُ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوْقِ وَغَيْرِهِ

جنبی بازار وغیرہ میں جائے اور چلے

وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَإِنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ.

اور عطاء نے کہا کہ جنبی پچھنے لگوائے، ناخن کٹوائے اور سر منڈوائے اگر چہ وضو نہ کیا ہو۔

٢٨٤ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ.

۲۸۴: ہم سے عبدالاعلیٰ بن حماد نے بیان کیا، کہا: یزید بن زریع نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: سعید نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے ان سے بیان کیا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں اپنی بیویوں کے پاس ہو آتے تھے اور آپؐ کی اس زمانہ میں نو بیویاں تھیں۔

٢٨٥ : حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَ هُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ يَا أَبَا هُرٍ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ.

۲۸۵: ہم سے عیاش نے بیان کیا، کہا: عبدالاعلیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ حُمید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے بکر سے۔ بکر نے ابورافع سے۔ ابورافع نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور میں جنبی تھا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں آپؐ کے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ آپؐ بیٹھ گئے تو میں کھسک کر چلا گیا اور ڈیرے میں آیا اور نہایا۔ اس کے بعد آیا اور آپؐ بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟ میں نے آپؐ کو بتلایا تو آپؐ نے کہا: سبحان اللہ، ابوہریرہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح: **اَلْجُنُبُ يَخْرُجُ وَ يَمْشِىْ فِى السُّوْقِ:** چوبیسویں باب میں اس خیال کا رد کیا گیا ہے کہ جنبی جب تک نہانہ لے، کوئی کام کاج نہ کرے۔ اسلام جنابت کوایسی ناپاکی نہیں سمجھتا کہ جس کی وجہ سے دوسروں کو چھونا بھی جائز نہ ہو اور جو باہر چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے سے مانع ہو۔ روایت نمبر ۲۸۴ کی شرح روایت نمبر ۲۶۷ میں دیکھیں۔ وہاں تفصیل سے بتلایا گیا ہے کہ طواف کرنے سے مراد صرف خبر گیری ہے اور یہ کہ صرف قیاس کیا گیا ہے کہ اس اثناء میں آپؐ نے کسی بیوی سے مباشرت بھی کی ہو۔ عنوانِ باب کے ماتحت یہ روایت اس لیے لائی گئی ہے کہ جنبی کے لیے کام کاج کرنا ممنوع نہیں اور باب میں عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نقل کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ کام کاج کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ وضو ہی کرے۔ حسن بصریؒ وغیرہ وضو کرنا مستحب سمجھتے تھے۔ (عمدۃ القاری جزءسوم صفحہ ۲۴۰) مگر حضرت انسؓ کی اس روایت میں وضو کا کہیں ذکر نہیں۔ روایت نمبر ۲۸۵ کا مضمون روایت نمبر ۲۸۳ میں گذر چکا ہے۔ بوجہ اختلاف سند کے کچھ لفظی تغیر ہے۔

بَاب ٢٥ : كَيْنُوْنَةُ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَّغْتَسِلَ

جنبی کا گھر میں ہونا جبکہ وہ نہانے سے پہلے وضو کرلے

٢٨٦: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَّ شَيْبَانُ عَنْ يَّحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَيَتَوَضَّأُ.

۲۸۶: ابونُعیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام اور شیبان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحیٰ سے۔ یحیٰ نے ابوسلمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں سویا کرتے تھے کہ آپؐ جنبی ہوں تو انہوں نے کہا: ہاں اور آپؐ وضو کرلیا کرتے تھے۔

تشریح: **كَيْنُوْنَةُ الْجُنُبِ فِى الْبَيْتِ:** اس باب کے باندھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَّ لَا كَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ. (ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور) یعنی ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر یا جنبی ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ روایت کمزور ہے۔ (فتح الباری جزءاول صفحہ ۵۰۸) یہودیوں کے نزدیک وہ جگہ بھی ناپاک ہوتی تھی جہاں جنبی کھڑا ہوتا تھا۔ اس قسم کے خیالات عربوں میں بھی موجود تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں اس قسم کی روایتیں پائی جاتی تھیں اور ایسے مسائل پوچھے جاتے تھے۔ روایت نمبر ۲۸۶ سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے متعلق پوچھا گیا تھا اور باب کا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے: كَيْنُوْنَةُ الْجُنُبِ فِى الْبَيْتِ. **بَيْت** عربی میں

سونے کے کمرہ کو کہتے تھے اور دَار کا لفظ گھر کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوانِ باب میں عمومیت کی صورت اسی مروجہ باطل خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے اختیار کی ہے۔ سونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو ہمیشہ کیا کرتے تھے، خواہ حالت جنابت میں ہوں یا نہ ہوں۔

بَاب ۲۶ : نَوْمُ الْجُنُبِ

جنبی کا سونا

۲۸۷: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ.

۲۸۷: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے نافع سے۔ نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا ہم میں سے کوئی اس حالت میں سو جائے کہ وہ جنبی ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ جب تم میں سے کوئی وضو کر لے اور وہ جنبی ہو تو وہ سو سکتا ہے۔

تشریح: **نَوْمُ الْجُنُبِ:** صحابہؓ میں یہ خیال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ماتحت پیدا شدہ معلوم ہوتا ہے جو کتاب الوضوء کے آخر میں مذکور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وضو کر کے بحالت طہارت سویا جائے۔ اس سے طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پھر جنبی بھی جب تک نہا نہ لے نہ سوئے۔ آپؐ نے سہولت دی اور فرمایا: وضو کر کے سو جائے۔ اس اجازت سے ظاہر ہے کہ جنابت اپنی ذات میں ایسی ناپاکی نہیں جو معنوی حالت طہارت کے منافی اور اسے زائل کرنے والی ہو، بلکہ وضو کرنے سے قائم رہے گی یہ نقطہ واضح کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے **نَوْمُ الْجُنُبِ** کا عنوان علیحدہ قائم کیا ہے۔

بَاب ۲۷ : اَلْجُنُبُ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

جنبی وضو کرے پھر سوئے

۲۸۸: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُرْوَةَ

۲۸۸: ہم سے یحيٰی بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبید اللہ بن ابی جعفر سے۔ عبید اللہ نے محمد بن عبد الرحمان سے۔ انہوں نے عروہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ.

سے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر سونا چاہتے اور آپؐ جنبی ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور وضو کرتے جیسا نماز کے لیے کیا کرتے۔

۲۸۹: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اسْتَفْتَى عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ.

۲۸۹: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: جویریہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے۔ نافع نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا: آیا ہم میں سے کوئی اس حالت میں کہ وہ جنبی ہو سو جائے۔ فرمایا: ہاں، جب وضو کر لے۔

۲۹۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ.

۲۹۰: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے۔ ابن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے: حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ وہ رات کو جنبی ہو جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وضو کر و اور اپنی شرم گاہ دھولو اور پھر سو جاؤ۔

تشریح: اَلْجُنُبُ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ: ستائیسواں باب باندھا ہے جس کا مضمون بظاہر وہی ہے جو چھبیسویں باب کا۔ مگر اس میں ایک اختلافی مسئلہ مدنظر رکھ کر اس کا ازالہ کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی بناء پر فقہاء نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ آیا یہ وضو جنابت فرض ہے یا مستحب۔ ایک فریق نے تَوَضَّأْ سے جو صیغہ امر ہے وجوب فرض کا استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک حکم کی تعمیل فرض ہوتی ہے۔ دوسرا فریق روایت کی بناء پر جس میں جملہ شرطیہ ہے وضو کرنا پسندیدہ فعل قرار دیتا ہے۔ ایک تیسرا فریق ہے جو لفظ تَوَضَّأَ مجرد دھونے کے معنوں میں لیتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں فریقوں کا نقطہ نظر پیش کر کے مسئلہ مذکور حل کیا ہے۔ اس باب کی پہلی روایت میں نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف توجہ دلائی ہے دوسری روایت سے بتلایا ہے کہ یہ وضو وجوب سنت ہے نہ وجوب فرض۔ تیسری روایت آخر میں لا کر طحاوی وغیرہ علماء کا رد کیا ہے جو تَوَضَّأَ کے معانی محض صاف کرنے کے لیتے ہیں نہ کہ شرعی وضو۔ یہ علماء وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ کا جملہ تَوَضَّأَ کے لیے بطور تشریح کے سمجھتے ہیں۔ روایت نمبر ۲۹۰ میں درحقیقت تقدیم وتاخیر ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن یوسف کی اسی روایت کے مذکورہ بالا الفاظ ابونوح کی روایت میں تَوَضَّأَ سے پہلے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۱۰-۵۱۱) اور اگر بعد میں بھی ہوں تو اس شاذ روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور سنت اور واضح ارشاد کے ماتحت رکھا جائے گا۔ آپؐ پہلے شرم گاہ دھوتے اور پھر (تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ) اسی طرح وضو کرتے جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔

(مذکورہ بالا اختلاف کی مفصل بحث فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۱۰-۵۱۱ اور عمدۃ القاری جزء ۳ صفحہ ۲۴۵-۲۴۶ میں دیکھیں)

بَاب ۲۸ : إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

جب اعضائے تناسل (آپس میں) مل جائیں

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ ح

۲۹۱ : وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ مَرْزُوْقٍ عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَهُ وَقَالَ مُوْسَى حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ مِثْلَهُ.

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا۔

۲۹۱: نیز ہم سے ابونُعیم نے بیان کیا۔ انہوں نے ہشام سے۔ ہشام نے قتادہ سے۔ قتادہ نے حسن سے۔ حسن نے ابورافع سے۔ ابورافع نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جب عورت کے چوشانے پر بیٹھ جائے اور پھر اپنی ساری طاقت اس پر صرف کر دے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ عمرو بن مرزوق نے بھی ہشام کی طرح شعبہ سے یہی (بات) روایت کی اور موسیٰ نے کہا کہ ابان نے ہم سے بیان کیا، کہا: قتادہ نے ہم سے بیان کیا، (کہا) کہ حسن نے اسی طرح ہمیں بتلایا۔

تشریح: **اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور اختلافی مسئلہ کی وجہ سے دو باب یکے بعد دیگرے قائم کیے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آیا محض مباشرت کی وجہ سے نہانا ضروری ہوتا ہے یا یہ کہ نہانے کے لیے انزال شرط ہے۔ اس فتویٰ کی رو سے جس کی تفصیل کتاب الوضو میں گذر چکی ہے؛ انزال نہ ہونے کی حالت میں صرف وضو کرنا ضروری ہے۔ (دیکھیں روایت نمبر ۱۷۹، ۱۸۰) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی رو سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انزال ہونے یا نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں بلکہ اعضائے تناسل کے ملنے سے نہانا واجب ہو جاتا ہے۔ جن علماء کا یہ مذہب ہے وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو مشار الیہا روایتوں کا ناسخ سمجھتے ہیں۔ مگر امام نوویؒ نے ثُمَّ جَهَدَهَا کے الفاظ سے انزال کا استدلال کیا ہے جو ایک معقول استدلال ہے اور اس طرح انہوں نے ان روایتوں کے ظاہری اختلاف کو حل کیا ہے۔ مشار الیہا روایتوں کو منسوخ سمجھنے والے فقہاء قتادہ کی اُس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو امام بیہقیؒ نے نقل کی ہے اور جس میں جَهَدَ هَا کے الفاظ نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں اِذَاالْتَقَى الْخِتَانَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۵۱۲-۵۱۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہی علماء کے نقطہ نظر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے عنوانِ باب میں اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ کے الفاظ اختیار کیے ہیں مگر اس کے ذیل میں روایت وہ پیش کی ہے جس میں ثُمَّ جَهَدَ هَا کے الفاظ ہیں اور وہ باعتبار سند کے زیادہ معتبر ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غسل کے لیے انزال ضروری ہے۔ روایت نمبر ۲۹۱ کے آخیر میں عمرو بن مرزوق کی متابعت کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے بھی ہشام کی طرح جَهَدَ هَا کے الفاظ روایت کیے ہیں اور ان کی روایت بھی قتادہ سے ہے، نہ حسن سے براہ راست۔ موسیٰ بن اسماعیل کی روایت کی طرف اشارہ کر کے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ قتادہ نے براہ راست حسن سے سنا تھا اور اس میں جَهَدَ هَا ہے۔ غرض ان حوالوں سے بیہقی کی روایت کو کمزور ثابت کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے: هٰذَا اَجْوَدُ وَّ مُؤَكَّدٌ یعنی ہشام کی مذکورہ بالا روایت عمدہ ہے اور اس میں التقاءِ ختانین کی تشریح ہے یعنی جب مباشرت میں انتہائی قوت صرف ہو جائے تو نہانا ضروری ہو جاتا ہے۔ وَ الْغُسْلُ اَحْوَطُ یعنی انزال نہ ہونے کی صورت میں نہانا بطور احتیاط کے ہے نہ اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا روایت مستند روایتوں کی ناسخ ہے۔

بَاب ۲۹ : غَسْلُ مَا يُصِيْبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ جاتی ہے؛ اس کو دُھونا

۲۹۲ : حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ يَحْيَى وَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ

۲۹۲: ہم سے ابو معمر نے بیان کیا کہ عبدالوارث نے حسین سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ نے کہا: ابوسلمہ نے مجھے بتلایا کہ انہیں عطاء بن یسار نے خبر دی کہ زید بن خالد جہنی نے انہیں بتلایا

أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ وَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوْهُ بِذَلِكَ قَالَ يَحْيَى وَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوْبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ

کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے پوچھا، کہا: بھلا بتلائیں تو سہی، مرد جب اپنی عورت سے ہم صحبت ہو اور انزال نہ ہو؟ تو حضرت عثمانؓ نے کہا: وضو کرے جس طرح کہ نماز کے لیے وضو کرتا ہے اور اپنی شرم گاہ دھولے۔ حضرت عثمانؓ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔ پھر میں نے اس کے متعلق حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا تو انہوں نے ان کو بھی یہی حکم دیا۔ (یحییٰ کہتے تھے) ابوسلمہ نے مجھے بتایا کہ عروہ بن زبیر نے انہیں خبر دی کہ حضرت ابوایوبؓ نے انہیں بتلایا کہ انہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

۲۹۳: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو أَيُّوْبَ قَالَ أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَ يُصَلِّي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْغُسْلُ أَحْوَطُ وَ ذَاكَ الْآخِرُ وَ إِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ.

۲۹۳: ہم سے مسدّد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا: میرے باپ نے مجھے خبر دی۔ کہتے تھے کہ مجھے حضرت ابوایوبؓ نے خبر دی۔ انہوں نے کہا: حضرت اُبی بن کعبؓ نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! جب مرد عورت سے ہم صحبت ہو اور اُسے انزال نہ ہو؟ تو آپؐ نے فرمایا: اس کے بدن کا جو حصہ عورت سے چھوا ہے اس کو دھولے۔ پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا کہ نہانے میں زیادہ احتیاط ہے۔ ہم نے یہ دوسری روایت ان کے اختلاف کی وجہ سے بیان کی ہے۔

تشریح: **غُسْلُ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ:** روایت نمبر ۲۹۲ کا مضمون روایت نمبر ۱۷۹ میں گذر چکا ہے۔ وہاں سعد بن حفص راوی ہیں اور یہاں ابو معمر۔ امام موصوفؒ نے سابقہ مسئلہ واضح کرنے کے لیے اس باب میں اس کا اعادہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی باب کے عنوان میں ایک نیا مسئلہ بھی استنباط کیا ہے۔ انزال نہ ہونے کی حالت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا ہے کہ اندامِ نہانی سے کچھ آلائش لگ جاتی ہے۔ یہ باب بطور ایک مزید دلیل کے قائم کیا گیا ہے۔ اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ناسخ ہوتی تو حضرت عثمان وحضرت علی وحضرت زبیر وحضرت طلحہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اس نسخ سے ناواقف نہیں رہ سکتے تھے۔ اس باب میں حضرت اُبی بن کعبؓ کی بھی روایت نقل کر دی گئی ہے تا ان کے فتویٰ کے بناء واضح ہو جائے۔ زید بن خالد جہنی نے حضرت عثمانؓ وغیرہ سے یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پوچھا تھا اور حضرت اُبی بن کعبؓ نے ان کے فتویٰ کی تصدیق کی کیونکہ انہوں نے خود یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ ان روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کسی طرح بھی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اور جَهَدَهَا کے وہی معنے کرنے پڑیں گے جو امام نوویؒ نے کئے ہیں اور امام بخاریؒ نے احتیاط کرنے کے متعلق جو رائے دی ہے وہ محض ایک اختلاف کی وجہ سے دی ہے نہ اس لیے کہ کوئی روایت ناسخ و منسوخ ہے۔ یہی مذہب جمہور کا ہے، جیسا کہ امام ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں اس اجماع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(بداية المجتهد، كتاب الغسل، الباب الثانی فی معرفة النواقض لهٰذه الطهارة، المسئلة الاولىٰ)

حدیث میں آتا ہے کہ جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین کے لیے احتیاط کر لی۔ (روایت نمبر ۵۲) بعض وقت انسان خیال کرتا ہے کہ انزال نہیں ہوا اور کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کِتَابُ الْحَيْضِ

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرة: ۲۲۳).

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ وہ ضرر دینے والی چیز ہے۔ حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور اس وقت تک کہ وہ پاک نہ ہوں، اُن کے قریب نہ جاؤ۔ جب اچھی طرح پاک صاف ہو جائیں تو اُن کے پاس آؤ ایسے طور سے جو اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اللہ یقیناً ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اپنے گناہوں سے پشیمان ہو کر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو صاف ستھرے رہتے ہیں۔

تشریح: حیض وہ خون ہے جو بحالتِ صحت بلوغت کے بعد بڑھاپے تک عورتوں کو ماہوار آتا ہے۔ ایامِ حیض میں شریعت کا حکم واضح ہے کہ جب تک حیض کا خون بند نہ ہو اور عورت نہا دھو کر صاف ستھری نہ ہو جائے، مرد اس کے قریب نہ جائے۔ قریب نہ جانے کی تشریح خود قرآن مجید نے اسی آیت میں کر دی ہے: فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ. (البقرة: ۲۲۳) یعنی جب وہ نہا کر پاک وصاف ہو جائیں تو تم اُن کے پاس ایسے طور سے آؤ، جیسے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ وہ حکم یہ ہے: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ. (البقرة: ۲۲۴) عورتیں تمہارے لیے کھیتی ہیں، اپنی کھیتی میں آؤ۔ یعنی ثمرہ حاصل کرنے کے لیے اُن سے جماع کرو۔ لفظ اِتیان کے محاورہ سے لَا تَقْرَبُوْهُنَّ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ ایامِ حیض میں ان سے ہم صحبت نہ ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اُن کے پاس نہ بیٹھو، یا اُنہیں نہ چھوؤ۔

قُلْ هُوَ اَذًى کہہ کر جہاں مباشرت نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے، وہاں باطل خیالات کا بھی ردّ کر دیا ہے۔ عرب بھی عورت کو ایامِ حیض میں اسی طرح ناپاک سمجھتے تھے جس طرح یہودی اور ہندو وغیرہ۔ یہود کے نزدیک حائضہ کو چھونے والا بھی اسی طرح ناپاک ہو جاتا ہے جس طرح جنبی کو چھونے والا۔ نیز اس کا بستر اور وہ جگہ بھی جہاں وہ سوتی یا بیٹھتی؛ ناپاک سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس کی نشست گاہ کو چھونے والا بھی یہود کے نزدیک ناپاک ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر اتفاق سے اُس کا کپڑا یا بستر کسی کو لگ جائے تو وہ بھی نجس قرار دیا جاتا ہے اور نہانے اور کپڑا دھونے کے باوجود بھی وہ

شامت کا مارا شام تک ناپاک رہتا ہے۔ (احبار باب ۱۵، آیت ۱۹-۳۰) ہندوؤں میں بھی اس قسم کی سختی برتی جاتی ہے۔ حائضہ کا کھانا اور پینا اور بیٹھنا اور سونا بالکل علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ چوکے میں داخل نہیں ہوسکتی اور اس بیچاری کو اس طرح الگ تھلگ دن کاٹنے پڑتے ہیں جس طرح کہ ایک کوڑھی کو۔ گھر کے رہنے والے سب مرد و زن اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

سب قوموں میں کم وبیش اسی قسم کا سلوک حائضہ سے کیا جاتا تھا۔ اسلام نے انسان پر رحم کیا اور جیسا کہ ''اس نبی'' کے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ آ کر بنی نوع انسان کو بندھنوں اور بیڑیوں سے چھٹکارا دلائے گا۔

اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ظالمانہ قیدوں سے اُن کو چھٹکارا دلایا۔ آپؐ نے **قُلْ هُوَ اَذًى** کے ارشاد کے ماتحت اپنے عملی نمونہ سے جہالت میں مبتلا مخلوق کو سکھلایا کہ عورت سے ایامِ حیض میں پرہیز کرنے کا حکم محدود معنوں میں ہے اور یہ پرہیز اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ حالتِ حیض میں جماع کرنے سے طرفین کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ **اَذًى** کے معانی ''وہ شئے جو نقصان یا ضرر دے''۔ ایسا ہی **اَذًى** کے معانی مجازاً گندگی کے بھی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، اگر جسم سے اس کا ازالہ نہ کیا جائے۔ اسلام کا مقصد وضو، غسل وغیرہ کے احکام سے صرف یہ ہے کہ انسان کے اندر ظاہری پاکیزگی اور باطنی پاکیزگی دونوں کا اہتمام پیدا ہو۔ اسی مقصد کی طرف آیت مذکورہ بالا کے یہ آخری الفاظ اشارہ کرتے ہیں: **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔**

حیض کے متعلق احکامِ شریعت اور نبی صلی اللہ علیہ سلم کا اسوۂ حسنہ بیان کرنے کے لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے تیس (۳۰) باب باندھے ہیں۔ ان میں سے بعض میں دوسری قوموں کے غلط خیالات کا ردّ کیا گیا ہے اور بعض میں اسلامی فقہاء کے استدلالات کا سقم واضح کر کے ان کی اصلاح کی گئی ہے۔

بَاب ١ : كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ

حیض کی ابتداء کس طرح ہوئی

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيْلَ {قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ ☆} وَحَدِيْثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ.

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی لڑکیوں کے لئے مقدر کر دی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ پہلے پہل جو حیض بھیجا گیا تو وہ بنی اسرائیل پر (بھیجا گیا) (ابوعبداللہ بخاریؒ نے کہا☆) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث عام ہے۔

☆ الفاظ '' قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ ''نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۱۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

باب: اَلْاَمْرُ بِالنُّفَسَاءِ اِذَا نُفِسْنَ

نفساء کا معاملہ جب انہیں خونِ نفاس آئے

٢٩٤: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِيْ قَالَ مَا لَكِ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَاقْضِيْ مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ قَالَتْ وَضَحَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَائِهِ بِالْبَقَرِ.

۲۹۴: ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا، کہا: میں نے عبد الرحمٰن بن قاسم سے سُنا۔ انہوں نے کہا: میں نے قاسم سے سُنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت عائشہؓ سے سُنا۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم (سفر پر) نکلے۔ ہم یہی سمجھتے تھے کہ حج کریں گے۔ جب ہم سَرِف مقام میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں رَو رہی تھی۔ فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہیں حیض آیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: یہ ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی لڑکیوں کے لئے مقدر کیا ہے۔ پس تم جو کچھ حاجی کرتا ہے کرو، سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

تشریح: اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ: پہلے باب میں حیض کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور حضرت ابن مسعودؓ (وَقَالَ بَعْضُهُمْ سے مراد حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے) کی روایت پہلو بہ پہلو رکھ کر یہ بتلایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے مفہوم کے برخلاف تمام عورتوں پر حاوی ہے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: هٰذَا شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ۔ بنات آدم میں سب عورتیں شامل ہیں یعنی حیض بنی اسرائیل یا عرب کی عورتوں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ سب عورتوں کو آتا ہے۔

اَكْثَرُ کے معنے اَشْمَلُ وَاَعَمُّ یعنی عام ہے۔ نیز اس سے مراد (اَكْثَرُ شَوَاهِدَ اَوْ اَكْثَرُ قُوَّةً) بھی لئے گئے ہیں۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا قول کیا باعتبار شواہد اور کیا باعتبار سند کے زیادہ قوی ہے۔ (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۱۹)

كَانَ اَوَّلُ مَااُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِى اِسْرَائِيْلَ کی روایت اگر صحیح تسلیم کی جائے تو اس سے یہ مراد ہے کہ حیض کے متعلق احکام پہلے بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے۔جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت مشارٌ الیہا کے الفاظ خود اس مفہوم کو واضح کرتے ہیں: فَاَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِنَّ الْحَيْضَ وَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۱۹) یعنی اللہ نے حیض کا بار اُن پر ڈال دیا اور ان کو عبادت خانوں میں داخل ہونے سے روکا۔اس سے مراد وہ احکام شریعت ہیں جو حائضہ عورتوں کے لئے بنی اسرائیل کو دیئے گئے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ بالا پایۂ صحت سے ساقط ہے۔

سَرِفْ: مقام سَرِف مکہ مکرمہ سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ہے۔(عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۲۵۷)

بَاب ۲ : غَسْلُ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيْلُهُ

حائضہ کا اپنے شوہر کا سر دھونا اور اس کو کنگھی کرنا

۲۹۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ.

۲۹۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

۲۹۶: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّهُ سُئِلَ أَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ ذٰلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَكُلُّ ذٰلِكَ تَخْدُمُنِي وَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي ذٰلِكَ بَأْسٌ

۲۹۶: ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا: ہشام بن یوسف نے ہمیں بتلایا کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی۔وہ کہتے تھے کہ ہشام نے عروہ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا حائضہ میری خدمت کرے یا کیا عورت میرے قریب آئے اس حالت میں کہ وہ جنبی ہو؟ تو عروہ نے کہا: یہ سب مجھ پر آسان ہے اور ہر ایک ان میں سے میری خدمت کرتی ہے اور کسی پر بھی اس میں

أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ تَعْنِي رَأْسَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ.

کوئی حرج نہیں ۔ مجھے حضرت عائشہؓ نے بتلایا کہ وہ کنگھی کیا کرتی تھیں ۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرکو، حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہوتے۔ آپؐ اپنے سرکوان کے نزدیک کردیتے اور وہ اپنی کوٹھڑی میں ہوتیں۔اور آپؐ کو کنگھی کرتیں حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں۔

تشریح: یہ باب جس غرض کے لئے باندھا گیا ہے، وہ دوسری روایت یعنی نمبر ۲۹٦ کے ان الفاظ سے واضح ہے: اَتَخْدُمُنِى الْحَائِضُ اَوْتَدْنُومِنّى الْمَرأَةُ وَهِىَ جُنُبٌ ... الخ۔ عروہؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حائضہ میری خدمت کرسکتی ہے یا جنبی عورت میرے قریب آسکتی ہے؟ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا: كُلُّ ذٰلِكَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ۔ یہ سب باتیں مجھ پر آسان ہیں۔یعنی اس سے پہلے گراں گزرتی تھیں۔ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں کس قسم کا تشدد حائضہ یا جنبی کے متعلق پایا جاتا تھا۔

بَاب۳: قِرَاءَةُ الرَّجُلِ فِي حَجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

آدمی کا اپنی بیوی کی گود میں قرآن مجید پڑھنا جبکہ وہ حائضہ ہو

وَكَانَ أَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِلَى أَبِي رَزِيْنٍ فَتَأْتِيْهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ.

ابووائل اپنی خادمہ کو ابورزین کے پاس بھیجتے اور وہ حائضہ ہوتی تو وہ ان کو قرآن مجید لاکر دیتی اور وہ اس کے فیتے سے اس کو پکڑتی۔

۲۹۷: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ سَمِعَ زُهَيْرًا عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ أَنَّ أُمَّهُ حَدَّثَتْهُ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

۲۹۷: ہم سے ابونعیم فضل بن دُکین نے بیان کیا کہ انہوں نے زہیر سے سنا۔وہ منصور بن صفیہ سے روایت کرتے تھے کہ اُن کی ماں نے ان کو بتلایا کہ حضرت عائشہؓ نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔پھر آپؐ قرآن مجید پڑھتے۔

تشریح: **قِرَأَةُ الرَّجُلِ فِیْ حَجْرِ .... الْحَائِضِ:** تیسرا باب بھی اسی وسعتِ خیال پر روشنی ڈالنے کے لئے باندھا گیا ہے، جسے مسلمانوں میں نبی ﷺ نے حائضہ عورتوں کے متعلق نفرت مٹا کر پیدا کیا تھا۔اس سے پہلے بنی اسرائیل میں بھی اور عرب میں بھی حائضہ کے لئے کسی مقدس کتاب کو چھونا کیا؛ اس کے سُننے سُنانے کو بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔آپؐ نے اس قسم کے تمام نفرت آمیز احساسات اپنے پاک نمونہ سے مٹا دئے۔آپؐ کے اس پاک نمونہ کا اثر تابعینؒ میں بھی قائم رہا۔اس کے بعد پرانی حالت آہستہ آہستہ عود کر آئی۔یہاں تک کہ اب پھر ویسے خیالات حائضہ کے متعلق مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہ قرآنِ مجید پڑھنا تو درکنار اس کا چھونا بھی حائضہ کے لئے ناجائز سمجھتے ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان باب میں دو مشہور تابعینؒ کا حوالہ اسی غرض سے دیا ہے کہ اس چھوت چھات کے مسئلہ کی غلطی واضح ہو۔اس باب سے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ لوگ اپنی بیوی کے پہلو پر سر رکھ کر قرآن مجید ضرور پڑھا کریں بلکہ صرف یہ ثابت کرنا مدنظر ہے کہ جمہور کا خیال غلط ہے کہ حائضہ ان معنوں میں ناپاک ہوتی ہے کہ وہ قرآن مجید کو بھی نہیں چھو سکتی۔باب مذکور میں امام موصوفؒ نے مسلمانوں کے غلط خیال کی اصلاح کی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں آرام فرماتے۔سرہانہ نہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھ لیتے اور کبھی اس حالت میں وہ حائضہ بھی ہوتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے سے دریغ نہ ہوتا۔جس طرح حضرت عائشہؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حافظ قرآن مجید تھے سہارا دیئے رکھنا قرآن مجید کے ادب وحرمت کے خلاف نہ تھا اسی طرح حائضہ کے قرآن مجید اٹھانے سے بھی کتاب اللہ کی بےحرمتی نہیں ہوتی۔امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے؛ برخلاف دیگر فقہاء کے۔(فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۲۲)

اس جگہ یاد رہے کہ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات منزلیہ کے واقعات جو بتلائے ہیں تو وہ محض اس لئے کہ تا زمانۂ جاہلیت کے ان لغو خیالات کی اصلاح ہو جو آپؐ کی وفات کے بعد بھی اپنا اثر کسی نہ کسی رنگ میں دکھلاتے رہتے تھے۔جیسا کہ جنبی کے چھونے سے برتن کا ناپاک ہو جانا یا یہ کہ مرد وعورت کا اکٹھے ایک برتن سے نہانا اور نیز یہ مسئلہ جو زیر بحث ہے۔صحابہؓ یا تابعینؒ ذرا سے اختلاف یا شک پر سنت نبویہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔بلا ضرورت اور بلا وجہ آپؐ کی بیویاں ان باتوں کا کبھی اظہار نہ کرتی تھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلی زندگی میں بھی ہم دونوں باتیں پہلو بہ پہلو دیکھتے ہیں۔ایک طرف اپنی بیویوں سے جذبات محبت کا اظہار ہے۔اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ بھی اپنا کام نمایاں طور پر کر رہا ہے۔ہر انسان اپنی بیوی سے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔یہ کوئی نئی بات نہیں۔لیکن قابل غور امر یہ کہ لوگ عموماً ان جذبات میں ایسے طور سے اوندھے ہو جاتے ہیں کہ آسمان کی طرف ان کی نگاہ نہیں اُٹھتی۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اس حالت میں بھی ذکر حبیب میں مشغول ہو جاتی ہے اور آپ اُس کے کلام میں اپنی اصلی راحت سمجھتے ہیں۔(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَسَلِّمْ)

بَاب ٤ : مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا

جس نے حیض کا نام نفاس رکھا

۲۹۸ :حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَّحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيْصَةٍ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِي قَالَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ.

۲۹۸: ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحیٰی بن ابی کثیر سے، یحیٰی نے ابوسلمہ سے روایت کی کہ حضرت امّ سلمہؓ کی لڑکی زینب نے ان سے بیان کیا کہ حضرت امّ سلمہؓ نے انہیں بتایا۔ کہتی تھیں: ایک بار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ اتنے میں مجھے حیض آیا تو میں سرک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے لئے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تجھے خونِ نفاس آیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو آپؐ نے مجھے بلایا اور میں اسی چادر میں آپؐ کے ساتھ لیٹ گئی۔

تشریح: مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا: باب۴ کا بھی وہی مضمون ہے جو پہلے بابوں کا ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا حیض آنے پر بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سمجھیں کہ کہیں چھونے سے آپؐ کا بدن ناپاک نہ ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ لیٹے رہنے کے لئے فرمایا۔ اگلے باب میں اس امر کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ عنوان باب میں لفظ نفاس کی تشریح ضمناً کی گئی ہے۔

بَاب ٥ : مُبَاشَرَةُ الْحَائِضِ

حائضہ سے بدن لگانا

۲۹۹ :حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۲۹۹: ہم سے قبیصہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابرہیم سے، ابراہیم نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ کہتی تھیں کہ میں اور نبی

وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ.

صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے اور ہم جنبی ہوتے۔

۳۰۰: وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَائِضٌ.

۳۰۰: اور آپؐ مجھ سے فرماتے تو میں تہ بند باندھ لیتی اور آپؐ میرے ساتھ بدن سے بدن لگا کر لیٹ جاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

۳۰۱: وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

۳۰۱: اور آپؐ معتکف ہوتے اپنا سر میری طرف نکالتے تو میں اسے دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

۳۰۲: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ خَلِيْلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ هُوَ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ تَابَعَهُ خَالِدٌ وَجَرِيْرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

۳۰۲: ہم سے اسماعیل بن خلیل نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: علی بن مسہر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ابواسحٰق شیبانی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عبدالرحمان بن اسود سے، عبدالرحمان نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھی: ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بدن سے بدن لگا کر لیٹنا چاہتے تو آپؐ اس کو تہ بند باندھنے کے لئے فرماتے؛ درآنحالیکہ اس کا حیض جوش میں ہوتا۔ پھر اس کے ساتھ بدن لگا کر لیٹتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: تم میں سے کون اپنی شہوت قابو میں رکھ سکتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اپنی شہوت کو قابو میں رکھتے۔ (علی بن مسہر کی طرح) خالد اور جریر نے بھی شیبانی سے اس حدیث کو روایت کیا۔

۳۰۳ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَائِهِ أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

۳۰۳: ہم سے ابونعمان نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا: شیبانی نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے کہا: عبداللہ بن شدّاد نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت میمونہؓ سے سنا وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی عورتوں میں سے کسی عورت کے ساتھ بدن سے بدن لگا کر لیٹنا چاہتے تو اسے فرماتے اور وہ تہ بند باندھ لیتیں حالانکہ وہ (اسوقت) حائضہ ہوتیں۔اورسفیان نے بھی شیبانی سے یہ حدیث روایت کی۔

تشریح: مُبَاشَرَةُ الْحَائِضِ: اس مباشرت سے مراد جماع نہیں بلکہ بدن سے بدن لگا کر ساتھ لیٹنا ہے۔حضرت عائشہؓ کی یہ تصریح ہر ایک قسم کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کافی ہے اور باوجود اس صراحت کے مباشرت کے معنے جماع کرنا نہایت ظلم ہوگا۔یہ غور کرنے کی بات ہے کہ آٹھ نو بیویاں رکھتے ہوئے پھر حائضہ بیوی کے ساتھ بدن سے بدن لگانے اور یَـمْـلِکُ اِرْبَهٗ کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ساتویں ہجری میں حضرت میمونہؓ سے شادی ہوئی تھی اور اس عرصہ میں آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کی روایتوں سے کم از کم اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرتے وقت آپؐ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔تو ایسی حالت میں دوسری بیویاں چھوڑ کر خاص حائضہ کے ساتھ لیٹنے میں سوائے اصلاح کے اور کچھ غرض نہ تھی۔بنی اسرائیل میں حائضہ عورت کو سخت ناپاک سمجھا جاتا تھا۔اگر مرد اپنی بیوی کے ساتھ اتفاق سے بھی لیٹ جاتا تو وہ سات دن تک ناپاک رہتا اور اس کا بستر بھی ناپاک ہوتا جس پر وہ لیٹتا۔(احبار۔باب:۱۵،آیت:۲۴)

ان خیالات کا ایک گہرا اثر عربوں پر بھی تھا خاص کر مدینہ اور اس کے مضافات کے عربوں پر جو یہودیوں کے درمیان رہتے تھے اور آپؐ کی یہ بیویاں بھی مدینہ میں ہی آپؐ کے گھر آئیں تھیں اور آپؐ کی مدنی زندگی کے حالات بیان کرتی تھیں۔روایت نمبر ۲۹۸ کے مضمون پر غور کریں کہ حضرت ام سلمہؓ کو حیض آتا ہے **فَانْسَلَلْتُ** اور وہ آہستہ سے بستر سے سرک جاتی ہیں۔وجہ معلوم ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ لیٹنے کے لئے فرماتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیض کی وجہ سے اپنے آپ کو ناپاک سمجھتی تھیں۔جیسا کہ دوسری روایتوں سے بھی عورتوں کے اس قسم کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ایک بار آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کپڑا مانگا تو انہوں نے جواب دیا: میں حائضہ ہوں۔آپؐ نے فرمایا: اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ (مسلم كتاب الحيض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها) یعنی حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ان لغو خیالات کی اصلاح کی خاطر آپؐ اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ لٹاتے تھے۔بدن سے بدن

لگاتے اور اپنے جذبات محبت کا اظہار فرماتے۔ جس میں شہوت کا کوئی دخل نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے جرأت کے ساتھ اس صداقت کا اظہار کیا ہے۔ (حدیث: ۳۰۲) آپؐ ان کو تہ بند باندھنے کے لئے فرماتے۔ یہ الفاظ بھی مباشرت کے اُس معنی کو رد کرتے ہیں جس کی طرف بعض نابلد لوگوں کا خیال جاتا ہے۔ چونکہ وہ خود اپنی شہوتوں میں اندھے ہوتے ہیں، اس لئے اپنی آنکھ سے مقدس انسانوں کو دیکھتے ہیں۔ روایت نمبر ۲۹۸ کے الفاظ فَـأَخَـذْتُ ثِيَـابَ حَيْضَتِـي سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں ایام حیض کے لئے مخصوص کپڑے ہوتے تھے؛ جن کو مَـحَـآيِـض کہتے تھے۔ جس کی مفرد مَحِيْضَة ہے۔ (لسان العرب. تحت لفظ حيض. المجلد الثاني. صفحه ۱۰۷۱) اور اب تک بھی عربی ممالک میں الگ کپڑا اس غرض کے لئے ہوتا ہے، لنگوٹ کی طرح مگر اس سے چوڑا۔ ہر عورت اپنے پاس تین چار کپڑے رکھتی ہے۔ ازار یعنی تہ بند حیض کے کپڑے کے علاوہ باندھنے کے لئے فرمایا، تا خون وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ آپؐ کی یہ احتیاط بھی صاف بتلاتی ہے کہ یہ مباشرت محض حسن معاشرت اور خیالات فاسدہ کی اصلاح کی غرض سے تھی اور آپؐ کی بیویوں کا پاک نمونہ دیکھیں کہ وہ پوری جرأت سے صحابہؓ کے سامنے عندالاختلاف اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں تا کہ وہ غلط خیالات سے نجات پائیں۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کا بہت کچھ حصہ اہل کتاب سے لیا ہے وہ یہاں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ کیا آپؐ ان سے لے رہے ہیں یا ان کے بیہودہ غلو آمیز خیالات کی اصلاح کر کے ان کو نئے نئے عملی سبق دے رہے ہیں جو بالآخر رسم ورواج اور لغو عادتوں کی قیدوں سے ان کی رہائی کا موجب ہوئے جیسا کہ قرآن کریم اس کی تصریح بایں الفاظ فرماتا ہے: وَيَـضَـعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الأعراف: ۱۵۸) {ترجمہ: اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق اُتار دیتا ہے جو اُن پر پڑے ہوئے تھے۔}

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مُبَاشَرَةُ الْحَائِضِ کا عنوان قائم کر کے اُن فقیہوں کے خیالات کا بھی ردّ کیا ہے جو آیت قُلْ هُوَ اَذًى فَـاعْتَـزِلُـوْا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ کے الفاظ فِي الْمَحِيْضِ کے معنے ''جائے حیض'' کر کے لغو بحثوں اور مسائل کی موشگافیوں میں پڑ گئے ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: بـدايـة المجتهد. كتاب الغسل. الباب الثالث في معرفة أحكام الحيض والاستحاضة. الجزء الاول. صفحه ۴۰-۴۱)

امام موصوفؒ نے غیر مستند اور شاذ روایتیں بالکل نظر انداز کر دی ہیں۔ رَوَاهُ سُـفْـيَـانُ عَـنِ الشَّيْـبَـانِـيِّ کہہ کر سند روایت کی وضاحت کر دی ہے یعنی عبد الواحد کی سند سے سفیان ثوری نے بھی یہی روایت بیان کی جیسا کہ خالد بن عبداللہ واسطی اور جریر بن عبد الحمید نے بھی شیبانی سے اسی طرح بیان کیا۔ (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۲۵) خلاصہ یہ کہ ان کی یہ روایتیں نہایت صحیح ہیں جو دوسری کمزور روایتوں کو رد کرتی ہیں۔

مباشرت کے لغوی معنے جسم سے جسم لگانا یا ساتھ لیٹنا یا مطلق چھونا۔ لسان العرب نے تینوں معنے مثالوں سے واضح کئے ہیں۔ بَشَرَةٌ: بدن کا چمڑا۔ مُبَاشَرَةُ الرَّجُلِ الْمَرْأَةَ لِتَضَامِّ اَبْشَارِهِمَا ۔ مرد وعورت کے بدنوں کا ایک دوسرے سے لگنے کی وجہ سے جماع کو مباشرت کہتے ہیں۔ بَـاشَـرَ الـرَّجُـلُ امْـرَأَتَـهُ مُبَاشَرَةً : كَانَ مَعَهَا فِي ثَوْبٍ

وَّاحِدٍ -یعنی مرد کا اپنی بیوی سے مباشرت کرنے کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں لیٹا و مُبَاشَرَةُ الْمَرْأَةِ مُلَامَسَتُهَا یعنی مباشرت کے معنی مطلق چھونے کے بھی ہیں۔لسان العرب نے یہ لغوی معنی دے کر اُس روایت کا حوالہ دیا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کرتے تھے اور اس کے معنے مطلق بدن سے بدن لگا کر لیٹنے یا گلے لگانے کے ہیں۔ وَ قَدْ يَرِدُ بِمَعْنَى الْوَطْءِ -یعنی کبھی یہ لفظ جماع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے جس کے لئے قرینہ صارفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

(لسان العرب. تحت لفظ بشر. المجلد الاول. صفحه۲۸۶-۲۸۷)

باب مذکور میں جو تین روایتیں لائی گئی ہیں۔انہوں نے مباشرت کا مفہوم بالکل واضح کر دیا ہے۔ یہاں اس لفظ کا جماع معنی کرنا جیسا کہ بعض نادان دشمن کرتے ہیں نہ صرف شریعت اسلامیہ کے صریح منشاء کے خلاف ہے بلکہ خود ان روایتوں کے اصل مدعا و مضمون کے بھی خلاف ہے۔اس باب کی پہلی روایت کے سیاق وسباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جنبی اور حائضہ کے متعلق چھوت چھات کا مسئلہ بیان کر رہی ہیں اور بتلا رہی ہیں کہ اعتکاف میں بھی جو کہ ایک عبادت کی حالت تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سر دھلوایا کرتے تھے۔حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔حضرت عائشہؓ کے حجرے کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا۔آپؐ مسجد میں ہی رہتے اور اپنا سر آگے کر دیتے اور حضرت عائشہؓ پانی ڈال کر اس کو دھوتیں۔دوسری روایت میں حائضہ کے متعلق اسی مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں: اَيُّكُمْ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ. یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جذبات پر پورا پورا قابو رکھتے تھے۔

بَاب ٦ : تَرْكُ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

حائضہ کا روزہ چھوڑنا

٣٠٤ :حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي

۳۰۴: ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، کہا: محمد بن جعفر نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے کہا: زید بن اسلم نے مجھے بتلایا۔انہوں نے عیاض بن عبداللہ سے، عیاض نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحی یا عید فطر میں عیدگاہ کی طرف گئے اور عورتوں کے پاس سے گذرے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ دو۔کیونکہ دوزخیوں میں تم ہی مجھے زیادہ تعداد

أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَ بِمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا.

میں دکھلائی گئی ہو تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ فرمایا: تم لعنت زیادہ کرتی ہو۔ اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے ناقص عقل اور ناقص دین اشخاص میں سے تم سے زیادہ کسی کو بھی دُور اندیش انسان کی عقل ضائع کرنے والا نہیں دیکھا۔ کہنے لگیں: یارسول اللہ! ہمارے دین اور عقل میں کیا نقص ہے؟ فرمایا: کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: تو یہ اسکی عقل کی کمی ہے۔ کیا یہ نہیں ہے کہ جب اُسے حیض آئے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: یہی اس کے دین کی کمی ہے۔

تشریح: **تَرْكُ الْحَائِضِ الصَّوْمَ:** پہلے باب میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہیں حج کو جاتے ہوئے سرف مقام میں حیض آ گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا. فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِي بِالْبَيْتِ ...الخ یعنی طوافِ بیت کے سوا حج کے باقی کام کرو۔ اس سے یہ مراد نہیں تھی کہ نماز بھی پڑھو اور روزہ بھی رکھو، کیونکہ یہ مستقل عبادتیں ہیں، ارکانِ حج میں سے نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں روزے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ نماز کے متعلق تو شریعت کا حکم واضح ہے۔ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور فَاِذَا تَطَهَّرْنَ سے ظاہر ہے کہ ایام حیض میں طہارت مفقود ہوتی ہے جو نماز کے لئے نہایت ضروری شرط ہے، مگر روزے کے لئے جسمانی پاکیزگی شرط نہیں۔ اس لئے طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ حائضہ روزہ رکھ سکتی ہے کہ نہیں؟ چونکہ نماز کا مسئلہ بالبداہت واضح تھا؛ اس لیے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ مگر روزے کا مسئلہ محتاجِ وضاحت تھا اس لئے اس کے لئے علیحدہ عنوان قائم کیا ہے؛ حالانکہ حدیث میں دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں یہ مخصوص طریقہ استدلال بھی اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۲۶) مذکورہ بالا حدیث کا مضمون حدیث نمبر ۲۸ میں اختصار کے ساتھ گذر چکا ہے۔ عنوان باب کے ساتھ اس حدیث کا جو تعلق ہے وہ واضح کر دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس کا آگے کہیں ذکر نہیں ہوگا۔ اس لئے یہاں مخالفین اسلام کے ایک اعتراض کا مختصر جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے عورتوں کے متعلق جو رائے ظاہر فرمائی ہے اسکی واقعات اور مشاہدات پورے طور پر تائید کرتے ہیں۔ ایک مرد جس کی معنویات شادی سے پہلے والدین اور بھائیوں وغیرہ کے متعلق افق اعلیٰ تک پرواز کر رہی ہوتی ہیں، بیوی کے آنے پر تحت الثریٰ میں غائب ہو جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی قسم کے تغیر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ **اَلْعَشِیْرُ** کے معنی خاوند اور قریبی رشتہ دار دونوں ہیں۔(لسان العرب. تحت لفظ "عشر". المجلد الرابع. صفحه ۲۹۵۵)

نَاقِصَاتِ عَقْلٍ: عورتوں کا تجربہ بہ نسبت مردوں کے نہایت محدود ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی ذہنی نشوونما بھی محدود اور ناقص ہوتی ہے۔ گھر کے گوناگوں جھمیلوں میں توجہ منقسم ہونے کی وجہ سے عموماً واقعہ یا بات کی تفصیلات نظر، کان اور حافظہ سے غائب ہو جاتی ہیں اور بوجہ کمی تربیت اور قلت تجربہ کے وہ خارجی واقعات کو اپنے ذہنوں میں کما حقہٗ اخذ بھی نہیں کر سکتی۔ اس لئے شریعت نے شہادت کے متعلق جہاں اور احتیاطیں اختیار کی ہیں، وہاں یہ احتیاط بھی اختیار کی ہے کہ اگر ایک مرد کی شہادت نہ ملے تو دو عورتوں کی شہادت لی جائے۔

نَاقِصَاتِ دِیْنٍ: دین کے نقص کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ طبعی نقص ہے اور مؤاخذہ کے نیچے نہیں مگر بہرحال وہ ایک نقص ہے جس کی وجہ سے عورت عبادت الٰہی سے کچھ دن کے لئے محروم ہو جاتی ہے۔ ثواب وعقاب سے قطع نظر یہ محرومی فی ذاتہ ایک ایسا نقص ہے جس کو عبادت کی لذت سے آشنا انسان تکلیف کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں جہاں عورت کے نقصانِ عقل و دین کا ذکر ہے وہاں صرف ایک نسبتی نقص کا اظہار کیا گیا ہے اور اس میں ضمناً مردوں کے نقص کا بھی ذکر فرمایا ہے: **مَارَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ**۔ ناقصاتِ عقل و دین سے مراد صرف عورتوں کا گروہ نہیں بلکہ مطلق ناقص اشخاص ہیں، جن میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ جمع مکسر خواہ مذکر ہی ہو، "ات" سے بکثرت آتی ہے۔ یہاں قلت و کثرت کا نسبتی سوال ہے۔ ورنہ بعض عورتیں بعض مردوں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ کے متعلق خود قرآن مجید فرماتا ہے: لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی (اٰل عمران: ۳۷)۔ باقی حصہ مضمون حدیث نمبر ۲۹ کی شرح میں دیکھا جائے۔

بَاب ۷: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

حائضہ حج کی تمام عبادتیں ادا کر سکتی ہے سوائے بیت اللہ کے طواف کے

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ

اور ابراہیم نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ وہ کوئی آیت پڑھے اور حضرت ابن عباسؓ نے جنبی کے لئے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام حالتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے

وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَّخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَإِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمُوْنَ. (آل عمران: ٦٥) وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي وَقَالَ الْحَكَمُ إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ وَقَالَ اللّٰهُ: وَ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (الأنعام: ١٢٢)

٣٠٥ :حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ

اور حضرت امّ عطیہؓ کہتی تھیں کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ حائضہ عورتیں بھی باہر نکلیں اور لوگوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور دعا مانگیں اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ مجھے ابوسفیان نے بتلایا کہ ہرقل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا اور اُسے پڑھا تو اس میں یہ تھا: رحمٰن رحیم اللہ کے نام سے، اے اہل کتاب! اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں.... یہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اور عطاء نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا کہ حضرت عائشہؓ کو حیض آیا اور انہوں نے حج کی تمام عبادتیں ادا کیں سوائے بیت اللہ کے طواف کے اور نماز نہیں پڑھتی تھیں۔ اور حکم نے کہا: میں تو ذبح بھی کرتا ہوں حالانکہ جنبی ہوتا ہوں اور اللہ (عزوجل) نے فرمایا: مت کھاؤ؛ ان چیزوں سے جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

۳۰۵: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، عبدالرحمٰن نے قاسم بن محمد سے، قاسم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نکلے اور ہم حج کا ہی ذکر کرتے تھے۔ جب ہم سرف مقام میں آئے تو مجھے حیض

فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ قُلْتُ لَوَدِدْتُ وَاللهِ أَنِّي لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ قَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِيْ.

آ گیا۔ نبی ﷺ میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں کیا بات رُلا رہی ہے؟ میں نے کہا: بخدا میری تو یہ آرزو ہے کہ اس سال حج کو نہ آئی ہوتی۔ فرمایا: شاید تمہیں حیض آ گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: یہ تو ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقدر کردی ہے۔ اس لئے جو کام حاجی کرتا ہے وہ تم کرو، سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا تاوقتیکہ خون بند ہو جائے۔

تشریح: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِکَ کُلَّهَا اِلَّا الطَّوَافَ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں باب میں جنبی اور حائضہ کے متعلق چند مسائل یکجا درج کر کے فقہاء کے اس نقطہ نظر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی رو سے یہ دونوں حالتیں باعتبار شرعی احکام کے تقریباً ایک ہی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی دونوں میں نماز کا پڑھنا جائز نہیں۔ ایسا ہی روزہ رکھنے اور ذکر کرنے اور قرآن مجید پڑھنے اور مسجد میں داخل ہونے وغیرہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق جو فتوے دئے گئے ہیں، ان کا تعلق کم وبیش جنابت وحیض دونوں حالتوں سے تقریباً یکساں ہے۔ اس لئے ان کو ایک ہی باب میں قصداً اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

باب مذکور میں بہت سے حوالے دینے کے بعد ایک ہی روایت پیش کی گئی ہے جس کے ایک تو یہ معنی ہیں کہ مسائل مختلف فیہا کے متعلق جتنی روایتیں فقہاء کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کے مطابق مستند نہیں۔ (فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۲۹) اور دوسرے اس کے یہ معنی ہیں کہ جن جزئی مسائل میں اختلاف کیا گیا ہے وہ سب حضرت عائشہؓ کی مستند روایت سے حل ہو جاتے ہیں۔

حج کی عبادت میں طواف بیت اللہ، لبیک، تہلیل وتکبیر اور ذکر الٰہی اور دعائیں شامل ہوتی ہیں۔ فَافْعَلِي مَايَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَاَنْ لَّا تَطُوْفِي بِالْبَيتِ حَتّٰى تَطْهُرِی کے ارشاد نبویؐ میں صرف طواف بیت اللہ کا استثناء کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ ذکر الٰہی اور دعائیں کرسکتی ہے۔ یہ اصل حکم ہے حائضہ کے متعلق۔ رہا یہ مسئلہ کہ آیا وہ قرآن مجید بھی پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی کا فتویٰ جواز نقل کر کے اس خیال کو ردّ کیا ہے کہ حائضہ کے قرآن مجید نہ پڑھنے کے بارے میں سب فقہاء متفق ہیں۔

جنبی کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل درآمد پیش کیا گیا ہے۔ حضرت امّ عطیہؓ کی روایت خود امام بخاریؒ نے کتاب العیدین باب التکبیر ایام منی و اذا غدا الی عرفة میں موصولاً

بیان کی ہے۔ ہرقل کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو خط لکھا اور اس میں قرآن مجید کی آیتیں تھیں۔ جب ایک کافر کے لئے جس کو معنوی ناپاکی کی وجہ سے نجس کہا گیا ہے، قرآن مجید کی آیتیں پڑھنی جائز تھیں تو ایک مسلمان عورت کے لئے بوجہ عارضی ناپاکی کے اس کا پڑھنا کیونکر ناجائز ہوسکتا ہے۔ مگر یہ استدلال علماء جمہور نے قبول نہیں کیا، بوجہ اس کے کہ اس خط میں اور باتیں بھی تھیں اور وہ ایسی کتاب کی طرح ہے جس میں قرآن مجید کی آیتیں بھی ہوں مگر اس کو قرآن مجید نہیں کہہ سکتے۔ (جمہور کا یہ استدلال مفصل دیکھئے: بداية المجتهد. كتاب الغسل. الباب الثالث في أحكام هذين الحدثين أعني الجنابة و الحيض. المسئلة الثالثة قرأة القرآن للجنب)

جمہور کی اس دلیل کو توڑنے کے لئے امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے جو کتاب الا حکام (کتاب التمني. باب قول النبي ﷺ لو استقبلت من أمري ما استدبرت) میں مذکور ہے۔ اس میں **وَلَا تُصَلِّيْ** کہہ کر باقی تمام قسم کے ذکر الٰہی کی اجازت دی ہے جس میں تلاوتِ قرآن مجید بھی شامل ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز وطواف کی طرح اس کو بھی مستثنیٰ فرماتے۔ ایسا ہی امام موصوفؒ نے جنبی کے متعلق حکم بن عتیبہ کا فتویٰ اور عمل درآمد پیش کیا ہے جو کوفہ کے فقیہ تھے۔ ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا پڑتا ہے ورنہ وہ ذبیحہ حرام ہوگا

امام ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ علماء جمہور کی وہ دلیل کمزور ہے جو حضرت علیؓ کی روایت **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَحْجُبُهُ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْئٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ** سے پکڑتے ہیں کیونکہ یہ روایت کمزور ہے اور اس کے مقابل پر حضرت عائشہؓ اور حضرت امّ عطیہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتیں اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے اقوال قوی ہیں۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۳۰)

عنوان باب کے الفاظ **وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ** بھی امام ابن حجرؒ کے خیال مذکور کی تائید کرتے ہیں۔ یہ روایت امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے موصولاً بیان کی ہے۔
(مسلم. كتاب الحيض. باب ذكر الله تعالٰى في حال الجنابة وغيرها)

بَاب۸: اَلْاِسْتِحَاضَةُ

استحاضہ کے بیان میں

٣٠٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي

۳۰۶: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ ابوحُبَیش کی لڑکی حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي.

سے کہا: یارسول اللہ! میرا تو خون بند نہیں ہوتا۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ایک رگ کا خون ہے۔ حیض نہیں۔ پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔ جب اس کا مقررہ وقت گذر جائے تو اپنے (بدن) سے خون دھو ڈالو اور نماز پڑھو۔

تشریح: حائضہ کے ناپاک ہونے کے متعلق جو اوہام زمانہ جاہلیت سے چلے آتے تھے شارع اسلام ﷺ نے اپنے عملی نمونہ سے ان کی اصلاح فرمائی اور آپؐ کی بیویوں نے اس اصلاح میں اخلاقی جرأت سے کام لیتے ہوئے آپؐ کی پوری پوری مدد کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستند اور نہایت صحیح روایتوں کی بناء پر بالترتیب یکے بعد دیگرے باب قائم کرتے ہوئے آخری مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ حائضہ نماز و روزہ اور طوافِ بیت اللہ کے سوا؛ جو ایک معنی میں نماز ہے؛ باقی تمام قسم کی عبادتیں بجا لاسکتی ہے۔ روزہ اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ تکلیف مالا یطاق سے بچے اور نماز اس لئے کہ اس حالت میں جسمانی طہارت مفقود ہوتی ہے۔ جو لوگ مذاہب عالم سے واقف ہیں وہ اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو کس ذلت کے گڑھے سے نکال کر مرد کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا اور اس کے لئے بھی اسی طرح روحانی ترقیات میں آزادی کی راہ کھول دی ہے جس طرح مرد کے لئے۔ ورنہ اس سے قبل وہ سوائے آلہ شہوت رانی اور خدمت گذاری کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

حیض کے متعلق مسائل بیان کرنے کے بعد اب استحاضہ کے بارے میں آٹھواں باب باندھا گیا ہے۔

استحاضہ وہ خون ہے جو ایک بیماری کی وجہ سے بعض عورتوں کو ماہواری ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی آتا ہے۔
(لسان العرب .تحت لفظ حیض. المجلد الثانی. صفحه ۱۰۷۱)

تورات کے احکام استحاضہ کے متعلق بھی ویسے ہی سخت ہیں جیسے حیض کے متعلق۔ اس کی رُو سے عورت جب تک اس میں مبتلا رہے وہ ناپاک ہے۔ بلکہ خون استحاضہ بند ہونے کے بعد بھی وہ سات دن تک ناپاک رہتی ہے اور ہر شئے جس کو وہ چھوئے گی، ناپاک ہوگی بلکہ اس کو چھونے والا نہانے کے بعد بھی شام تک ناپاک رہتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: احبار باب:۱۵، آیت:۲۵) مگر اسلام نے استحاضہ کو ناپاکی کا موجب قرار نہیں دیا اور مستحاضہ کو نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ روایت نمبر ۳۰٦ کتاب الوضوء باب غسل الدم روایت نمبر ۲۲۸ میں گذر چکی ہے۔ وہاں اس مسئلہ کی تفصیل دیکھئے۔

بَاب ٩ : غَسْلُ دَمِ الْمَحِيْضِ

حیض کا خون دھونا

٣٠٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيْهِ.

۳۰۷: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے منذر کی بیٹی فاطمہ سے، فاطمہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! بتلائیں اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو چاہیئے کہ وہ اس کو کھرچ ڈالے۔ پھر اس کو پانی سے اچھی طرح دھوڈالے۔ اس کے بعد اس میں نماز پڑھ لے۔

٣٠٨: حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلَى سَائِرِهِ ثُمَّ تُصَلِّي فِيْهِ.

۳۰۸: ہم سے اصبغ نے بیان کیا، کہا: ابن وہب نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے کہا: عمرو بن حارث نے عبدالرحمان بن قاسم سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے۔ اُن کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ کہتی تھیں کہ ہم میں سے ایک کو حیض آتا تو وہ حیض بند ہونے پر اپنے کپڑے سے خون کھرچ دیتی اور اسے دھوتی اور پھر سب پر پانی بہا کر اس کو جھاڑتی پھر اس میں نماز پڑھتی۔

تشریح: **غَسْلُ دَمِ الْمَحِيْضِ:** باب مذکور کی پہلی روایت کتاب الوضوء، باب غسل الدم میں بھی منقول ہے۔ دیکھئے روایت ۲۲۷۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے دوسری روایت لاکر یہ اِشکال رفع کر دیا ہے کہ حیض کا خون کب دھویا جائے۔ **عِنْدَ طُهْرِهَا** یعنی حیض بند ہونے کے بعد مَحِيْضَه یعنی حیض کا خاص کپڑا باندھنے کے باوجود کبھی قمیص یا ازار کو خون کا داغ لگ جاتا تھا۔ ورنہ ویسے یہ کپڑے صاف ستھرے ہوتے، اس لیے آپؐ نے عورتوں کو اجازت دی کہ صرف وہی جگہ دھوئی جائے جہاں خون لگا ہے۔ باب ۹ کی پہلی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا اور دوسری روایت میں صحابیہ عورتوں کا اس ہدایت کے مطابق عمل درآمد کرنے کا ذکر ہے۔ یہودیوں کے نزدیک خون لگنا تو درکنار اگر کسی دوسرے شخص کا کپڑا اِتفاق سے حائضہ یا مستحاضہ سے چھو بھی جاتا تو وہ شخص مع اپنے کپڑوں کے ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ (احبار: باب ۱۵۔ آیت ۱۹، ۲۴ تا ۲۷)

بَاب ۱۰ : اِعْتِكَافُ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا اعتکاف بیٹھنا

۳۰۹: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ وَ زَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ فَقَالَتْ كَأَنَّ هَذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ.

۳۰۹: ہم سے اسحٰق نے بیان کیا، کہا: خالد بن عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے خالد (بن مہران) سے، خالد نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کی بیویوں میں سے کوئی اعتکاف بیٹھیں اور وہ استحاضہ سے بیمار تھیں۔ خون دیکھتیں بلکہ کبھی خون کی وجہ سے اپنے نیچے طشت رکھتیں۔ اور عکرمہ کا خیال ہے کہ عائشہؓ نے کُسُم ☆ کا پانی دیکھا تو کہا: گویا کہ یہ وہ چیز ہے جسے فلانی پایا کرتی تھی۔

۳۱۰: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ

۳۱۰: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: یزید بن زریع نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے خالد سے، خالد نے

☆ کسم ایک پھول کو کہتے ہیں جس سے گہرا سُرخ رنگ نکلتا ہے جس سے کپڑے بھی رنگے جاتے ہیں۔ نیز حیض کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (اردو لغت۔ تحت لفظ کسم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ مِّنْ أَزْوَاجِهِ فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي.

عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ کے ساتھ آپؐ کی بیویوں میں سے ایک بیوی اعتکاف بیٹھیں تو وہ خون اور زردی دیکھتیں تھیں اور طشت ان کے نیچے ہوتا اور وہ نماز پڑھتیں۔

۳۱۱: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ.

۳۱۱: ہم سے مسدّد نے بیان کیا، کہا: معتمر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے خالد سے، خالد نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ایک ام المؤمنینؓ اعتکاف بیٹھیں اور وہ استحاضہ سے بیمار تھیں۔

تشریح: اِعْتِكَافُ الْمُسْتَحَاضَةِ: اعتکاف کے معنے تمام مشاغل سے فارغ البال ہو کر عبادت الٰہی میں مستغرق ہو جانا۔ (النهاية في غريب الحديث والاثر. تحت لفظ عكف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخیر دھاکے میں مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے۔ مسائل اعتکاف بعد میں اپنے محل پر آئیں گے یہاں **باب کا مقصد** صرف یہ ہے کہ مستحاضہ اعتکاف بھی بیٹھ سکتی ہے۔ اس کے لئے اسے مسجد میں لازمی طور پر رہنا پڑتا ہے۔ غرض حالتِ استحاضہ اس کے لئے کسی قسم کی عبادت سے مانع نہیں ہوتی اور نہ مستحاضہ کے داخل ہونے سے مسجد ناپاک ہوتی ہے۔

روایت نمبر ۳۰۹ میں بَعْضُ نِسَائِهِ کا ترجمہ بجائے عورتوں کے بیویاں کیا گیا ہے۔ لفظ نِسَائِهِ سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ آپ کی رشتہ دار عورتوں میں سے کوئی عورت اعتکاف بیٹھی تھی۔ جیسا کہ امام ابن جوزیؒ کو روایت مذکورہ بالا کے الفاظ سے غلطی لگی ہے۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۳۳) امام بخاری نے بعد کی دو روایتوں سے اس شبہ کا ازالہ کر دیا ہے۔ ایک میں یہ الفاظ ہیں اِمْرَأَةٌ مِّنْ اَزْوَاجِه اور دوسری میں بَعْضَ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی آپؐ کے ساتھ اعتکاف بیٹھنے والی عورت آپؐ کی ایک بیوی تھی۔ یہ سب روایتیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔

دوسری روایت کے الفاظ فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید یہ خون اعتکاف بیٹھنے کے بعد آیا ہو۔ مگر دوسری روایتوں کے الفاظ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ اس شبہ کا بھی ازالہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ مستحاضہ ہوتیں اور باوجود اس کے اعتکاف بیٹھتیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کسی روایت کا تکرار کریں گے تو وہ کسی نہ کسی خاص مقصد کو مدِ نظر رکھ کر کریں گے اور پھر ساتھ ہی اس روایت کی نئی سے نئی سند پیش کرتے ہوئے اسے اور بھی زیادہ صحیح ثابت کرتے جائیں گے۔ شارحین نے یہاں یہ بحث اُٹھائی ہے کہ یہ کونسی بیوی تھی؟ امام بخاریؒ نے یہ بحث ادباً چھوڑ دی ہے اور نہ اس کے معلوم کرنے میں کوئی عملی فائدہ ہے۔ نیز ان تین روایتوں میں سے دو روایتوں میں اس

کا ذکر نہیں ہے کہ وہ بحالت نماز طشت رکھتیں۔ اس لئے امام موصوفؒ نے عنوانِ باب نیز روایتوں کی ترتیب سے اصل مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔یعنی یہ کہ بحالت استحاضہ عورت معتکف ہوسکتی ہے۔

روایت نمبر ۳۱۱ کا بیان مختصراً اور پہلی روایت کے مطابق ہے۔فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا سے مراد صرف یہ ہے کہ اپنے قریب نیچے طشت بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لیے رکھ لیتیں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَار میں لفظ تَحْت انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

بَاب ۱۱: هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ

کیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھے جس میں اسے حیض آیا ہو

۳۱۲: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيْحٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيْقِهَا فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا.

۳۱۲: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا کہا: ابراہیم بن نافع نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن ابی نجیح سے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: ہم میں سے کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا جس میں اسے حیض آتا۔ اگر اسے کچھ خون لگ جاتا تو اپنا تھوک لیتیں اور اپنے ناخن سے اُسے دور کر دیتیں۔

تشریح: هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِيْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ: نویں باب میں حیض کا خون دھونے کے متعلق مسئلہ گذر چکا ہے۔ یہاں حالتِ مجبوری کا ذکر کیا گیا ہے۔یعنی اگر کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو اور اس میں ایام حیض گذارے تو کیا طہر کے بعد ایسے کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے یا یہ کہ جب تک اس کو دھو نہ لے نماز نہ پڑھے۔امام موصوفؒ نے ایک انتہائی صورت کا حوالہ دے کر یہ بتلایا ہے کہ محض حیض کی وجہ سے کوئی کپڑا ناپاک نہیں ہو جاتا۔عورتیں عموماً اس لباس میں نماز نہیں پڑھتیں جس میں ایام حیض گذارے ہوں۔ بحالت طہر نماز چھوڑنا جائز نہیں روایت میں ایک ہی کپڑے کے ہونے سے مراد حیض کا مخصوص کپڑا نہیں بلکہ مطلق لباس ہے۔ باوجود احتیاط کے اسے خون کا داغ لگ سکتا ہے۔ایسی حالت میں نماز ترک کرنا جائز نہیں ہوگا۔خشک داغ کُھرچ کر دور کیا جا سکتا ہے۔اگر کسی عورت کے پاس اور کپڑا نہ ہو اور اس داغ کو دھونے کا موقع بھی نہ ہو تو اسے چاہیے کہ جیسے بھی وہ داغ با آسانی دور کر سکتی ہے دور کرے اور نماز پڑھے۔جس واقعہ کی طرف حضرت عائشہؓ نے اشارہ کیا ہے وہ ایک شاذ ہے۔اس سے یہ سمجھنا کہ عموماً ایسا ہوا کرتا تھا صحیح نہیں۔عنوانِ باب ایک عام وہم دور کرنے کے لئے باندھا گیا ہے۔ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں

خون کے ایک قطرہ لگنے کی صراحت ہے۔(فتح الباری جلداوّل صفحہ ۵۳۵) غرض امام موصوفؒ نے ایک انتہائی صورت کا حوالہ دے کر اصل مسئلہ واضح کیا ہے۔

قَالَتْ بِرِيْقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفُرِهَا: ان الفاظ سے گھن آتی ہے کہ وہ کیا نفاست طبع عورتیں تھیں کہ حیض کا خون تھوک سے صاف کرتی تھیں؛ پانی استعمال کرنے کی تکلیف بھی گوارہ نہ کرتیں۔امام ابن حجرؒ نے یہ اشکال یوں حل کیا ہے کہ نویں باب کی دوسری روایت بھی حضرت عائشہؓ کی ہے جس میں وہ حیض کا نشان دھونے کے متعلق عام معمول بتلا رہی ہیں۔(فتح الباری جلداول صفحہ ۵۳۵) اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت (مندرجہ روایت نمبر ۳۰۷) کے ماتحت کپڑے سے خون کے داغ کُھرچ کر پانی سے اس کو دھوڈالتی تھیں۔یہاں حضرت عائشہؓ نے عام معمول کا نہیں بلکہ ایک استثنائی صورت کا ذکر کیا ہے جس کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطور استفتاء کے هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ کا عنوان قائم کرکے اس وہم کو دور کیا ہے کہ عورت کا لباس محض اس لئے کہ اس نے اس میں ایام حیض گزارے ہیں ناپاک ہوجاتا ہے اور یہ کہ جب تک وہ اس لباس کو دھو نہ لے نماز چھوڑے رکھے۔مذکورہ بالا روایت سے یہ سمجھنا کہ عورتیں عموماً ایسا کیا کرتی تھیں واقعات اور عام عمل درآمد کے صریح خلاف ہے۔ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہؓ کی یہی روایت عطاء سے نقل کی ہے اس میں شَيْءٌ مِنْ دَمٍ کی جگہ قَطْرَةٌ مِنْ دَمٍ ہے یعنی قطرہ خون لگ جاتا (سنن أبی داؤد. کتاب الطھارۃ. باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسه فی حیضھا) فَمَصَعَتْهُ یعنی اس کے اثر کو غائب کردیتی۔ ناخن کا استعمال کرنا ہی بتلاتا ہے کہ وہ اتنا خفیف اور خشک نشان ہوتا جو ناخن سے دور کیا جاتا۔علاوہ ازیں کسی ایک عورت کا نماز بروقت پڑھنے کی خاطر اس طرح نشان کو عارضی طور پر دور کردینے سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ کہ کسی خاص حالت میں جب کہ پانی پاس نہ ہو اور نماز کا وقت چلا جارہا ہو ایک غریب عورت نے ایسا کیا تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے بعد میں پانی سے اسے دھویا نہیں۔

یہ یاد رہے کہ امام موصوفؒ باب کے عنوان میں جہاں بھی هَلْ استعمال کریں گے تو وہاں جواز یا عدم جواز کی طرف اشارہ کریں گے ایسا ہی جہاں مَـــنْ رکھیں گے وہاں بعض لوگوں کے عمل درآمد یا خیال کی طرف اشارہ کرکے اس پر بحث کریں گے۔

بَاب ۱۲ : اَلطِّيْبُ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

غسلِ حیض کرتے وقت عورت کا خوشبو لگانا

۳۱۳: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ حَفْصَةَ ـ قَالَ أَبُو عَبْدِ

۳۱۳: ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا کہا: حماد بن زید نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے ایوب سے، ایوب نے حفصہ سے، ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے

اللهِ أَوْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ عَنْ حَفْصَةَ. عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَّصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ قَالَ وَرَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کہا: یا (ایوب نے) ہشام بن حسان سے، انہوں نے حفصہ سے، حفصہ نے حضرت ام عطیہؓ سے، انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ کہتی تھیں: ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ ہم میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں مگر خاوند پر چار مہینے اور دس دن۔ اور نہ سرمہ لگائیں اور نہ خوشبو لگائیں اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں، سوائے اس کپڑے کے کہ جو بننے سے پہلے رنگا گیا ہو۔ اور طہر کے وقت جب ہم میں سے کوئی اپنے حیض سے فارغ ہونے پر نہائے تو ہمیں تھوڑی سی قُسط کی خوشبو لگانے کی اجازت دی گئی اور ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا۔ (ابوعبداللہ بخاری نے) کہا کہ اس کو ہشام بن حسان نے حفصہ سے روایت کیا۔ حفصہ نے حضرت ام عطیہؓ سے۔ حضرت ام عطیہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

تشریح: **اَلطِّيْبُ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا:** علاوہ اس مذکورہ بالا تصرف کے امام بخاریؒ نے یہاں بابوں کی ترتیب ایسے طور پر رکھی ہے کہ جس سے اس روایت کی اصل حقیقت خود بخود کھل جاتی ہے۔ اس باب سے پہلے غَسْلُ دَمِ الْحَيْضِ کا باب (نمبر ۹) قائم کر کے اصل مسئلہ جس پر عام عمل درآمد تھا واضح کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ باب (نمبر ۱۱) قائم کیا ہے جس میں ایک رائج شدہ وہم کا ازالہ کیا ہے جس کی وجہ سے اکثر غریب عورتیں نماز جیسے اہم فریضہ کو چھوڑ دیتی ہیں۔ اس کے بعد چار باب قائم کئے ہیں جن میں حیض سے نہاتے وقت خوشبو استعمال کرنے اور بدن کو مل کر نہانے اور حیض کے خفیف سے خفیف اثر کو بھی دور کرنے اور اس جگہ مشک وغیرہ لگانے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے۔ یہ ترتیب محض اس لئے قائم کی ہے کہ تا شارعِ اسلام کا اصل حکم اس ایک روایت کے مقابل پر واضح ہو جائے اور کسی استثنائی حالت یا شاذ واقعہ کا حوالہ دینے سے اصل مقصد سمجھنے میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ کیونکہ اصولی مسائل کی بناء شاذ حالتوں پر کبھی نہیں رکھی جاتی۔ خصوصاً جب کہ شارع علیہ السلام کا اس کے متعلق کوئی ارشاد نہیں، بلکہ کسی ایک فرد کا عمل ہو جو اُسے بوجہ مجبوری کرنا پڑا۔ اس سے پہلے كتاب الوضوء، باب البزاق والمخاط ونحوه في

الثوب میں بھی اسی قسم کی ترتیب ملحوظ رکھ کر مسئلہ زیر بحث حل کیا تھا۔ (دیکھئے باب ۷۰)

باب ۱۲ میں جو روایت حضرت ام عطیہؓ کی پیش کی گئی ہے اس کا یہ خلاصہ ہے کہ ہمیں فلاں فلاں بات سے منع کیا جاتا تھا اور فلاں بات کی اجازت دی گئی تھی۔ یعنی غسلِ حیض کے وقت خوشبو لگانے کی۔ اس روایت کے آخر میں صرف عَنِ النَّبِيِّ ﷺ کہہ کر اس کا مضمون چھوڑ دیا ہے تا کہ اس امر کی طرف قارئین کو توجہ دلائیں کہ یہ مرفوع ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو فلاں بات سے منع کیا تھا اور فلاں بات کی اجازت دی تھی اور یہ کہ عورتیں طہر کے وقت آپؐ کی اجازت سے خوشبو استعمال کیا کرتی تھیں۔ مگر سابقہ روایت میں آنحضرت ﷺ کی اجازت یا عدمِ اجازت کا کوئی ذکر نہیں۔

بَاب ۱۳ : دَلْكُ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيْضِ

عورت کا جب وہ حیض سے پاک ہو، اپنا بدن ملنا

وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُّمَسَّكَةً فَتَتَبَّعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ.

اور یہ کہ وہ کیسے نہائے اور مشک لگی ہوئی اُون یا روئی کا پھایہ؛ جہاں جہاں خون کا نشان پائے وہاں اسے پہنچائے۔

٣١٤: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَّنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ قَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِيْ فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِيْ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ.

۳۱۴: ہم سے یحیٰ نے بیان کیا کہا: ابن عیینہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور بن صفیہ سے۔ منصور نے اپنی ماں سے۔ ان کی ماں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے اسے بتلایا کہ وہ کس طرح غسل کرے فرمایا کہ مشک کا ایک پھایہ لو اور اس سے پاک وصاف ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں کیسے پاک وصاف ہو جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: اُس سے پاک و صاف ہوجاؤ۔ کہنے لگی: کیسے؟ فرمایا: سُبْحَانَ الله. پاک صاف ہو جاؤ۔ اس پر میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں نے کہا: جہاں جہاں خون کا نشان پائے، وہاں اسے پہنچائے.

بَاب ١٤ : غَسْلُ الْمَحِيْضِ

حیض کی جگہ دھونا

٣١٥: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيْضِ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مُّمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِيْ ثَلَاثًا ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْيَا فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ أَوْ قَالَ تَوَضَّئِيْ بِهَا فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيْدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۳۱۵: ہم سے مسلم نے بیان کیا کہا: وہیب نے ہم سے بیان کیا کہا: منصور نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنی ماں سے۔ اُن کی ماں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ انصار میں سے ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں غسل حیض کس طرح کیا کروں؟ فرمایا: مشک لگا ہوا ایک پھایہ لو اور تین دفعہ دھوؤ۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرمائے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ یا فرمایا: اس سے صاف ستھری ہو جاؤ۔ اس پر میں نے اس کو پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مراد تھی وہ اس کو بتلائی۔

تشریح: **غَسْلُ الْمَحِيْضِ:** باب ۱۳ میں غسل حیض کے بارے میں نبی ﷺ کا صریح ارشاد پیش کیا گیا ہے۔ جس میں بدن مل کر نہانے کے بعد ایک خاص قسم کی خوشبو لگا کر خون کے نشان اچھی طرح صاف کرنے کے متعلق آپؐ کی ہدایت کا ذکر ہے۔

كُسْت یا **قُسط** عودِ ہندی کو کہتے ہیں (النهاية. تحت لفظ قسط، كست. الجزء الرابع)

اور **اظفار** ساحلِ یمن پر مشہور شہر ہے اور سیاہ رنگ کی ایک خوشبو کا بھی نام ہے جو ناخن کی مانند ہوتی ہے۔ جسم صاف کرنے کے لیے یہ خوشبو استعمال کی جاتی ہے۔ (النهاية. تحت لفظ ظفر. الجزء الثالث)

تَطَهَّرِىْ بِهَا: امام موصوفؒ نے عنوان باب میں بدن مل کر نہانے کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، وہ دراصل تَطَهَّرِىْ کے لفظ سے اخذ کیا ہے۔ باب تفعل جو اپنے اندر تکلف کا معنی رکھتا ہے۔ اس مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ تَطَهَّرِىْ کے معنے اچھی طرح نہا دھو کر پاک صاف ہو جاؤ۔

علاوہ ازیں منصور بن صفیہ کی ابن عیینہ سے یہی روایت مسلمؒ نے بھی نقل کی ہے۔ نیز مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: فَقَالَ تَأْخُذُ إِحْدَاكُنَّ مَائَهَا وَسِدْرَتَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ تَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ

دَلْكًا شَدِيدًا حَتّٰى تَبْلُغَ شُؤُوْنَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَآءَ ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً..... باب مذکور کا عنوان اسی روایت سے لیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی سند بوجہ اس کے کہ اس میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہیں، ان کی کڑی شرطوں کے مطابق نہیں۔ اس لیے روایت مشارٌ الیہا کا مضمون عنوان باب میں لے لیا ہے اور اس کی تائید میں اپنی شروط کے مطابق وہ روایت پیش کی ہے جو نہایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۳۸) غرض باب ۱۳ کی روایت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد خونِ حیض کے نشان دھو کر اس جگہ خوشبو لگانے کے متعلق واضح ہے۔

باب ۱۴ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی ارشاد ایک اور روایت سے ثابت کیا گیا ہے جس کے راوی مسلم بن ابراہیم ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ان بابوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کو حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے بالمقابل پیش کرنا ہے جو باب هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ میں منقول ہے اور جس سے ایک اعتراض کی صورت پیدا ہوتی تھی۔

روایت نمبر ۳۱۴ و ۳۱۵ سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ عورتوں کے سامنے ایسے مسائل بیان کرنے سے شرماتے تھے۔ عورتوں کے متعلق احکام زیادہ تر آپؐ کی بیویوں کے ذریعہ ہم کو پہنچے ہیں۔ عندالضرورت اگر آنحضرت ﷺ کو کوئی ایسا مسئلہ بیان کرنا پڑتا تو آپؐ اشارہ و کنایہ سے کام لیتے۔ اس ضمن میں روایت نمبر ۱۳۰ کی شرح بھی ملاحظہ ہو۔

بَاب ١٥ : اِمْتِشَاطُ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

عورت کا غسل حیض کے وقت کنگھی کرنا

٣١٦: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ أَهْلَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتَّى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهِ لَيْلَةُ عَرَفَةَ وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ

۳۱۶: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ابراہیم نے ہمیں بتلایا۔ (انہوں نے کہا:) ابن شہاب نے ہم سے بیان کیا کہ عروہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے حج کے علاوہ عمرہ کا بھی احرام باندھا تھا اور قربانی آگے نہیں بھیجی تھی تو انہیں معلوم ہوا کہ انہیں حیض آیا ہے اور وہ نہائی نہیں یہاں تک کہ عَرَفَة کی رات آ گئی تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ

فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْقُضِيْ رَأْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَ أَمْسِكِيْ عَنْ عُمْرَتِكِ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ فَأَعْمَرَنِي مِنَ التَّنْعِيْمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نَسَكْتُ.

عَـرَفَة کی رات ہے اور میں نے تو صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سر کے بال کھول دو اور کنگھی کرو اور عمرہ نہ کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں حج ادا کر چکی تو آپؐ نے عبدالرحمٰنؓ کو حَصبہ کی رات حکم دیا۔ اورانہوں نے تَـنْـعِيْم سے مجھے عمرہ کرایا جو کہ میرے اس عمرہ کی جا تھا جس کا میں نے احرام باندھا تھا۔

بَاب ١٦: نَقْضُ الْمَرْأَةِ شَعَرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيْضِ

غسل حیض کے وقت عورت کا اپنے بال کھول دینا

٣١٧: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ فَإِنِّيْ لَوْلَا أَنِّيْ أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَأَدْرَكَنِيْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعِيْ عُمْرَتَكِ وَانْقُضِيْ

۳۱۷: ہم سے عبید بن اسمٰعیل نے بیان کیا، کہا کہ ابو اسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ وہ کہتی تھیں: ہم ایسے وقت میں نکلے کے ذوالحج کا چاند چڑھنے کو ہی تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پسند کرے کہ عمرہ کا احرام باندھے تو وہ (عمرہ کا) احرام باندھ لے۔ اگر میں نے قربانی کو آگے نہ بھیجا ہوتا تو میں بھی عمرہ کا ہی احرام باندھتا۔ اس پر ان میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ عرفات کا دن سر پر آن پہنچا اور ابھی میں حائضہ ہی تھی۔ میں نے

رَأْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَأَهِلِّيْ بِحَجٍّ فَفَعَلْتُ حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ أَرْسَلَ مَعِيْ أَخِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِيْ قَالَ هِشَامٌ وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِّنْ ذَلِكَ هَدْيٌ وَلَا صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: اپنا عمرہ چھوڑ دو اور اپنا سر کھول دو اور کنگھی کرلو اور حج کا احرام باندھو۔ چنانچہ میں نے (ایسا ہی) کیا۔ آخر جب حصبہ کی رات ہوئی تو آپؐ نے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا اور میں تنعیم کو گئی اور اپنے عمرہ کے عوض میں دوسرے عمرہ کا احرام باندھا۔ ہشام نے کہا: ان میں سے کسی چیز میں بھی قربانی نہیں اور نہ روزہ اور نہ صدقہ۔

تشریح: **نَقْضُ الْمَرْأَةِ شَعَرَهَا:** سابقہ بابوں میں چونکہ غسل حیض کی کیفیت کا سوال تھا اس لئے باب نمبر ۱۵ و ۱۶ میں نہانے کے وقت بال کھولنے اور کنگھی کرنے کا ذکر ضمناً لے آئے ہیں۔ اور امام موصوفؒ نے ان بابوں کی ترتیب میں ایک تصرف کیا ہے۔ دونوں بابوں کی روایتیں ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں اور دونوں میں ارشاد نبویؐ کے یہ الفاظ ہیں: اُنْقُضِیْ رَأْسَکِ وَامْتَشِطِیْ یعنی سر کھولو اور کنگھی کرو۔ مگر باب قائم کرتے ہوئے پہلے کنگھی کرنے کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے بعد دوسرے باب میں سر کھولنے کا۔ حالانکہ طبعی ترتیب یہ چاہتی تھی کہ پہلے سر کھولنے کا اور پھر کنگھی کرنے کا باب باندھا جاتا۔ علاوہ ازیں جب کنگھی کرنے کا باب قائم کیا تھا تو پھر بال کھولنے کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ امام بخاریؒ نے طبعی ترتیب بدل کر بال کھولنے کا الگ باب اس اختلاف کی وجہ سے قائم کیا ہے جو حضرت امّ سلمہؓ کی روایت کی بناء پر بعض علماء کے درمیان ہوا ہے۔ حضرت امّ سلمہؓ اپنے بالوں کی مینڈھیاں گوندھا کرتی تھیں۔ غسل جنابت میں آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ بغیر کھولنے کے سر دھولیا کریں۔ ایسا ہی مسلمؒ کی ایک اور روایت میں غسل حیض وجنابت دونوں کے لئے اس اجازت کا ذکر ہے۔ (مسلم. کتاب الحیض. باب حُکْمِ ضَفَائِرِ الْمغتسلة) اس بناء پر بعض علماء غسل حیض میں سر کے بال کھول کر دھونا ضروری نہیں سمجھتے مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اُنْقُضِیْ رَأْسَکِ وَامْتَشِطِیْ کے صریح حکم سے اس کے وجوب کا استدلال کرتے ہیں۔

بَاب ۱۷: { قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ☆} مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

اللہ عزوجل کا فرمانا: جسے خاص تخلیقی عمل یا عام تخلیقی عمل سے بنایا گیا (الحج: ٦)

۳۱۸: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ يَا رَبِّ عَلَقَةٌ يَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ وَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ.

۳۱۸: ہم سے مسدّد نے بیان کیا، کہا: حماد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ بن ابی بکر سے، عبیداللہ نے حضرت انسؓ بن مالک سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو کہتا ہے: اے رب (اب یہ) نطفه ہے۔ اے رب علقه ہے۔ اے رب مضغه ہے۔ پس جب (اللہ تعالیٰ) ارادہ کر لیتا ہے کہ اس کی پیدائش کو مکمل کرے تو فرشتہ کہتا ہے: کیا نر ہو یا مادہ۔ بد بخت ہو یا نیک بخت۔ اور اس کی روزی کیا ہوگی اور مہلت کتنی۔ تو یہ سب کچھ اسی وقت لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے۔

تشریح: بعض نے باب ۱۵-۱۶ کے متعلق یہ اعتراض اُٹھایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو جو حکم دیا تھا تو وہ احرام کھولنے کی وجہ سے دیا تھا نہ کہ غسل حیض کی وجہ سے، کیونکہ اس وقت تک وہ حائضہ تھیں۔ ان کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے صحیح استدلال نہیں کیا۔ امام ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تمتع کی نیت کی ہوئی تھی یعنی عمرہ اور حج کی۔ سَـرِف مقام پر اُن کو حیض آ گیا تھا، اس لیے عمرہ نہ کر سکیں یہاں تک کہ حج کا وقت آ گیا۔ دوسری روایت کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ یوم عرفہ تک وہ حائضہ تھیں، اس لئے انھوں نے شکایت کی کہ حج کا وقت آ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: دَعِيْ عُمْرَتَكِ یعنی عمرہ رہنے دو اور سر کھول دو اور کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو۔ حج کا احرام باندھتے وقت نہانا بھی آدابِ احرام میں سے ایک مسنون ادب ہے۔ مسلمؒ نے بھی یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: فَاغْتَسِلِيْ ثُمَّ اهِلِّيْ بِالْحَجِّ.

(مسلم. کتاب الحج. باب بیان وجوه الأحرام: ۲۱۲۷)

گویا امام بخاریؒ نے عنوان باب میں اپنی عادت کے مطابق اس روایت کے الفاظ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا ہے کہ وہ غسل حیض تھا۔ امام ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے یوں استدلال کیا ہے کہ جب غسل احرام میں جو کہ واجب

☆ الفاظ ''قَوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ'' نسخہ انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۴۲)

نہیں؛ سر کھولنے کا حکم دیا تو غسل حیض میں جو کہ واجب ہے سر کھولنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔(فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۵۴۱)

پہلی روایت (نمبر ۳۱۶) کے الفاظ (وَلَمْ تَطْهُرْ حَتّٰى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ) سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کی رات تک حضرت عائشہؓ نے حیض سے فراغت نہیں پائی تھی اور وہ حیض کا آخری دن معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آٹھویں تاریخ منا کو جاتے ہیں اور نویں تاریخ عرفہ کو۔ مکہ معظّمہ داخل ہونے سے پہلے حیض شروع ہوا تو قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کی رات انتہائی حد ہے۔ جیسا کہ زہری کی روایت (نمبر ۳۱۹) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ۔ مجاہد کے نزدیک بھی حیض کا آخری دن یہی تھا اور انہوں نے بجائے طَهُرَتْ کے تَطَهَّرَتْ کہا ہے۔ یعنی اس دن وہ غسل حیض سے پورے طور پر پاک ہوئیں۔(زاد المعاد۔تحت ذکر حجة الوداع. بحث عمرة عائشة من التنعیم بعد الحج. فصل موضع حیضها و موضع طهرها. الجزء الاول صفحہ ۲۸۱)

روایت نمبر ۳۱۹ کے الفاظ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اور روایت نمبر ۳۱۷ کے الفاظ خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ آپؐ ذوالحجہ میں مدینہ سے نکلے تھے اور کم از کم آٹھ دن کا راستہ تھا تو آپؐ یوم عرفہ یعنی ۸ یا ۹ تاریخ تک مکہ مکرمہ پہنچے ہوں گے۔ پس اگر سَرِف میں حیض آیا ہو جو مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے جسے ایک دن میں بآسانی طے کیا جاسکتا ہے۔ اگر ۸، ۹ تاریخ آپؐ مکہ مکرمہ میں پہنچے ہوں تو ۷ یا ۸ تاریخ کو حضرت عائشہؓ کو حیض آیا ہوگا۔ اس لیے ایک دو دن پہلے حیض شروع ہو کر اس کا معاً دو دن کے اندر بند ہو جانا عام عادتِ حیض کے مخالف ہے۔ اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خَرَجْنَا فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ کے یہ معانی ہیں کہ حجۃ الوداع کے لیے نکلے۔ فِيْ بمعنے لِاَجْلِ ہے۔ یعنی خاطر۔ اور خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ کے یہ معنے ہیں کہ ذوالحج کے قریب نکلے۔ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے: لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ .....الخ۔ یعنی پانچ دن باقی رہتے تھے، جب آپؐ مدینہ سے نکلے اور راستے میں آٹھ، نو دن ٹھہرے۔(عمدة القاری جزء ۳ صفحہ ۲۹۰-۲۹۱)☆

تو اس حساب سے آپؐ چوتھی تاریخ مکہ میں پہنچے ہیں اور حیض اس سے پہلے آیا تھا۔ صحت کی حالت اگر اچھی ہو تو چار پانچ دن میں حیض کا دورہ ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب امام بخاریؒ نے اگلے باب میں خود دیا ہے۔ آیت مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (الحج:۶) اور روایت متعلقہ ۳۱۸ بحث مذکورہ بالا کے درمیان ضمناً لاکر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حمل کی حالت میں بھی کبھی حیض آتا ہے۔ جس کی مدت ایک دو دن بھی ہوسکتی ہے۔ یہ امر کہ باب مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کا تعلق اسی مضمون کے ساتھ ہے، اس سے واضح ہے کہ اس باب کے بعد پھر وہی حضرت عائشہؓ کی روایت دُہرائی ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض دفعہ ایک ایسا باب قائم کر دیتے ہیں جس کا بظاہر پہلے باب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر تیسرے باب میں وہی مضمون ہوتا ہے جو پہلے کا۔ اس تکرار سے وہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان تینوں بابوں کا

☆ (المواهب اللدنیه. تحت ذکر حجة الوداع. الجزء الرابع. صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)
(زاد المعاد. تحت فصل ولما عزم رسول الله ﷺ علی الحج. الجزء الثانی. صفحہ ۲۰۰-۲۰۲)

آپس میں تعلق ہے۔ یہاں یہی طرز اختیار کی ہے۔اس درمیانی باب کا تعلق اس اعتبار سے بالکل ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال پر جو اعتراض کیا جاسکتا تھا اس کا جواب انہوں نے اصولی طور پر دیا ہے۔ بحالتِ جنینِ غَیْـرِ مُخَلَّقَةٍ یعنی حمل کی ابتدائی حالت میں بھی حیض کا آنا اور جلدی رُک جانا ممکن ہے۔ یہی روایت باب ۷ (نمبر ۳۰۵) میں گذر چکی ہے۔اس میں یوں ہے کہ مجھے خون آیا۔ وَاَنَـا اَبْکِیْ ... الخ. اور میں رو رہی تھی اور میں نے آرزو کی کہ میں حج میں اس سال نہ آئی ہوتی۔ آپؐ نے فرمایا: لَعَلَّکِ نُفِسْتِ .... شاید تمہیں خون آ گیا ہے۔نفاس وہ خون جو وضعگی کے وقت عورت کو آتا ہے۔ بطورِ نیک فال کے خونِ حیض کو بھی نفاس کہتے ہیں۔ (باب ۴ روایت نمبر ۲۹۸)

لَعَلَّکِ نُفِسْتِ یعنی امید کی جاتی ہے کہ یہ خونِ نفاس ہوگا جو بعض وقت حاملہ کو بھی آتا ہے۔ عربی زبان میں نُـفَسَـآءُ جننے والی کو اور مجازاً حاملہ کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی وجہ سے وہاں باب کا عنوان ان الفاظ سے قائم کیا ہے اَلْاَمْـرُ بِالنُّفَسَآءِ اِذَا نُفِسْنَ. نفاس کا لفظ علی الاطلاق اختیار کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ خون دیکھ کر رونے لگیں۔ روایت ۳۱۶ کے الفاظ فَزَعَمَتْ اَنَّهَا حَاضَتْ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو تردد تھا کہ یہ حیض کا خون ہے۔ ہر امیدوار عورت کو حیض آنے پر صدمہ ہوتا ہے۔ان روایتوں کو یکجا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو دو وجہ سے تکلیف ہوئی۔ایک ایام اُمید میں حیض آنے پر اور دوسرے حج کے ضائع ہونے پر۔ کم از کم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے کہ وہ حاملہ تھیں اور خون کا آنا اور جلدی بند ہو جانا غیر طبعی نہ تھا۔ گو ہمیں پھر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ بعد میں حضرت عائشہؓ کے ہاں ولادت ہوئی یا اسقاط ہوا تھا۔ تاریخ اسلامی میں ایسی روایتیں یقیناً پائی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ حاملہ ہوئیں اور پھر اسقاط ہوا۔ (الاصابة . کتاب النساء. ذکر عائشةؓ)

(المواهب اللدنیه. الفصل الثالث فی ذکر أزواجه. عائشةؓ. الجزء الرابع. صفحه ۳۹۲)

غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مُخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ سے صرف اس قدر بتلانا چاہتے ہیں کہ ایام حیض کا کم وبیش ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ پس اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایام حج میں ہی ان کو حیض شروع ہوا تھا تو اس کا جلدی بند ہو جانا بھی قانونِ قدرت اور عام مشاہدہ کے خلاف نہیں۔ مگر جیسا کہ اس سفر کی تاریخ سے ابھی بتلایا جا چکا ہے کہ مکہ معظّمہ آپؐ چار یا پانچ تاریخ کو پہنچے اور سرف پر حضرت عائشہؓ کو شکایت ہوئی۔ یعنی تین یا چار تاریخ کو اور نو تاریخ کو عرفہ کے دن وہ نہائیں۔اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بہر صورت صحیح ہے کہ یہ غسل حیض تھا اور امام ابن حجرؒ کی توجیح دور کا قیاس ہے۔

بَاب ۱۸ : کَیْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حائضہ حج اور عمرہ کا احرام کیونکر باندھے

۳۱۹: حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ عُقَیْلٍ عَنِ ابْنِ

۳۱۹: ہم سے یحیٰی بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن

شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يُحِلُّ حَتَّى يُحِلَّ بِنْحَرِ هَدْيِهِ وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتَّى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِحَجٍّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ حَتَّى قَضَيْتُ حَجِّي فَبَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ.

شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے حج کا احرام باندھا۔ پس ہم مکہ میں آئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس نے قربانی آگے نہیں بھیجی، چاہئے کہ وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی آگے بھیج دی ہے تو وہ احرام نہ کھولے یہاں تک کہ وہ اپنی قربانی ذبح کر کے احرام کی حالت سے باہر آجائے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے تو چاہئے کہ وہ اپنا حج پورا کرلے۔ وہ کہتی تھیں کہ مجھے حیض آگیا اور میں حائضہ ہی رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن ہوا اور میں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھا تھا۔ اس پر نبی ﷺ نے مجھے فرمایا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کروں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں۔ سو میں نے ایسا ہی کیا آخر جب حج ادا کر چکی تو آپؐ نے میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا اور مجھے فرمایا کہ میں تنعیم سے اپنے عمرہ کے بدلہ میں عمرہ کرلوں۔

تشریح: **كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ:** عنوان باب سے مراد احرام باندھنے کی خاص کیفیت کا بیان کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حائضہ حج اور عمرہ کا احرام باندھ سکتی ہے اور اس کا

حج بھی ہوسکتا ہے اور عمرہ بھی اور یہ کہ وہ حج کو عمرہ پر مقدم کرے اور اگر موقع ملے تو عمرہ بھی کر لے۔ اس باب کا تعلق سابقہ بابوں سے ہے۔ اس میں جو روایت لائی گئی ہے اس کے الفاظ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ حالتِ طہر کی تعیین کر کے اعتراض کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ یہاں حج وغیرہ کے مسائل بیان کرنا مقصود نہیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

بَاب ١٩ : إِقْبَالُ الْمَحِيْضِ وَإِدْبَارُهُ

حیض کا آنا اور جانا

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَّبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ فَتَقُوْلُ لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَّدْعُوْنَ بِالْمَصَابِيْحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ فَقَالَتْ مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ.

اور عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس ڈبیا بھیجتیں اس میں روئی ہوتی۔ جس میں زردی ہوتی تو وہ کہتیں کہ جلدی مت کرو یہاں تک کہ سفید روئی دیکھو۔ اس سے مقصد حیض سے پاک ہونا تھا اور حضرت زید بن ثابتؓ کی بیٹی کو اطلاع پہنچی کہ عورتیں رات کے وقت چراغ منگواتیں، طہر کو دیکھتیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ عورتیں ایسا نہیں کیا کرتی تھیں اور اس نے ان کی یہ بات معیوب سمجھی۔

٣٢٠: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَلِكِ عِرْقٌ وَّلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ.

۳۲۰: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ (عروہ) سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ابوحبیش کی بیٹی فاطمہ کو خون استحاضہ آیا کرتا تھا تو اس نے نبی ﷺ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ایک رگ (کا خون) ہے۔ حیض نہیں۔ پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب بند ہو جائے تو نہائے اور نماز پڑھ لے۔

تشریح: **اِقْبَالُ الْمَحِيْضِ وَاِدْبَارُهُ:** امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر سابقہ اعتراض کا ایک تیسرا جواب دیا ہے۔ نیز ایک اختلافی مسئلہ بھی حل کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس خیال کی تائید نبی ﷺ کے قول سے نہیں ہوتی کہ حالت طہر کے متعلق یقین حاصل کرنے کے لئے روئی کا پھایہ رکھ کر دیکھا جائے اور یہ کہ جب تک روئی بالکل بے داغ نہ ہو۔ حالت حیض ہی کا حکم قائم رہے گا۔ یہ ایک روایت ہے کہ عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس روئی کا پھایہ بھیجا کرتی تھیں اور وہ انہیں منع کرتیں کہ جلدی نہ کرو۔ جیسا کہ یہ بھی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں ایسا نہیں کیا کرتی تھیں کہ چراغ لے کر طہر کے متعلق یقین حاصل کریں۔ دونوں روایتیں مؤطا امام مالکؒ میں ہیں۔ (مؤطا امام مالک. کتاب الطهارة. باب طهر الحائض) امام بخاریؒ نے یہ روایتیں پہلو بہ پہلو رکھ کر نبی ﷺ کا ارشاد پیش کیا ہے جس میں کوئی خاص ہدایت نہیں بلکہ اس کے برخلاف یہ واضح حکم ہے کہ جب حیض بند ہو جائے تو نہائے اور نماز پڑھے۔ مذکورہ بالا روایتوں کے مقابل پر نبی ﷺ کا ارشاد پیش کر کے جہاں یہ اختلافی مسئلہ حل کیا ہے وہاں ساتھ ہی حضرت عائشہؓ کے واقعہ طہر و غسل پر جو ایک اور اعتراض تھا اس کا جواب بھی دیا ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں طہر کی تحقیق میں اس قدر توہّم سے کام نہ لیتی تھیں کہ موہومہ طہر کے انتظار میں ارکانِ عبادت کے قیمتی اوقات ہی ضائع کر دیتیں۔ عنوان میں جو لفظ قَصَّةٌ ہے اس کے معنی روئی یا کپڑے کا ٹکڑا جو اندام نہانی میں رکھا جائے۔

بَاب ٢٠: لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ

حائضہ نماز نہ ادا کرے

وَقَالَ جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدَعُ الصَّلَاةَ.

اور حضرت جابر (بن عبداللہؓ) اور حضرت ابوسعیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ وہ نماز چھوڑ دے۔

٣٢١: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ حَدَّثَتْنِي مُعَاذَةُ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ أَتَجْزِيْ إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ فَقَالَتْ أَحَرُوْرِيَّةٌ أَنْتِ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهُ.

۳۲۱: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ہمام نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: قتادہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: معاذہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا: ہم میں سے کوئی جب پاک ہو تو کیا وہ (اپنی چھوڑی ہوئی) نماز کے عوض نماز پڑھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: کیا تو حروریہ ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہم حائضہ ہوتیں تو آپؐ ہمیں اس کا حکم نہ فرماتے۔ یا انہوں نے کہا کہ ہم ایسا نہ کرتیں۔

تشریح: **لَا تَقْضِيُ الْحَائِضُ الصَّلَاةَ:** یہ بھی اختلاف تھا کہ کیا حائضہ ماہواری ایام پورا کرنے کے بعد چھوڑی ہوئی نماز پڑھے۔ خارجیوں میں سے ایک فرقہ اس کو ضروری قرار دیتا ہے۔ جمہور اِن کے خلاف ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پورے جزم کے ساتھ جمہور کے مذہب کی تائید کی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما دو صحابیوں کا جو حوالہ عنوان باب میں دیا ہے۔ اُن میں سے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت تو باب ٦ میں گذر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حیض میں عورت نماز نہیں پڑھتی اور حضرت جابرؓ کا قول کتاب الاحکام (کتاب التمنی .باب قول النبی ﷺ لو استقبلت من أمری ما استدبرت) میں منقول ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: **غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ وَلَا تُصَلِّي.** یعنی حائضہ نہ نماز پڑھے اور نہ طواف کرے۔ ان حوالوں سے ایام حیض میں نماز نہ پڑھنے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور روایت نمبر ۳۲۱ سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ بعد میں بھی اس کو ادا نہ کرے۔ نیز روایت نمبر ۳۲۰ کے الفاظ دَعِيُ الصَّلٰوةَ (یعنی نماز چھوڑ دو) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ پھر طہر میں بھی نماز نہ پڑھے۔

أَحَرُوْرِيَّةٌ أَنْتِ: حروری خارجیوں کو کہتے تھے۔ حروراء کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔ اسی مقام پر خارجیوں کے پہلے فرقہ نے حضرت علیؓ کے برخلاف اعلان بغاوت کیا تھا۔ اس لئے ان کو حروری کہا جاتا تھا۔ خارجی لوگ حدیث سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں لیتے جس کی تائید قرآن مجید سے نہ ہو۔ ان کے نزدیک قرآن مجید نے بظاہر حائضہ کو نماز سے مستثنیٰ نہیں کیا، جیسا کہ جنبی کو کیا ہے مگر اس کے برخلاف اس امر کی تصریح ہے کہ وہ روزہ بعد میں رکھے اور نماز قضاء کرنے کی تصریح نہیں۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۴٦-۵۴۷) (عمدۃ القاری جزء سوم صفحہ ۳۰۰-۳۰۱)

بَاب ٢١: اَلنَّوْمُ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِي ثِيَابِهَا

حائضہ کے ساتھ سونا جبکہ وہ اپنے کپڑوں میں ہی ہو

٣٢٢: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَلَبِسْتُهَا

۳۲۲: ہم سے سعد بن حفص نے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحیٰی سے، یحیٰی نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کی کہ اس نے ان سے بیان کیا کہ حضرت امّ سلمہؓ نے کہا: مجھے حیض آیا اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی تو میں کھسک کر اس سے نکل گئی اور اپنے حیض کے کپڑے لئے اور انہیں

فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَأَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الْجَنَابَةِ.

پہنا۔اس پر رسول صلی اللہ علیہ سلم نے مجھے فرمایا: کیا تجھے حیض آ گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔آپؐ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ مجھے چادر میں لیا۔زینب کہتی تھیں: اور حضرت امّ سلمہؓ نے مجھے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بوسہ دیا کرتے اور آپؐ روزہ دار ہوتے اور میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کیا کرتے۔

تشریح: **اَلنَّوْمُ مَعَ الْحَائِضِ:** تورات کا حکم مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ ہے: ''اور اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے اور اس کا نجس اس پر ہوتا ہے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا۔اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا، ناپاک ہوگا'' (احبار باب ۱۵، آیت ۲۴) شریعت اسلامیہ کی رو سے اگر حائضہ کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اس کے ساتھ سونے میں کوئی حرج نہیں۔حضرت امّ سلمہؓ کی یہ روایت باب ۴ میں بھی گذر چکی ہے۔ کتاب الصوم. باب القبلة للصائم میں باقی مضمونِ روایت کے متعلق بحث دیکھئے۔روزہ اور جنابت کے متعلق حضرت امّ سلمہؓ کی روایت کا یہاں ذکر کرنے سے امام بخاریؒ کا مقصد اُسی مسئلہ چھوت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔یعنی حائضہ کے ساتھ سونے والا ناپاک نہیں ہو جاتا، جیسا کہ جنبی کے چھونے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔یا بوسہ دینے سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بَاب ۲۲ : مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

جس نے طہر کے کپڑوں سے سوا حیض کے کپڑے بنا رکھے ہوں

۳۲۳: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَّحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيْلَةٍ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ

۳۲۳: ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا کہا: ہشام نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے یحییٰ سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے زینب بنت ابوسلمہ سے، زینب نے حضرت امّ سلمہؓ سے روایت کی۔وہ کہتی تھیں کہ ایک دفعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔اس پر

حِيْضَتِيْ فَقَالَ أَنُفِسْتِ فَقُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ.

میں کھسک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے لئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تجھے خون آ گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے مجھے بلایا اور میں آپؐ کے ساتھ اُسی چادر میں لیٹ گئی۔

تشریح: **مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابَ الطُّهْرِ:** باب۵ کی شرح میں حیض کے مخصوص کپڑوں کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس باب سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ عرب عورتیں حیض کے لئے الگ کپڑے رکھتی تھیں، اس لیے ان کے ساتھ سونے والا حیض کی نجاست سے محفوظ رہتا تھا۔ تورات کے محولہ بالا حکم کا مفہوم یہ ہے کہ سونے والے کو اگر اس کی نجاست لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا۔ اسلام نے اس بیجا سختی سے انسان کو آزاد کر دیا ہے۔ نجاست جس وقت دور ہو جائے، انسان کا بدن پاک ہو جاتا ہے۔

بَاب ۲۳: شُهُوْدُ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ

حائضہ کا دونوں عیدوں میں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا

وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى.

اور وہ نماز گاہ سے الگ رہیں

۳۲۴: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَّخْرُجْنَ فِي الْعِيْدَيْنِ فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ قَالَتْ كُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمَى وَنَقُوْمُ عَلَى

۳۲۴: ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا: عبدالوہاب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے۔ ایوب نے حفصہ سے روایت کی وہ کہتی تھی کہ ہم اپنی کنواریوں کو عیدوں میں نکلنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ ایک عورت آئی اور بنو خلف کے محل میں اُتری اور اس نے اپنی بہن سے یہ روایت بیان کی اور اس کی بہن کا خاوند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ جنگوں میں گیا تھا۔ (وہ کہتی تھی:) اور میری بہن چھ لڑائیوں میں اس کے ساتھ تھی۔ وہ کہتی تھی کہ ہم زخمیوں کا علاج کیا کرتیں اور بیماروں کی خبر گیری کرتیں۔ میری بہن

الْمَرْضَى فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَّا تَخْرُجَ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بِأَبِي نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ أَوِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ الْحُيَّضُ فَقَالَتْ أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا.

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا ہمیں گناہ ہوگا کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس جلباب نہ ہو اور وہ نہ نکلے؟ فرمایا: اس کی ساتھن اس کو اپنے جلباب کا ایک حصہ اُوڑھا دے اور چاہیے کہ وہ بھلے کاموں اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہو۔ جب حضرت اُمّ عطیہؓ آئیں تو میں نے اُن سے پوچھا کیا آپؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ میرا باپ آپؐ پر قربان۔ اور جب بھی وہ آپؐ کا ذکر کرتیں تو کہتیں: میرا باپ آپؐ پر قربان ہو۔ میں نے آپؐ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ کنواریاں اور پردہ والیاں۔ یا فرمایا: اور کنواری پردہ والیاں اور وہ عورتیں جنہیں حیض آیا ہو باہر نکلیں اور بھلے کاموں اور ایمان والوں کی دعا میں شریک ہوں اور حائضہ عورتیں نماز گاہ سے الگ رہیں۔ حفصہ کہتی تھیں: میں نے کہا، کیا حیض والی عورتیں بھی؟ تو انہوں نے کہا: کیا وہ (حج میں) عرفات اور فلاں فلاں مقام میں نہیں جایا کرتیں۔

تشریح: شُهُوْدُ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ: تورات کی رو سے حائضہ نہ معبد میں داخل ہوسکتی ہے اور نہ کسی عبادت وغیرہ میں شریک ہوسکتی ہے۔ (احبار باب ۱۵، آیت ۲۹) مگر شریعت اسلامیہ نے حائضہ کو بعض عبادتوں میں شامل ہونے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس کے مسجد میں داخل ہونے کے متعلق بھی ویسا ہی اختلاف ہے جیسا جنبی کے متعلق۔ (بداية المجتهد. كتاب الغسل. الباب الثالث فی احكام هذين الحدثين أعنى الجنابة والحيض. المسئلة الاولىٰ اختلف العلماء فی دخول المسجد) امام نوویؒ نے حائضہ کے لیے ضروری نہیں قرار دیا کہ وہ نماز گاہ سے الگ رہے۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۴۹) اور يَعْتَزِلْنَ الْمُصَلّٰى کی یہ تشریح کی ہے کہ نماز گاہ میں موجود ہوتے ہوئے حائضہ کا عبادت میں نہ شریک ہونا۔ ممکن ہے کہ اس سے اس کے نفس

میں اپنے متعلق ایک قسم کی خفت کا احساس پیدا ہو۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ وہ نماز کے وقت الگ ہو جائے۔ **اَلْمُصَلّٰی** مصدر میمی ہے اور ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کے معانی دیتا ہے۔ اس لیے نماز کا وقت بھی مراد ہو سکتا ہے اور جگہ بھی۔ روایت نمبر ۳۲۴ کا آخری حصہ اس اختلاف کو حل کر دیتا ہے۔ حفصہ؛ حضرت امّ عطیہؓ سے متعجب ہو کر پوچھتی ہیں کہ کیا حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ میں جائیں تو انہوں نے جواب دیا: اس میں ان کے لیے کیا روک ہے؟ کیا عرفات، منٰی، اور مزدلفہ مقامات وغیرہ میں نہیں جاتیں۔ ان مقامات کا بھی تو عبادت سے تعلق ہے۔

قصر بنی خلف بصرہ میں تھا۔ یہ محل طلحہ بن عبداللہ بن خلف خزاعی کا تھا جو طلحۃ الطلحات کے لقب سے مشہور ہیں۔ روایت کرنے والی حفصہ بنت سیرین ہیں جو محمد بن سیرینؒ کی بہن تھیں۔ **قَدِمَتِ امْرَأَةٌ** اس عورت کا نام معلوم نہیں اور نہ ہی اس کے خاوند کا۔ **فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا** اس نے اپنی بہن سے روایت کی۔ یعنی حضرت ام عطیہؓ سے۔
(فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۴۹)

اسلام نے دیگر مذاہب کی طرح عورت کو حقیر سمجھ کر عبادتوں اور اجتماعی کاموں سے محروم نہیں رکھا بلکہ مردوں کے دوش بدوش اس کو کھڑا کیا ہے۔ حتی کہ حیض کی حالت میں بھی اسے اچھوت سمجھ کر عضو معطل نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کے درمیان بعد میں جو حائضہ کے متعلق نفرت آمیز خیالات پیدا ہوئے۔ وہ درحقیقت یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرک اقوام کے خیالات تھے جن کے اثر کے ماتحت وہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہو گئے۔

بَاب ٢٤ : إِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ

جب عورت کو مہینہ میں تین حیض آئیں

وَّمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيْمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ (البقرة:٢٢٩) وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ إِنِ امْرَأَةٌ جَائَتْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُّرْضَى دِيْنُهُ أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِي شَهْرٍ

حیض اور حمل کے بارہ میں عورتوں کی جو تصدیق کی جائے، اتنی مدت کے متعلق جو حیض کی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ) یعنی ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اور حضرت علیؓ اور شریحؒ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے گھر کے راز دار لوگوں میں سے ایسے شخص کی شہادت لائے جس کا دین پسندیدہ ہے کہ اسے مہینہ میں تین بار حیض آیا تھا تو اس کو سچا سمجھا جائے گا۔ اور

صُدِّقَتْ وَقَالَ عَطَاءٌ أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ وَ بِهِ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ وَقَالَ عَطَاءٌ الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلَى خَمْسَةَ عَشْرَ وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ قَالَ النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ.

عطاء نے کہا کہ اس کے وہی حیض معتبر ہوں گے جو ہوا کرتے تھے۔اور ابراہیم نے بھی یہی کہا۔اور عطاء نے کہا کہ حیض ایک دن سے پندرہ دن تک ہوتا ہے۔اور معتمر نے کہا کہ ان کے باپ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: میں نے ابن سیرین سے اس عورت کے متعلق پوچھا جو اپنے حیض سے پانچ دن بعد خون دیکھتی ہے تو انہوں نے کہا کہ عورتیں اس کے متعلق بہتر جانتی ہیں۔

۳۲۵:حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ لَا إِنَّ ذَلِكِ عِرْقٌ وَّلَكِنْ دَعِي الصَّلَاةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيْضِيْنَ فِيْهَا ثُمَّ اغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ.

۳۲۵: ہم سے احمد بن ابی رجاء نے بیان کیا کہا: ابواُسامہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے ہشام بن عروہ سے سنا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ ابوحُبیش کی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہا کہ مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے اور پاک ہونے کونہیں آتی کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں ۔ یہ تو ایک رگ (کی بیماری) ہے۔ بلکہ جتنے دن تمہیں حیض آیا کرتا تھا۔ اتنے دنوں تک نماز چھوڑ دو۔ پھر نہالو اور نماز پڑھو۔

تشریح: اِذَا حَاضَتْ فِیْ شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ: چوبیسویں باب کا تعلق مسئلہ طلاق کے ساتھ ہے جس کے واقع ہونے کے لیے تین حیض کی مدت قائم کی گئی ہے۔عنوانِ باب میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ .(البقرة: ۲۲۹) {ترجمہ: اور مطلّقہ عورتوں کو تین حیض کی مدت تک اپنے آپ کو روکے رکھنا ہوگا۔ اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کر دی ہے۔} مطلقہ کو تین حیض انتظار کرنے سے یہی مطلوب ہے کہ اس اثناء میں حمل کا یقینی علم ہو جائے۔اس واضح مسئلہ کے متعلق بھی فقہاء نے بعض استثنائی

صورتیں لے کر مختلف بحثیں اُٹھائی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر مہینہ میں تین بار حیض آئے اور حمل ظاہر نہ ہو تو پھر کیا مطلقہ دوسری جگہ نکاح کر لے۔ اس مسئلہ کے بارہ میں مشہور مذہب تو یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدت حیض معتبر ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ مطلقہ کے گھر کے اُن واقف حال لوگوں سے تحقیق کی جائے جو دین دار ہوں۔ اُن کی شہادت مقبول ہوگی۔ یعنی یہ شہادت کہ فی الواقع تین دفعہ حیض آیا تھا جس میں اس نے نماز چھوڑی تھی اور پھر حالت طہر میں نماز پڑھی تھی۔ اس میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ جو حیض حسب عادت طلاق سے پہلے آیا کرتے تھے، اُن کی مدت معتبر ہوگی۔ ابن نخعیؒ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ عطاءؒ کے نزدیک مدتِ حیض کم از کم ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن۔ معتمر بن سلیمان تیمی کی روایت کی بناء پر ابن سیرین کا حوالہ دیا گیا ہے کہ مدت حیض کے متعلق عورتیں اپنی اپنی عادت کو سب سے بہتر جانتی ہیں۔ اس لیے ہر ایک کی حالت کے مطابق معاملہ کیا جائے۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ فتویٰ نقل کر کے امام موصوفؒ نے روایت نمبر ۳۲۵ کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصولی ارشاد پیش کیا ہے۔ یعنی ہر عورت کے ایام حیض بالعموم مقرر ہوتے ہیں۔ وہ کمی بیشی کو بھی جانتی ہے۔ پس اگر کسی بیماری کی وجہ سے غیر معمولی طور پر خون آئے تو سابقہ عادت کے مطابق اندازہ کر لینا چاہیے اور اس خون کو حیض شمار نہیں کرنا چاہیے۔

بَاب ۲۵: اَلصُّفْرَةُ وَالْكُدْرَةُ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ

ایام حیض کے علاوہ اور دنوں میں زردی اور گدلا پن

۳۲۶: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُّحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا.

۳۲۶: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہا: اسماعیل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے محمد سے، محمد نے حضرت امّ عطیہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: ہم گدلے پانی اور زردی کو کچھ بھی شمار نہ کرتی تھیں۔

تشریح: **اَلصُّفْرَةُ وَالْكُدْرَةُ فِيْ غَيْرِ اَيَّامِ الْحَيْضِ:** سابقہ مسئلہ کے متعلق جو استدلال امام موصوفؒ نے کیا تھا اس کی تائید میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس ضمن میں باب ۱۹ کی شرح بھی دیکھی جائے جس میں حضرت عائشہؓ کے قول حَتّٰی تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَآءَ پر جرح ہوئی ہے۔

كُنَّا لَا نَعُدُّ: یعنی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زردی اور گدلہ پن کی پرواہ نہیں کیا کرتی تھیں۔ امام شافعیؒ و امام ابوحنیفہؒ نے ایام حیض میں زردی مائل مادہ کو حیض شمار کیا ہے اور ایام حیض کے بعد حالت طہر میں اسے حیض نہیں قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت مشارٌ الیہا ایام حیض کے لیے مخصوص ہے۔ اور حضرت امّ عطیہؓ کی یہ روایت ایام حیض کے علاوہ دوسرے دنوں کے لیے۔ حضرت امّ عطیہؓ سے روایت کرنے والے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بَاب ٢٦ : عِرْقُ الْاِسْتِحَاضَةِ

خونِ استحاضہ کی رگ

٣٢٧: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ اسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔

۳۲۷: ہم سے ابراہیم بن منذر (حزامی) نے بیان کیا کہا: معن نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ ابن ابی ذئب نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے اور عمرہ سے، ان دونوں نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے روایت کی کہ حضرت امّ حبیبہؓ سات سال تک استحاضہ سے بیمار رہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ وہ نہا لیا کریں اور کہا کہ یہ ایک رگ (بیماری کی) ہے۔ اس لیے وہ ہر نماز کے لیے نہا لیا کرتی تھیں۔

تشریح: **عِرْقُ الْاِسْتِحَاضَةِ:** ہمارے زمانہ کی تحقیق بھی یہی بتلاتی ہے کہ استحاضہ شریانِ خون کی بیماری کا نتیجہ ہے اور اس کا موجودہ اصطلاحی نام میٹرورہیجیا (Metrorrhagia) ہے۔ خونِ استحاضہ حیض سے بالکل علیحدہ ہوتا ہے۔ دونوں کے اسباب الگ الگ ہیں۔

شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استحاضہ الگ بیماری قرار دے کر مستحاضہ عورت کو حیض کی پابندیوں سے مستثنیٰ فرمایا اور اسے اجازت دی ہے کہ نیا وضو کر کے نماز پڑھتی رہے اور خون نکلنے کی پرواہ نہ کرے اور اس فرق کو نمایاں کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں استحاضہ کے اصل سبب کو نمایاں کیا ہے۔ اسلام نے عبادت روح کی غذا ٹھہرائی ہے۔ جسم کی بیماریوں کے سبب سے روح کو اس کی غذا سے کسی وقت بھی محروم نہیں کرنا چاہیے مگر توراۃ کے احکام مستحاضہ کے لیے بھی وہی ہیں جو حائضہ کے لیے اور ان دونوں حالتوں میں تمیز نہیں کی گئی۔ (احبار باب ۱۵، آیت ۲۵)

باب ۱۹ میں بھی روایت ۳۲۷ کا مضمون گذر چکا ہے۔ یہاں ایک اختلاف کی وجہ سے اس کا عنوان الگ قائم کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک فریق نے حیض سے فارغ ہونے کے بعد ایک دفعہ غسل کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حالت استحاضہ میں ہر نماز کے وقت وضو کرنا ضروری ہے۔ نہانا ضروری نہیں۔ یہ مذہب امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ اکثر علماء کا ہے۔ ان کے برخلاف ایک اور فریق ہے جو مستحاضہ کے لیے نہانا ہر نماز کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

امام بخاریؒ نے اس باب میں جو روایت پیش کی ہے اس میں دونوں سندیں اکٹھی کردی ہیں۔ایک وہ جو عروہ سے مروی ہے (نمبر ۳۲۰) اور ایک یہ جو عمرہ سے مروی ہے۔اول الذکر روایت میں ارشادِنبوی کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ ذٰلِکَ عِرْقٌ وَّ لَیْسَتْ بِالْحَیْضَةِ،فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَیْضَةُ فَدَعِیُ الصَّلٰوةَ،وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِیْ وَصَلِّیْ. اس میں حیض بند ہونے پر نہانے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ ہر نماز کے لیے۔ مؤخر الذکر روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا ذکر نہیں بلکہ صیغہ غائب میں ان کا مفہوم ادا کیا گیا ہے اور وہ بھی واضح طور پر نہیں۔ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ. یہ روایت عروہ کی روایت نمبر ۳۲۵ کے مقابل پر غیر معین ہے۔فَکَانَتْ تَغْتَسِلُ لِکُلِّ صَلٰوةٍ. وہ ہر نماز کے لیے نہایا کرتی تھیں اور یہ حضرت امّ حبیبہؓ کا اپنا فعل تھا۔

امام موصوفؒ نے اس طرح دونوں روایتیں ہمارے سامنے رکھ کر فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا ہے جو بالکل واضح ہے۔یعنی یہ کہ جمہور کا مذہب صحیح ہے اور اگر کوئی خود نہانا پسند کرتا ہے تو کوئی مانع نہیں۔اس طرح انہوں نے یہ دونوں روایتیں واؤ حرف عاطف سے جمع کر کے بتلایا ہے کہ ان میں کوئی تناقض نہیں۔

بَاب ٢٧ : اَلْمَرْأَةُ تَحِيْضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

عورت کو عرفات سے لوٹنے کے بعد حیض آئے

٣٢٨ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ فَقَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاخْرُجِيْ.

۳۲۸: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے،عبداللہ نے اپنے باپ سے،انہوں نے عمرہ بنت عبدالرحمان سے،عمرہ نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! حُیی کی بیٹی حضرت صفیہؓ کو حیض آگیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: شاید وہ ہمیں روک رکھے گی۔کیا اس نے تمہارے ساتھ طواف نہیں کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔فرمایا: پھر چلو۔

٣٢٩ : حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ

۳۲۹: ہم سے معلّٰی بن اسد نے بیان کیا۔انہوں نے

حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ

کہا: وہیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن طاؤس سے، عبداللہ نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حائضہ کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر اسے حیض آئے تو وہ کوچ کرے۔

۳۳۰: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَنْفِرُ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ لَهُنَّ.

۳۳۰: (ابن طاؤس نے کہا) اور حضرت ابن عمرؓ ابتداء میں کہا کرتے تھے کہ وہ کوچ نہ کرے۔ پھر میں نے ان کو کہتے سنا کہ وہ کوچ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دی ہے۔

تشریح: **اَلْمَرْأَةُ تَحِيْضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ:** باب ۲۷ کے عنوان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اس سے یہ مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر طواف زیارت کرلیا جائے اور پھر عرفات سے لوٹنے کے بعد طوافِ وداع کرنے سے پہلے کسی عورت کو حیض آ جائے تو وہ بغیر طواف کیے چل پڑے، انتظار نہ کرے۔ مگر یہ مسئلہ ثابت کرنا ان کا مقصد نہیں۔ اس کا ذکر باب ۱۸ میں ہو چکا ہے اور کتاب الحج (کتاب المناسک) میں بھی اپنے محل پر آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمان انصاریہ جن کی روایت سابقہ باب میں ہے اور بظاہر عروہؒ کی روایت کے خلاف ہے وہ نہ صرف ثقہ بلکہ احادیث نبویہؐ سے واقف بھی ہیں۔ چنانچہ مسئلہ مذکور کے متعلق حضرت ابن عمرؓ ایک مدت تک ناواقف رہے اور وہ اس کے خلاف اور فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے اپنی غلطی کی اصلاح کر لی۔ پہلے انہوں نے یا تو یہ روایت سنی نہ تھی یا بھول گئے تھے۔ ایک جلیل القدر صحابی کے بالمقابل عمرہؒ بنت عبدالرحمان مسئلہ مذکور کے بارہ میں اپنے علم کی بناء پر صائب رائے رکھتی تھیں۔ بوجہ اس کے کہ راویہ مذکورہ ثقہ ہیں اس لئے سابقہ باب میں حضرت امّ حبیبہؓ کے بارے میں ان کی روایت کے متعلق تاویل کی راہ اختیار کرنا ضروری تھا۔

بَاب ۲۸: إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

جب مستحاضہ طہر دیکھے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً وَيَأْتِيْهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، اَلصَّلَاةُ أَعْظَمُ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا (کہ جب مستحاضہ طہر دیکھے تو) وہ نہائے اور نماز پڑھے۔ گو دن میں ایک گھنٹہ (ہی بند ہو) اور جب اس نے نماز پڑھ لی تو پھر اس کا خاوند بھی اس کے پاس آئے۔ نماز تو اس سے بڑھ کر ہے۔

۳۳۱: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ.

۳۳۱: ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا (کہا:) ہمیں زہیر نے بتلایا۔ انہوں نے کہا: ہشام بن عروہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب بند ہو جائے تو اپنے بدن سے خون دھوڈالو اور نماز پڑھو۔

تشریح: إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ: طہر سے خونِ حیض کا بند ہونا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ وہ حیض اور خونِ استحاضہ کے درمیان تمیز کرلے۔ زمانہ حیض کے اعتبار سے زمانہ استحاضہ طہر قرار دیا گیا ہے۔

باب مذکور میں دو اختلافی مسئلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مستحاضہ کو نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تو کیا یہ اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ وہ حالت طہر میں ہوتی ہے۔ یا اس اجازت میں محض رخصت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اکثر علماء نے اس کو طہر قرار دیا ہے اور اس لیے اس کے ساتھ جماع کرنا جائز سمجھا ہے۔ یہ فریق حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ سے حجت پکڑتے ہیں۔ ایک دوسرا فریق ہے جو حالت استحاضہ کو ناپاکی قرار دے کر نماز پڑھنے کو بطورِ رخصت کے سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک مستحاضہ سے جماع کرنا جائز نہیں۔ یہ فریق حضرت عائشہؓ کے فتویٰ سے حجت پکڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا حوالوں کی تفصیل فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۵۵-۵۵۶ میں دیکھیں۔ امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں اس اختلاف کی طرف اشارہ کر کے روایت ۳۳۱ کی بناء پر اس کا فیصلہ نہایت خوبی سے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ارشادِ نبوی حالت حیض کے متعلق واضح اور معین ہے۔ یعنی یہ کہ وہ طہر نہیں اور اس میں نماز چھوڑ دی جائے اور جب بند ہو تو نہا کر نماز پڑھے۔ استحاضہ کے متعلق یہ بحث کہ آیا وہ طہر ہے یا عدمِ طہر اور کیا اس میں جماع جائز ہے یا ناجائز۔ احادیث اگرچہ اس میں خاموش ہیں۔ (بداية المجتهد . كتاب الغسل. فى معرفة احكام الحيض والاستحاضة. المسئلة الخامسة فى اختلاف العلماء فى جواز وطئ المستحاضة. جزء اول صفحه ۴۶) مگر ہمارے پاس ایک معین اصل ہے جس کے ماتحت ہم فیصلہ کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ حیض کو حالت طہر کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی میں صرف حیض کے متعلق استثناء کی گئی ہے۔ ایک جواب یہ ہے اور دوسرا جواب اگلے باب میں دیا گیا ہے۔

بَاب ۲۹ : اَلصَّلَاةُ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتُهَا

جننے والی عورتوں کا نمازِ جنازہ اور اس کے پڑھنے کا طریقہ

۳۳۲: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ امْرَأَةً مَّاتَتْ فِي بَطْنٍ فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ وَسَطَهَا.

۳۳۲: ہم سے احمد بن ابی سُریج نے بیان کیا کہا: شبابہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے حسین معلّم سے، حسین نے عبداللہ بن بریدہ سے، ابن بریدہ نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت کہ ایک عورت اسی حالت میں مرگئی کہ بچہ پیٹ میں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھا اور آپؐ اس کی کمر کے عین مقابل پر کھڑے ہوئے۔

باب ۳۰

۳۳۳: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ اسْمُهُ الْوَضَّاحُ مِنْ كِتَابِهِ قَالَ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ تَكُوْنُ حَائِضًا لَّا تُصَلِّي وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى خُمْرَتِهِ إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي بَعْضُ ثَوْبِهِ.

۳۳۳: ہم سے حسن بن مُدرک نے بیان کیا، کہا: یحيٰ بن حمّاد نے ہم سے بیان کیا کہا: ابوعوانہ نے جن کا نام وضّاح ہے اپنی کتاب سے (دیکھ کر) ہمیں بتلایا کہا کہ سلیمان شیبانی نے عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ وہ کہتے تھے: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں سنا کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں، نماز نہ پڑھتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ گاہ کے سامنے لیٹی رہتیں اور آپؐ اپنی چٹائی پر ہی نماز پڑھتے۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو آپؐ کے کپڑے کا ایک حصہ مجھے لگتا۔

تشریح: **مَا تَتْ فِيْ بَطْنٍ**: بوجہ ولادت کے۔ فِيْ کے معنی بسبب۔ کتاب الجنائز باب الصلاة على النفساء اذا ماتت في نفاسها میں بھی یہ روایت نمبر ۱۳۳۲ لائی گئی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: فِيْ نِفَاسِهَا. یعنی بوجہ زچگی کے۔ جننے کے وقت جو خون آتا ہے، اس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس میں بھی عورت کو نماز چھوڑنی پڑتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی جو حالت نفاس میں مرگئی تھی۔ امام بخاریؒ اس واقعہ سے ایک دقیق استدلال کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ نماز کے لوازمات میں سے یہ بات بھی ہے کہ جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، وہ پاکیزہ ہو، نجس نہ ہو۔ حالت نفاس میں وفات شدہ عورت کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کر کے اس کا جنازہ پڑھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ نجس نہ تھی۔ امام موصوفؒ نے اس نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے عنوانِ باب ۲۹ میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں: وَسُنَّتُهَا. یعنی نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ۔ **فَقَامَ فِيْ وَسَطِهَا**: آپؐ اس کے عین درمیان میں کھڑے ہوئے۔

عنوانِ باب کے مذکورہ بالا الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت نمبر ۱۳۳۲ سے کسی ایسی بات کا استدلال کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق ایک اعتبار سے تو سابقہ باب کے مضمون کے ساتھ ہے۔ یعنی حالت طہر کے ساتھ اور ایک اعتبار سے نماز میں قبلہ رُخ ہونے کے ساتھ۔ یہ امر کہ اُنتیسویں باب کا یہی مقصد ہے جس کا ابھی ذکر کیا جاچکا ہے، اس سے بھی ظاہر ہے کہ **تیسویں باب** کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا اور اس میں صرف ایک روایت لائے ہیں، جس کا مضمون بھی یہی ہے کہ حائضہ اپنی ذات میں ناپاک نہیں ہوتی اور حضرت میمونہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حالت حیض میں آپؐ کے سامنے لیٹی ہوتیں اور آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے۔ نہ صرف یہی بلکہ سجدہ کرتے وقت حضرت میمونہؓ کا کپڑا بھی آپؐ کو چھوتا تھا۔

ان دونوں بابوں سے ان علماء کے نقطہ خیال پر ایک تنقیدی جرح کی ہے جو مستحاضہ کے نجس ہونے یا نہ ہونے کے متعلق فضول بحثوں میں پڑ گئے ہیں۔ حالت حیض ونفاس واستحاضہ میں طہارت ونجاست بالکل ایک نسبتی امر ہے۔ مستحاضہ کو جو نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ نماز چونکہ اعلیٰ چیز ہے اس لیے جماع کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہے، قیاس مع الفارق ہے۔ ایک اعتبار سے عورت حالت نفاس میں ہوتے ہوئے بھی پاک ہے اور اس اعتبار سے حائضہ بھی پاک ہے۔ مگر ایک خاص اعتبار سے پاک ہونے کے یہ معنے نہیں کہ وہ ہر اعتبار سے پاک ہے۔ یہ وہ لطیف استدلال ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا بابوں میں توجہ منعطف کی ہے۔ اس استدلال کے ایک حصہ کی طرف فتح الباری میں بھی بحوالہ ابن رشید اشارہ کیا گیا ہے۔ (فتح الباری جلد اول صفحہ ۵۵۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ التَّيَمُّمِ

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (المائدة: ٧)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ... الآية یعنی پانی نہ پاؤ تو تم پاکیزہ مٹی تلاش کرو اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرو۔

باب ۱

٣٣٤ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّي فَأَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوْا عَلَى مَاءٍ فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلَى مَآءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَّاءٌ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَّرَسُوْلُ اللهِ

۳۳۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے سفروں میں سے کسی ایک سفر میں نکلے۔ جب بَيْدَآء یا ذَاتُ الْجَيْش مقام میں پہنچے تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ڈھونڈنے کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپؐ کے ساتھ ٹھہر گئے اور وہ پانی کے نزدیک نہ تھے۔ اس پر لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپؐ نہیں دیکھتے کہ حضرت عائشہؓ نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ٹھہرا دیا اور وہ پانی کے نزدیک نہیں ہیں اور نہ اُن کے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَّأْسَهُ عَلَى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلَى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَّاءٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَّقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِيْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ.

ساتھ پانی ہے۔اس پر حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر میری ران پر رکھا ہوا تھا۔آپؐ سو گئے تھے۔کہنے لگے:تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک دیا ہے اور وہ پانی کے نزدیک نہیں ہیں اور نہ ان کے ساتھ پانی ہے۔حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ مجھے ملامت کرنے لگے اور جو اللہ نے کہلانا چاہا،انہوں نے کہا۔ اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے مجھے چوک دینے لگے اور ہلنے جلنے سے صرف یہی بات مجھے روکتی تھی کہ نبی ﷺ میری ران پر آرام کر رہے تھے۔جب صبح ہوئی تو آپؐ اُٹھے مگر پانی نہ تھا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل کی اور لوگوں نے تیمّم کیا۔اُسَید بن حُضَیر نے کہا:اے ابوبکرؓ کی اولاد تمہاری برکتوں میں سے یہ کوئی پہلی برکت نہیں۔حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ ہم نے اس اُونٹ کو جو اُٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے وہ ہار اُس کے نیچے پایا۔

۳۳۵: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ح قَالَ وَ حَدَّثَنِي سَعِيْدُ بْنُ النَّضْرِ قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ الْفَقِيْرُ قَالَ أَخْبَرَنَا جَابِرُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۳۳۵: ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا کہا: ہُشَیم نے ہم سے بیان کیا۔ نیز (ابوعبداللہؒ بخاری) نے کہا کہ مجھ سے سعید بن نضر نے بیان کیا کہا:ہُشَیم نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے کہا:ہمیں سیّار نے بتلایا کہا:یزید فقیر نے؛ جو کہ صُہَیب کے بیٹے ہیں؛ ہم سے بیان کیا کہتے تھے:حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے ہمیں

وَسَلَّمَ قَالَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً.

بتلایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ ایسی باتیں مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے وہ کسی کو بھی نہیں دی گئیں۔رعب سے میری مدد کی گئی ہے جو مہینہ بھر کی مسافت تک اثر کرتا ہے اور ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ پس میری امت میں سے جس شخص کو بھی (جہاں بھی) نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں اور مجھے سفارش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور نبی پہلے محض اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

تشریح: کتاب الوضوء باب ۲ کی شرح میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ تیمّم کن معنوں میں وضو کا قائم مقام ہے اور پاکیزہ مٹی کو پانی اور وضو کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

روایت نمبر ۳۳۴ میں وہ ضرورت بیان کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے تیمّم کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ نیز وہ تاریخ بھی جب پہلے پہل اسلام میں تیمّم کی اجازت ہوئی۔ اس ضمن میں امام بخاریؒ دو روایتیں یکے بعد دیگرے لائے ہیں۔ پہلی روایت میں ہار گم ہونے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ اِفک کے واقعہ کے بعد کا ہے اور ان دونوں دفعہ ہار گم ہوا تھا، جیسا کہ حضرت اُسید بن حُضَیرؓ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلے واقعہ کے سبب سے احکامِ اِفک نازل ہوئے تھے جو سورۂ نور میں ہیں اور اس موقع پر تیمّم کا حکم نازل ہوا تھا۔ روایت نمبر ۳۳۶ میں حضرت اُسیدؓ کے الفاظ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهٗ قابل غور ہیں۔ جو سابقہ اِفک کے واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو ناراضگی کا اظہار کیا ہے وہ بھی اسی وجہ سے کیا ہے کہ ایک دفعہ پہلے بھی حضرت عائشہؓ ہار گم کر چکی تھیں۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری جزء اوّل صفحہ ۵۶۳-۵۶۴)

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ سے کون سی آیت مراد ہے آیا سورۂ نساء والی یا سورۂ مائدہ والی؟ عنوانِ باب میں امام بخاریؒ نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ نساء کی ہے۔ جو یوں شروع ہوتی ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى... (النساء: ۴۴) اس میں صرف تیمّم کا ذکر ہے، وضو کا نہیں۔

بَيْدَآء اور **ذَاتُ الْجَيْش** دو مقام ہیں جو مدینہ طیبہ کے قریب اس راستے پر واقع ہیں جو مکہ معظّمہ کو جاتا ہے۔ **بَيْدَآء** یہی **ذُوالْحُلَيْفَه** ہے اور **ذَاتُ الْجَيْش** اس کے پرے ہے۔ (فتح الباری جزء اوّل صفحہ ۵۶۱)

حضرت اُسید بن حضیرؓ انصاری اوس عقبہ ثانیہ کے نقیبوں میں سے ایک نقیب تھے۔انہیں ہار ڈھونڈنے والوں کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔(فتح الباری الجزء الاوّل صفحہ ۵۶۳) (عمدۃ القاری الجزء الرابع صفحہ ۵)

دوسری روایت (نمبر ۳۳۵) جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ خصوصیتیں مذکور ہیں اصل مضمون سے یہ تعلق رکھتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف دیگر انبیاءؑ کے تمام بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ کو ایسے احکام دیے گئے ہیں جن میں مختلف حالات اور ضرورتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔آپؐ کی شریعت انسان کے لئے بارِ زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے بوجہ ان سہولتوں کے جو اِس میں ہیں۔ان سہولتوں میں سے ایک سہولت یہ ہے: **جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا.** طہور کے معنی پاک اور پاک کرنے والی یعنی وضو کا کام بھی دیتی ہے۔ زمین درحقیقت ہر گندگی کو اپنے اندر جذب کر کے اس کو پاک نباتاتی شکل دیتی ہے۔(دیکھئے شرح کتاب الوضوء باب ۲) دیگر مذاہب میں عبادت کے لئے خاص معابد کا ہونا ضروری ہے۔باقی تین خصوصیتوں کی تشریح مناسب موقع ومحل پر ہوگی۔

بَاب ۲ : إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَلَا تُرَابًا

جب نہ پانی پائے اور نہ مٹی

۳۳۶ : حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَّاءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِّعَائِشَةَ جَزَاكِ اللهُ خَيْرًا فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا.

۳۳۶: ہم سے زکریا بن یحیٰی نے بیان کیا کہا: عبداللہ بن نُمیر نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے کہا: ہشام بن عروہ نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے گلے کا ہار عاریۃً لیا وہ (ہار) گم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور اس نے وہ ڈھونڈ لیا۔اسی اثناء میں ان کو نماز کا وقت بھی آ گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا۔انہوں نے نماز پڑھ لی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کی شکایت کی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی۔اور اُسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: اللہ آپؓ کو بہتر بدلہ دے۔بخدا آپؓ کے ساتھ کوئی وقوعہ بھی ایسا نہیں ہوا؛ جسے آپؓ نے برا منایا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپؓ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی نہ رکھی ہو۔

تشریح: روایت نمبر ۳۳۶ کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی نہ ملنے پر صحابہؓ نے بغیر وضو کیے نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دُہرانے کا حکم نہیں دیا۔ یعنی آپؐ نے وہ نماز جائز قرار دی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ جب مٹی بھی نہ ہو تو نماز پڑھ لے۔ نماز کا چھوڑنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور ان کا یہ استنباط اس قیاس پر مبنی ہے کہ اس وقت تک کہ جب تیمّم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا شریعت کے اعتبار سے مٹی کا وجود کالعدم تھا۔ یعنی مشروعیت تیمّم سے قبل مٹی کا ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ صحابہؓ نے جب پانی نہ ملنے پر نماز پڑھی ہے تو اس وقت گویا شریعت کی رو سے مٹی کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ مٹی کی اس عدم موجودگی میں ان کی نماز جائز سمجھی گئی اور پھر باوجود تیمّم کا حکم نازل ہونے کے وہ نماز نہیں دُھرائی گئی اس لئے اگر مٹی نہ ملے تو اس وقت نماز پڑھنے کے متعلق وہی طریق اختیار کیا جائے گا جو صحابہؓ نے پانی نہ ملنے پر اختیار کیا تھا۔ یعنی نماز پڑھ لی جائے۔ یہ وہ باریک استدلال ہے جو امام موصوفؒ نے واقعہ مذکور سے کیا ہے۔

بَاب ۳: اَلتَّيَمُّمُ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلَاةِ

حضر میں تیمّم کرنا اگر پانی نہ ملے اور نماز ضائع ہونے کا ڈر ہو۔

وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيْضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ وَأَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلَّى ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ.

عطاء نے بھی یہی کہا ہے اور حسن نے ایسے مریض کے متعلق جس کے پاس پانی تو ہو مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے جو اُسے پانی پکڑائے یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ تیمّم کر لے اور حضرت ابن عمرؓ اپنی اس زمین سے آ رہے تھے جو جُرُف میں تھی کہ مَرْبَدُ النَّعَم میں نماز عصر کا وقت ہو گیا تو انہوں نے نماز پڑھی اور پھر مدینہ میں داخل ہوئے اور سورج بلند تھا اور آپؓ نے نماز نہیں دُہرائی۔

۳۳۷: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى

۳۳۷: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے جعفر بن ربیعہ سے، جعفر نے اعرج سے روایت کی کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عمیر سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت میمونہؓ کے (آزاد کردہ) غلام عبداللہ بن یسار آئے اور ہم

أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِ أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَّحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

حضرت ابوجُہیمؓ بن حارث بن صمّہ انصاری کے پاس اندر گئے تو حضرت ابوجہیمؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے آ رہے تھے کہ ایک شخص آپؐ سے ملا اور اس نے آپؐ کو سلام کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب نہیں دیا۔ آپؐ سامنے دیوار کی طرف آئے اور اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا اور پھر آپؐ نے اس کو سلام کا جواب دیا۔

تشریح: حضر میں تیمّم کرنا جائز ہے اگر پانی نہ ملے اور نماز ضائع ہونے کا خوف ہو۔ عطاء اور حسن کے محولہ بالا فتووں اور حضرت ابن عمرؓ کے عملدرآمد کی تفصیل فتح الباری میں دیکھی جائے۔

(فتح الباری جزء اوّل صفحہ ۵۷۱ - ۵۷۲)

جُرُف مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ ☆ ہے۔ (فتح الباری الجزء الاوّل صفحہ ۵۷۲) مدینہ سے کوچ کے وقت اس مقام پر لشکر کے اکٹھے ہونے کے لیے رُکا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے اتنے قریب کے فاصلہ پر تیمّم کر کے نماز پڑھنے سے ظاہر ہے کہ وہ بھی حضر میں تیمّم کرنا جائز سمجھتے تھے۔

فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ...: مَرْبَدِ نَعَم میں نماز عصر کا وقت ہو گیا اور انہوں نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی اور پھر مدینہ منورہ پہنچ کر وضو کے ساتھ نماز نہیں دُہرائی۔

وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ: اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ نماز کا وقت کافی ہے۔ کیونکہ وہ مدینہ منورہ ایسے وقت میں داخل ہوئے ہیں کہ سورج کافی بلند تھا۔ امام بخاریؒ کو یہ باب باندھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ فقہاء کے درمیان یہ اختلاف ہوا ہے کہ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدہ:۷) {ترجمہ: اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے تعلق قائم کیا ہو اور اس حالت میں تمہیں پانی نہ ملے تو خشک پاکیزہ مٹی کا تیمّم کرو۔} میں جو فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی پانی نہ ملنے کی شرط ہے آیا وہ صرف مسافروں کے لئے ہے یا بیماروں اور دوسروں کے لئے بھی ہے جو حالت حضر میں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ہم خیال علماء کی یہ رائے ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً میں صرف مسافر مخاطب کئے گئے ہیں کہ اگر وہ بے وضو یا جنبی ہوں اور ان کو پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کریں۔ نیز بیمار بھی مخاطب ہیں۔ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے کہ آیت مشار الیہا میں تین الگ الگ صورتیں ہیں۔ بیمار، مسافر، حاضر (یعنی وہ جو سفر میں نہیں) مسافر اور حاضر بے وضو ہوں اور انہیں پانی نہیں ملتا تو وہ تیمّم کر

☆ ایک فرسخ تقریباً تین میل کے برابر ہوتا ہے۔ (لغات الحدیث تحت لفظ فرسخ)

لیں اور بیمار جس کے پاس پانی تو ہے مگر اس کو استعمال نہیں کرسکتا۔ یا اُس سے اُس کو نقصان کا ڈر ہے تو وہ بھی تیمم کرلے کیونکہ اس کے لئے پانی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور وہ بھی درحقیقت اس مسافر کی طرح ہے جس کو پانی نہیں ملتا۔
(بداية المجتهد. كتاب التيمم. الباب الثانى فى معرفة من تجوز له هذه الطهارة)
مذکورہ بالا اختلاف کی وجہ سے امام موصوفؒ نے یہ باب قائم کیا ہے۔
اس ضمن میں یہ بحث بھی اٹھائی گئی ہے کہ آیا تیمم پانی نہ ملنے پر اس وقت کیا جائے جب نماز کا وقت اپنی آخری حد کو پہنچنے لگے یا یہ کہ جب وہ شروع ہو جائے؟ اور یہ کے آیا پانی تلاش کرنا تیمم کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے لئے شرط ہے؟ عنوان باب میں حضرت ابن عمرؓ کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے۔

فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ: امام موصوفؒ نے اختلافات مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کر کے جو روایت پیش کی ہے اس سے غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب ادنیٰ سی ضرورت پر جو بغیر وضو ادا کی جاسکتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نہ ملنے پر تیمم کیا تو نماز جیسی اہم ضرورت کے لئے کیوں تیمم نہ کیا جائے۔ خصوصاً جبکہ نماز کے ضائع ہونے کا خوف ہو۔ اس سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا رد کرنا مقصود ہے۔ باقی اختلافات بوجہ مستند احادیث نہ ملنے کے نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ (ان فقہی اختلافات کی تفصیل کے لئے دیکھئے بداية المجتهد. كتاب التيمم. الباب الثانى فى معرفة من تجوز له هذه الطهارة) روایت نمبر ۳۳۷ میں سلام کرنے والے خود حضرت ابوجہیمؓ ہی ہیں۔
(فتح الباری جزء اوّل صفحہ ۵۷۳)

بَاب ٤ : اَلْمُتَيَمِّمُ هَلْ يَنْفُخُ فِيْهِمَا

کیا تیمم کرنے والا اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونک مارے

۳۳۸ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ

۳۳۸: ہم سے آدم نے بیان کیا کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) حکم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ذرّ سے، ذرّ نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں جنبی ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا تو حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا: کیا آپؓ کو یاد نہیں کہ ہم یعنی میں اور آپؓ ایک

فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ☆ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

سفر میں تھے۔آپؐ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں تو مٹی میں (جانور کی طرح) لوٹا تھا اور نماز پڑھ لی تھی۔ میں نے نبی ﷺ کے پاس (اس کا☆) ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم کو صرف اس طرح کافی تھا اور آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر اُن میں پھونکا اور اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

تشریح: **تیمّم کرنے کا طریق:** تیمّم کرنے کے متعلق قرآن مجید کا حکم فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ (المائدة:۷) اپنے اندر ایک لفظی اشکال رکھتا تھا۔ یعنی آیا اَیدِیْ سے مراد کہنیوں تک یا مونڈھوں تک سارا بازو ہے یا یہ کہ صرف ہاتھ مراد ہیں۔ امام بخاریؒ نے روایت نمبر ۳۳۸ کے الفاظ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ سے اصل مراد کی تعیین کی ہے۔ کَفٌّ کلائی سے لے کر ہاتھ کے اگلے حصہ کو کہتے ہیں۔ فقہاء نے اپنی عادت کے مطابق اس مسئلہ میں بھی چار اختلاف کئے ہیں۔ جس کی وجہ سے امام موصوفؒ کو یہ باب باندھنے کی ضرورت ہوئی۔ اَنْ تَمْسَحَ بِيَدَيْكَ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ (بداية المجتهد. كتاب التيمم. الباب الرابع فى صفة هذه الطهارة. المسئلة الاولى اختلف الفقهاء فى حد الايدى) والی روایت امام بخاریؒ کی شروطِ صحت کے مطابق مستند نہیں۔ وَنَفَخَ فِيْهِمَا سے ظاہر ہے کہ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی کا لگانا ضروری نہیں۔ عنوان باب هَلْ يَنْفُخُ جو کہا ہے تو اِن الفاظ سے اُسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام شافعیؒ نے دوسرے ائمہ سے کیا ہے۔ اِن کے نزدیک جسم سے مٹی لگانا ضروری ہے۔ امام بخاریؒ؛ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہم کی تائید کررہے ہیں۔

(بداية المجتهد كتاب التيمم .الباب الرابع. المسئلة الثالثة اختلف الشافعى مع مالک)

حضرت عمرؓ نے سائل کو یہ جواب دیا تھا کہ جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو۔ جس پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے اپنا واقعہ سنایا۔ (فتح الباری الجزء الاوّل صفحہ ۵۷۵)

بَاب ۵ : اَلتَّيَمُّمُ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ

منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا

۳۳۹: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ

۳۳۹: ہم سے حجاج نے بیان کیا کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ذرّ سے، ذرّ نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، انہوں نے اپنے

☆ لفظ "ذٰلِکَ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۷۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

عَمَّارٌ بِهٰذَا وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيْهِ ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَقَالَ النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ ذَرًّا يَّقُوْلُ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى قَالَ الْحَكَمُ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِن ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ {الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ. ☆}

باپ سے روایت کی کہ حضرت عمارؓ نے یہی کہا: اور شعبہ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور پھر اپنے منہ کے نزدیک کئے پھر اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا۔ اور نضر کہتے تھے کہ شعبہ نے حکم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میں نے ذرّ کو ابن عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ حَکَم کہتے تھے کہ میں نے ابن عبدالرحمان بن ابزیٰ سے سنا۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت عمارؓ نے کہا: { (پاکیزہ مٹی) مسلمان کے لیے وضو (کی قائم مقام) ہے جو اُس کی پانی کی ضرورت کو پورا کردیتی ہے۔☆}

٣٤٠: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا وَقَالَ تَفَلَ فِيْهِمَا.

۳۴۰: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ذرّ سے، ذرّ نے ابن عبدالرحمان بن ابزیٰ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت عمارؓ نے انہیں کہا: ہم ایک دستہ فوج میں تھے اور ہم جنبی ہوئے تھے اور انہوں نے بجائے "نَفَخَ فِيْهِمَا" کے "تَفَلَ فِيْهِمَا" کہا۔ یعنی (آپؐ نے) اُن دونوں (ہاتھوں) میں زور سے پھونکا۔

٣٤١: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ

۳۴۱: ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ذرّ سے، ذرّ نے ابن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کی۔ انہوں نے (اپنے باپ) عبدالرحمٰن سے، انہوں نے کہا کہ

☆ الفاظ "اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ" عمدۃ القاری کے مطابق ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء چہارم صفحہ ۲۱)

تَمَعَّكْتُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَكْفِيْكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ.

حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں مٹی میں لوٹا تھا اور پھر نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا: منہ اور ہاتھوں کا مسح کرنا ہی تمہارے لئے کافی ہے۔

۳۴۲: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ شَهِدْتُّ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ.

۳۴۲: ہم سے مسلم (بن ابراہیم) نے بیان کیا (کہا:) شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ذرّ سے، ذرّ نے ابن عبدالرحمٰن (بن ابزیٰ) سے، انہوں نے عبدالرحمٰن سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اُن کو حضرت عمارؓ نے کہا:.... اور پھر ساری حدیث بیان کی۔

۳۴۳: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

۳۴۳: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا کہا: غندر نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ذرّ سے، ذرّ نے ابن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ حضرت عمارؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور پھر اپنے منہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

تشریح: ایک مشہور اختلاف حل کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے پورے جزم و تاکید کے ساتھ باب کا عنوان قائم کیا ہے اور اس ضمن میں چھ راویوں کی سندیں پیش کی ہیں جو شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ تین تو موقوف ہیں اور تین مرفوع۔ پہلی پانچ روایتوں میں امام بخاریؒ اور شعبہ کے درمیان ایک راوی ہے اور چھٹی روایت میں دو۔ امام موصوفؒ کو اس قدر سندیں پیش کرنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمارؓ کی یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس سے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنے کا مسئلہ اخذ کیا جائے۔ کیونکہ انہی سے کہنیوں اور مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی روایتیں بھی نقل کی جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت عمارؓ کی وہ روایت قابلِ اعتماد ہے جس میں اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کی سند مضبوط ہے بلکہ اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بھی اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ آتا ہے۔

نیز قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ کہنیوں تک مسح ہو کیونکہ تیمّم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو میں ہم ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوتے ہیں۔ یہ دلیل ہے اُن علماء کی جو کہنیوں تک مسح کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر باوجود اِن تمام باتوں کے امام بخاریؒ حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ سابقہ باب میں یہ روایت بلحاظ مضمون کے ذرا تفصیل سے نقل کی گئی ہے اور اس باب میں اس کی چھ اور سندیں بیان کی گئی ہیں جن کا مضمون اس بارے میں متفق ہے کہ (یَکْفِیْکَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ) منہ اور ہاتھ کا مسح کرنا کافی ہے۔ دوسری روایت میں (جو نضر بن شمیل کے حوالہ سے منقول ہے) اس بات کی تصریح ہے کہ حکم نے نہ صرف ذرّ سے سنا بلکہ سعید بن عبدالرحمٰن سے بھی سنا۔ دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے: اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَآءِ۔

روایت نمبر ۳۴۰ میں نَفَخَ فِيْهِمَا کی بجائے تَفَلَ فِيْهِمَا ہے۔ تَفَلَ بلحاظ معنی کے نَفَخَ سے ذرا زیادہ قوت رکھتا ہے۔ نَفَخَ، نَفَثَ، تَفَلَ اور بَزَقَ (نیز بَصَقَ٭) کے الفاظ اپنے معانی میں ترتیب وار قوت رکھتے ہیں۔
(لسان العرب. تحت لفظ تفل)

غرض یہ سب روایتیں بعض جزوی اختلافات کے باوجود اِس بات پر متفق ہیں کہ صرف چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے۔

بَاب ٦ : اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ

پاکیزہ مٹی مسلمان کے لئے وضو کی قائم مقام ہے جو اُس کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّهُوَ مُتَيَمِّمٌ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ لَّا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا.

حسن (بصری) نے کہا کہ تیمّم اس کو اس وقت تک کام دیتا ہے جب تک کہ بے وضو نہ ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے امامت کی اور انہوں نے تیمّم کیا ہوا تھا۔ اور یحییٰ بن سعید نے کہا: شورہ زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمّم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

٣٤٤: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَّعَ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنَّآ أَسْرَيْنَا

۳۴۴: ہم سے مسدد نے بیان کیا کہا: یحییٰ بن سعید نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عوف نے ہم سے بیان کیا کہا: ابو رجاء نے حضرت عمرانؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور ہم رات کو چلے۔ جب رات کا آخری حصہ ہوا

٭ لفظ بَصَقَ لغت میں بَزَقَ کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب. تحت لفظ بصق)

حَتَّى إِذَا كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً وَّلَا وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ وَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيْهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ لَمْ يُوْقَظْ حَتَّى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيْدًا فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيْرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيْرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ قَالَ لَا ضَيْرَ أَوْ لَا يَضِيْرُ ارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّأَ وَنُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَّمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ

تو ہم ایسی نیند پڑ گئے کہ مسافر کے نزدیک اس سے زیادہ میٹھی اور کوئی نہ ہوگی۔ پھر ہمیں سورج کی گرمی ہی نے جگایا اور سب سے پہلے جو جاگا: فلاں تھا۔ پھر فلاں، پھر فلاں۔ ابو رجاء ان کا نام لیتے تھے مگر عوف بھول گئے۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ چوتھے تھے اور نبی ﷺ کو جب آپؐ سوتے نہ جگایا جاتا۔ یہاں تک کہ آپؐ خود ہی جاگتے۔ کیونکہ ہمیں پتہ نہ ہوتا کہ آپؐ کی نیند میں آپؐ کو کیا کچھ پیش آ رہا ہے۔ جب حضرت عمرؓ جاگے اور انہوں نے جو کچھ لوگوں پر گذرا تھا دیکھا؛ اور وہ دلیر آدمی تھے۔ انہوں نے اَللّٰہُ أَکْبَرُ کہا اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کی اور وہ اَللّٰہُ أَکْبَرُ کہتے رہے اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ اُن کی آواز سے جاگ پڑے۔ جب آپؐ جاگے تو لوگوں نے جو اُن کے ساتھ ہوا تھا اُس کی آپؐ کے پاس شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی ضرر نہیں۔ لَا ضَیْرَ فرمایا یا لَا یَضِیْرُ۔ کوچ کرو... اور آپؐ نے کوچ کیا۔ کچھ دُور نہیں گئے تھے کہ آپؐ اُترے اور وضو کا پانی منگوایا اور وضو کیا اور نماز کی منادی کی گئی اور آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب آپؐ اپنی نماز پڑھ کر پھرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے جو الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ اُس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس بات نے روکا ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھے جنابت ہوگئی ہے اور پانی نہیں۔ فرمایا:

وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيْهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ وَّدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيْحَتَيْنِ مِنْ مَّاءٍ عَلَى بَعِيْرٍ لَّهَا فَقَالَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوْفًا قَالَا لَهَا انْطَلِقِي إِذًا قَالَتْ إِلَى أَيْنَ قَالَآ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَ الَّذِي تَعْنِيْنَ فَانْطَلِقِيْ فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيْثَ قَالَ فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوِ السَّطِيْحَتَيْنِ وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوْا وَاسْتَقُوْا فَسَقَى مَنْ شَاءَ وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ وَكَانَ

مٹی کو لو؛ وہ تمہیں کافی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے اور لوگوں نے آپؐ کے پاس پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ اُترے اور کسی شخص کو بلایا۔ ابورجاء اس کا نام لیتے تھے اور عوف بھول گئے۔ اور حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا کہ تم دونوں جاؤ اور پانی ڈھونڈ کر لاؤ۔ اس پر وہ دونوں چل پڑے اور ایک عورت کو اپنے ایک اونٹ پر (سوار) پانی کے دو مشکیزوں یا دو پکھالوں کے درمیان (بیٹھے ہوئے) دیکھا۔ اور اُنھوں نے اس سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اُس نے کہا: میں نے پانی کل اس وقت دیکھا تھا اور ہمارے آدمی پیچھے ہیں۔ ان دونوں نے اس سے کہا: چلو۔ اُس نے کہا: کہاں؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ اس نے کہا: وہی جسے صابی کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: وہی ہے جو تمہاری مراد ہے۔ پس چلو۔ وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور آپؐ کو سارا واقعہ بتایا۔ حضرت عمرانؓ کہتے تھے کہ انہوں نے اس کو اُس کے اونٹ سے نیچے اُتارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا اور اس میں اُن دو مشکیزوں یا پکھالوں کے دہانوں سے پانی ڈالا اور ان کے اوپر کے دہانے تسمہ سے بند کر دیے اور نیچے کے دہانے چھوڑ دئے اور لوگوں میں منادی کی گئی: پیو، پلاؤ اور پانی لے لو۔ پس جس نے چاہا پیا، پلایا اور جس نے چاہا پانی لیا اور آخر یہ ہوا کہ آپؐ نے اُس شخص کو پانی کا برتن دیا جسے جنابت ہوگئی تھی

آخِرَ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِيْ أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَآءً مِّنْ مَّآءٍ قَالَ اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَآئِهَا وَايْمُ اللهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِّنْهَا حِيْنَ ابْتَدَأَ فِيْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوْا لَهَا فَجَمَعُوْا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَّدَقِيْقَةٍ وَّسَوِيْقَةٍ حَتَّى جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوْهَا فِي ثَوْبٍ وَّحَمَلُوْهَا عَلَى بَعِيْرِهَا وَوَضَعُوْا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا قَالَ لَهَا تَعْلَمِيْنَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَّائِكِ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِيْ أَسْقَانَا فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوْا مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِيْ رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَآءِ تَعْنِي السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ ذٰلِكَ يُغِيْرُوْنَ عَلَى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا يُصِيْبُوْنَ

اور فرمایا: جاؤ اور اِسے اپنے اُوپر ڈال لو اور وہ؛ جو کچھ اُس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا؛ کھڑی دیکھ رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اُن پکھالوں سے لوگ ایسی حالت میں ہٹے کہ ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سے بھی زیادہ بھری ہوئی ہیں کہ جب آپؐ نے ان سے پانی لینا شروع کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کچھ اکٹھا کرو تو اس کے لیے کچھ خشک کھجوریں اور کچھ آٹا اور کچھ ستو اکٹھے کئے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے بہت سی خوراک جمع کر دی اور ایک کپڑے میں ڈال کر اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کیا اور وہ کپڑا اُس کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ بھی کم نہیں کیا ہے۔ لیکن اللہ ہی ہے جس نے ہمیں پلایا ہے اس کے بعد وہ اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور وہ اُن سے رُکی رہی تھی۔ کہنے لگے: اے فلانی! تجھے کس چیز نے روکا تھا۔ کہنے لگی: عجیب بات ہوئی۔ مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اُس (شخص) کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے اور اُس نے اللہ کی قسم ایسا ایسا کیا اور وہ اِس اور اُس کے درمیان تمام لوگوں سے بڑھ کر جادوگر ہے اور اپنی درمیانی انگلی اور سَبَّابَہ یعنی انگوٹھے کے پاس والی انگلی سے نیچے کو اشارہ کیا اور پھر ان دونوں کو اوپر کو اُٹھایا اور اس کی مراد آسمان وزمین تھے۔ یا یہ کہ وہ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اس عورت کے اردگرد مشرکوں پر حملہ کرتے

الصِّرْمَ الَّذِيْ هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِّقَوْمِهَا مَا أَرَى أَنَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدْعُوْنَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَّكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ صَبَأَ خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلَى غَيْرِهِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ (البقرة: ٦٢) ـــ وَفِي النُّسْخَةِ الصَّابِئُوْنَ ـــ فِرْقَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ ، {☆ أَصْبُ (يوسف: ٣٤) أَمِلْ}.

اور جس قبیلہ سے وہ تھی اس کو نقصان نہ پہنچاتے۔ ایک دن اس نے اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو عمداً چھوڑتے ہیں۔ پس کیا تمہیں اسلام میں داخل ہونے کی خواہش ہے؟ اس پر انہوں نے اس کی بات مان لی اور وہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ابوعبداللہؒ نے کہا: صَبَأَ کے معنی ہیں ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں چلا گیا اور ابوالعالیہ نے کہا: الصَّابِئِيْنَ اور ایک نسخہ کے مطابق الصَّابِئُوْنَ کہا۔ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھا کرتے تھے۔ {☆ (سورۂ یوسف آیت ۳۴ میں جو) اَصْبُ (آیا ہے اس کے معنی ہیں) جھک جاؤں گا۔}

تشریح: اس باب میں چار مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ صَعِيْدًا طَيِّبًا سے کیا مراد ہے آیا مطلق مٹی یا وہ تمام اشیاء بھی مراد ہیں جو زمین کے اجزاء ہیں جیسے پتھر، کنکریاں، ریت، چونا وغیرہ؟

دوسرا یہ کہ آیا کہ ہر نماز کے لئے تیمّم دُہرایا جائے یا جب تک بے وضو نہ ہو نمازیں ایک ہی وضو کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟

تیسرا یہ کہ کیا تیمّم کر کے امامت کر سکتا ہے؟

چوتھا یہ کہ صَعِيْد کے اگر لغوی معنی مراد لئے جائیں تو پھر شورہ زمین پر تیمّم کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ صَعِيْد اس زمین کو کہتے ہیں جس میں شورہ وغیرہ موادنہ ہوں۔ (لسان العرب. تحت لفظ صعد. المجلد الرابع. صفحه۲۴۴۶)

چوتھے اور پانچویں باب میں حضرت عمارؓ کی روایت میں الفاظ فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ لفظِ صَعِيْد کی تشریح کرتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق سطح زمین ہے۔ نیز یہ حدیث (نمبر ۳۳۵) بھی اس کی تشریح کرتی ہے: جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا. امام شافعیؒ کے سوا باقی ائمہ اس مسئلہ میں وسعت سے کام لیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے تو چونے وغیرہ سے تیمّم کرنا بھی جائز قرار دیا ہے۔
(بداية المجتهد. كتاب التيمم. الباب الخامس فيما تصنع به هذه الطهارة. الجزء الاوّل. صفحه۶۸)

دوسرے مسئلہ کے متعلق اس روایت (نمبر ۳۴۴) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **پانی ملنے پر تیمّم باطل ہو جائے گا۔** جیسا کہ پانی ملنے پر آپؐ نے جنبی کو نہانے کے لئے فرمایا اور اگر پانی نہ ملتا تو تیمّم اس کے لئے ویسے ہی طہور تھا جیسے پانی۔

تیسرا مسئلہ بھی اسی سے اَخذ کیا ہے۔ یعنی جب تیمّم پانی کا قائم مقام ہے اور مسلمان کی وہی ضرورت پوری کرتا ہے جو پانی کرتا ہے تو پھر **امامت کرنی بھی جائز ہے** اور اس کے ذریعہ حالتِ جنابت میں بھی معنوی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ الفاظ ''اَصْبُ-أَمِلْ'' نسخہ انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزءاول حاشیہ صفحہ ۵۸۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ چار مسائل اس اصل کے ماتحت حل کئے ہیں: اَلصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ یَکْفِیْهِ مِنَ الْمَآءِ. چونکہ ترمذی کی مشارالیہا روایت ان کی شرط کے مطابق نہ تھی، اِس لئے یہ لمبی روایت لائے ہیں جس کے الفاظ عَلَیْکَ بِالصَّعِیْدِ فَاِنَّهٗ یَکْفِیْکَ ترمذیؒ کی روایت کے ہم معنی ہیں۔ بعض علماء تیمّم کو وضو کا تو قائم مقام سمجھتے ہیں مگر غسل کا نہیں۔ سابقہ روایات میں اس بات کی طرف اشارہ گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سائل کو جو جنبی تھا یہ فتویٰ دیا تھا کہ نماز نہ پڑھو اور حضرت عمارؓ نے ان کو اپنا واقعہ سنایا۔ حضرت عمرؓ بھی جنبی ہو گئے تھے اور انہوں نے تیمّم کر کے نماز نہیں پڑھی۔ (دیکھئے روایت نمبر ۳۳۸ نیز تشریح باب ۴) اس روایت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کر کے اس مذہب کی تائید کی ہے جس کی رو سے جنبی بھی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

بَاب ۷

إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ

جب جنبی اپنی جان پر بیماری یا موت سے ڈرے یا پیاس سے ڈرے تو وہ تیمّم کر لے

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء: ۳۰) **فَذُكِرَ {ذٰلِكَ [۱]} لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ.**

اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ ایک ٹھنڈی رات میں جنبی ہوئے تو انہوں نے تیمّم کر لیا اور یہ آیت پڑھی: وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ ... یعنی اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اِس کا[۱]) ذکر کیا گیا تو آپؐ نے انہیں ملامت نہیں کی۔

۳۴۵: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ أَبُو مُوْسَى لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لَا يُصَلِّيْ قَالَ عَبْدُ اللهِ {نَعَمْ [۲] إِنْ لَّمْ أَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا لَّمْ أُصَلِّ} لَوْ رَخَّصْتُ

۳۴۵: ہم سے بشر بن خالد نے بیان کیا کہا: محمد غندر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان سے، سلیمان نے ابووائل سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ جب پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا: {ہاں۔ اگر میں مہینہ بھر پانی نہ پاؤں تو نماز نہ پڑھوں[۲]} اگر میں انہیں اس کے

[۱] لفظ "ذٰلِکَ" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۸۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

[۲] الفاظ "نَعَمْ اِنْ لَّمْ اَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا لَّمْ اُصَلِّ" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۸۹)

لَهُمْ فِي هَذَا كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُهُمُ الْبَرْدَ قَالَ هَكَذَا يَعْنِيْ تَيَمَّمَ وَصَلَّى قَالَ قُلْتُ فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ قَالَ إِنِّي لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.

متعلق اجازت دے دیتا تو نوبت یہاں تک پہنچتی کہ جب اِن میں سے کوئی سردی محسوس کرتا تو وہ اسی طرح کر لیتا یعنی تیمّم کرتا اور نماز پڑھ لیتا۔ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ حضرت عمارؓ کی وہ بات کہاں جائے گی جو اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عمارؓ کی بات پر وہ مطمئن ہوگئے۔

٣٤٦: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوْسَى فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوْسَى أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَا يُصَلِّيْ حَتَّى يَجِدَ الْمَاءَ فَقَالَ أَبُو مُوْسَى فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِيْنَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيْكَ قَالَ أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذَلِكَ فَقَالَ أَبُو مُوْسَى فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَذِهِ الْآيَةِ فَمَا دَرَى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُوْلُ فَقَالَ إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ فَقُلْتُ لِشَقِيْقٍ

۳۴۶: ہم سے عمر بن حفص نے بیان کیا کہا: میرے باپ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اعمش نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میں نے شفیق بن سلمہ سے سنا، کہتے تھے: میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس تھا تو حضرت ابوموسیٰؓ نے ان سے کہا: عبدالرحمٰن کے باپ! بھلا بتائیں کہ جب جنبی ہو اور پانی نہ پائے تو وہ کیا کرے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا: نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ پانی پالے۔ تو حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: آپؓ حضرت عمارؓ کی بات کو کیا کریں گے؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں (تیمّم ہی) کافی تھا۔ انہوں نے کہا: کیا تم نے حضرت عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ وہ اس بات پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: حضرت عمارؓ کی بات رہنے دو۔ اس آیت کو تم کیا کرو گے؟ تو حضرت عبداللہؓ کو کچھ نہ سوجھا کہ کیا جواب دیں تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم ان کو اس کے متعلق اجازت دے دیں تو قریب ہے کہ جب کسی کو پانی ٹھنڈا لگے تو وہ اسے چھوڑ دے اور تیمّم کر

لے۔اس پر میں نے شقیق سے کہا: تو پھر حضرت عبداللہؓ نے صرف اس وجہ سے ناپسند کیا؟ کہا: ہاں۔ فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُاللهِ لِهَذَا قَالَ نَعَمْ.

تشریح: عنوان باب میں حضرت عمروؓ بن عاص کا جوحوالہ دیا ہے، وہ ابوداوُدؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے موصولاً نقل کیا ہے۔
(سنن ابی داؤد. کتاب الطهارة. باب اذا خاف الجنب البرد أيتيمم)
(مستدرک حاکم. کتاب الطهارة. باب عدم الغسل للجنابة فی شدة البرد)

ذات السلاسل کی لڑائی کے اثناء میں ایک سرد رات ان کو احتلام ہوا تو تیمّم کر کے انہوں نے نماز پڑھائی۔ان کو ڈر ہوا کہ کہیں نہانے سے بیمار نہ ہو جائیں۔ان کے ساتھیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔آپؐ نے ان سے پوچھا: توانہوں نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. (النساء: ۳۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اوران سے کچھ نہیں کہا۔یہ واقعہ ہے جس کی طرف امام موصوفؒ نے عنوان باب میں اشارہ کر کے اس مسئلہ کی تائید میں دو روایتیں پیش کی ہیں جو دو مختلف فتووں پر مشتمل ہیں۔ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ جو حالت جنابت میں تیمّم کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور دوسرا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا جو حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت کی بناء پر جنبی کے لئے تیمّم کرنا جائز سمجھتے تھے۔اثناء بحث میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً ا فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (المائدة: ۷) یعنی یہ آیت تو حدثِ اصغر یا حدثِ اکبر کی تخصیص نہیں کرتی بلکہ علی الاطلاق جنبی کو بھی پانی نہ ملنے پر تیمّم کی اجازت دیتی ہے۔ایسا ہی بیمار اور مسافر کو بھی اور وہ شخص جس کو سرد پانی سے اپنے بیمار ہو جانے کا ڈر ہو وہ بھی قیاساً بیماروں میں ہی شامل ہے۔نیز وہ شخص بھی جس کے پاس صرف پینے کے لئے پانی ہو اگر اُس سے وہ وضو کرتا ہے تو موت کا سامنا ہے۔اگلے باب میں بھی اسی کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جنبی کے متعلق سوال کیا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے لئے تیمّم کرنے کی اجازت نہیں دی۔صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جب یہ اختلاف پیدا ہوا تو وہ دو گروہ تھے۔ایک حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا اور دوسرا حضرت عمروؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کا۔باعتبارِ استدلال کے ثانی الذکر گروہ کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔اِسی وجہ سے علمائے جمہور نے اسی گروہ کا فتویٰ قبول کیا ہے۔حضرت عمرؓ واقعہ بھول گئے ہیں اوران کا یہ بھولنا حجت نہیں ہوسکتی اور حضرت ابن مسعودؓ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً ا فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدة:۷) {ترجمہ: اور اگر تم جنبی ہو تو (پورا غسل کر کے) اچھی طرح پاک صاف ہو جایا کرو۔اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو۔یا تم نے عورتوں سے تعلق قائم کیا ہو اور اس حالت میں تمہیں پانی نہ ملے تو خشک پاکیزہ مٹی کا تیمّم کرو۔} سن کر لاجواب ہو گئے۔کیونکہ اس آیت میں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں حالتوں میں پانی نہ ملنے پر تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔غرض امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر جہاں تیمّم کے متعلق دو نئے مسئلے بیان کیے ہیں وہاں سابقہ بابوں کے مضمون کی تائید میں مزید ثبوت بھی پیش کیا ہے۔

بَاب٨: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

تیمّم ایک ہی بار (ہاتھ) مارنے سے ہوجاتا ہے

٣٤٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَّعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوْسَى لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّيْ فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فِي سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدة:٧) فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوْا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَّتَيَمَّمُوْا الصَّعِيْدَ قُلْتُ وَ إِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ أَبُو مُوْسَى أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِّعُمَرَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ

۳۴۷: ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا کہا: ابومعاویہ نے ہمیں بتلایا انہوں نے اعمش سے، اعمش نے شقیق سے روایت کی کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوموسیٰؓ نے ان سے کہا: اگر ایک شخص جنبی ہو اور وہ مہینہ بھر پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمّم نہیں کرے گا اور نماز نہیں پڑھے گا۔ پھر تم سورۂ مائدہ کی اس آیت کو کیا کرو گے (فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً) اور تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے کہا: اگر انہیں اس کی اجازت دی گئی تو قریب ہے کہ جب ان کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ مٹی کا ہی قصد کریں گے۔ میں نے کہا: تو آپؓ نے اس کو صرف اس لئے برا منایا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: کیا حضرت عمارؓ کی بات آپؓ نے نہیں سنی جو انہوں نے حضرت عمر (بن خطابؓ) سے کہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا اور میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہ ملا۔ اس لئے میں مٹی میں لوٹا جیسا کہ چارپایہ لوٹتا ہے۔ پھر میں نے نبی ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: تمہارے لئے صرف یہی کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے اور آپؐ نے اپنے دونوں

يَكْفِيْكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا فَضَرَبَ بِكَفِّهِ☆ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ وَّزَادَ يَعْلَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوْسَى فَقَالَ أَبُو مُوْسَى أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِّعُمَرَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِيْ أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيْدِ فَأَتَيْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هَكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً.

ہاتھ☆ زمین پر ایک بار مارے پھر انہیں جھاڑا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے مسح کیا، اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی ہتھیلی کی پشت پر یا اپنی ہتھیلی سے اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر۔ پھر ان دونوں سے اپنے منہ پر مسح کیا؟ تو حضرت عبداللہؓ نے کہا: کیا آپؓ نے حضرت عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ وہ حضرت عمارؓ کی بات سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ اور یعلی نے اعمش سے، اعمش نے شقیق سے روایت کرتے ہوئے یہ بات زائد بیان کی ہے کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ تھا تو حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: کیا آپؓ نے حضرت عمارؓ کو حضرت عمرؓ سے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور آپؓ کو بھیجا تھا اور میں جنبی ہو گیا تھا تو میں مٹی میں لوٹا۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپؐ کو یہ بات بتلائی تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کافی تھا اور آپؐ نے اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

تشریح: آٹھویں باب کا عنوان بھی ایک اختلافی مسئلہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔ جن علماء نے وضو پر تیمم کا قیاس کیا ہے انہوں نے دو بار زمین پر ہاتھ مارنا ضروری سمجھا ہے ایک بار منہ پر مسح کرنے کے لئے اور دوسری بار ہاتھوں پر۔ جمہور کا یہی مذہب ہے یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہم کا۔
(بداية المجتهد. كتاب التيمم. الباب الرابع. المسئلة الثانية اختلف العلماء فى عدد الضربات)
مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی قیاس پر حضرت عمارؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ارشادِ نبویؐ اس بارے میں واضح ہے۔ امام موصوفؒ مسائل فقہیہ میں بموجب ارشاد نبوی يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا سہولت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہے کہ آپؐ سہولت کے پہلو کو اختیار کیا کرتے تھے۔

☆ لفظ ”بِكَفِّهِ“ کے علاوہ ”بِكَفَّيْهِ“ کے الفاظ سے بھی یہ روایت آتی ہے۔ (عمدۃ القاری جزء چہارم صفحہ ۳۷) ترجمہ بِكَفَّيْهِ کے مطابق ہے۔

بَاب ۹

۳٤۸: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا مُّعْتَزِلًا لَّمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ.

۳۴۸: ہم سے عبدان نے بیان کیا کہا: عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عوف نے ہمیں بتلایا کہ ابورجاء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت عمرانؓ بن حصین خزاعی نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو الگ تھلگ بیٹھے دیکھا، اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تو آپؐ نے کہا: اے فلاں! جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے تم کو کس بات نے روکا ہے؟ تو اس نے کہا: یارسول اللہ! میں جنبی ہوں اور پانی نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: مٹی لو، وہ تمہاری ضرورت کو پورا کردے گی۔

تشریح: امام بخاریؒ نے باب کا عنوان قائم نہیں کیا اور اس میں وہی حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت نقل کی ہے جو باب ٦ میں گذر چکی ہے۔ یہ اس لئے کیا ہے کہ تا یہ امر واضح کردیں کہ ساتویں اور آٹھویں باب کا تعلق درحقیقت اسی باب کے مضمون سے ہے اور یہ کہ حضرت عمرانؓ اور حضرت عمارؓ کی روایتیں باعتبارِ صحت نقلاً و عقلاً نہایت مستند اور ہر قسم کی جرح سے بالا ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث کے متعلق فقہاء کے اختلافات کو اگر دیکھا جائے تو امام موصوفؒ کی جدوجہد کی حقیقت کا پورا پورا علم ہوسکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدایة المجتهد. كتاب التيمم. الباب الرابع نیز الباب الخامس، الجزء الاوّل. صفحه٦٦۔ ٦٨)

باب ٦ میں ایک اصل قائم کرکے جن چار اختلافی مسائل کا ذکر کیا گیا تھا وہ مابعد کے بابوں میں پوری وضاحت اور ثبوت کے ساتھ حل کئے گئے ہیں۔ آٹھویں باب کی روایت کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں: **قُلْتُ وَ اِنَّمَا کَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ نَعَمْ.** یعنی حضرت ابن مسعودؓ نے جنبی کا بغیر نہانے کے نماز پڑھنا اس لئے مکروہ سمجھا ہے کہ لوگ پھر تیمّم کرکے نماز پڑھا کریں گے۔ یہ توجیہہ شرعی نہیں بلکہ محض ایک ذاتی خیال ہے جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نظرانداز نہیں کی جاسکتی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الصَّلوٰة

بَاب ۱ : كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَوَاتُ فِي الْإِسْرَاءِ

نمازیں معراج میں کس طرح فرض کی گئیں؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ فِي حَدِيْثِ هِرَقْلَ فَقَالَ يَأْمُرُنَا - يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ.

اورحضرت ابن عباسؓ نے کہا: ہرقل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابوسفیانؓ نے مجھے بتلایا۔ کہا: ہمیں وہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور سچائی اور بدی سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔

۳۴۹: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِي ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّإِيْمَانًا فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ لِخَازِنِ

۳۴۹: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ہی تھا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور جبرائیل اُترے اور انہوں نے میرے سینے کو کھولا۔ پھر اسے آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر وہ ایک سونے کا طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا۔ پھر اسے بند کردیا پھر میرا ہاتھ لیا اور سب سے ورلے آسمان کی طرف مجھے اٹھا کر لے گئے جب میں ورلے آسمان پر پہنچا تو جبرائیلؑ نے آسمان کے محافظ سے کہا:

السَّمَاءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا جِبْرِيْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَّعِيَ مُحَمَّدٌ ﷺ فَقَالَ أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلَى يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ وَّعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا آدَمُ وَهَذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَّمِيْنِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى حَتَّى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ فَفَتَحَ قَالَ أَنَسٌ فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمَوَاتِ آدَمَ وَإِدْرِيْسَ وَمُوْسَى وَعِيْسَى وَإِبْرَاهِيْمَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَإِبْرَاهِيْمَ فِي

کھولو۔ تو اس نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: جبرائیلؑ۔ اس نے کہا: کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ کہا: ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس نے کہا: کیا ان کو بلوا بھیجا ہے؟ کہا: ہاں۔ پس جب اس نے کھولا تو ہم ورلے آسمان کے اوپر گئے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اس کے دائیں طرف بھی بہت سے آدمی ہیں اور بائیں طرف بھی بہت سے آدمی ہیں۔ جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب اپنے بائیں طرف دیکھتا تو روتا۔ اس نے کہا: اس نیک نبی اور اس نیک بیٹے کا آنا خوشی سے ہو۔ جبرائیلؑ سے میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آدمؑ ہیں اور یہ لوگ جو اس کے دائیں اور بائیں طرف ہیں یہ اس کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی ہیں اور وہ لوگ جو اِن کی بائیں طرف ہیں دوزخی ہیں۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب وہ بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ اسی اثناء میں وہ مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے اور اس کے محافظ سے کہا: کھولو۔ اور اس کے محافظ نے بھی اُن سے اسی طرح کہا جس طرح کہ پہلے نے کہا تھا۔ تب اس نے کھول دیا۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ (حضرت ابوذرؓ نے) ذکر کیا کہ آپؐ نے آسمانوں میں حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ کو پایا۔ اور انہوں نے معین طور پر بیان نہیں کیا کہ ان کے مقامات کیسے تھے۔ سوائے اس کے کہ

السَّمَاءِ السَّادِسَةِ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيْلُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِدْرِيْسَ قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا إِدْرِيْسُ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا مُوْسَى ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا عِيْسَى ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا إِبْرَاهِيْمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّ أَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَرَجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْأَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللهُ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِيْنَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوْسَى فَقَالَ مَا فَرَضَ اللهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ قُلْتُ

انہوں نے یہ ذکر کیا کہ آپؐ نے حضرت آدمؑ کو سب سے نچلے آسمان میں اور حضرت ابراہیمؑ کو چھٹے آسمان میں پایا۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ جب جبرائیلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ادریسؑ کے پاس سے لے کر گزرے تو انہوں نے کہا: خوشی سے آئیں یہ نیک نبی اور نیک بھائی۔ تو میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ جبرائیلؑ نے کہا: یہ ادریسؑ ہیں۔ پھر میں حضرت موسیٰؑ کے پاس سے گزرا۔ اور انہوں نے کہا کہ خوشی سے آئیں یہ نیک نبی اور نیک بھائی۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: موسیٰؑ ہیں۔ پھر میں حضرت عیسیٰؑ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے کہا: خوشی سے آئیں یہ نیک بھائی اور نیک نبی۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عیسیٰؑ ہیں۔ پھر میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے کہا: خوشی سے آئیں یہ نیک نبی اور نیک بیٹا۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابن شہاب نے کہا: مجھے ابن حزم نے بتلایا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوحبہ انصاریؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اوپر لے گئے۔ اور آخر میں ایک بلند ہموار جگہ پر چڑھا جہاں میں قلموں کے لکھنے کی آواز سنتا تھا۔ ابن حزم اور حضرت انس بن مالکؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں مقرر کیں اور اس حکم کو لے کر میں واپس لوٹا۔ جب میں حضرت موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو اُنہوں نے پوچھا: آپؐ کی امت پر اللہ تعالیٰ

فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذَلِكَ فَرَاجَعَنِيْ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوْسَى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذَلِكَ☆ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذَلِكَ فَرَاجَعْتُهُ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوْسَى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِي حَتَّى انْتَهَى بِي إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَّا أَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيْهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ.

نے آپؐ کے لیے کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ تو انہوں نے کہا: اپنے ربّ کے پاس لوٹ جائیں کیونکہ آپؐ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ اس پر میں نے واپس جا کر نظر ثانی کے لئے کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں سے نصف کم کر دیں اور میں حضرت موسیٰؑ کی طرف لوٹا اور میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نصف کم کر دی ہیں تو انہوں نے کہا: اپنے ربّ سے جا کر دوبارہ کہیں کیونکہ آپؐ کی اُمت (اس کی ☆) طاقت نہیں رکھے گی۔ اس پر میں نے جا کر دوبارہ عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے آدھی کم کر دیں۔ پھر میں ان کی طرف واپس آیا اور انہوں نے کہا: اپنے ربّ کے پاس واپس جائیں کیونکہ آپؐ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دوبارہ عرض کی تو فرمایا: وہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی ہیں۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی۔ تب میں حضرت موسیٰؑ کے پاس لوٹ آیا اور انہوں نے کہا: جائیں اپنے رب سے پھر کہیں۔ میں نے کہا: اب میں اپنے رب سے شرما گیا ہوں۔ پھر جبرائیلؑ مجھے لے کر چل پڑے اور آخر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور کئی رنگوں نے سدرہ المنتہیٰ کو ڈھانپا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی؟ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں موتیوں کی لڑیاں ہیں اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی مٹی کستوری ہے۔

☆ لفظ "ذَلِکَ"، نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۵۹۶) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَوَاتُ:** کتاب الصلوٰۃ کسی آیت کا حوالہ دینے کے بغیر شروع کی گئی ہے جس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں کہ نماز کب اور کس طرح فرض کی گئی تھی۔ روایت مذکورہ بالا صرف مشروعیّت نماز کی تاریخ بتلانے کے لئے لائی گئی ہے۔ اسی لئے عنوانِ باب میں حضرت ابوسفیانؓ کی روایت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ قریش مکہ میں سے تھے اور کفر کی حالت میں ہرقل کے سامنے انہوں نے بیان کیا: **يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں ہی نماز کا حکم نازل ہوا تھا۔ روایت نمبر ۳۴۹ کے الفاظ **وَاَنَا بِمَكَّةَ** بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ معراج جس میں مشروعیتِ نماز کی کیفیت مذکور ہے؛ آپؐ کو مکہ معظّمہ میں ہوا تھا۔

مَرْحَباً بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. بِالْإِبْنِ الصَّالِحِ . بِالْاَخِ الصَّالِحِ: قرآن مجید میں انبیاء کو صالح اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ حیاتِ اُخرویہ میں مزید ترقی کرنے کی پوری پوری صلاحیت اور قابلیت رکھتے ہیں۔ صالح کے معنے قابل، مناسب۔ (المنجد فی اللغة. تحت لفظ :صلح) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ (البقرة:۱۳۱){اور یقیناً آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوگا۔}

هِيَ خَمْسٌ وَّ هِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّ لُ الْقَوْلُ لَدَيَّ: یعنی نمازیں باعتبارِ عدد کے تو پانچ ہیں اور باعتبارِ ثواب کے پچاس۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. (الأنعام : ۱۶۱) {ترجمہ: جو نیکی کرے تو اس کے لیے اس کا دس گنا اجر ہے۔}

جس **سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى** تک آپؐ پہنچے ہیں اس کا ذکر سورۂ نجم میں بھی آتا ہے۔ روایت نمبر ۳۴۹ کے الفاظ **وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَآ اَدْرِيْ مَاهِيَ** اور **ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ** کا مقابلہ سورۂ نجم کے الفاظ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى. عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى. اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰى (النجم:۱۵-۱۷){ترجمہ: آخری حدّ پر واقع بیری کے پاس۔ اس کے قریب ہی پناہ دینے والی جنت ہے۔ جب بیری کو اس نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔} سے کریں تو اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ معراج وہی ہے جس کی طرف سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ آیت وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى(النجم: ۱۴-۱۵) {جبکہ وہ اسے ایک اور کیفیت میں بھی دیکھ چکا ہے۔ آخری حد پر واقع بیری کے پاس} بتلاتی ہے کہ یہ معراج دوسرا ہے اور جس معراج کا ذکر ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم:۹-۱۰){پھر وہ نزدیک ہوا۔ پھر وہ نیچے اُتر آیا۔ پس وہ دو قوسوں کے وَتر کی طرح ہوگیا یا اس سے بھی قریب تر۔} میں کیا گیا ہے، وہ اور معراج ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نجم کے نازل ہونے سے پہلے **سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى** والا معراج ہو چکا تھا اور یہ سورۃ ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں بھی عبادت کی تاکید ان الفاظ میں کی گئی ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (النجم:۶۳){ پس اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ اور عبادت کرو } غرض روایت مذکورہ بالا کو سورۂ نجم کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ **نماز کا حکم مکی زندگی کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوا تھا۔**

اِسراء اور معراج الگ الگ واقعات ہیں: امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں اس معراج کے لئے اِسراء کا حوالہ

غالباً اس طرف اشارہ کرنے کے لئے دیا ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل مکی زندگی کے آخری حصہ میں نازل ہوئی تھی اور نماز کا حکم اس سے بہت پہلے نازل ہو چکا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج متعدد بار ہوا ہے اور ان معراجوں کے متعلق روایات آگے آئیں گی۔ نیز ان کے متعلق بحث اپنے موقع و محل پر ہوگی۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

یہاں روایت نمبر ۳۴۹ کا تعلق صرف نماز کی مشروعیت اور اس کی کیفیت بیان کرنے سے ہے۔ احادیث نبویہ میں نماز مومن کا معراج قرار دی گئی ہے۔ (دیکھئے شرح سنن لابن ماجه للسيوطی. کتاب الزهد. باب الامل والاجل) ابتدائی شرط ظاہری پاکیزگی ہے۔ اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کر کے اس کو پاک وصاف کیا گیا اور پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھرا گیا۔ اس کے بعد آپؐ کی روحانی سیر شروع ہوتی ہے۔ گویا تزکیہ اس روحانی سیر کی پہلی منزل تھی۔ تمام انبیاء کو ان کی باطنی پاکیزگی اور حکمت و ایمان کی وجہ سے تقریباً اسی قسم کا روحانی معراج نصیب ہوا۔ معراج کے معنے اوپر چڑھنا، ترقی کرنا۔ (لسان العرب تحت لفظ عرج)

اس روحانی ترقی میں ہر ایک نبی کا جدا جدا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی ہر نبی پر اس کے اپنے ہی مقام میں اس کے مناسب حال ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ تھے اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے بھی علیحدہ علیحدہ مقامات تھے جو راوی کو بھول گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ معراج تھا اور اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ ہم کلامی کا شرف پانے کے بعد جبرائیلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سِدْرَۃُ الْمُنْتَهٰی تک لے گئے۔

غَشِيَهَا اَلْوَانٌ: لَوْنٌ کے معنی ہیئت، نوعیت، کیفیت۔ (لسان العرب تحت لفظ لون) یعنی وہاں کچھ ایسی کیفیتیں تھیں کہ آپؐ کو **لَا اَدْرِیْ** کا اقرار کرنا پڑا۔ اور یہ وہ انتہائی مقامِ ترقی تھا جہاں پہنچ کر بشری طاقتیں جواب دے بیٹھتی ہیں اور عقل حیران و دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ کیا شانِ الوہیت ہے۔ اسی وجہ سے اس مقام کو سِدْرَۃُ الْمُنْتَهٰی کہا گیا ہے۔ **سِدْرٌ** کے معنی حیرانگی، نگاہ کا چکا چوند ہونا۔ (لسان العرب تحت لفظ سدر) گویا سِدْرَۃُ الْمُنْتَهٰی انتہائی مشکلات کا مقامِ ابتلاء ہے جس کے ساتھ انتہائی ترقیات وابستہ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ دوربین بوجہ اس کے کہ آپؐ کو شَدِیْدُ الْقُوٰی نے سکھلایا تھا، مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم: ۱۸) اس مقام پر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔ اپنے مقصدِ اعلیٰ کو ایک ستارہ کی طرح چمکتے ہوئے سامنے دیکھتی رہی۔ آپؐ کی فطرت ساتویں آسمان یعنی اپنے مقامِ معراج پر پہنچ کر اس کے اُوپر بھی پرواز کرنے کی جدوجہد کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس روایت کا۔

آیا یہ نظارہ جسمانی تھا یا روحانی؟... اس کے متعلق آئندہ بحث کی جائے گی۔ یہاں قارئین کو ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھولی گئی۔ جب یہ نظارہ ختم ہوا تو کیا چھت فی الحقیقت کھولی ہوئی تھی؟ وہ طشت جو ایمان و حکمت سے بھرا گیا تھا کس قسم کا تھا؟ اور آیا ایمان اور حکمت روحانی چیزیں ہیں یا جسمانی؟

۳۵۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ.

۳۵۰: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے صالح بن کیسان سے۔ صالح نے عروہ بن زبیر سے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ ام المؤمنین سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز جب مقرر کی تو دو دو رکعتیں حضر اور سفر میں مقرر کی تھیں پھر سفر کی نماز برقرار رکھی گئی۔ اور حضر کی نماز بڑھائی گئی۔

تشریح: سابقہ روایت میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے۔ یہ روایت بتلاتی ہے کہ نماز فریضہ دو دو رکعتیں تھیں اور پھر حضر میں نماز بڑھا دی گئی۔ مگر قرآن مجید اس کے برخلاف فرماتا ہے: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ... (النساء:۱۰۲) یعنی حضر کی نماز بڑھائی نہیں گئی بلکہ وہ تو جیسی تھی ویسی رہی۔ البتہ سفر کی نماز کم کرنے کی اجازت دی گئی۔ حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کی ایک روایت اس اعتراض کو اور بھی مضبوط کرتی ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے بھی تعجب ہوا تھا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔ (مسلم. کتاب صلاة المسافرين. باب صلاة المسافرين وقصرها:۱۱۰۸) یعنی یہ عطا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کی ہے۔ پس تم اللہ کی عطا کو قبول کرو۔

ایسا ہی ابوقلابہ کی بھی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلٰوةِ. (نسائی. كتاب الصيام. باب ذكر اختلاف معاوية بن سلام: ۲۲۳۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے مسافر کو روزے اور آدھی نماز سے رخصت دی ہے۔

ان روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل نماز چار رکعتیں تھیں اور نماز سفر میں تخفیف کی گئی۔ بعض شارحینؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مذکورہ بالا مرفوع نہیں اور جب نماز فرض کی گئی تو اس وقت وہ موجود نہ تھیں۔ نہ معلوم کسی سے انہوں نے سنا ہے یا خود قیاس کیا ہے جو صحیح نہیں۔ (فتح الباری۔ جزء اول صفحہ ۶۰۲) مگر یہ جواب خود غلط ہے۔ صحابی کی مرسل روایت بھی حجت سمجھی جاتی ہے۔ کتاب المناقب میں بھی حضرت عائشہؓ کی یہی روایت معمر اور زہری کی سند سے نقل کی گئی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَفُرِضَتْ أَرْبَعاً وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْاُوْلٰى. (بخاری كتاب المناقب. باب التاريخ من اين أرخوا التاريخ: ۳۹۳۵) یعنی ہجرت سے پہلے نماز مفروضہ دو رکعت تھی۔ پھر ہجرت کے بعد چار رکعتیں ہوئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر رہنے دی گئی۔ اس

روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضر اور سفر کی نمازوں میں تمیز ہجرت کے بعد اُس وقت کی گئی کہ جب نماز چار رکعتیں فرض ہوئی۔ اس سے پہلے نماز میں حضر و سفر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قصرِ صلوٰۃ کا حکم چوتھی ہجری میں نازل ہوا تھا۔

ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں نماز دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھی جبکہ بیت المقدس قبلہ تھا۔ یہودیوں میں روزانہ دو ہی نمازیں تھیں؛ صبح اور شام۔ (بائبل: ا۔ تواریخ، باب ۲۳، آیت ۱۳) ان کی نماز زیادہ تر قربانی اور دعاؤں پر مشتمل تھی۔ نہ ان میں اسلامی رکوع ہوتا اور نہ سجدہ۔ کھڑے ہو کر اپنی عبادت ادا کرتے تھے اور درمیان میں کبھی کبھی سر اور سینہ خفیف سا جھکا لیتے تھے۔

مگر شارعِ اسلام نے ابتداء میں دو رکعتیں بمعہ رکوع اور سجود نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور یہ مخصوص طریقہ نماز آپؐ کو اسی معراج میں بتلایا گیا تھا۔

امام بخاریؒ کا مقصد اس روایت سے قصرِ صلوٰۃ کا مسئلہ بیان کرنا نہیں۔ اس کا ذکر ابواب القصر میں مفصل آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ پانچ نمازیں اور چار رکعتیں کب فرض ہوئیں۔

بَاب۲: وُجُوْبُ الصَّلَاةِفِي الثِّيَابِ

کپڑوں میں نماز پڑھنا ضروری ہے

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الأعراف:٣٢) **وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ، فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ وَّمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ مَالَمْ يَرَ {فِيْهِ[2]} أَذًى وَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ لَّا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.**

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ یعنی ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لیا کرو اور جس نے ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھی اور حضرت سلمہؓ بن اکوع سے روایتاً بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ اسے تکمہ[1] لگا لیا کرے اگرچہ کانٹے سے ہی ہو۔ اور اِس کی سند میں قدرے شک ہے اور جو اُسی کپڑے میں نماز پڑھ لے جس میں اس نے جماع کیا ہے بشرطیکہ (اس میں[2]) آلائش نہ دیکھے اور نبی ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

---

۱ تکمہ: 1. بٹن، بوتام، گھنڈی 2. کاج۔ (اُردو لغت۔ زیر لفظ تکمہ)

۲ لفظ "فِيْهِ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۲۰۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

۳۵۱: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُّحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُّخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُّصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ سِيْرِيْنَ حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا.

۳۵۱: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: یزید بن ابراہیم نے ہمیں بتلایا۔ یزید نے محمد (بن سیرین) سے، انہوں نے حضرت ام عطیہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض والیوں کو عیدوں کے روز نکالا کریں اور پردے والیوں کو بھی تا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوں۔ اور حیض والیاں اپنی نماز گاہ سے الگ رہتیں۔ ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے کسی ایک کے پاس جلباب نہ ہو (تو وہ کیا کرے؟) فرمایا: اس کو اس کی ساتھن اپنے جلباب کا ایک حصہ اوڑھائے۔ اور عبداللہ بن رجاء نے کہا: عمران نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن سیرینؒ نے ہمیں بتلایا کہ حضرت ام عطیہؓ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا تھا۔

تشریح: وُجُوْبُ الصَّلٰوةِ فِي الثِّيَابِ: کتاب الصلوٰۃ کی ترتیب میں پہلے ستر العورۃ یعنی ننگ ڈھانپنے کے متعلق روایتیں بیان کی ہیں جیسا کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسا ہی ضروری ہے؛ جیسا أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کا۔ اور اس کی تعمیل بھی ویسے ہی ضروری ہے جیسے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی۔ ننگ ڈھانپ کر نماز پڑھنے کے وجوب پر تو سب کو اتفاق ہے۔ لیکن اس امر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم احکام طہارت کی طرح صحت نماز کے لئے شرط ہے جو اگر ہو تو نماز درست ہے ورنہ نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک سنت۔

(البداية المجتهد. كتاب الصلوة. الباب الرابع من الجملة الثانية فى الشروط. الفصل الأول فى ستر العورة)

اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عنوانِ باب میں امام بخاریؒ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ واجب ہے۔

وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ: دوسرا اختلاف لفظ زینت کی تشریح کے متعلق ہے۔ آیا ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا زینت کے مفہوم کے منافی تو نہیں؟ عنوانِ باب میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کا جو حوالہ دیا گیا ہے، اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ زینت سے مراد مطلق لباس ہے جو بدن کا ننگ ڈھانپے۔ خواہ کانٹوں سے

ہی اس کے تکمے ہوں۔ حضرت سلمہؓ نے آپؐ سے پوچھا تھا کہ میں شکاری آدمی ہوں کیا میں صرف کُرتے میں ہی نماز پڑھ لیا کروں؟ تو آپؐ نے ان کو مذکورہ بالا جواب دیا۔ (فتح الباری۔ جزءاوّل صفحہ ۶۰۳)

وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيْهِ: قدیم زمانے میں جنبی کا کپڑا بھی نجس سمجھا جاتا تھا؛ اس لئے اس کا یہاں بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے۔

عنوانِ باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جو آپؐ نے حجِ اکبر میں کرایا تھا: **اَنْ لَّا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.** (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مایستر من العورۃ: ۳۶۹) امام موصوفؒ نے اس روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی ایک قسم کی عبادت ہے جب یہ عبادت ننگا ہوکر ادا نہیں کی جاسکتی تو نماز میں تو بدرجہ اولیٰ ننگا ہونا جائز نہیں۔ (فتح الباری۔ جزءاوّل صفحہ ۶۰۴) آج کل بھی ہندوؤں میں بعض تیرتھوں☆ کا طواف ننگے ہوکر کیا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ نے **خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** کے ارشادِ الٰہی کے مقابل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت پیش کی ہے۔ ایک میں کپڑے پہننے کا حکم ہے اور دوسرے میں ننگا ہونے کی ممانعت ہے اس سے **وُجُوْبُ الصَّلٰوةِ فِي الثِّيَابِ** پر استدلال کیا ہے اور درمیانی حوالے بھی اسی مسئلہ کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

روایت نمبر ۳۵۱ کا تعلق باب سے واضح ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ **خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ**... کا حکم واجب نہیں بلکہ مستحب یعنی پسندیدہ ہے، ان کے نزدیک اگر کپڑا نہ ہو تو وہ نماز پڑھ لے۔ امام بخاریؒ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ اس کی ساتھی اس کو پہننے کے لئے دے تا وہ نماز پڑھ سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھنے والی کو یہ نہیں کہا کہ کپڑا نہ ہو تو گھر بیٹھی رہے اور عید میں شریک نہ ہو۔ یا یہ کہ وہ ننگے سر ہی چلی جائے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ کوئی دوسرا اس کو اپنا کپڑا اُوڑھنے کے لئے دے۔ یہ روایت پہلے کتاب الحیض باب شهود الحائض العيدين (نمبر ۳۲۴) میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ: روایت مذکورہ بالا کے آخر میں محمد بن سیرینؒ کا حوالہ اس غرض سے دیا ہے کہ ان لوگوں کی تردید کریں جو کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ نے اپنی بہن سے یہ روایت سنی تھی؛ نہ کہ حضرت ام عطیہؓ سے۔

☆ تیرتھ: ہندوؤں یا بدھوں وغیرہ کے عقیدہ میں مقدس عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ عموماً گنگا یا جمنا یا کسی مقدس دریا کا گھاٹ مراد ہوتا ہے۔ (اُردو لغت۔ زیر لفظ تیرتھ)

بَاب۳: عَقْدُ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلَاةِ

نماز میں تہ بند گدی پر باندھنا

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ.

اور ابوحازم نے حضرت سہلؓ (بن سعد) سے نقل کیا کہ انہوں نے اپنا تہ بند کندھوں پر باندھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

۳۵۲: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ قَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَّاحِدٍ؟ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ.

۳۵۲: ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا: عاصم ابن محمد نے ہم سے بیان کیا، کہا: واقد بن محمد نے مجھے بتلایا کہ محمد بن منکدر سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت جابرؓ نے تہ بند میں نماز پڑھی جس کو انہوں نے اپنی گدی پر گرہ دی ہوئی تھی اور ان کے کپڑے کھونٹی پر دھرے ہوئے تھے۔ کسی کہنے والے نے ان سے کہا: کیا آپؓ صرف ایک تہ بند میں ہی نماز پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے تو اسی لئے یہ کیا تھا کہ تجھ جیسا احمق مجھے دیکھے اور نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے؟

۳۵۳: حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِيْ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ.

۳۵۳: ہم سے مطرف ابومصعب نے بیان کیا، کہا: عبدالرحمٰن بن ابوالموالی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے محمد بن منکدر سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اور (حضرت جابرؓ نے) کہا: میں نے نبی ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا۔

تشریح: چونکہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ کے ارشاد کے خلاف سمجھا جاتا تھا اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو دو روایتیں پیش کی ہیں ان سے زمانہ تنگدستی کے حالاتِ مجبوری کی طرف توجہ دلانا

مقصود ہے۔یعنی ایسی حالت میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَاقِدِیْ اُزُرِهِمْ عَلٰی عَوَاتِقِهِمْ: عنوانِ باب میں یہاں کندھوں پر تہ بند باندھ کر جن نماز پڑھنے والوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ لوگ اصحاب الصفہ تھے۔

(دیکھئے کتاب الصلوٰۃ. باب ۵۸: نَوْمُ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ :۴۴۲)

روایت نمبر ۳۵۲، ۳۵۳: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ کے ارشاد کے متعلق غلو سے کام لینے والوں کے خیال کی غلطی ثابت کرنے کے لئے حضرت جابرؓ نے باوجود دوسرے کپڑے ہونے کے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔(یہی مضمون روایت نمبر ۳۷۰ میں بھی ہے)

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ: روایت نمبر ۳۵۳ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھی۔پس خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ کا یہ مفہوم لینا کہ جب تک عمدہ کپڑے نہ پہنے جائیں نماز نہ ہوگی؛ غلط ہے۔اسلام نے استثنائی صورتوں کو نظر انداز نہیں کیا۔

بَاب ٤ : اَلصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ

ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھنا

قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيْثِهِ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الِاشْتِمَالُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ قَالَ قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ الْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ.

زُہری نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ مُلْتَحِفٌ کے معانی مُتَوَشِّحٌ ہیں۔یعنی وہ (شخص) جس نے اپنے کپڑے کے دونوں کناروں کو مخالف سمت سے لا کر اپنے کندھوں پر باندھا ہوا ہو اور یہی (عربی میں) اِشْتِمَال ہوتا ہے۔اور حضرت ام ہانیؓ کہتی تھیں کہ نبی ﷺ نے ایک ہی کپڑے میں اپنے آپ کو لپیٹا اور دونوں کناروں کو مخالف سمت سے لا کر اپنے کندھوں پر ڈال دیا۔

٣٥٤: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ

۳۵۴: ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا: ہشام بن عروہ نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے حضرت عمرؓ بن ابوسلمہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کپڑے

قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.

میں نماز ادا کی۔ آپؐ نے دونوں کناروں کو مخالف سمت سے لا کر ڈالا ہوا تھا۔

۳۵۵: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَقَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ.

۳۵۵: ہم سے محمد بن مثنّٰی نے بیان کیا۔ کہا: یحيٰی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ حضرت اُمِ سلمہؓ کے گھر میں ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور آپؐ نے اس کے دونوں کناروں کو اپنے کندھے کے اوپر ڈالا ہوا تھا۔

۳۵۶: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ.

۳۵۶: ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ابواُسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ بن ابوسلمہ نے انہیں بتایا۔ کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت اُمِ سلمہؓ کے گھر میں ایک ہی کپڑا پہنے نماز پڑھتے دیکھا۔ آپؐ اس میں لپٹے ہوئے تھے اس کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

۳۵۷: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ

۳۵۷: ہم سے اسماعیل بن ابی اُوَیس نے بیان کیا۔ کہا: مالک بن انس نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام ابونضر سے روایت کی کہ ابوطالب کی بیٹی حضرت اُمِ ہانیؓ کے آزاد کردہ غلام ابومُرّہ نے ان کو بتلایا کہ انہوں نے ابوطالب کی

أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُّلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانَ ابْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ وَذَاكَ ضُحًى.

بیٹی حضرت ام ہانیؓ سے سنا۔ کہتی تھیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی تو معلوم ہوا کہ آپؐ نہار ہے ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ آپؐ کی بیٹی آپؐ کو پردہ کئے ہوئے تھیں (حضرت اُمِ ہانیؓ نے) کہا کہ میں نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ابو طالب کی بیٹی اُم ہانی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: خوشی سے آئیں اُمِ ہانی۔ جب آپؐ اپنے غسل سے فارغ ہوئے تو آپؐ کھڑے ہوگئے اور آٹھ رکعت نماز ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے ادا کی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میری ماں کا بیٹا (علیؓ) کہتا ہے کہ وہ فلاں شخص کو جو کہ ہبیرہ کا بیٹا ہے قتل کردے گا (اور) میں نے اُسے پناہ دی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام ہانی! جس کو تو نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔ حضرت اُمِ ہانیؓ نے کہا: اور یہ چاشت کا وقت تھا۔

۳۵۸: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ.

۳۵۸: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سعید بن مسیّب سے، سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ کسی پوچھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟

تشریح: **اَلصَّلٰوةُ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ:** عنوانِ باب مصدر کے ساتھ قائم کیا گیا ہے اور اس ضمن میں پانچ روایتیں بیان کی ہیں۔ جن سے ثابت کیا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کے مفہوم کے منافی نہیں۔

أَوَلِکُلِّکُمْ ثَوْبَانِ: پانچویں روایت (یعنی نمبر ۳۵۸) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ أَوَلِکُلِّکُمْ ثَوْبَانِ پیش کر کے اُس زمانہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مسلمان نہایت غربت میں تھے۔ اکثر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا۔ پس اگر خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کے یہی معنے ہیں کہ جب تک پورا لباس زیب تن نہ ہو، نماز جائز نہیں تو صحابہ کرامؓ کے لئے اس زمانہ میں نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت نماز پڑھنے والوں کے راستہ سے وہ مشکلات دور کر رہے ہیں جو بعض لوگوں نے پیدا کر دئے تھے۔ شارعِ اسلام ﷺ نے تو عملی سہولتیں پیدا کی تھیں مگر آپؐ کے بعد فقہاء کی باریکیوں نے ان سہولتوں کو پہاڑ بنا کر نماز پڑھنے والوں کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں ڈال دیں۔ اس ضرورت کی وجہ سے امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو لمبا کیا ہے۔

بَاب ۵: إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ.

جب ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لے

۳۵۹: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ.

۳۵۹: ہم سے ابو عاصم نے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے ابو الزناد سے، ابو الزناد نے عبدالرحمٰن اعرج سے، عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک ہی کپڑے میں نماز نہ پڑھے درآنحالیکہ اس کے کندھوں پر کچھ نہ ہو۔

۳۶۰: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَّحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ أَوْ كُنْتُ سَأَلْتُهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ أَشْهَدُ

۳۶۰: ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، یحییٰ نے عکرمہ سے روایت کی، کہا کہ میں نے ان سے سنا یا (کہا) میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں

أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.

یہ شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے تو چاہئے کہ وہ مخالف سمت سے دونوں کناروں کو اُلٹ دے۔

تشریح: اس باب کے ذیل میں پہلی حدیث وہ لائی گئی ہے جس کی بناء پر بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پیٹھ اور پیٹ دونوں ستر ہیں بغیر ان کو ڈھانپے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ فتویٰ رڈ کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا روایت کی ایک دوسری سند پیش کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.** اس میں ممانعت نہیں بلکہ صرف یہ ہدایت ہے کہ جو ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اسے اس طرح باندھ لے۔ اس سے ننگا ہونے سے انسان بچ سکتا ہے۔ یہ ارشاد نبویؐ بطور ایک حکم جازم کے نہیں۔

بَاب ٦ : إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا

جب کپڑا تنگ ہو

۳۶۱: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَجِئْتُ لَيْلَةً لِّبَعْضِ أَمْرِيْ فَوَجَدْتُّهُ يُصَلِّيْ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَّاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِهِ وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرَى يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِي فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا هَذَا الِاشْتِمَالُ الَّذِي رَأَيْتُ

۳۶۱: ہم سے یحییٰ بن صالح نے بیان کیا کہا: فلیح بن سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے سعید بن حارث سے روایت کی۔ کہا: ہم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے سفروں میں سے ایک سفر میں نکلا اور میں رات کو اپنے کسی کام کے لیے آیا تو آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ اور میرے بدن پر ایک ہی کپڑا تھا تو میں نے اپنے آپ کو اس میں لپیٹ لیا اور آپؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: اے جابر! یہ رات کا آنا کیسے؟ میں نے آپؐ کو اپنی ضرورت بتلائی۔ جب

قُلْتُ كَانَ ثَوْبٌ قَالَ فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ.

میں نے بات ختم کی تو آپؐ نے فرمایا: یہ کپڑا لپیٹنا کیا ہے جو میں نے دیکھا؟ میں نے کہا: ایک ہی کپڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر فراخ ہو تو اس کو اپنے اردگرد لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو اس سے تہ بند باندھو۔

۳۶۲: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ وَ قَالَ☆ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوْسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا.

۳۶۲: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا کہ سفیان سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: ابوحازم نے مجھے بتلایا کہ حضرت سہلؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: کچھ لوگ بچوں کی طرح اپنی گردنوں پر اپنے تہ بند باندھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور عورتوں سے کہا جاتا تھا☆ کہ اپنے سر اُس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ لوگ سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔

تشریح: باب ۶ سابقہ مضمون کی تائید کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو ہدایت کی کہ اگر کپڑا تنگ ہو تو تہ بند باندھو۔ فراخ ہو تو سارے جسم پر لپیٹ لو۔ اس سے ان لوگوں کا خیال غلط ثابت کیا ہے کہ مونڈھے اور پیٹھ وغیرہ عورت یعنی ننگ ہیں اور یہ کہ ان کو ڈھانپے بغیر نماز جائز نہیں۔

مَاهٰذَا الِاشْتِمَالُ الَّذِیْ رَأَیْتُ ؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔ کیونکہ اس سے نچلے حصہ کے ننگا ہونے کا احتمال ہے۔ امام موصوفؒ نے یہی بات مدنظر رکھتے ہوئے باب ۵ کا عنوان اِن الفاظ سے قائم کیا ہے: فَلْيَجْعَلْ عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔

اس باب کی دوسری روایت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ کچھ لوگ تھے جو بچوں کی طرح تہ بند کندھوں پر باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ کپڑا چھوٹا ہوتا؛ اس لئے سجدہ میں کبھی کوئی ننگا بھی ہو جاتا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بھی انہیں میں سے ایک تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا۔ پس عَاقِدِیْ أُزُرِهِم سے مسئلہ اخذ کرنا درست نہیں۔ باب ۳ کا مضمون آخر میں دُہرا کر زیر بحث مسئلہ کی اصلیت واضح کر دی گئی ہے کہ اگر کپڑا فراخ ہو تو کندھوں سمیت سارے جسم کو ڈھانپ لے اور اگر تنگ ہو تو پھر بدن کے نچلے حصہ کو ڈھانپے۔ عَاقِدِیْ أُزُرِهِمْ کی روایت کے بموجب تقلید بہرکیف ضروری نہیں۔

☆ "قَالَ" کی جگہ نسخہ انصاریہ میں لفظ "يُقَالُ" درج ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۱۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَاب۷: اَلصَّلَاةُ فِي الْجُبَّةِ الشَّامِيَّةِ

شامی جبہ میں نماز پڑھنا

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوْسِيُّ لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا وَّقَالَ مَعْمَرٌ رَأَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ وَصَلَّى عَلِيٌّ فِي ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُوْرٍ.

اور حسن نے ان کپڑوں کے متعلق فتویٰ دیا ہے جنہیں مجوسی بنتے ہیں۔ انہوں نے ان میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اور معمر کہتے تھے کہ میں نے زہری کو یمن کے وہ کپڑے بھی پہنے دیکھا جو پیشاب سے رنگے ہوئے تھے۔ اور حضرت علیؓ نے نئے کپڑے میں جو کہ دھلا ہوا نہیں تھا نماز پڑھی۔

۳۶۳: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّسْلِمٍ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ مُّغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَقَالَ يَا مُغِيْرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ فَأَخَذْتُهَا فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي فَقَضَى حَاجَتَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّأَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلَاةِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى.

۳۶۳: ہم سے یحییٰ نے بیان کیا کہا: ابومعاویہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے، مسروق نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا: مغیرہ! چھاگل لو۔ میں نے وہ لے لی اور رسول اللہ ﷺ چل پڑے۔ اتنی دور گئے کہ مجھ سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپؐ نے قضائے حاجت کی اور آپؐ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کی آستین سے اپنا ہاتھ نکالنے لگے تو وہ تنگ تھی اس لئے آپؐ نے اپنے ہاتھ کو اس کے نیچے سے نکالا اور میں نے آپؐ پر پانی ڈالا۔ اور آپؐ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح کہ نماز کے لیے کیا کرتے اور آپؐ نے موزوں پر مسح کیا۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی۔

تشریح: آجکل بھی لوگ کوٹ پتلون پہن کر نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی شامی جبہ وغیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھا جاتا تھا، بوجہ اس کے کہ یہ رومیوں کا لباس تھا۔ روایت نمبر ۳۶۳ کا

ماحصل یہ ہے کہ آپؐ نے اس میں نماز پڑھی۔ ایسا ہی حسن بصریؒ کا فتویٰ نقل کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار کے ہاتھ سے بُنے ہوئے کپڑے پہننا بھی جائز ہے۔ اسلام روحِ تسامح کی تعلیم دیتا ہے نہ تعصب اور تنگ دلی کی اور اقوامِ عالم میں تعاون کی بنیاد مضبوط کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ از روئے اسلام جسم اور لباس کی طہارت اور ننگ کا حسب استطاعت ڈھانپنا آدابِ صلوٰۃ میں سے بطور ایک ضروری ادب کے ہے۔

بَاب۸: كَرَاهِيَةُ التَّعَرِّي فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا

نماز وغیرہ میں ننگا ہونے کی کراہیت

۳٦٤: حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَاابْنَ أَخِي لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَهُ عَلَى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُؤِيَ بَعْدَ ذَلِكَ عُرْيَانًا.

۳۶۴: ہم سے مطر بن فضل نے بیان کیا کہا: روح نے ہمیں بتلایا۔ کہا: زکریا بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا کہ عمرو بن دینار نے ہم کو بتلایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے لئے ان کے ساتھ پتھر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اور آپؐ تہ بند پہنے ہوئے تھے۔ اس پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا: بھتیجے! اگر اپنا تہ بند کھول کر اسے اپنے کندھوں پر پتھروں کے نیچے رکھو (تو تمہیں تکلیف نہ ہو)۔ (حضرت جابرؓ) کہتے تھے کہ انہوں نے آپؐ کا تہ بند کھول کر آپؐ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اور آپؐ غش کھا کر گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپؐ کو کبھی ننگا نہ دیکھا گیا۔

تشریح: جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے، وہ روایت مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ فَمَا رُؤِیَ بَعْدَ ذٰلِکَ عُرْیَانًا اس کے بعد آپؐ کو کبھی ننگا نہیں دیکھا گیا۔ گویا آپؐ ننگا ہونا مکروہ سمجھتے تھے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، حضرت جابرؓ کی اس روایت سے جو کتاب الحج (باب ۴۲: فضل مكة و بنيانها. روایت نمبر: ۱۵۸۲) میں مندرج ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کعبہ کی ابتدائی تعمیر کے وقت ہوا تھا۔ لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ فَقَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ، فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَآءِ فَقَالَ

أَرِنِـيْ اِزَارِيْ، فَشَدَّهُ عَلَيْـهِ. {ترجمہ: جب کعبہ کی تعمیر کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباسؓ (بھی) پتھر ڈھونے لگے۔ حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اپنا تہ بند اپنی گردن پر رکھ لیں۔ (ایسا کرنے سے) آپؐ زمین پر گر پڑے اور آپؐ کی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ فرمایا: میرا تہ بند مجھے دو۔ اس پر (حضرت عباسؓ نے) وہ تہ بند آپؐ کو باندھ دیا۔}

تعمیر کعبہ کے زمانہ میں آپؐ کی عمر بعض روایات کی رو سے ۱۵ سال کی تھی اور بعض کی رو سے ۳۵ سال۔ اور شہاب الدین زہریؒ کے قول کے مطابق اس وقت آپؐ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے (عمدۃ القاری جزء:۴ صفحہ:۷۱) اور یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ کتاب الحج کی روایت کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ آپؐ کے چچا نے آپؐ کا تہ بند باندھا تھا۔

یہ مختلف روایتیں متضاد نہیں بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کعبہ کا کام مختلف وقتوں میں ہوا تھا۔ اس کا سامان اکٹھا کرنے کرانے میں ایک عرصہ صرف ہوا اور اس کے مختلف حصے مختلف اوقات میں تعمیر ہوئے۔ جب حجر اسود رکھنے کا واقعہ پیش آیا ہے تو اس وقت آپؐ کی عمر ۳۵ سال کے قریب تھی۔ ننگا ہونے کا واقعہ حجر اسود رکھے جانے کے زمانہ کا نہیں بلکہ اس سے بہت مدت پہلے کا ہے۔ یعنی اس زمانہ کا جب قریش نے تعمیر کعبہ کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے پتھر ڈھونے کا انتظام شروع ہوا۔ یہ کام اس وقت لڑکوں سے بھی لیا گیا تھا۔ چنانچہ سیرۃ ابن اسحاق میں مذکورہ بالا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے: لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِيْ غِلْمَانِ قُرَيْشٍ بِنَقْلِ الْحِجَارَةِ ..... كُلُّنَاقَدْ تَعَرّٰى وَأَخَذَ اِزَارَهُ وَجَعَلَ عَلٰى رَقَبَتِهٖ يَحْمِلُ عَلَيْهَا الْحِجَارَةَ ...(عمدۃ القاری جزء ۴ صفحہ ۷۱-۷۲) {ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو قریش کے لڑکوں کے ساتھ پتھر ڈھوتے دیکھا ہے...... ہم سب (بچے) ننگے تھے۔ آپؐ نے اپنا تہ بند لیا اور اسے اپنی گردن پر رکھ کر پتھر ڈھونے لگے۔} اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بچے اپنا تہ بند گردن پر رکھ کر پتھر ڈھوتے تھے۔ اور آپؐ نے بھی اپنے چچا کے کہنے پر ایسا کیا۔ زمانہ بچپن کے حالات اگرچہ مسائل شریعت کی بنیاد نہیں ہوسکتے۔ مگر امام بخاریؒ فَمَا رُؤِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا سے مسئلہ اخذ کرنے کا جائز حق رکھتے ہیں۔

بَاب۹: اَلصَّلَاةُ فِي الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَآءِ

قمیص اور پاجامے اور جانگئے اور چوغے میں نماز پڑھنا

۳۶۵: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُّحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

۳۶۵: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہا: حماد بن زید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے محمد سے، محمد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھ کر آیا۔ اور اُس نے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق آپؐ سے پوچھا: آپؐ نے

فَقَالَ أَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ صَلَّى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَّرِدَاءٍ، فِي إِزَارٍ وَّقَمِيْصٍ، فِي إِزَارٍ وَّقَبَاءٍ، فِي سَرَاوِيْلَ وَرِدَاءٍ، فِي سَرَاوِيْلَ وَقَمِيْصٍ، فِي سَرَاوِيْلَ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَّقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَّقَمِيْصٍ قَالَ وَأَحْسَبُهُ قَالَ فِي تُبَّانٍ وَّرِدَاءٍ.

فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک کو دو دو کپڑے مل جاتے ہیں؟ پھر ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کشائش کرے تو تم بھی کشائش سے کام لو۔ کوئی آدمی ایک سے زیادہ اکٹھے کپڑے پہن لے۔ کوئی آدمی تہ بند اور چادر میں نماز پڑھے۔ کوئی تہ بند اور قمیض میں، تہ بند اور چوغے میں، پاجامے اور چادر میں، پاجامے اور قمیض میں، پاجامے اور چوغے میں۔ جانگیے اور چوغے میں۔ جانگیے اور قمیض میں۔ (حضرت ابوہریرہؓ) کہتے تھے اور میرا خیال ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جانگیے اور چادر میں۔

۳۶۶: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا وَرْسٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَعَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

۳۶۶: ہم سے عاصم بن علی نے بیان کیا کہا: ابن ابی ذئب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے سالم سے، سالم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہا: احرام باندھنے والا کیا پہنے؟ آپؐ نے فرمایا: قمیض نہ پہنے اور نہ پاجامہ اور نہ ہی کنٹوپ اور نہ ہی ایسا کپڑا جسے زعفران یا ورس لگا ہو اور جو شخص جوتا نہ پائے وہ موزے ہی پہن لے اور چاہیئے کہ انہیں اتنا کاٹ لے کہ وہ ٹخنوں کے نیچے تک ہو جائیں اور نافع سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے۔ حضرت ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی۔

تشریح: **تُبَّانٌ** چھوٹے پاجامے یا جانگیہ کو کہتے ہیں جو گھٹنوں کے اوپر تک ہوتا ہے۔ (لسان العرب۔ تحت لفظ تبن) آج کل نکر کا لفظ اس کا مترادف ہے۔ بعض کے نزدیک گھٹنے کے اوپر کا سارا حصہ عَوْرَة یعنی ستر ہے۔ اس

لئے ایسا لباس پہن کر جو گھٹنے کو نہ ڈھانپتا ہو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلافی مسئلہ کے متعلق ایک جامع باب باندھا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ لباس کے متعلق کوئی پابندی نہیں۔ سوائے اس کے جو حدیث نمبر ۳۶۶ میں مذکور ہے۔

مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب قابلِ غور ہے۔ سائل پوچھتا ہے کہ محرم کیا پہنے؟ آپؐ اپنے جواب میں پہننے کی اشیاء نہیں گنتے؛ کیونکہ وہ بے شمار ہیں۔ نہ پہننے کی چند چیزوں کا نام لیتے ہیں اور باقی کے متعلق خاموشی اختیار کر کے عام اجازت دیتے ہیں۔

بَاب۱۰: مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ

ننگ کا کونسا حصہ ڈھانپا جائے

۳۶۷: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْئٌ.

۳۶۷: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) اشتمالِ صمّاء سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ آدمی ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے زانو اُٹھا کر اس طرح بیٹھے کہ اس کی شرمگاہ پر اس کپڑے میں سے کچھ نہ ہو۔

۳۶۸: حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَأَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ.

۳۶۸: ہم سے قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوزناد سے، ابوزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے دو قسم کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے لِمَاس اور نِبَاذ سے۔ نیز اس سے منع فرمایا ہے کہ آدمی (نماز میں) کپڑے کو اس طرح پر لپیٹے کہ ہاتھ بغیر ننگا ہونے کے باہر نہ نکال سکے اور اس سے کہ ایک ہی کپڑے میں ہو اور وہ گھٹنے اُٹھا کر بیٹھے۔

٣٦٩: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِيْ أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةٍ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَّوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

٣٦٩: ہم سے اسحاق نے بیان کیا، کہا: یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بتلایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ مجھے حضرت ابوبکرؓ نے اس حج میں قربانی کے دن مؤذّنوں کے ساتھ بھیجا تا کہ ہم منٰی میں یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی ننگا اس گھر کا طواف کرے۔ حمید بن عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور ان سے فرمایا کہ وہ سورۂ براءۃ بلند آواز سے سنائیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے بھی قربانی کے دن منٰی میں ہمارے ساتھ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی ننگا اس گھر کا طواف کرے گا۔

تشریح: اِشْتِمَالُ الصَّمَّآءِ: کپڑا اپنے جسم پر اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ وغیرہ اندر ہی رہیں اور جب ہاتھ نکالنے کی ضرورت ہو تو بغیر ننگا ہونے کے نہ نکل سکیں۔ (لسان العرب۔ تحت لفظ شمل) اِحْتِبَاء: گوٹھ مار کر بیٹھنا۔ (لسان العرب تحت لفظ حبو) دونوں صورتوں میں شرمگاہ ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ باب ۱۰ کا عنوان اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ روایت نمبر ۳٦۷ سے امام موصوفؒ صرف اس قدر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ستر جس کا ڈھانپنا از بس ضروری ہے شرمگاہ ہے۔

بَاب۱۱: اَلصَّلَاةُ بِغَيْرِ رِدَاءٍ

بغیر چادر نماز پڑھنا

۳۷۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْمَوَالِيْ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِي ثَوْبٍ مُّلْتَحِفًا بِهِ وَرِدَاؤُهُ مَوْضُوْعٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ تُصَلِّي وَ رِدَاؤُكَ مَوْضُوْعٌ قَالَ نَعَمْ أَحْبَبْتُ أَنْ يَّرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ هٰكَذَا.

۳۷۰: ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا کہا: ابوالموالی کے بیٹے نے محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ کہا: میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے پاس گیا اور وہ ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور ان کی چادر پاس رکھی ہوئی تھی۔ جب فارغ ہوئے تو ہم نے کہا: ابوعبداللہ! آپؓ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپؓ کی چادر رکھی ہوئی ہے۔ کہا: ہاں۔ میں نے چاہا کہ آپ جیسے ناواقف مجھے دیکھیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پڑھتے دیکھا۔

تشریح: باب ۱۱ قائم کر کے یہ امر واضح کیا ہے کہ باب نمبر ۱۰ کی روایتوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اشتمالِ صمّاء وغیرہ کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ نہیں۔ بلکہ اگر ستر ظاہر نہ ہوتا ہو تو ایک کپڑا لپیٹ کو نماز پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے پڑھی ہے۔

بَاب۱۲: مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ

ران کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے

وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَرْهَدٍ وَّمُحَمَّدِ ابْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَخِذُ عَوْرَةٌ وَّقَالَ أَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهِ

اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جرھدؓ اور حضرت محمدؓ بن جحش سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ران بھی ستر ہے۔ اور حضرت انسؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا اہٹایا۔ اور

وَحَدِيْثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ وَحَدِيْثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ حَتَّى يُخْرَجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ وَقَالَ أَبُو مُوْسَى غَطَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِيْ.

حضرت انسؓ کی حدیث سند میں زیادہ قوی ہے اور حضرت جرھدؓ کی حدیث میں زیادہ احتیاط ہے۔ یہ اس لئے کہ تا ان کے اختلاف سے نکلا جائے۔ اور حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: جب حضرت عثمانؓ اندر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھٹنے ڈھانک لئے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (وحی) نازل کی اور آپؐ کی ران میری ران پر تھی۔ وہ اس قدر مجھ پر بوجھل ہوگئی کہ میں ڈرا کہ کہیں میری ران نہ ٹوٹ جائے۔

۳۷۱: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ وَأَنَا رَدِيْفُ أَبِي طَلْحَةَ فَأَجْرَى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ وَإِنَّ رُكْبَتِيْ لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهِ حَتَّى إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ

۳۷۱: ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن علیہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن صہیب نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر حملہ کیا اور ہم نے اس کے قریب جا کر صبح کی نماز پڑھی جبکہ ابھی اندھیرا ہی تھا۔ پھر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور حضرت ابوطلحہؓ بھی سوار ہوئے اور میں حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ پیچھے سوار تھا۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلی میں گھوڑا دوڑایا اور میرا گھٹنا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کے ساتھ چھو رہا تھا۔ پھر آپؐ نے اپنی ران سے تہ بند ہٹا دیا یہاں تک کہ میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ران کی سفیدی دیکھتا تھا۔ جب آپؐ گاؤں میں داخل ہوئے اور فرمایا: اللہ

الْقَرْيَةَ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (الصافات:۱۷۸) قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا وَالْخَمِيْسُ يَعْنِي الْجَيْشَ قَالَ فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ أَعْطِنِيْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ قَالَ اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ قَالَ ادْعُوْهُ بِهَا فَجَاءَ بِهَا فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا قَالَ فَأَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا أَصْدَقَهَا قَالَ نَفْسَهَا أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ہی سب سے بڑا ہے۔ خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے آنگن میں ڈیرہ ڈالتے ہیں تو پھر ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جن کو (قبل از وقت عذاب الٰہی سے) ڈرایا گیا ہو۔ یہ آپؐ نے تین بار کہا۔ (حضرت انسؓ) کہتے تھے کہ لوگ اپنے کاموں کے لئے باہر نکلے تو انہوں نے کہا: محمدؐ (آ گیا)۔ اور عبدالعزیز کہتے تھے کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے (محمدؐ کے ساتھ) خمیس کا لفظ بھی کہا تھا یعنی فوج۔ (حضرت انسؓ) کہتے تھے کہ ہم نے اسے لڑ کر فتح کیا تھا۔ اور قیدیوں کو اکٹھا کیا گیا تو دحیہ (کلبی) آئے اور کہا: نبی اللہ! مجھے ان قیدیوں میں سے ایک لونڈی دیجئے۔ فرمایا: جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ انہوں نے حیی کی بیٹی صفیہ لی۔ اس پر ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: نبی اللہ! آپؐ نے دحیہ کو قریظہ اور نضیر کی سردار صفیہ بنت حیی دی ہے۔ وہ تو صرف آپؐ کے ہی لائق ہے۔ فرمایا: اسے بمعہ صفیہ بلا لاؤ۔ وہ صفیہ کو لے آئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: ان قیدیوں میں سے اس کے سوائے کوئی اور لونڈی تم لے لو۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر دیا۔ اور پھر ان سے شادی کی۔ اس پر حضرت ثابتؓ نے (حضرت انسؓ) سے پوچھا کہ ابوحمزہؓ! (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے کیا مہر دیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ نے اسی کو

وَسَلَّمَ عَرُوْسًا فَقَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ وَبَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالسَّمْنِ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ قَالَ فَحَاسُوْا حَيْسًا فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

آزاد کر دیا تھا اور اس سے شادی کر لی۔ آخر جب آپؐ ابھی راستے میں ہی تھے تو حضرت ام سُلَیمؓ نے حضرت صفیہؓ کو آپؐ کی خاطر آراستہ کیا اور رات کو آپؐ کے پاس انہیں بھیج دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو دولہا تھے اور آپؐ نے فرمایا: جس کے پاس کوئی چیز ہو وہ اسے لے آئے اور آپؐ نے چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا تو کوئی شخص تو کھجوریں لانے لگا اور کوئی گھی۔ (عبدالعزیز نے) کہا: میرا خیال ہے کہ انہوں نے ستو کا بھی ذکر کیا تھا۔ کہتے تھے: پھر انہوں نے ان سب کو آپس میں ملا کر گوندھ دیا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔

تشریح: **مَايُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ:** سوائے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے باقی تین اماموں نے گھٹنوں سے لے کر ناف تک کا حصہ جسم اور ایک دوسرے گروہ نے صرف شرمگاہ اور مقعد ہی کو ستر قرار دیا ہے۔ (البداية المجتهد. كتاب الصلوة. الباب الرابع من الجملة الثانية فى الشروط. الفصل الأول فى ستر العورة. المسئلة الثانية فى حد العورة من الرجل) اس اختلاف کا سبب حضرت جرہدؓ اور حضرت انسؓ کی دو مختلف روایتیں ہیں۔ امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا طریق سے ان کے درمیان تطبیق کی ایک صورت واضح کی ہے۔ جب حضرت عثمانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے بطور احتیاط کے ران ڈھانک لی۔ کتاب المناقب (کتاب فضائل الصحابه. باب مناقب عثمانؓ بن عفان: ۳۶۹۵) میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کا قول سورۂ نساء کی تفسیر (کتاب التفسير. باب۱۸: لايستوى القاعدون من المؤمنين و المجاهدون: ۴۵۹۲) میں منقول ہے۔ ان دونوں روایتوں کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت نمبر ۳۷۱ باعتبار سند کے نہایت صحیح ہے اور اسے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہاں **فخذ** سے مراد ران کا نچلا حصہ ہے جس سے بعض وقت شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا اُٹھا دیا جاتا ہے۔ ران کا اوپر کا حصہ مراد نہیں۔

حَسَرَ الْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهٖ: سوار ہونے کے وقت جبکہ تہ بند باندھا ہو، ایسی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ روایت نمبر ۳۷۱ کے بقیہ ماندہ مضمون کی شرح کتاب المغازی اور کتاب النکاح میں دیکھیں۔

بَاب ۱۳: فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي الثِّيَابِ

کتنے کپڑوں میں عورت نماز پڑھے

وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ لَأَجَزْتُهُ.

اور عکرمہ نے کہا کہ اگر وہ اپنا بدن ایک ہی کپڑے میں چھپا لے تو میں اسے جائز قرار دوں گا۔

۳۷۲: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ.

۳۷۲: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا: عروہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے اور آپؐ کے ساتھ بعض مومن عورتیں بھی اپنی اوڑھنیوں میں منہ لپیٹے ہوئے نماز پڑھتیں۔ پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ انہیں کوئی بھی نہ پہچانتا۔

تشریح: عنوان باب میں حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام عکرمہ کا حوالہ دے کر اس گروہ کی رائے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو عورت کے لئے لمبی قمیص اور دوپٹہ ضروری سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے البداية المجتهد. كتاب الصلوة. الجملة الثانية فى الشروط. الباب الرابع. الفصل الثانى فيما يجزئ من اللباس فى الصلوٰة)

مستند روایات میں تعداد کی تعیین نہیں۔ جسم اور سر کا ڈھانپنا ضروری ہے۔ خواہ ایک ہی کپڑے سے جیسے ساڑھی سے بدن اور سر بآسانی ڈھانپا جا سکتا ہے۔

بَاب ۱٤: إِذَا صَلَّى فِي ثَوْبٍ لَّهُ أَعْلَامٌ وَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا

جب ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس میں نقش ہوں اور وہ ان نقشوں کو دیکھے

۳۷۳: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي

۳۷۳: ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابن شہاب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خَمِيْصَةٍ لَّهَا أَعْلَامٌ فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُوْنِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِيْ.

نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے۔ آپؐ نے اس کے نقشوں کو ایک نظر دیکھا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: میری اس دھاری دار لوئی کو ابوجہمؓ کے پاس لے جاؤ اور ابوجہمؓ کی انبجانی لوئی لے آؤ۔ کیونکہ اس نے ابھی مجھے میری نماز سے بےتوجہ کر دیا۔ اور ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کے بیل بوٹے دیکھتا تھا اور میں نماز میں تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میری توجہ نہ ہٹائے۔

تشریح: اس باب کا مضمون یہ ہے کہ کپڑے سادہ ہوں۔ ان میں ایسی چمک دمک نہ ہو جو توجہ ہٹائے۔ ذہنی ارتقاء کے ساتھ انسان بالطبع سادگی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ آج کل بھی سلیم الذوق لوگ کپڑے کے انتخاب میں سادہ رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ نماز میں استغراق کلی کی ضرورت ہے اس لئے شارع اسلام نے نمازی کے ماحول میں ہر ایسی چیز کے وجود کو ناپسند کیا ہے جو اس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے۔ امام بخاریؒ نے عنوان باب میں ایک خفیف سا تصرف کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کپڑے کے نقشوں پر نظر نہ پڑے تو پھر اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مؤطا (امام مالک. کتاب النداء للصلاة. باب النظر فی الصلاة الی ما یشغلک عنها: ۲۰۵) میں حضرت عائشہؓ کی روایت منقول ہے کہ حضرت ابوجہمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوئی ہدیہ دی تھی جو آپؐ نے بجائے ردّ کرنے کے تبدیل کر لی۔ (فتح الباری۔ جزء اول صفحہ ۶۲۶)

بَاب ۱۵: إِنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ مُّصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَمَا يُنْهَى عَنْ ذَلِكَ.

اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس میں صلیب کی شکل یا تصویریں ہوں تو کیا اُس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اس سے جو ممانعت کی جاتی ہے

۳۷۴: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ

۳۷۴: ہم سے ابومعمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا۔

عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ كَانَ قِرَامٌ لِّعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِيْ.

کہا: عبدالوارث نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز ابن صہیب نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ حضرت عائشہؓ کا ایک پردہ تھا جس پر تصویریں تھیں۔ انہوں نے اس سے اپنے گھر کے ایک طرف پردہ کیا ہوا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اس پردہ کو ہم سے ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ آیا کسی چیز کا علی الاطلاق منع ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ صحتِ نماز کی خاطر اس سے اجتناب کیا جائے۔ مثلاً ریشمی کپڑا پہننا منع ہے۔ اگر اس کو پہن کر نماز پڑھی جائے تو کیا نماز درست ہوگی یا نہیں۔ ایسا ہی آپؐ نے تصویروں والا کپڑا ہٹانے کے لئے فرمایا تو کیا ایسے کپڑوں میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

امام بخاریؒ نے نبی ﷺ کے الفاظ **لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِيْ صَلٰوتِي** سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ نماز پڑھتے ہوئے اس کپڑے کی تصویریں آپؐ کی آنکھوں کے سامنے آتی جاتی تھیں۔ آپؐ نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہونے کے بعد اس کے ہٹانے کے لئے فرمایا۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے سامنے لٹکا ہوا پردہ یا پہنا ہوا کپڑا دونوں برابر ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ نے مسئلہ استنباط کرتے وقت پہننے کے کپڑوں کا ذکر کیا ہے۔ امام ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ **ثَوْبٌ مُّصَلَّبٌ** کے الفاظ اس روایت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں جو کتاب اللباس (باب۹۰: نقض الصور. حديث نمبر ۵۹۵۲) میں منقول ہے جس میں یہ ہے: لَمْ يَكُنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهِ شَيْئاً فِيْهِ تَصْلِيْبٌ اِلَّا نَقَضَهُ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۲۸) جس چیز میں بھی صلیب کی تصویر ہوتی اس کو آپؐ توڑ دیتے تھے۔ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ اگر نفس تصویر یا نقش میں کوئی ایسا معنی ہے جس کا تقاضا ممانعت ہو تو ایسے کپڑے میں نماز درست نہ ہوگی۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۲۷)

وَ مَا يُنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ : امام موصوفؒ صحت یا عدمِ صحتِ نماز کے فتویٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ روایت مذکورہ بالا سے صرف اس قدر ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ ایسے کپڑے کو استعمال نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی استعمال کرلے تو نماز فاسد ہونے کا مسئلہ اس سے جزم کے ساتھ مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔

بَاب ١٦: مَنْ صَلَّى فِي فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ

جو شخص ریشمی فراک (یا) کوٹ میں نماز پڑھے پھر اُسے اُتار دے

٣٧٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ فَصَلَّى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ وَقَالَ لَا يَنْبَغِيْ هَذَا لِلْمُتَّقِيْنَ.

۳۷۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یزید سے۔ یزید نے ابو الخیر سے۔ ابو الخیر نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کو ایک ریشم کا فراک (یا) کوٹ ہدیہ دیا گیا۔ آپؐ نے اسے پہنا اور اسی میں نماز پڑھی۔ پھر فارغ ہوئے تو اسے جلدی سے اُتار دیا جیسے کہ آپؐ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ متقیوں کے لائق نہیں ہے۔

تشریح: سولھویں باب کا مضمون بھی سابقہ باب کے مضمون کی تائید کرتا ہے۔ آپؐ نے نماز نہیں دہرائی اور فرمایا: لَا يَنْبَغِيْ هذا لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ یہ متقیوں کے شایاں نہیں۔ امام بخاریؒ دو باتوں میں فرق کرتے ہیں۔ کسی خاص قسم کے کپڑا پہننے کی ناپسندیدگی اور نماز کا فاسد ہو جانا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نوعیت میں الگ ہے۔ ان کا آپس میں لازم وملزوم کا تعلق نہیں۔ یعنی جیسے طہارت نماز کے لئے شرطِ لازم کی طرح ہے، ویسے یہ باتیں نہیں۔

بَاب ١٧: اَلصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ

سرخ کپڑے میں نماز

٣٧٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَّرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ

۳۷۶: ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا کہ عمر بن ابی زائدہ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عون بن ابی جحیفہ سے۔ عون نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں دیکھا اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وہ پانی لیا جس سے رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْعَنْزَةِ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کے لیے لپک رہے ہیں جس شخص کو اُس میں سے کچھ مل جاتا وہ اُسے اپنے بدن پر ملتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری سے ہی کچھ لے لیتا۔ پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک برچھی لی۔ اور اُسے زمین میں گاڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ جوڑے میں آستین چڑھائے ہوئے نکلے اور اس برچھی کی طرف (منہ کر کے) لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے لوگوں اور چار پاؤں کو دیکھا کہ وہ اُس برچھی کے سامنے سے گزرتے تھے۔

تشریح: اگر محض انتشارِ خیالات اور توجہ کا بٹ جانا نماز کے ٹوٹ جانے کا موجب ہوتا تو پھر وہ تو ہر وقت ٹوٹتی رہتی ہے خواہ تصویریں نظر کے سامنے ہوں یا نہ ہوں۔ نبی ﷺ نے مسجد کو نقش و نگار کرنے اور تصویروں والے کپڑے پہننے سے صرف اس لئے منع فرمایا ہے کہ تا وہ انتشارِ خیالات کا مزید باعث نہ بنیں۔ مگر ریشمی کپڑا اس لئے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ نماز میں مخل تھا بلکہ کسی اور وجہ سے۔ ورنہ عورتوں کے لئے بھی منع ہوتا۔ احناف سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام موصوفؒ جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۲۹)

روایت نمبر ۳۷۶ میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ صلح حدیبیہ کے موقع کا ہے۔

بَاب ۱۸: اَلصَّلَاةُ فِي السُّطُوْحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ

چھتوں اور منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى الْجَمْدِ وَالْقَنَاطِرِ وَإِنْ جَرَى تَحْتَهَا بَوْلٌ أَوْ فَوْقَهَا أَوْ أَمَامَهَا إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ وَّصَلَّى أَبُوهُرَيْرَةَ

ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا کہ حسن بصریؒ حرج نہیں سمجھتے تھے کہ منجمد پانی اور پلوں پر نماز پڑھی جائے۔ خواہ ان کے نیچے یا اوپر یا سامنے پیشاب بہہ رہا ہو۔ بشرطیکہ ان کے درمیان اوٹ ہو اور حضرت ابوہریرہؓ

عَلَى سَقْفِ الْمَسْجِدِ بِصَلَاةِ الْإِمَامِ وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ.

۳۷۷: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ قَالَ سَأَلُوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ مِّنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ مَا بَقِيَ فِي النَّاسِ أَعْلَمُ مِنِّي هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَّوْلَى فُلَانَةٍ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ فَهَذَا شَأْنُهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ سَأَلَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ هَذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَإِنَّمَا أَرَدْتُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَّكُوْنَ الْإِمَامُ

نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھی اور حضرت ابن عمرؓ نے برف پر نماز پڑھی۔

۳۷۷: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ کہا: ابوحازم (بن دینار) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: لوگوں نے حضرت سہل بن سعدؓ سے پوچھا: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) منبر کس چیز کا تھا؟ انہوں نے کہا: لوگوں میں اب کوئی باقی نہیں رہا جو مجھ سے زیادہ (اس کے متعلق) جاننے والا ہو۔ وہ غابہ کے جھاؤ کا تھا۔ فلاں عورت کے فلاں غلام نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا تھا۔ جب وہ بنایا گیا اور رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے۔ آپؐ قبلہ رخ ہوئے اور تکبیر کہی اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے تلاوت کی اور رکوع کیا۔ اور لوگوں نے بھی آپؐ کے پیچھے رکوع کیا۔ پھر آپؐ نے اپنا سر اٹھایا اور پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا۔ پھر منبر پر واپس آ گئے۔ پھر رکوع کیا۔ پھر اپنا سر اُٹھایا۔ پھر پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا اور یہ ہے اس کا قصہ۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا کہ علی بن عبداللہ کہتے تھے کہ احمد بن حنبلؒ نے مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو (علی بن عبداللہ) نے کہا: اس سے میری مراد صرف یہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اونچے تھے۔

أَعْلَى مِنَ النَّاسِ بِهَذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَقُلْتُ إِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ يُسْأَلُ عَنْ هَذَا كَثِيْرًا فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ قَالَ لَا.

اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ کوئی حرج نہیں کہ امام لوگوں سے اونچا ہو۔(علی بن عبداللہ) کہتے تھے۔ میں نے کہا: سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے متعلق بہت پوچھا جاتا تھا۔کیا آپ نے اِن سے نہیں سنا؟ کہا: نہیں۔

۳۷۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيْلُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ كَتِفُهُ وَآلَى مِنْ نِّسَائِهِ شَهْرًا فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَّهُ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوْعِ {النَّخْلِ}☆ فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُوْدُوْنَهُ فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَّهُمْ قِيَامٌ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَّنَزَلَ لِتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ.

۳۷۸: ہم سے محمد بن عبدالرحیم نے بیان کیا، کہا: یزید بن ہارون نے ہم سے بیان کیا، کہا: حمید طویل نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے سے گر پڑے۔اور آپؐ کی پنڈلی یا کندھا چھل گیا۔اور آپؐ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی۔آپؐ اپنے بالا خانہ میں بیٹھ گئے۔اس کی سیڑھی (کھجور کے☆) تنوں کی تھی۔ تو آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کے پاس آپؐ کی عیادت کرنے کے لئے آئے تو آپؐ نے بیٹھے ہوئے اُن کو نماز پڑھائی اور وہ کھڑے ہی رہے۔جب آپؐ نے السلام علیکم کہا تو فرمایا: امام تو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو کھڑے ہوکر نماز پڑھو اور انتیسویں دن آپؐ اترے تو لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ نے تو ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

☆ لفظ "النَّخلِ" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔(فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۳۲) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ:** اٹھارہویں باب کا تعلق جہاں تک فقہی مسائل سے ہے، واضح ہے۔اس امر کے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے کہ آیا جب مقتدی امام سے یا امام مقتدی سے اونچی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو تو کیا مقتدی کی نماز درست ہوگی۔امام بخاریؒ روایت نمبر ۳۷۷ و ۳۷۸ کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔بعض تابعین اور مالکی امام سے اونچا ہو کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۳۰) دوسری روایت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نماز میں امام کی اقتداء ارکانِ نماز تک محدود ہے نہ اونچائی اور نیچائی میں۔امام موصوفؒ نے باب مذکورہ بالا یہاں قائم کر کے سابقہ بابوں کے مضمون پر بھی ضمناً استدلال کیا ہے۔

اَلْغَابَة کے معنی جنگل۔اور غابہ اس جنگل کا نام بھی تھا جو مدینہ کے بلند مضافات میں تھا۔(لسان العرب۔تحت غیب)
آپؐ نے منبر پر نماز تبرکاً پڑھی تھی۔آپؐ کی عادت تھی کہ اگر نیا لباس یا نئی جوتی پہنتے تو دو نفل پڑھتے تا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت استعمال کرتے وقت پہلے اس کا شکریہ ادا کیا جائے (یہ روایت نمبر ۷۹۱ میں بھی دہرائی گئی ہے)

بَاب ۱۹: إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّيْ امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ

جب نمازی کا کپڑا سجدہ کرتے وقت اپنی بیوی کو لگے

۳۷۹: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَّرُبَّمَا أَصَابَنِيْ ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ قَالَتْ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ.

۳۷۹: مسدد نے خالد سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔کہا: سلیمان شیبانی نے ہم سے بیان کیا۔انہوں نے عبداللہ بن شداد سے۔عبداللہ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی۔وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور میں آپؐ کے پہلو میں ہوتی اور میں حائضہ ہوتی۔بلکہ آپؐ کا کپڑا مجھے لگتا جب آپؐ سجدہ کرتے۔وہ کہتی تھیں: اور آپؐ چٹائی پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: مسائل لباس کے ضمن میں اس مسئلہ کا اعادہ کیا گیا ہے جس کا مفصل ذکر کتاب الحیض (باب ۳۰۔حدیث نمبر ۳۳۳) میں گزر چکا ہے۔حائضہ اپنی ذات میں پاک ہے۔اس کے چھونے سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ہر ایک چیز کی طہارت یا نجاست نسبتی امر ہے۔ہر شئے کو اپنے اپنے اعتبار سے دیکھنا چاہئے۔

بَاب ۲۰: اَلصَّلَاةُ عَلَى الْحَصِيْرِ[1]

(سٹیل[1] وغیرہ سے بنی ہوئی) چٹائی پر نماز پڑھنا

وَصَلَّى جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا وَّقَالَ الْحَسَنُ {تُصَلِّيْ}[2] قَائِمًا مَّا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا.

اور حضرت جابر (بن عبداللہؓ) اور حضرت ابوسعیدؓ نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حسن (بصری) نے کہا: کھڑے ہو کر (نماز پڑھو[2]) بشرطیکہ اپنے ساتھیوں کو تکلیف نہ دو۔ کشتی کے ساتھ ساتھ ہی گھومتے جاؤ۔ ورنہ بیٹھ کر۔

۳۸۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّ لَكُمْ قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيْرٍ لَّنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيْمَ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

۳۸۰: ہم سے عبداللہ (بن یوسف) نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ سے۔ اسحاق نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی کہ ان کی دادی مُلیکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لیے بلایا جو کہ انہوں نے آپؐ کے لیے خصوصیت سے تیار کیا تھا۔ آپؐ نے اس میں سے کھایا پھر کہا: اُٹھو تا کہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ میں اُٹھ کر اپنی ایک چٹائی کی طرف گیا جو کہ کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی۔ میں نے اسے پانی سے دھویا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے۔ میں نے ایک یتیم کے ساتھ آپؐ کے پیچھے صف باندھی۔ اور وہ بڑھیا ہمارے پیچھے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ چلے گئے۔

---

[1] اَلْحَصِيْر: کھجور کی شاخوں اور پتوں وغیرہ سے بنی ہوئی چٹائی کے لیے استعمال ہوتا ہے (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۳۳)

[2] لفظ ''تُصَلِّيْ'' نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۳۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَاب ۲۱: اَلصَّلَاةُ عَلَى الْخُمْرَةِ

کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھنا

۳۸۱: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَّيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلَى الْخُمْرَةِ.

۳۸۱: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا: سلیمان شیبانی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن شداد سے۔ عبداللہ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

بَاب ۲۲: اَلصَّلَاةُ عَلَى الْفِرَاشِ

بچھونے پر نماز پڑھنا

وَصَلَّى أَنَسٌ عَلَى فِرَاشِهِ وَقَالَ أَنَسٌ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلَى ثَوْبِهِ.

اور حضرت انسؓ (بن مالک) نے اپنے بچھونے پر نماز پڑھی اور حضرت انسؓ نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور ہم میں سے کوئی اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا۔

۳۸۲: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا

۳۸۲: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے عمر بن عبیداللہ کے آزاد کردہ غلام ابونضر سے۔ انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے۔ ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی اور میرے پاؤں آپؐ کے سامنے ہوتے۔ جب آپؐ سجدہ کرتے

قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ.

تو مجھے ہاتھ سے دباتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی۔ اور جب کھڑے ہوتے تو اُن کو پھیلا دیتی۔ کہتی تھیں کہ ان دِنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

۳۸۳: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ.

۳۸۳: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے بتلایا کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کے بچھونے پر نماز پڑھا کرتے اور وہ آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان آپؐ کے سامنے اس طرح پڑی ہوتیں جس طرح کہ جنازہ۔

۳۸٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِيْ يَنَامَانِ عَلَيْهِ.

۳۸۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یزید سے، یزید نے عراک سے، عراک نے عروہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے۔ اور حضرت عائشہؓ آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان اس بستر پر جس پر وہ دونوں سویا کرتے تھے چوڑائی کے رخ سامنے لیٹی ہوتیں۔

تشریح: باب ۲۰، ۲۱، ۲۲ باندھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زمین پر نماز پڑھنی چاہئے تا تواضع اور عاجزی کا پورے طور پر اظہار ہو۔ عمر بن عبدالعزیزؒ اس تواضع کے معنی کو قائم رکھنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ اپنی چٹائی پر سجدہ گاہ پر مٹی ڈال لیتے اور اس پر سجدہ کرتے۔ عروہؓ بن زبیر وغیرہ کے متعلق بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ زمین کے سوا کسی اور چیز پر نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے (عمدۃ القاری جزء ۴۔ صفحہ ۱۰۹، ۱۱۲)

صَلَّى جَابِرٌ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا: بیسویں باب کے عنوان میں کشتی میں نماز پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اسی وجہ سے ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ نماز میں جسم کے اعضاء مثلاً پیشانی وغیرہ کا زمین سے چھونا

ضروری ہے۔ان کے اس خیال کی بناء ایک مشہور روایت ہے جو ترمذی نے نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تَرِّبْ وَجْهَكَ. (ترمذی. کتاب الصلاۃ. باب ما جاء فی کراھیۃ النفخ فی الصلاۃ) یعنی اپنے منہ کو مٹی سے آلودہ کر۔اس لئے ابنِ سیرین اور عامر شعبی وغیرہ علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کشتی سے نکلنا ممکن ہو تو نکل کر زمین پر نماز پڑھے۔بعض لوگ تو کشتی میں سوار ہوتے وقت مٹی ساتھ لے لیا کرتے تھے۔حسن بصریؒ کی طرف بھی اسی قسم کا ایک فتویٰ منسوب کیا جاتا ہے جس کا رد امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں کیا ہے۔(فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۳۴)

روایت نمبر ۳۸۰ پیش کر کے یہ بتلایا ہے کہ آپؐ نے چٹائی پر بھی نماز پڑھی اور اس میں جسم زمین سے براہِ راست نہیں چھوا۔اسی پر کشتی وغیرہ چیزوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔تکلیف مالا یطاق میں ڈالنا شریعت اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام سہولت کی تعلیم دیتا ہے۔حضرت جابرؓ، حضرت ابوسعیدؓ اور حسن بصریؒ کے حوالوں کی تفصیل عمدۃ القاری جزء ۴ صفحہ ۱۰۹ اور فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۳۶ میں دیکھیں۔

بَاب ۲۳: اَلسُّجُوْدُ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

شدت گرمی کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا

وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ.

اور حسنؒ (بصری) نے کہا کہ لوگ ☆ پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کیا کرتے تھے۔اور ہر ایک کا ہاتھ اپنی آستین میں ہوتا۔

۳۸۵: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنِيْ غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُوْدِ.

۳۸۵: ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا: بشر بن مفضل نے ہم سے بیان کیا، کہا: غالب قطان نے مجھے بتلایا۔انہوں نے بکر بن عبداللہ سے، بکر نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔وہ کہتے تھے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے اور ہم میں سے کوئی شدتِ گرمی کی وجہ سے سجدہ کی جگہ میں کپڑے کا کنارہ رکھ لیتا۔

☆ كَانَ الْقَوْمُ......: لوگوں سے مراد صحابہ کرام ہیں۔

بَاب ٢٤: اَلصَّلَاةُ فِي النِّعَالِ

جوتوں سمیت نماز پڑھنا

٣٨٦: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ سَعِيْدُ بْنُ يَزِيْدَ الْأَزْدِيُّ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ.

۳۸۶: ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابومسلمہ سعید بن یزید ازدی نے ہمیں بتلایا، کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتوں سمیت نماز پڑھا کرتے تھے؟ کہا: ہاں۔

بَاب ٢٥: اَلصَّلَاةُ فِي الْخِفَافِ

موزوں سمیت نماز پڑھنا

٣٨٧: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيْمَ يُحَدِّثُ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ رَأَيْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى فَسُئِلَ فَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ لِأَنَّ جَرِيْرًا كَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ.

۳۸۷: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے روایت کی۔ کہا: میں نے ابراہیم (نخعی) سے سُنا۔ وہ ہمام بن حارث سے روایت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ آپؓ سے پوچھا گیا تو کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ نے ایسا ہی کیا تھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ حدیث ان کو اچھی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ حضرت جریرؓ اُن لوگوں میں سے تھے جو آخر میں مسلمان ہوئے۔

۳۸۸: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّسْلِمٍ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى.

۳۸۸: ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا۔ کہا کہ ابواُسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے، مسروق نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپؐ نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔

تشریح: باب ۲۴، ۲۵ بھی ایک اختلافی مسئلہ حل کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ روایت نمبر ۳۸۷ میں ابراہیم نخعی کے قول فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھی اس روایت کو سن کر خوش ہوتے تھے۔ (مسلم. كتاب الطهارة. باب المسح على الخفين) کیونکہ جو لوگ موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے وہ یہ عذر پیش کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے مسح کیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں جبکہ پاؤں دھونے کا حکم سورۂ مائدہ میں نازل ہوا تو آپؐ نے مسح نہیں کیا ہوگا۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ آخر میں مسلمان ہوئے تھے جبکہ سورۂ مائدہ نازل ہو چکی تھی۔ ابوداؤد نے واقعہ مذکورہ بالا مفصل نقل کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت جریرؓ نے لوگوں کو یہ جواب دیا: مَا اَسْلَمْتُ اِلَّا بَعْدَ نُزُوْلِ الْمَآئِدَةِ. (ابو داؤد. كتاب الطهارة. باب المسح على الخفين)

باب ۲۴، ۲۵ کا تعلق سابقہ بابوں سے ظاہر ہے کہ جوتا یا موزہ پہنے نماز پڑھنے میں بھی قدم زمین کو نہیں چھوتے۔ ان روایتوں سے اس خیال کی تغلیط ہوتی ہے کہ نماز میں جسم کا زمین سے بغیر کسی درمیانی روک کے چھونا ضروری ہے جوتوں سمیت نماز پڑھنے کے متعلق صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر فرش بچھا ہو یا مسجد کا صحن یا نماز گاہ صاف ستھری ہو اور گرمی یا سردی کی تکلیف سے بچنے کا سامان بھی ہو تو پھر خواہ مخواہ جوتوں سمیت نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر مٹی سے پاؤں میلے ہوتے ہوں یا سخت سردی یا گرمی سے ننگے پاؤں نماز پڑھنا تکلیف دہ ہو تو اس وقت جوتے سمیت نماز پڑھے۔ ایسا ہی اگر فُل بوٹ یا سواری کے بوٹ اُتارنے میں دقت ہو اور اُن کے تلے صاف ستھرے ہوں تو اُن کے سمیت نماز پڑھ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں غلو کرنا ناجائز ہے۔ صحیح ضرورت کے تقاضا کے مطابق عمل کیا جائے۔

بَاب ۲۶: إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ

جب سجدہ پورے طور پر نہ کرے

۳۸۹: أَخْبَرَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ وَّاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَأَى رَجُلًا لَّا يُتِمُّ

۳۸۹: ہمیں صلت بن محمد نے بتایا کہ مہدی نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے واصل سے، واصل نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی کہ

رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع پورے طور پر نہ کرتا اور نہ سجدے۔ جب وہ اپنی نماز ختم کر چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اُسے کہا: تو نے نماز نہیں پڑھی۔ (ابووائل) کہتے تھے: میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا: اگر تو مرجائے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے سوا (کسی طریقہ پر) مرے گا۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے ان لوگوں پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اگر زمین سے پیشانی وغیرہ اعضاء کا چھونا ضروری ہے تو سابقہ مستند روایتوں کی بناء پر ماننا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی نماز میں زمین کو نہیں چھوئی۔ اس صورت میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا فتویٰ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان لوگوں پر چسپاں کرنا پڑے گا جنہوں نے چٹائیوں وغیرہ پر نماز پڑھی۔

بَاب ۲۷: يُبْدِيْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ {جَنْبَيْهِ}☆ فِي السُّجُوْدِ

(نمازی) سجدے میں اپنے بازوؤں کو کھلا رکھے اور (اپنے پہلوؤں سے☆) انہیں الگ رکھے

۳۹۰: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ نَحْوَهُ.

۳۹۰: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، (کہا:) بکر بن مضر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے جعفر سے، جعفر نے ہرمز کے بیٹے سے، انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن مالک بن بُحَینہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوتی اور لیث نے کہا کہ جعفر بن ربیعہ نے بھی مجھے اسی طرح بتایا۔

تشریح: باب ۲۷ قائم کر کے سنت نبویہ کو پیش کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپؐ سجدہ میں اپنے بازو زمین سے اٹھائے رکھتے تھے۔ غرض نماز میں اپنے آپ کو زمین سے چپکانا ضروری نہیں۔

حَتّٰى يَبْدُ وَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ: امام کرمانیؒ کہتے ہیں کہ اس کی ایک توجیہہ یہ ہے کہ بغلوں پر کپڑا نہ ہوگا۔

☆ لفظ "جَنْبَيْهِ" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۴۲) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

(شرح البخاری للکرمانی. الجزء الرابع. صفحہ۵۳) اس مضمون کو ان روایات سے تقویت ملتی ہے جن میں حضرت عمر بن ابی سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهٖ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ. (دیکھئے کتاب الصلوٰة. باب۴) ان روایات میں اگرچہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے مگر یہ آپؐ کا معمول نہیں تھا۔ بلکہ آپؐ کو لباس میں قمیص پسند تھی جیسا کہ حضرت امّ سلمہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْص. (شمائل المحمدية للترمذی. باب۸: ماجاء فی لباس رسول اللّٰهِ ﷺ. روایت نمبر ۵۷)

بَاب ۲۸: فَضْلُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ {الْقِبْلَةَ}☆ قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اپنے پاؤں کی اُنگلیاں (قبلہ رخ☆) رکھے۔ ابوحمید نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا۔

۳۹۱: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمَهْدِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مَّيْمُوْنِ بْنِ سِيَاهٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ فَلَا تَخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ.

۳۹۱: ہم سے عمرو بن عباس نے بیان کیا، کہا: ابن مہدی نے ہم سے بیان کیا، کہا: منصور بن سعید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے میمون بن سیاہ سے، انہوں نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کردہ جانور کھائے۔ پس یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ کی امان ہے اور اُس کے رسول کی امان ہے۔ سو اللہ سے عہد شکنی مت کرو؛ اُس امان کے متعلق جو اُس نے دی ہے۔

۳۹۲: حَدَّثَنَا نُعَيْمٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۳۹۲: ہم سے نعیم نے بیان کیا، کہا: ابن مبارک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حمید الطّویل سے، حمید نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے:

☆ لفظ "الْقِبْلَةَ" نسخہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۶۴۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُوْلُوْا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَإِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَآؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقابلہ کرتا رہوں تاوقتیکہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کریں۔ اگر وہ اس کا اقرار کر لیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو پھر اُن کے خون اور اُن کے مال ہمارے لئے حرام قرار دئے گئے ہیں سوائے جہاں حقوق کا تقاضا ہو اور اُن کا حساب اللہ (تعالیٰ) پر ہوگا۔

۳۹۳: قَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ سَأَلَ مَيْمُوْنُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلَّى صَلَاتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ.

۳۹۳: (اور) ابن ابی مریم نے کہا کہ یحییٰ (بن ایوب) نے ہمیں بتلایا کہ حمید نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ اور ایسا ہی علی بن عبداللہ نے کہا کہ خالد بن حارث نے ہم سے بیان کیا، کہا: حمید نے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میمون بن سیاہ نے حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا۔ کہا: ابوحمزہ! آدمی کے خون کو اور اُس کے مال کو کونسی چیز محفوظ کر دیتی ہے تو انہوں نے کہا: جو شخص یہ اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے۔ اُس کے لیے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے لیے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو مسلمان پر ہیں۔

تشریح: **فَضْلُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ:** قبلہ رخ ہونے کا فعل اپنے اندر دو غرضیں رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ افراد اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہوں۔ ظاہری اعضاء کی یک جہتی معنوی یک جہتی پیدا کرنے کی محرک ہوتی ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کی تشریح میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ جونہی انسان کسی مقصد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے باقی افعال میں بھی طبعی طور پر کم و بیش ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جو اُن کی

جہت حرکت کو اس مقصد کی طرف پھیر دیتی ہے۔ دوسری وہ اجتماعی غرض ہے جس کی طرف امام موصوفؒ نے روایت نمبر ۳۹۱-۳۹۳ لا کر اشارہ کیا ہے۔ یعنی قبلہ رخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تمام مسلمانوں میں اعتقادی اور عملی یک جہتی پیدا ہو اور اُن پر احکام شریعت کا نفاذ مساوی طور پر ہو سکے۔

قَالَهُ اَبُو حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت ابوحُمیدؓ کا قول نقل کر کے اٹھائیسویں باب کے مفہوم کی وضاحت کی ہے کہ نمازی کو اپنے تمام اعضاء کے ساتھ یک جہت ہو کر قبلہ رُخ کھڑا ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ پاؤں کی اُنگلیوں کا رُخ بھی قبلہ ہی کی طرف ہو۔ حضرت ابوحمیدؓ کی روایت کتاب الاذان. باب سنة الجلوس فی التشهد. نمبر ۸۲۸ میں دیکھئے۔

اس باب کے ضمن میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں یک جہتی ہونی چاہئے۔ یک جہتی کے بغیر سلامتی اور امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ اجتماعی اصل ہے جس کے بغیر کوئی جماعت بھی با امن نہیں رہ سکتی۔ بلکہ اس کے بغیر جماعت کا وجود ناممکن ہے۔ جماعت اس کا نام نہیں کہ چند افراد ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ بلکہ ان افراد کے مجموعہ کا نام ہے جن کے درمیان مشترکہ اغراض نے ظاہری اور معنوی رابطہ پیدا کر کے انہیں ایک نظام سے وابستہ کر دیا ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں یا مختلف جگہوں میں منتشر۔

روایت نمبر ۳۹۱ کے الفاظ **فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ** کے یہ معنی ہیں کہ یہ وہ مسلمان ہے جس کو شریعت اسلامیہ کے مطابق اجتماعی حقوق حاصل ہونگے۔ **فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ**: اس لئے تم اللہ تعالیٰ کے اس امان کی خیانت مت کرو۔ یعنی مسلمان کی عزت، جان اور مال پر تعدی نہ ہو۔

روایت نمبر ۳۹۲ کے الفاظ **اِلَّا بِحَقِّهَا** روایت ۳۹۱ کے مضمون کی مزید تشریح کرتے ہیں۔ یعنی اگر مسلمان چوری یا خون کرے گا تو پھر اُس کی جان اور اُس کا مال امن میں نہ ہونگے۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (دیکھئے کتاب العلم باب ۳۷)

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: حدیث نمبر ۳۹۲ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کرے یا نماز نہ پڑھے وہ واجب القتل ہے اس کی بے حُرمتی کی جائے اور اس کا مال لوٹ لیا جائے۔ ایک بات کے نفی یا اثبات سے دوسری بات کی نفی یا اثبات لازم نہیں آتی۔ جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہیں کرتے ان کے متعلق الگ احکامِ شریعت ہیں جیسے جزیہ ادا کرنے پر وہ اسی طرح مامون و محفوظ ہیں جیسے ایک مسلمان۔ (دیکھئے کتاب الجزیۃ) بلکہ آیت **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** (الانفال: ۷۳) {ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی تمہارے لیے اُن سے دوستی کا کچھ جواز نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کر جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد چاہیں تو مدد کرنا تم پر فرض ہے، سوائے اس کے کہ کسی ایسی قوم کے خلاف (مدد کا سوال) ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو۔} تو بعض مسلمانوں کو بھی ان حقوق سے محروم کرتی ہے جو ذمیوں کو اسلامی شریعت کی رو سے حاصل ہیں۔

غرض اس روایت میں تو صرف اس مسلمان کی تعریف ہے جو اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونے کا اجتماعی حق رکھتا ہے اور جس پر شریعتِ اسلامیہ کے احکام عائد ہو سکتے ہیں۔ فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ کی نحوی ترکیب اس اصطلاحی تعریف کو صاف واضح کر رہی ہے اور امام بخاریؒ کا روایت نمبر ۳۹۱ کے بعد اُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ کی روایت کو خصوصیت سے لانا بتلاتا ہے کہ وہ اس تعریف کو جنگی حالات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق تب ہی رکھ سکتے ہیں کہ جب وہ مسلمانوں کی طرح اسلامی اصول کے پابند ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ان اصول کے پابند ہو کر شریعت کی دوسری پابندیوں سے آزاد ہوں گے بلکہ اگر انہوں نے حقوق میں تعدی کی تو ان سے انتقام لیا جائے گا۔

اُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ کے متعلق جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا مفصل جواب کتاب الایمان باب ۱۷ روایت ۲۵ کی تشریح میں گزر چکا ہے جو لوگ اس روایت کی بناء پر غیر مسلم کی جان و مال لینا جائز سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تارک الصلوٰۃ مسلمان کی جان و مال بھی محفوظ نہیں۔ اگر فقہی مسائل کے استنباط کرنے میں اس طرح وسعت سے کام لیا جائے تو گوشت نہ کھانے والا مسلمان بھی غنیمت کا شکار ہوگا۔ اندریں صورت مسلم اور غیر مسلم کا سوال باقی نہ رہے گا۔ سب سے پہلے تارک الصلوٰۃ واجب القتل ہوگا۔ علاوہ ازیں شارع اسلام پر بھی یہی اعتراض ہوگا کہ آپؐ نے واقعہ حدیبیہ میں کفار سے کیونکر صلح کی اور جزیہ لے کر ذمّیوں کو امن دینے کی کیوں تاکید فرمائی۔ مذکورہ بالا فتویٰ کے نیچے سب کافروں کو تہ تیغ کرنا چاہیئے تھا۔ نیز کلمہ گو مسلمانوں کے لیے ذمّی کفار کے بالمقابل یہ کیوں جواب دیا: مَالَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ. یعنی ہمارا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ درحقیقت یہ فتوے ایسے بودے اور شریعتِ حقہ سے اتنے دور ہیں کہ اسلام میں اِن پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

امام بخاریؒ نے روایت نمبر ۳۹۳ میں جہاں اس روایت میں تدلیس واقع ہونے کے شبہ کا ازالہ کیا ہے (فتح الباری جزءاوّل صفحہ ۶۴۵) وہاں انہوں نے اس کا مفہوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں واضح کر دیا ہے فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ. یعنی اجتماعی حقوق اور احکامِ شریعت کے اجراء کے اعتبار سے مسلمان وہ شخص ہے جس میں مذکورہ بالا باتیں پائی جائیں۔

روایت ۳۹۱-۳۹۳ سے یہ استدلال کرنا بھی درست نہیں کہ تمام اہلِ قبلہ مسلمان ہیں خواہ ان میں سے بعض ارکانِ ایمان میں سے کسی رُکن کا انکار ہی کریں۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول کو نہ مانیں۔ پس جیسا کہ غیر مسلم یا تارک الصلوٰۃ کو واجب القتل ٹھہرانے والے زیرِ الزام ہیں کہ وہ اس حدیث کا مفہوم بغیر کسی قید و شرط کے لینے میں غلطی کرتے ہیں ایسا ہی وہ لوگ بھی زیرِ الزام ہیں جو اس حدیث کی بناء پر بغیر کسی قید و شرط کے ہر کلمہ گو، قبلہ رخ ہونے والے کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ دو باتیں ہیں جن کا حکم الگ الگ ہے۔ ایک یہ کہ توحید باری تعالیٰ اور رسالت کو مانتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا وغیرہ۔ اور دوسری یہ کہ ان دو رُکنوں میں سے کسی ایک رکن کا کسی پہلو سے انکار کرتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا۔ اس آخری شق کے متعلق قرآن مجید کا صریح فتویٰ یہ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ

أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُولُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا ...(النساء :۱۵۱-۱۵۲) {ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کردیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ کی کوئی راہ اختیار کریں۔} یعنی اللہ کو ماننا اور رسولوں کو نہ ماننا یا بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا یقیناً کفر ہے۔ قرآن مجید کے اس صریح فتویٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ بالا روایت کی بناء پر ہر کلمہ گو قبلہ رخ ہونے والے کو بغیر قید و شرط و تخصیص کے مسلمان قرار دینا لوگوں کو صریح دھوکے میں ڈالنا ہے۔ خصوصاً جبکہ ان روایتوں میں اَلْـمُسْلِمُ کی تخصیص اَلَّذِیْ سے کی گئی ہے۔ یعنی یہ وہ مسلمان ہے جس کو اسلامی سوسائٹی کے وہ حقوق حاصل ہیں جو دوسرے مسلم افراد کو۔ یعنی اس پر اسلامی قانون کا اجرا ہوگا۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ تمام اعتبارات کے لحاظ سے کامل مسلمان ہوگا خواہ وہ توحید یا رسالت کا انکار کرتا ہو۔ بیشک ہم ایسے شخص کو اسلامی سوسائٹی کی طرف منسوب کریں گے اور اسلامی شریعت کے احکام بھی اس پر نافذ ہونگے مگر وہ مُسْـلِـم کی حقیقی تعریف کا مصداق نہیں ٹھہرے گا۔ صرف ایک اصطلاحی مسلمان کہلائے گا۔ ان روایتوں کا یہی اصل مفہوم ہے۔ اس مفہوم کو بگاڑنا اور اس سے غلط استدلال کرنا صریح ظلم ہے۔

بَاب ۲۹: قِبْلَةُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

مدینہ والوں کا اور شام اور مشرق والوں کا قبلہ

لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِّقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَّلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا.

اور قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پاخانہ یا پیشاب کرتے (وقت) قبلہ کی طرف منہ نہ کیا کرو۔ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف۔

٣٩٤: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا

۳۹۴: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: زہری نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عطاء بن یزید سے، عطاء نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنگل جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ہی اُس کی طرف پیٹھ

وَلَكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا قَالَ أَبُو أَيُّوْبَ فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيْضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ وَنَسْتَغْفِرُ اللهَ تَعَالَى وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

کرو۔ بلکہ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف۔ حضرت ابوایوبؓ کہتے تھے کہ ہم شام آئے تو ہم نے پاخانے قبلہ رُخ بنے ہوئے پائے۔ پس ہم ایک طرف کو مُڑ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے۔ نیز زہری سے مروی ہے کہ انہوں نے عطاء سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوایوبؓ کو نبی ﷺ سے اسی طرح روایت کرتے سنا.

تشریح: **لَيْسَ فِيْ الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ:** یہ باب اس بات کی وضاحت کی لئے باندھا گیا ہے کہ جہات میں کوئی جہت بذاتِ خود قبلہ نہیں بلکہ قبلہ درحقیقت وہ مقامِ ابراہیم ہے جو بیت اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ أَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ (البقرة :۱۲۶){اور جب ہم نے (اپنے) گھر کو لوگوں کے بار بار اکٹھا ہونے کی اور امن کی جگہ بنایا۔ اور ابراہیم کے مقام میں سے نماز کی جگہ پکڑو۔} چنانچہ اگلا باب اور اس کی روایتیں بھی اسی مضمون سے متعلق ہیں۔ طولِ تعامل کے مخفی اثر کے ماتحت عام طور پر لوگ ایک معین جہت کو قبلہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اسی غلط اثر کو مٹانے کی خاطر باب ہذا کا عنوان قِبْلَةُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ.... باندھ کر اس کی نفی کی ہے کہ نہ مشرق میں قبلہ ہے اور نہ مغرب میں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر جہات میں سے کوئی جہت قبلہ ہوتی تو پھر مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیتے۔

بَاب ۳۰: قَوْلُ اللهِ تَعَالَى
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (البقرة: ۱۲٦)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ تم مقامِ ابرہیم کو نماز گاہ بناؤ

۳۹۵: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَّجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ لِلْعُمْرَةِ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

۳۹۵: ہم سے حُمیدی نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: عمرو بن دینار نے ہمیں بتلایا۔ کہا: ہم نے حضرت ابن عمرؓ سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا جو بیت اللہ کا طوافِ عمرہ تو کرے اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو کیا وہ اپنی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

بیوی کے پاس آ سکتا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور انہوں نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا۔ اور تمہارے لئے رسول اللہؐ میں نیک نمونہ ہے۔

٣٩٦:وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

۳۹۶: اور ہم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: تاوقتیکہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے وہ اس کے قریب نہ جائے۔

٣٩٧: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سَيْفٍ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قَالَ أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ فَقِيْلَ لَهُ هَذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فَأَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ أَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَعْبَةِ قَالَ نَعَمْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ.

۳۹۷: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحیٰی نے سیف یعنی ابن سلیمان سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سُنا۔ وہ کہتے تھے: حضرت ابن عمرؓ کے پاس کوئی آیا اور اُن سے کہنے لگا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے اندر گئے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے: یہ سن کر میں آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو باہر چلے گئے اور میں حضرت بلالؓ کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑا پاتا ہوں تو حضرت بلالؓ سے میں نے پوچھا۔ کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے؟ کہا: ہاں۔ دو رکعتیں ان دو عموددوں کے درمیان جو تمہارے بائیں طرف کو ہیں جب تم داخل ہو۔ پھر آپؐ باہر آئے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی۔

۳۹۸: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هَذِهِ الْقِبْلَةُ.

۳۹۸: ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، کہا: عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا کہ ابن جریج نے عطاء سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔کہا: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے اُس کے تمام کونوں میں دُعا کی اور نماز نہیں پڑھی جب تک کہ بیت اللہ سے باہر نہیں آئے۔ جب آپؐ باہر آئے تو آپؐ نے کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: یہ قبلہ ہے۔

تشریح: آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دے کر تین روایتیں مقامِ ابراہیم کی تعیین نیز یہ ثابت کرنے کے لیے لائی گئی ہیں کہ مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ بنانے سے مراد وہ خاص پتھر نہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بلکہ مطلق کعبہ ہے۔پہلی روایت نمبر ۳۹۵ میں ہے: صَلّٰی خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ. یعنی اس مقام کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور روایت نمبر ۳۹۷ میں ہے کہ کعبہ کے اندر بھی پڑھی اور باہر نکل کر کعبہ کے سامنے بھی نماز پڑھی۔اس سے معلوم ہوا کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (البقرۃ: ۱۲۶) سے مقام ابراہیم کی طرف منہ کرنا مراد نہیں۔ بلکہ اس سے مطلق کعبہ مراد ہے۔

اور روایت نمبر ۳۹۸ حضرت ابن عباسؓ کی ہے۔اگرچہ اس میں اندر نماز پڑھنے کا ذکر نہیں مگر تاہم ان کے الفاظ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کعبہ کے سامنے دو رکعتیں نماز پڑھی اور کعبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: هٰذِهِ الْقِبْلَةُ یہ قبلہ ہے۔حضرت ابن عباسؓ چونکہ اس موقع پر موجود نہ تھے اس لئے حضرت بلالؓ کی روایت کہ آپؐ نے اندر اور باہر دونوں جگہ نماز پڑھی زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔حضرت ابن عباسؓ کو صرف ایک بات کا علم ہوا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ سب طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

بَاب۳۱: التَّوَجُّهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ

قبلہ کی طرف جہاں بھی ہو، منہ کرنا

وَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَ كَبِّرْ.

اورحضرت ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور تکبیر کہو۔

۳۹۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَّ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يُّوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرة: ١٤٥) فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ وَقَالَ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرة: ١٤٣) فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلَّى فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ

۳۹۹: ہم سے عبداللہ بن رجاء نے بیان کیا، کہا: اسرائیل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف آپؐ کا منہ ہو تو اللہ (عزوجل) نے یہ وحی کی۔ "قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ" ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان میں تیری توجہ بار بار لوٹ رہی ہے۔ پھر آپؐ نے کعبہ کی طرف منہ کیا اور لوگوں میں سے ناسمجھوں نے کہا اور وہ یہود تھے کہ ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے کس چیز نے انہیں پھیر دیا ہے تُو کہہ اللہ ہی کا مشرق اور مغرب ہے۔ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف اُس کی رہنمائی فرماتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے نماز پڑھی پھر وہ نماز پڑھنے کے بعد نکلا اور انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو کہ بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے عصر کی نماز پڑھ رہی تھی تو اُس

يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتَّى تَوَجَّهُوْا نَحْوَ الْكَعْبَةِ.

نے کہا کہ وہ شہادت دیتا ہے کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپؐ نے کعبہ کی طرف منہ کیا۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ ایک طرف کو سرک گئے، اتنا کہ جس سے وہ قبلہ رخ ہو گئے۔

٤٠٠: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

۴۰۰: ہم سے مسلم نے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰی بن ابی کثیر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن سے۔ انہوں نے حضرت جابر (بن عبداللہؓ) سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر جدھر کو اس کا منہ ہوتا نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپؐ فرض نماز کا ارادہ فرماتے تو آپؐ اُترتے اور قبلہ کی طرف منہ کرتے۔

٤٠١: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ لَا أَدْرِيْ زَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ

۴۰۱: ہم سے عثمان نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابراہیم سے، ابرہیم نے علقمہ سے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہؓ (بن مسعود) نے کہا کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی۔ ابراہیم کہتے تھے: مجھے معلوم نہیں آیا آپؐ نے زیادہ پڑھی یا کم پڑھی۔ پس جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپؐ سے کہا گیا: یارسول اللہ! کیا نماز کے متعلق کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ فرمایا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا: آپؐ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اس پر آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں موڑے اور قبلہ رخ ہوئے اور دو سجدے کئے۔ پھر آپؐ نے سلام پھیرا۔ جب ہماری طرف منہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اگر نماز کے متعلق کوئی نئی

مِّثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّى الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ.

بات ہوتی تو میں تمہیں اُس سے آگاہ کر دیتا۔ لیکن میں تو تمہاری طرح ہی بشر ہوں۔ بھولتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو۔ اس لئے جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دِلا دیا کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی اپنی نماز کے متعلق شک میں پڑ جائے تو چاہیئے کہ جو بات زیادہ ٹھیک معلوم ہو وہی اختیار کرے اور اس پر نماز پوری کرے اور پھر سلام پھیرے۔ پھر دو سجدے کرے۔

تشریح: **اَلتَّوَجُّهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ:** ایک نیا عنوان قائم کر کے سابقہ مسئلہ کی مزید تائید کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے جس قول کا حوالہ دیا ہے وہ کِتَابُ الْاِسْتِئْذَان، باب مَنْ رَدَّ فَقَالَ عَلَيْكَ السَّلَام: نمبر ۶۲۵۱ میں ہے۔ اس باب کے ذیل میں تین روایتیں لائے ہیں۔ پہلی روایت میں تحویل قبلہ کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الایمان. باب ۳۰: الصلاۃ من الایمان. روایت ۴۰ کی شرح۔

فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ ...: دوسری روایت سے بتلایا کہ نماز فریضہ کی ادائیگی کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا حتی الوسع ضروری ہے۔ نوافل میں اونٹنی یا سواری جدھر جارہی ہو اُدھر منہ کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ باب ۲۰ کے عنوان میں کشتی میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز فریضہ جدھر کشتی جارہی ہو اُسی طرف منہ کر کے پڑھنی جائز ہے۔ اس پر ریل اور جہاز کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بحالتِ مجبوری اسلام نے سہولت دی ہے۔

تیسری روایت نمبر ۴۰۱ ایک اختلافی مسئلہ حل کرنے کے لئے لائے ہیں جس کا تعلق قبلہ کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ آیا قبلہ کی جہت معین کرنے میں اجتہاد کافی ہے یا یہ کہ اُس کی تعیین پوری صحت پر مبنی ہو؟ امام بخاریؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں اس کا ایک اصولی جواب دیا ہے: **اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّى الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ.** یعنی جو بات زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہو اس پر اپنی نماز کی تکمیل کرے تکلیف مالا یطاق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن مجید نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا فی ذاتہٖ نیکی نہیں ہے۔ **لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ...** (البقرۃ:۱۷۸) {نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔} شارع اسلامؐ نے بھی اس ارشاد کی عملاً تشریح فرما دی ہے تا کہ لوگ کہیں خود کعبہ کو پوجنے کی جگہ نہ تصور کر لیں جیسا کہ دوسری قوموں نے اپنی مقدس جگہوں کو پوجنا شروع کر دیا۔ کعبہ کو صرف اس لئے ترجیح دی ہے کہ وہ پہلا گھر ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑا کیا گیا تھا اور وہ اُس کامل عبودیت کا مجسمہ ہے جس کا نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دکھایا۔ تا کہ لوگ اپنی عبادت میں حضرت ابراہیمؑ کے طریقِ حنیفیت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں۔ اسی نکتۂ جلیلہ کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى** (البقرۃ:۱۲۶) {اور ابراہیم کے مقام میں سے نماز کی جگہ پکڑو۔}

بَاب ۳۲: مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ

قبلہ کے متعلق جو روایتیں آئی ہیں

وَمَنْ لَّا يَرَى الْإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ.

اور جو نماز کو دُہرانا ضروری نہ سمجھے ایسے شخص کے لیے جس نے بھول کر قبلہ کے بجائے کسی اور طرف نماز پڑھی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا اور لوگوں کی طرف منہ کیا۔ پھر آپؐ نے جو باقی رہی تھیں انہیں پورا کیا۔

٤٠٢: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِي ثَلَاثٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (البقرة: ١٢٦) وَآيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْ أَمَرْتَ نِسَآءَكَ أَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ (الأحزاب: ٦٠) وَاجْتَمَعَ نِسَآءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُّبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ (التحريم: ٦)

۴۰۲: ہم سے عمرو بن عون نے بیان کیا، کہا: ہشیم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حُمید سے۔ حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ کہتے تھے: حضرت عمرؓ نے کہا: تین باتوں میں میری رائے میرے رب کے منشاء کے مطابق ہوئی۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ بنالیں تو آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى نازل ہوئی۔ اور پردے کا حکم۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپؐ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں۔ کیونکہ ان سے بھلے بھی اور بُرے بھی باتیں کرتے ہیں تو پردے کی آیت نازل ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے بوجہ غیرت آپؐ کے متعلق ایکہ کیا تو میں نے انہیں کہا: اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں تو مجھے اُمید ہے کہ اُن کا ربّ تم سے بہتر بیویاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلے میں دے گا۔ اس

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا بِهَذَا.

پر یہ آیت نازل ہوئی (عَسٰی رَبُّهُ.... الآیة) اور ابن ابی مریم نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحییٰ بن ایوب نے ہمیں بتلایا، کہا: حمید نے مجھ سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت انسؓ سے یہ سنا۔

٤٠٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَآءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَآءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ.

۴۰۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک بن انس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی۔ کہا: ایک بار لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اُن کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی رات قرآن نازل کیا گیا ہے اور آپؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائیں تو انہوں نے اس کی طرف منہ کر لئے اور ان کے منہ شام کی طرف تھے۔ پھر وہ لوگ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

٤٠٤: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ خَمْسًا فَقَالُوْا أَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

۴۰۴: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے حَکَم سے، حَکَم نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے کہا: کیا نماز میں زیادتی کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا: آپؐ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اس پر آپؐ نے اپنے پاؤں موڑے اور دو سجدے کئے۔

تشریح: **مَاجَاءَ فِي الْقِبْلَةِ:** تیسواں باب ایک اختلافی مسئلہ حل کرنے کے لئے باندھا گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی غلطی سے کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور بعد میں معلوم ہو تو کیا وہ نماز دُہرائے۔ امام مالکؒ اور زہریؒ وغیرہ کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے بعد اُسی وقت علم ہو جائے تو دُہرائے ورنہ نہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جب بھی غلطی معلوم ہو نماز دُہرائے۔ امام بخاریؒ کا فتویٰ ان دونوں کے خلاف ہے۔ عنوانِ باب میں امام بخاریؒ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھ کر مُڑے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ آپؐ درحقیقت نماز کی حالت میں تھے۔ کیونکہ نماز آدھی پڑھی گئی تھی اور آدھی اُس وقت پڑھنی باقی تھی جو آپؐ نے بعد میں پڑھی۔ اس وقفہ کے اثناء میں آپؐ کا قبلہ چھوڑ کر کسی اور طرف منہ کرنا بھی درحقیقت اسی طرح سہو ونسیان کی حالت میں تھا جس طرح نماز کی عدمِ تکمیل۔ قبلہ رخ ہونا بھی تو نماز کا حصہ ہے مگر اس بھول کی وجہ سے آپؐ نے پہلی دو رکعتیں نہیں دُہرائیں۔ امام موصوفؒ کا یہ باریک استدلال ہے جس کی تشریح امام ابن حجرؒ نے کی ہے۔ (فتح الباری۔ جزء اول صفحہ ۶۵۴) باقی سب روایتیں اسی استدلال کی تائید میں لائے ہیں۔

روایت **نمبر ۴۰۲** کا مدعا یہ ہے کہ پہلی نمازیں دُہرائی نہیں گئیں۔ یہ روایت ان لوگوں کا زُعمِ باطل رد کرنے کے لئے لائی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تو مکہ مکرمہ میں کعبہ کو بھی اپنے سامنے رکھ لیتے تھے۔ اس لئے ان نمازوں کے دُہرانے کی ضرورت نہ تھی۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ مکہ میں کعبہ کی طرف بھی منہ کرنے کا حکم تھا۔ پھر مدینہ میں یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ پھر یہ حکم دوبارہ منسوخ ہوا اور اس طرح کعبہ آخری قبلہ ٹھہرا۔ گویا ان کے نزدیک دو دفعہ نسخ ہوا ہے جو بالکل غلط ہے۔ حضرت عمرؓ کی خواہش بتلاتی ہے کہ مقامِ ابراہیمؑ کے متعلق اس سے پہلے کوئی حکم الٰہی نازل نہیں ہوا تھا۔ جس کو مدینہ میں پہلے منسوخ کیا گیا ہو۔ سابقہ شریعت کے ماتحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عملدرآمد کرتے تھے اور یہ آپؐ کا اجتہاد تھا۔ نہ وحی الٰہی کا کوئی خاص حکم جو بعد میں منسوخ ہوا ہو۔

وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ ...: روایت نمبر ۳۹۲ کے آخر میں ابن ابی مریم کا حوالہ دینے سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضرت انسؓ سے حُمید کی سماعت ثابت ہے۔ اس میں تدلیس واقع نہیں ہوئی (فتح الباری۔ جزء اول صفحہ ۶۵۵)

روایت نمبر ۴۰۳ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حالتِ نماز میں صحابہ مُڑ گئے اور انہوں نے پڑھی ہوئی نماز نہیں دُہرائی۔

بَاب ۳۳: حَكُّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

مسجد سے اپنے ہاتھ سے تھوک کُھرچنا

۴۰۵: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۰۵: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن جعفر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حُمید سے۔ حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ فَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّهُ يُنَاجِيْ رَبَّهُ أَوْ إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا.

نے سامنے (دیوار پر) کھنگار دیکھا تو آپؐ کو اتنا ناگوار معلوم ہوا کہ آپؐ کے چہرے میں اس کا اثر دکھلائی دیا۔ آپؐ اُٹھے اور اس کو اپنے ہاتھ سے کُھرچا اور فرمایا: تم میں سے کوئی جب اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ یا فرمایا کہ اس کا ربّ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لئے تم میں سے کوئی اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوکے۔ البتہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اُس میں تھوکا۔ پھر اُس کو تہ کر دیا اور فرمایا: یا یوں کر لے۔

٤٠٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى.

۴۰۶: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر تھوک دیکھا تو اُسے کھرچ دیا۔ پھر آپؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیے کہ وہ اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے کیونکہ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے سامنے ہوتا ہے۔

٤٠٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى

۴۰۷: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے حضرت عائشہؓ اُمّ المؤمنین سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ

فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا أَوْ بُصَاقًا أَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهُ.

علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر رینٹھ یا تھوک یا کھنگار دیکھا تو اُسے کھرچ دیا۔

تشریح: تینتیسویں (۳۳) باب سے لے کر چوالیسویں (۴۴) باب تک آدابِ مسجد کا ذکر ہے جن میں سے ایک یہ اَدب ہے کہ مسجد کی صفائی کے متعلق خاص اہتمام رکھا جائے اور اس میں تھوکا نہ جائے اور اگر رینٹھ وغیرہ دیکھے تو اس کو دُور کردے۔ نماز کا قیام ورکوع وسجود سب اسی مقصد کے لئے ہیں کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا ہو۔ نماز میں نمازی کی حالت اُس شخص کی سی ہوتی ہے جو بادشاہ کے دربار میں کھڑا کچھ عرض کر رہا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تھوکنا مقامِ تعظیم کے خلاف ہے۔

ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ: کپڑے میں تھوکنے کی جو اجازت دی گئی ہے وہ لاچاری کی حالت ہے جیسے کھانسی سے بیمار بعض وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ شارعِ اسلامؐ نے استثنائی حالات میں سہولتیں دی ہیں۔ آپؐ نے اُنہیں کپڑے میں تھوک کر اور کپڑا لپیٹ کر بتلایا کہ یوں کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان اُمیّوں کی عملی تربیت چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی فرمائی جیسے ایک مشفق محبت بھری ماں اپنے بچے کو سکھلاتی اور اُس کی تربیت کرتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔

بَاب ٣٤: حَكُّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ

رینٹھ کو مسجد سے کنکری کے ساتھ کُھرچ دینا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ وَّطِئْتَ عَلَى قَذَرٍ رَّطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اگر تم گیلی گندگی پر پاؤں رکھو تو اُس کو دھولو اور اگر سوکھی ہو تو نہیں۔

٤٠٨-٤٠٩: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا فَقَالَ إِذَا تَنَخَّمَ

۴۰۸-۴۰۹: ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتلایا۔ کہا: ابن شہاب نے حُمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ دونوں نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر کھنگار دیکھا تو آپؐ نے ایک کنکری لی اور اُسے کھرچ دیا اور فرمایا: اگر تم میں سے کوئی کھنگارے

أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.

تو اپنے منہ کے سامنے کھنگار نہ پھینکے اور نہ ہی اپنی دائیں طرف اور چاہئے کہ وہ اپنی بائیں طرف یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔

تشریح: سابقہ باب میں بِیَدِہٖ کے الفاظ عنوان میں درج کر کے امام موصوفؒ نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ روایت نمبر ۴۰۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے رینٹھ کھرچی تھی۔ روایت نمبر ۴۰۵ کے مقابل پر اُسی باب میں روایت نمبر ۴۰۶، ۴۰۷ لا کر یہ بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں بِیَــدِہٖ کے الفاظ نہیں۔ صرف فَحَكَّهُ ہے یعنی اُسے کھرچ ڈالا کیونکہ وہ خشک تھا۔

فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا: چونتیسویں باب میں اسی روایت کی ایک اور سند نقل کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسے کنکری سے کھرچا تھا۔ بِیَدِہٖ سے مراد یہ نہیں کہ ناخن سے کھرچا بلکہ یہ مراد ہے کہ خود کیا تھا۔ یہ سند زیادہ قابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس کے دو راوی ہیں؛ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ۔ اور ان کا بیان ایک ہے۔

باب کے عنوان میں حضرت ابن عباسؓ کا حوالہ دے کر ایک لطیف اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ خشک رینٹھ ایسی ناپاک نہیں کہ ہاتھ لگنے سے ہاتھ ناپاک ہو جائے۔ رینٹھ چھوڑ خشک گوبر لگنے سے پاؤں ناپاک نہیں ہوتے۔ مگر روایت کے الفاظ صریح ہیں کہ کنکری سے آپؐ نے وہ رینٹھ دُور کی تھی اور اس خشک رینٹھ کے وجود کو بھی آپؐ نے مسجد کے آداب کے منافی سمجھا۔

بَاب ۳۵: لَا يَبْصُقْ عَنْ يَّمِيْنِهِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں اپنی دائیں طرف نہ تھوکے

٤١٠-٤١١: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيْدٍ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي حَائِطِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَاةً فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ إِذَا تَنَخَّمَ

۴۱۰-۴۱۱: ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عُقَیل سے، عُقَیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے حُمَید بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ دونوں نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی چار دیواری میں کھنگار دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکری لی اور اُسے کھرچ دیا۔ پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی

أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.

کھنگارے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اور نہ ہی اپنے دائیں طرف۔ اور چاہئے کہ اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

٤١٢: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِيْ قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتْفِلَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ.

۴۱۲: ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: قتادہ نے مجھے بتایا۔ کہا: میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی نہ اپنے سامنے اور نہ ہی اپنے دائیں طرف تھوکے۔ البتہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے۔

تشریح: **لَا يَبْصُقُ عَنْ يَّمِيْنِهِ فِي الصَّلٰوةِ:** شارعِ اسلامؐ نے دائیں ہاتھ کو اچھے کاموں کے لئے مخصوص کیا ہے اور اس امر کی طرف توجہ دلانے اور اس کی ہمیشہ نگہداشت رکھنے کے لئے ہر مناسب موقع و محل کے مطابق ہدایت فرمائی ہے۔ جیسا کہ یہاں بھی بائیں طرف تھوکنے سے منع فرمایا۔ تا معنوی عزت وطہارت اور یُمن وبرکت کا مفہوم ذہن میں قائم رہے۔ اس باب میں بھی وہی روایت ایک اور سند سے لائے ہیں اور اس میں بھی کنکری لینے اور کھرچنے کا ذکر ہے۔

ان روایتوں میں بائیں طرف یا پاؤں تلے تھوکنے کی جو اجازت دی گئی ہے۔ وہ حالت مجبوری کو مدنظر رکھ کر دی ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں فرش نہیں ہوتے تھے اس لئے پاؤں کے نیچے تھوک کر اُس کو زمین میں دفنا دینے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ اجازت بحالتِ استثنائی ہے جیسا کہ اس کے متعلق اگلے بابوں کی روایتوں میں اس امر کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوکنا گناہ قرار دیا ہے اور اگر کوئی غلطی یا بحالتِ مجبوری تھوکے تو وہ اُس کو دفنا دے۔ اس زمانہ میں پاؤں میں جوتیاں ہوتی تھیں☆ اس لیے یہ مسئلہ جوتی کے نیچے تھوک لینے کا ہے نہ کہ ننگے پاؤں کے نیچے۔

یَسَار کا لفظ قرآن کریم وحدیث کے محاورہ میں گندی جگہ یا نامناسب جگہ کے لیے بھی مستعمل ہے۔ لہٰذا اِس سے یہ مراد بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی جگہ جو ان کاموں (یعنی تھوکنے وغیرہ) کے لیے مختص ہے۔ مثلاً طہارت خانے وغیرہ، وہاں تھوک لے۔ نیز تَحْتَ قَدَمِهٖ سے یہ مراد بھی ہوسکتا ہے کہ اس چیز میں تھوک لے جو اس کے تصرف میں ہے۔ مثلاً رومال وغیرہ۔ ان معنوں کو اس روایت سے بھی تقویت ملتی ہے، جس میں کپڑے کے پلو میں تھوکنے اور اسے دوہرا کر لینے کا ذکر ہے۔ (دیکھئے کتاب الصلوٰۃ. باب ۳۹)

☆ دیکھئے کتاب الصلوٰۃ. باب۲۴: الصلوٰۃ فی النعال. حدیث نمبر: ۳۸۶

بَاب ٣٦: لِيَبْزُقْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى

چاہیے کہ اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے

٤١٣: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

۴۱۳: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: قتادہ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہوتا ہے اس لئے وہ نہ اپنے سامنے اور نہ ہی اپنی دائیں طرف تھوکے لیکن اگر تھوکنا ہی ہو تو اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے۔

٤١٤: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ ثُمَّ نَهَى أَنْ يَّبْزُقَ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى وَعَنِ الزُّهْرِيِّ سَمِعَ حُمَيْدًا عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ نَحْوَهُ.

۴۱۴: ہم سے علی نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا، (کہا:) زہری نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حُمید بن عبدالرحمٰن سے۔ حُمید نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ میں کھنگار دیکھا تو آپؐ نے ایک کنکری سے اُسے کھرچ ڈالا۔ پھر آپؐ نے منع فرمایا کہ آدمی اپنے سامنے یا اپنی دائیں طرف تھوکے۔ البتہ اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں قدم کے نیچے (تھوک لے)۔ زہری سے مروی ہے کہ انہوں نے حُمید سے سنا۔ وہ حضرت ابوسعیدؓ (خدری) سے اِسی طرح روایت کرتے تھے۔

بَاب ۳۷ : كَفَّارَةُ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں تھوکنے کا کفارہ

٤١٥: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا.

۴۱۵: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا کہا: قتادہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس غلطی کا کفارہ اُس تھوک کو مٹی میں دبا دینا ہے۔

بَاب ۳۸ : دَفْنُ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں کھنگار کو مٹی میں دبا دینا

٤١٦: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ فَإِنَّ عَنْ يَّمِيْنِهِ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا.

۴۱۶: ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، کہا: عبدالرزاق نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے معمر سے۔ معمر نے ہمّام سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے۔ کیونکہ جب تک وہ اپنی نماز گاہ میں ہے اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے دائیں طرف کیونکہ اُس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اور چاہیے کہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے اور اُسے دفن کر دے۔

تشریح: **اَلْبُزَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَةٌ:** حدیث نمبر ۴۱۵ سے ظاہر ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔ باب نمبر ۳۸ میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کوئی تھوک بیٹھے تو پھر وہ اُسے زمین میں دبا دے۔ اور اگر پکا فرش ہو یا جائے نماز وغیرہ نیچے ہو تو پھر چادر یا رومال میں تھوکے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۴۱۷ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اس بارے میں واضح ہے۔ امام بخاریؒ کا اس روایت کو آخر میں لانا بتلاتا ہے کہ آپؐ کا آخری حکم یہی ہے۔ چنانچہ باب ۳۹

کے عنوان میں بھی ان مختلف روایتوں کے خلاصہ مفہوم کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نماز میں تھوکنا منع ہے لیکن اگر تھوکنے کے لئے کوئی مجبور ہو جائے تو پھر کپڑے میں تھوک لے۔

روایت نمبر ۴۱۶ میں جو یہ الفاظ ہیں: **فَإِنَّ عَنْ يَّمِيْنِهِ مَلَكًا** یعنی اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ ملائکہ کے متعلق تفصیلی بحث آئینہ کمالات اسلام (روحانی خزائن۔ جلد ۵۔ صفحہ ۸۷ تا ۸۷) میں دیکھی جائے۔ جہاں نقلی اور عقلی دلائل سے اُن کے وجود پر بحث کی گئی ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے ایک داعیٔ خیر اور ایک داعیٔ شر مقرر کیا گیا ہے۔ داعیٔ خیر کو اس روایت میں یَمِین یعنی دائیں طرف منسوب کیا گیا ہے۔ نماز میں انسان داعیٔ خیر کے پاکیزہ اثر کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کی نیک تحریک سے وہ نماز میں باادب کھڑا ہوتا ہے۔ چونکہ نماز میں تھوکنا مقامِ ادب کے خلاف ہے اور اس سے توجہ الی اللہ میں فرق آ جاتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ تھوک فرشتہ پر پڑے گا بلکہ اس لئے کہ نماز میں عبودیت کی جو مَلَکی کیفیتیں انسان میں پیدا ہو رہی ہوتی ہیں اُن میں خلل آنے کا احتمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ نماز میں تھوکنا علی الاطلاق منع ہے۔ نہ آگے، نہ دائیں، نہ بائیں۔ مگر بحالتِ مجبوری بائیں طرف تھوکنے کی اجازت دی گئی ہے اور یہ اجازت دیتے وقت اس تقدس واحترام اور یُمن و برکت کے تصور کو ضائع ہونے سے محفوظ کر لیا گیا ہے جو قبلہ سے اور دائیں ہاتھ سے وابستہ ہے۔ ورنہ دراصل اللہ تعالیٰ تو آگے بھی ہے اور پیچھے بھی اور مختلف ملائکہ اس کے پس و پیش اور چپ و راست اپنے اپنے فرائض ہمیشہ بجا لا رہے ہوتے ہیں۔

بَاب ۳۹: إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ

جب اُسے تھوک جلدی سے آئے تو چاہیے کہ اپنے کپڑے کے کنارہ میں اُسے لے

۴۱۷: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَحَكَّهَا بِيَدِهِ وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذَلِكَ وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ وَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ

۴۱۷: ہم سے مالک بن اسمٰعیل نے بیان کیا، کہا: زُہَیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ نبی ﷺ نے قبلہ میں کھنگار دیکھا تو آپؐ نے اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ ڈالا اور آپؐ (کے چہرہ پر) ناپسندیدگی نمایاں تھی یا کہا کہ دیکھا گیا کہ آپؐ نے اُسے ناپسند فرمایا ہے اور آپؐ کو یہ سخت ناگوار گزرا اور آپؐ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے یا فرمایا: اُس کا ربّ اُس کے اور

وَلَكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَزَقَ فِيْهِ وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ قَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا.

اُس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے قبلہ میں نہ تھوکے۔ البتہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدم کے نیچے۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوکا اور پھر اس کو تہ کر دیا۔ فرمایا: یا وہ اِس طرح کرے۔

تشریح: انتالیسویں باب کے عنوان کے الفاظ قابل غور ہیں۔ **اِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ** کا مفہوم روایت نمبر ۴۱۷ سے بظاہر نہیں نکلتا۔ یہ امام بخاریؒ کا اپنا استدلال ہے جو انہوں نے اس صریح ممانعت سے کیا ہے۔ جس کا ذکر نہ صرف اس روایت میں ہے بلکہ سابقہ تمام روایات میں بھی ہے یعنی جب آپؐ نے پوری تاکید سے نماز میں تھوکنا منع فرمایا ہے تو اس اجازت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ جب انسان تھوکنے کے لئے بے اختیار ہو جائے تو پھر وہ ایسا کر سکتا ہے۔

بَاب ٤٠ : عِظَةُ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي إِتْمَامِ الصَّلَاةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ

نماز پورے طور پر ادا کرنے کے متعلق امام کا لوگوں کو نصیحت کرنا اور قبلہ کا بیان

٤١٨: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا فَوَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ.

۴۱۸: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوزناد سے، ابوزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا منہ اس طرف ہے۔ اللہ کی قسم مجھ پر تمہاری خشیت (گدازِ قلب) اور تمہارا رکوع پوشیدہ نہیں رہتا۔ میں تو تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوتا ہوں۔

٤١٩: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ

۴۱۹: ہم سے یحییٰ بن صالح نے بیان کیا، کہا: فُلَیح بن سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہلال بن علی سے، ہلال نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی، کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر

فِي الصَّلَاةِ وَفِي الرُّكُوْعِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ.

چڑھے اور نماز اور رکوع کے متعلق نصیحت فرمائی کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوتا ہوں؛ ایسا ہی جیسا کہ تمہیں اَب دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: امام بخاریؒ نے قبلہ کے متعلق روایات کو ختم کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ قبلہ صرف اس کا نام نہیں کہ ایک خاص جہت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا جائے اور رسمی طور پر بعض حرکات بجالائے بلکہ اس توجہ الی اللہ کا نام ہے جس میں سوز و گداز اور پورا اِنہماک فی اللہ ہوتا ہے جس کے بغیر بندے کی نماز تکمیل کو نہیں پہنچتی۔

امام موصوفؒ کا مقصد اس باب کے باندھنے سے یہ بتلانا ہے کہ ایک ظاہری قبلہ ہوتا ہے، تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا۔ اور ایک روحانی قبلہ ہوتا ہے جس میں روح کی آنکھ اپنے ماحول کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے اور امام جو کہ اپنے مقتدیوں کی روحانی اصلاح کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے قبلہ کی دو جہتیں رکھے۔ ایک جہت توجہ الی اللہ کی اور دوسری جہت اپنے مقتدیوں کی روحانی اصلاح کی۔ امام کا قبلہ ایسا وسیع ہونا چاہئے کہ اس میں وہ اپنے مقتدیوں کو سمیٹ کر اپنی روح کی سوز و گداز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کے لئے تڑپے۔

مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَارُكُوْعُكُمْ: آپؐ کو پورا پورا اِحساس ہوتا کہ آپؐ کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کی معنوی کیفیات اور ظاہری حرکات اپنے اندر کیا کچھ قوت رکھتی ہیں۔ امام کی مہم اسی قدر آسان ہوتی جاتی ہے جس قدر مدد اُس کو مقتدیوں کے معنویات سے ملتی جاتی ہے۔ اور آخر امام اور مقتدیوں، مرشد اور مریدوں، رہنما اور پیروؤں کے درمیان اس قسم کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی معنویات سے ضرور متأثر ہوتے ہیں۔ ان کی حالت مرایا متقابلہ کی سی ہوتی ہے کہ ایک کا عکس دوسرے میں منعکس ہوتا ہے۔ اِنْ حَسَنٌ فَحَسَنًا وَاِنْ سَيِّئٌ فَسَيِّئًا۔

اِنِّیْ لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَائِيْ كَمَا اَرَاكُمْ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اللہ تعالیٰ میں ہو کر ایک مصفّٰی شفاف آئینہ تھی جس میں آپؐ کے ساتھیوں کے معنوی حالات منعکس ہو کر اپنے مختلف اثرات کو محسوس کراتے رہتے تھے۔ آپؐ کا اِدراک ایسا لطیف ہو چکا تھا کہ اگر کسی مجلس میں آپؐ بیٹھتے تو مجلس والوں کے باطنی خیالات وافکار کو قوی طور پر محسوس کرتے جس کی وجہ سے آپؐ کثرت سے استغفار میں مشغول رہتے۔

بَاب ٤١: هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ؟

کیا یوں کہا جائے کہ فلاں لوگوں کی یہ مسجد ہے؟

٤٢٠: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَّأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا.

۴۲۰: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَفْيَاء سے اُن گھوڑوں کے درمیان گھڑ دوڑ کرائی جو تیار کیے گئے تھے اور اُن کی انتہائی حد ثَنِيَّةُ الْوَدَاع تھی اور ثنیہ سے بنی زُرَیق کی مسجد تک اُن گھوڑوں کے درمیان گھڑ دوڑ کرائی جو تیار نہیں کیے گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ان (گھوڑوں) پر گھڑ دوڑ کی۔

تشریح: يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِيْ فُلَانٍ: ابراہیم نخعی مسجدوں کو کسی شخص یا جماعت کی طرف منسوب کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۶۷) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجنّ:۱۹) باب کا عنوان هَلْ سے شروع کر کے اس مسئلہ کو بصورت استفتاء پیش کیا ہے اور جو روایت اس ضمن میں لائے ہیں اس سے بتلایا ہے کہ تمیز کرنے کے لئے جائز ہے کہ کسی مسجد کو کسی محلّہ یا قبیلہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ لیکن یہ وہ نسبت ملکیت نہیں جس کی وجہ سے آج مسلمانوں کی مسجدیں اللہ کی نہیں بلکہ مذہبی انشقاق کا گھر بن گئی ہیں۔ اس قسم کی مسجدیں اسلامی تعلیم کے مقتضاء کے خلاف ہیں۔ جس واقعہ کا ذکر روایت نمبر ۴۲۰ میں کیا گیا ہے وہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑ دوڑ ہوئی اور بنی فلاں کی مسجد تک ہم دوڑے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نسبت کے متعلق کچھ مروی نہیں۔ اس لئے امام موصوفؒ نے سوال قائم کر کے اس کا جواب قارئین کی سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔

ثَنِيَّةُ الْوَدَاع مدینہ کے قریب ایک گھاٹی کا موڑ ہے جہاں مسافر کو الوداع کہنے کے لئے لوگ جایا کرتے تھے۔

حَفْيَاء مقام ثنیہ الوداع سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے۔

بَنُوْ زُرَيْق خزرج کا قبیلہ تھا۔ ان کی بستی کا نام بھی یہی ہے۔

بَاب ٤٢: اَلْقِسْمَةُ وَتَعْلِيْقُ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں مال تقسیم کرنا اور کھجوروں کے خوشے لٹکانا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالِاثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَّصِنْوَانٍ.

ابوعبداللہ نے کہا: قِـنْوُ کے معنے کھجور کا خوشہ۔ قِـنْوَان تثنیہ ہے اور جمع بھی جیسے صِـنْوٌ صِنْوَان۔

٤٢١: وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ انْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَعْطِنِيْ فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ قَالَ لَا قَالَ

۴۲۱: اور ابراہیم نے عبدالعزیز بن صہیب سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو۔ یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے نکلے اور آپؐ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ جب آپؐ نماز ختم کر چکے تو آ کر اس (مال) کے پاس گئے اور جس کسی کو بھی دیکھتے اس کو دیتے۔ اتنے میں آپؐ کے پاس حضرت عباسؓ آئے اور کہا: یارسول اللہ! مجھے بھی دیجئے کیونکہ میں نے (بدر کے دن) اپنا فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی فدیہ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: لے لو تو انہوں نے دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر اپنے کپڑے میں ڈالا۔ پھر لگے اس کو اُٹھانے مگر نہ اُٹھا سکے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ان میں سے کسی کو حکم دیجئے کہ اس کو مجھے اُٹھوا دے۔ فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کہا: پھر آپؐ ہی اُٹھا کر مجھ پر

فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِّنْ حِرْصِهِ فَمَا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ.

رکھ دیں۔فرمایا: نہیں۔ اس پر انہوں نے اس میں سے کچھ نکال دیا۔ پھر اسے اُٹھانے لگے۔ (مگر اُٹھا نہ سکے) تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ان میں سے کسی کو حکم دیجئے کہ اس کو مجھے اُٹھوادے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔انہوں نے کہا: پھر آپؐ ہی اُٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔فرمایا: نہیں۔اس پر انہوں نے اس میں سے کچھ (اور) نکال دیا۔ پھر اُسے اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور چل دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ اُن سے نہیں ہٹائی۔ جب تک کہ وہ ہم سے اوجھل نہ ہو گئے۔ اُن کی حرص پر تعجب میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اُٹھے یہاں تک کہ وہاں اس (مال) سے ایک درہم بھی نہ رہا۔

تشریح: **اَلْقِسْمَةُ وَتَعْلِيْقُ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ:** آدابِ مسجد کے یہ خلاف سمجھا جاتا ہے کہ اس میں عبادت، ذکر اور وعظ کے سوا کوئی اور دنیا کا کام ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسجد میں خرید وفروخت منع فرمائی ہے جیسا کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔ (دیکھئے تشریح باب ۷۰)

تَعْلِيْقُ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ: امام موصوفؒ نے کھجور کے خوشے لٹکانے کا جو حوالہ دیا ہے وہ دراصل نسائی کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَبِيَدِهٖ عَصًا وَقَدْ عَلَّقَ رَجُلٌ قِنْوَ حَشَفٍ فَجَعَلَ يَطْعُنُ فِيْ ذٰلِكَ الْقِنْوِ فَقَالَ لَوْ شَآءَ رَبُّ هٰذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْ هٰذَا (نسائی. کتاب الزکاۃ. باب قوله عزوجل ولا تیمموا الخبیث منه) یعنی ایک شخص نے ردّی کھجوروں کے خوشے مسکینوں کے لیے مسجد میں لٹکا دیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق ارشاد بھی تھا، تا حاجت مند بجائے مانگنے کے ان سے اپنی ضرورت پوری کریں۔ ردّی کھجوریں دیکھ کر آپؐ چھڑی سے اُن خوشوں کو کونچ مارنے لگے اور فرمانے لگے کہ اگر وہ صدقہ والا چاہتا تو اس سے بہتر کھجوریں صدقہ میں دے سکتا تھا۔ اس روایت کی طرف اشارہ کر کے امام موصوفؒ نے بتلایا ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم بھی نیک اعمال سے ہے اور مسجد میں اس قسم کے کام سرانجام دینا آدابِ مسجد کے منافی نہیں۔

أُتِيَ النَّبِيُّ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ: بحرین بصرہ اور عمان کے درمیان مشہور شہر ہے۔ یہ پہلا خراج تھا جو نبی ﷺ کے پاس آیا۔ ایک لاکھ درہم تھے جو حضرت علاءؓ بن حضرمی امیر بحرین نے بھیجے تھے۔

إِنِّیْ فَادَیْتُ نَفْسِیْ وَفَادَیْتُ عَقِیْلًا: جس فدیہ کی طرف حضرت عباسؓ نے اشارہ کیا ہے وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو جانے کی وجہ سے اُن کو دینا پڑا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل کتاب المغازی (باب شهود الملائكة بدرًا: ۴۰۱۸) میں آئے گی۔

بَاب ٤٣: مَنْ دَعَا لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ

جو مسجد میں کھانے کی دعوت دے اور جو اُس کو قبول کرے

٤٢٢: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِي آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ مَّعَهُ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ.

۴۲۲: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہ مالک نے اسحاق بن عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا اور آپؐ کے ساتھ کچھ لوگ تھے۔ میں کھڑا ہوا تو آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر فرمایا: کھانے کے لیے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ تو آپؐ نے اُن کو جو آپؐ کے ساتھ تھے فرمایا: اُٹھو۔ اور آپؐ چل پڑے اور میں ان کے آگے آگے چلا۔

بَاب ٤٤: اَلْقَضَاءُ وَاللِّعَانُ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

مردوں اور عورتوں کے درمیان مسجد میں فیصلہ کرنا اور لعان کروانا

٤٢٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَّجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ.

۴۲۳: ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، کہا: عبدالرزاق نے ہمیں بتایا، کہا: ابن جریج نے ہمیں بتلایا، کہا: ابن شہاب نے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! بھلا بتلائیں تو سہی کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے۔ آیا وہ اُسے قتل کر دے۔ تب (ان) دونوں (مرد و عورت) نے مسجد میں لعان کیا اور میں اس وقت حاضر تھا۔

تشریح: باب ۴۳-۴۴ کے ذیل میں امام بخاریؒ نے دو لمبی روایتیں جن کا مفصل ذکر آگے آئے گا مختصر نقل کر کے ذکر الٰہی کے سوا اور ایسی باتیں کرنے کا جواز ثابت کیا ہے جن کا تعلق اجتماعی مفاد کے ساتھ ہے۔ مثلاً دعوت کا پیغام دینا، جھگڑوں کا تصفیہ، نمائندوں وغیرہ کا استقبال کرنا۔ یہ باتیں آدابِ مسجد کے منافی نہیں۔ مسجد درحقیقت مسلمانوں کے لئے ایک اجتماعی مرکز ہے جہاں ان کے روحانی تزکیہ کے کام ہی نہیں بلکہ ان کے معاشرتی اور تمدنی ہر قسم کی بہتری کے کام کئے جاسکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپؐ کے بعد مجلسِ شوریٰ کا انعقاد مسجد میں ہی ہوا کرتا تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے بعد میں مسجدیں بطور دینی اور تبلیغی مرکز کے بھی استعمال کی ہیں۔ مسلمان اب اس امر سے غافل ہو گئے ہیں۔ انہیں پھر از سرِ نو ان قلعوں پر اپنا مستحکم قبضہ صحیح معنوں میں جمالینا چاہیے۔

روایت نمبر ۴۲۳ میں جس لعان کا ذکر ہے اس کی یہ صورت ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے اور اس کے پاس شہادت نہ ہو تو ہر ایک اپنی اپنی صداقت پر قسم کھا کر جھوٹے پر لعنت کرے۔ اس کی تفصیل کتاب اللعان (کتاب الطلاق. باب التلاعن فی المسجد: ۵۳۰۹) میں دیکھئے۔

بَاب ٤٥ :إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّيْ حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ وَلا يَتَجَسَّسُ

جب کوئی کسی گھر میں داخل ہو تو کیا جہاں چاہے نماز پڑھے یا جہاں اُسے کہا جائے اور تجسس نہ کرے؟

٤٢٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَّحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ فَقَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

۴۲۴: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے محمود بن ربیع سے، محمود نے حضرت عتبان بن مالکؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ اُس کے پاس اُس کے گھر میں آئے تو آپؐ نے فرمایا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں تمہارے لئے نماز پڑھوں۔ (عتبانؓ) کہتے تھے: میں نے آپؐ کو ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور نبی ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم آپؐ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

تشریح: بعض نسخوں میں عنوانِ باب ہمزہ استفہام سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی أَ يُصَلِّىْ حَيْثُ شَآءَ اَوْحَيْثُ أُمِرَ. کبھی یہ ہمزہ محذوف بھی کر دیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۴، صفحہ۱۶۵) اسی لیے ترجمہ میں اس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ اخذ کرنے کے لئے جو واقعہ پیش کیا گیا ہے وہ اگلی روایت میں بالتفصیل مذکور ہے۔ چونکہ حضرت عتبانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے بلایا تھا کہ اُن کے گھر میں کسی جگہ تبرکاً نماز پڑھیں تا وہ بحالتِ مجبوری اپنے لوگوں کو وہیں نماز پڑھا دیا کریں اس لئے آپؐ نے اُن سے دریافت کیا۔ امام موصوفؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے قارئین کی عقل و سمجھ پر مسئلہ کا دارومدار رکھا ہے کہ وہ موقع و محل کے مطابق عمل کریں۔ ممکن تھا کہ آپؐ کسی ایسی جگہ نماز پڑھتے جہاں لوگوں کے اکٹھا ہونے سے گھر کی عورتوں کو تکلیف ہوتی اس لئے آپؐ نے اہلِ خانہ سے دریافت کرنا مناسب سمجھا۔

بَاب٤٦: اَلْمَسَاجِدُ فِي الْبُيُوْتِ

گھروں میں مسجدیں

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً.

اور حضرت براء بن عازبؓ نے اپنے گھر کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھی۔

٤٢٥: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِيْ وَأَنَا أُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ

۴۲۵: ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ کہا: عُقَیل نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے مجھ کو بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت محمودؓ بن ربیع انصاری نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عتبانؓ بن مالک جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن انصاری صحابہ میں سے تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میری بینائی کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ جب بارشیں ہوتی ہیں تو اس نالہ میں جو میرے اور اُن کے درمیان ہے سیلاب آجاتا ہے اور میں اُن کی مسجد میں آکر انہیں نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ! میری

وَوَدِدْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَنَّكَ تَأْتِيْنِيْ فَتُصَلِّيْ فِي بَيْتِيْ فَأَتَّخِذُهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى☆ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْ عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَاكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذٰلِكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ

خواہش ہے کہ آپؐ میرے پاس آئیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں اور میں اُسے مسجد بنالوں۔ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے چاہا تو آؤں گا۔ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ صبح جس وقت دن چڑھا؛ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مانگی۔ میں نے آپؐ کو اجازت دی۔ جب☆ گھر میں آئے آپؐ بیٹھے نہیں؛ فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ کہتے تھے: میں نے گھر کے ایک طرف اشارہ کر کے آپؐ کو بتایا۔ رسول اللہ ﷺ (نماز کے لئے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر کہی اور ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف باندھ لی۔ آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیرا۔ کہتے تھے: ہم نے آپؐ کو حلیم کے لیے روک لیا جو ہم نے آپؐ کے لیے تیار کیا تھا۔ کہتے تھے: گھر میں محلّہ کے چند آدمی اِدھر اُدھر سے آ گئے۔ جب وہ اکٹھے ہو گئے تو اُن میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دُخَیْشِن یا ابن دُخْشُن کہاں ہے؟ تو اُن میں سے کسی نے کہا: وہ تو منافق ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مت کہو۔ کیا تم اُسے نہیں دیکھتے کہ اُس نے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا ہے؟ اس سے اللہ کی رضامندی ہی

☆ فتح الباری کے بعض نسخوں میں اس جگہ حِيْنَ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۷۲) یہ ترجمہ اس لفظ کے قریب ہے۔

وَجْهَ اللهِ قَالَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيْحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِيْ بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ أَحَدُ بَنِيْ سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيْثِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ فَصَدَّقَهُ بِذَلِكَ.

چاہتا ہے۔ اس نے کہا: اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اُس نے کہا: ہم تو اُس کی توجہ اور اُس کی خیر خواہی منافقین کے لئے ہی دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یقیناً اُس شخص پر آگ حرام کردی ہے جس نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیا (بشرطیکہ) وہ اس اقرار سے اللہ کی رضامندی چاہتا ہو۔ ابن شہاب نے کہا: پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو کہ بنی سالم سے ایک شخص تھے اور اُن کے سرداروں میں سے تھے؛ حضرت محمودؓ بن ربیع کی حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس میں اُن کی تصدیق کی۔

تشریح: اَلْمَسَاجِدُ فِی الْبُیُوْتِ: مجبوری کی حالت میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے گھر میں مسجد بنانا جائز ہے۔ اگر مجبوری نہ ہو تو محلّہ کی مسجد میں ہی نماز فریضہ پڑھنی چاہیئے۔ ہاں نوافل اپنے گھر میں پڑھ سکتا ہے.

حضرت مالک بن دُخَیْشِن یا ابن دُخشُنؓ ان انصار میں سے تھے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ منافقین کی مشہور مسجد ضرار جلانے کے لئے جو دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ٦٧٦) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متہم کرنے والے کو منع فرمایا۔ کیونکہ آپؐ اُن کا اخلاص آزما چکے تھے۔ جس نے اُن کو متہم کیا ہے اس نے غالباً منافقوں کے ساتھ اُن کے ظاہری میل جول دیکھ کر جلد بازی سے کام لیا۔ اس لئے اس نے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت کی جو مقامِ اَدب کے تقاضا کے عین مطابق ہے۔

قَدْ حَرَّمَ عَلٰى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اَلَّا اللّٰهُ: اس سے صرف زبانی اقرار مراد نہیں بلکہ اس کے ساتھ دل کے اخلاص کی بھی ضرورت ہے۔ اسی اخلاص کی طرف جملہ **يَبْتَغِىْ بِذٰلِکَ وَجْهَ اللّٰهِ** اشارہ کرتا ہے۔ اخلاص پیدا ہونے کے بعد عمل خود بخود حیزّ وجود میں آجاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالکؓ بن دخشن کی طرف سے جو مدافعت فرمائی ہے وہ علی البصیرت اپنے تجربہ کی بناء پر ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جن کا زبانی اقرار کلمہ شہادت خلوص قلب پر مبنی ہے اور جنہوں نے اپنی مختلف قسم کی قربانیوں سے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت ابن دخشنؓ بدر وغیرہ میں بالفعل شریک ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سرٹیفکیٹ پانے کا ایک جائز حق رکھتے تھے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شایاں

تھا کہ وہ اپنے کسی صحابی کے متعلق اُس کی قربانی کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیتے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے کلمہ شہادت کا اقرار اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے اور جن پر آگ حرام ہو چکی ہے۔ مگر آج جب مسلمانوں کی حالت کیا بلحاظ عقائد اور کیا بلحاظ اعمال کے ناگفتہ بہ ہو رہی ہے آپؐ کے اس خاص اور مشروط فتویٰ کا بلا قید و شرط کے چسپاں کرنا کہاں تک درست ہے۔ خصوصًا جب واقعات اس فتویٰ کی پورے طور پر تکذیب کر رہے ہوں اور خود مسلمان اور ان کے نام نہاد راہنما بھی اعلان کر رہے ہوں کہ وہ مسلمان نہیں رہے۔ بیمار کو بیمار کہنا بہتر ہے تا وہ اپنی بیماری کے علاج کی فکر کرے۔ امت مرحومہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون دردمند ہوگا۔ کیا آپؐ نے انہی نام نہاد مسلمانوں کے لیے نہیں فرمایا تھا: لَا يَبْقٰى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهٗ ....(شعب الایمان للبیهقی. الثامن عشر .فصل قال و ینبغی لطالب العلم ان یکون تعلمه للعالم ان یکون تعلیمه لوجه الله تعالٰی. جزء ۲ . صفحه۳۱۱ـ نمبر ۱۹۰۸)

اس بحث کی تفصیل کے لیے شرح کتاب الایمان باب ۳۳، کتاب العلم باب ۳۳ اور ۴۹ دیکھئے۔

بَاب ٤٧: اَلتَّيَمُّنُ فِي دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهٖ

مسجد وغیرہ میں داخل ہوتے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنَى فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى.

اور حضرت ابن عمرؓ اپنے دائیں پاؤں کو پہلے اندر رکھتے اور نکلتے تو اپنے بائیں پاؤں کو پہلے باہر رکھتے۔

٤٢٦: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهٖ كُلِّهٖ فِي طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ.

۴۲۶: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اشعث بن سُلَیم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے مسروق سے۔ مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی وہ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک آپؐ سے ہوسکتا اپنے تمام کاموں میں یہی پسند کرتے کہ داہنی طرف سے پہل کی جائے؛ اپنے نہانے اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

تشریح: حضرت عائشہؓ کی روایت مذکورہ بالا عمومیت کا رنگ رکھتی ہے۔ چونکہ حضرت ابن عمرؓ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ہر بات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا انہیں بے حد شوق تھا اس لئے عنوانِ باب میں ان کے فعل

سے استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ کی تخصیص کی ہے۔ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت انسؓ کی یہ جو روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ مسجد کے اندر جاتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرتے☆ اس کو امام بخاریؒ نے بوجہ ان کی شرط کے موافق نہ ہونے کے نظرانداز کردیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۷۸)

یہ روایت اور اس کے ہم معنی روایتیں کتاب الوضوء میں گزر چکی ہیں۔ دیکھئے روایت نمبر ۱۶۷، ۱۶۸۔

بَاب ٤٨ :هَلْ تُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ

کیا زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کی قبریں اُکھاڑ ڈالی جائیں اور اُن کی جگہ مسجدیں بنائی جائیں

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْقُبُوْرِ وَرَأَى عُمَرُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُّصَلِّيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ.

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ اُن یہودیوں کو اپنی رحمت سے دُور رکھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبریں مسجدیں بنا دی ہیں اور قبروں میں نماز پڑھنا جو مکروہ ہے اور حضرت عمر (بن خطابؓ) نے حضرت انسؓ بن مالک کو قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو کہا: دیکھنا قبر ہے، قبر۔ اور انہوں نے اُن کو نماز دُہرانے کے لیے نہیں کہا۔

٤٢٧ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيْسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ

۴۲۷: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ اور حضرت امّ سلمہؓ نے ایک گرجے کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ اُس میں تصویریں تھیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اس کا) ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ اگر ان

☆ دیکھئے المستدرک للحاکم. کتاب الإمامة (فی کتاب الصلوٰة). باب من السنة إذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلک اليمنٰى. جزء اول صفحہ۲۱۸)

بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

میں کوئی نیک آدمی ہو اور وہ مر جائے تو اُس کی قبر پر عبادت گاہ بنادیتے ہیں اور اُس میں یہ تصویریں بناتے ہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات سے بدترین ہوں گے۔

٤٢٨: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَزَلَ أَعْلَى الْمَدِيْنَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَأَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ فَجَاؤُوْا مُتَقَلِّدِي السُّيُوْفِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَبُو بَكْرٍ رِّدْفُهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوْبَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ وَيُصَلِّيْ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَإِنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ فَقَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِي بِحَائِطِكُمْ هَذَا قَالُوْا لَا

۴۲۸: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: عبدالوارث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوتیاح سے۔ ابوتیاح نے حضرت انسؓ (بن مالک) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور مدینہ کے اوپر کے حصہ میں ایک قبیلہ میں جنہیں بنوعمرو بن عوف کہا جاتا تھا؛ اُترے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں چودہ راتیں ٹھہرے۔ پھر بنونجار کو بلا بھیجا۔ وہ تلواریں پہنے ہوئے آئے (اور یہ واقعہ مجھے ایسا یاد ہے) گویا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (اب بھی) اپنی سواری پر (سوار) دیکھ رہا ہوں اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پیچھے سوار تھے اور بنونجار کا جتھا آپؐ کے اِردگرد تھا۔ آخر آپؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے صحن میں ڈیرہ ڈالا اور آپؐ پسند کرتے تھے کہ جہاں آپؐ کو نماز کا وقت ہو جاتا وہیں نماز پڑھیں اور آپؐ (پہلے) بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور آپؐ نے مسجد کے بنانے کا حکم دیا۔ آپؐ نے بنونجار کے زعماء کو بلوایا اور فرمایا: بنی نجار! تم مجھ سے اپنی اس چاردیواری کی قیمت کرو۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ بخدا ہم اس کی قیمت کا مطالبہ اللہ ہی سے

وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ فَقَالَ أَنَسٌ فَكَانَ فِيْهِ مَا أَقُوْلُ لَكُمْ قُبُوْرُ الْمُشْرِكِيْنَ وَفِيْهِ خَرِبٌ وَّفِيْهِ نَخْلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوْا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوْا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوْا يَنْقُلُوْنَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُوْنَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُوْلُ

اللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ

فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرَهْ

کریں گے۔ حضرت انسؓ نے کہا: جو بات میں تمہیں بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس میں مشرکوں کی قبریں تھیں اور اس میں کچھ کھنڈرات تھے اور اس میں کچھ کھجوریں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی قبروں کے متعلق حکم دیا تو ان کو کھود کر ہڈیاں وغیرہ نکال دی گئیں۔ پھر کھنڈرات کے متعلق حکم دیا اور وہ برابر کر دیے گئے اور کھجوروں کے متعلق حکم دیا اور وہ کاٹی گئیں اور کھجوریں مسجد کے قبلہ کی طرف قطار میں کھڑی کر دیں اور اُس کی چوکھٹ پتھروں سے بنائی اور وہ پتھروں کو اُٹھا اُٹھا کر لانے لگے۔ اور وہ شعر پڑھتے تھے اور ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ آپؐ فرماتے تھے:

اے اللہ! بھلائی تو دراصل آخرت کی ہی بھلائی ہے

سوتو انصار اور مہاجروں کی کمزوریوں پر پردہ پوشی فرمائیو

تشریح: امام بخاریؒ نے ان بابوں میں ایک لطیف ترتیب مدنظر رکھی ہے۔ پہلے گھروں میں مسجدیں بنانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر گھروں سے باہر اُن جگہوں کے انتخاب کا جو کھنڈرات اور ویرانے ہیں۔ مسجدوں کے ساتھ ہی مجتمع بشری کی آبادی ہے۔ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے ویرانوں کو آباد کرنے آئے تھے۔ شرک سے آپؐ کو حد درجہ نفرت تھی اور یہی ایک بلاءِ عظیم تھی جس نے آپؐ کی قوم کو اُٹھنے سے روکا ہوا تھا۔ اس لئے آپؐ نے شرک کے تمام آثار ملیا میٹ کر دئے۔ یہودیوں کے متعلق بھی شدید نفرت کا اظہار اسی وجہ سے فرمایا۔ عیسائیوں میں بھی مردہ پرستی کی روح اب تک موجود ہے۔ آپؐ نے اپنی اُمت کو ہر قسم کے احتمال سے محفوظ رکھنے کے لئے احتیاطاً قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔ اور آپؐ کی اس احتیاط کی مثالیں آگے بہت ملیں گی۔ کلمہ شہادت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار جو رکھ دیا ہے وہ محض اس لئے کہ آپؐ کو دیگر انبیاء کی طرح خدائی صفات نہ دے دی جائیں۔ بستر مرگ پر آپؐ نے اپنی اُمت کے متعلق جس خوف کا اظہار کیا تھا وہ یہی تھا کہ کہیں آپؐ کی امت بھی دوسری قوموں کی تقلید کر کے آپ کو پوجنا نہ شروع کر دے۔ (دیکھئے باب ۵۵ روایت نمبر ۴۳۵)

فَأَمَرَ النَّبِیُّ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِیْنَ فَنُبِشَتْ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشارٌ الیہ قبرستان مالکوں کی اجازت سے مسجد کے لئے درست کروایا۔ عذابِ قبر کے متعلق روایت نمبر۸۶ و۲۱۶ میں بھی کچھ ذکر آچکا ہے۔ اگر وہ روایتیں اس روایت کے ساتھ رکھ کر دیکھی جائیں تو واضح ہو جائے گا کہ عذاب قبر کا جو ذکر احادیث میں آتا ہے اس سے مراد یہ قبریں نہیں۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا ضرور خیال رکھتے کہ ان قبروں کے اکھاڑنے سے اِن میں سلسلہ عذاب منقطع ہو جائے گا۔ دراصل یہ خیال بے بنیاد ہے کہ ان قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ عذاب کے لئے ایک اور عالم ہے جو عالم ارواح ہے۔ اور جب اہل اللہ کو اس عذاب کے نظارے دکھلائے جاتے ہیں تو وہ نظارے بھی اس دنیا کے ماحول کے ماتحت ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ اُن کا تعلق دراصل ایک اور عالم سے ہوتا ہے مگر جب وہ کیفیات اس عالم میں منتقل ہوتی ہیں تو وہ اِس عالم کا لباس پہن لیتی ہیں۔ اور انسانی ذہن اور زبان کے لئے سوائے اس کے اور چارہ ہی نہیں کہ وہ اپنے تصورات کے لباس کے ماسوا اور اپنی مخصوص ادائے تعبیر کے بغیر کسی اور صورت وشکل میں اُن کیفیات کا تصور کر سکے یا اُن کو ادا کر سکے۔

وَالنَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَعَهُمْ: آپؐ نے جب بھی صحابہؓ کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا تو خود اُن کے ساتھ ہو کر آپؐ نے وہ کام کیا۔ اس بارے میں آپؐ کا یہ عمل آپؐ کے اس ارشاد کے ساتھ ملاحظہ ہو جس کا ذکر روایت نمبر۳۰ میں گزر چکا ہے۔ آپؐ کی حیثیت ایک سردار اور آقا کی تھی۔ مگر آپؐ نے ادنیٰ ادنیٰ کام کرنے سے بھی اپنے آپ کو کبھی بالا نہیں سمجھا۔ یہ وہ پاک نمونہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرویدہ تھے۔

بَاب ٤٩ :اَلصَّلَاةُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ

بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا

٤٢٩: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُوْلُ كَانَ يُصَلِّيْ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُّبْنَى الْمَسْجِدُ.

۴۲۹: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابو تیاح سے۔ ابو تیاح نے حضرت انس (بن مالکؓ) سے روایت کی۔ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر میں نے انہیں بعد میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسجد بنوائے جانے سے پہلے آپؐ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس قسم کی روایتوں کی بناء پر یہ بحث اٹھانا کہ بکریوں کا پیشاب ناپاک ہے یا پاک؛ نہایت بھونڈا قیاس ہے اور علم فقہ کو اپنے اصل پایہ سے گرانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت پاک تھی اور آپؐ پاکیزگی اور صفائی کا

از حد خیال رکھتے تھے۔ بحالت مجبوری جب باڑہ میں آپؐ کو نماز پڑھنی پڑی تو یقیناً آپؐ نے وہاں صاف ستھری جگہ میں ہی پڑھی ہوگی۔ آپؐ کی عادت تھی کہ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا آپؐ وہیں صاف جگہ دیکھ کر نماز پڑھ لیتے۔ امام شافعیؒ کا فتویٰ اس بارے میں ضرورت سے زیادہ سخت اور آسانی اور سہولت کے سدّ راہ ہے۔ وہ ان جگہوں کو بوجہ پیشاب اور گوبر سے ملوث ہونے کے احتمال کی بناء پر ناپاک قرار دیتے اور اس میں نماز پڑھنا ناجائز سمجھتے ہیں۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸۲)

بَاب ۵۰: اَلصَّلَاةُ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ

اونٹوں کی جگہ میں نماز پڑھنا

۴۳۰: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّيْ إِلَى بَعِيْرِهِ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ.

۴۳۰: ہم سے صدقہ بن فضل نے بیان کیا، کہا: سلیمان بن حیان نے ہمیں بتلایا، کہا: عبیداللہ نے نافع سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت ابن عمرؓ کو اپنے اونٹ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا کرتے دیکھا۔

تشریح: مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے اُونٹوں کے بیٹھنے وغیرہ کی جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے متعلق کچھ روایتیں نقل کی ہیں ☆ اور اس کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اُونٹوں کو شیطان قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں حضرت عبداللہؓ بن مغفل کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ. (ابن ماجه. كتاب المساجد. باب الصلاة فى أعطان الإبل) امام بخاری اس باب کے ذیل میں جو روایت لائے ہیں اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کے سامنے نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر امام موصوفؒ اس سے ضمناً مشارٌ الیہا روایات کو رد کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ شیطان کو سامنے رکھ کر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ چونکہ وہ روایتیں امام موصوفؒ کی شرائطِ صحت و اعتبار کے مطابق نہ تھیں۔ اس لیے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ انہوں نے جہاں یہ روایتیں رد کی ہیں۔ وہاں ضمناً یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ کتاب الوضوء باب ۶۶ روایت نمبر ۲۳۳، ۲۳۴ میں اس مسئلہ کی بحث گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں مختصراً اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

☆ (مسلم. كتاب الحيض. باب الوضوء من لحوم الإبل)
(ابو داؤد. كتاب الصلوٰة. باب النهي عن الصلاة فى مبارك الإبل)
(ترمذى. كتاب الصلاة. باب ماجاء فى الصلاة فى مرابض الغنم و أعطان الإبل)
(نسائى. كتاب المساجد. باب ذكر نهي النبيّ عن الصلاة فى أعطان الإبل)

بَاب۵۱: مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّوْرٌ أَوْ نَارٌ أَوْ شَيْءٌ مِّمَّا يُعْبَدُ فَأَرَادَ بِهِ اللهَ

جو شخص نماز پڑھے اور اس کے سامنے تنور یا آگ یا اُن چیزوں میں سے کوئی چیز ہو جن کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ اپنی نماز سے اللہ (عزوجل کی ہی رضامندی) چاہے

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ وَأَنَا أُصَلِّيْ.

اور زہری کہتے تھے کہ حضرت انسؓ (بن مالک) نے مجھے بتایا۔ کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ میرے سامنے کی گئی اور میں نماز پڑھ رہا تھا۔

۴۳۱: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ.

۴۳۱: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا: انہوں نے مالک سے، مالک نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے۔ عطاء نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: سورج گرہن ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پھر فرمایا: مجھے آگ دکھائی گئی۔ میں نے آج جیسا بھیانک نظارہ کبھی نہیں دیکھا۔

تشریح: عنوانِ باب مَنْ سے شروع کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اتفاقاً اس کے سامنے آگ وغیرہ ایسی اشیاء ہوں جن کی عبادت کی جاتی ہے مگر نماز میں اُس کا دھیان محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو ایسی حالت میں اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اس باب کا مقصد مطلق فتویٰ جواز کی بحث نہیں بلکہ شخصی حالات کو مدنظر رکھ کر سوال اُٹھایا ہے۔ امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں حضرت انسؓ کا حوالہ یہ شبہ دور کرنے کے لیے دیا ہے کہ آگ آپؐ کو نماز سے قبل یا بعد نہیں دکھائی گئی تھی بلکہ نماز پڑھنے کی حالت میں۔ الفاظ أُرِيْتُ النَّارَ کی بناء پر بعض نے کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آپؐ نے آگ کا نظارہ عین سامنے دیکھا ہو۔ بلکہ دائیں یا بائیں دیکھنے کی وجہ سے بھی یہ جملہ بولا جا سکتا ہے۔ مگر عُرِضَتْ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نظارہ سامنے دیکھا گیا۔ نیز حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: فِيْ قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ. (**کتاب الأذان. باب ۹۱: رفع البصر الی الإمام فی الصلوٰة. نمبر ۷۴۹**) یہی وجہ ہے کہ عنوانِ باب میں لفظ قُدَّامَهُ بطور تشریح اختیار کیا گیا ہے۔ **کتاب العلم باب ۲۴: من اجاب الفتيا بإشارة. حديث نمبر ۸۶** کی تشریح بھی دیکھئے۔

یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ نظارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اس سے مذکورہ بالا استدلال کیا جاسکے۔ یہ درست ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام موصوفؒ نے اس سے استدلال کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص آگ یا مورتیوں وغیرہ کی طرف قصداً منہ کر کے نماز پڑھتا ہو تو اس کا یہ فعل کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوگا۔ مذکورہ بالا باب کا مفہوم اور زیر بحث مسئلہ تب ہی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ جب ایسے واقعہ سے استدلال کیا جائے جس سے اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ اُن چیزوں کی طرف منہ کرنے کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ اس لیے شارحینؒ کے اعتراضات بودے ہیں۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ... یہ روایت کتاب مواقیت الصلوٰۃ. باب ۱۱. نمبر ۵۴۰ میں ملاحظہ ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت نمبر ۴۳۱ کے لیے دیکھئے: کتاب الایمان. باب ۲۱: کفران العشیر. روایت نمبر ۲۹ نیز کتاب الاذان. باب ۹۱: رفع البصر الٰی الامام فی الصلوٰۃ. روایت نمبر ۷۴۸.

بَاب۵۲: كَرَاهِيَةُ الصَّلَاةِ فِي الْمَقَابِرِ

مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہیت

٤٣٢: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِي بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا.

۴۳۲: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے عبیداللہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: نافع نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے، حضرت ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھا کرو اور اُنہیں قبریں مت بناؤ۔

تشریح: روایت نمبر ۴۳۲ سے استدلال بالکل نئی طرز کا ہے۔ گھروں میں نماز نہ پڑھنا گویا انہیں مقبرہ بنانا ہے جہاں نمازیں نہیں پڑھی جاتیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد دراصل روحانی مُردگی کی طرف اشارہ کرنا ہے اور امام بخاریؒ نے بھی کراہیت کا لفظ بڑھا کر اپنے استدلال میں فقہی احتیاط سے کام لیا ہے اور جیسا کہ امام ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ انہوں نے ترمذیؒ وغیرہ کی روایتوں کو مدنظر رکھ کر یہ باب قائم کیا ہے جن میں مقبرے اور حمام میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ چونکہ وہ روایتیں امام موصوفؒ کی شرط کے مطابق نہ تھیں اس لیے اس حدیث سے یہ باریک استدلال کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸۵)

بَاب۵۳: اَلصَّلَاةُ فِي مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ

اُن جگہوں میں جہاں زمین دھنس گئی ہو اور عذاب نازل ہوا ہو، نماز پڑھنا

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِخَسْفِ بَابِلَ.

اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بابل کے کھنڈرات میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھا۔

۴۳۳: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِيْنَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ لَا يُصِيْبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ.

۴۳۳: ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: مالک نے عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا۔ عبداللہ بن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سزا یافتوں کے پاس مت جاؤ مگر اس حالت میں کہ تم رو رہے ہو۔ اگر تم روتے نہیں تو ان کے پاس مت جاؤ۔ مبادا تمہیں بھی وہ مصیبت پہنچے جو اُنہیں پہنچی۔

تشریح: شارع اسلام ﷺ نے ہر ایسے موقع سے فائدہ اُٹھایا ہے جس سے تقوی اللہ کے احساسات پیدا ہوتے ہوں اور ایسی جگہوں میں نماز پڑھنے سے جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی درحقیقت عبرت ناک واقعات کے ساتھ ایک ذہنی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے ہے۔ اگر اس قسم کی جگہوں میں جاتے ہوئے دل میں رقت و خشیت پیدا نہیں ہوتی تو پھر وہاں جانے سے منع کر دیا۔ قرآن مجید بھی ان برباد شدہ جگہوں کی طرف توجہ دلا کر فرماتا ہے: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (النمل:۷۰) یعنی جاؤ زمین میں سیر و سیاحت کرو اور نگاہِ عبرت سے دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ یہ حدیث اس آیت کے منشاء کے مخالف نہیں بلکہ مطابق ہے۔ هٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِيْنَ کا اشارہ اہلِ حجر (قومِ ثمود) کی طرف ہے جن کے پاس سے آپؐ گزرے تھے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب احادیث الانبیاء۔ باب ۱۷: قول اللّٰه تعالٰی والٰی ثمود اخاهم صالحًا۔

بَاب ٥٤: اَلصَّلَاةُ فِي الْبِيْعَةِ

گرجے میں نماز پڑھنا

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِيْلِ الَّتِي فِيْهَا الصُّوَرُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُّصَلِّيْ فِي الْبِيْعَةِ إِلَّا بِيْعَةً فِيْهَا تَمَاثِيْلُ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم تو تمہارے گرجوں میں اُن بتوں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو اُن میں ہیں یعنی تصویروں کی وجہ سے، اور حضرت ابن عباسؓ گرجا میں نماز پڑھ لیا کرتے سوائے اس گرجا کے جس میں بت ہوتے۔

٤٣٤: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنِيْسَةً رَّأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَذَكَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ.

۴۳۴: ہم سے محمد (بن سلام) نے بیان کیا، کہا کہ عبدہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے۔ ہشام نے اپنے باپ سے۔ اُن کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ حضرت امّ سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کے ملک میں دیکھا تھا۔ اُسے ماریہ کہتے تھے اور انہوں نے آپؐ کے پاس اُن تصویروں کا ذکر کیا جو انہوں نے اس میں دیکھی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں نیک بندہ یا فرمایا نیک آدمی مرجاتا تو وہ اُس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق سے بدترین ہیں۔

تشریح: روایت نمبر ۴۳۴ میں جن عیسائیوں کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ رومن کیتھولک ہیں۔ یہ اپنے گرجوں میں مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ کے بت رکھتے ہیں۔ نیز اپنے قدوسیوں کی بھی ایک خاص رنگ میں عبادت کرتے ہیں۔ فلسطین میں خلیل الرحمان مقام میں ایک گرجہ روسیوں کا ہے اس میں عیسائی بزرگوں کی

ہڈیاں میں نے خود دیکھی ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں ان ہڈیوں سے بطور تبرک کے مدد لیتے تھے۔ سب سے بڑا گرجہ جو بیت المقدس میں ہے اور جسے کنیسۃ القیامۃ کہتے ہیں اس میں مسیح کی وہ قبر ہے جس میں ان کو تین دن رکھا گیا تھا اور یہی قبر عیسائیوں کی طواف گاہ ہے۔ ایامِ ایسٹر اور کرسمس میں اس کا باقاعدہ طواف کیا جاتا ہے اور وہاں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ کے نیز دوسرے قدوسیوں کے بت ہیں۔ جن کے سامنے سجدے بجالائے جاتے ہیں اور میں نے ان کی یہ عبادتیں خود دیکھی ہیں۔

یہودیوں میں بھی قبر پرستی کا وہی حال تھا جو آج کل مسلمانوں میں رائج ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جس خوف اور گھبراہٹ کا اظہار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت نزع کی گھڑیوں میں فرمایا تھا آخر وہی ہوا۔ اس قسم کی انذاری تنبیہات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ گرجوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ عنوانِ باب میں حضرت عمرؓ کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ دمشق کا واقعہ ہے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو قسطنطین نے جو عیسائی امراءِ شام میں سے تھا دعوت دی۔ حضرت عمرؓ نے گرجا میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸۸)

حضرت عمرؓ کے بالمقابل حضرت ابن عباسؓ کے ایک عمل در آمد کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں حوالے دے کر روایت نمبر ۴۳۴ پیش کی ہے اور بتلایا ہے کہ ان کے گرجے درحقیقت انسان پرستی کے گھر ہیں۔ اس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گرجوں اور معبدوں کے متعلق نفرت کا اظہار فرمایا جن میں بزرگوں کی کسی نہ کسی رنگ میں پوجا کی جاتی ہو۔ حضرت عمرؓ کا فعل بھی اسی نفرت کے احساس کے ماتحت تھا۔

باب ۵۵

٤٣٥-٤٣٦: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَا لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهُ عَلَى وَجْهِهِ فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَّجْهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ

۴۳۵-۴۳۶: ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زہری سے روایت کی کہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے مجھ کو خبر دی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت نے سخت حملہ کیا تو آپؐ اپنے منہ پر اپنی چادر ڈالتے اور جب آپؐ گھبراہٹ محسوس کرتے تو اپنے چہرے سے اس کو ہٹا دیتے اور آپؐ نے اسی حالت میں فرمایا: یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے نبیوں

مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا.

کی قبریں مسجدیں بنالی ہیں۔ جوانہوں نے کیا اُس سے بچنے کے لئے متنبہ فرماتے تھے۔

٤٣٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

۴۳۷: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سعید بن مسیّب سے، سعید نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان یہودیوں کو ہلاک کرے۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

تشریح: باب ۵۵ بغیر عنوان کے قائم کر کے حضرت عمرؓ کے عمل پر مزید روشنی ڈالی ہے اور وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں اس گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تھا کہ کہیں مسلمان بھی قبر پرستی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ کا فعل بھی اسی خوف پر مبنی تھا اور اُن کا فرض تھا کہ احتیاط فرماتے۔ اس باب سے حضرت عمرؓ کے عمل کو ترجیح دی گئی ہے۔

نیز اس میں ایک اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ عیسائی تو صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے ہی قائل ہیں۔ انبیاء جو جمع کا صیغہ ہے اُن کی طرف کیوں منسوب کیا گیا۔ روایت نمبر ۴۳۷ لا کر بتلایا کہ اس سے مراد یہود کے انبیاء ہیں۔ پہلی روایت میں یہودیوں اور عیسائیوں کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ گو عیسائیوں نے ایک ہی نبی پر گرجا کھڑا کیا ہو مگر یہاں چونکہ دونوں قوموں کے انبیاء کا ذکر تھا اس لئے قواعد کی رو سے جمع کا صیغہ ہی استعمال ہونا چاہئے تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۶۸۹)

قَاتَلَ اللّٰهُ کا جملہ اظہار نفرت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی لَعَنَ اللّٰهُ اور وَيْلٌ لَّهٗ کے جملے بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے شرک کو گناہِ عظیم قرار دیا ہے بوجہ اس کے کہ وہ انسان کو اُس کے بلند مقام سے نیچے گراتا اور اسے رحمت الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ نفرت واقعات پر مبنی ہے۔ یہ قومیں روحانی نعمتوں سے اسی لئے محروم ہوگئیں کہ انہوں نے حقیقی معبود کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی پوجا شروع کر دی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: (۲-سلاطین، باب: ۱۷) اور (Antiquities of the Jews جلد دوم فصل اول)

بَاب ٥٦ : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنائی گئی ہے

٤٣٨ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ هُوَ أَبُو الْحَكَمِ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ.

۴۳۸: ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، کہا: ہُشَیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: سیّار نے جو حَکَم کے باپ ہیں ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: یزید فقیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: حضرت جابر بن عبداللہؓ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی باتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک مہینہ بھر کی مسافت تک رُعب سے میری مدد کی گئی ہے اور تمام زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک بنائی گئی ہے۔ اس لئے میری اُمت میں سے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں اور نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھے شفاعت کا اختیار دیا گیا ہے۔

تشریح: یعنی ان جگہوں کے علاوہ جن کا ذکر گزر چکا ہے باقی سب زمین ہی مسلمانوں کے لیے سجدہ گاہ ہے۔ طَهُوْرٌ: اَلطَّاهِرُ الْمُطَهِّرُ. خود بھی پاک اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والی ہے۔ روایت مذکورہ بالا کتاب التیمم نمبر ۳۳۵ میں بھی گزر چکی ہے۔ یہاں اس غرض سے لائی گئی ہے کہ گرجاؤں وغیرہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا جو مسئلہ ہے اس کا تعلق ان کی ظاہری ناپاکی سے نہیں بلکہ دیگر اعتبارات سے ہے۔

بَاب ٥٧ : نَوْمُ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں عورت کا سونا

٤٣٩ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ وَلِيْدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوْهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَّهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُوْرٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَّهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُوْنِيْ بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوْا يُفَتِّشُوْنَ حَتَّى فَتَّشُوْا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللهِ إِنِّيْ لَقَائِمَةٌ مَّعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ قَالَتْ فَقُلْتُ هَذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُوْنِيْ بِهِ زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيْئَةٌ وَّهُوَ ذَا هُوَ قَالَتْ فَجَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِيْنِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِيْ قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ

۴۳۹: ہم سے عُبید بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: ابواُسامہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ عرب کے کسی قبیلہ کی ایک لونڈی جو کالی تھی اور جسے انہوں نے آزاد کر دیا ہوا تھا اور وہ اُن کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ کہتی تھی کہ اُن کی ایک لڑکی باہر گئی۔ موتیوں کا ایک سُرخ ہار اُس نے پہنا ہوا تھا جو تسموں کا تھا۔ کہتی تھی کہ اُس نے اُسے (کہیں) رکھ دیا یا اس سے گر پڑا اور ایک چیل جو اُس پر سے گزری اور وہ پڑا ہوا تھا اُس نے اسے گوشت خیال کیا اور اسے اُچک کر لے گئی۔ کہتی تھی کہ اُنہوں نے اُس کو ڈھونڈا لیکن اُسے نہ پایا۔ کہتی تھی کہ انہوں نے مجھ پر اُس کا الزام لگایا۔ کہتی تھی کہ اس پر وہ تلاشی لینے لگے یہاں تک کہ انہوں نے اس کی شرم گاہ کی بھی تلاشی لی۔ کہتی تھی کہ اللہ کی قسم کہ میں ابھی اُن کے ساتھ ہی کھڑی تھی کہ اتنے میں وہی چیل گزری اور اس نے وہ (وہاں) پھینک دیا۔ کہتی تھی کہ وہ اُن کے درمیان آ گرا۔ کہتی تھی: یہ ہے وہ جس کا تم نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔ تم نے یونہی خیال کیا تھا، حالانکہ میں اس سے بَری تھی۔ وہ یہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور مسلمان ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: مسجد میں اُس کا ایک چھوٹا سا

عِنْدِيْ مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ

خیمہ یا (کہا) جھونپڑی تھی۔ کہتی تھیں کہ میرے پاس وہ آیا کرتی اور باتیں کیا کرتی تھی۔ کہتی تھیں: جب بھی وہ میرے پاس بیٹھتی تو وہ (یہ شعر) ضرور پڑھتی:

وَيَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيْبِ رَبِّنَا
أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِيْ

اور وہ ہار کا دن بھی ہمارے ربّ کے عجائبات میں سے ہے
دیکھئے تو اُس نے مجھے کفرستان سے نجات دے دی۔

قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِيْنَ مَعِيْ مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هَذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِيْ بِهَذَا الْحَدِيْثِ.

حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں نے اُسے کہا کہ یہ کیا بات ہے تو جب بھی میرے پاس بیٹھتی ہے تو یہ شعر ضرور پڑھتی ہے؟ کہتی تھیں کہ تب اُس نے مجھ سے یہ بات بیان کی۔

تشریح: وِشَاحٌ اس ہار کو کہتے ہیں جو موتیوں یا قیمتی پتھروں کا ہو۔ دھاگوں میں پروئے ہوئے ہوں یا چمڑے کے تسموں سے جڑے ہوئے۔

باب ۵۷ و ۵۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ مَرد یا عورتیں جو بے خان و مال ہوں مسجدوں میں سو سکتے ہیں۔ لیکن عورت کے متعلق علیحدہ باب قائم کرنے سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ عورت کی ذات یا اس کے ایامِ ماہواری اس امر کے مانع نہیں کہ وہ مسجد میں رہے اور وہاں سوئے۔ بشرطیکہ اس کے رہنے کے لیے اور کوئی جگہ نہ ہو اور وہ مسجد کی صفائی کا اہتمام رکھے۔

بَاب ۵۸: نَوْمُ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں مردوں کا سونا

وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَدِمَ رَهْطٌ مِّنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا فِي الصُّفَّةِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ.

ابو قلابہ نے حضرت انس (بن مالکؓ) سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عُکل قبیلہ کے کچھ لوگ آئے اور وہ مسجد کے صُفّہ میں رہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا کہ اصحاب الصفہ غریب تھے۔

٤٤٠: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ

۴۴۰: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے عبیداللہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ کہا: مجھ سے نافع نے بیان کیا، کہا: حضرت عبداللہ (بن عمرؓ)

شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نے مجھے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سویا کرتے تھے اور وہ نوجوان کنوارہ تھے۔ اُن کی بیوی نہ تھی۔

٤٤١: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ قَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ انْظُرْ أَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُوْلُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ.

۴۴۱: ہم سے قُتَیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن ابی حازم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوحازم سے، ابوحازم نے سہل بن سعد سے روایت کی۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے گھر آئے تو حضرت علیؓ کو گھر میں نہ پایا۔ آپؐ نے پوچھا: تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا: میرے اور اُن کے درمیان کوئی بات ہوگئی تھی تو وہ مجھ سے ناراض ہوکر نکل گئے ہیں۔ میرے ہاں قیلولہ نہیں کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی سے کہا: دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور وہ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے پہلو سے ان کی چادر گری ہوئی تھی اور انہیں کچھ مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مٹی پونچھتے اور فرماتے تھے: اُٹھو ابوتراب۔ اُٹھو ابوتراب۔

٤٤٢: حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسَى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ

۴۴۲: ہم سے یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا، کہا: ابن فُضَیل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے ابوحازم سے، ابوحازم نے

أَهْلِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَّإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِي أَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے اصحاب الصّفّہ میں سے ستر (صحابہ کرام) کو دیکھا۔ اُن میں سے ایک آدمی بھی تو نہیں تھا جس پر چادر ہو۔ یا تہ بند یا کمبل۔ اپنی گردنوں میں (یہ) باندھے ہوئے ہوتے۔ ان میں سے کوئی کپڑا اتنا تھا کہ آدمی کی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کوئی ٹخنوں تک۔ وہ اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھالتے۔ ناگوار گزرتا کہ کہیں اُن کا ننگ نہ دکھائی دے۔

تشریح: قَدِمَ رَهْطٌ مِّنْ عُكْلٍ ...فَكَانُوْا فِي الصُّفَّةِ: اس باب میں عُکل قبیلے کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کی تفصیل کتاب الوضوء باب ۶۶ روایت نمبر ۲۳۳ میں دیکھئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کی محولہ بالا روایت [كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ] آگے کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب۴۱: السمر مع الضیف. نمبر۶۰۲ میں آئے گی۔ ان حوالوں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ لوگ بے خان و مال تھے اور ان کے لیے سوائے مسجد کے اور کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ آج کل مسجدوں میں سونا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ مسجد میں سونا مکروہ ہے مگر جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اُن لوگوں کے لیے جائز نہیں جن کے گھر ہوں۔
(فتح الباری جزء اول صفحہ۶۹۳)

امام بخاریؒ امام مالکؒ کی تائید میں معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ مابعد کے تین بابوں کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے۔

أَبُو تُرَابٍ کے معنے خاکسار۔ أَبُو کا لفظ بمعنے ذُوْ استعمال ہوتا ہے۔ أَبُو اللِّحْيَة: داڑھی والا۔ أَبُو الْعَبَآء: چوغہ والا۔ أَبُو لَهَب: آگ والا۔ **قُمْ اَبَا تُرَاب:** یہ فقرہ شفقت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت علیؓ ناراض ہو کر آئے تھے۔ آپؐ نے اُن کو منایا۔

مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَآءٌ: صحابہ کرام کی غربت اور محتاجی کا یہ حال تھا مگر جو حیرت انگیز کام انہوں نے اسی فقر اور فاقہ کی حالت میں کیا ہے وہ بے نظیر ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ آپؐ نے ان خاکساروں میں اپنی قدسی روح کچھ ایسی پھونکی کہ اُن میں سے ہر ایک تمام دنیا کے لئے آسمانی بگل بن گیا کہ عظیم الشان انقلاب کے لئے تیار ہو جاؤ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے خارق عادت طور پر دنیا میں حیرت انگیز اور عظیم الشان انقلاب پیدا کیا۔ انسان کی قدر و قیمت اس کے لباس میں نہیں بلکہ اُس پاک تغیر میں ہے جو وہ قوت قدسیہ کے ماتحت اپنے ماحول میں پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی یہ ظاہری بے سروسامانی اور دوسری طرف ان کی کامیابی۔ دونوں میں کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔

بَاب۵۹: اَلصَّلَاةُ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

جب کسی سفر سے آئے تو اُس وقت نماز پڑھنا

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيْهِ.

اور حضرت کعبؓ بن مالک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور اس میں نماز پڑھتے۔

٤٤٣: حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ أُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ.

۴۴۳ : ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا: مِسْعَر نے ہم سے بیان کیا، کہا: مُحارب بن دِثار نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا: وہ کہتے تھے: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ مسجد میں تھے۔ مِسْعَر نے کہا: میرا خیال ہے کہ محارب نے کہا: چاشت کے وقت آپؐ نے فرمایا: دو رکعتیں پڑھو آپؐ کے ذمہ میرا قرض تھا تو آپؐ نے مجھے وہ ادا کیا اور زیادہ دیا۔

تشریح: امام بخاریؒ باب قائم کرنے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ترتیب اور تعلق ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر یہاں بظاہر کوئی ترتیب نظر نہیں آتی۔ سوائے اس کے اس میں اُن فقہاء پر چوٹ کرنا مقصود ہو جو ضرورت سے زیادہ اس بحث میں پڑ گئے کہ مسجدوں میں سونا جائز ہے یا نہیں۔ مسجدیں دراصل عبادت کے لئے ہیں اس لئے اس غرض کو اور اُس ادب کو ملحوظ و مقدم رکھنا چاہئے جو عبادت کے شایاں ہو۔ اضطراری حالت پر قیاس کر کے مسائل میں توسّع اختیار کرنا مناسب نہیں۔ عنوانِ باب کی نحوی ترکیب بھی اسی تقدیم کی طرف توجہ دلاتی ہے جیسا کہ مابعد کے تین باب بھی۔

عنوان باب میں حضرت کعبؓ بن مالک کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ کتاب المغازی (باب ۷۹: حدیث کعب بن مالک- نمبر ۴۴۱۸) میں مفصل آئے گا۔ اس حوالہ سے صرف یہ جتلانا مقصود ہے کہ آپؐ کا سفر سے واپسی پر یہ عمل درآمد تھا جیسا کہ روایت نمبر ۴۴۴ سے بتلایا کہ نہ صرف آپؐ کا ہی اپنا یہ عمل درآمد تھا بلکہ دوسروں کو بھی دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرماتے۔

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِيْ الْمَسْجِدِ: حضرت جابر بن عبداللہؓ کا محولہ بالا واقعہ کتاب البیوع (۲۰۹۷)

کتاب الوکالۃ (۲۳۰۹) کتاب الشروط (۲۷۱۸) میں مفصل آئے گا۔ سفر میں آپؐ نے ان سے ان کا اونٹ خرید لیا تھا۔ اس کی قیمت لینے کے لئے وہ آئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے تو آپؐ نے دو رکعتیں پڑھنے کے لیے اُنہیں فرمایا۔ اس کے بعد ان کو قیمت ادا کی۔ یہی وہ قرض تھا جس کا ذکر اس روایت میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بھی سفر سے ہی آئے تھے۔

بَاب ٦٠: إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ

جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھے

٤٤٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ.

۴۴۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے، انہوں نے عَمرو بن سُلَیم زُرَقی سے، عمرو نے ابوقتادہ سَلَمی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔

تشریح: یہاں مسجد میں مطلق داخل ہونے کا ذکر ہے۔ خواہ سفر سے آیا ہو یا اپنے گھر سے۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی پہلی دو سنتیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ پنجگانہ نماز کے علاوہ اگر کسی اور وقت میں بھی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھے۔ یہ نوافل دخولِ مسجد کے آداب میں سے ہیں اور تحیۃ المسجد کہلاتے ہیں۔

بَاب ٦١: اَلْحَدَثُ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں بے وضو ہو جانا

٤٤٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَلَائِكَةُ

۴۴۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوزناد سے، ابوزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ تم میں سے ایک کے لئے دعا مانگتے رہتے ہیں

تُصَلِّيْ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُوْلُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ.

جب تک کہ وہ اپنی نماز کی جگہ میں ٹھہرا رہتا ہے جس میں کہ اُس نے نماز پڑھی۔ بشرطیکہ وہ بے وضو نہ ہو جائے۔ (ملائکہ) کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخشیو، اے اللہ! اس پر رحم کیجیو۔

تشریح: اگرچہ مسجد میں سونے کی اجازت کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کوئی واضح سند پیش نہیں کر سکے اور اس وقت تک انہوں نے صرف استدلال ہی سے کام لیا ہے مگر ان کا مذہب اس بارے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی حرمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کو اسی غرض کے لئے استعمال کرنا چاہئے جس غرض کے لئے وہ بنائی جاتی ہے اور اس میں نمازی کو حتی الوسع باوضو رہنا چاہئے۔ ملائکہ اس کے لئے دعائے رحمت کریں گے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مساجد میں سونا اور بے وضو ہو جانا اس رحمت کو زائل کرنے والی باتیں ہیں۔ مسلمان کو اس سے بچنا چاہئے۔ مجبوری کی حالتیں استثنائی ہیں جن پر عام اجازت کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔ اس اختلافی مسئلہ کی بحث کے ضمن میں ان روایتوں کے لانے سے اُن کا یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدِكُمْ: ملائکہ کے دعا دینے سے یہی مراد ہے کہ جب تک انسان اپنی نماز گاہ میں بحالتِ وضو بیٹھا رہتا ہے اس کے نفس میں ذکر الٰہی کے پاکیزہ اثرات قائم رہتے ہیں اور اس اثر کے ماتحت اس کے قویٰ بھی کم و بیش متأثر رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ مغفرت یعنی میلانِ گناہ کا دب جانا اور رحمت یعنی روحانی ترقی کے لئے استعداد کا پیدا ہونا ہے۔ **مَالَمْ يُحْدِثْ** کے ایک وہ معنی ہیں جو ترجمہ میں کئے گئے ہیں اور ایک یہ معنی ہیں کہ جب تک کوئی ناگوار بات نہ کرے۔ دونوں صورتوں میں اس کی توجہ الی اللہ میں فرق آئے گا اور روحانی کیفیات زائل ہو جائیں گی، بے وضو ہونے کی وجہ سے بھی اور دوسرے ناگوار امور کے پیدا ہونے کی وجہ سے بھی۔ اس لئے کہ باوضو ہونے کا تصور طہارت اور عبادت کے ساتھ بوجہ لازم و ملزوم ہونے کے ذہن میں کچھ ایسا مستحکم ہو چکا ہوتا ہے کہ بے وضو ہونے کا خیال نمازی کی ساری معنویات کو مضطرب کر دیتا ہے جس سے پیدا شدہ مَلکی تأثیرات منقطع ہو جاتی ہیں۔ اس مضمون کا تعلق زیادہ تر علم نفس کے ساتھ ہے۔ نفس ہی دراصل ملائکہ کی تجلی گاہ اور ان کے عمل کی آماجگاہ ہے۔

بَاب۶۲: بُنْيَانُ الْمَسْجِدِ

مسجد کا بنانا

وَقَالَ أَبُو سَعِيْدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ

اور حضرت ابوسعیدؓ نے کہا کہ مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور حضرت عمرؓ نے مسجد کے بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ لوگوں کو بارش سے بچاؤ اور دیکھنا سرخ یا زرد رنگ کی

وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ وَقَالَ أَنَسٌ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُوْنَهَا إِلَّا قَلِيْلًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارَى.

نہ بنائیو ورنہ لوگوں کو ابتلاء میں ڈال دو گے اور حضرت انسؓ نے کہا: وہ ان (مسجدوں) کو خوبصورت سے خوبصورت بنا کر ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ پھر اُن کو بہت ہی کم آباد کریں گے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ضرور تم بھی ان کو اسی طرح سجاؤ گے جس طرح کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے (ان کو) سجایا۔

٤٤٦: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ وَعَمَدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيْهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيْدِ وَأَعَادَ عَمَدَهُ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَثِيْرَةً وَبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عَمَدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ.

۴۴۶: ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا: یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے صالح بن کَیسان سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا، کہا: نافع نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ (بن عمرؓ) نے انہیں بتلایا کہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیاں تھیں اور اُس کے ستون بھی کھجور کی لکڑیوں کے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کچھ نہیں بڑھایا اور حضرت عمرؓ نے اس میں بڑھایا اور اس کو کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے اسے اپنی بنیاد پر بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اور نئی لکڑیوں کے ستون دوبارہ لگائے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو بدل دیا اور اس میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی دیوار کو نقش دار پتھروں اور گچ سے بنایا اور اس کے ستون نقش دار پتھروں سے بنوائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی سے۔

تشریح: **بُنْيَانُ الْمَسْجِدِ:** باب ۶۲ بھی اسی غرض کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ مسجدیں سادہ بنائی جائیں۔ ان میں نقش ونگار نہ ہوں جونمازی کی توجہ کو بٹائیں۔ انسان ظاہر پرستی پر جس قدر زیادہ زور دیتا ہے اسی نسبت سے اس کی توجہ باطن کی طرف سے مدھم پڑتی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ کے محولہ بالا قول کا یہی مطلب ہے۔ ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے بروایت حضرت انسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔ [۱] {یعنی ساعۃ (قیامت) قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مساجد کے بنانے پر فخر کریں گے۔}

لَا يَعْمُرُوْنَهَا سے مراد یہ ہے کہ ان میں نماز نہیں پڑھیں گے۔ خانہ خدا خالی ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول کی بناء پر ہے۔[۲] (فتح الباری جزءاول صفحہ ۶۹۸-۶۹۹)

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عمرؓ کے حوالوں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسجدیں سادہ ہونی چاہئیں تا کہ اسلامی عبادت کی سادگی اور اس کی اصل روح قائم رہے۔ دوسرے دو حوالوں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کے متعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انذاری پیشگوئی ہے کہ وہ اپنے عبادت خانوں کے بنانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا رنگ اختیار کریں گے۔ ظاہری نمود ونمائش کا شوق ہوگا اور روحِ حقیقت پرواز کر جائے گی۔ چنانچہ یہی فی الواقعہ ہوا۔

روایت نمبر ۴۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بھی مسجد میں ایک تبدیلی کی جو مسجدوں کی مطلوبہ سادگی کے منافی نہ تھی۔ **اَلْحِجَارَةُ الْمَنْقُوْشَةُ** سے وہ پتھر مراد نہیں جن پر رنگ دار بیل بوٹوں کا کام کیا ہوتا ہے۔ بلکہ کھدوائی کا سادہ کام مراد ہے۔ اور یہ کام **لَتُزَخْرِفُنَّهَا** اور **اِيَّاكَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ** کا مصداق نہیں۔ گو بعض صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر اعتراض کیا تھا جس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر مسجد بنوائی ہے۔ (دیکھئے روایت نمبر ۴۵۰) یہ تعمیر ۳۰ھ میں ہوئی تھی جبکہ مسلمان دولت سے مالا مال تھے اور وہ پرانی طرز کے مکانوں کی جگہ عمدہ عمارتیں بنوانے لگ گئے تھے۔ اس وقت ایک نئی قسم کا تمدن قائم ہو چکا تھا۔ شہر کی خوبصورت عمارتوں کے درمیان مسجد کو حقیر حالت میں رہنے دینا مسجد کے آداب واحترام کے خلاف تھا۔ حضرت عثمانؓ نے نہ صرف اس لئے کہ اس وقت کے تمدن کا تقاضا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ خود مسجد کا احترام بھی یہی تقاضا کرتا تھا کہ اس کو نسبتاً اچھی شکل وصورت میں اور وسیع پیمانہ پر بنایا جائے۔ ایک مومن کے جذبات اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ خود تو اچھے مکان میں رہے اور مسجد کو حقیر حالت میں رہنے دے کہ جس میں نمازیوں کو تکلیف ہو اور اس کی مطلوبہ صفائی بھی خاطر خواہ نہ ہو سکے اور دیکھنے والوں پر بھی ایک بُرا اثر پڑے۔ شعائر اللہ کی واجبی تعظیم کو نظر انداز کرنے سے آخر نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں سے بھی جذباتِ احترام مٹ جاتے ہیں۔ یہی وہ اندیشہ اور خیال تھا جو حضرت عثمانؓ کے لئے محرک ہوا اور جس کا انہوں نے بایں الفاظ اظہار کیا کہ رضائے الٰہی کی خاطر یہ کام کیا گیا ہے۔ پس ان کی اپنی صراحت کے موجود ہوتے ہوئے اعتراض کرنا درست نہیں اور امام بخاریؒ نے اس باب میں دوسرے حوالوں کی طرف اشارہ کر کے خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ کی اس

---

[۱] (ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب فی بناء المساجد۔ نمبر ۳۷۹) (نسائی۔ کتاب المساجد۔ باب المباہاۃ فی المساجد۔ نمبر ۶۸۲)
(ابن ماجہ۔ کتاب المساجد۔ باب تشیید المساجد۔ نمبر ۷۳۱)

[۲] (ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب فی بناء المساجد۔ نمبر ۳۷۸) (ابن ماجہ۔ کتاب المساجد۔ باب تشیید المساجد۔ نمبر ۷۳۲)

تبدیلی کا ذکر یہی بتلانے کے لئے کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال اس امر کے منافی نہیں کہ اردگرد کے ماحول کو مدنظر رکھ کر مسجد کی عمارت میں ضروری تبدیلی کی جائے بلکہ بیل بوٹوں اور تصویروں اور خوشنما مناظر کی سج دھج سے منع کیا گیا ہے۔

بَاب٦٣: اَلتَّعَاوُنُ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ

مسجد کے بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ ۚ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ (التوبة:١٧-١٨)

(اور اللہ عزوجل کا یہ فرمانا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ....) مشرکوں کے شایاں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے برخلاف کفر کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان کے عمل تو اَکارت گئے اور آگ ہی میں وہ رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تو وہ آباد کیا کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت کو مانیں اور نماز سنوار کر ادا کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ امید ہے کہ یہ ہدایت یافتوں میں سے ہوں۔

٤٤٧: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُخْتَارٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيْدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهِ فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُّصْلِحُهُ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبَى ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى أَتَى عَلَى ذِكْرِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً

۴۴۷: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن مختار نے ہم سے بیان کیا، کہا: خالد حذاء نے عکرمہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا (وہ کہتے تھے) کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھے اور اپنے بیٹے علی سے کہا: تم دونوں حضرت ابوسعیدؓ کے پاس جاؤ اور اُن کی باتیں سنو۔ اس پر ہم گئے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک باغ میں ہیں جس کو وہ درست کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی چادر لی اور گوٹھ مار کر بیٹھ گئے پھر ہم سے باتیں کرنے لگے۔ جب مسجد کے بنانے کا ذکر

وَّعَمَّارٌ لَّبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَآهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ.

آیا تو انہوں نے کہا: ہم ایک ایک اینٹ اُٹھاتے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور ان سے مٹی جھاڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: آہ! عمار! اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ اس کو آگ کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ حضرت عمارؓ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

تشریح: **اَلتَّعَاوُنُ فِيْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ:** امام بخاریؒ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر صحابہ کرامؓ کی سادہ زندگی میں دکھلا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسجدوں کی آبادی اور ان کی زیب و زینت ان لوگوں سے تھی کہ جن کے نفسوں میں دنیا کے مال و دولت نے کوئی ایسا تغیر پیدا نہ کیا تھا جو اس آیت کے مضمون کے منافی ہو۔ وہ اپنی زندگیوں میں ویسے ہی سادہ تھے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔ وہ نمازوں کے بھی اسی طرح پابند تھے۔ زکوٰۃ بھی دیتے تھے۔ علمی مشاغل میں بھی ویسے ہی دلچسپی لیتے تھے۔ ان میں کوئی تکبر نہ تھا، غرور نہ تھا۔ سادگی ہی سادگی تھی۔ اپنے پاک نمونوں کے اس عملی تعاون سے وہ مسجدوں کی آبادی کے باعث تھے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (التوبۃ: ۱۸) سے مراد ظاہری سجاوٹ نہیں جس سے مشرکوں کے عبادت خانے بہتر سے بہتر سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے وہ روحانی آبادی مراد ہے جس کا ایک نمونہ مسجد نبویؐ میں نظر آتا ہے جو کچی اینٹوں اور کھجور کی لکڑیوں سے بنی ہوئی تھی اور یہ آبادی اسی طرح تعاون کی محتاج ہے جس طرح اس کی ظاہری تعمیر۔ مذکورہ بالا آیت اور روایت کو پہلو بہ پہلو رکھ کر اگر دیکھا جائے تو عنوانِ باب کا مقصد از خود واضح ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر مسجد نبویؐ کو کھڑا کیا تھا ان میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ بھی تھے جن کا حوالہ سابقہ باب کے عنوان میں ابھی گزر چکا ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی تھے۔ عالم بھی تھے اور مالدار بھی۔ حضرت ابن عباسؓ ایک عرصہ تک بصرہ کے امیر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے غلام عکرمہ بھی تھے۔ (عمدۃ القاری جزء ۴ صفحہ ۲۰۸) حضرت ابن عباسؓ نے ان کو اور اپنے بیٹے علی کو ہدایت کی کہ وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے نبی ﷺ کی باتیں سنا کریں۔ کیونکہ حضرت ابوسعیدؓ حضرت ابن عباسؓ کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بہت زیادہ مستفیض تھے۔ وہ دونوں ان کے پاس جاتے۔ حضرت ابوسعیدؓ باوجود وفرتِ مال و علم کے اپنے ہاتھوں سے باغ میں کام کرتے۔ یہ مثال ہے اس سادگی کی جس کا تعلق مسجدوں کی روحانی آبادی کے ساتھ اتنا ہی گہرا ہے جتنا کہ ظاہری تکلفات اور نمود و نمائش کا دنیاداری کے ساتھ۔

يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ اِلَى النَّارِ: باب ۶۳ میں حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کا جو ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی جھاڑتے تھے اور فرماتے تھے: وَيْحَ عَمَّارٍ يَدْعُوْهُمْ

اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ اِلَى النَّارِ. نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے کیا مراد ہے؟ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کن کو جنت کی طرف بلاتے تھے؟ بعض شارحین نے ان لوگوں سے کفارِ قریش مراد لئے ہیں (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۲) کیونکہ انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین کو سخت سے سخت اذیتیں دی تھیں۔ انہیں نہایت بے رحمی اور شرمناک طریقوں سے قتل کیا تھا۔ (دیکھئے اصابہ تحت ذکر ''یاسر'')

بعض نے روایت کے الفاظ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ کی بناء پر ان لوگوں سے مراد معاویہ کا گروہ لیا ہے جس کے ہاتھ سے حضرت عمار بن یاسرؓ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

مگر بقول حمیدیؒ؛ امام بخاریؒ نے ان الفاظ کا قطعاً ذکر نہیں کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ بزار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ بناء مسجد کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: فَحَدَّثَنِيْ اَصْحَابِيْ وَلَمْ اَسْمَعْهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ يَابْنَ سُمَيَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ. یعنی میں نے یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنے بلکہ میرے ساتھیوں نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا۔ علامہ ابن حجرؒ نے (حمیدی کے قول کی تطبیق کرتے ہوئے) اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا الفاظ نظر انداز کر دیے ہیں۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۲) بناء بریں بالوثوق نہیں کہا جاسکتا کہ آپؐ کے ان الفاظ سے مراد اہلِ صفین ہی ہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ حذف اس خیال کی بناء پر کیا ہو کہ حضرت ابوسعیدؓ نے یہ الفاظ خود نہیں سنے۔ مگر ان کے اس بیان سے کہ حضرت عمارؓ فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا کیا کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے متعلق کسی نہ کسی فتنہ کا اندیشہ ضرور تھا اور یہ کہ نبی ﷺ کے الفاظ کسی فتنہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

نیز صحابہؓ کی ایک جماعت کی روایات کی بناء پر اگر تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ کی روایت صحیح تسلیم کی جائے تو پھر اَلْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاویہ کی طرف سے حضرت علیؓ کے مقابل پر صفین مقام پر لڑنے آئے تھے۔ ان کو خلیفہ وقت کی نافرمانی کی وجہ سے باغی قرار دیا گیا ہے۔ ابن حجرؒ اور دیگر شارحینؒ اس صورت میں النَّار سے مراد خلیفہ کی نافرمانی اور جنت سے مراد اس کی اطاعت لیتے ہیں☆ اس لئے کہ ہر نیک کام جنت میں اور ہر بُرا کام جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہوتا ہے اور خلیفہ وقت کی بغاوت تو قوم کے لئے تباہ کن نتائج رکھتی ہے۔ جیسا کہ اس کا ایک ہیبت ناک نمونہ مسلمانوں نے حضرت علیؓ اور معاویہ کی جنگوں میں دیکھا۔ ان جنگوں کے حالات پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کے پُرجوش مددگاروں میں سے تھے۔ جنگ صفین میں عمرو بن عاص ان کے مقابل پر دو دفعہ لڑنے کے لئے نکلے۔ پہلے حملہ میں عمرو بن عاص نے سخت شکست کھائی اور دوسرے حملہ میں حضرت عمارؓ شہید ہو گئے۔ اس پر امیر معاویہ کے لشکر میں کہرام مچ گیا۔ یہاں تک کہ عمرو بن عاص بھی گھبرا گئے کہ پیشگوئی کہ مطابق اَلْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ سے امیر معاویہ کا گروہ ثابت ہوتا ہے جس کے ہاتھ سے وہ قتل ہوئے۔ امیر معاویہ نے یہ کہہ کر عمرو بن عاص کی جھٹ تسلی کر دی کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے قتل کا اصل باعث حضرت علیؓ ہیں جو ان کو اس جنگ میں لائے ہیں اور جو حملہ آور ہیں؛ نہ کہ ہم جو مدافعت کر رہے ہیں۔

☆ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۱-۷۰۲) (عمدۃ القاری جزء چہارم صفحہ ۲۰۹)

بَاب٦٤: اَلْاِسْتِعَانَةُ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِي أَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ

مسجد اور منبر کی لکڑیوں کے بنوانے میں بڑھئیوں اور کاریگروں سے مدد لینا

٤٤٨: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى امْرَأَةٍ أَنْ مُّرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِّي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ.

۴۴۸: ہم سے قتیبہ (بن سعید) نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابوحازم سے، ابوحازم نے حضرت سہلؓ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو کہلا بھیجا کہ تم اپنے لڑکے بڑھئی کو کہہ دو کہ وہ میرے لئے لکڑیاں جوڑ (کر منبر بنا) دے جن کے اوپر میں بیٹھا کروں۔

٤٤٩: حَدَّثَنَا خَلَّادٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَّجَّارًا قَالَ إِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ.

۴۴۹: ہم سے خلاد نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد بن ایمن نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپؐ کے لئے ایسی چیز نہ بنوا دوں کہ جس پر آپؐ بیٹھا کریں کیونکہ میرا ایک لڑکا بڑھئی ہے۔ فرمایا: اگر تم چاہو۔ اس پر اس نے منبر بنوا دیا۔

تشریح: باب۶۴ کے ذیل میں دو روایتیں ہیں جو بظاہر متضاد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے خود فرمایا کہ مجھے ایک منبر بنوا دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت نے منبر بنوانے کی اجازت مانگی۔ شارحین نے اس اختلاف کو یوں حل کیا ہے کہ اس عورت نے پہلے تجویز کی تھی جو آپؐ نے منظور فرمائی۔ پھر آپؐ نے بطور یاد دہانی کے کہلا بھیجا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۳-۷۰۴)

بَاب٦٥: مَنْ بَنَى مَسْجِدًا

جو مسجد بنائے

٤٥٠: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ الْخَوْلَانِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ وَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ يَبْتَغِيْ بِهِ وَجْهَ اللهِ بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ.

۴۵۰: ہم سے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا (انہوں نے کہا) ابن وہب نے مجھ سے بیان کیا کہ عمرو نے مجھے بتلایا کہ بُکَیر نے ان سے بیان کیا کہ عاصم بن عمرو بن قتادہ نے انہیں بتلایا کہ انہوں نے عبیداللہ خولانی سے سنا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بنوائی اور لوگ ان کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے یہ کہتے ہوئے سنا: تم نے بہت باتیں کی ہیں اور حالانکہ میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ جس نے مسجد بنوائی۔ بُکَیر نے کہا: میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ کہا اور وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اس جیسی عمارت بنائے گا۔

تشریح: باب ۶۲، ۶۳، ۶۴ اور باب ۶۵ ایک خاص ترتیب مدنظر رکھ کر قائم کیے گئے ہیں۔ باب ۶۲ کے عنوان میں سب سے پہلے حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ نقل کرنا اور باب ۶۵ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اسی تعمیر کا دوبارہ ذکر کرنا بتلاتا ہے کہ امام بخاریؒ اس اعتراض کا جواب ان بابوں کی ترتیب میں دے رہے ہیں جو حضرت عثمانؓ پر کیا گیا تھا۔ ایک ابتدائی حالت تھی کہ کھجور کی ٹہنیوں کی چھت تھی جو نمازیوں کو بارش سے نہیں بچا سکتی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسجد کی ایسی تعمیر کی جائے [وَقَالَ أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ] جو لوگوں کو بارش سے بچائے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو ایک ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے اس میں ضروری توسیع و تبدیلی کی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منبر بنوانے کی ضرورت پڑی اور آپؐ نے بڑھئی سے مدد لی۔ پس ضرورت کے مطابق مسجد بنوانا اور اس کی توسیع و تعمیر کی پختگی میں کاریگروں سے کام لینا اور روپیہ خرچ کرنا جائے اعتراض نہیں۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (ابن ماجه. المقدمة. باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين)
پہلے تین بابوں کو بطور تمہید کے قائم کر کے باب ۶۵ میں حضرت عثمانؓ کی تعمیر کا واقعہ دہرانے سے امام بخاریؒ کی یہی غرض معلوم ہوتی ہے کہ وہ تعمیر ضرورت کے مطابق تھی اور لَتُزَخْرِفُنَّهَا کی انذاری پیشگوئی کی مصداق نہ تھی۔

بَاب٦٦: يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں جب گزرے تو تیروں کے پھلوں کو پکڑ لے

٤٥١: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرٍو أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا.

۴۵۱: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہم سے بیان کیا۔ کہتے تھے کہ میں نے عمرو سے کہا: کیا تم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ ایک شخص مسجد میں سے گزر رہا تھا۔ اس کے پاس تیر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ان کے پھلوں کو پکڑو۔

تشریح: عنوان باب بعض دیگر روایات کو جونسائیؒ اور مسلمؒ نے نقل کی ہیں مدنظر رکھتے ہوئے قائم کیا گیا ہے۔ ان روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: لِيَأْخُذْ بِنِصَالِهَا. فَلْيُمْسِكْ عَلٰى نِصَالِهَا بِكَفِّهِ اَنْ يُصِيْبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (مسلم. كتاب البر والصلة. باب امر من مرّ بسلاح فى المسجد. نمبر ۴۷۳۹، ۴۷۴۰، ۴۷۴۲)

یہ روایتیں امام بخاریؒ کی شروطِ صحت کے مطابق نہیں۔ اس لئے حضرت جابرؓ والی اسی روایت کو ایک نئی سند کے ساتھ دہرایا ہے۔ مگر اس سے کسی مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق کسی حتمی رائے کا استنباط نہیں کیا گیا۔ البتہ اس سے سابقہ باب میں عین موقع ومحل کے مطابق حضرت عثمانؓ پر طعنہ کرنے والوں کے خلاف ایک ضمنی استدلال ضرور کیا ہے۔ اسی لئے اس باب کو جس میں یہ استدلال مقدر ہے باب ۶۶ پر مقدم کیا ہے۔

یہاں روایت نمبر ۴۵۱ کی ایسی سند منتخب کی ہے جس میں وہ جواب محذوف ہے جو عمرو بن دینار نے سفیان بن عیینہ کو دیا۔ یہی روایت کتاب الفتن میں بجائے قتیبہ کے علی بن عبداللہ مدینی سے نقل کی گئی ہے اور اس کے آخر میں ہے: قَالَ نَعَمْ (بخاری کتاب الفتن باب قول النبیؐ من حمل علینا السلاح فلیس منا. نمبر ۷۰۷۳) یعنی انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ علامہ ابن حجرؒ کے نزدیک اس روایت میں یہ جواب دراصل مقدر ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۷) مگر امام بخاریؒ کا اُس روایت کو چھوڑ کر اِس روایت کو یہاں اختیار کرنا بلاوجہ نہیں۔ یہاں انہوں نے دو قسم کا تصرف کیا ہے۔ ایک یہی انتخابِ روایت کا اور دوسرا یہ کہ باب ۶۵ اور باب ۶۶ میں تقدیم وتاخیر کر کے بابوں کی طبعی ترتیب کو بدل دیا ہے۔ امام بخاریؒ کے

عام دستورالعمل کو دیکھ کر اس تصرف سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوفؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پر جو اعتراض کیے گئے ہیں وہ ان کی حرمت کے اسی طرح خلاف ہیں جس طرح مسجد میں تیروں کے پھل بے احتیاطی سے باہر نکالے چلنا مسلمان کی حرمت کے خلاف ہے اور یہ کہ ان اعتراضوں کا جواب سابقہ بابوں کے عنوانوں اور ان کی ترتیب میں ویسے ہی مقدر ہے جیسے روایت نمبر ۴۵۱ میں ایک سوال کا جواب مقدر ہے۔ ہر مسئلہ کے متعلق امام موصوفؒ کسی نہ کسی تصرف سے اپنی رائے کا ضرور اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے ان بابوں کی ترتیب وغیرہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قرینِ قیاس ہے۔ ورنہ علی بن عبداللہ کی سند چھوڑ کر قتیبہ کی سند اختیار کرنا اور ان بابوں کی طبعی ترتیب کو بغیر وجہ کے آگے پیچھے کر دینا بے معنی ہوگا۔

بَاب ٦٧: اَلْمُرُوْرُ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں سے گزرنا

٤٥٢ : حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوبُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَابُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِي شَيْءٍ مِّنْ مَّسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيَأْخُذْ عَلَى نِصَالِهَا لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا.

۴۵۲: ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابوبردہ بن عبداللہ نے ہمیں بتلایا۔ کہتے تھے کہ میں نے ابو بردہ سے سنا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جو ہماری مسجدوں اور ہمارے بازاروں میں کسی جگہ تیر لے کر گزرے تو چاہئے کہ وہ ان کو پھلوں سے پکڑے اپنے ہاتھ سے کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے۔

تشریح: روایت نمبر ۴۵۲ کے الفاظ **لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا** خاص کر قابل توجہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم کی یہ تعریف کی ہے: **اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ**. (دیکھئے کتاب الایمان باب ۴ روایت نمبر ۱۰، باب ۵ روایت نمبر ۱۱) اور اس اصل کے ماتحت آپؐ نے اپنے امر و نہی میں بھی ہر ایک قسم کی احتیاط اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ تا کہ اسلامی اجتماع میں افراد ایک دوسرے کی اذیت سے محفوظ رہیں۔ بیجا اعتراضات نہ صرف افراد کو دکھ دینے کا موجب ہوتے ہیں بلکہ بعض حالات میں تو ساری قوم کو فتنے میں ڈالنے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اسی قسم کی چہ میگوئیاں تھیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے برخلاف دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا کر دیے تھے۔ اس کا جو خطرناک انجام ہوا وہ عالمِ اسلام سے مخفی نہیں۔ (اس ضمن میں دیکھئے کتاب الایمان باب ۴۲ شرح روایت نمبر ۵۸)

بَاب٦٨ : اَلشِّعْرُ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں شعر پڑھنا

٤٥٣ :حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَبْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْشُدُكَ اللهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَعَمْ.

۴۵۳: ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا: شعیب نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ وہ کہتے تھے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف نے مجھ کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کو حضرت ابو ہریرہؓ سے شہادت طلب کرتے سنا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا: حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دو۔ اے اللہ! روح القدس سے اس کی مدد کیجیو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: ہاں۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مسجد میں اشعار پڑھنے پر اعتراض کیا تھا جس کی بناء پر اُنہیں حضرت ابو ہریرہؓ سے شہادت لینے کی ضرورت پیش آئی۔ کتاب بدء الخلق میں ایک روایت سعید بن مسیّب کی آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں ہی تھے جب آپؐ نے حضرت حسانؓ سے فرمایا: أَجِبْ عَنِّيْ یعنی میری طرف سے کفار کو جواب دو اور انہوں نے مسجد میں ہی ان کی ہجو کا جواب دیا۔ (باب٦: ذکر الملائکۃ۔ نمبر۳۲۱۲)

ترمذی نے بھی حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ کے لئے منبر رکھتے جس پر وہ کھڑے ہو کر کفارِ قریش کے ہجو یہ اشعار کا جواب دیتے۔ (کتاب الادب باب ماجاء فی انشاد الشعر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: أَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسانؓ کے وہ اشعار اپنے اندر روح القدس کی تائید رکھتے تھے۔ اس لئے گویا ان کا مسجد میں پڑھنا جائز تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۰۹) مگر جواز یا عدمِ جواز کا تعلق ضرورتِ حقہ اور موقع ومحل کے ساتھ ہے۔ ایک وقت یہ ہجو کرنا اور مسجد میں شعر پڑھنا جائز تھا اور دوسرے وقت میں جبکہ کفارِ قریش کی اولاد مسلمان ہو چکی تھی ان ہجو یہ اشعار کا دہرانا ان کے لئے اذیت کا موجب تھا اس لئے حضرت عمرؓ کا منع کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں اور حضرت حسانؓ کا کسی سابقہ اجازت سے علی الاطلاق حجت پکڑنا درست نہیں۔ اگلا باب قائم کر کے یہ بات حل کر دی گئی ہے۔

بَاب ٦٩: أَصْحَابُ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں برچھی باز

٤٥٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ.

۴۵۴: ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے صالح سے۔ صالح نے ابن شہاب سے روایت کی، کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازہ کے پاس دیکھا اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے مجھے پردہ کئے ہوئے تھے۔ میں ان کی کھیلوں کو دیکھ رہی تھی۔

٤٥٥: زَادَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ.

۴۵۵: ابراہیم بن منذر نے (اس حدیث میں اتنا) بڑھایا ہے کہ ہم سے ابن وہب نے بیان کیا کہ یونس نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حبشی اپنی سنگینوں سے کھیل رہے تھے۔

تشریح: مسجد میں تیر لے کر چلنے کی ممانعت کا ذکر ابھی گزر چکا ہے پس اگر اس ممانعت کی بناء پر یہ فتویٰ دیا جائے کہ مسجد میں ہتھیار ننگے کرنا علی الاطلاق منع ہے تو یہ غلط ہوگا۔ آپؐ نے حبشیوں کو مسجد میں ہتھیاروں سے کھیلنے کی اجازت دی کیونکہ اس میں کھیلنے اور دیکھنے والے دونوں چوکس رہتے ہیں مگر جب انسان مسجد میں سے گزر رہا ہو اور اس کے تیر ننگے ہوں تو اس وقت دوسروں کے زخمی ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ پس ان دو مختلف صورتوں نے مسئلہ کی نوعیت بدل دی ہے۔ مسجد کا احاطہ کافی وسیع تھا اور اس کے متصل آپؐ کے گھر تھے۔ اس لئے جنگی کرتب دیکھنے کے لئے آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بلا لیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب العیدین باب ۲: الحراب والدرق یوم العید. نمبر ۹۵۰)

بعض مالکیوں کا خیال ہے کہ یہ کرتب مسجد کے باہر دکھلائے گئے تھے۔ (فتح الباری جزءاول صفحہ۷۱۰) مگر باب کا عنوان أَصْحَابُ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ پورے جزم کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسجد میں ہی یہ کرتب دکھلائے گئے تھے۔ مسجد کا صحن بھی مسجد کا ہی ایک حصہ ہوتا ہے۔

روایت نمبر ۴۵۵ میں اس کی ایک اور سند کا مختصر حوالہ دے کر عینی شہادت اور سنگینوں کے ننگا کیے جانے کی طرف توجہ منعطف کی ہے۔

بَاب ۷۰: ذِكْرُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں منبر پر خرید وفروخت کا ذکر کرنا

٤٥٦ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْأَلُهَا فِي كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتُ أَهْلَكِ وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِي وَقَالَ أَهْلُهَا إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً إِنْ شِئْتِ أَعْتَقْتِهَا وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لَنَا فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَّرَتْهُ ذَلِكَ فَقَالَ ابْتَاعِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ

۴۵۶: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے یحییٰ سے، یحییٰ نے عمرہ سے، عمرہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ اُن کے پاس حضرت بریرہؓ آئیں۔ وہ اپنی آزادی حاصل کرنے کے لیے اُن سے روپیہ مانگتی تھیں تو اُنہوں نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے مالکوں کو (قیمت) دے دوں اور حق وراثت میرا ہوگا تو اُس کے مالکوں نے (حضرت عائشہؓ سے) کہا کہ اگر آپؐ چاہیں تو جو باقی ہے اس کو دے دیں۔ اور سفیان نے ایک دفعہ یوں بھی کہا کہ اگر آپؐ چاہیں تو اُسے آزاد کر دیں مگر حق وراثت ہمارا ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے یہ ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اُسے خرید لو اور اُس کو آزاد کر دو۔ کیونکہ حق وراثت اُسی کا ہوتا ہے جو آزاد کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور سفیان نے اپنی روایت میں کبھی یوں بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر

اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَ إِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ.

چڑھے اور فرمایا: اُن لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہیں اور جو شخص ایسی شرط کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں نہیں تو وہ شرط اس کے لیے نہیں ہوتی گو وہ سو بار شرط کرے۔

قَالَ عَلِيٌّ قَالَ يَحْيَى وَعَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ يَّحْيَى عَنْ عَمْرَةَ. وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنْ يَّحْيَى قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ.

علی (بن عبداللہ) نے کہا: یحییٰ (بن سعید قطان) اور عبدالوہاب نے یحییٰ (بن سعید انصاری) سے، انہوں نے عمرہ سے (اسی طرح روایت کی) اور جعفر بن عون نے یحییٰ (بن سعید انصاری) سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کہا: میں نے عمرہ سے سنا۔ وہ کہتی تھیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا۔

رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَّحْيَى عَنْ عَمْرَةَ أَنَّ بَرِيْرَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَعِدَ الْمِنْبَرَ.

اور مالک نے یحییٰ سے، یحییٰ نے عمرہ سے یوں روایت کی کہ حضرت بریرہؓ.... اور اُنہوں نے یہ ذکر نہیں کیا: "صَعِدَ الْمِنْبَرَ" کہ وہ منبر پر چڑھے۔

تشریح: شارع اسلام ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کرنا منع فرمایا ہے۔ مگر ایک موقع پر آپؐ نے منبر پر چڑھ کر ایک خرید کا ذکر فرمایا جس میں غیر مشروعہ شرطیں ناجائز قرار دے کر اصل بیع برقرار رکھی اور آپؐ کا یہ عمل اس ممانعت کے خلاف نہیں۔

کتابت اس کو کہتے ہیں کہ غلام یا لونڈی اپنی قیمت ٹھہرا کر آزادی حاصل کر لے۔ وہ قیمت یک مشت ادا کرے یا کما کر بعد میں باقساط دے۔ ایسے شخص کو مکاتب کہتے ہیں۔ حضرت بریرہؓ بھی مکاتب تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی قیمت دے کر ان کو آزاد کرالیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے **کتاب العتق باب ٢٢-٢۵**)

روایت ۴۵٦ کے آخر میں مذکورہ بالا سندوں کا حوالہ دو[٢] وجہ سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ بعض روایتوں میں یحییٰ بن سعید انصاری کا عمرہ سے اور عمرہ کا حضرت عائشہؓ سے براہِ راست سننا ثابت نہیں۔ جب کوئی شخص کسی سے سن کر کسی کی روایت بیان کرے تو امام موصوفؒ عَنْ کا لفظ استعمال کریں گے۔ عَنْ عَمْرَةَ سے مراد ہے کہ عمرہ سے مروی ہے۔ اس لئے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ روایت کرنے والے نے یہ بات عمرہ سے خود سنی۔ ایسی روایتوں کو جن کا سلسلہ سماعت صحابہ کرام سے براہِ راست ثابت نہ ہو **مرسل** کہتے ہیں اور جس روایت کا سلسلہ سماعت صحابہ کرام تک ثابت ہوا سے **موصول** کہتے ہیں۔ علی بن عبداللہ نے امام موصوفؒ کو مذکورہ بالا حدیث چار شخصوں سے روایت کرتے ہوئے بتلائی ہے جو سب یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں اور ان میں سے جعفر بن عون کی روایت میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ راوی

نے عمرہ سے یہ روایت سنی اور عمرہ نے حضرت عائشہؓ سے سنی۔ خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ بالا مرسل نہیں بلکہ موصول ہے۔

چونکہ بعض روایتوں میں منبر کا لفظ نہیں اس لئے عنوانِ باب کی مطابقت کی وجہ سے سفیان بن عیینہ کی روایت کو اس باب کے لئے منتخب کر کے آخر میں اس امر کی بھی تصریح کر دی ہے کہ امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعید قطان کی روایت میں منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں۔

بَاب ٧١: التَّقَاضِيْ وَ الْمُلَازَمَةُ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں ایک دوسرے سے قرض کا تقاضا کرنا اور چمٹ جانا

٤٥٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ.

۴۵۷: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا: عثمان بن عمر نے ہم سے بیان کیا، کہا: یونس نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے عبداللہ بن کعب بن مالک سے، انہوں نے حضرت کعبؓ سے روایت کی کہ اُنہوں نے حضرت ابن ابی حَدْ رَدؓ سے مسجد میں قرض کا تقاضا کیا جو اِن کا اُن کے ذمہ تھا۔ ان دونوں کی آوازیں اتنی بلند ہوئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیں۔ حالانکہ آپؐ اپنے گھر تھے۔ اس پر آپؐ ان کی طرف نکلے اور اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور پکارا۔ کعب! عرض کیا: حاضر یا رسول اللہ! فرمایا: اپنے اس قرض سے کچھ کم کردو اور آپؐ نے ان کو اشارہ کیا یعنی نصف۔ حضرت کعبؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کم کر دیا۔ آپؐ نے (حضرت ابن ابی حدردؓ کو) فرمایا: اُٹھو اور اسے (قرضہ) ادا کرو۔

تشریح: باب ۷۰ و باب ۷۱ میں جن دو واقعوں کا ذکر ہے ان کا تعلق لین دین کے ساتھ ہے۔ ان دونوں میں نبی ﷺ نے ایسے طور سے دخل دیا ہے جو ایک واعظانہ رنگ رکھتا ہے۔ پس مقام کی نوعیت نے مسئلہ کی نوعیت میں تبدیلی پیدا کر دی ہے اور جو باتیں عام طور پر مسجد کی حرمت کے خلاف سمجھی جاتی تھیں وہ ایک خاص حالت میں جائز ہو گئیں (نیز دیکھئے شرح باب ۸۱) حضرت عثمانؓ کا مسجد کو وسیع کرنا اور اس کو عمدہ اور پختہ بنانا بھی ایک ضرورتِ حقہ کے ماتحت تھا۔ اسی طرح ایک وقت خاص حالت میں اشعار کا پڑھنا مسجد کی حرمت کے خلاف نہ تھا اور دوسرے حالات میں یہ

امر بعض اعتبارات کے لحاظ سے خلافِ حرمت سمجھا گیا۔ پس مذکورہ بالا مسائل کے متعلق امام بخاریؒ نے بابوں کی ترتیب میں جو اصل پیش کیا ہے وہ ان مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک بہترین اقلید ہے۔

بَاب ۷۲: كَنْسُ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطُ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيْدَانِ

مسجد میں جھاڑو دینا اور اُس میں سے دھجیاں اور کوڑا کرکٹ اور لکڑیاں اُٹھانا

٤٥٨: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِي بِهِ دُلُّوْنِي عَلَى قَبْرِهِ أَوْ قَالَ قَبْرِهَا فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ.

۴۵۸: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: حماد بن زید نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ثابت سے، ثابت نے ابورافع سے، ابورافع نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ ایک کالا آدمی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ یا کہا کالی عورت۔ پس وہ مرگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ مر گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر کیا تم نے مجھے اس کی اطلاع نہ دینی تھی۔ مجھے اس مرد کی قبر کا پتہ دو یا فرمایا اس عورت کی قبر کا پتہ دو۔ آپؐ اس کی قبر پر آئے اور اس کا جنازہ پڑھا۔

تشریح: جس خادمہ مسجد کا ذکر روایت نمبر ۴۵۸ میں ہے اس کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے: كَانَتْ تَلْتَقِطُ الْخِرَقَ وَالْعِيْدَانَ مِنَ الْمَسْجِد { کہ وہ مسجد سے کپڑوں کی دھجیاں اور لکڑیاں اُٹھایا کرتی تھی۔} اور ایک روایت میں آتا ہے: كَانَتْ مَوْلَعَةً بِلَقْطِ الْقَذٰى مِنَ الْمَسْجِدِ. {یعنی دھجیاں اور گندی مندی چیزیں وغیرہ ہٹایا کرتی تھی} (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۱۵) اس لئے عنوانِ باب میں كَنْسُ الْمَسْجِدِ کے بعد اَلْخِرَقُ وَالْقَذٰى وَالْعِيْدَانِ کا ذکر کرکے امام موصوفؒ نے ان روایتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مسجد کی صفائی کے متعلق جو اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں خادمہ مسجد کی وفات کا ذکر کرکے بتلایا کہ آپؐ کو اس وجہ سے کہ وہ مسجد کی صفائی کا خاص خیال رکھا کرتی تھی اس کا جنازہ نہ پڑھنے سے رنج پیدا ہوا۔ کتاب الجنائز میں یہی روایت دہرائی گئی ہے۔ اس میں آتا ہے: فَحَقَرُوْا شَأْنَهٗ یعنی صحابہؓ نے اس کو حقیر سمجھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جنازے کے لئے بے وقت تکلیف دینا پسند نہ کیا۔ مگر آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔ (دیکھئے باب: الصلاة على القبر بعد ما يدفن۔ نمبر ۱۳۳۷)

بَاب۷۳ : تَحْرِيْمُ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں شراب کی تجارت کا حرام کیا جانا

٤٥٩: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّسْلِمٍ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ.

۴۵۹: ہم سے عبدان نے بیان کیا۔انہوں نے ابوحمزہ سے، ابوحمزہ نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں کہ جب سود کے متعلق سورۂ بقرہ کی آیتیں نازل ہوئیں تو نبی ﷺ مسجد میں باہر آئے اور لوگوں کے سامنے وہ آیتیں پڑھیں۔ پھر آپؐ نے شراب کی تجارت حرام کی۔

تشریح: جن آیات کا روایت ۴۵۹ میں حوالہ دیا گیا ہے اُن میں تجارت کی حلت اور سود کی حُرمت کا ذکر ہے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرة:۲۷۶) ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے شراب کی حُرمت کے متعلق حکم نازل ہو چکا تھا۔ مگر اس کی تجارت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا۔ اب جبکہ ان آیات میں شراب کا کہیں ذکر نہیں اور تجارت بظاہر بغیر قید وشرط کے جائز قرار دی گئی ہے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس وجہ سے کہ شراب حرام ہے اس کی تجارت بھی حرام کردی۔ حالانکہ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ میں تجارت کی مطلق اجازت دی گئی ہے۔ یہ دو واقعے پہلو بہ پہلو رکھ کر امام بخاریؒ نے جہاں دو ایسے مسئلوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا تعلق آدابِ مسجد کے ساتھ ہے وہاں اس اصولی بات کی مزید مثالیں دی ہیں جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ بعض وقت کسی نسبت سے کوئی حقیر شیٔ جیسے جھاڑو دینے کی خدمت قابل عزت ہو جاتی ہے اور جائز چیز حرام ہو جاتی ہے۔

بَاب ٧٤ : الْخَدَمُ لِلْمَسْجِدِ

مسجد کے لئے خادم

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا (آل عمران: ٣٦) لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهُ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا کے یہ معنی کئے ہیں کہ جو میرے پیٹ میں ہے میں نے اسے تیری نذر کر دیا ہے۔ وہ تمام دھندوں سے آزاد ہوگا یعنی مسجد کے لیے۔ اُس کی خدمت کرے گا۔

٤٦٠ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ امْرَأَةً أَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا امْرَأَةً فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى عَلَى قَبْرِهِ.

۴۶۰: ہم سے احمد بن واقد نے بیان کیا، کہا: حماد نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ثابت سے، ثابت نے ابورافع سے۔ ابورافع نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ ایک عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا کہا: ایک مرد۔ اور میرا خیال ہے کہ عورت ہی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ کا ذکر کیا کہ آپؐ نے اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

تشریح: بنی اسرائیل کے لئے تورات میں یہ حکم تھا کہ پلوٹھا بچہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کے لئے وقف ہو۔ اسی حکم کی تعمیل میں مریم صدیقہ کی والدہ نے یہ دعا کی تھی: رَبِّ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَافِی بَطْنِیْ مُحَرَّرًا. (ال عمران: ۳۶)

{اے میرے ربّ! جو کچھ بھی میرے پیٹ میں ہے، یقیناً وہ میں نے تیری نذر کر دیا (دنیا کے جھمیلوں سے) آزاد کرتے ہوئے۔}

مُحَرَّرًا کے معنے آزاد کردہ یعنی تمام دنیا کے کاموں سے آزاد ہو کر مسجد کی خدمت کے لئے وقف۔ مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دے کر خدمتِ مسجد کے لئے خاص آدمی وقف کرنے کی مشروعیت اور سابقہ روایت کا حوالہ دے کر سنتِ نبویہؐ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ عورت ہی تھی۔ وَلَا اُرَاهُ اِلَّا امْرَأَةً. یہ الفاظ ابورافع کے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۴ صفحہ۲۳۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے آنے سے قبل یہ عورت فوت ہو چکی تھی۔ اس لیے اُنہیں بالضبط یاد نہیں رہا۔

ابورافع تابعی ہیں۔ بیہقی کی روایت میں اس عورت کا نام اُمِّ مِحْجَن بتلایا گیا ہے۔ ابن مندہ نے اس کا نام خَرْقَاء بتلایا ہے۔ (فتح الباری- شرح باب۷۲ روایت نمبر۴۵۸ جزء اول صفحہ۷۱۵) غرض دوسری روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ عورت تھی۔

بَاب ۷۵: اَلْأَسِيْرُ أَوِ الْغَرِيْمُ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ

قیدی یا قرضدار جو مسجد میں بندھوایا جائے

٤٦١ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

۴۶۱: ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: رَوح اور محمد بن جعفر نے ہمیں بتلایا، انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے محمد بن زیاد سے، محمد بن زیاد نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی

وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ رَبِّ اغْفِرْلِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي(ص:٣٦) قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهُ خَاسِئًا.

اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ کل رات جنوں میں سے ایک عفریت مجھ پر ٹوٹ پڑا، یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ (فرمایا) تا کہ میری نماز توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا۔ میں نے چاہا کہ مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے اُسے باندھ دوں تا کہ تم صبح اٹھو اور سب اس کو دیکھو۔ پھر مجھے میرے بھائی سلیمانؑ کا قول یاد آیا: رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا ....الآية. اے میرے ربّ مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر جو میرے بعد کسی کو بھی سزاوار نہ ہو۔ رَوح کہتے تھے کہ آپؐ نے اسے دھتکار دیا۔

تشریح: عِفْرِيْتٌ کے معنی خبیث مکروہ شکل۔ رَجُلٌ عِفْرِيْتٌ: گھناؤنی شکل کا آدمی۔ لفظ جِنّ بھی جنگلی وحشی آدمی پر بولا جاتا ہے۔ زید بن مقبل کی روایت میں جِنَّانُ الْجِبَالِ سے شَيَاطِيْنُ الْإِ نْسِ ہی مراد ہیں یعنی فسادی شریر طبع لوگ۔ (دیکھئے لسان العرب تحت لفظ جنن- نیز کتاب بدء الخلق شرح باب ذِكْرُ الْجِنِّ)

سورۂ سبا آیت ۱۳-۱۵ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنوں کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی تشریح سورۂ صٓ میں بایں الفاظ کی گئی ہے: وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّ غَوَّاصٍo وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّ نِيْنَ فِي الْاَصْفَادِo(صٓ:۳۸-۳۹)

{اور شیاطین کو بھی (یعنی) ہر فنِ تعمیر کے ماہر اور غوطہ خور کو۔ اور (بعض) دوسروں کو بھی جنہیں زنجیروں میں جکڑا گیا تھا۔}

سورۃ الانبیاء: ۸۳ میں بھی یہی مضمون ہے اور ان شیطانوں سے مراد وہ شریر اور مفسد قومیں ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے مغلوب کر کے ان سے بیت المقدس کی تعمیر اور جہاز رانی وغیرہ کے کام لئے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۲-تواریخ باب ۲- آیت: ۱۴-۱۸) ، (۱-سلاطین باب ۹- آیت: ۲۰-۲۸) ، (تفسیر علامہ ابو مسعود)

(''انبیاء کی آسمانی بادشاہت اور اس کی تکمیل مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے'' مصنفہ حضرت سید زین العابدینؓ- صفحہ ۵۸-۶۷)

روایت نمبر ۴۶۱ میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ کشف ہے جو ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ پورا ہو۔ حضرت ابو درداءؓ جو کہ باعتبارِ صحت روایت کے طبقہ اوّل میں ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی واقعہ بایں الفاظ بیان کرتے ہیں: اِنَّ عَـدُوَّ الـلّٰهِ اِبْلِيْسَ جَآءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَّارٍ لِّيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِيْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ....ثُـمَّ اَرَدْتُّ اَخْـذَهُ وَالـلّٰـهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَأَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ. (مسلـم كتاب المساجد باب جواز لعن الشيطان فی اثناء الصلوٰة) یعنی اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا

ایک شعلہ لے کر آیا تا وہ اس کو میرے منہ کے سامنے کرے۔ میں نے تین بار اس سے اللہ کی پناہ مانگی اور پھر اس کو قید کرنا چاہا۔ اگر ہمارے بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ ایسا بندھا ہوا ہوتا کہ مدینہ کے بچے بھی اس کے ساتھ کھیلتے۔

اس روایت نے واضح کر دیا ہے کہ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ سے کیا مراد ہے۔ وہ شیطان تھا اور ظاہر ہے کہ شیطان کا دیکھنا عالمِ کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک تیسری روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو یہ نظارہ ایک رات مکہ معظّمہ میں بھی دکھایا گیا جب آپؐ کو معراج واسراء ہوا تھا۔ اس روایت کے یہ الفاظ ہیں: قَالَ (ﷺ) رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ يَطْلُبُنِيْ بِشُعْلَةٍ مِّنْ نَّارٍ كُلَّمَا الْتَفَتُّ اِلَيْهِ رَأَيْتُهُ. (عمدة القاری جزء ۴ صفحہ ۲۳۴) {ترجمہ: آپؐ نے فرمایا: جس رات مجھے اسراء کرایا گیا، میں نے جنوں میں سے ایک شیطان دیکھا، وہ آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے کرتا، جب بھی میں اس کی طرف توجہ کرتا، اُسے دیکھ لیتا۔} رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ کا قرینہ صاف بتلاتا ہے کہ یہ نظارہ اس قسم کے روحانی مشاہدات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جن میں سے اسراء کا مشہور و معروف واقعہ بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ کی روایتیں دو الگ الگ واقعات کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جو مدینہ منورہ میں آپؐ کو بحالتِ نماز پیش آئے اور لَيْلَةُ الْاِسْرَاء کا واقعہ الگ ہے۔ اس واقعہ سے مدینہ منورہ والے دونوں واقعوں کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح از قبیل مکاشفات تھے۔ اگر لَيْلَةُ الْاِسْرَاء کے واقعہ کی روایت ہمارے سامنے نہ بھی ہوتب بھی ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظارہ ایک کشف کی صورت میں دکھلایا گیا تھا۔ آپؐ کی زندگی میں اس کی مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔ (دیکھئے شرح باب ۵۱: من صلّى و قدامه تنور أو نار۔ نمبر ۴۳۱)

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ شیطان ارواح میں سے ہے۔ وہ جب بھی نظر آتا ہے تو کسی نہ کسی شکل میں متمثّل ہو کر نظر آتا ہے۔ بخاریؒ اور مسلمؒ کی مذکورہ بالا روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت گھنونی شکل کا تھا۔

غرض بیرونی شہادتوں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ایک کشف ہے جس کا تعلق مابعد کے واقعات کے ساتھ تھا اور یہ کہ وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ خود اس روایت کے اندر بھی ایسے قرائن موجود ہیں جو اس کو کسی دوسرے واقعہ پر چسپاں کرنے سے روکتے ہیں۔ اِن قرائن میں سے مثلاً ایک بڑا قرینہ یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے جو آپؑ نے ایک عظیم الشان فتنے کے اثناء میں کی تھی۔ قرآن مجید اس فتنہ کی طرف اشارہ بایں الفاظ فرماتا ہے: وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا....(صٓ: ۳۵-۳۶)

{ترجمہ: اور یقیناً ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ہم نے اس (کی سلطنت) کے تخت پر (عقل و شعور سے عاری) ایک جسد پھینک دیا۔ تب وہ (اللہ ہی کی طرف) جُھکا۔ (اور) کہا: اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد اُس پر اور کوئی نہ جچے۔}

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فتنہ کا احساس اپنی زندگی میں ہی کر لیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپؑ کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں جس پر آپ نے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔

(۱-سلاطین، باب ۱۱، آیت ۲۸ اور ۳۵)

آپؑ کی وفات کے بعد آپؑ کا بیٹا ربعام تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص جسم بلا روح تھا۔ اس کے زمانہ میں وہ تمام فتنے بڑے زور سے نمودار ہو گئے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں دبے رہے اور وہ سرکش اور اجنبی قومیں جن کو آپؑ نے غلام بنالیا تھا بنی اسرائیل کی غلامی سے نکل گئیں۔ (۱-سلاطین، باب ۹، آیت ۲۱)

مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ پھر ان کے بعد بنی اسرائیل کو وہ شان وشوکت کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس دعا کا خیالی جنوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ جنوں کو مسخر کرنا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے خاص تھا۔ مجھے جن کو مسخر نہیں کرنا چاہئے اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر مرئی جنوں کو لوہے کی زنجیروں میں کبھی جکڑا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کشف کے یہ معنے تھے کہ شیطان آپؐ کو آپؐ کے فرضِ منصبی سے روکنے کے لئے جنگ کی صورت میں عداوت کی آگ بھڑکائے گا اور آپؐ کے برخلاف سرکش اجڈ قبائل کو اُکسائے گا۔ فَأَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ: مگر آپؐ اس پر قابو پائیں گے۔ فَرَدَّهُ خَاسِئًا: وہ اپنے اس حملہ سے ذلیل ہو کر لوٹے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مغلوب شدہ قوموں کو غلام بنالیا تھا جو آخر دم تک ان کی غلامی میں رہیں۔ یہ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور ان کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ایسا کریں۔ کشفی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مشیتِ الٰہی کے ماتحت اس طرف منتقل کیا گیا کہ آپؐ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فَدَتْهُ نَفْسِي نے اپنے مغلوب دشمن کو کبھی غلام نہیں بنایا۔ اہل مکہ جو اپنی شدید ترین دشمنی اور بھیانک مظالم کی وجہ سے نیز جنگی قوانین کی رو سے اس غلامی کے مستحق تھے انہیں بھی لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۳) کہہ کر آزاد کر دیا اور ان میں سے بعض تو اسلام میں داخل ہو گئے اور جو اپنے مذہب پر رہے اُن کو آزاد امن پسند رعایا کے حقوق عطا کئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض انسان کو انسانوں کے بندھنوں سے چھڑانا تھی (الاعراف: ۱۵۸) مزید شرح کے لئے دیکھئے روایت نمبر ۱۲۱۰۔

یہ اصلیت اور حقیقت ہے اس روایت کی۔ امام بخاریؒ نے اس کشف پر مسئلہ معنونہ کی بنیاد رکھی ہے۔ فقہاء خواب یا کشف کی بناء پر فقہی مسئلہ کی بنیاد رکھنا جائز نہیں سمجھتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوفؒ کے نزدیک ایسا جائز ہے۔ چنانچہ باب ۵۱ میں بھی انہوں نے کشفی نظارہ سے مسئلہ مستنبط کرنے میں مدد لی ہے اور یہ اس وقت جبکہ دیگر قرائن بھی مؤید ہیں۔

بَاب ٧٦: اَلْاِغْتِسَالُ إِذَا أَسْلَمَ وَرَبْطُ الْأَسِيْرِ أَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ

جب اسلام میں داخل ہو تو غسل کرنا نیز مسجد میں قیدی کا باندھنا

وَكَانَ شُرَيْحٌ يَأْمُرُ الْغَرِيْمَ أَنْ يُحْبَسَ إِلَى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ.

اور شریح قرض دار کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

۴٦٢ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي سَعِيْدٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِي حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

۴٦٢: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہم سے بیان کیا، کہا: سعید بن ابوسعید نے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے تو وہ بنوحنیفہ میں سے ایک شخص کو جسے ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا (پکڑ کر) لے آئے اور اُسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس باہر آئے اور فرمایا: ثمامہ کو چھوڑ دو تو وہ مسجد کے قریب ہی کھجوروں کی طرف چلا گیا اور نہایا۔ پھر وہ مسجد میں آیا اور کہا: میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

تشریح: چونکہ سابقہ استدلال ایک اعتبار سے قابل اعتراض تھا اور واقعہ مذکور میں وہ وضاحت نہیں جو مسئلہ استنباط کرنے کے لئے ضروری ہے اس لئے امام بخاریؒ نے ایک الگ مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے ضمن میں ثمامہؓ بن اثال کا واقعہ مختصراً نقل کیا ہے۔ یہ شخص قبیلہ بنی حنیفہ کا سردار تھا اور آپؐ کا سخت دشمن تھا۔ لڑائی میں شکست کھا کر قید ہوگیا تھا۔ آپؐ نے مسجد میں اس کو چند دن قید رکھا۔ وہ نمازوں کی کیفیت دیکھتا رہا۔ قرآن مجید سننے کا بھی اُسے موقع ملا اور ایسا ہی آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بھی دیکھا۔ جس سے وہ متأثر ہوا آخر آزاد ہونے پر خود بخود اپنی مرضی سے مسلمان ہوگیا اور اُس کی قوم بھی مسلمان ہوگئی۔ کوئی دینی مصلحت یا اہم غرض مدنظر رکھتے ہوئے مسجد میں کسی کو نظر بند یا قید رکھنا مسجد کے آداب کے منافی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مصلحت کو مدنظر رکھ کر ثمامہؓ کو مسجد میں قید رکھا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی عبادت کا نمونہ دیکھ کر وہ متأثر ہوئے۔ شارحین نے یہ استدلال کیا ہے کہ سابقہ باب میں جو اَسِیر یا غَرِیم باندھنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ثمامہ بن اثال ہی ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء رابع صفحہ ۲۳۵) مگر جملہ رَبْطُ الْاَسِيْرِ أَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ ان کے اس استدلال کے خلاف ہے۔ لفظ ایضاً اشارہ کرتا ہے کہ یہاں کسی اور قیدی کے باندھنے کا ذکر ہے اور یہ کہ کشفی نظارہ اور واقعہ مذکورہ دونوں مل کر فتویٰ کی تائید کرتے ہیں۔

بَاب ٧٧ : اَلْخَيْمَةُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ

مسجد میں بیماروں وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا

٤٦٣ :حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيْبَ سَعْدٌ يَّوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُوْدَهُ مِنْ قَرِيْبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِّنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيْلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِيْنَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَّغْذُوْ جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ فِيْهَا.

۴٦۳: ہم سے زکریا بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا: عبداللہ بن نمیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ کہتی تھیں کہ حضرت سعدؓ کو خندق کے دن ہفت اندام میں زخم لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خیمہ لگایا، تا کہ آپؐ قریب ہی سے ان کی عیادت کریں اور مسجد میں بنوغفار کا بھی خیمہ تھا۔ تو یکا یک خون نے ان کو گھبرا دیا جو کہ ان کی طرف بہہ کر آ رہا تھا۔ انہوں نے کہا: خیمہ والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہمارے پاس آ رہا ہے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت سعدؓ ہیں۔ ان کا زخم خون سے بہہ رہا ہے اور وہ اسی سے فوت ہوئے۔

تشریح: جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے کہ مسجد نبویؐ کا صحن وسیع تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ یہ جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ جنگ میں نمایاں کام کیا تھا۔ آپؐ نے مسجد کے صحن میں اُن کا خیمہ لگوا دیا تا کہ ان کی تیمارداری بخوبی ہو سکے۔ اس وقت اس غرض کے لئے علیحدہ کوئی عمارت نہ تھی۔ اس مجاہد کی تیمارداری کے لئے مسجد کے ایک حصہ کو بحالت مجبوری استعمال کیا گیا۔ مگر اس سے عام اجازت کا مسئلہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مثالیں سابقہ مسئلہ کی وضاحت کے لئے دی جا رہی ہیں۔

بَاب٧٨: إِدْخَالُ الْبَعِيْرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

کسی ضرورت کی وجہ سے اُونٹ مسجد میں لے آنا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيْرٍ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے) اُونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔

٤٦٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِيْ قَالَ طُوْفِي مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ.

۴۶۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے محمد بن عبدالرحمان بن نوفل سے، انہوں نے عروہ (بن زبیر) سے، عروہ نے حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ سے، حضرت زینبؓ نے حضرت امّ سلمہؓ سے روایت کی۔ کہتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے طواف کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ "وَالطُّوْرِ وَ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ" پڑھ رہے تھے۔

تشریح: عنوان باب میں حضرت ابن عباسؓ کا جو حوالہ نقل کیا گیا ہے وہ ابوداؤد کی ایک روایت سے لیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے۔ آپؐ کو بیماری کی تکلیف تھی تو آپؐ نے اپنی سواری پر ہی طواف حج کیا۔ (سنن ابی داؤد. کتاب المناسک. باب الطواف الواجب) مسلم کتاب الحج میں بھی اس کا ذکر ہے۔ وہاں حضرت جابرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی غرض یہ تھی کہ لوگ آپؐ کو دیکھ سکیں اور مسائل پوچھ سکیں۔
(مسلم. کتاب الحج. باب جواز الطواف علی بعیر)

امام بخاریؒ نے اسی وجہ سے عنوان باب میں لِلْعِلَّةِ کا جملہ اختیار کیا ہے جو بیماری پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس کے علاوہ اور وجوہات پر بھی۔ طواف حج کے لئے مسجد حرام میں سے گزرنا پڑتا ہے اس سے بعض نے یہ استنباط کیا ہے کہ عندالضرورت مسجد میں سواری کو لے آنا آدابِ مسجد کے منافی نہیں مگر بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ پیشاب وغیرہ سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

باب ۷۹

٤٦٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {أَحَدُهُمَا عَبَّادُ ابْنُ بِشْرٍ وَ أَحْسِبُ الثَّانِيَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ} فِي لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ وَّمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ أَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ.

۴۶۵: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا: معاذ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے قتادہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ہم سے حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے دو شخص ایک تاریک رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے۔ [☆ان میں سے ایک حضرت عباد بن بشرؓ تھے اور دوسرے میں سمجھتا ہوں حضرت اُسید بن حضیرؓ تھے] اور ان کے ساتھ دو چراغ جیسے تھے جو اُن کے سامنے روشنی کر رہے تھے۔ جب وہ دونوں جدا ہوئے تو اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ ہو گیا آخر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے۔

تشریح: باب ۷۹ بغیر عنوان کے باندھا گیا ہے۔ جب بھی امام بخاریؒ ایسا کرتے ہیں تو اس سے یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ اس باب کا تعلق ماقبل اور مابعد کے بابوں کے ساتھ ہے۔ امام موصوفؒ نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ بغیر اس کے کہ اپنی طرف سے کوئی الفاظ بڑھائیں مسائل کے متعلق ان کی رائے بھی ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی جائے۔ اس امر میں انہوں نے اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے کہ باب کے جو عنوان قائم کیے ہیں، ان کے الفاظ بھی حتی الوسع روایات سے اخذ کئے ہیں اور بسا اوقات ابواب کو خاص ترتیب دے کر اپنا مقصد سمجھا گئے ہیں۔ اس کی مثالیں بہت گزر چکی ہیں۔ یہاں بھی اس قسم کے تصرف سے کام لیا گیا ہے۔

باب ۶۷ سے لے کر باب ۸۰ تک ایسے مسائل کا ذکر ہے جن کے جواز یا عدم جواز کا دارومدار خاص حالات و ضرورتِ وقت پر ہے۔ مثلاً ابتدائی زمانہ میں جب قیدیوں اور بیماروں کے لئے علیحدہ عمارتیں نہ تھیں اور بعض خاص آدمیوں کے حالات اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ ان کے لئے خاص اہتمام کیا جائے تو اس صورت میں مسجد کو ان کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ غرض ان تمام مسائل میں استثنائی صورت کی طرف توجہ دلانے کے لئے امام موصوفؒ نے ایک ایسا باب (۷۹) بلاعنوان قائم کیا ہے جس میں ایک خارق عادت امر کا ذکر ہے جو دو صحابیوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ تاریک

☆ ناموں کی یہ وضاحت بعض دوسرے نسخوں میں ملتی ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری مطبوعہ قدیمی کتب خانہ۔ آرام باغ۔ کراچی)

رات کا وقت تھا۔ روشنی کا کوئی سامان نہ تھا اور خارق عادت طور پر ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سلوک ہوا۔ اس واقعہ کا ذکر کتاب المناقب (باب سؤال المشركين ان يريهم النبیؐ آية. نمبر ۳۶۳۹، باب منقبة اسيدبن حضير نمبر ۳۸۰۵) میں بھی آئے گا اور وہاں اس کی نوعیت پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ امر کہ اس باب کا تعلق یہاں صرف استثنائی حالتوں کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ ہے اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ باب مذکور کے معاً بعد پہلا باب جو قائم کیا گیا ہے اس میں پھر ایک استثنائی حالت کا ذکر ہے: لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابُ اَبِيْ بَكْرٍ (نمبر ۴۶۶) مسجد میں کوئی دروازہ نہ رہنے دیا جائے بند کر دیے جائیں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے دروازہ کے۔ سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِيْ بَكْرٍ (نمبر ۴۶۷) حضرت ابوبکرؓ کی کھڑکی کے سوا باقی سب کھڑکیاں مسجد میں بند کر دی جائیں۔ انہیں وہ خصوصیت اور امتیازی حیثیت حاصل تھی جو دوسروں کو نہ تھی۔ اس لئے ان کے ساتھ خاص سلوک کیا گیا۔ ایسا ہی حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت ثمامہؓ بن اثال کے ساتھ بھی۔ اس لئے ان کے واقعات کی بناء پر مسائل میں توسع اختیار کرنا جائز نہیں۔

بَاب ۸۰: اَلْخَوْخَةُ وَالْمَمَرُّ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں کھڑکی اور گزرگاہ (رکھنا)

٤٦٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ فِي نَفْسِيْ مَا يُبْكِيْ هَذَا الشَّيْخَ إِنْ يَّكُنِ اللهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۶۶: ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، کہا: فُلَیح نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابونضر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عُبَید بن حُنَین سے، عُبَید نے بُسر بن سعید سے، بُسر نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کو) مخاطب کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کو لے یا اس کو لے جو اللہ کے پاس ہے تو اس نے جو اللہ کے پاس ہے اس کو پسند کیا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے تو میں نے اپنے دل میں کہا: اس بزرگ کو کون سی بات رُلا رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بندے کو دُنیا یا جو اُس کے پاس ہے پسند کرنے کے متعلق اختیار دیا ہے اور پھر

هُوَ الْعَبْدُ وَ كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَّا تَبْكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَّلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا مِّنْ أُمَّتِيْ لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ.

اس نے جو اللہ (عزوجل) کے پاس ہے اسے پسند کر لیا ہے۔ (تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ بندے تھے اور حضرت ابوبکرؓ ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ابوبکر مت رو۔ یقیناً تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ پر احسان کرنے والا بلحاظ اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ابوبکر ہی ہے۔ اگر میں نے اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو میں ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کی برادری اور محبت ہی ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ نہ رہنے دیا جائے، بند کر دیے جائیں، سوائے ابوبکر کے دروازہ کے۔

٤٦٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيْمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ عَاصِبًا رَّأْسَهُ بِخِرْقَةٍ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا

٤٦٧: ہم سے عبداللہ بن محمد جعفی نے بیان کیا، کہا: وہب بن جریر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے مجھے بتلایا۔ کہا: میں نے یعلی بن حکیم سے سنا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپؐ فوت ہوئے تھے، باہر آئے۔ آپؐ نے اپنے سر کو (اپنے) کپڑے سے باندھا ہوا تھا۔ آپؐ منبر پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ستائش کی۔ پھر فرمایا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں جو بلحاظ اپنی جان اور مال کے مجھ پر ابوبکر بن ابوقحافہ سے بڑھ کر احسان کرنے والا ہو۔ اگر میں نے لوگوں میں سے

بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلَكِنَّ خُلَّةَ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ.

کسی کو خلیل بناتا ہوتا تو ضرور ابوبکر کو ہی خلیل بناتا۔ لیکن اسلام کی دوستی سب سے افضل ہے۔ اس مسجد میں تمام کھڑکیوں کو میری طرف سے بند کر دو سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔

تشریح: باب مذکورہ بالا میں دو روایتیں لائی گئی ہیں۔ پہلی روایت (نمبر ۴۶۶) سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کب اور کہاں پڑھا۔ دوسری روایت (نمبر ۴۶۷) سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کتاب المناقب (نمبر ۳۶۵۴، ۳۶۵۶، ۳۶۵۷) میں اس کی مزید تشریح دیکھئے۔

بَاب ٨١: اَلْأَبْوَابُ وَالْغَلَقُ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ

کعبہ اور مسجد کے دروازے اور تالے

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ لَوْ رَأَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا.

ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: اور عبداللہ بن محمد نے مجھ سے کہا کہ سفیان نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا، کہا: ابن ابی مُلیکہ نے مجھ سے کہا: عبدالملک! کاش آپ حضرت ابن عباسؓ کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھیں۔

٤٦٨: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ وَقُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ثُمَّ أَغْلَقَ الْبَابَ

۴۶۸: ہم سے ابونعمان اور قُتیبہ (بن سعید) نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے تھے کہ حماد (بن زید) نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو بلایا۔ اُنہوں نے دروازہ کھولا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ اندر گئے اور پھر دروازہ بند کر دیا

فَلَبِثَ فِيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجُوْا قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَبَدَرْتُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقَالَ صَلَّى فِيْهِ فَقُلْتُ فِي أَيٍّ قَالَ بَيْنَ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَذَهَبَ عَلَيَّ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى.

اور آپؐ اس میں کچھ دیر ٹھہرے۔ پھر نکلے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے: میں جلدی سے آگے بڑھا اور حضرت بلالؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپؐ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا: کس جگہ؟ کہا: ان ستونوں کے درمیان۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے: مجھ سے رہ گیا کہ میں ان سے پوچھوں کہ آپؐ نے کتنی رکعتیں نماز پڑھی۔

تشریح: باب نمبر ۸۱ میں مسجد کے دروازوں اور تالوں وغیرہ کے متعلق اہتمام کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ وہ چوپٹ کھلے رہیں جیسے اس کا کوئی والی وارث ہی نہیں ہے۔ عنوان باب کی اصل غرض وغایت واضح کرنے کے لئے ہی اس میں بطور تعلیق کے ابن ابی مُلیکہ کا حوالہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مسجد میں دروازے قابل دید چیز تھی وہ اُن کا خاص اہتمام رکھتے تھے۔ یعنی باعتبار صفائی کے اور باعتبار حفاظت کے۔ روایت نمبر ۴۶۸ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الحج (روایت نمبر ۱۵۹۸، ۱۵۹۹) میں بھی آئے گی۔ یہاں اس سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ مسجد کو بند کر کے رکھنا مسجد کے احترام کے خلاف نہیں بلکہ اس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

بَاب ٨٢: دُخُوْلُ الْمُشْرِكِ الْمَسْجِدَ

مشرک کا مسجد میں داخل ہونا

٤٦٩: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِي حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ.

۴۶۹: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: لیث نے سعید بن ابی سعید سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے تو وہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو (پکڑ کر) لے آئے۔ اسے ثمامہ بن اثال کہتے تھے۔ مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ انہوں نے اس کو باندھ دیا۔

تشریح: **دُخُوْلُ الْمُشْرِکِ الْمَسْجِدَ**: مسئلہ مذکور کے متعلق بہت اختلاف کیا گیا ہے جس کی بناء یہ آیت ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ:۲۸) {ترجمہ: مشرکین تو ناپاک ہیں۔ پس وہ اپنے اِس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکیں۔} جن فقہاء نے نجس سے معنوی ناپاکی مراد لی ہے اور اس نص صریح کو بیت اللہ کے لئے ہی مخصوص سمجھا ہے۔ انہوں نے مشرک کا مسجد میں داخل ہونا جائز سمجھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور مالکی مطلقاً ممنوع سمجھتے ہیں۔ شافعی فقہاء اس ممانعت کو بیت اللہ سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ بعض نے کتابی مشرک اور غیر کتابی مشرک کے درمیان فرق کیا ہے۔ مگر ثمامہ بن اُثال جس کے واقعہ سے یہاں استدلال کیا گیا ہے اہل کتاب میں سے نہ تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۴) امام بخاریؒ اس مسئلہ کے متعلق خاموش ہیں۔

بَاب ۸۳: رَفْعُ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں آواز بلند کرنا

٤٧٠ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۷۰: ہم سے علی بن عبداللہ (بن جعفر بن نجیح مدنی) نے بیان کیا، کہا: یحییٰ بن سعید (قطان) نے ہم سے بیان کیا، کہا: جُعَید بن عبدالرحمان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ یزید بن خُصَیفہ نے حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ وہ کہتے تھے: میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے مجھے کنکری ماری۔ میں نے (اس کی طرف) نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے کہا: جاؤ۔ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں ان دونوں کو لے آیا۔ (حضرت عمرؓ نے) کہا: تم دونوں کون ہو؟ یا کہا: تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے باشندوں میں سے ہیں۔ کہا: اگر تم اس شہر کے باشندے ہوتے تو میں تمہاری دردیں نکالتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

٤٧١ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُوْنُسُ ابْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادَى يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ فَاقْضِهِ.

۴۷۱: ہم سے احمد (بن صالح) نے بیان کیا، کہا: ابن وہب نے ہم سے بیان کیا، کہا: یونس بن یزید نے مجھے بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی کہ عبداللہ بن کعب بن مالک نے مجھے بتلایا کہ حضرت کعبؓ بن مالک نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں حضرت ابن ابی حدردؓ سے اپنے ایک قرضہ کا جو کہ ان کے ذمہ تھا تقاضا کیا اور ان کی آوازیں اتنی بلند ہوگئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیں۔ حالانکہ آپؐ اپنے گھر میں تھے تو آپؐ ان کی طرف باہر آئے اور اپنی کوٹھڑی کا پردہ ہٹایا اور پکارا: کعب بن مالک! اے کعب! کہا: حاضر یا رسول اللہ! تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے قرضہ سے نصف کم کردو۔ حضرت کعبؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور اسے ادا کرو۔

تشریح: یہ باب بھی ایک اختلاف کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔ امام مالکؒ مسجد میں اونچی آواز سے بولنا مطلقاً مکروہ سمجھتے ہیں۔ مگر بعض نے دینی معلومات حاصل کرنے یا دینے کے لئے مسجد میں بلند آواز سے بولنے کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۵) ابن ماجہ نے بہت سی روایات جمع کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے بولنا ناپسندیدہ امر ہے۔ (ابن ماجه. كتاب المساجد. باب ما يكره في المساجد) اس باب کے ذیل میں دو روایتیں لا کر امام بخاریؒ ایک درمیانی راہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے واقعہ کی طرف توجہ دلا کر یہ بتلایا ہے کہ آنخضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کے عمل درآمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اونچا بولنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے لئے کوئی نہ کوئی معقول وجہ ان کے پاس ضرور ہوگی۔ نبی ﷺ نے بھی ایک موقع پر لین دین کا جھگڑا مسجد میں ناپسند فرمایا اور اس میں دخل دیا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کو بلا کر اشارہ سے فرمایا کہ

آدھا قرضہ چھوڑ دو۔ گویا آپؐ نے جھگڑا ناپسند کیا اور اس میں دخل دیا جس کے لئے آپؐ کو آواز بلند کرنی پڑی مگر اسی حد تک جو اَز بس ضروری تھی اور جہاں اشارہ سے اپنے مافی الضمیر کو ادا کیا جاسکتا تھا وہاں اشارہ سے ادا کیا۔ خلاصہ یہ کہ مسجد میں عندالضرورۃ اونچا بولنا بھی جائز ہے۔ مسجدیں ذکرِ الٰہی کے لئے ہوتی ہیں اس لیے ہر ایسی بات سے منع کیا گیا ہے جو ذکرِ الٰہی میں مخل ہو۔

بَاب ٨٤: اَلْحَلَقُ وَ الْجُلُوْسُ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں حلقے باندھنا اور بیٹھنا

٤٧٢: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَا تَرَى فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ قَالَ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خَشِيَ الصُّبْحَ صَلَّى وَاحِدَةً فَأَوْتَرَتْ لَهُ مَا صَلَّى وَإِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِهِ.

۴۷۲: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: بشر بن مفضل نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ سے، عبیداللہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور آپؐ منبر پر تھے کہ رات کی نماز کے متعلق آپؐ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: دو دو (رکعتیں) اور جب صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک ہی رکعت پڑھ لے۔ یہ رکعت جو اُس نے پڑھی ہے اُسے وتر (یعنی طاق) کر دے گی۔ اور حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رات کے وقت اپنی آخری نماز کو طاق رکھو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔

٤٧٣: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَقَالَ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خَشِيْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ تُوْتِرُ

۴۷۳: ہم سے ابونعمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ حماد (بن زید) نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ خطبہ پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا: رات کی نماز کتنی ہو؟ تو آپؐ نے فرمایا: دو دو (رکعت) اور جب تمہیں صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک ہی

لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ قَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَجُلًا نَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ.

رکعت پڑھوتو جونماز تم پڑھ چکے ہو۔ یہ رکعت (اس کو) طاق کر دے گی۔ ولید بن کثیر نے کہا: عبیداللہ بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے انہیں (اس طرح) بتایا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جبکہ آپؐ مسجد میں تھے۔

٤٧٤ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيْلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فَجَلَسَ وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللهِ فَآوَاهُ اللهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ.

۴۷۴: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت کی کہ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کے (آزادکردہ) غلام ابو مرہ نے حضرت ابوواقد لیثیؓ سے روایت کرتے ہوئے ان کو بتلایا کہ وہ کہتے تھے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ تین شخص سامنے سے آئے۔ دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدھے چلے آئے اور ایک چلا گیا ان دونوں میں سے ایک جو تھا اس نے (حلقہ میں) خالی جگہ دیکھی اور بیٹھ گیا اور جو دوسرا تھا وہ ان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا میں تمہیں تین آدمیوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ ان میں سے ایک جو تھا اُس نے اللہ تعالیٰ کے پاس جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی اور جو دوسرا تھا اس نے حیا کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیا کی اور وہ جو تیسرا تھا اس نے اعراض کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

تشریح: **اَلْحَلَقُ وَالْجُلُوْسُ فِي الْمَسْجِدِ:** امام بخاریؒ نے عنوان باب میں حَلَقٌ (صیغہ جمع) کا لفظ اختیار کرنے اور اس کو لفظ جُلُوس پر مقدم کرنے سے اپنے اس مقصد کو واضح کیا ہے جس کے لئے یہ باب باندھا گیا ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت جابرؓ بن سمرہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ ٹولیاں بن کر الگ الگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کو اس متفرق حالت میں دیکھ کر فرمایا: مَا لِيْ أَرَاكُمْ عِزِيْنَ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں ٹولیوں میں دیکھتا ہوں۔ (مسلم. کتاب الصلوٰۃ. باب الامر بالسکون فی الصلاۃ) یہ منظر اپنے اندر ایک اجتماعی تفرقہ کی صورت رکھتا تھا۔ آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۸) امام موصوفؒ نے عنوان باندھتے وقت اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اور سب سے پہلے ایسی روایتیں لائے ہیں جن کا تعلق وحدت اور توحید کے ساتھ ہے۔ آپؐ کی فطرت کا خمیر توحید سے گندھا ہوا تھا۔ اس لئے آپؐ ہر بات میں وحدت دیکھنا چاہتے تھے اور آپؐ نے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھایا ہے کہ جماعت کے اندر وحدت کی روح پیدا ہو اور وہ ایک وحدت بن کر منظم صورت میں نظر آئے۔ اس باب کی تینوں روایتوں سے یہی سمجھایا گیا ہے کہ مسجد میں سلیقہ سے بیٹھا جائے۔ خواہ امام وعظ ونصیحت کررہا ہو یا نہ۔ وعظ ونصیحت سننے کی حالت میں تو اجتماعی صورت میں بیٹھنا ازبس ضروری ہے۔ روایت نمبر ۴۷۴ پہلے بھی گزر چکی ہے۔ (دیکھئے کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی المجلس. روایت نمبر ۶۶) اس باب کی دوسری روایت کے آخر میں ولید بن کثیر کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کے متعلق شارحینؒ نے مختلف توجیہیں بیان کی ہیں کہ اس کے ذکر سے امام موصوفؒ کی کیا غرض ہے (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۷) بظاہر اس کا تعلق باب کے عنوان سے نہیں لیکن سابقہ باب کے مضمون پر نظر ڈالنے سے اس حوالہ کی غرض وغایت ازخود واضح ہو جاتی ہے۔ ایسی مثالیں گزر چکی ہیں جن میں کسی روایت کو سَمِعْتُ یا رَأَيْتُ پر ختم کیا گیا ہے بغیر اس کے کہ شنیدہ یا دیدہ بات کو بیان کیا گیا ہو۔ (دیکھئے کتاب الوضوء باب ۴۸: المسح علی الخفین روایت نمبر ۲۰۵، باب ۷۰: البزاق والمخاط نمبر ۲۴۱ کتاب الحیض باب ۵: مباشرۃ الحائض) امام موصوفؒ نے اسی دستور کے مطابق یہاں بھی تصرف کیا ہے تاضمناً رفع الصوت کے موقع ومحل کی طرف توجہ دلائی جائے۔

بَاب ۸۵: اَلْاِسْتِلْقَاءُ فِي الْمَسْجِدِ وَمَدُّ الرِّجْلِ

مسجد میں چت لیٹنا اور پاؤں کو لمبا کرنا

۴۷۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى

۴۷۵: ہم سے عبد اللہ بن مسلمہ نے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عباد بن تمیم سے، عباد نے اپنے چچا سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا۔ آپؐ نے

الْأُخْرَى وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا۔ اور ابن شہاب سے مروی ہے کہ انہوں نے سعید بن مسیّب سے نقل کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

تشریح: ابوداؤد وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے مسجد میں ٹانگیں پسار کر چت لیٹنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ (کتاب الادب. باب فی الرجل یضع احدی رجلیه علی الأخری) اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تہہ بند اِدھر اُدھر سرکنے سے ننگا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیہقی اور بغوی وغیرہ محدثین نے اس کی وضاحت کی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۸) اس روایت کے الفاظ وَاضِعًا اِحْدَی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ احتیاط کی ہوئی تھی کپڑا نہ سرک جائے۔ بعض کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا کرنا جائز تھا دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ مگر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین بھی کبھی اس طرح لیٹ جایا کرتے تھے۔ یہ امر مشہور و معروف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ مجلس میں آپؐ پورے وقار سے بیٹھا کرتے تھے مگر تنہائی میں نماز سے فارغ ہونے پر آرام کرنے کے لئے آپؐ کبھی لیٹ جاتے اور یہ آداب مسجد کے منافی نہیں۔ آداب مجلس و اجتماع اور ہیں اور آداب مسجد اور۔ ان دونوں میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ امام ابن حجرؒ نے اس فرق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۹)

بَاب ٨٦ : اَلْمَسْجِدُ يَكُوْنُ فِي الطَّرِيْقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ

مسجد راستے میں ہو۔ مگر لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ وَأَيُّوْبُ وَمَالِكٌ.

حسن اور ایوب اور مالک نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

٤٧٦ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا

۴۷۶: ہم سے یحيٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عقیل سے۔ عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے بتلایا کہ حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کہتی تھیں کہ میرے والدین جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے دین (اسلام) کے پابند تھے۔ اور ہم پر

يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَآءِ دَارِهِ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَآءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَبْنَآؤُهُمْ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً لَّا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَفْزَعَ ذَلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

کوئی بھی ایسا دن نہیں گزرا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس دن کے دونوں وقتوں میں (یعنی) صبح شام نہ آئے ہوں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا تو انہوں نے اپنی حویلی کے صحن میں ایک مسجد بنائی اور وہ اس میں نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن مجید بھی پڑھا کرتے تھے۔ ان کے پاس مشرکوں کی عورتیں اور ان کے لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ان سے تعجب کرتے اور ان کی طرف دیکھتے رہتے اور حضرت ابوبکرؓ بہت ہی رونے والے آدمی تھے۔ جب قرآن پڑھتے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکتے تھے تو اس بات نے مشرکین قریش کے بڑے آدمیوں کو گھبرا دیا۔

تشریح: عنوانِ باب میں حسن بصری اور ایوب سختیانی اور مالکؒ کے فتویٰ کا حوالہ دے کر اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو انہوں نے جمہور سے کیا ہے جن کے نزدیک شارع عام میں بھی مسجد بنانا جائز ہے۔ بشرطیکہ لوگوں کو تکلیف یا نقصان نہ پہنچے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۲۹) امام بخاریؒ نے اس اختلاف کے متعلق روایت نمبر ۴۷۶ کی بناء پر جو رائے ظاہر کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد راستے پر ایسے حصہ میں بنائی جائے جو اپنی مِلک ہو اور جو لوگوں کی تکلیف یا نقصان کا باعث نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی تھی۔

فِنَاء اس جگہ کو کہتے ہیں جو گھر کے سامنے باہر مختلف اغراض کے لئے خالی چھوڑی جاتی ہے۔ ان کے گھر کے اس میدان کے پاس سے شارع عام گزرتا تھا۔ عورتیں اور بچے خود بخود کھڑے ہو جاتے اور قرآن مجید سن کر متاثر ہوتے جس سے کفار کو فکر پڑی۔ یہ واقعہ کتاب المناقب (باب هجرة النبیؐ. روایت نمبر ۳۹۰۶) میں مفصل مذکور ہے۔

بَاب ۸۷: اَلصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِ السُّوْقِ

بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا

وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِي مَسْجِدٍ فِي دَارٍ يُّغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ.

اور ابن عون نے ایک مسجد میں نماز پڑھی جو حویلی میں تھی۔ دروازہ لوگوں کے لیے بند کر دیا جاتا تھا۔

٤٧٧ :حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْجَمِيْعِ تَزِيْدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَصَلَاتِهِ فِي سُوْقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَأَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلَاةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ وَتُصَلِّيْ يَعْنِي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُؤْذِ يُحْدِثُ فِيْهِ.

۴۷۷: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: ابومعاویہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوصالح سے، ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: باجماعت نماز پچیس درجے بڑھ کر ہے اس کی اس نماز سے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے اور اس نماز سے جو بازار میں پڑھے۔ کیونکہ تم میں سے اگر کوئی جب وضو کرے اور اچھی طرح کرے اور مسجد میں آئے صرف نماز کا ہی ارادہ رکھتا ہو تو جو قدم بھی وہ اُٹھائے گا اللہ اس کی وجہ سے اس کا ایک ایک درجہ بلند کرتا اور اس کا ایک ایک گناہ اُتارتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو اور جب مسجد کے اندر آجائے تو وہ نماز میں ہوگا جب تک کہ نماز اسے روکے رکھے اور جب تک وہ اپنی اس بیٹھنے کی جگہ میں رہے جس میں کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے دُعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ! اس پر رحم کر۔ بشرطیکہ وہ مسجد میں تکلیف نہ دے (یعنی) بے وضو نہ ہو جائے۔

تشریح: کرمانیؒ کا خیال ہے کہ یہ باب اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ حنفی ایسے گھر میں مسجد بنانا جائز نہیں سمجھتے جہاں لوگ نہ پہنچ سکتے ہوں۔ (فتح الباری جزءاول صفحہ ۷۳۰) ابن عون کا حوالہ غالباً یہی غرض واضح کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

يُغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ: یعنی لوگ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے بوجہ مقفل رہنے کے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ صَلَاتِهِ فِي سُوْقِهِ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب بازار میں نماز پڑھنی ہے تو اگر وہاں اس غرض کے لئے مسجد بنائی جائے تو یہ بھی جائز ہوگا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۳۰) کاروباری لوگوں کے لئے اس میں سہولت رہتی ہے کہ وہ

بجائے جامع مسجد میں جانے کے اپنے بازار کی مسجد میں ہی باجماعت نماز پڑھ لیں۔خصوصاً آجکل جبکہ شہر بہت وسیع ہو چکے ہیں۔ ہر بازار میں اور محلّہ بمحلہ مسجدیں بنانے کی ضرورت واضح ہے۔حنفی ایسی مسجدیں بنانا اوران میں نماز پڑھنا حرام نہیں بلکہ مکروہ اور جامع مسجد میں سب کا اکٹھے نماز پڑھنا ضروری گردانتے ہیں۔(فتح الباری جزءاول صفحہ ۷۳۰)

بَاب ٨٨: تَشْبِيْكُ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

مسجد وغیرہ میں انگلیوں کو قینچی کرنا (یعنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے پیوست کرنا)

٤٧٨-٤٧٩: حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ حَدَّثَنَا وَاقِدٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَوِ ابْنِ عَمْرٍو شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ.

۴۷۸-۴۷۹: حامد بن عمر نے بشر سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ عاصم نے بیان کیا کہ واقد نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے اپنے باپ سے،ان کے باپ نے حضرت ابن عمرؓ سے؛ یا ابن عمرو سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو قینچی کیا۔

٤٨٠: وَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيْثَ مِنْ أَبِي فَلَمْ أَحْفَظْهُ فَقَوَّمَهُ لِي وَاقِدٌ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ يَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيْتَ فِي حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ بِهَذَا.

۴۸۰: اور عاصم بن علی نے کہا: ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی مگر میں نے اُسے یاد نہ رکھا تو واقد نے مجھ کو یہ حدیث صحیح صحیح بتائی۔انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا اور وہ کہتے تھے: حضرت عبداللہؓ (بن عمرو) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بن عمرو! تیرا کیا حال ہوگا جب تو اس (حدیث) کے ساتھ ناکارہ لوگوں میں رہ جائے گا۔

٤٨١: حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ

۴۸۱: ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے ابو بردہ بن عبداللہ بن ابی

اللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي مُوْسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ.

بردہ سے، انہوں نے اپنے دادا سے، ان کے دادا نے حضرت ابوموسیٰ ؓ سے، حضرت ابوموسیٰ ؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ فرماتے تھے: مومن مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کئے رکھتا ہے۔ اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو قینچی کیا۔

٤٨٢ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ سَمَّاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَّسِيْتُ أَنَا قَالَ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَّعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَخَرَجَتِ السُّرْعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ فَهَابَا أَنْ يُّكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُوْلٌ يُّقَالُ

۴۸۲: ہم سے اسحاق نے بیان کیا، کہا: ابن شمیل نے ہم سے بیان کیا (کہا) کہ ابن عون نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن سیرین سے، ابن سیرین نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کی نمازوں میں سے ایک نماز ہمیں پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے تھے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا۔ کہتے تھے: آپؐ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر آپؐ نے سلام پھیرا اور ایک لکڑی کی طرف اُٹھ کر گئے جو مسجد میں رکھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس پر ٹیک لگائی۔ (ایسا معلوم ہوتا تھا) جیسے آپؐ ناراض ہیں اور آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو قینچی کیا اور اپنا دائیاں رخسار اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھا اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے اور کہنے لگے: نماز کم ہوگئی ہے۔ اور لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ مگر دونوں آپؐ سے بات کرنے میں ڈرے۔ اور لوگوں میں ایک آدمی تھا جس کے ہاتھ لمبے تھے۔ اسے ذُوالْیَدَیْنِ کہا جاتا تھا۔ تو اس نے کہا: یارسول اللہؐ! کیا

لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ قَالَ أَكَمَا يَقُوْلُ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ.

آپؐ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہوگئی ہے۔فرمایا: میں بھولا نہیں اور نہ کم کی گئی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا ایسا ہی ہے جیسا ذُوالْیَدَیْنِ کہتا ہے۔انہوں نے کہا: ہاں۔اس پر آپؐ آگے بڑھے اور جو (رکعت) آپؐ نے چھوڑی تھی، اسے پڑھا۔ پھر آپؐ نے سلام پھیرا اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا اور جس طرح آپؐ سجدہ کیا کرتے تھے اسی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا۔ پھر آپؐ نے اپنا سر اُٹھایا اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا۔ پھر آپؐ نے اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا اور سجدہ کیا اسی طرح جس طرح آپؐ سجدہ کیا کرتے تھے یا اُس سے لمبا۔ پھر آپؐ نے سر اُٹھایا اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا۔ کئی بار لوگوں نے (ابن سیرین سے) پوچھا کہ کیا پھر آپؐ نے سلام پھیرا؟ تو وہ (یہی) کہتے: مجھے بتلایا گیا کہ حضرت عمرانؓ بن حصین نے کہا کہ پھر آپؐ نے سلام پھیرا۔

تشریح: بعض وقت امام بخاریؒ ایک باب کسی مسئلہ کے جواز یا عدمِ جواز ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ کسی اور مضمون کی طرف توجہ دلانے کے لئے باندھتے ہیں۔ جس کا تعلق نفسِ مضمون کے ساتھ اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ سابقہ باب کے مضمون کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابوداؤد وغیرہ نے بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جو بلحاظ سند کمزور ہیں اور جن میں تَشْبِیک یعنی قینچی کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔

(ابو داؤد. كتاب الصلاة. باب ماجاء في الهدى في المشى)

اور امام موصوفؒ نے بھی ضرور ان کمزور روایتوں کو رد کرنے کے لئے یہ باب باندھا ہے مگر وہ اس کے ساتھ اس تفرقہ اور اختلاف کی طرف بھی توجہ دلا رہے ہیں جو جگہ جگہ مسجدیں بنانے کی وجہ سے امت میں پیدا ہوگیا ہے۔ اس باب کی دوسری روایت اس تَشْبِیک کی اصل حقیقت بیان کر رہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو قینچی کر کے بتلایا کہ مومنوں کی جماعت اس مضبوط عمارت کی طرح ہوتی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر اپنے وجود کو مضبوطی سے قائم رکھتی ہیں۔ پہلی روایت کے الفاظ تَشْبِیک کا اور مفہوم ادا کرتے ہیں یعنی لوگ آپس میں گتھم گتھا ہونگے۔ ان کے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا۔ كَيْفَ بِكَ اِذَا بَقِيْتَ فِيْ حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ بِهٰذَا. یعنی جب تم ردی لوگوں میں باقی رہ جاؤ گے۔ بِهٰذَا اس حدیث کے ساتھ۔ یعنی ان کو یہ حدیث سناؤ گے۔ حُثَالَةٌ کے معنی جَو یا گندم کا چوکھر جسے بھونسی یا چھان کہتے ہیں۔ یہاں اس سے نکمے اور بودے لوگ مراد ہیں جن میں سے قوت حیویہ مفقود ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد یہ فقرہ زائد ہے۔ قَدْ مُرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَصَارُوْا هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ. (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۳۲) حضرت ابن عمرؓ ۸۴ھ میں عبدالملک کے عہد حکومت میں اور بعض روایتوں کے مطابق ۸۶ھ یعنی ولید بن عبدالملک کے عہد میں فوت ہوئے۔ انہوں نے ۸۴ برس کی عمر پائی۔ اس وقت مسلمانوں کی معنویات مضمحل ہوچکی تھیں اور صحابہؓ اکثر فوت ہوگئے تھے۔ آپؐ کی یہ پیشگوئی بکمال صحت پوری ہوئی۔ (دیکھئے کتاب الفتن باب قول النبیؐ الفتنة من قبل المشرق:۷۰۹۵)

امام بخاری کے لطیف تصرفات میں سے ایک تصرف یہ بھی ہے کہ جس اہم مقصد کے لئے باب باندھنا ہوتا ہے عنوانِ باب میں اس سے متعلقہ روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ باب ۸۴ کا عنوان قائم کرنے میں انہوں نے اسی قسم کے تصرف سے کام لیا ہے۔ باب ہٰذا کے ماتحت روایتوں کی ترتیب میں بھی یہ تصرف کیا ہے کہ روایت ۴۸۰، ۴۸۱ کو جو وحدتِ جماعت پر دلالت کرتی ہیں روایت ۴۸۲ پر مقدم رکھا ہے۔ اس آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حالتِ غم میں اپنی انگلیاں قینچی کیں جیسا کہ ایک غمگین انسان بعض وقت ایسا کرتا ہے۔ غرض ابوداؤد وابن حبان وغیرہ کی مشارٌ الیہا روایتیں درخورِ اعتنا نہیں۔

بَاب ۸۹

اَلْمَسَاجِدُ الَّتِي عَلَى طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَالْمَوَاضِعُ الَّتِي صَلَّى فِيْهَا النَّبِيُّ ﷺ

وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں میں ہیں اور وہ جگہیں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی

٤٨٣: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيْقِ فَيُصَلِّيْ فِيْهَا وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِي تِلْكَ

۴۸۳: ہم سے محمد بن ابی بکر مقدّمی نے بیان کیا، کہا: فضیل بن سلیمان نے ہمیں بتلایا۔ کہا: موسیٰ بن عقبہ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا: میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ راستے میں بعض مناسب جگہیں تلاش کرتے۔ پھر ان میں نماز پڑھتے اور بیان کرتے تھے کہ ان کے والد ان جگہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے دیکھا اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ وہ ان جگہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے اور میں نے سالم

الْأَمْكِنَةِ وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَآءِ.

سے پوچھا۔ سو میں یہی جانتا ہوں کہ انہوں نے بھی ان تمام جگہوں کے متعلق نافع کے ساتھ ہی اتفاق کیا، سوائے اس کے کہ انہوں نے ایک مسجد کے متعلق اختلاف کیا جو شَرَفُ الرَّوْحَآءِ میں ہے۔

٤٨٤: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حِيْنَ يَعْتَمِرُ وَفِي حَجَّتِهِ حِيْنَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِي مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَكَانَ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوٍ كَانَ فِي تِلْكَ الطَّرِيْقِ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ فَإِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ أَنَاخَ بِالْبَطْحَآءِ الَّتِي عَلَى شَفِيْرِ الْوَادِي الشَّرْقِيَّةِ فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتَّى يُصْبِحَ لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِحِجَارَةٍ وَّلَا عَلَى الْأَكَمَةِ الَّتِي عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ كَانَ ثَمَّ خَلِيْجٌ يُّصَلِّيْ عَبْدُ اللهِ عِنْدَهُ فِي بَطْنِهِ كُثُبٌ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَّ يُصَلِّيْ فَدَحَا السَّيْلُ فِيْهِ بِالْبَطْحَآءِ حَتَّى دَفَنَ ذَلِكَ

۴۸۴: ہم سے ابراہیم بن منذر (حزامی) نے بیان کیا، کہا: انس بن عیاض نے ہم سے بیان کیا، کہا: موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لیے نکلتے تو ذُوالْحُلَيْفَه مقام میں ڈیرہ لگاتے اور اپنے حج میں تو ایک ببول کے درخت کے نیچے اُترے جو اس جگہ تھا جہاں وہ مسجد ہے جو ذُوالْحُلَيْفَه میں ہے اور جب کبھی آپ اس غزوہ سے جو اس راستہ میں ہوتا یا حج سے یا عمرہ سے لوٹتے تو وادی کے نشیب میں اُترتے اور جب نشیبِ وادی سے نکلتے تو آپؐ اس میدان میں اُونٹ بٹھاتے جو وادی کے شرقی کنارے پر ہے اور رات کے پچھلے پہر ڈیرہ لگا کر آرام کرتے یہاں تک کہ آپؐ کو وہیں صبح ہوتی اس مسجد کے پاس نہیں جو کہ پتھروں پر ہے اور نہ اس ٹیلے پر جس پر مسجد ہے۔ وہاں ایک جوہڑ تھا۔ حضرت عبداللہؓ اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے اندر ریت کے ٹبّے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ سیلاب بطحاء سے اس میں مٹی ڈالتا رہا۔

الْمَكَانَ الَّذِيْ كَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّيْ فِيْهِ.

یہاں تک کہ اُس نے اُس جگہ کو دبا دیا جہاں حضرت عبداللہؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔

٤٨٥: وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيْرُ الَّذِيْ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِشَرَفِ الرَّوْحَآءِ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَمَّ عَنْ يَّمِيْنِكَ حِيْنَ تَقُوْمُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّيْ وَذَلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيْقِ الْيُمْنَى وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ.

۴۸۵: اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی نماز پڑھی، جہاں چھوٹی مسجد ہے۔ وہ جو کہ اس مسجد سے ورے ہے جو شَرَفُ الرَّوْحَآءِ میں ہے اور حضرت عبداللہؓ اس جگہ کا نشان دیتے تھے، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ کہتے تھے کہ جب تم مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو تو (وہ جگہ) تمہارے دائیں طرف ہوتی ہے اور وہ (چھوٹی) مسجد تمہارے راستہ کے دائیں کنارے پر ہوگی جبکہ تم مکہ کی طرف جا رہے ہو۔ اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان ایک پتھر کی مار یا اس کے قریب فاصلہ ہے۔

٤٨٦: وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّيْ إِلَى الْعِرْقِ الَّذِيْ عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَآءِ وَذَلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيْقِ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّيْ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَّسَارِهِ

۴۸۶: اور حضرت ابن عمرؓ اس چھوٹی پہاڑی کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو رَوْحَآءِ کے موڑ کے پاس ہے اور اس پہاڑی کا سرا راستہ کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس مسجد سے ذرا ورے جو اس راستے اور موڑ کے درمیان ہے، جبکہ تم مکہ جا رہے ہو اور وہاں ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہؓ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اسے اپنے بائیں طرف اور پسِ پشت چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس کے

وَوَرَآئَهُ وَيُصَلِّيْ أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَرُوْحُ مِنَ الرَّوْحَآءِ فَلَا يُصَلِّيْ الظُّهْرَ حَتَّى يَأْتِيَ ذَلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّيَ فِيْهِ الظُّهْرَ وَإِذَا أَقْبَلَ مِنْ مَّكَّةَ فَإِنْ مَّرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتَّى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ.

آگے اسی چھوٹی پہاڑی کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت عبداللہؓ رَوْحَآءِ سے چل پڑتے اور ظہر نہ پڑھتے جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاتے۔ وہاں جا کر ظہر پڑھتے اور جب مکہ سے آتے تو اگر صبح سے ایک گھڑی پہلے یا سحری کے آخر میں اس جگہ سے گزرتے تو وہاں اُتر کر آرام کرتے۔ یہاں تک کہ وہیں صبح کی نماز پڑھتے۔

٤٨٧ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُوْنَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَّمِيْنِ الطَّرِيْقِ وَوُجَاهَ الطَّرِيْقِ فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتَّى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيْدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيْلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنَى فِي جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلَى سَاقٍ وَّفِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيْرَةٌ.

۴۸۷: اور یہ کہ حضرت عبداللہؓ نے اُن سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستہ کے دائیں طرف رُوَیْثَہ کے ورے ایک بڑے درخت کے نیچے نرم ہموار جگہ میں اور راستہ کے عین مقابل پر ڈیرہ لگایا کرتے تھے۔ پھر آپؐ ٹیلہ سے جو کہ بَرِيْدُ الرُّوَيْثَه سے دو میل ورے ہے، نکل کر کھلے میدان میں آتے اور اب اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور درمیان سے مُڑ کر دوہرا ہو گیا ہے اور وہ اپنے تنے پر کھڑا ہے اور اس کے تنے میں بہت سے ٹبّے ہیں۔

٤٨٨ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِّنْ وَّرَاءِ الْعَرْجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذَلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُوْرِ رَضْمٌ مِّنْ

۴۸۸: اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اُن سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹیلے کے کنارہ پر بھی نماز پڑھی ہے جو عَرْج کے پرے آتا ہے جبکہ تم پہاڑی کی طرف جا رہے ہو۔ اس مسجد کے قریب دو یا تین قبریں ہیں۔ اِن قبروں پر بڑے

حِجَارَةٍ عَنْ يَّمِيْنِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ سَلِمَاتِ الطَّرِيْقِ بَيْنَ أُولٰئِكَ السَّلِمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَرُوْحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيْلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ.

بڑے پتھر ہیں۔ یہ راستہ کے دائیں طرف ہیں۔ راستے کے پتھروں کے پاس نماز پڑھتے۔ان پتھروں کے درمیان حضرت عبداللہؓ دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد عَرْج سے چلا کرتے اور اس مسجد میں ظہر کی نماز پڑھتے۔

٤٨٩ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَّسَارِ الطَّرِيْقِ فِي مَسِيْلٍ دُوْنَ هَرْشٰى ذٰلِكَ الْمَسِيْلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ قَرِيْبٌ مِّنْ غَلْوَةٍ وَّكَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّيْ إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيْقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ.

۴۸۹: اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستے کے بائیں طرف ھَرْشٰی سے ورے نالے میں درختوں کے پاس اُترے۔وہ نالہ ھَرْشٰی کے کنارے سے ملا ہوا ہے۔اس کے اور راستہ کے درمیان قریباً ایک تیر کی مار ہے اور حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) اس درخت کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے جو کہ اُن درختوں میں سے راستے کے قریب ہے اور وہ ان سب سے لمبا ہے۔

٤٩٠ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيْلِ الَّذِيْ فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذٰلِكَ الْمَسِيْلِ عَنْ يَّسَارِ الطَّرِيْقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ.

۴۹۰: اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اُن سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نالے میں اُترا کرتے تھے جو مَرُّ الظَّهْرَان کے قریب مدینہ کی طرف سے آتا ہے جب تم صَفْرَاوَات سے نیچے اُترتے ہو۔آپؐ اسی نالے کی وادی میں اُترا کرتے تھے جو راستہ کے بائیں طرف آتا ہے جبکہ تم مکہ جارہے ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈیرے اور اس راستہ کے درمیان ایک پتھر کی مار ہے۔

٤٩١ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَّيَبِيْتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّيْ الصُّبْحَ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلَّى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ لَّيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّ وَلَكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ.

۴۹۱: اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کو آتے تو ذِی طُوٰی میں اُترا کرتے تھے اور (وہیں) رات گزارتے، یہاں تک کہ آپؐ کو صبح ہو جاتی اور آپؐ وہیں صبح کی نماز پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نماز گاہ ایک پتھریلے ٹیلے پر ہے۔ اس مسجد میں نہیں جو کہ وہاں بنائی گئی ہے بلکہ اس مسجد کے نیچے سخت ٹیلے پر۔

٤٩٢ : وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيْلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّيْ مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ.

۴۹۲: اور یہ کہ حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) نے اُن سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کرتے ہوئے اس پہاڑ کی دونوں چوٹیوں کو اپنے سامنے رکھا جو آپؐ کے اور لمبے پہاڑ کے درمیان تھی اور اس طرح اس مسجد کو جو وہاں بنائی گئی ہے اس مسجد کے بائیں طرف رکھا جو کہ ٹیلہ کے کنارہ پر ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہ اس سے نیچے کالے ٹیلے پر ہے۔ تم دس ہاتھ یا اسی کے قریب اس ٹیلے سے چھوڑ دو پھر تم اس پہاڑ کی دونوں چوٹیوں کی طرف منہ کرتے ہوئے نماز پڑھو جو کہ تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

تشریح: یہ بات مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سنت نبوی کی اتباع کا از حد شوق تھا۔ اس لئے امام موصوفؒ نے مشارٌ الیہ مقامات کی تعیین وتخصیص کے متعلق انہی کی روایتیں نقل کی ہیں اور ان کا عمل درآمد پیش کیا ہے۔ سالم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے اور نافع ان کے غلام تھے۔ دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان مقامات میں نماز پڑھتے دیکھا اور دونوں بیان کرتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا۔ ان مقامات کی تعیین کے متعلق دونوں کا بیان متفق ہے، سوائے شرف الروحاء کے۔ گویا

اس باب کی پہلی روایت (نمبر۴۸۳) بطور تمہید کے نقل کی گئی ہے۔ تا کہ ان مقامات کے متعلق روایت کا پایہ صحت واضح ہو جائے۔ بعد کی روایات میں آٹھ مقامات کا ذکر کیا گیا ہے اور جب کسی مقام کا ذکر شروع ہوا ہے تو الفاظ "اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ یا اَخْبَرَهُ دُہرائے گئے ہیں۔

پہلا مقام ذو الحُلَیفه ہے۔ جہاں ایک مسجد اب بھی قائم ہے۔ مدینہ سے چار میل ہے۔ هَبَطَ مِنْ وَادٍ: اس وادی کا نام وادی عقیق ہے۔ یہ وادی ذوالحلیفہ میں واقع ہے۔ یہی اہل عراق کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔

دوسرا مقام وادی بنی سالم میں ہے۔ مدینہ اور اس وادی کے درمیان ۳۶ میل کا فاصلہ ہے۔

تیسرا مقام شرف الروحاء گاؤں کے پاس تھا۔ ملل گاؤں مدینہ سے ایک رات کے فاصلہ پر آتا ہے۔ اس کے بعد شرف السیالہ۔ اس کے بعد شرف الروحاء۔ پھر عرق الطبیہ۔ اس پہاڑ پر آپؐ نے نماز پڑھی۔ یہی وہ پہاڑ ہے جو وادی الطبیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

چوتھا مقام رُوَیْثَه نامی گاؤں ہے۔ یہاں بھی آپؐ نے قیام فرمایا اور نماز پڑھی ہے۔ مدینہ اور اس کے درمیان فاصلہ ۱۷ فرسخ ہے۔ رُوَیْثَه کے معنے ٹھہرنے کی جگہ۔ یہاں پانی بھی تھا۔ بَرِیْدُ الرُّوَیْثَه سرکاری ڈاک کا پڑاؤ بھی یہیں تھا۔ اس مقام کے نیچے دو میل ورے ایک ٹیلہ تھا۔ اس ٹیلہ کے دامن سے ہوتے ہوئے کھلے میدان میں آجاتے تھے جہاں سے قافلے گزرتے تھے۔

پانچواں مقام عَرْج کے پرے تھا۔ عرج ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہیں سے تہامہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ مدینہ سے ۷۸ میل ہے۔ رُوَیْثَه سے ۱۳ یا ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔

چھٹا مقام ایک نالہ میں ہوا کرتا تھا۔ جو هَرْشٰی پہاڑ کے پہلو میں تھا۔ هَرْشٰی کے پاس مدینہ اور شام کے راستے ملتے ہیں۔ یہ جحفه مقام کے قریب ہے۔

ساتواں مقام مَرُّ الظَّهْرَان کے نالے میں ہوا کرتا تھا۔ جس کو بطن مرو بھی کہا کرتے تھے۔ یہاں سے مکہ ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مرّ الظہران تہامہ میں ہے۔ صفراوات نامی مقام مرّ الظہران کے بعد آتا ہے۔

آٹھواں مقام طَوٰی نامی جگہ میں ہوتا تھا جو مکہ کے قریب ہے۔

اِن آٹھ مقامات میں سے ذوالحلیفہ کی مسجد مشہور ہے۔ باقی مساجد کے نشان کا پتہ نہیں۔ روحاء مقام کے لوگ بھی بعض جگہوں کا پتہ دیتے ہیں۔ جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں ۲۷۰ میل کا فاصلہ ہے. ان کے درمیان آٹھ پڑاؤ ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ روزانہ تیس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ طے کرتے تھے۔ یہ مقامات اگر محفوظ رہتے تو اچھا ہوتا۔ ان جگہوں کی تلاش میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جدوجہد دراصل اس معنوی رابطہ پیدا کرنے کی غرض سے ہوتی تھی جو بالطبع انسان کے دل میں ایسے مقامات پر پہنچ کر یادیں تازہ کرتے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔

یہ جو روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک مقام کی طرف جلدی جلدی جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: نماز کا وقت اگر

اس جگہ پہنچنے پر ہو جائے تو مسافر وہاں نماز پڑھ لے ورنہ اپنا سفر جاری رکھے۔ اہل کتاب اسی لئے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں کے آثار کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کو گرجے اور عبادت گاہیں بنا لیا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۳۶) حضرت عمرؓ کی یہ تنبیہ بھی بہت قیمتی ہے۔ انہوں نے وہاں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا بلکہ ان جگہوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے سے روکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدًا (روایت نمبر ۴۲۷، ۴۳۵-۴۳۷) اس سے آپؐ کی نماز گاہوں کی بے حرمتی یا اُن سے بے اعتنائی برتنے کے متعلق استدلال نہیں کیا جا سکتا اور نہ حضرت عمرؓ کا یہ مقصد تھا۔ انسان جب بھی ان مقامات میں نماز پڑھے گا جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت کھڑے ہو کر رب العالمین کے حضور سجدۂ نیاز بجالائے تھے تو وہ یقیناً اپنے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویات کے ساتھ ایک گونہ معنوی ارتباط محسوس کرے گا اور اس کے نفس میں خشوع و خضوع کی کیفیات لامحالہ پیدا ہوں گی۔ اس کی روح اپنے آپ کو آستانہ الوہیت پر ایک نئے رنگ میں جھکے ہوئے پائے گی۔ ظواہر کے ساتھ اتصال پیدا کرنے سے معنویات میں ایک گونہ اتصال کی رَو پیدا ہو جاتی ہے۔ حج کی مشروعیت بھی اسی فلسفہ نفس کے ساتھ وابستہ ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے شرح کتاب الحج باب ۴۱)

حضرت عتبانؓ کا واقعہ روایت نمبر ۴۲۵ میں گزر چکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر ان کے گھر میں ایک جگہ پر نماز پڑھی جو بعد میں تبرکاً مسجد بنائی گئی۔ اگر اس میں کوئی مشرکانہ رنگ ہوتا تو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی درخواست قبول نہ فرماتے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کو جو مدینہ میں ہے ایک خاص امتیاز دیا ہے۔ دنیا میں یادگاروں کی قیمت یہی ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے زمانہ ماضی کی معنویات زندہ رکھتی ہیں۔ ان کے بغیر ماضی كَانْ لَّمْ يَكُنْ شَيْئًا کا مصداق بن جاتا ہے۔ میرے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ عاشقانہ ادا قابل رشک ہے اور ان کی یہ روایتیں ہمارے لئے تحقیق و تنقیب کا کافی مواد رکھتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا منع کرنا بھی بے معنی نہیں۔ عوام الناس اپنے جذبات میں افراط و تفریط کی طرف نکل جاتے ہیں اور حد اوسط پر قائم رہنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ افراط کی طرف جا رہے ہیں اس لئے انہیں تنبیہ کی اور اُن کی یہ تنبیہ ہمارے لئے تا قیامت ایک تازیانہ کا کام دیتی رہے گی کہ ان مقامات کو حد سے زیادہ اہمیت دینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپؐ کے منشاء کے خلاف ہے۔ اس بارے میں حد اوسط پر رہنا ہی امت کے لئے مبارک ہے۔

بَاب ۹۰: سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

امام کا سُترہ اُن لوگوں کا سُترہ ہوتا ہے جو اُس کے پیچھے ہوتے ہیں

٤٩٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

۴۹۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، عبیداللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک گدھی پر آ رہا تھا اور میں اس وقت ابھی بلوغت کو پہنچا ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں لوگوں کو بغیر کسی دیوار کی طرف (منہ کئے) نماز پڑھا رہے تھے۔ پس میں صف کے ایک حصہ کے سامنے سے گزرا۔ پھر میں اُترا اور میں نے گدھی کو چھوڑ دیا کہ وہ چرے اور میں صف میں شامل ہوگیا۔ کسی نے بھی مجھ سے یہ بات بُری نہ منائی۔

٤٩٤: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَائَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ.

۴۹۴: ہم سے اسحاق نے بیان کیا، کہا: عبداللہ بن نمیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبید اللہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن نکلتے تو برچھی گاڑنے کے لیے فرماتے اور وہ آپؐ کے سامنے گاڑ دی جاتی۔ آپؐ اس کی طرف (منہ کرکے) پڑھتے اور لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے اور سفر میں بھی آپؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر یہیں سے امراء نے یہ سنت اختیار کرلی۔

٤٩٥ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ.

۴۹۵: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا۔ (کہتے تھے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بَطْحَآء میں ان کو ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں نماز پڑھائی اور آپؐ کے آگے برچھی تھی۔ عورت بھی آپؐ کے سامنے سے گزرتی تھی اور گدھا بھی۔

تشریح: **سُتْرَہ:** سترہ کے لغوی معنی پردہ، آڑ اور اصطلاحِ شریعت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو نمازی اپنے سامنے احتیاطاً رکھ لیتا ہے۔ تا گزرنے والے اس کے پرے سے گزریں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نمازی اپنے سامنے بطور حد فاصل کے ایک چیز رکھ کر اپنی توجہ کو منتشر ہونے سے بچاتا ہے۔ چھڑی یا کوئی اور ادنیٰ سی شئے کو سامنے رکھ لینا بظاہر ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر ایک چھوٹی سی چیز بھی سالہا سال کے تعامل سے انسان کے ذہن میں ایسی کیفیات پیدا کرنے کا موجب ہو جاتی ہے۔ جن سے توجہ کو قابو میں رکھنے کے لئے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معمولی سا فعل بھی حق و حکمت پر مبنی ہے۔ سترۃ المصلّی کے متعلق باب قائم کرتے وقت امام کے سترے کی اجتماعی اہمیت مدنظر رکھتے ہوئے اس کو مقدم کیا ہے۔ جماعت کے قیام اور اس کے نظم و نسق میں جس قدر اہمیت اسلام نے امام کو دی ہے اور کسی چیز کو نہیں دی۔ جیسا کہ آئندہ یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ اس باب کے ذیل میں تین روایتیں لائی گئی ہیں۔ پہلی روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباسؓ کا گزرنا برا نہیں منایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سترہ سب کے لئے کافی تھا۔ چونکہ اس روایت اور استدلال میں پوری وضاحت نہ تھی اس لئے امام موصوفؒ دوسری روایت لائے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل درآمد کا صراحتاً ذکر ہے۔ تیسری روایت بتلاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے برچھی ہوتی اور عورتیں بھی گزرتیں اور گدھے بھی۔ ان کے گزرنے سے کسی کی نماز نہ ٹوٹتی۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے باب ۱۰۲ روایت نمبر ۵۱۱)

صَلّٰى بِهِمْ بِالْبُطْحَاءِ (نمبر ۴۹۵): بطحآء سے مراد وادئ مکہ ہے۔ وہاں دو دو رکعتیں بوجہ سفر پڑھی گئیں۔

بَاب ۹۱: قَدْرُ كَمْ يَنْبَغِيْ أَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْمُصَلِّيْ وَالسُّتْرَةِ

نماز پڑھنے والے اور سُترہ کے درمیان کتنا اندازہ ہونا چاہیے

٤٩٦: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ.

۴۹۶: ہم سے عمرو بن زُرارہ نے بیان کیا، کہا: عبدالعزیز بن ابی حازم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت سہلؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہ اور دیوار کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی۔

٤٩٧: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوْزُهَا.

۴۹۷: ہم سے مکی (بن ابراہیم) نے بیان کیا، کہا: یزید بن ابی عبید نے حضرت سلمہؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ مسجد کی دیوار منبر کے اتنی قریب تھی کہ ایک بکری وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔

تشریح: باب ۹۱ کی دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں۔ پہلی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہ سے مراد وہ ساری جگہ ہے جہاں آپؐ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ آپؐ کی نماز گاہ اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ وہاں سے بکری گزر سکتی تھی اور دوسری روایت میں منبر اور دیوار کے درمیان کا فاصلہ بتلایا گیا ہے۔ اس سے روایت نمبر ۳۷۷ کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس میں آتا ہے کہ آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور سجدہ کرنے کے لئے نیچے اُترے اور منبر کے پائے کے قریب سجدہ کیا۔ اس سے بھی فاصلہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۴۳) ان روایتوں سے کم از کم فاصلہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یہ فاصلہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ سترہ کی غرض و غایت ہی مفقود ہو جائے۔

بَاب ۹۲: اَلصَّلَاةُ إِلَى الْحَرْبَةِ

برچھی کی طرف نماز پڑھنا

۴۹۸ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا.

۴۹۸: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحیٰی نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبید اللہ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا) نافع نے حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برچھی گاڑی جاتی تھی تو آپؐ اس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔

بَاب ۹۳ : اَلصَّلَاةُ إِلَى الْعَنَزَةِ

پھلدار چھڑی کے سامنے نماز پڑھنا

۴۹۹ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَصَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَّالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّوْنَ مِنْ وَّرَائِهَا.

۴۹۹: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: عون بن ابی جحیفہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو ہمارے پاس باہر آئے۔ آپؐ کے لیے پانی لایا گیا تو آپؐ نے وضو کیا اور ظہر اور عصر کی نماز ہمیں پڑھائی اور آپؐ کے سامنے پھلدار چھڑی تھی اور عورتیں بھی اس کے پیچھے سے گزرتی تھیں اور گدھا بھی۔

۵۰۰ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى

۵۰۰: ہم سے محمد بن حاتم بن بزیع نے بیان کیا، کہا: شاذان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا۔ وہ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ وَّمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ وَّمَعَنَا إِدَاوَةٌ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ نَاوَلْنَاهُ الْإِدَاوَةَ.

کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک لڑکا آپ کے پیچھے چلے جاتے۔ ہمارے ساتھ پھلدار سونٹی یا چھڑی یا چھوٹی برچھی ہوتی اور ہمارے ساتھ ایک چھاگل ہوتی۔ جب آپؐ اپنی حاجت سے فارغ ہوتے تو ہم آپؐ کو وہ چھاگل پکڑا دیتے۔

تشریح: باب ۹۲، ۹۳ میں برچھی اور پھل دار چھڑی کو بطور سترہ استعمال کرنے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان چیزوں کے سوا کوئی دوسری چیز سترہ نہیں بنائی جاسکتی۔ بلکہ اس سے صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اپنے ساتھ برچھی یا پھل دار چھڑی رکھتے تھے۔ چنانچہ باب ۹۳ کی دوسری روایت میں اسی بات کی صراحت ہے۔ اس لئے عندالضرورت آپ انہی چیزوں میں سے کسی چیز کو سامنے گاڑ لیا کرتے تھے۔ مسلمان نبی ﷺ کی یہ سنت بھی بھول گئے ہیں۔ جس کی اتباع نہ صرف خود حفاظتی کے لئے ہی بلکہ اعتمادِ نفس اور حزم اور دور اندیشی جیسے اہم اخلاق پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس قسم کے احتیاطی وسائل کا اپنے ساتھ رکھنا نتائج کے اعتبار سے ایک اہم بات ہے اور آپؐ کی اتباع کا سوال مسلمانوں کے لئے اصولِ دین میں سے ہے۔ اگر ہر بات کو معمولی سمجھ کر فہرست سے نکالنا شروع کر دیں تو ہماری معنویات کی دھجیاں اُڑ جائیں گی اور ہماری روحانیت بھی ساتھ ہی کالعدم ہو جائے گی۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی ہماری ہیئتِ اجتماعیہ کا وجود بھی خطرہ میں پڑ جائے گا۔ مسلمان اس سنت کے متعلق بھی تساہل سے کام لے کر جو نتیجہ بھگت رہے ہیں وہ ظاہر ہے۔ اُن کی تلواریں تو ان کے ہاتھ سے چھن گئیں۔ مگر اب ایک پھلدار چھڑی کے رکھنے کا دینی حق بھی ان کے لئے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ محدثین کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے نمایاں عنوان باندھ کر ہمیں آگاہ کیا ہے کہ یہ ہمارا دینی حق ہے کہ اپنی خود حفاظتی کے وسائل ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ روایت نمبر ۴۹۹ میں عورتوں اور گدھوں کے گزرنے کا جو ذکر آیا ہے اس کی تشریح کے لئے دیکھئے باب ۱۰۱ روایت نمبر ۵۱۰۔

بَاب ٩٤: اَلسُّتْرَةُ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا

مکہ وغیرہ میں سُترہ کرنا

٥٠١: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

۵۰۱: ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے حکم سے، حکم نے ابو جحیفہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَصَلَّى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَّتَوَضَّأَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهِ.

صلی اللہ علیہ وسلم دو پہر کو (ہمارے پاس) باہر آئے اور آپؐ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی نماز دو دو رکعتیں پڑھیں اور آپؐ نے اپنے سامنے ایک چھوٹی برچھی گاڑی۔ آپؐ نے وضو کیا تو لوگ آپؐ کے وضو کا پانی تبرکاً بدن پر ملنے لگے۔

تشریح: عبدالرزاق نے اپنی مسند میں ایک روایت باب لا يقطع الصلوٰة بمكة شيء میں نقل کی ہے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ مکہ میں سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہاں قبلہ جو بیت اللہ ہے سامنے ہوتا ہے۔ اصحاب سنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید سترہ قبلہ کا ہی قائم مقام ہو۔ یہ روایت بلحاظ سند کے کمزور ہے۔ امام بخاریؒ نے اس روایت کی کمزوری ثابت کرنے نیز مذکورہ بالا وہم کے ازالہ کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۴۵) سترہ قبلہ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔ اگلے تین بابوں سے بھی امام موصوفؒ کے اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔

بَاب ۹۵: اَلصَّلَاةُ إِلَى الْأُسْطُوَانَةِ

ستون کے بالمقابل نماز پڑھنی

وَقَالَ عُمَرُ الْمُصَلُّوْنَ أَحَقُّ بِالسَّوَارِيْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِيْنَ إِلَيْهَا وَرَأَى عُمَرُ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ فَأَدْنَاهُ إِلَى سَارِيَةٍ فَقَالَ صَلِّ إِلَيْهَا.

اور حضرت عمرؓ نے کہا: جو نماز پڑھ رہے ہیں وہ ستونوں کے زیادہ مستحق ہیں، ان لوگوں سے جو ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اس کو ایک ستون کے قریب کر دیا اور کہا کہ اس کے بالمقابل پڑھو۔

۵۰۲: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ فَقُلْتُ يَا أَبَا مُسْلِمٍ أَرَاكَ

۵۰۲: ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا: یزید بن ابی عُبَید نے ہمیں بتلایا۔ کہا کہ میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کے ساتھ آیا کرتا تھا تو وہ اُس ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے جو قرآن مجید رکھنے کی جگہ کے قریب ہے۔ اس پر میں نے کہا: ابومسلمؓ! میں آپؐ

تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ قَالَ فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا.

کو دیکھتا ہوں کہ آپؓ اس ستون کے پاس قصداً نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اس لیے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ اس کے پاس قصداً نماز پڑھا کرتے تھے۔

۵۰۳: حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ وَزَادَ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَنَسٍ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۵۰۳: ہم سے قبیصہ نے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عمرو بن عامر سے، عمرو نے حضرت انسؓ (بن مالک) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہؓ سے ملا ہوں۔ وہ مغرب کے وقت ستونوں کی طرف جلدی سے لپک کر جاتے اور شعبہ نے عمرو سے اور عمرو نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے اتنا بڑھایا: ''یہاں تک کہ نبی ﷺ باہر آتے۔''

تشریح: روایت نمبر ۵۰۲ میں یزید بن ابی عبید کے الفاظ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ ستون کی طرف منہ کر کے نہیں بلکہ اس کے قریب نماز پڑھتے تھے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عنوان باب میں اَلصَّلٰوۃُ اِلَی الْاُسْطُوَانَۃِ کہہ کر حضرت عمرؓ کے قول اور عمل کا حوالہ دیا اور بتلایا ہے کہ لفظ عِنْدَ سے مراد اِلٰی ہے۔ روایت نمبر ۵۰۲ میں مصحف یعنی قرآن مجید رکھنے کی جس جگہ کا ذکر ہے مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صندوق تھا۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۴۶) اس روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل درآمد کا پتہ چلتا ہے: رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا. تَحَرَّى کے معنی جستجو کرنا، کسی چیز کا قصد کرنا۔ دوسری روایت (نمبر ۵۰۳) سے یہ بتلایا گیا ہے کہ جلیل القدر صحابہؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ يَبْتَدِرُوْنَ اِلَى السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ. یعنی مغرب کی نماز کے وقت ان ستونوں کی طرف جلدی سے جاتے اور دو رکعت نفل پڑھتے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر آنے سے اور امامت کرانے سے پہلے۔ جیسا کہ اس روایت کے آخری حوالہ بروایت شعبہ سے اس امر کی تصریح کی گئی ہے۔ آپؐ اس لئے ستون کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تا آنے جانے والے لوگ ستونوں کے درمیان آسانی سے گزر سکیں اور نماز اطمینان سے پڑھی جا سکے۔

بَاب ٩٦: اَلصَّلَاةُ بَيْنَ السَّوَارِيْ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ.

بغیر جماعت کے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا

٥٠٤: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَّعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ وَبِلَالٌ فَأَطَالَ ثُمَّ خَرَجَ كُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلَى أَثَرِهِ فَسَأَلْتُ بِلَالًا أَيْنَ صَلَّى قَالَ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ.

۵۰۴: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا: جویریہ نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عثمانؓ بن طلحہ اور حضرت بلالؓ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ وہاں بہت دیر ٹھہرے رہے۔ پھر آپؐ نکلے۔ میں لوگوں میں سے پہلا تھا جو آپؐ کے بعد داخل ہوا۔ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آپؐ نے کہاں نماز پڑھی۔ انہوں نے کہا: اگلے دو ستونوں کے درمیان۔

٥٠٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَّبِلَالٌ وَّعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَّسَارِهِ وَعَمُوْدًا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَّرَائَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى وَقَالَ

۵۰۵: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اُسامہ بن زیدؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ حَجَبی کعبہ میں داخل ہوئے۔ (حضرت عثمانؓ نے) اس کا دروازہ بند کر دیا اور آپؐ اس میں ٹھہرے رہے۔ جب آپؐ نکلے تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ ایک ستون کو اپنی بائیں طرف رکھا اور ایک ستون کو دائیں طرف اور تین عمودوں کو اپنے پیچھے۔ اور بیت اللہ اس وقت چھ

لَنَا إِسْمَاعِيْلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ وَّقَالَ عَمُوْدَيْنِ عَنْ يَّمِيْنِهِ.

ستونوں پر تھا۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور اسماعیل نے ہم سے کہا: مالک نے مجھ سے بیان کیا، کہا کہ آپؐ نے دوستونوں کو اپنی دائیں طرف رکھا۔

تشریح: اس باب کا مقصد ہے کہ سابقہ باب سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا جائز نہیں۔ آپ نے تنہائی کے وقت ان کے درمیان بھی نماز پڑھی۔ وہ احتیاط جس کا ذکر ابھی باب ۹۴ کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ اس وقت کے لئے مخصوص ہے جب لوگ باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوں اور آنے جانے والے کے لئے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے۔ نیز باجماعت نماز کی حالت میں اس سے صف بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ امام بخاریؒ کو اس باب کے قائم کرنے کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی ہے کہ بعض ایسی روایات مشہور ہو چکی تھیں۔ جن سے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی قطعی ممانعت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی ایک روایت ہے کہ یہ ممانعت اس لئے تھی کہ ستونوں کے درمیان کی جگہ جنوں کی نماز گاہ ہے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۴۷) امام موصوفؒ کو ایسی روایتوں کا رد کرنا بھی مقصود ہے۔

روایت نمبر ۵۰۴ کے آخر میں امام مالکؒ کی روایت کے حوالہ سے اس اشکال کو دور کیا گیا ہے کہ جب بیت اللہ کے چھ ستون تھے تو آپؐ کے ایک طرف دوستون ہونے چاہئیں نہ کہ ایک۔ روایت نمبر ۵۰۵ میں دوستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ تعداد شماری مقصود نہیں۔

باب ۹۷

۵۰۶: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِيْنَ يَدْخُلُ وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ فَمَشَى حَتَّى يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِيْ قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ صَلَّى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِيْ أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

۵۰۶: ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، کہا: ابوضمرہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ حضرت عبداللہؓ جب کعبہ میں داخل ہوتے تو داخل ہوتے وقت سیدھے سامنے کو جاتے اور دروازے کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھتے اور چلے جاتے، یہاں تک کہ اُن کے اور اس دیوار کے درمیان جو کہ ان کے منہ کے سامنے ہوتی تقریباً تین ہاتھ رہ جاتے؛ وہاں نماز پڑھتے۔ اسی جگہ کا قصداً رُخ کرتے جس کے متعلق حضرت

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيْهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلَى أَحَدِنَا بَأْسٌ إِنْ صَلَّى فِي أَيِّ نَوَاحِيْ الْبَيْتِ شَاءَ.

بلالؓ نے انہیں خبر دی تھی کہ نبی ﷺ نے وہاں نماز پڑھی تھی۔ کہتے تھے کہ ہم میں سے کسی پر کوئی حرج نہیں کہ بیت اللہ میں جس طرف چاہے نماز پڑھے۔

تشریح: باب ۹۷ بلاعنوان ہے اور یہ ماقبل اور مابعد کے بابوں کے درمیان ایک کڑی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ان چاروں بابوں کے مضمون کو ایک کر دیا گیا ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے اندر انسان جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھے۔ مگر باوجود اس کے نبی ﷺ کا طریق عمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے دیوار سے تین ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑے ہو کر اور اِسے سامنے رکھ کر نماز پڑھی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت اور ان کے عمل سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ اس خاص دیوار کو قبلہ سمجھتے تھے۔ ایسا ہی مدینہ میں بھی آپ ستون کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ستون قبلہ کا قائم مقام تھا۔ غرض ان پانچوں بابوں سے عبدالرزاق کی روایت کا رد کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۵۰۶ کے آخری الفاظ نفسِ مضمون پر بالتصریح دلالت کرتے ہیں۔

بَاب ۹۸ :اَلصَّلَاةُ إِلَى الرَّاحِلَةِ وَالْبَعِيْرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ

سواری اور اُونٹ اور درخت اور کجاوے کی طرف نماز پڑھنا

۵۰۷: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا قُلْتُ أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ هَذَا الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ فَيُصَلِّيْ إِلَى آخِرَتِهِ أَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ.

۵۰۷: ہم سے محمد بن ابوبکر مقدمی (بصری) نے بیان کیا، (کہا) معتمر (بن سلیمان) نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے عبیداللہ (بن عمر) سے، عبیداللہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے، حضرت ابن عمرؓ نے نبی ﷺ کے متعلق بیان کیا کہ آپؐ اپنی سواری کو اپنے سامنے چوڑائی میں بٹھا لیتے اور پھر اس کے بالمقابل نماز پڑھتے۔ میں نے کہا: بھلا بتلائیں تو سہی جب سواری کھڑی ہو جاتی (تو کیا کرتے؟) انہوں نے کہا: کجاوے کو لیتے اور اُسے ٹھیک کر کے سامنے رکھ لیتے۔ پھر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف یا کہا اس کے پچھلے سرے کی طرف نماز پڑھتے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

بَاب۹۹: اَلصَّلَاةُ إِلَى السَّرِيْرِ

چارپائی کے سامنے نماز پڑھنا

۵۰۸: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ فَيَجِيءُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّيْ فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْنَحَهُ فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ حَتَّى أَنْسَلَّ مِنْ لِّحَافِيْ.

۵۰۸: ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا: جریر نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: کیا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے؟ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں چارپائی پر لیٹی ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آتے اور چارپائی کے سامنے درمیان میں کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے اور میں اسے ناپسند کرتی کہ آپؐ کے سامنے رہوں تو میں چارپائی کے پاؤں کی طرف سے سرک کر اپنے لحاف میں سے آہستہ سے نکل جاتی۔

تشریح: ستون، سواری، اونٹ، درخت، کجاوا اور چارپائی کو جو سترہ بنایا گیا تھا تو اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں قبلہ کا قائم مقام تھیں۔ سترہ کی غرض وغایت ہی اور ہوتی ہے۔ باب ۹۸، ۹۹ کے قائم کرنے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی ہے کہ ایسی روایتیں بھی نقل کی گئی ہیں جن سے اونٹ یا جانور یا عورت کے سامنے نماز پڑھنے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر بعض حالات میں مجبوری ہوتی ہے کہ نماز اِدھر اُدھر ہو کر نہیں پڑھی جاسکتی۔ مثلاً کمرہ تنگ ہے یا چارپائی سامنے ہے جس پر بیوی لیٹی ہوئی ہے یا سفر کی حالت میں ہے۔ لوگوں کا اِدھر اُدھر سے گزر ہے تو کوئی حرج نہیں کہ اپنی سواری یا کسی درخت کی آڑ لے کر نماز پڑھی جائے۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۵۰-۷۵۱)

نیز اس ضمن میں دیکھئے باب ۱۰۴، ۱۰۵۔

بَاب ١٠٠: يَرُدُّ الْمُصَلِّيْ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

نماز پڑھنے والا اس شخص کو ہٹا دے جو اس کے سامنے سے گزرے

وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ إِنْ أَبَى إِلَّا أَنْ تُقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ.

اور حضرت ابن عمرؓ نے التحیات میں اور خانہ کعبہ میں (آگے سے گزرنے والے کو) ہٹا دیا اور کہا: اگر وہ نہ مانے بغیر اس کے کہ تم اس سے مقابلہ کرو تو پھر اس سے مقابلہ کرو۔

٥٠٩: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَدَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ يُصَلِّيْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ شَابٌّ مِّنْ بَنِي أَبِي مُعَيْطٍ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَدَفَعَ أَبُوسَعِيْدٍ فِي صَدْرِهِ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا إِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ فَعَادَ لِيَجْتَازَ فَدَفَعَهُ أَبُوسَعِيْدٍ أَشَدَّ مِنَ الْأُوْلَى فَنَالَ مِنْ أَبِي سَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلَ عَلَى مَرْوَانَ فَشَكَا إِلَيْهِ

۵۰۹: ہم سے ابو معمر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ عبدالوارث نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: یونس نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے حمید بن ہلال سے، حمید نے ابو صالح سے روایت کی کہ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا... نیز ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا: سلیمان بن مغیرہ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: حمید بن ہلال عدوی نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابو صالح سمان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ کو جمعہ کے دن دیکھا کہ وہ ایک چیز کی طرف (منہ کئے ہوئے) نماز پڑھ رہے ہیں جس نے اُن کو لوگوں سے اوٹ میں کیا ہوا ہے۔ بنی ابی مُعَیط میں سے ایک نوجوان نے چاہا کہ آپ کے سامنے سے گزرے تو حضرت ابوسعیدؓ نے اُس کو ہٹایا۔ اس نوجوان نے دیکھا تو سوائے ان کے سامنے سے گزرنے کے کہیں گزرنے کی جگہ نہ پائی۔ پھر اس نے دوبارہ گزرنا چاہا تو حضرت ابوسعیدؓ نے پہلے کی نسبت سختی سے اس کو

مَا لَقِيَ مِنْ أَبِي سَعِيْدٍ وَدَخَلَ أَبُو سَعِيْدٍ خَلْفَهُ عَلَى مَرْوَانَ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِابْنِ أَخِيْكَ يَا أَبَا سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَّسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ.

ہٹایا تو وہ حضرت ابوسعیدؓ کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ پھر وہ مروان کے پاس گیا اور جو تکلیف اُسے حضرت ابوسعیدؓ سے پہنچی تھی، اس کی ان کے پاس شکایت کی۔ حضرت ابوسعیدؓ اس کے پیچھے ہی مروان کے پاس اندر پہنچ گئے۔ مروان نے ان سے کہا: ابوسعیدؓ آپ کا اور آپ کے بھتیجے کا کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوسعیدؓ نے جواب دیا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز کے سامنے نماز پڑھ رہا ہو جو اس کو لوگوں سے اَوٹ میں رکھے اور پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو چاہیے کہ اس کو ہٹا دے۔ اگر وہ انکار کرے تو پھر وہ اس کا مقابلہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

تشریح: سامنے سے گزرنے والے کو بحالت نماز ہی ہٹانے کا حکم ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کا حوالہ دے کر باب کا عنوان واضح کر دیا گیا ہے۔ اس حوالہ کی تفصیل فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۵۲ میں دیکھئے۔

فِيْ التَّشَهُّدِ وَفِيْ الْكَعْبَةِ: جملہ فِي التَّشَهُّدِ کی طرف متوجہ کر کے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے۔ جن کا یہ خیال ہے کہ مقابلہ نماز سے فارغ ہو کر کرے اور جملہ فِي الْكَعْبَةِ سے عبدالرزاق کی روایت لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ بِمَكَّةَ شَيْءٌ مدنظر رکھ کر اس خیال کی ضمناً تردید کی گئی ہے۔

اِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ تُقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ: سے اُسے ہٹانا مراد ہے لڑنا مراد نہیں۔ لسان العرب نے لفظ قَتَلَ اور قِتَال کے لغوی معنوں کی تشریح کرتے ہوئے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے اور اس کے یہ معنے کئے ہیں: دَافِعْهُ عَنْ قِبْلَتِكَ وَلَيْسَ كُلُّ قِتَالٍ بِمَعْنَى الْقَتْلِ. (لسان العرب تحت لفظ ''قتل'') یعنی اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور قتال کے معنی مارنا ہی نہیں ہوا کرتا۔ اس باب میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یونس بن عبید کی اور دوسری سلیمان بن مغیرہ کی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا سارا واقعہ سلیمان نے نقل کیا ہے۔ یونس کی روایت میں صرف اسی قدر ہے: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ ...... فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ اس روایت میں گزرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ نماز میں مخل ہوتا ہے اور روکنے سے نہیں رکتا۔ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اسی شخص کو کہا گیا ہے جو پہلی دفعہ روکنے سے نہیں رکتا۔ گویا وہ ایک رنگ میں تمرد اور سرکشی اختیار کرتا ہے۔ شیطان کے معنے

سرکش اور متمرد۔ باب ۱۰۱ میں اس گناہ کی اہمیت بتلائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے نماز ادا کرنے اور اس اطمینان کے دور کرنے کو کتنا اہم سمجھتے تھے۔ جس قدر ضروری یہ ہے کہ نمازی حضور قلب اور پوری طمانیت کے ساتھ نماز پڑھے اسی قدر بڑا گناہ یہ ہے کہ اس حضور قلب اور طمانیت میں رخنہ ڈالا جائے۔ اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کے اپنے خیالات مجسم شیطان بن بن کران کی نمازوں کے آڑے آرہے ہوتے ہیں ان کی نمازیں کیا قیمت رکھتی ہیں۔ (دیکھئے کتاب الوضوء باب ۲۴: الوضوء ثلاثا ثلاثا. روایت نمبر۱۵۹) **فَلْيُقَاتِلْهُ** کا ارشاد یہاں بھی اسی طرح چسپاں ہوتا ہے جس طرح ایک گزرنے والے پر۔ عموماً لوگ ہاتھ کے اشارے سے ہٹ جاتے ہیں اور یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی پہلی دفعہ ہاتھ کے اشارہ سے نہ ہٹے۔ ایسی صورت میں نمازی کو اجازت ہے کہ وہ ایسے طریق سے ہاتھ سے ہٹادے کہ گزرنے والے کو محسوس ہو کہ اس کے گزرنے کو ناپسند کیا جارہا ہے۔ کبھی مسجد میں غیر معمولی ازدحام ہونے کی وجہ سے آنے جانے والوں کو خیال نہیں رہتا کہ ان کے آگے کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور ازدحام کی حالت میں اشارہ کرنے یا ہاتھ سے معمولی طور پر ہٹانے سے بھی بعض وقت گزرنے والے کو توجہ نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ایسی صورت میں اجازت ہے کہ اس کو اتنے زور سے ہٹایا جائے کہ جس سے اس کو توجہ پیدا ہو۔ شریعت کے تمام احکام موقع محل کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ **وَفِي الْكَعْبَةِ** کا جملہ جو عنوان میں نمایاں کر کے دکھلایا گیا ہے اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو ہٹانے کی جو ضرورت پیش آئی تھی وہ کعبہ میں آئی تھی۔ جہاں بڑا ہجوم تھا۔ غرض موقع محل کو مدنظر رکھتے ہوئے لفظ قِتَال دفاع کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظوں کا مفہوم ہٹانا ہے۔ ہاتھ کے اشارہ سے بھی ہٹایا جاتا ہے اور ہاتھ کے ساتھ بھی۔ امام بخاریؒ نے دفاع اور قتال دونوں کا مفہوم **يَرُدُّ** کے لفظ سے ادا کیا ہے جس کے معنی مطلق لوٹانے کے ہیں اور اس مفہوم کی تائید میں حضرت ابن عمرؓ کا فعل ان کے اس قول کے ساتھ پیش کیا ہے: **اِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ تُقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ** یعنی حضرت ابن عمرؓ کو بھی **فَلْيَدْفَعْهُ** کا ارشاد نبوی معلوم تھا اور انہوں نے جو عمل کیا ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ (رَدَّہٗ) گزرنے والے کو ہٹادیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بھی جو ارشاد نبویؐ کے راوی ہیں زیادہ سے زیادہ جو کیا ہے وہ یہی ہے کہ پہلے معمولی طور پر ہٹایا ہے اور پھر نسبتاً سختی سے ہٹایا ہے۔ مُکّے وغیرہ نہیں مارے اور نہ دھکے دیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ارشاد کے کیا معنی سمجھتے تھے۔ امام موصوفؒ نے اسی تشریح کی خاطر عنوان باب میں لفظ **يَرُدُّ** اختیار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن حجرؒ نے امام موصوفؒ کے خیال کی تائید میں علامہ قرطبی کی یہ تشریح نقل کی ہے: **فَلْيَدْفَعْهُ اَىْ بِالْاِشَارَةِ وَلَطِيْفِ الْمَنْعِ** یعنی دفع سے مراد دھکا دینا نہیں بلکہ اشارہ اور نرمی اور مناسب طریق سے روکنا ہے۔ **فَلْيُقَاتِلْهُ اَىْ يَزِيْدَ فِىْ دَفْعِهِ الثَّانِىْ اَشَدَّ مِنَ الْاَوَّلِ** اور قتال سے مراد یہ ہے کہ پہلے کی نسبت ذرا سختی سے اس کو ہٹائے نہ یہ کہ دھکے دے کر ہنگامہ برپا کردے۔ جس سے نہ صرف غرض مقصود ہی باطل ہوجاتی ہے۔ بلکہ ایسا نمازی قانون شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب بن جاتا ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد نبوی کا مقصد تو یہ ہے کہ کوئی گزرنے والا اس کی توجہ پراگندہ نہ کرے مگر غالباً گزرنے والے سے توجہ اتنی پراگندہ نہیں ہوتی جتنا کہ زور سے دھکا دینے یا ہاتھا پائی سے۔ کیونکہ زور سے دھکا دینا اور غصہ کے جذبہ کا اُبھرنا دونوں

آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ایسی صورت میں طمانیت نفس اور خیالات کی یک جہتی کہاں قائم رہ سکتی ہے؟ فرض کرو کہ وہ دھکا دینے پر بھی باز نہ آئے تو کیا پھر فَلْيُقَاتِلْهُ کے ارشاد کی تعمیل میں اس کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائے۔اس سے نہ تو صرف اس کی نماز خراب ہوگی بلکہ مسجد میں ہنگامہ برپا کر کے دوسرے نمازیوں کی تشویش کا باعث بھی بنے گا اور اس کا یہ ہنگامہ خود مسجد کے احترام کے بھی خلاف ہوگا۔

علاوہ ازیں ارشاد نبوی کا غلط مفہوم لینا شریعت کے بنیادی اصول کی بے حرمتی کرنا ہے۔اسلام نے افراد کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں۔اسی واقعہ میں دیکھیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ بھی مروان کے پاس جاتے ہیں جو کہ ان دنوں امیر تھے۔کیونکہ گزرنے والے نوجوان نے جو خود مروان کے خاندان سے تھا ان کے اس فعل سے اپنی ہتک سمجھ کر لوگوں میں ان کے متعلق نکتہ چینی کی تھی اور اس نوجوان نے حاکم وقت کے پاس شکایت کی اور حضرت ابوسعیدؓ بھی پہنچے۔ دونوں کا یہ عمل بتلاتا ہے کہ وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ قانون ہاتھ میں لینا ان کا حق نہیں ہے۔پس کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ اس ارشاد سے مراد دھکے دینا اور مارنا سمجھتے تھے۔غرض قَاتَلَ کا لفظ زبان عربی میں دَفَعَ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے معنی دھکے دینا اور لڑنا کئے جائیں۔صحابہ کرامؓ نے کبھی یہ مفہوم نہیں لیا اور نہ اس پر اس طرح کا عمل کیا جیسا کہ آج کل بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے۔اس باب سے پہلے امام بخاریؒ باب ۹۵ میں اس فاصلہ کی تعیین کر چکے ہیں جو نمازی کے سُترہ کے لیے ازبس ضروری ہے۔پس اگر کوئی شخص اتنے فاصلہ سے گزر رہا ہو کہ نمازی کی توجہ نہیں بٹتی تو آگے بڑھ کر اس کو ہٹانا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشاء کے خلاف ہوگا۔بسا اوقات انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ باہر جائے اور پیچھے نمازی ہوتا ہے تو وہ اندازہ کر کے گزر سکتا ہے۔سُترہ کے فاصلہ کی تعیین کرنے کے بعد باب مذکور قائم کرنے سے یہی سمجھانا مقصود ہے کہ حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔باب ۱۰۱ بھی یہی بات واضح کرنے کے لیے باندھا گیا ہے۔

بَاب ۱۰۱: إِثْمُ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ

نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والے کا گناہ

۵۱۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُوْلُ

۵۱۰: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتلایا۔انہوں نے عمر بن عبیداللہ کے مولیٰ ابونضر سے، ابونضر نے بُسر بن سعید سے روایت کی کہ حضرت زیدؓ بن خالد نے اس کو حضرت ابوجہیمؓ کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کے متعلق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سُنا تھا۔اس پر

اللہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَّقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ أَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً.

حضرت ابوجہیمؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو علم ہو کہ اس پر کیا گناہ ہے تو چالیس ...کھڑا رہتا یہ اس کے لیے بہتر ہوتا بہ نسبت اس کے کہ وہ آگے سے گزر جائے۔ ابونضر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آیا آپؐ نے چالیس دن یا مہینے یا سال فرمایا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کا فعل بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور سابقہ حدیث میں اس کو شیطان کہا گیا ہے اس لیے فَلْيُقَاتِلْهُ کے ضرور یہی معنی ہونگے کہ اس سے لڑائی کی جائے۔ کسی گناہ کے بڑا ہونے پر شریعت نے افراد کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے سزا دے اور نہ یہ قیاس کہ وہ شیطان ہے اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے ساتھ گتھم گتھا ہونا چاہیے۔ شیطان کا مقابلہ کئی طرح سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہاتھا پائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ شکایت کر کے اس کو سزا دلوائے۔ اس کے ساتھ خود لپٹنے کی اجازت کسی فرد کو قطعاً نہیں دی گئی۔ مگر جیسا کہ سابقہ باب کی شرح میں واضح کیا گیا ہے کہ قِتَال کے معنی دِفاع کے ہیں اور قرآن مجید نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کہہ کر دفاع کی صورت ونوعیت کی تعیین کر دی کہ وہ عمدگی سے ہو۔ بغیر موقع و محل کو مدنظر رکھنے اور ضروری قیود وشرائط کا لحاظ رکھنے کے گزرنے والوں کو دھکے دینا اور مکّے مارنا درندگی اور وحشت ہے جو اسلام کی تعلیم سلامت روی کے بالکل خلاف ہے۔ گزرنے والوں میں بعض بوڑھے، کمزور نظر اور اندھے بھی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ہٹانے سے سمجھ نہ آئے کہ ہٹانے والا کیا چاہتا ہے تو کیا ان کو دھکے دے کر زمین پر گرا دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر شقاوتِ قلبی اور کیا ہوگی؟ (دیکھئے شرح باب ۱۰۹)

بَاب ۱۰۲: اِسْتِقْبَالُ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ☆

مرد کا جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو مرد کی طرف منہ کرنا

وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُّسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَإِنَّمَا هٰذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهِ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَّا بَالَيْتُ إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلَاةَ

اور حضرت عثمانؓ نے اس بات کو بُرا منایا کہ آدمی کے سامنے منہ کیا جائے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو اور یہ (کراہیت) صرف اسی وقت ہے جب وہ اس وجہ سے مشغول ہو جائے۔ لیکن جب مشغول نہ ہو تو

☆ یہ عنوانِ باب نسخہ مطبعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (دیکھئے فتح الباری جزء اول حاشیہ صفحہ ۷۵۸)

الرَّجُلِ.

حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا ہے کہ میں نے تو پرواہ نہیں کی کیونکہ آدمی آدمی کی نماز نہیں توڑتا۔

٥١١: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ خَلِيْلٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُّسْلِمٍ يَّعْنِي ابْنَ صُبَيْحٍ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ فَقَالُوْا يَقْطَعُهَا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ قَالَتْ لَقَدْ جَعَلْتُمُوْنَا كِلَابًا لَّقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَإِنِّي لَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيْرِ فَتَكُوْنُ لِيَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا وَّعَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ.

۵۱۱: ہم سے اسماعیل بن خلیل نے بیان کیا کہ ہمیں علی بن مسہر نے اعمش سے اور اعمش نے مسلم یعنی صبیح کے بیٹے سے۔ انہوں نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس اُن چیزوں کا ذکر کیا گیا جو نماز کو توڑتی ہیں تو لوگوں نے کہا کہ اُسے کتا اور گدھا اور عورت توڑتے ہیں تو حضرت عائشہؓ نے کہا: تم نے تو ہمیں کتے بنا دیا۔ میں نے خود نبی علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؐ نماز پڑھتے اور میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان ہوتی اور چارپائی پر لیٹی ہوتی اور مجھے کوئی حاجت ہوتی تو میں ناپسند کرتی کہ آپؐ کے سامنے ہوں۔ اس لیے میں آہستگی سے سرک کر نکل جاتی۔ اور (علی بن مسہر نے) اعمش سے، اعمش نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح روایت نقل کی۔

تشریح: باب مذکور یہ واضح کرنے کے لیے باندھا گیا ہے کہ آدمی کا نمازی کے سامنے ہونا فی ذاتہٖ کوئی بُری بات نہیں بلکہ کراہیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے اس کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونے سے ممکن ہے کہ اس کی توجہ بٹ جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے قول کا حوالہ دے کر باب کا مقصد واضح کر دیا گیا ہے۔ حوالوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۵۸ اور عمدۃ القاری جزء۴ صفحہ ۲۹۵۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ کا فتویٰ جنسِ اناث پر بھی حاوی ہے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۵۱۱ میں اس کی صراحت ہے۔ عنوان باب میں لفظ رَجُل یعنی مرد اِستدلالاً اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی جب عورت کے سامنے ہونے سے

نماز میں خلل نہیں آتا تو مرد کے سامنے ہونے سے بدرجہ اولیٰ اس میں خلل نہیں واقع ہوگا۔ پس کراہیت کی اصل بناء وہی ہے جس کا عنوان میں ذکر ہے۔ مسلمؒ، نسائیؒ، اور ابن ماجہؒ☆ وغیرہ نے عورت، گدھے اور کتے کے متعلق بعض کمزور روایتیں نقل کی ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔ (دیکھئے شرح باب ۱۰۵)

روایت نمبر ۵۱۱ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے صحابہ کرامؓ میں بھی تھے جن کی تردید حضرت عائشہؓ نے کھلے الفاظ میں اسی وقت کر دی تھی۔

بَاب ۱۰۳: اَلصَّلَاةُ خَلْفَ النَّائِمِ

سوئے ہوئے کے پیچھے نماز پڑھنا

۵۱۲: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُّعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوْتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ.

۵۱۲: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتلایا۔ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور میں آپؐ کے بستر پر چوڑائی میں لیٹے ہوئے سوئی ہوتی اور جب آپؐ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگا دیتے تو میں بھی وتر پڑھتی۔

تشریح: اس باب میں ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ کی وہ روایتیں ردّ کی گئی ہیں جن میں سوئے ہوئے کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ امام مالکؒ اور مجاہدؒ اور طاؤسؒ بھی سوئے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ کسی حدیث کی بناء پر نہیں بلکہ اس خیال سے کہ مبادا سوئے ہوئے آدمی سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو نمازی کی توجہ کو پھیرنے والی ہو۔ (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۵۹)

☆ (مسلم كتاب الصلاة باب قدر مايستر المصلى) (نسائى كتاب القبلة باب ذكر ما يقطع الصلاة) (ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة باب ما يقطع الصلاة)

بَاب ١٠٤: اَلتَّطَوُّعُ خَلْفَ الْمَرْأَةِ

عورت کے پیچھے نفل پڑھنا

٥١٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ.

۵۱۳: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: ہمیں مالک نے عمر بن عبیداللہ کے مولیٰ ابونضر سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، ابوسلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ کہتی تھیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھی اور میری دونوں ٹانگیں آپؐ کے قبلہ میں ہوتیں۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے اور میں اپنی ٹانگوں کو سکیڑ لیتی اور جب کھڑے ہوتے تو اُن کو پھیلا دیتی۔ کہتی تھیں کہ اِن دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے

تشریح: باب ۱۰۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ سے نماز میں مرد کا مرد کے سامنے ہونے اور اس کی نماز میں خلل نہ آنے کے متعلق استدلال کیا گیا ہے۔ جس طریق سے وہ استدلال کیا گیا ہے اس سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ اس بارے میں عورت اور مرد میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بحالتِ نماز مرد کا مرد کے سامنے ہونے سے مرد کے لیے ایک عادت اور معمول کی بات ہے۔ مگر عورت کا اس کے سامنے ہونا ایک غیر معمولی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق فتویٰ میں فرق ہونا چاہیے۔ یہ اعتراض مدنظر رکھ کر باب مذکور قائم کیا گیا ہے اور اس کا جواب اسی روایت میں ہے اور وہ یہ کہ اپنی بیوی کے سامنے ہونے سے غیر معمولی حالت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی پر گھر کی محرم عورتوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اَلتَّطَوُّعُ کا لفظ عنوان میں اسی لئے نمایاں کیا گیا ہے کہ نوافل عموماً گھروں میں پڑھے جاتے ہیں جہاں محرم عورتوں کا نمازی کے آس پاس یا سامنے سے گزرنے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ پس اگر اس سے توجہ نہیں بٹتی تو نماز پڑھتا رہے۔ ایسا ہی مرد کے سامنے آنے سے بھی توجہ بٹنے یا نہ بٹنے کا احتمال ہوسکتا ہے جیسا کہ عورت کے آنے سے۔ اس روایت سے یہ استدلال کرنا لغو ہے کہ ان دِنوں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے اندھیرے میں توجہ بٹنے کا احتمال کم تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اَرفع ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ چراغ ہوتے ہوئے بلکہ دن کی روشنی میں عورتوں کے آس پاس یا سامنے گزرنے سے توجہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگلے باب کا بھی یہی مضمون ہے۔

بَاب ١٠٥: مَنْ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ

جس نے کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی

٥١٤: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ ح قَالَ الْأَعْمَشُ وَحَدَّثَنِي مُسْلِمٌ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَإِنِّي عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً فَتَبْدُوْ لِيَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوْذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ.

۵۱۴: ہم سے عمر بن حفص (بن غیاث) نے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: اعمش نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابراہیم نے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ نیز اعمش نے کہا: اور مسلم نے مجھ سے بیان کیا کہ مسروق سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا کہ اُن کے پاس جو چیزیں نماز کو توڑتی ہیں ان کا ذکر کیا گیا؛ کتا اور گدھا اور عورت۔ تو انہوں نے کہا: تم نے ہم کو کتوں اور گدھوں جیسا بنا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور میں چارپائی پر آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی۔ مجھے کوئی حاجت پیش آتی تو میں بیٹھنا ناپسند کرتی؛ مبادا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دوں۔ اس لیے میں چارپائی کے پاؤں کی طرف سے کھسک جاتی۔

٥١٥: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَمَّهُ عَنِ الصَّلَاةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ فَقَالَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ

۵۱۵: ہم سے اسحاق (بن ابراہیم) نے بیان کیا، کہا: یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میرے بھائی ابن شہاب کے بیٹے نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے چچا سے نماز کے متعلق پوچھا کہ کیا کوئی چیز اُسے توڑ دیتی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اُسے

عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَإِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ.

کوئی چیز نہیں توڑتی۔عروہ بن زبیر نے مجھے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتے اور میں آپؐ کی بیوی کے بستر پر آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان چوڑائی میں پڑی ہوتی۔

تشریح: لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ: یہ الفاظ زہری کی روایت کے ہیں جو اسی باب میں نمبر ۵۱۵ میں بیان کی گئی ہے۔امام مالکؒ نے بھی اپنی مؤطا میں زہری سے یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔(فتح الباری جزءاول صفحہ ۷۶۰)

پہلی روایت یعنی نمبر ۵۱۴ مسلمؒ نے بھی نقل کی ہے اور علامہ طحاویؒ نے بھی اسے سات صحیح مستند طریقوں سے نقل کیا ہے جن کا ذکر علامہ عینیؒ نے اپنی شرح میں بالتفصیل کیا ہے۔(عمدۃ القاری جزءرابع صفحہ ۲۹۹) ان سب کا مفہوم یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سوال مذکور پر نفرت کا اظہار کیا۔ان کے الفاظ سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود ناپسند کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحالتِ نماز بیٹھ کر یا چل پھر کر آپؐ کی توجہ بٹائیں۔لیکن آپؐ نے اس امر کی پرواہ نہیں کی کہ آیا وہ سامنے ہیں یا اُن کا کپڑا یا بدن آپؐ کو چھو رہا ہے۔دوسری روایت لا کر مسئلہ (لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ) کی عمومیت ثابت کی گئی ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی ناپسندیدگی کا اظہار جنسِ اناث کے ساتھ ہی نہیں بلکہ نفسِ مسئلہ کے ساتھ من حیث العموم تعلق رکھتا ہے۔باب ۱۰۰ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ کے حوالوں سے جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں اُن کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی کو بحالتِ نماز اجازت ہے کہ وہ اپنے سامنے سے گزرنے والے کو ہٹا دے اور یہ اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔مسلمان کی نماز تو سوائے طہارت میں خلل آنے کے اور کسی چیز سے نہیں ٹوٹتی۔امام بیہقیؒ نے عکرمہ کی یہ روایت نقل کی ہے: قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ وَالْحِمَارُ فَقَالَ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ فَمَا يَقْطَعُ هَذَا وَلَكِنْ يُكْرَهُ. (عمدۃ القاری جزءرابع صفحہ ۳۰۰) یعنی حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا عورت اور کتا اور گدھا نماز توڑ دیتے ہیں؟ تو انہوں نے اس آیت کا حوالہ دے کر جواب دیا کہ نماز کا تعلق پاکیزہ معانی اور اس عملِ صالح کے ساتھ ہے جو ان معانی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچاتے ہیں۔اس شیئ کو کون توڑ سکتا ہے۔نمازی کے سامنے ان چیزوں کا ہونا صرف مکروہ ہے۔بوجہ اس کے کہ ان سے اس کی توجہ بٹنے کا احتمال ہوتا ہے ورنہ حقیقی مسلمان کی نماز میں تو کوئی شیئ بھی خلل انداز نہیں ہو سکتی۔حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہ سوال پوچھا گیا تھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا: لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے عمدۃ القاری جزءرابع صفحہ ۲۹۹)

امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے سابقہ بابوں پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ سامنے سے گزرنے والے کے ہٹانے کے بارے میں اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ نمازی کی نماز اس سے ٹوٹ جاتی ہے بلکہ نماز کا احترام قائم کرنے اور نمازی کو

تشویش سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ چونکہ گزرنے والا نماز کی حرمت کا پاس نہیں رکھتا اور نمازی کو نماز سے بےتوجہ کرتا اور روکنے سے نہیں رُکتا۔ اس لیے اس بے حرمتی اور خلل اندازی کی وجہ سے اس کو شیطان قرار دے کر اس کے گناہ کی اہمیت ظاہر کر دی گئی ہے۔

بَاب ١٠٦: إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلَى عُنُقِهِ فِي الصَّلَاةِ

اگر نماز میں (کوئی) اپنی گردن پر چھوٹی لڑکی اُٹھائے

٥١٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا.

۵۱۶: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا: ہمیں مالک نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے، عامر نے عمرو بن سلیم زُرَقی سے، انہوں نے حضرت ابوقتادہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور حضرت اُمامہؓ کو اُٹھائے ہوئے ہوتے جو کہ آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی بیٹی تھیں جو ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدالشّمس سے تھیں۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو اُسے نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُسے اٹھا لیتے

تشریح: اس باب میں ایک اور مثال دے کر یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ مسلم کی نماز کس قسم کی ہونی چاہیے۔ ایک چھوٹے بچے کو اُٹھا کر نماز پڑھنا اور اپنی نماز میں توجہ قائم رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ بچہ کبھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپؐ نماز میں ہی اس کو نیچے بھی رکھتے اور پھر کندھے پر اُٹھا بھی لیتے۔ مگر اس فعل سے آپؐ کی نماز میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ دونوں کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپؐ اس وقت لوگوں کو نمازِ فریضہ پڑھا رہے تھے۔ (مسلم. كتاب المساجد. باب جواز حمل الصبيان فی الصلاة) (ابو داؤد. كتاب الصلاة. باب العمل فی الصلاة)

فقہاء نے عملِ قلیل اور عملِ کثیر کی شرطیں خواہ مخواہ قائم کر کے شریعت کو ایک گورکھ دھندہ بنا دیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر تھوڑا سا عمل ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور بہت ہو تو ٹوٹ جاتی ہے۔ بعض مالکیوں کا خیال ہے کہ حضرت امامہؓ کا واقعہ آپؐ کے اس ارشاد سے پہلے کا ہے: اِنَّ فِیْ الصَّلٰوۃِ لَشُغْلًا. یعنی نماز میں بھی ایک بہت بڑی مشغولیت یعنی انہماک ہوتا ہے۔ مگر

محققین کی رائے ہے کہ یہ ارشاد ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت امامہؓ کو اُٹھانا بہت بعد کا (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۶۵) دراصل نماز کی ایسی شان ہے کہ اس میں عملِ قلیل وکثیر وغیرہ قیود کی ضرورت نہیں۔ شریعت نے نہ انسان کی کمزوریوں اور ضرورتوں کو نظر انداز کیا ہے اور نہ اس کے نصب العین اور غایۂ کمالی کو۔

عنوانِ باب میں عُنُقِهٖ کا لفظ نمایاں اسی لیے کیا گیا ہے کہ مسلم وغیرہ کی روایتوں میں عَاتِقِهٖ اور رَقَبَتِهٖ کے الفاظ آتے ہیں (فتح الباری جزء اول صفحہ ۷۶۳) کندھے پر اُٹھانے سے زیادہ توجہ خرچ کرنی پڑتی ہے بجائے وَلَدًا صَغِيْرًا کے جَارِيَةً کا لفظ بھی غالبًا اسی غلط مسئلہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے یعنی یہ کہ عورت اگر سامنے سے گزرے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کی اس نفرت کو مٹانے کے لیے ایسا کیا ہو جو انہیں لڑکیوں کے متعلق تھی۔ لڑکی کا پیدا ہونا ان کے لیے ایک ماتم ہوتا تھا۔

بَاب ١٠٧: إِذَا صَلَّى إِلَى فِرَاشٍ فِيْهِ حَائِضٌ

جب کوئی ایسے بستر ے کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھے جس میں حائضہ ہو

٥١٧: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ أَخْبَرَتْنِي خَالَتِي مَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ فِرَاشِيْ حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهُ عَلَيَّ وَأَنَا عَلَى فِرَاشِيْ.

۵۱۷: ہم سے عمرو بن زُرارہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں ہشیم نے شیبانی سے، شیبانی نے عبد اللہ بن شداد بن ہاد سے روایت کرتے ہوئے بتلایا۔ کہا: میری خالہ حضرت میمونہؓ حارث کی بیٹی نے مجھے بتلایا۔ کہتی تھیں کہ میرا بستر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہ کے قریب ہوتا۔ بسا اوقات آپؐ کا کپڑا مجھ پر آ پڑتا اور میں اپنے بستر میں ہوتی۔

٥١٨: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ تَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَأَنَا

۵۱۸: ہم سے ابونعمان نے بیان کیا، کہا: عبدالواحد ابن زیاد نے ہمیں بتلایا۔ کہا: شیبانی سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن شداد نے ہمیں بتلایا۔ کہا: میں نے حضرت میمونہؓ کو کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپؐ کے قریب

إِلَى جَنْبِهِ نَائِمَةٌ فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِيْ ثَوْبُهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَّزَادَ مُسَدَّدٌ عَنْ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ وَأَنَا حَائِضٌ.

آپؐ کے پہلو میں سوئی ہوتی۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو مجھے آپؐ کا کپڑا لگتا۔ حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔اور مسدد نے خالد سے روایت کرتے ہوئے یہ زائد کیا، کہا: ہم سے سلیمان شیبانی نے بیان کیا: ''حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔''

تشریح: جیسا کہ روایت نمبر ۲۹۶ کی شرح میں بتلایا جاچکا ہے کہ عربوں کے نزدیک حائضہ کا وجود ناپاک سمجھا جاتا تھا اس باب میں سابقہ مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے کہ بیرونی اشیاء بھی نمازی کی نماز پر اثر انداز نہیں ہوتیں خواہ وہ اپنے اندر ایک رنگ میں ناپاکی کا معنی بھی رکھتی ہوں۔

بَاب۱۰۸: هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُوْدِ لِكَيْ يَسْجُدَ

کیا آدمی سجدہ کرتے وقت اپنی بیوی کو دبا دے تا کہ وہ سجدہ کرلے

۵۱۹: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ بِئْسَمَا عَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ فَقَبَضْتُهُمَا.

۵۱۹: ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتلایا۔ کہا: عبیداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ کہتی تھیں: کیا ہی بُری بات ہے کہ تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے۔ میں نے خود اپنے آپ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی۔ جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو دبا دیتے تو میں اُن کو سکیڑ لیتی۔

تشریح: اس باب کے قائم کرنے سے یہ مسئلہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ آدمی نماز پڑھتے ہوئے اپنی بیوی کو دبائے یا نہ دبائے بلکہ سابقہ مسائل میں صرف استثناء کی صورت کو واضح کرنا مدنظر ہے۔ حضرت امامہؓ کا اُٹھانا کسی خاص ضرورت کے ماتحت تھا۔ سو جیسے اس واقعہ میں مسئلہ کی نوعیت محدود صورت رکھتی ہے ایسا ہی دیگر امور میں بھی۔ نیز ایک اور مثال دی گئی ہے جس میں نماز پڑھنے والے کی توجہ میں کم و بیش فرق پڑ سکتا ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے سامنے

سے لیٹا ہوا آدمی اپنے پاؤں سکیڑ لے تا وہ سجدہ کر سکے اور اس غرض کے لیے وہ اس کے پاؤں کو دباتا ہے اس کی توجہ ایک لحمہ بھر کے لیے نماز سے ہٹے گی مگر باوجود اس کے اُس کی نماز میں فرق نہیں آتا۔

هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُوْدِ: باب کے عنوان کو استفتاء کی صورت میں پیش کر کے درحقیقت اُن فقہاء کو ایک جواب دیا ہے جو عملِ قلیل اور عملِ کثیر کی فضول بحثوں میں جا پڑے ہیں اور بات بات پر مسئلہ بنا دیا ہے۔

سابقہ باب میں حائضہ سے کپڑا چھونے اور نماز میں خلل نہ آنے کا ذکر تھا اور اس باب میں عورت کے بدن کو چھونے کا ذکر ہے۔ یعنی اس کے سامنے ہونے سے نماز کا ٹوٹنا تو درکنار، اس کو چھونے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس ضمن میں روایت نمبر ۵۱۹ کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں: قَالَتْ بِئْسَمَا عَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ. عورتوں کے متعلق یہی زعمِ باطل ردّ کرنے کی خاطر اس سے پہلے باب ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷ قائم کیے گئے ہیں۔

غَمْز کے معنے آنکھ سے اشارہ کرنا یا ہاتھ سے خفیف سا دبانا۔

بَاب ۱۰۹: اَلْمَرْأَةُ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّيْ شَيْئًا مِنَ الْأَذَى

عورت نماز پڑھنے والے سے پلیدی اُتار کر پھینک دے

۵۲۰: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّرَّمَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِي مَجَالِسِهِمْ إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ أَلَا تَنْظُرُوْنَ إِلَى هَذَا الْمُرَائِيْ أَيُّكُمْ يَقُوْمُ إِلَى جَزُوْرِ آلِ فُلَانٍ فَيَعْمِدُ إِلَى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا فَيَجِيْءُ بِهِ ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتَّى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ فَلَمَّا سَجَدَ رَسُوْلُ اللهِ

۵۲۰: ہم سے احمد بن اسحاق سرماری نے بیان کیا، کہا: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا، کہا: اسرائیل نے ابو اسحاق سے، ابو اسحاق نے عمرو بن میمون سے، عمرو نے حضرت عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کا ایک گروہ مجلس لگائے ہوئے تھا۔ اتنے میں ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا: کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ تم میں سے کون آلِ فلاں کی قربانی کی اونٹنی کی طرف جائے اور اس کی لید اور خون اور اوجھڑی کو اکٹھا کر کے لے آوے۔ پھر اس کو اتنی ڈھیل دے کہ جب وہ سجدہ کرے تو اس کو اس کے دونوں کندھوں کے درمیان

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فَضَحِكُوْا حَتَّى مَالَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ مِّنَ الضَّحِكِ فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ إِلَى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ فَأَقْبَلَتْ تَّسْعَى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا حَتَّى أَلْقَتْهُ عَنْهُ وَأَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثُمَّ سَمَّى اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ وَّعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَّعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا إِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُتْبِعَ أَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً.

رکھ دے۔ اس پر اُن میں سے سب سے بدبخت جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اُسے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں ہی پڑے رہے اور وہ ہنسے یہاں تک کہ ہنسی کے مارے وہ ایک دوسرے پر جھک جھک پڑتے تھے۔ (یہ دیکھ کر) کوئی جانے والا حضرت فاطمہ علیہا السلام کی طرف گیا اور وہ اس وقت چھوکری تھیں تو وہ بھاگتی ہوئی آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں پڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے اس کو اُتار کر پھینک دیا۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر اُن کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! تو ہی قریش سے سمجھ۔ اے اللہ! تو ہی قریش سے سمجھ۔ اے اللہ! تو ہی قریش سے سمجھ۔ پھر آپؐ نے نام لیا۔ اے اللہ! عمرو بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید سے سمجھ۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے: اللہ کی قسم! میں نے خود اُن کو بدر کے دن پچھڑے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کو بدر کے کنوئیں میں گھسیٹ کر پھینکا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنوئیں والے لعنت کے نیچے ہیں۔

تشریح: اس باب میں ایک اور مثال دی گئی ہے جس میں مسئلہ کی پوری پوری وضاحت ہے۔ آپؐ کی پیٹھ پر بچہ دان بمعہ گندگی رکھا ہوا ہے۔ لوگ آس پاس قہقہے مارتے اور آپؐ پر پھبتیاں اُڑا رہے ہیں۔ ایک لڑکی آ کر آپؐ کی پیٹھ سے وہ گندگی اُتارتی ہے جس کا کچھ اثر جسم پر بھی لگا رہتا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپؐ کی نماز اپنے اندر قبولیت کی تمام شروط رکھتی ہے اور وہ قبولیت ایسا نمایاں اثر دکھلاتی ہے کہ دیکھنے والے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں: **وَ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ.** یہ واقعہ ایک زندہ مثال ہے اس عنوان کی: **لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ** ۔ اور جن کی نماز نماز ہی نہیں اس کو تو ذرا سی بیرونی حرکت بھی توڑ دیتی ہے۔ مسلمان کو اپنے نفس کے اندر ایسی معنوی کیفیت پیدا کرنی چاہیے کہ باہر کے حوادث اس پر اثر ہی نہ کریں۔ **رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ** ۔ (النور: ٣٨) {یعنی: ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے یا نماز کے قیام سے یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔}

۞۞۞۞۞۞۞

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ

بَاب ١ : مَوَاقِيْتُ الصَّلَاةِ وَفَضْلُهَا

نماز کے اوقات اور اس کی فضیلت

وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (النساء:١٠٤) مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ.

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نماز مومنوں کے لیے ایسا فرض ہے جو وقت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے کہ پابندئ اوقات کی جائے۔

٥٢١ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ مَا هَذَا يَا مُغِيْرَةُ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيْلَ نَزَلَ فَصَلَّى فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

۵۲۱: عبداللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے مالک کو پڑھ کر سنایا کہ ابن شہاب سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن نماز میں تاخیر کر دی تھی تو عروہ بن زبیر اُن کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جبکہ وہ عراق میں تھے ایک دن نماز میں تاخیر کر دی تو حضرت ابومسعود انصاریؓ ان کے پاس گئے اور کہا: مغیرہ! یہ کیا؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ جبرائیل (علیہ السلام) اُترے اور انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا أُمِرْتُ فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ اعْلَمْ مَّا تُحَدِّثُ أَوَ إِنَّ جِبْرِيْلَ هُوَ أَقَامَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الصَّلَاةِ قَالَ عُرْوَةُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ أَبِي مَسْعُوْدٍ يُّحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ.

پھر انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی پھر انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ پھر جبرائیل نے کہا: اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عمرؒ (بن عبدالعزیز) نے عروہ سے کہا: جو بات آپ بیان کرتے ہیں تحقیق کرلیں۔ کیا جبرائیل ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نماز کے اوقات مقرر کئے تھے؟ عروہ نے کہا: بشیر بن ابی مسعود اسی طرح اپنے باپ سے روایت کرتے تھے۔

۵۲۲: قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

۵۲۲: عروہ نے کہا: حضرت عائشہؓ نے بھی مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور ابھی دھوپ آپ کی کوٹھڑی میں ہوتی۔ یعنی پیشتر اس کے کہ وہ دیوار پر چڑھتی۔

تشریح: **مَوَاقِيْتُ الصَّلٰوةِ وَفَضْلُهَا:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عنوان باب میں مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دے کر روایت نمبر ۵۲۱ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نمازوں کے اوقات کی تعیین جبرائیلی تجلّی کے تحت ہوئی تھی۔ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ الاسراء کے دوسرے روز سورج ڈھلنے پر جبرائیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ۲ صفحہ ۷) لیث کی روایت میں (جو آگے آئے گی) یہ الفاظ ہیں: نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَأَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ. (كتاب بدء الخلق. باب ذكر الملائكة. روایت نمبر ۳۲۲۱) قرآن مجید میں بھی کئی جگہ اوقات مسنونہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ روم میں جو مکی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ (الروم: ۱۸-۱۹) یعنی اللہ کی تسبیح کرنی ہوگی اس وقت جب شام ہو اور جب تم صبح کے وقت اُٹھو اور اُسی کی ستائش ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے آخری حصے میں بھی اور اس وقت بھی جب ظہر ہو۔ **عَشِيًّا** دن کا آخری حصہ۔

سورج ڈھلنے سے لے کراُس کے ڈوبنے تک کوبھی عَشِيًّا کہتے ہیں۔نماز صبح وعصر کی تصریح اس آیت میں بھی کی گئی ہے: سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ o (قٓ :۴۰) علاوہ ازیں پانچوں اوقات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۹ میں بھی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا o سورج ڈھلنے سے لے کررات کی گہری تاریکی تک نماز قائم کراور صبح کے وقت قرآن پڑھنے کو بھی لازم رکھ کیونکہ صبح کو قرآن پڑھنا مقبول ہوتا ہے۔ دُ لُوْ كِ الشَّمْسِ: (سورج ڈھلنے) سے مراد ظہر کا وقت۔دُلُوْک کے معنی زرد پڑ جانے کے بھی ہیں یعنی عصر کا وقت۔دُلُوْک کے معنی غروب کے بھی ہیں یعنی شام کا وقت۔غَسَق سے مراد ابتدائی تاریکی بھی ہے یعنی شام کی اور گہری تاریکی بھی یعنی عشاء کا وقت۔اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے مراد صبح کی نماز۔روایت مذکورہ بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اوقاتِ نماز میں سے ہر وقتِ نماز کی تعیین علیحدہ علیحدہ جبرائیلی تجلی کے تحت ہوئی ہے اور یہ تعیین کہ کونسا حصّہ وقت کب شروع اور ختم ہوتا ہے اس کا بھی ذکر ضمناً قرآن مجید میں ہے۔مثلاً تہجد اور فجر کا تعیّن آیت حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَ بْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرۃ:۱۸۸) سے ظاہر ہے۔ظہر کا تعیّن سورج ڈھلنے سے۔عصر کا تعیّن سورج کی روشنی میں زردی ظاہر ہونے سے۔

وحی متلو کا مفہوم جبرائیلؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے عملاً ایسا واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی شبہ اور ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہی۔عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے مجدد بھی مانے گئے ہیں۔ان کا عروہ بن زبیر سے یہ کہنا: اِعْلَمْ مَا تُحَدِّ ثُ بِهٖ ☆ جو بات تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں علم حاصل کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اوقاتِ مقررہ میں سے کسی وقت کے ابتدائی یا درمیانی یا آخری حصوں میں تعمیلِ حکم کی رو سے کوئی فرق نہیں۔ظہر کی نماز خواہ ایک بجے یا دو بجے یا تین بجے پڑھی جائے،حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

عروہ نے بشیر بن ابی مسعود کی روایت سے استدلال چھوڑ کر حضرت عائشہؓ کا جو حوالہ دیا ہے اس سے نمازِ عصر کے وقت کی آخری حد بتانا مقصود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہوتی ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے عصر کی نماز میں دیر کر دی تھی۔(فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۶)

عروہ بن زبیر کی محولہ بالا روایت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اگرچہ مسئلہ زیر بحث ایک زمانہ میں اختلافی تھا۔مگر صحابہ کرامؓ ان اوقات کی خصوصیت سے پابندی کیا کرتے تھے جن اوقات میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اور وہ یقین رکھتے تھے کہ ان اوقات کی تعیین جبرائیلی تجلی کے تحت مکہ مکرمہ میں ہی ہو گئی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل روح القدس کی تجلی کے تحت تھا۔یہاں تک کہ آپ کا بھولنا بھی۔(تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۷۲ تا ۱۲۶) پس بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مسنونہ اوقات کو

☆ یہ عبارت طبعة بولاق کے مطابق ہے۔(دیکھئے فتح الباری جزء ثانی حاشیہ صفحہ ۵)

مقدم نہ کیا جائے۔ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا وہاں خود اپنے قول اور عمل سے وسعت اور سہولت دی ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ بابوں میں آئے گی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق مشہور ہے کہ پھر انہوں نے کبھی کسی نماز میں دیر نہیں کی اور یہ روایت ملحوظ رکھی۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۹) جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس وقت وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے امیر تھے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے عراق کے امیر۔ (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۶)

بَاب ۲ : مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَأَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ(الروم: ۳۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اُسی کی طرف جھکتے ہوئے اور تم اس کو سپر بناؤ اور نماز سنوار کر ادا کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو

۵۲۳ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ هُوَ ابْنُ عَبَّادٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا إِنَّا مِنْ هَذَا الْحَيِّ مِنْ رَّبِيْعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَّأْخُذُهُ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَّرَاءَ نَا فَقَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ الْإِيْمَانِ بِاللهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَأَنْ تُؤَدُّوْا إِلَيَّ

۵۲۳: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا، کہا: عباد نے جو عباد کے بیٹے ہیں ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو جمرہ سے۔ ابو جمرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ کہتے تھے کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے کہا کہ ہم اس ربیعہ قبیلے سے ہیں اور ہم آپؐ کے پاس محرم کے مہینہ میں ہی پہنچ سکتے ہیں۔ آپؐ ہمیں کوئی ایسا حکم دیجئے کہ جو ہم آپؐ سے سیکھ لیں اور ہم ان لوگوں کو بھی اس کی طرف بلائیں جو ہمارے پیچھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے روکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا۔ پھر آپؐ نے ان سے کھول کر بیان کیا کہ اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز ہمیشہ سنوار کر ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ اور یہ کہ جو

خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَأَنْهٰى☆ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالنَّقِيْرِ.

مال تم حاصل کرو اُس کا پانچواں حصہ مجھے دینا اور میں (تم کو☆) کدو کے تونبے اور لاکھے برتن اور روغنی رال والے برتن اور چوبی برتن سے منع کرتا ہوں۔

تشریح: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خاص وقت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تمام اوقات عبادت کے لیے موزوں اور مناسب ہیں۔ انسان کا جب دل چاہے اس کی عبادت میں مشغول ہو جائے۔ یہ درست ہے بلکہ اُس کی یاد تو کسی وقت بھی نہیں بھولنی چاہیئے۔ یہی منشاء اور حکم قرآنِ مجید کا ہے: وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (طٰہٰ: ۱۳۱) رات کی گھڑیوں میں بھی اور دن کے مختلف حصوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ اور فرماتا ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء: ۱۰۴) یعنی جب تم نماز پڑھ چکو تو پھر اللہ تعالیٰ کو اُٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹوں کے بل یاد کرتے رہو۔ گویا نماز ذکرِ الٰہی کی دائمی کیفیات پیدا کرنے کے لیے بطور ایک مشق اور تمہید کے ہے۔ قرآنِ مجید میں کثرت سے ایسی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی عبادت کے لیے جسے ذکرِ الٰہی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے کوئی خاص وقت نہیں۔ بلکہ اس میں ہر وقت مشغول رہنے کی ہدایت اور ترغیب دی گئی ہے۔ مگر اجتماعی عبادت کے لیے جس کا نام اَلصَّلٰوة ہے خاص وقت مقرر کئے گئے ہیں جن کی پابندی کے بغیر یہ نماز مقبول نہیں ہوتی اور وقت کی پابندی کا حکم انسان کی فطرت کو ملحوظ رکھ کر دیا گیا ہے کیونکہ انسان بغیر پابندئ وقت عبادت کیا کوئی کام بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ شعبہ ہائے زندگی میں سے کسی شعبہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان اس بات کا فطرتاً محتاج ہے کہ وہ قواعد اور وقت کی پابندی کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایک معین راستے پر چلنے کے لیے مجبور کرے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

روحانی جادۂ ترقی پر گامزن ہونے کے لیے بھی ہم اسی قانون کے محتاج ہیں اس فطرتی تقاضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت میں بھی اوقات کا پابند فرمایا ہے تا ہمارے اندر ذکرِ الٰہی کی لذت آمیز روحانی کیفیات دائمی طور پر پیدا ہو جائیں۔ جیسا کہ ارشاد اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طٰہٰ: ۱۵) سے واضح ہوتا ہے۔ اجتماعی عبادت کے ساتھ اوقات کی پابندی کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ تمام افرادِ اُمت کو ایک ہی وقت میں اپنی روحانی اور مادی اصلاح کے لیے ربّ العالمین کے حضور سوز و گداز سے مناجات کرنے کا موقع ملے اور ان کی مشترکہ دعا و ابتہال میں قوت و برکت پیدا ہو کر اس کو اللہ تعالیٰ کے حضور پذیرائی حاصل ہو اور اس سے افراد کی معنویات میں بھی اتحاد اور یک جہتی پیدا ہو جو عبادت کے لیے بھی ایسی ہی ضروری شے ہے جیسے ہر اجتماعی کام کے لیے۔ ہماری نماز بھی ایک اجتماعی عبادت ہے جیسا کہ اس کی دعا سورۂ فاتحہ کے صیغہ ہائے جمع اور ان کے معانی سے ظاہر ہے اور اگر اوقات کی پابندی نہ ہوتی تو یہ کام بھی اجتماعی شکل میں ظہور پذیر نہ ہو سکتا بلکہ ایک تفرقہ کی صورت نظر آتی۔

☆ نسخہ انصاریہ کے مطابق اس جگہ لفظ "اَنْهٰكُمْ" ہے۔ (فتح الباری جزء دوم حاشیہ صفحہ ۱۰) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

اسلام ایک عملی دین ہے اور اس نے عملی سہولت پیدا کرنے کے لیے اپنے اصول کی بنیاد فطرتی تقاضے پر رکھی ہے۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے کتاب مَوَاقِيْتُ الصَّلٰوةِ کے دوسرے باب کا عنوان ایک جامع آیت سے قائم کیا ہے اور وہ یہ ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَالنَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّ قُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ط كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ o (الروم: ۳۱-۳۳)

{پس (اللہ کی طرف) ہمیشہ مائل رہتے ہوئے اپنی توجہ دین پر مرکوز رکھ۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ قائم رکھنے والا اور قائم رہنے والا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ہمیشہ اس کی طرف جھکتے ہوئے (چلو) اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور نماز کو قائم کرو۔ اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کردیا۔ اور وہ فرقہ فرقہ (ہو چکے) تھے۔ ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا، اُس پر اترا رہے تھے۔}

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ کے الفاظ عنوان میں نمایاں کیے گئے ہیں تا اسلام کا مقصد اعلیٰ واضح طور پر سامنے آجائے۔ انابت الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور بار بار جھکنا اور وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّ قُوْا دِيْنَهُمْ یعنی ہر قسم کے شرک اور تفرقہ سے خالی ہونا۔ اَلصَّلٰوةُ مشتق ہے صَلَايَة سے۔ جس کے معنی ہیں آگ میں پڑنا۔ اشتقاق کے لحاظ سے اَلصَّلٰوة کے معنے سوز وگداز کے ہیں۔ یہ لفظ دعا کے معنوں میں اسی لیے استعمال ہوتا ہے کہ دعا میں بھی سوز وگداز ہوتا ہے۔

اس عظیم الشان عنوانِ توحید اور وحدت کے مطابق جو حدیث پیش کی گئی ہے، اس میں ایمان باللہ کی تشریح ہے یعنی شرک باری تعالیٰ کی نفی، توحید باری تعالیٰ کا اقرار، ایمان بالرسول اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی سب کو ایمان میں شامل کیا گیا ہے۔ گویا نماز کا قیام ایمان باللہ کی ضروری جزء ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کو اپنا معبود یقین کرنا اور یہ یقین عبادت کو مستلزم ہے اور یہ عبادت انہی اصولوں کے مطابق قائم کی جانی چاہیئے جن کا تقاضا فطرت بشریہ کرتی ہے۔ غرض اسلام نے اپنے تمام احکام میں فطرت کے اصول ہی مدنظر رکھے ہیں۔

بَاب ۳ : اَلْبَيْعَةُ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ

نمازسنوار کر پڑھنے کا عہد لینا

٥٢٤ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

۵۲۴: محمد بن مثنّٰی نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: اسماعیل نے ہم سے بیان کیا، کہا: قیس نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سنوار کر ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر ایک مسلمان کے لیے خیر خواہی کرنے کا عہد کیا۔

تشریح: اَقَامَ يُقِيْمُ اِقَامَة کے معنی کسی کام کو ٹھیک طور پر کرنا اور ہمیشہ جاری رکھنا (لسان العرب تحت لفظ قوم) خود لفظ الصَّلٰوة کا اشتقاق جہاں سوز و گداز کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے وہاں دوام کا مفہوم بھی (لسان العرب تحت لفظ صلی) مبتدی کی نماز کمزور حالت میں ہوتی ہے۔ اسی کمزوری کو مدنظر رکھ کر اِقَامَةُ الصَّلٰوة کے یہ معنی ہونگے کہ نماز ٹھیک طرح ادا کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبایعین سے توحید اور رسالت کا اقرار لینے کے بعد نماز سنوار کر پڑھنے کی بیعت لیا کرتے تھے۔

بَاب ٤ : اَلصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ

نماز ایک کفارہ ہے

٥٢٥ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيْقٌ قَالَ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ

۵۲۵: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتایا کہ اعمش سے روایت ہے۔ کہا: شقیق نے مجھ سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت حذیفہؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا: تم میں سے کون فتنہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد رکھتا ہے؟ میں نے کہا: میں ویسے ہی جیسے کہ آپؐ نے

قُلْتُ أَنَا كَمَا قَالَهُ قَالَ إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ قُلْتُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ قَالَ لَيْسَ هَذَا أُرِيْدُ وَلَكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُّغْلَقًا قَالَ أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ قَالَ يُكْسَرُ قَالَ إِذًا لَّا يُغْلَقُ أَبَدًا قُلْنَا أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا أَنَّ دُوْنَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ فَهِبْنَا أَنْ نَّسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ الْبَابُ عُمَرُ.

فرمایا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا: تم تو آنحضرت ﷺ پر یا کہا روایت کرنے پر بہت ہی دلیر ہو۔ میں نے کہا: آدمی کو ابتلا اُس کی بیوی اور اُس کے مال اور اُس کی اولاد اور اُس کے پڑوسی کی وجہ سے آتا ہے۔ نماز، روزہ، صدقہ اور نیکیوں کا حکم کرنا اور بدیوں سے روکنا اس ابتلا کو دور کر دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میری مراد اس سے نہیں بلکہ اس فتنے سے ہے جو اس طرح موجیں لے گا جس طرح سمندر۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: امیر المومنین! آپ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند کیا ہوا دروازہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: کیا وہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے؟ انہوں نے کہا: توڑا جائے گا تو حضرت عمرؓ نے کہا: تب تو کبھی بھی بند نہیں ہوگا۔ ہم نے کہا: کیا حضرت عمرؓ اس دروازے کو جانتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: ہاں (وہ اُسے ایسا ہی جانتے تھے) جیسا یہ کہ کل سے پہلے رات ہے۔ میں نے ان سے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جو ہرگز غلط نہیں ہے۔ ہم جھجکے کہ حضرت حذیفہؓ سے پوچھیں۔ اس لیے ہم نے مسروق سے کہا اور انہوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ دروازہ حضرت عمرؓ ہی تھے۔

٥٢٦: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ

۵۲۶: قتیبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: یزید بن زُرَیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سلیمان تیمی سے، سلیمان نے ابوعثمان نہدی سے، ابوعثمان نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ ایک آدمی نے کسی عورت

قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ(هود: ۱۱۵) فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلِي هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ.

کا بوسہ لیا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کو بتایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ. دن کے دونوں پہروں میں نماز سنوار کر ادا کرو اور رات کے بعض حصوں میں بھی۔ کیونکہ نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں تو اس آدمی نے پوچھا: کیا یہ میرے لیے ہے؟ فرمایا: میری ساری امت کے لیے۔

تشریح: کتاب الوضوء باب ۲۴ روایت نمبر ۱۵۹ کی تشریح دیکھئے۔ اُس میں اس کفارہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کفارہ کے معنی وہ عمل جو گناہ کو چھپا دے یا اس کو مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِيْنَ (هود: ۱۱۵) یعنی دن کے دونوں ابتدائی اور آخری وقتوں میں نماز قائم کرو اور رات کے بعض حصوں میں بھی۔ کیونکہ نیکیاں بدیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

فِتْنَةٌ کے لغوی معنی امتحان لینا، آزمانا، کُندن کرنا، کھرے کھوٹے میں تمیز کرنا اور اس بُرے نتیجہ کو بھی کہتے ہیں جو امتحان کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ (لسان العرب تحت لفظ فتن) حدیث کے یہ معنی ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے انسان معصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔ (لسان العرب تحت لفظ حدث) لیکن نیکیوں کے ذریعے سے وہ گناہ کے اثرات کو مٹا سکتا ہے۔ توبہ اور استغفار کا بھی یہی مفہوم ہے۔ (دیکھئے کتاب الایمان شرح باب ۲۵: قیام لیلة القدر من الایمان روایت نمبر ۳۵) تبتّل محض یعنی دنیا کے ہر قسم کے تعلقات سے الگ ہو جانا نیکی نہیں بلکہ میدانِ عمل میں رہ کر پھر کڑی آزمائش کی کسوٹی پر درست اترنا نیکی ہے۔ حقوق النفس وحقوق العباد وحقوق اللہ کی کش مکش ہی ہے جس نے دنیا کی زندگی کو دارالابتلاء بنا دیا ہے۔ جو شخص ان مختلف حقوق میں توازن قائم رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے وہی آزمائش میں پورا اُترتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے اس فتنہ کے متعلق ارشاد نبویؐ سن کر فرمایا کہ میری مراد اس فتنہ سے نہیں۔ یہ امتحان اور آزمائش تو وہ فتنے ہیں جو روزمرہ ہوتے ہیں بلکہ میری مراد اس عظیم الشان فتنے سے ہے جو مسلمانوں میں سمندر کی طرح موجزن ہوگا اور یہ وہی فتنہ تھا جس کا ظہور حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت ہو کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ایام میں اور پھر اُس کے بعد نہایت ہیبت ناک صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ کتاب الزکاۃ باب ۲۳: الصدقة تكفر الخطيئة روایت نمبر ۱۴۳۵ میں بھی اس کا ذکر مفصل آئے گا۔ دروازہ توڑنے سے مراد حضرت عمرؓ کا شہید کیا جانا ہے۔ ان دو قسم کے فتنوں میں سے ایک کی تعیین کرنے کے لیے روایت نمبر ۵۲۶ لائی گئی ہے یعنی نماز بروقت اور کماحقہٗ نہ پڑھنے یا اس کو ضائع کر دینے کے ساتھ

جس فتنہ کا تعلق براہِ راست ہے وہ یہی بیوی بچوں اور مال وغیرہ کا فتنہ ہے۔انہی کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں سُست اور غافل ہوجاتا ہے۔

روایت نمبر ۵۲۶ میں جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ سورۂ ہود آیت نمبر ۱۱۵ ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی مگر مذکورہ بالا واقعہ مدینہ کا ہے جیسا کہ ترمذیؒ وغیرہ کی روایتوں میں تصریح ہے۔(ترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورۃ ہود) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ کے الفاظ بمعنی تطبیق استعمال کئے گئے ہیں یعنی آپؐ نے اس آیت کا حوالہ دے کر نیکیوں کی ترغیب دی۔

بَاب ٥: فَضْلُ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا

اپنے وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت

٥٢٧: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ {رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ☆} وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهُ لَزَادَنِي.

٥٢٧: ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا، کہا: ولید بن عَیزار نے مجھے بتایا۔ وہ کہتے تھے: میں نے ابوعمرو شیبانی کو یہ کہتے سنا کہ اس گھر والے نے ہمیں بتایا اور انہوں نے حضرت عبداللہؓ کے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے؟ فرمایا: نماز وقت پر پڑھنا۔ انہوں نے کہا: پھر کونسا؟ فرمایا: پھر والدین سے اچھا سلوک کرنا۔ انہوں نے کہا: پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (حضرت عبداللہؓ) نے کہا کہ (رسول اللہ ﷺ نے ☆) یہ (تین باتیں) مجھے بتائیں اور اگر میں آپؐ سے اور پوچھتا تو آپؐ مجھے اور بتاتے۔

تشریح: عنوان باب ۵ میں عَلٰی وَقْتِهَا کی جگہ لِوَقْتِهَا رکھا گیا ہے۔تا ضمناً اُس مضمون کی طرف توجہ دلائی جائے جو کتاب المواقیت کے پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے۔یعنی نماز پڑھنے کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ وقت پر

☆ الفاظ "رَسُوْلُ اللهِ ﷺ" نسخہ بولاق کے مطابق ہیں۔(فتح الباری جزء ثانی حاشیہ صفحہ ۱۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

پڑھی جائے۔ وقت کے بعد نماز پڑھنے سے وہ مقصد غائب ہوجاتا ہے جس کو مدنظر رکھ کر وقت کی پابندی کی شرط لگائی گئی ہے۔

سوال اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ کا جواب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہ سائل کو مدنظر رکھ کر دیا ہے۔ مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سے یہ سوال مختلف لوگوں نے پوچھا اور آپؐ نے سوال کرنے والے کی حالت اور موقع و محل کی مناسبت سے اس کا جواب بھی مختلف دیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کی اشد ضرورت تھی تو اس وقت آپؐ نے جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا۔ (بخاری کتاب العتق باب ایّ الرقاب افضل روایت نمبر ۲۵۱۸) نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ نماز صدقہ سے افضل ہے مگر ایک مضطر کے لیے صدقہ کا انتظام کرنا افضل ہوگا خواہ نماز میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے۔ یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص حالات مدنظر رکھ کر جواب دیا ہے یعنی حقوق اللہ میں نماز جو وقت پر پڑھی جائے سب سے پیارا عمل ہے۔ حقوق القربیٰ میں والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور حقوق العباد میں بندگانِ خدا کی روحانی اصلاح میں کوشاں رہنا۔

پوچھنے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بغیر کنیت سے یہی مراد ہوتے ہیں۔

بَاب ٦ : اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ {لِلْخَطَايَا☆ }

پانچ نمازیں (خطاؤں کا☆) کفارہ ہوتی ہیں

إِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا.

جب انہیں اپنے وقت پر باجماعت اور بغیر جماعت پڑھے۔

٥٢٨ :حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُوْلُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ قَالُوْا لَا

۵۲۸: ابراہیم بن حمزہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابن ابی حازم اور دراوردی نے مجھے بتایا۔ انہوں نے یزید سے، یزید نے محمد بن ابراہیم سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے۔ ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے کے پاس ندی ہو جس میں وہ ہر روز پانچ دفعہ نہائے۔ تمہارا کیا خیال ہے یہ (نہانا) اس کی کچھ میل باقی رہنے

☆ لفظ "لِلْخَطَايَا" نسخہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء ثانی حاشیہ صفحہ ۱۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا قَالَ فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا.

دے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی میل بھی نہیں رہنے دے گا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ پانچوں نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

تشریح: کسی ایک نماز کو باہمہ شروط پڑھ لینے اور باقی نمازوں میں سستی اور غفلت کرنے سے روحانی اصلاح کی تکمیل نہیں ہوتی۔ پانچوں نمازیں ہر روز اس طریق پر پڑھی جائیں جو پڑھنے کا حق ہے ورنہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ ہر مقصد کے حصول کے لیے عملِ پیہم اور التزام شرط ہے۔

بَاب ۷: تَضْيِيْعُ الصَّلَاةِ عَنْ وَّقْتِهَا

نماز کو اپنے وقت سے ضائع کر دینا

۵۲۹: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ الصَّلَاةُ قَالَ أَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَّا صَنَعْتُمْ فِيْهَا.

۵۲۹: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا، کہا: مہدی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے غیلان سے، غیلان نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ان باتوں میں سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھیں میں اب کچھ بھی نہیں پہچانتا۔ کہا گیا: نماز (جو ہے) حضرت انسؓ نے کہا: کیا تم نے اس میں بھی وہ کچھ نہیں کیا جو کیا ہے۔

۵۳۰: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ أَخِي عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقُلْتُ مَا

۵۳۰: عمرو بن زُرارہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالواحد بن واصل ابوعبیدہ حداد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عثمان بن ابی رواد؛ عبدالعزیز کے بھائی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے زہریؒ کو کہتے سنا کہ میں دمشق میں حضرت انسؓ بن مالک کے پاس آیا اور وہ رو رہے تھے۔ میں نے کہا: آپ کو کیا

يُبْكِيْكَ فَقَالَ لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلَاةَ وَهَذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ وَقَالَ بَكْرٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ نَحْوَهُ.

بات رُلا رہی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جن باتوں کو میں نے پایا تھا اُن میں سے کسی بات کو بھی نہیں دیکھتا سوا اس نماز کے اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔ اور بکر (بن خلف) نے کہا: ہم سے محمد بن بکر بُرسانی نے بیان کیا کہ عثمان بن ابی روّاد نے ہمیں اسی طرح بتایا۔

تشریح: نماز ضائع کرنے سے مراد نماز پڑھنے میں اتنی دیر کر دینا کہ اس کا وقت نکل جائے یا اس کے بعد پڑھنا۔ وقت کے بعد پڑھنا گویا اس کو ضائع کر دینا ہے: اَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَّا صَنَعْتُمْ فِيْهَا سے یہی مراد ہے کہ اس زمانہ میں امراء اسلام نے جو نماز کی حفاظت کے سب سے پہلے ذمہ دار تھے۔ اوقات نماز کی پابندی میں کمی کر دی تھی۔ یہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ امارت ہے یعنی پہلی صدی کا اخیر۔ جن واقعات کی بناء پر حضرت انس بن مالکؓ کو افسوس کا اظہار کرنا پڑا اُن کا مختصر ذکر علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری (جزء ثانی صفحہ ۱۹-۲۰) میں کیا ہے۔ ان روایتوں سے امراء کے بعض دفعہ نماز بہت دیر کر کے پڑھنے کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس دیر کے سبب کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اُس وقت خلیفہ یا امیر یا حاکم اعلیٰ ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔ باب ۳۶: مَن صلّى بالنّاس جماعةً بعد ذهاب الوقتِ روایت نمبر ۵۹۶ سے ظاہر ہے کہ بعض وقت تاخیر کے جائز وجوہ بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی حضرت ابن عباسؓ کی روایت نمبر ۵۴۳ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض وقت نمازیں جمع کیں۔ مگر جس حالت کو دیکھ کر حضرت انسؓ رو پڑے ہیں وہ غیر معمولی معلوم ہوتی ہے اور احکامِ الٰہی کی پابندی کا جو شوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا وہ بعد کے زمانہ میں نہ رہا۔ بعض نسخوں میں صَنَعْتُمْ کی جگہ ضَيَّعْتُمْ ہے۔ (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۱۹)

بَاب ۸: اَلْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

نماز پڑھنے والا اپنے ربّ عزوجل سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے

۵۳۱: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا

۵۳۱: مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے۔ قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب نماز

يَتْفِلَنَّ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلٰكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ شُعْبَةُ لَا يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ وَقَالَ حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْزُقْ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

پڑھتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے مناجات کرتا ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ اپنی دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں پاؤں کے نیچے۔ اور سعید نے کہا: قتادہ سے مروی ہے کہ اپنے آگے یا اپنے سامنے نہ تھوکے۔ بلکہ اپنے بائیں یا اپنے قدموں کے نیچے اور شعبہ نے کہا: اپنے آگے اور اپنی دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے اور حُمید نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا: قبلہ کی طرف نہ تھوکے اور نہ اپنی دائیں طرف بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے۔

۵۳۲: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ.

۵۳۲: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا، کہا: یزید بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: قتادہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: سجدے میں اپنے جسم کو ٹھیک رکھو اور کتے کی طرح (کوئی) اپنے بازو نہ پھیلائے اور جب تھوکے تو اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ اپنی دائیں طرف کیونکہ وہ اپنے ربّ سے راز و نیاز کی باتوں میں مشغول ہوتا ہے۔

تشریح: نَـاجِي يُنَاجِي مُنَاجَاةً وَّنِجَاءً کے معنی علیحدہ ہو کر راز کی بات کرنا۔ نماز میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسا نمازی تمام دھندوں اور فکروں سے خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے۔

یہ باب قائم کرنے سے اس جذبہ شوق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جو ایک مومن کے دل میں نماز کے لیے ہونا چاہیئے کیونکہ اس کو اس ذات کے ساتھ مخاطب ہونے کا موقع ملتا ہے جو رب العالمین ہے۔ کسی بڑے آدمی کی ملاقات کے

لیے گھنٹوں انتظار کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے شرف یاب ہونے کے لیے کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔
باب مذکورہ بالا کے ضمن میں فَلَا يَتْفُلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ. قُدَّامَهُ. فِيْ الْقِبْلَةِ. اِعْتَدِلُوْا فِي السَّجُوْدِ. وَلَا يَبْسُطْ ذِرَاعَيْهِ كَا لْكَلْبِ کے حوالے جو کثرت سے دیئے گئے ہیں۔ وہ اس لیے کہ تا یہ امر ذہن نشین کیا جائے کہ نماز میں مناجات مجازاً نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ نماز میں تھوکنے کی ممانعت اور بیٹھنے وغیرہ میں ظاہری آداب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت بتاتی ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے شرف یابی اور مناجات اپنے ساتھ حقیقت رکھتی ہے۔ اس لیے اس مناجات کے آداب کا یہ تقاضا بھی ہے کہ انسان حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة کی تعمیل میں وقت پر حاضر ہو جائے۔
(مزید تشریح کے لیے دیکھئے کتاب الصلوٰۃ باب ٣٧-٣٨)

بَاب ٩ : اَلْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

گرمی کی شدت کی وجہ سے ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا

٥٣٣-٥٣٤: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَنَافِعٌ مَّوْلَى عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

٥٣٣-٥٣٤: ایوب بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابوبکر نے ہمیں بتایا: سلیمان سے مروی ہے کہ صالح بن کیسان نے کہا: عبدالرحمٰن اعرج وغیرہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولیٰ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کی کہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے اس کو بتایا کہ آپؐ نے فرمایا: جب گرمی شدت کی ہو تو نماز ٹھنڈے وقت پڑھ لیا کرو کیونکہ گرمی کی شدت بھی جہنم کی ایک لپٹ ہے۔

٥٣٥: حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ

٥٣٥: ابن بشّار نے ہم سے بیان کیا، کہا: غُندر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا: مہاجر ابی حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے زید بن

وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَالَ أَبْرِدْ أَبْرِدْ أَوْ قَالَ انْتَظِرْ انْتَظِرْ وَقَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ.

وہب کوحضرت ابوذرؓ سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کے وقت اذان دی تو آپؐ نے فرمایا: ٹھنڈ ہونے دو، ٹھنڈ ہونے دو۔ یا فرمایا: انتظار کرو، انتظار کرو۔ اور فرمایا کہ گرمی کی شدت بھی جہنم کی ایک لپٹ ہے جب گرمی شدت کی ہوتو نماز ٹھنڈے وقت پڑھو۔ (ہم نے انتظار کیا) یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔

٥٣٦: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

۵۳۶: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا، کہا: سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: ہم نے زہریؒ سے یہ حدیث یاد رکھی ہے۔ وہ سعید بن مسیّب سے، سعید حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: جب گرمی سخت ہوتو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ گرمی کی سختی بھی جہنم کی لپٹ ہے۔

٥٣٧: وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ.

۵۳۷: اور آگ نے اپنے ربّ کے پاس شکایت کی اور کہا: اے میرے ربّ میرا ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھا گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانسوں کی اجازت دی۔ ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں اور یہ سانس سخت ترین گرمی ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور سخت ترین سردی ہے جو تم محسوس کرتے ہو۔

۵۳۸ :حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ تَابَعَهُ سُفْيَانُ وَيَحْيَى وَأَبُوعَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ.

۵۳۸: ہم سے عمر بن حفص نے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے ہمیں بتایا، کہا: اعمش نے ہم سے بیان کیا، (کہا:) ابو صالح نے ہمیں بتایا: حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت بھی جہنم کی ایک لپٹ ہے۔ اور سفیان اور یحییٰ اور ابوعوانہ نے بھی اعمش سے روایت کرتے ہوئے اسی طرح بیان کیا۔

تشریح: پابندیٔ اوقات سے متعلق تمہیدی ابواب قائم کرنے کے بعد استثنائی حالات کو لیا ہے جن میں نماز وقت کے اندر آخر وقت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اُن میں سے ایک استثنائی حالت شدت گرمی ہے۔ اس میں نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا ارشاد ہے کیونکہ سخت گرمی میں طبیعت پریشان و بے قرار ہوتی ہے اور ذہن میں وہ سکون و اطمینان نہیں ہوتا جو نماز کے کے لیے ضروری ہے۔

حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ (روایت:۵۳۵): روایت نمبر ۵۳۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن نے حکم کی تعمیل میں کچھ دیر انتظار کیا اور ایک حد تک گرمی کی حدّت میں تخفیف دیکھ کر پھر آذان دینی چاہی تو آپؐ نے اُسے پھر روک دیا۔ جس پر اور انتظار کیا گیا۔ یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے دیکھے گئے۔ کتاب الاذان (باب الاذان للمسافر. روایت نمبر ۶۲۹) میں یہ روایت ایک اور سند سے بھی نقل کی گئی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: حَتّٰى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُوْلَ یعنی سائے ٹیلوں کے برابر ہو گئے۔ تَلٌّ ایسے ٹیلے کو کہتے ہیں جو زمین پر پھیلا ہوا ہو۔ اُس کی چوٹی اونچی نہیں ہوتی اس لیے اس کا سایہ جلدی ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ روایت ٹھنڈے وقت کا ایک موٹا اندازہ بتانے کے لیے لائی گئی ہے۔ تین چار بجے کے درمیان کا وقت معلوم ہوتا ہے۔

روایت نمبر ۵۳۷ (فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ) کا مفہوم واضح کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔ اس باب میں دو مختلف روایتیں (۵۳۶-۵۳۷) اکٹھی (ایک سند سے) نقل کی گئی ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ سے علیحدہ علیحدہ مروی ہیں۔ کتاب بدء الخلق. باب صفة النار روایت نمبر ۳۲۶۰ میں وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا کی جو روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کسی اور موقع پر فرمائی تھی۔ یہاں پر فَيْحِ جَهَنَّمَ کی وضاحت کرنے کے لیے بطور تعلیق (یعنی بطور حوالہ) نقل کی گئی ہے۔ جہنم کی تشریح اپنے موقع پر کی جائے گی۔

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں آگ کے شکوہ سے متعلق مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے علامہ بیضاویؒ کی رائے کا

اظہار بایں الفاظ کیا ہے: رَجَّحَ الْبَيْضَاوِيُّ حَمْلَهُ عَلَى الْمَجَازِ فَقَالَ شَكْوَاهَا مَجَازٌ عَنْ غَلَيَانِهَا وَاَكْلُهَا بَعْضُهَا بَعْضًا مَجَازٌ عَنِ ازْدِحَامِ اَجْزَائِهَا وَتَنَفُّسُهَا مَجَازٌ عَنْ خُرُوْجِ مَا يَبْرُزُ مِنْهَا. (فتح الباری جزءثانی صفحہ ۲۶) یعنی مذکورہ بالا الفاظ میں حقیقت بصورت مجاز بیان کی گئی ہے۔ آگ کی شکایت سے مراد اس کا جوش وخروش ہے اور اس کے ایک حصہ کا دوسرے کو کھانے سے مراد وہ تلاطم ہے جو اس کے اجزاء میں پیدا ہوتا ہے اور سانس لینے سے مراد انتشارِ حرارت ہے۔ نَفَسَ کے معنی باہر پھینکنا۔ (لسان العرب۔ تحت لفظ نفس)

یہ تشریح بہت حد تک معقول ہے جو امر واقعہ پر مبنی ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر روز کرتے ہیں۔ مجازی پیرایۂ بیان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ حقیقت ہوتی ہے تو مجاز کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ سارا عالم ان عناصر کا ایک مظاہرہ ہے جو نہایت عظیم الشان طاقتیں ہیں۔ ان میں سے ہر عنصر بالطبع اپنے دائرہ حدود سے نکلنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان عناصر کی روک تھام کا کوئی انتظام نہ کرتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا کا تماشا ہم دیکھ لیتے۔ ان عناصر کو بے حد طاقتیں بخش کر ربّ العالمین نے ان کے جکڑنے کا ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ وہ مفید صورت میں کام کر رہی ہیں اور یہ قادرانہ تصرف ثبوت ہے رب العالمین کی ہستی کا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: (سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲۔ صفحہ ۱۱۷ تا ۱۴۸) (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۵۔ حاشیہ صفحہ ۸۵-۸۷)

عناصر میں سے آگ وہ عنصر ہے جس میں ہم سب سے زیادہ تلاطم پاتے ہیں۔ اس کا ایک مظہر تو ہماری مختلف قسم کی آگیں ہیں اور دوسرا مظہر یہ سورج ہے اور تیسرا مظہر وہ طبقۂ بشر ہے جسے جَآنّ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے: وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن: ۱۶) یعنی جَآنّ کو آگ کے ایسے شعلے سے پیدا کیا ہے جو بھڑکنے والا ہے یعنی اُن کی ایسی سرشت ہے جس میں مشتعل ہونے کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس طبقۂ ناری کی آگ کے مظاہر خود بنی نوعِ بشر میں موجود ہیں جن کی ناری سرشت نے آگ کی نہایت خطرناک صورتیں ظاہر کی ہیں اور آج ہمارے زمانے میں اس آگ کا ظہور اُن جنگوں میں ظاہر ہو چکا ہے جو آگ کے ذریعے سے لڑی جاتی ہیں اور اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا کا مصداق ہیں۔ افرادِ بشری میں بھی جب قوتِ غضبیہ کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو اُن کا نفس بھی اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا کا ایک نظارہ پیش کرتا ہے جب وہ غیظ وغضب میں غلطاں و پیچاں ہوتا ہے۔ ایک فرد کی یہ حالت بھی اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا کا مصداق ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی صداقت اِن مختلف مظاہر میں عیاں ہے۔ اس ہنگامہ آرا تلاطم کا ظہور سوائے اُس تصادم وانتشارِ حرارت کے اور ہمیں نظر نہیں آتا اور یہ ایک طبعی انتظام ہے جس کے ذریعہ سے حرارت اِدھر اُدھر تقسیم ہوتی رہتی ہے اور اس حکیمانہ تقسیم سے خالق نے مخلوق کو اُس کے مضرات سے محفوظ اور فوائد سے متمتع فرمایا ہے۔ اِس انتشار میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ جو ہمیں ملتا ہے اس کا ایک ظہور تو موسمِ گرما میں ہوتا ہے جو بصورتِ افراط ظاہر ہوتا ہے اور ایک ظہور موسمِ سرما میں ہوتا ہے جو بصورتِ تفریط ظاہر ہوتا ہے جبکہ سورج کی گرمی کا انتشار ہماری طرف کم کر دیا جاتا ہے جس سے سخت سردی ہوتی ہے۔ یہ دونوں مظاہر آگ کے عنصر کے ساتھ وابستہ ہیں جو ہمارا مشاہدہ ہے۔ اگر اس عنصر کے

انتشار کا یہ انتظام نہ ہوتا تو سارا عالَم کُرّہ جہنم بن جاتا یا کُرّہ زمہریر۔ ہر افراط کا ایک اپنا ردّ فعل ہوتا ہے جو خود عنصر کے وجود کو معرضِ اضمحلال میں ڈال دیتا ہے۔ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا کا جملہ افراط کے اسی طبعی میلان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہر عنصر میں پایا جاتا ہے اور کسی مخلوق کو شکایت پیدا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ طبعی اعتدال سے اِدھر اُدھر ہٹ رہی ہے۔

غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا حوالہ برمحل دے کر ضمناً فَيْحِ جَهَنَّم کی تشریح کردی ہے اور بتایا ہے کہ سخت گرمی کو جہنم کی لپٹ کہا ہے۔ یہاں آگ کو جہنم کا مظہر اکبر قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی آیت حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں سخت گرمی اور سخت سردی کے دونوں مظاہرے پائے جاتے ہیں۔(النبأ:۲۶) ایک روایت میں آتا ہے: نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ (بخاری کتاب بدء الخلق. باب صفة النار وأنها مخلوقة: ۳۲۶۵) یعنی ہماری یہ آگ جہنم کا ستّرواں (۱/۷۰) حصہ ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے تشریح کتاب بدء الخلق. باب۱۰: صفة النار وأنها مخلوقة. روایت نمبر۳۲۶۵)

تَابَعَهُ سُفْيَانُ.... (نمبر۵۳۸): روایت نمبر۵۳۶-۵۳۷ کے الفاظ دیکھنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا اس وقت فرمایا تھا جب آپؐ نماز ٹھنڈے وقت پڑھنے کی ہدایت فرما رہے تھے۔ اس غلط فہمی سے بچانے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ الگ روایت ہے، روایت نمبر۵۳۸ کا اعادہ کر کے اس کے آخر میں سفیان ثوریؒ کا حوالہ دیا گیا ہے کیونکہ سابقہ روایت (نمبر۵۳۶) بھی انہی کی سند سے بیان کی گئی ہے۔ سفیان ثوریؒ کی روایت میں جو کہ کتاب بدء الخلق باب ۱۰: صفة النار وأنها مخلوقة. روایت نمبر۳۲۵۹ میں درج ہے، وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا کے الفاظ نہیں۔

بَاب ۱۰ : اَلْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

سفر میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا

۵۳۹: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الْحَسَنِ مَوْلًى لِبَنِي تَيْمِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُّؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

۵۳۹: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: مہاجر ابوحسن نے جو کہ بنی تیم اللہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی صلی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَفَيَّؤُا (النحل: ٤٩) يَتَمَيَّلُ.

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھنڈا ہونے دو۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گرمی کی شدت بھی جہنم کی ایک لپٹ ہے۔ جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت پر پڑھا کرو اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: یَتَفَیَّؤُا کے معنے یَتَمَیَّلُ کے ہیں یعنی سائے ڈھلتے ہیں۔

تشریح: باب۱۰ اروایت نمبر۵۳۹ سے روایت نمبر۵۳۵ کی مزید وضاحت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تاخیر جو نمازِ ظہر میں کی تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپؐ سفر میں تھے۔ گویا سفر بھی ایک استثنائی حالت ہے جسمیں نماز ابتدائی وقت میں یا آخر وقت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اس باب سے یہ نہ سمجھا جائے کہ گویا ٹھنڈے وقت کے انتظار کی خصوصیت سفر کے ساتھ ہی ہے۔ سابقہ روایتیں مطلق اجازت سے متعلق ہیں۔ الفاظ حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس قدر دیر کردی تھی کہ یہ عصر کے قریب کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ امام موصوفؒ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپؐ سفر میں تھے اور سفر میں نمازیں جمع کرلی جاتی تھیں۔ آیت يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ (النحل :۴۹) کی تفسیر کا حوالہ بھی اسی لئے دیا گیا ہے تا قارئین کو اصل مقصد کی طرف توجہ دلائیں۔ فَیْءٌ اُس سایہ کو کہتے ہیں جو سورج ڈھلنے کے ساتھ ایک جہت سے ہٹ کر دوسری جہت کی طرف پھیلتا ہے۔

بَاب ١١ : وَقْتُ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

ظہر کا وقت سورج ڈھلنے پر ہوتا ہے

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالْهَاجِرَةِ.

اور حضرت جابرؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔

٥٤٠: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ

۵۴۰: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتایا کہ زہری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت انسؓ بن مالک نے مجھے بتایا کہ رسول

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ فَذَكَرَ أَنَّ فِيْهَا أُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ فَلَا تَسْأَلُوْنِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَّا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَأَكْثَرَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِي فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوْكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ.

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھل گیا تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی اور منبر پر کھڑے ہوئے اور موعودہ گھڑی کا ذکر کیا اور فرمایا: اس میں بڑے بڑے واقعات ہوں گے۔ پھر فرمایا: جو شخص کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھ لے۔ تم جو کچھ بھی مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں بتاؤں گا جب تک کہ میں اپنے اس مقام میں ہوں تو لوگ بہت روئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ فرمایا کہ مجھ سے پوچھو اس پر حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی اٹھے اور کہا: میرا باپ کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: حذافہ۔ پھر آپؐ نے بہت دفعہ فرمایا کہ مجھ سے پوچھو۔ اس پر حضرت عمرؓ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا: ہم راضی ہیں کہ اللہ ہمارا ربّ اور اسلام ہمارا دین اور محمدؐ ہمارے نبی ہیں۔ آپؐ خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا: جنت اور آگ ابھی اس دیوار کی چوڑائی میں میرے سامنے پیش کی گئی تھیں تو میں نے ایسا خیر و شر کبھی بھی نہیں دیکھا۔

٥٤١: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ

۵۴۱: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابومنہال سے۔ ابومنہال نے حضرت ابو برزہؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا کرتے اور (حالت یہ ہوتی کہ) ہم میں سے ایک اپنے ساتھی کو پہچان سکتا اور آپؐ اس

جَلِيْسَهُ وَيَقْرَأُ فِيْهَا مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَلَا يُبَالِيْ بِتَأْخِيْرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ وَقَالَ مُعَاذٌ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ لَقِيْتُهُ مَرَّةً فَقَالَ أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ.

نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔ جب سورج ڈھل جاتا تو ظہر پڑھا کرتے اور اسی طرح عصر ایسے وقت میں پڑھتے کہ ہم میں سے کوئی (عصر پڑھ کر) مدینہ کے پرلے کنارے جاتا پھر وہ لوٹ آتا اور سورج ابھی روشن ہوتا اور میں بھول گیا ہوں جو (حضرت ابو برزہؓ) نے مغرب سے متعلق کہا تھا اور آپؐ رات کی تہائی تک عشاء میں تاخیر کرنے کی پرواہ نہ کرتے۔ پھر (ابومنہال نے) کہا: رات کے نصف تک اور معاذ نے کہا: شعبہ کہتے تھے: میں اُن (ابومنہال) سے ایک دفعہ ملا تو انہوں نے کہا: رات کی تہائی تک۔

٥٤٢: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ.

۵۴۲: محمد بن مقاتل نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہمیں عبداللہ نے بتایا، کہا: خالد بن عبدالرحمٰن نے ہمیں بتایا کہ غالب قطان نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے، بکر نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تو ہم گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے۔

تشریح: استثنائی حالت بیان کرنے کے بعد ظہر کا ابتدائی وقت بتانے کی غرض سے یہ باب قائم کیا گیا ہے كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُصَلِّىُ بِا لْهَا جِرَةِ. اَلْهَاجِرَہ دوپہر کو کہتے ہیں جب لوگ گرمی کی وجہ سے کام کاج چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ عنوان باب میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا حوالہ باب کا اصل مقصد واضح کرنے کے لیے دیا گیا ہے کہ عام حالات میں جبکہ گرمی معتدل ہو آپؐ کی عادت یہی تھی کہ آپؐ ظہر کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس حوالہ سے اُن فقہاءِ کوفہ کا ردّ کرنا مقصود ہے جن کا یہ خیال ہے کہ ظہر کی نماز اوّل وقت پڑھنی ضروری نہیں۔

حضرت جابرؓ کے مذکورہ بالا حوالہ کے لیے دیکھئے روایت نمبر ۵۶۰، ۵۶۵۔ روایت نمبر ۵۴۰ کے لیے کتاب العلم باب ۲۸: الغضب فی الموعظة. روایت نمبر ۹۲ کی تشریح دیکھئے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت میں الفاظ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ زائد ہیں اور انہی الفاظ کا عنوان باب کے ساتھ تعلق ہے۔ زَاغَ کے معنی مائل ہونا، ڈھلنا۔

عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ انِفًا: دیکھئے تشریح کتاب العلم باب ۲۴: من اجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس روایت نمبر ۸۵۔

يُصَلِّيْ الظُّهْرَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ: روایت نمبر ۵۴۱ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈھلنے پر آپؐ نمازِ ظہر پڑھا کرتے تھے۔ یہ روایت اس خیال کے ردّ کرنے کے لیے لائی گئی ہے کہ شاید ایامِ سرما میں سورج ڈھلنے پر نماز پڑھا کرتے ہوں۔ الفاظ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَآءَ الْحَرِّ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کا موسم تھا۔ مگر اس سے أَلْاِبْرَادُ بِالظُّهْرِ کے خلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اگر گرمی میں تین بجے بھی نماز پڑھی جائے تو اس وقت بھی فرش اتنا گرم ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے کے لیے کپڑا رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان روایتوں میں تطبیق اسی طرح دی جاسکتی ہے کہ شدتِ گرمی کے سوا باقی موسموں میں ظہر اوّل وقت میں پڑھا کرتے تھے جبکہ دوپہر کو گرمی برداشت کی جاسکتی تھی اور عام طور پر آپؐ کی یہی سنّت تھی۔ مگر شدتِ گرمی میں آپؐ ٹھنڈے وقت نمازِ ظہر پڑھتے۔

بَاب ۱۲ : تَأْخِيْرُ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

ظہر میں عصر تک تاخیر کرنا

٥٤٣: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ أَيُّوْبُ لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَّطِيْرَةٍ قَالَ عَسَى.

۵۴۳: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: حماد بن زید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو بن دینار سے، عمرو نے جابر بن زید سے، جابر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آٹھ رکعتیں نماز ظہر اور عصر کی اور سات رکعتیں مغرب وعشاء کی اکٹھی پڑھیں۔ اس پر ایوب نے کہا: شاید یہ برساتی رات میں ہو۔ کہا: ہوسکتا ہے۔

تشریح: بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں یہ رائے قائم کی ہے کہ ظہر ایسے وقت میں پڑھی جائے کہ اس سے فارغ ہونے پر دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے اور یہ جمع تو کہلائے گی مگر باعتبارِ اوقات جمع نہیں بلکہ ہر نماز اپنے وقت میں ہوگی۔ لیکن عنوان باب کی نحوی ترکیب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز میں اس قدر دیر کرنا کہ عصر کا وقت

شروع ہوجائے اور پھر دونوں کو جمع کرنا۔حرف اِلٰی آخری وقت پر دلالت کرتا ہے۔

جس روایت سے مسئلہ مُعَنْوَنَہ کے بارے میں استدلال کیا گیا ہے وہ مسلمؒ ،نسائیؒ اور ابوداوٗدؒ نے بھی بسند امام مالکؒ نقل کی ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: فِیْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّ لَاسَفَرٍ ☆..... قَالَ مَالِکٌ اَرَی ذٰلِکَ کَانَ فِی مَطَرٍ .(ابوداوٗد-کتاب الصلاۃ-باب الجمع بین الصلا تین)یعنی نماز بغیر خوف یا سفر کے جمع کی گئی تھی۔امام مالکؒ نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ نمازیں بارش میں جمع کی گئی تھیں۔امام بخاریؒ کی اس روایت میں ایوب سختیانیؒ نے یہی احتمال پیش کیا ہے۔جس کا جواب بھی احتمال سے ہی دیا گیا ہے۔امام موصوفؒ نے مذکورہ بالا روایت کی بناء پر جو عنوان قائم کیا ہے،اس میں کسی قسم کی قید نہیں لگائی گئی؛نہ بارش کی؛نہ بیماری کی۔کیونکہ صرف احتمال پر مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔مسلم کی ایک اور روایت میں تو اس بات کی بھی تصریح ہے: وَلَا مَطَرٍ .یعنی بغیر بارش کے۔(دیکھئے مسلم.کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا.باب الجمع بین الصلا تین فی الحضر)

آپؐ نے مدینہ میں نمازیں جمع کیں۔اس روایت کی بناء پر یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ بغیر ضرورت اور عذر کے وہ جمع کی گئی تھیں۔کیونکہ اوقات کی پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا حکم صریح اور واضح ہے۔پس ضرور ہے کہ آپؐ نے کسی سبب سے نمازوں میں غیر معمولی تاخیر کی ہوگی۔اس لیے بغیر عذر نمازیں جمع کرنا قطعاً جائز نہیں۔اکثر ائمہ اور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔البتہ عذر کی نوعیّت میں اختلاف ہے۔امام مالکؒ نے تو کیچڑ کی وجہ سے بھی رات کی نمازیں جمع کرنے کا فتویٰ دیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے جو اس روایت کے راوی ہیں،ایک دفعہ بصرہ میں نمازِ عصر کے بعد تقریر شروع کی جو مغرب کے بعد ختم ہوئی تو انہوں نے وہ نمازیں اکٹھی پڑھائیں تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارہ میں عملی سہولت کی سنت کا اِحیاء ہو۔(مسلم.کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا.باب الجمع بین الصلا تین فی الحضر)

ایسا ہی حضرت ابن عمرؓ سے متعلق بھی مروی ہے کہ اگر انہیں حکام کو مغرب اور عشاء کے درمیان اکٹھا کرنے کا اتفاق ہوتا تو پھر نمازیں جمع کرتے۔اس لیے ائمہ کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہے کہ مطلق کسی صحیح ضرورت کے پیش آنے پر نمازیں حضر میں بھی جمع کی جاسکتی ہیں اور یہ فتویٰ اس عملی سہولت کے عین مطابق ہے جو شارع اسلام علیہ الصّلوٰۃ وَالسلام نے تمام احکامِ شریعت کے نفاذ میں ملحوظ رکھا ہے۔

یہ باب بھی امام بخاریؒ کے حسنِ تصرف کی ایک بیّن مثال ہے۔اس میں عنوانِ باب کو کسی عذر یا سبب سے مقید نہیں کیا ہے کیونکہ ضرورتوں اور مجبوریوں کی نوعیت مختلف حالات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جمع کی صرف یہی صورت تسلیم کرتے ہیں کہ ظہر یا مغرب اپنے وقت کے آخری حصہ میں پڑھی جائے جبکہ ایک سے فارغ ہونے پر دوسری کا وقت شروع ہوجائے۔ان کے نزدیک یہ روایتیں صرف اس قدر بتاتی ہیں کہ آپؐ نے ایسا بھی کیا تھا مگر اس بارہ میں آپؐ کے صریح ارشاد کا پتہ نہیں۔ایک فعل کئی قسم کے احتمال اپنے ساتھ رکھ سکتا

☆ (مسلم.کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا.باب الجمع بین الصلا تین فی الحضر)
(نسائی.کتاب المواقیت. باب الجمع بین الصلا تین فی الحضر)

ہےاوروہ قول کی طرح ناطق نہیں ہوتا۔اس لیے اُن کے نزدیک اوقات کی پابندی سے متعلق نصِ صریح کے ہوتے ہوئے نمازیں اپنے وقت پر نہ پڑھنا جائز نہیں، نہ سفر میں؛ نہ حضر میں۔مگر یہ فتویٰ اپنے ساتھ عملی مشکلات رکھتا ہے۔باقی ائمہ نے اُن کی یہ دلیل اور فتویٰ تسلیم نہیں کیا۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہے اور اُس کے بعد صحابہ کرامؓ کا عمل درآمد بھی ثابت ہے جو آپؐ کی سنت کو بہتر سمجھنے والے تھے تو احتمالات پیدا کر کے اپنے لیے خواہ مخواہ عملی مشکلات پیدا کر لینا اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کی تعلیم کے مطابق نہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:-

(فتح الباری۔الجزء الثانی۔صفحہ ۳۳) ، (عمدۃالقاری۔الجزء الخامس۔صفحہ ۳۱)
(بدایۃ المجتہد۔کتاب الصلوٰۃ۔الجملۃ الثالثۃ۔الباب الرابع۔ الفصل الثانی فی الجمع)

بَاب ۱۳ : وَقْتُ الْعَصْرِ

عصر کا وقت

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا.

اور ابواُسامہ نے کہا: ہشام سے مروی ہے کہ دھوپ ابھی حضرت عائشہؓ کے کمرے کے اندر ہی ہوتی۔

۵۴۴: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا.

۵۴۴: ابرہیم بن منذر نے ہم سے بیان کیا، کہا: انس بن عیاض نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام سے، ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا کرتے اور ابھی دھوپ ان کے کمرے کے اندر سے نہ نکلی ہوتی۔

۵۴۵: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا.

۵۴۵: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں لیث نے بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور دھوپ ابھی کمرہ ہی میں تھی اور سایہ ان کے کمرے سے نکل کر (دیوار پر) نہیں چڑھا تھا۔

٥٤٦: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ وَقَالَ مَالِكٌ وَّيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَشُعَيْبٌ وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

۵۴۶: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابن عیینہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زُہری سے، زُہری نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ فرماتی تھیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے کہ دھوپ ابھی میرے کمرے میں ہوتی، سایہ ابھی نہ چڑھتا۔ اور مالک اور یحيٰ بن سعید اور شعیب اور ابن ابی حفصہ نے کہا: اور دھوپ (ان کے کمرے میں ہوتی) پیشتر اس کے کہ سایہ چڑھتا۔

٥٤٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا الْأُوْلَى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا

۵۴۷: محمد بن مقاتل نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتایا، کہا: عوف نے سیار بن سلامہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے ہاں گیا اور میرے باپ نے ان سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کیسے پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپؐ دوپہر کی نماز جس کو تم پیشیں کہتے ہو اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر کی نماز (ایسے وقت میں) پڑھا کرتے تھے کہ پھر ہم میں سے ایک اپنے ٹھکانے میں جو کہ شہر کے سب سے دور حصے میں ہوتا واپس چلا جاتا اور سورج ابھی روشن ہوتا اور جو انہوں نے مغرب سے متعلق کہا تھا وہ میں بھول گیا اور آپؐ عشاء میں جسے تم

الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ.

عَتَمَه (اندھیر) کہتے ہو تاخیر پسند فرماتے تھے اور اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات کرنا ناپسند فرماتے اور آپؐ صبح کی نماز سے ایسے وقت (فارغ ہوکر) پھرتے کہ جب آدمی اپنے ساتھی کو پہچان لیتا اور آپؐ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے۔

٥٤٨: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ.

۵۴۸: عبداللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ سے، انہوں نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم عصر پڑھتے پھر انسان بنی عمرو بن عوف کو جاتا تو اُنہیں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

٥٤٩: حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُوْلُ صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الظُّهْرَ ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَقُلْتُ يَا عَمِّ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ قَالَ الْعَصْرُ وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ.

۵۴۹: ابن مقاتل نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: ابوبکر بن عثمان بن سہل بن حنیف نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے ابوامامہ کو کہتے سنا کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر ہم نکل کر حضرت انسؓ بن مالک کے پاس آئے تو ہم نے انہیں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے کہا: چچا! یہ کیا نماز تھی جو آپ نے پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: عصر اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے جو ہم آپؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

۵۵۰: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ.

۵۵۰: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتایا کہ زہری سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت انسؓ بن مالک نے مجھے بتایا، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے اور سورج ابھی بلند اور روشن ہوتا اور جانے والا عوالی کو جاتا اور اُن کے پاس ایسے وقت پہنچتا کہ سورج ابھی بلند ہوتا اور مدینہ سے بعض عوالی چار میل یا اس کے قریب ہیں۔

۵۵۱: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

۵۵۱: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ہم عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے جانے والا قباء کی طرف جاتا وہ ان کے پاس آتا اور سورج ابھی بلند ہوتا۔

تشریح: مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا: میں جو ضمیر ہے وہ حضرت عائشہؓ کی طرف جاتی ہے۔ امام بخاریؒ کی یہ عادت ہے کہ کسی راوی کے لفظی اختلاف کو روایت کے بعد بطور تعلیق (حوالہ) نقل کرتے ہیں۔ مگر یہاں عنوانِ باب میں ابواسامہ کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے الفاظ مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا نمایاں کر کے دکھائے ہیں۔ ابواسامہ کی روایت میں وَالشَّمْسُ فِيْ قَعْرِ حُجْرَتِيْ ہے۔ (عمدۃ القاری. الجزء الخامس. صفحہ ۳۴)

قَعْرُ كُلِّ شَيْءٍ: اَقْصَاهُ۔ یعنی قَعْرٌ کسی چیز کی انتہائی حد کو کہتے ہیں۔ (لسان العرب تحت لفظ قعر) اس لیے الفاظ محولہ بالا کے یہ معنی ہونگے کہ دھوپ ان کے حجرہ میں انتہائی حد تک ہوتی۔ اس سے امام بخاریؒ روایت نمبر ۵۴۴، ۵۴۵ اور نمبر ۵۴۶ میں سورج کے حجرہ میں ہونے کا جو ذکر آیا ہے، اس کے مفہوم کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ابھی سورج کافی اونچا ہوتا جب آپؐ عصر کی نماز سے فارغ ہوتے۔ کیونکہ دھوپ سے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ کمرے اور دروازے جتنے اونچے ہونگے؛ دیر تک دھوپ ان کے اندر رہے گی اور جتنے چھوٹے ہونگے اتنی جلدی دھوپ اُن کے اندر سے غائب

ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے گھر چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں۔عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اُن کے اندر دھوپ کے موجود ہونے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سورج اتنا اونچا ہوتا کہ دھوپ کمرے کے اندر آخری حد تک رہتی۔
(فتح الباری. الجزء الثانی. صفحہ ٣٤-٣٥)،(عمدۃالقاری. الجزء الخامس. صفحہ ٣٣-٣٤)

اگرچہ اس استدلال کی تائید روایت نمبر ٥٥٠ سے بالصراحت ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ. یعنی سورج اونچا اور خوب روشن ہوتا۔مگر میرا خیال ہے کہ یہ باب صرف اس قدر ظاہر کرنے کے لیے باندھا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عصر کی نماز کے وقت کا بھی ایک معین اندازہ تھا جس میں آپؐ یہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اس اندازے کا اظہار حضرت عائشہ ؓ اپنے حجرے میں دھوپ کے ہونے سے کرتی ہیں۔پہلی روایت کے الفاظ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا سے پتہ چلتا ہے کہ سورج ڈھلنے پر دھوپ آپؐ کی کوٹھڑی میں داخل ہوتی اور بڑھتے بڑھتے آخری حد تک پہنچنے کے بعد ابھی سایہ باہر نہ نکلتا کہ نماز عصر پڑھ لی جاتی۔اس باب کی دوسری اور تیسری روایت کے الفاظ لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سایہ باہر نکل کر دیوار پر نہ چڑھتا۔دوسرا اندازہ مسافت کے ذریعہ سے کیا گیا ہے۔نماز پڑھ کر صحابہؓ مدینہ کے مضافات میں جاتے اور ابھی سورج روشن ہوتا اور اس میں زردی نمودار نہ ہوتی۔تیسرا اندازہ روایت نمبر ٥٤٩ میں ایک قیاس کی صورت میں پیش کیا گیا ہے یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ظہر ایسے وقت میں پڑھی جاتی تھی کہ درحقیقت وہ عصر کا وقت ہوتا۔ان روایت شدہ اندازوں میں سے جو اندازہ سند کے اعتبار سے امام بخاریؒ کی شرائط کے مطابق ہے وہ وہ اندازہ ہے جس کا ذکر انہوں نے روایت نمبر ٥٥٠، ٥٥١ میں کیا ہے یعنی مسافت کا۔نماز عصر پڑھ کر انسان اپنے گھر کو جاتا جو تین چار میل کے فاصلہ پر ہوتا اور وہاں ایسے وقت پہنچتا کہ سورج ابھی اونچا ہوتا۔اِن روایتوں سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلد پڑھی جاتی۔ مسجد قباء بھی مدینہ سے ایک کوس تھی اور مدینہ کے اردگرد کی آبادی کچھ نجد کی طرف ہے جو بلندی پر ہے، اُسے عوالی کہتے ہیں اور کچھ تہامہ کی طرف ہے جو نیچے کی جانب ہے اسے سافلہ یعنی بیٹ کہتے ہیں۔قریب سے قریب بستی کا فاصلہ مدینہ سے دو میل اور دور سے دور چھ میل ہے (فتح الباری الجزء الثانی. صفحہ ٣٩)(عمدۃ القاری الجزء الخامس. صفحہ ٣٧) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قریب کی بستیوں کے رہنے والے تھے۔

علامہ ابن حجرؒ اور عینیؒ کا یہ خیال ہے کہ امام بخاریؒ کو یا تو وہ روایتیں نہیں پہنچیں جن سے عصر کے ابتدائی وقت کا یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ اتنا یا اس سے دوگنا ہو جائے یا اگر وہ روایتیں ان کو پہنچی ہیں تو بوجہ اپنی شرطوں کے مطابق نہ پانے کے انہوں نے وہ ردّ کردی ہیں۔(فتح الباری جزء ثانی صفحہ ٣٥-٣٦)(عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ٣٣) روایت نمبر ٥٤٧ میں عصر کو ٹھنڈے وقت کی نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ہمارے ملک میں گرمی کے موسم میں پانچ بجے تک شدت کی گرمی کم ہو کر فضا میں خنکی پیدا ہو جاتی ہے اور سایہ بھی اس وقت دوگنا ہو جاتا ہے اور موسم سرما میں چار بجے فضا میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔ان دونوں وقتوں میں آدمی نماز پڑھ کر دو تین میل کا فاصلہ سورج غروب ہونے سے پہلے طے کر سکتا ہے۔

بَاب ١٤: إِثْمُ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

اس شخص کا گناہ جس کی نمازِ عصر جاتی رہے

٥٥٢ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِي تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ {☆قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (محمد:٣٦) وَتَرْتُ الرَّجُلَ إِذَا قَتَلْتُ لَهُ قَتِيْلًا أَوْ أَخَذْتُ لَهُ مَالًا}.

٥٥٢: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی نماز عصر جاتی رہی تو گویا اس کا گھر بار اور مال لوٹ لیا گیا۔

☆ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: يَتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ. وَتَرْتُ الرَّجُلَ جب میں اُس کا آدمی مار ڈالوں یا اس کا مال لے لوں۔

بَاب ١٥: مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی

٥٥٣: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيْحِ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ.

٥٥٣: مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے بتایا، کہا: یحيٰی بن ابی کثیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابوقلابہ سے، ابو قلابہ نے ابوالملیح سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے: ہم ایک لڑائی میں حضرت بریدہؓ کے ساتھ تھے۔ اس دن اَبر تھا۔ انہوں نے کہا: عصر کی نماز جلدی پڑھ لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا عمل اکارت گیا۔

☆ یہ عبارت بعض دیگر نسخوں کے مطابق ہے۔ (دیکھئے عمدۃ القاری الجزء الخامس صفحہ ٣٩)

تشریح: نمازِ عصر سے متعلق ایسی روایتیں پیش کرنے کے بعد جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز بھی مقررہ اندازے پر اور اس کی ابتدا ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ تین باب یکے بعد دیگرے قائم کیے گئے ہیں۔ ایک میں نمازِ عصر بلاقصد رہ جانے کا گناہ۔ دوسرے میں اسے عمداً ترک کرنے کا گناہ۔ تیسرے میں اس نماز کی اہمیت اور فضیلت۔ پہلے گناہ کی نسبت فرمایا: فَكَأَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهُ وَ مَالُهُ. وَتَرَ بمعنی نَقَصَ یعنی گھٹا دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ. (محمد :۳۶) یعنی اللہ تمہارے اعمال میں تم سے ہرگز کمی نہیں کرے گا۔ دراصل یہ لفظ جان یا مال کے ایسے نقصان پر بولا جاتا ہے کہ جس کا کوئی بدلہ یا معاوضہ نہ ہو۔ مَوْتُوْر: اس شخص کو کہتے ہیں جس کا کوئی آدمی قتل کیا جائے اور وہ بدلہ نہ لے سکے۔ (المنجد فی اللغة. تحت لفظ وتر) ایسے شخص کا غم اور افسوس حد درجہ کا ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے گھربار یا اپنی تجارت کے دھندے میں ایسا مشغول ہو گیا ہو کہ اس کو عصر کی نماز پڑھنے کا بھی خیال نہ رہے۔ اس کا افسوس کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس شخص کا افسوس جس کا مال اور گھربار لوٹ لیا جاتا ہے اور وہ اُن کو واپس لینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ غرض ایک تشبیہ سے اس گناہ کی نوعیت واضح کی گئی ہے کہ یہ چھنا ہوا متاع کسی طرح واپس نہیں مل سکتا۔

دوسرے گناہ کی نسبت فرمایا: حَبِطَ عَمَلُهُ. یعنی اُس کی محنت اکارت گئی۔ یعنی اُس نے اپنے دنیا کے دھندے دینی کام پر مقدم رکھے ہیں۔ اس لئے اس گناہ کی یہ سزا ہوگی کہ اس کی محنت بے برکت ہوگی۔

شام اور عشاء کے اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کو اُن میں ایک گونہ کاروبار سے فراغت حاصل ہوتی ہے اور عصر کا ایک ایسا وقت ہے جس میں لین دین کا کاروبار ہوتا ہے اور اس وقت انسان کے اخلاصِ عمل کا امتحان ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کس شخص نے باقی نمازیں پورے اخلاص اور شوق سے پڑھی تھیں اور کس نے رسمی طور پر۔ کیونکہ مخلصانہ روح کی بےقراری وشوق پر کوئی کاروبار غالب نہیں آسکتا۔ پس جس شخص نے جانتے بوجھتے عصر کی نماز اپنی کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے ترک کر دی، اُس نے یقیناً اس بات کا ثبوت دے دیا کہ وہ مخلصانہ روح سے خالی ہے اور اس کی باقی نمازیں بھی صرف رسم ورواج کا بے جان ڈھچر تھا۔ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُه. اس لئے وہ اس بات کا مستحق ٹھہرا کہ اس کا پہلا عمل بھی رائیگاں جائے یہ مفہوم ہے اس حدیث کا اور آیت حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (البقرہ:۲۳۹) میں جو درمیانی نماز کی حفاظت کی بابت خاص تاکید کی گئی ہے یہ وہ نماز ہے جو مشاغلِ دنیا کے درمیان آجائے خواہ کوئی نماز ہو۔ جس نماز کے ضائع ہونے کا خوف ہوگا اسی کی حفاظت سے متعلق یہ تاکید ہے۔

بَاب ١٦: فَضْلُ صَلَاةِ الْعَصْرِ

نمازِ عصر کی فضیلت

٥٥٤: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا

۵۵۴: حمیدی نے ہم سے بیان کیا، کہا: مروان بن معاویہ نے ہمیں بتایا۔ کہا: اسماعیل نے ہم سے بیان

إِسْمَاعِيْلُ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً يَعْنِي الْبَدْرَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ(ق: ٤٠) قَالَ إِسْمَاعِيْلُ افْعَلُوْا لَا تَفُوْتَنَّكُمْ.

کیا۔ انہوں نے قیس سے، قیس نے جریر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپؐ نے ایک رات چاند دیکھا یعنی چودھویں رات کا چاند اور آپؐ نے فرمایا: تم ضرور اپنے ربّ کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے کے لئے تمہیں اس بات کی ضرورت نہ ہوگی کہ ایک دوسرے سے لپٹ کر پوچھو کہ وہ کہاں ہے؟ پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم اس نماز کے پڑھنے میں ہمت نہ ہارو جو سورج نکلنے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے ہے تو ایسا ہی کرو۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: ''تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے تسبیح کیا کر۔'' اسماعیل نے کہا: اِفْعَلُوْا کے معنی ہیں: تم سے یہ (نمازیں) نہ رہ جائیں۔

٥٥٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ

۵۵۵: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوزناد سے، ابوزناد نے اعرج سے۔ اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کچھ ملائکہ رات کو اور کچھ ملائکہ دن کو یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز میں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو تم میں رہے تھے، اوپر چلے جاتے ہیں اور ان سے (اللہ تعالیٰ) پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کا حال بہتر جاننے والا ہے۔

فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ.

میرے بندوں کو تم نے کیسے چھوڑا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اُن کو چھوڑا ہے ایسی حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تشریح: احادیث نبویہ میں نمازِ عصر کو خصوصیت اس لئے دی گئی ہے کہ روزمرہ کے معمولی حالات میں یہی نماز ایسے وقت میں ہوتی ہے جب بازارِ تجارت گرم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ باب نمازِ عصر پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں باندھا گیا ہے۔ اس باب کے ضمن میں جن دو روایتوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن میں نمازِ صبح کی بھی تاکید ہے۔ کیونکہ خوابِ غفلت میں اس نماز کے بھی ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا... سے ظاہر ہے کہ صبح اور عصر کی نمازیں ایسے اوقات میں واقع ہوئی ہیں جن میں نیند یا کاروبار کا غلبہ ہوتا ہے۔ دونوں حالتوں میں انسان کے غافل ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس جو شخص عام موانع کا مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لئے وقت پر حاضر ہو جاتا ہے وہ اپنے شوق و اخلاص کا ثبوت دیتا ہے۔ روز جزا کو اس مناجات کے بدلے میں اسے دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔

سورۃ قٓ کی جن آیات کا حوالہ روایت نمبر ۵۵۴ میں دیا گیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهُمْ مَّا يَشَآؤُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌo (قٓ: ۳۶) لَدَيْنَا مَزِيْدٌ سے دیدارِ الٰہی مراد لیا گیا ہے۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۱۶ ازیر آیت ہذا)

حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ رؤیت یعنی دیکھنے کی ہے نہ ذات باری تعالیٰ کی۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اُس کی مانند کوئی شئ نہیں اور اس رؤیت کا اِدراک اِس دنیا میں اور اِن آنکھوں سے کرنا ناممکن ہے تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

بخاری. کتاب التوحید. باب ۲۴: قول اللّٰہ تعالٰی وجوهٌ یومئذ ناضرة الٰی ربها ناظرة.

لَا تُضَامُّوْنَ میم کی شدّ سے ہو تو مصدر ضَمٌّ سے ہے جس کے معنی اجتماع و ازدحام کے ہیں اور اگر میم پر شد نہ ہو تو ضَيْمٌ سے ہے جس کے معنے تکلیف کے ہیں یعنی جس طرح سورج کو دیکھنے سے آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے، دیدارِ الٰہی سے تکلیف نہ ہوگی۔

يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَّلٰئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلٰئِكَةٌ بِالنَّهَارِ ...: روایت نمبر ۵۵۵ میں صبح اور عصر کے اوقات کی ایک اور خصوصیت بتائی گئی ہے جس کا تعلق درحقیقت عالم روحانی کے ساتھ ہے۔ نظامِ عالم دو جہتیں رکھتا ہے جس کی مثال سینما کی سی ہے۔ اس کی ایک جہت میں دیکھنے کے لئے مختلف نظاروں کا لگاتار چکر چل رہا ہوتا ہے اور دوسری جہت میں پسِ پردہ بجلی کی مشین اور کچھ ہاتھ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ہوبہو یہی حال نظامِ عالم کا ہے۔ نظامِ مادی میں جو کچھ ظہور پذیر ہو رہا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ایک وسیع علم اور غیر محدود قدرت کے تحت عظیم الشان قوتوں کے ذریعے سے انجام پا رہا ہے۔ یہ قوتیں قرآنِ مجید کی اصطلاح میں ملائکہ کے نام سے موسوم کی گئی ہیں۔ رات دن کے ہر نئے تغیر کے پیچھے بھی

نظامِ عالم کی کل چلانے والی ان روحانی ہستیوں کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے بلکہ کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ ان کے تصرف کے نیچے ہے۔ رات کے تغیرات اور نوعیت کے ہوتے ہیں اور دن کے اور نوعیت کے اور اُن کے ساتھ ملائکہ کا جو عملہ لگایا گیا ہے وہ بھی اپنی اپنی نوعیت میں جداگانہ حیثیت اور جداگانہ فرائض رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث نظامِ روحانی کے اسی قسم کے سلسلۂ تصرفات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دن رات کے تغیرات میں صبح کا وقت اور عصر کا وقت ایک ایسا زمانہ ہے جو دراصل استحالہ یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کا نام ہے۔ تغیر وتبدل یوں تو ہر وقت اور ہر لحظہ میں ہی ہو رہا ہے۔ مگر ایک نمایاں تغیر کا آغاز اِن دو وقتوں میں محسوس طور پر ہوتا ہے۔ (دیکھیں روایت نمبر ۵۷۴)

پس اس ساعت استحالہ میں دونوں قسم کے ملائکہ کا اکٹھا ہونا ایک طبعی امر ہے بلکہ ہر استحالی زمانے کا ایک لازمی اور ضروری خاصہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ کی کیفیات اور ان کے عوامل پہلو بہ پہلو جمع ہو کر کشمکش کی حالت میں ہوتے ہیں اور یہ بات یاد رہے کہ ملائکۃ اللہ کا یہ اجتماع تمثلی اور انعکاسی صورت میں ہوتا ہے جیسے ان کا نزول اور صعود۔ (دیکھئے کتاب الایمان تشریح باب ۳۷: سؤال جبریل النبیؐ روایت نمبر ۵۰) اور ایک ایک ذرۂ عالم جو حالت استحالہ کی کشمکش میں ہوتا ہے، ملائکہ کے اس اجتماع سے بحیثیت مجموعی متاثر ہوتا ہے۔ انسان کا نفس بھی اسی قانونِ استحالہ کے تحت ہوتا ہے۔ پس ان اوقاتِ مخصوصہ میں عبادت الٰہی میں مشغول ہونے کے لئے جہاں ایک طرف غافل کرنے والے اسباب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہاں دوسری طرف انسان کے روحانی استحالہ کے لئے موافق حالات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ عبادتِ الٰہی کے لئے یہ جدوجہد بھی اُن موافق حالات میں سے ایک ایسا محرک بن جاتا ہے جو اُس کو روحانی جادۂ ترقی پر ایک دھکا دینے کا کام دیتی ہے۔ اس نازک گھڑی میں اگر انسان کی معنوی حالت عبودیت کی ہوگی تو اس معنوی حالت کا میلان یقیناً انسان کے قدم کو بہتر حالت کی طرف لے جانے والا ہوگا بشرطیکہ دوسرے غیر معمولی ناموافق حالات اِس میلان کو کسی اور طرف دھکا نہ دے دیں۔ کیونکہ ہر جدوجہد انسان کے نفس میں قوتِ فعّالہ پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور اس کے راستے کو آسان سے آسان بنا دیتی ہے۔

كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ ؟ یہ سوال کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ بتاتا ہے کہ انسان کی حالت کا اصل موازنہ اس کے انجام سے ہوتا ہے۔ تمہارے چھوڑنے پر اُن کی کیا حالت تھی؟ یعنی ایسے وقت میں جبکہ اُن کا نفس ایک حالت سے دوسری میں منتقل ہو رہا تھا۔ ان کی مخصوص حالت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مابعد کی حالت کس نوعیت کی ہوگی۔ اگر زمانہ استحالہ میں معنوی حالت درست ہے تو پھر دوسری حالت کا آغاز بھی درست ہوگا۔ اس لئے انسان کو اپنی روحانی حالت کی نگرانی اس زمانہ میں خصوصیت سے کرنی چاہئے۔ کیونکہ زمانۂ استحالہ میں غفلت کرنے کے نتائج دور تک اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس تشریح کو صرف خیالی ہی سمجھیں اور عملی زندگی میں ملائکہ کے تغیر وتبدل سے استحالہ کی کوئی کیفیت بھی محسوس نہ کریں۔ لیکن روحانی امور میں مشاہدہ کا سوال خود انسان کے نفس میں پہلے ایک عملی تغیر چاہتا ہے۔ وہ پہلے ان نمازوں سے متعلق خاص اہتمام کرے اور پھر مَلکی تغیرات کو خود دیکھ لے۔ جس شخص کے

حواسِ خمسہ پر مادی ماحول کا پورا پورا تسلط ہو اور وہ اس کی توجہ کو ایک آن کے لیے بھی روحانیت کی طرف پھرنے نہ دیتا ہو وہ عالَم روحانی سے کیسے اتصال پکڑ سکتا ہے! اس کے لیے تو ایک عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ خود مادی دنیا کے بہت سے حقائق ہیں جو ہمارے حواسِ خمسہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر اُن میں بھی ہمارے یہ حواس دھوکہ کھاتے ہیں۔ حقائق اپنی اصلیت میں کچھ اور ہوتے ہیں مگر حواسِ خمسہ ان کے متعلق برعکس حکم دیتے ہیں۔ ہم بچپن سے سنتے چلے آئے ہیں کہ سورج نہیں بلکہ زمین گھومتی ہے مگر دیکھنے میں سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے حواس اپنے ظاہری ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔

عالَم روحانی کی مخفی دَر مخفی کیفیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر مشاہدہ کرائی گئی تھیں اور لوگوں کی تعلیم و ہدایت کے لیے آپؐ نے ان کو ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ جس سے عام لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم لفظی سوال و جواب کا محتاج نہیں جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ ظاہر کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ طریقۂ بیان صرف لوگوں کے سمجھانے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ ورنہ عالَم روحانی کی کیفیات مشاہدہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات جو ملائکہ کے ذریعے انسان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں؛ وہ ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ بغیر الفاظ کے سوالات بھی ہوتے ہیں اور جوابات بھی اور اس سوال و جواب میں کوئی وقت بھی خرچ نہیں ہوتا۔ ایک آن کی آن میں عجیب سی کیفیت بندھ جاتی ہے جس کے اندر یقینی معرفت کا خزینہ بھرا ہوتا ہے اور اُس کی ماہیت سوائے تمثیل اور الفاظ کے کسی اور طریق سے بیان کرنا بالکل ناممکن ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان خاص تجلیات کو جن کا تعلق براہِ راست ملائکہ کے ساتھ ہے، اپنی بول چال پر قیاس کرنا محض جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات جو انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ تو اِس وجہ سے کہ ہم انسان ہیں کچھ نہ کچھ تصور میں آسکتی ہیں۔ مگر اس کی وہ تجلیات جو صرف ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اپنی اصل حقیقت و شان میں کیسے تصور میں لائی جا سکتی ہیں؟ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اُن سے آگاہ فرمائے، جیسا کہ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا ہے۔ مگر جب ہم اُن کو بیان کرتے ہیں تو اُن کی اصل ماہیت سے ہٹ کر اپنے طرزِ کلام ہی میں بیان کرتے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

بعض شارحین نے آیت وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ (الإنفطار: ۱۱-۱۲) کا حوالہ دیتے ہوئے مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سے وہ ملائکہ مراد لیے ہیں جو انسان کی حفاظت کے لیے مقرر کئے گئے ہیں۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۴۷۔ عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ۴۴) مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ ایک لحظہ کے لیے بھی انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔

شارحین کی طرف سے یہ اعتراض بھی اُٹھایا گیا ہے کہ صبح کے مقابل شام کا ذکر چاہیے تھا نہ کہ عصر کا؟ اور رات کے ملائکہ کے جانے اور اُن سے سوال کئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ دن کے ملائکہ سے سوال کرنے کا ذکر نہیں؟ اس اعتراض کے اُنہوں نے مختلف جواب دیے ہیں۔ بَاتَ کا لفظ کَانَ یعنی ہونے یا رہنے کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ صرف رات گذارنے کے لیے ہی مخصوص نہیں۔ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ سے دونوں قسم کے ملائکہ کا رہنا اور چڑھنا مراد ہے۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۴۸)

صبح کا وقت پو پھٹنے سے لے کر سورج نکلنے تک ہوتا ہے اور اُس کے مقابل عصر کا وقت ہے اور ملائکہ کا یہ نزول اور عروج تدریجی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِأَمْرِ رَبِّکَ (مریم:۶۵) کے مضمون سے ظاہر ہے۔ تَنَزَّلُ جو باب تفعّل ہے، تدریج کا مفہوم بھی شامل رکھتا ہے۔ ایسا ہی لفظِ عروج میں بھی معناً ایک قسم کا تسلسل پایا جاتا ہے۔

باطنی قویٰ و روحانی ملکات اور وہ استعداداتِ صالحہ بھی جو تسبیح و تقدیس کی برکت سے نفسِ بشریہ میں نشو ونما پاتی ہیں۔ ملائکۃ اللہ کا مظہر بنتی اور کیفیاتِ ذکرِ الٰہی کے دوام کا بہت بڑا باعث ہوجاتی ہیں کہ ایک لحہ کے لیے بھی مردانِ خدا کو اس سے غافل نہیں ہونے دیتیں۔ جیسا کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ....(النور:۳۷-۳۸) یہ مضمون ہے حدیث نمبر ۵۵۵ کا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس دائمی تسبیح سے تعلق رکھنے والے باطنی ملائکۃ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”....سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق وتوکل ورضا ونیستی وفنا اور شورش ہائے عشقِ مولیٰ ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں جو قادرِ مطلق نے اپنے اُس محبوب افضل الرسل کے وجود میں اکمل اور اتمّ طور پر پیدا کئے تھے اور پھر اُسی کے اتباع سے ہر یک مومنِ کامل کے دل میں بھی باذنہ تعالیٰ پیدا ہوجاتے ہیں۔....“ (مفصل دیکھئے سرمہ چشم آریہ حاشیہ صفحہ ۱۲-۲۴، روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۶۹-۷۲)

بَاب ۱۷: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ

جس نے سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی

۵۵۶: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ.

۵۵۶: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: شیبان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ سے، یحيٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز میں سے ایک سجدہ پالے تو چاہیے کہ وہ اپنی نماز کو پورا کرے اور اگر سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز سے ایک سجدہ پالے تو چاہیے کہ وہ بھی اپنی نماز پوری کرے۔

۵۵۷: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ أُوْتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ الْإِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُوتِيْنَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِيْنَا قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هَؤُلَاءِ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْتَنَا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ☆ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ.

۵۵۷: عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابراہیم نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے اور ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے۔ سالم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ان کے باپ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تم سے پہلے جو اُمتیں گزر چکی ہیں؛ ان کے مقابل تمہاری بقائے حیات (کی مثال) ایسی ہے جیسے کہ نماز عصر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک۔ اہل تورات کو تورات دی گئی اور وہ عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جب آدھا دن ہو گیا تو وہ تھک کر رہ گئے اور اُن کو ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا۔ پھر رہ گئے اور اُن کو ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے سورج کے غروب ہونے تک کام کیا اور ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے۔ اس پر ان دونوں کتاب والوں نے کہا: اے ہمارے ربّ! ان کو تو نے دو دو قیراط دیئے ہیں اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا ہے۔ حالانکہ ہم تو زیادہ کام کرنے والے تھے۔☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم کو تمہاری مزدوری سے کم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر یہ تو میرا فضل ہے جسے چاہتا ہوں، دیتا ہوں۔

☆ طبعة بولاق کے مطابق اس جگہ "قَالَ" کا لفظ ایک بار ہی درج ہے۔ ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

۵۵۸: حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَّعْمَلُوْنَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوْا إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوْا لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ فَاسْتَأْجَرَ آخَرِيْنَ فَقَالَ أَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُّ فَعَمِلُوْا حَتَّى إِذَا كَانَ حِيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالُوْا لَكَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ وَاسْتَكْمَلُوْا أَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ.

۵۵۸: ابوکریب نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابواُسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے بُرید سے، برید نے ابوبردہ سے، ابوبردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے، حضرت ابوموسیٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ مسلمانوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی حالت اس شخص کی حالت کی مانند ہے جس نے کچھ لوگ مزدوری پر لگائے کہ وہ اس کے لئے رات تک کام کریں تو انہوں نے آدھا دن کام کیا اور کہا: ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں۔ اس نے اَوروں کو مزدوری پر لگایا اور کہا کہ تم اپنا بقیہ دن پورا کرو اور تمہیں وہی مزدوری ملے گی جس کی میں نے شرط کی ہے۔ یہاں تک کہ جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا: یہ لو سنبھالو جو ہم نے کیا ہے۔ اِس پر اُس نے کچھ اَور لوگ مزدوری پر لگائے اور وہ بقیہ دن کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا اور انہوں نے دونوں گروہوں کی مزدوری پوری کی پوری لے لی۔

تشریح: بعض اس طرف گئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایات سابقۃ الذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر دیر کر کے پڑھنی چاہیے۔ (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۳۵۔ زیرتشریح باب ۱۳: وقت العصر) اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ عصر کا ابتدائی وقت تب شروع ہوتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔ بعض ائمہ اس کے خلاف ہیں۔ (بداية المجتهد. كتاب الصلاة. الجملة الثانية. الباب الاول. الفصل الاول فى الاوقات. المسئلة الثانية اختلفوا من صلاة العصر فى موضعين)

سایہ دوگنا ہونے کے بعد (وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ) سورج روشن رہتا ہے اور مغرب تک اتنا وقت ہوتا ہے کہ انسان نمازِ عصر پڑھ کر دو تین میل تک جا سکے اور سورج ابھی اونچا ہی ہو۔ غرض نمازِ عصر جلدی پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ اپنے وقت

کے ابتدائی حصہ میں پڑھے، نہ سورج ڈوبنے سے کچھ وقت پہلے؛ جیسا کہ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ آخری وقت اِسے پڑھتے ہیں۔ اصل مسئلہ کے متعلق روایات پیش کرنے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب ۱۷ قائم کیا ہے تو اس سے ایک استثنائی حالت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بعض وقت انسان ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کو نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جیسا کہ جنگ احزاب میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہوا (دیکھئے روایت نمبر ۵۹۶) تو ایسی حالت میں مذکورہ بالا حکم ہے یعنی اِذَا اَدْرَکَ اَحَدُکُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ ....سجدہ سے مراد رکعت ہے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۵۷۹ میں امام مالکؒ سے بجائے سَجْدَةً کے رَكْعَةً مروی ہے۔ اسی لئے عنوانِ باب میں رَكْعَةً کا لفظ بطور تشریح اختیار کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس استثنائی حالت کی بناء پر نمازِ عصر میں تاخیر کرنے سے متعلق استدلال کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ اس روایت سے بھی ان نمازوں کی اہمیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں عمداً تاخیر کرنا جائز ہے۔ روایت نمبر ۵۵۷ بھی سابقہ مضمون کی تائید کرتی ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِخَوَاتِيْمِهَا۔☆ عمل کا انحصار خاتمہ پر ہے۔ ایک کام شروع کر کے اس کو درمیان میں چھوڑ دینا نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ عمل کی قیمت تکمیل عمل سے ہے۔ اس نکتۂ معرفت کو سمجھانے کے لئے جو مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی دی ہے۔
(دیکھئے: متی باب ۲۰، آیت: ۱ تا ۱۶)

فَهُوَ فَضْلِيْ اُوْتِيْهِ مَنْ اَشَاءُ: اللہ تعالیٰ کا فضل بھی تکمیل عمل پر ہوتا ہے نہ کثرت عمل پر۔ یہود و نصاریٰ نے کہا: نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا کہ ہم بہت عمل کرنے والے ہیں۔ مگر باوجود اس کے فضل الٰہی یہود و نصاریٰ کے شامل حال نہ ہوا۔ روایت نمبر ۵۵۸ میں اس امر کی مثال دی گئی ہے کہ بغیر عذر کے کام چھوڑ دینا انسان کو کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہراتا۔ فَقَالُوْا لَا حَاجَةَ لَنَا اِلٰى أَجْرِكَ. یہود و نصاریٰ نے کہا: ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر بغیر کسی معقول سبب کے کام چھوڑ دیا اور اپنا معاہدہ پورا نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اجر سے محروم ہو گئے۔

روایت نمبر ۵۵۷ اور روایت نمبر ۵۵۸ دو مختلف مضمونوں سے متعلق ہیں۔ جو الگ الگ مثالوں سے واضح کئے گئے ہیں۔ پہلی مثال اس امر کی ہے کہ محض کثرتِ عمل کسی کو اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق نہیں ٹھہراتا۔ دوسری مثال اس امر کی ہے کہ بغیر عذر کام چھوڑ دینا انسان کو اس کے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ ایک رکعت پڑھنے سے ساری نماز کا ثواب اُسی کو ملے گا جو کسی صحیح عذر اور مجبوری کی وجہ سے نماز کو وقت پر نہیں پڑھ سکا۔ اگر وہ درحقیقت مجبور تھا اور نماز پڑھنا چاہتا تھا۔ **فَعَجَزَ** مگر بے بس ہو گیا تو وہ پوری نماز کے ثواب کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

باب ۱۷ کے تعلق میں کتاب الاجارۃ باب ۸-۹ بھی دیکھئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باب ۱۷ میں دو مختلف المفہوم روایتیں لائے ہیں۔ یہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات فرمائی تھی جس کو راویوں کے فہم اور حافظہ نے معانی میں تغیر و تبدل

☆ اس روایت کے لیے دیکھئے: کتاب الرقاق. باب الاعمال بالخواتیم. روایت نمبر ۶۴۹۳۔

کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہ بات کئی مثالوں سے ثابت کی جا چکی ہے کہ صحیح اور مستند روایتوں میں بعض وقت جو لفظی اختلاف راویوں کی طرف سے ہوتا ہے، اُس سے اصل مفہوم میں فرق نہیں آتا۔ اس ضمن میں تشریح باب ۱۹، ۲۷، ۲۸، ۲۹ بھی دیکھئے۔

بَاب ۱۸: وَقْتُ الْمَغْرِبِ

مغرب کا وقت

وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيْضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

اور عطاء نے کہا: بیمار مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھ لے۔

۵۵۹: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ هُوَ عَطَاءُ بْنُ صُهَيْبٍ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ يَقُوْلُ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ.

۵۵۹: محمد بن مہران نے ہم سے بیان کیا، کہا: ولید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: اوزاعی نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابونجاشی نے ہم سے بیان کیا اور وہ عطاء بن صہیب ہیں جو حضرت رافعؓ بن خدیج کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت رافعؓ بن خدیج سے سنا کہ وہ کہتے تھے: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے اور ہم میں سے ایک ایسے وقت میں لوٹتا کہ وہ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا۔

۵۶۰: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ

۵۶۰: محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا، کہا: محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے سعد سے، سعد نے محمد بن عمرو بن حسنؓ بن علیؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حجاج آیا اور ہم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تو دوپہر کے بعد پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت

وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَّالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَّ أَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ كَانُوْا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ.

میں پڑھتے کہ سورج ابھی روشن ہوتا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے جب وہ غروب ہوجاتا اور عشاء کبھی کسی وقت اور کبھی کسی وقت۔ جب اُن کو دیکھتے کہ وہ اکٹھے ہوگئے ہیں تو آپؐ جلدی کرتے اور جب اُن کو دیکھتے کہ اُنہوں نے دیر کی ہے تو آپؐ تاخیر فرماتے اور صبح کی نماز وہ (لوگ) یا کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں پڑھتے کہ ابھی اندھیرا ہوتا۔

٥٦١: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ.

۵۶۱: مکی بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: یزید ابن ابی عبید نے ہمیں بتایا: حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج پس پردہ ہوجاتا۔

٥٦٢: حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا جَمِيْعًا وَثَمَانِيًا جَمِيْعًا.

۵۶۲: آدم نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا، کہا: عمرو بن دینار نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے جابر بن زید سے سنا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعتیں اکٹھی اور آٹھ رکعتیں اکٹھی پڑھیں۔

تشریح: عنوانِ باب میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ مغرب کا وقت ظہر اور عصر کی طرح ان اوقات میں سے ہے جو دوسری نماز کے وقت تک ممتد ہے۔ صبح کی طرح نہیں جو ظہر سے بہت فاصلہ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس باب کی روایتوں کو حضرت ابن عباسؓ کی اُس روایت پر ختم کیا ہے۔ جس میں سات اور آٹھ رکعتوں کے جمع کرنے کا ذکر ہے۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۵۵)

جن نمازوں کے اوقات ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں وہی جمع کی جاسکتی ہیں۔اس لئے امام موصوفؒ نے یہ مسئلہ یہاں بھی دہرایا ہے۔روایت نمبر ۵۵۹ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نمازِ مغرب اول وقت پڑھا کرتے تھے۔امام احمد ابن حنبلؒ نے اپنی مسند میں علی بن بلالؒ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ انصارؓ میں سے کچھ لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو لوٹتے اور راستے میں تیراندازی کرتے جاتے اور جہاں اُن کے تیر پڑتے دیکھ سکتے تھے۔
(مسند احمد بن حنبل. اول مسند المدنیین. حدیث رجال من الانصار. جلد۴ صفحہ۳۶)

امام بخاریؒ نے یہاں بھی ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے اور نمبر ۵۶۰ میں ایک ایسی روایت پیش کی ہے جس میں ضمناً ایک اختلافی صورت پیش کر کے مغرب کی تعین کی ہے۔۷۴ھ میں حجاج بن یوسف نے مدینہ پر حملہ کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے۔عبدالملک بن مروان نے حجاج کو مدینہ کا امیر مقرر کیا۔وہ نمازوں میں دیر کرتا تھا۔جس سے لوگوں کو مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔(فتح الباری الجزء الثانی صفحہ۵۶) حضرت جابر بن عبداللہؓ نے وہ اختلاف جو اوقاتِ نماز کی نسبت تھا حل کیا ہے: وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ۔روایت نمبر ۵۶۱ سے اِذَا وَجَبَتْ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے: اِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔یعنی جب سورج چھپ جاتا۔

بَاب ۱۹: مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ

جس نے ناپسند کیا کہ مغرب کو عشاء کہا جائے

۵۶۳: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَتَقُوْلُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ.

۵۶۳: ابومعمر نے جو کہ عبداللہ بن عمرو ہیں ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالوارث نے ہمیں بتایا کہ حسین سے مروی ہے۔انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن بریدہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: حضرت عبداللہ مزنیؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل بادیہ تمہاری مغرب کی نماز میں تمہیں مغلوب نہ کردیں۔(حضرت عبداللہ مزنیؓ نے) کہا: اہل بادیہ کہتے ہیں مغرب عشاء ہی ہے۔

تشریح: کسی شئے کو دوسری شئے کا نام دینے سے التباس واقع ہو جاتا ہے۔جس سے احتمال ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شئے بوجہ وحدت تسمیہ معدوم ہو جائے۔مغرب وعشاء کی ہی مثال لے لیں۔اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تنبیہ نہ ہوتی تو اہل بادیہ مغرب کا نام عشاء ہی رکھتے۔نتیجہ یہ ہوتا کہ مغرب کا لفظ بالکل نظرانداز کر دیا جاتا اور اس

کے نظرانداز ہونے سے وہ مفہوم بھی ذہنوں سے غائب ہوجاتا جس پر لفظ مغرب دلالت کرتا ہے۔ یعنی ڈوبنے کا وقت۔ مغرب کے لفظ نے ذہنوں میں یہ بات اب تک قائم رکھی ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ مگر صرف عشاء کا لفظ مغرب کا یہ مفہوم ذہنوں میں قائم نہ رکھتا۔ کیونکہ عشاء کا لفظ علی الاطلاق تاریکی پر دلالت کرتا ہے اور اگر یہ لفظ رواج پاجاتا تو ممکن تھا کہ پھر یہ بحثیں شروع ہوجاتیں کہ کتنی تاریکی ہو تو رات کی پہلی نماز پڑھی جائے اور کتنی ہو کہ دوسری پڑھی جائے۔ پس اصل مفہوم محفوظ رکھنے کے لئے آپؐ نے مذکورہ بالا ہدایت فرمائی ہے۔ (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۵۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجودیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تنبیہ تھی عنوان باب مَنْ سے شروع کیا ہے۔ قطعی طور پر اس کراہت کی صراحت نہیں کی بلکہ احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا ہے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مستند روایتوں میں نمازِ مغرب کا نام اَلْعِشَاءُ الْأُوْلٰی اور عشاء کا نام اَلْعِشَاءُ الْاٰخِرَۃ ہے۔ اگلے باب میں حضرت انسؓ کی روایت میں لفظ اَلْاٰخِرَۃ سے عشاء کی تعیین کی گئی ہے۔ ارشاد نبویؐ لَا تَغْلِبَنَّكُمْ کی تعمیل ایک رنگ میں اس طرح بھی کی گئی ہے کہ الفاظ اَلْاُوْلٰی اور اَلْاٰخِرَۃ سے مغرب اور عشاء میں امتیاز کیا گیا ہے۔ صَلَّيْتُ الْعِشَائَيْنِ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے شبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ غرض اس باریک فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے باب مذکورہ بالا میں جزم کا پہلو چھوڑ کر مَنْ سے اس کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام موصوفؒ نے بابوں کا عنوان قائم کرتے وقت باریک سے باریک فرق ملحوظ رکھے ہیں۔

بَاب۲۰: ذِكْرُ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ

عشاء اور عَتَمَہ کا بیان

وَمَنْ رَّآهُ وَاسِعًا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ وَالِاخْتِيَارُ أَنْ يَّقُوْلَ الْعِشَاءُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ (النور: ۵۹) وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوْسَى

اور جس نے اسے وسیع سمجھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا: منافقوں پر سب سے گراں نماز عشاء اور فجر ہے اور فرمایا: کاش کہ وہ جانتے جو (ثواب) عشاء اور فجر کی نماز میں ہے۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) نے کہا: اور پسندیدہ یہ ہے کہ عشاء کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اور حضرت ابوموسیٰؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

قَالَ كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فَأَعْتَمَ بِهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّعَائِشَةُ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَمَةِ وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ وَقَالَ أَنَسٌ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو أَيُّوْبَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

عشاء کی نماز کے وقت باری باری جایا کرتے تھے اور آپؐ اسے اندھیرا کر کے پڑھتے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں اندھیرا کر دیتے تھے اور ان میں سے بعض نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عتمہ کی نماز میں اندھیرا کرتے تھے اور حضرت جابرؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابو برزہؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء میں تاخیر کیا کرتے تھے اور حضرت انسؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشاء کی نماز میں تاخیر کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء پڑھی۔

٥٦٤: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ

۵٦۴: عبدان نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبداللہ نے ہمیں بتایا، کہا: یونس نے ہم سے بیان کیا۔ زہری سے مروی ہے کہ سالم نے کہا: عبداللہ نے مجھے بتایا، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز ہمیں پڑھائی اور وہ وہی ہے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھرے اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنی اس

فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

رات کے بارے میں غور کیا ہے۔اس سے ایک سو سال کے آخر تک ان میں سے جو زمین پر ہیں؛ کوئی باقی نہیں رہے گا۔

تشریح: اس باب میں چند اقوال کے حوالے دیتے ہوئے قرآن مجید کی آیت کی بناء پر ترجیح اس بات کو دی ہے کہ بجائے عتمہ کے عشاء کہا جائے۔اقوال محولہ بالا مستند ہیں۔جو امام بخاریؒ نے اس کتاب میں دوسری جگہ اسناد کے ساتھ نقل کئے ہیں۔وہ اقوال جن میں اَعْتَمَ کا لفظ آتا ہے بتاتے ہیں کہ عَتَمَہ عشاء کو کیوں کہتے تھے۔عَتَمَہ کے معنی تاریکی۔اَعْتَمَ کے معنے اندھیرا کردیا، دیر کردی یا اندھیرا ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت أَثْقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ کے لیے دیکھئے کتاب الاذان باب ۳۴ نمبر ۶۵۷

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت لَوْيَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ کے لیے دیکھئے کتاب الاذان باب ۹ روایت نمبر ۶۱۵۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ کے لیے دیکھئے باب ۲۲ روایت نمبر ۵۶۷۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاء کے لیے دیکھئے باب ۲۴ روایت نمبر ۵۷۰۔

حضرت عائشہؓ کی روایت أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاء کے لیے دیکھئے باب ۲۴ روایت نمبر ۵۶۹۔

حضرت عائشہؓ کی روایت أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَمَةِ کے لیے دیکھئے کتاب الاذان باب ۱۶۲ روایت نمبر ۸۶۴۔

حضرت جابرؓ کی روایت كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ الْعِشَاءَ کے لیے دیکھئے باب ۲۱ روایت نمبر ۵۶۵۔

حضرت ابوبرزہؓ کی روایت كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ کے لیے دیکھئے باب ۱۳ روایت نمبر ۵۴۷۔

حضرت انسؓ کی روایت أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ کے لیے دیکھئے باب ۲۵ روایت نمبر ۵۷۲۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ کے لیے دیکھئے کتاب الحج باب ۹۳ روایت نمبر ۱۶۶۸ نیز کتاب الحج باب ۹۶ روایت نمبر ۱۶۷۳۔

حضرت ابوایوبؓ کی روایت صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ کے لیے دیکھئے کتاب الحج باب ۹۶ روایت نمبر ۱۶۷۴۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ کے لیے دیکھئے باب ۲۴ روایت نمبر ۵۷۰۔

روایت نمبر ۵۴۷ کے الفاظ اَلَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ اور روایت نمبر ۵۶۴ کے الفاظ وَهِيَ الَّتِيْ يَدْعُوْالنَّاسُ الْعَتَمَةَ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمہ کہتے تھے۔پنجابی میں اسے خفتاں کہا جاتا ہے اور دودھ کا نام عتمہ تھا جو قحط سالی کے دنوں میں رات کو بہت دیر سے دوہا کرتے تھے، مبادا محتاج آ کر مانگیں۔بدو مغرب کے بعد اپنے مویشی چراگاہ میں چھوڑ دیتے تھے۔چرنے کے بعد انہیں اپنے تھانوں میں لے آتے اور دودھ اُترنے دیتے۔اس کے بعد اُن کو دوہتے۔اس دودھ کو بھی دیر سے دوہنے کی وجہ سے عتمہ کہتے تھے۔چونکہ بدوی کام کاج سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔اس لئے انہوں نے عشاء کی نماز کا نام صَلٰوةُ الْعَتَمَه رکھا۔(فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۶۰)

روایت نمبر۵۶۴ کتاب العلم باب السمر فی العلم روایت نمبر۱۱۶ میں بھی گزر چکی ہے جو سالمؒ اور ابوبکرؒ بن عبدالرحمٰن سے ایک اور سند کے ساتھ مروی ہے۔ چونکہ اس میں تاخیر کا معنی مضمر تھا اس لئے یہ لفظ ترک کر دیا گیا تا یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسے دیر سے ہی پڑھنا چاہیے۔ روایت نمبر۵۴۷ اور نمبر۵۶۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے آخر میں یہ نام چھوڑ دیا تھا اور کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہو۔ اس سے آپؐ کی دور اندیشی اور احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ آپؐ کی اصلاح زمانہ جاہلیت کے تاروپود اور اس کے رگ و ریشہ کی گہرائیوں تک اثر انداز تھی۔

بَاب ۲۱ :وَقْتُ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوْا

عشاء کا وقت جب لوگ اکٹھے ہو جائیں یا دیر کریں

۵٦۵: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ.

۵٦۵: مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سعد بن ابراہیم سے، سعد نے محمد بن عمرو سے جو کہ حسن بن علی کے بیٹے ہیں روایت کی کہ وہ کہتے تھے: ہم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: آپؐ ظہر تو دوپہر کے بعد پڑھا کرتے تھے اور عصر ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج ابھی روشن ہوتا اور مغرب ایسے وقت میں پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا اور عشاء جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو جلدی پڑھتے اور جب کم ہوتے تو تاخیر فرماتے اور صبح اندھیرے میں پڑھتے۔

تشریح: بعض کا خیال ہے کہ اگر نماز اول وقت پڑھی جائے تو اس کو عشاء اور اگر دیر سے پڑھی جائے تو اس کو عتمہ کہتے ہیں۔ اس باب میں یہ خیال رد کیا گیا ہے۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۶۳)

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے اکٹھا ہونے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔

بَاب ٢٢ : فَضْلُ الْعِشَاءِ

نمازِ عشاء کی فضیلت

٥٦٦ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى قَالَ عُمَرُ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ.

۵۶۶: یحیٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عُقَیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی۔ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز میں بہت دیر کردی اور یہ (واقعہ) اسلام پھیلنے سے پہلے کا ہے۔ آپؐ باہر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے کہا: عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ اس پر آپؐ باہر آئے اور مسجد والوں سے فرمایا کہ زمین کے باشندوں میں سے کوئی تمہارے سوا اِس کا انتظار نہیں کر رہا۔

٥٦٧ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوْسَى قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِيْنَ قَدِمُوْا مَعِي فِي السَّفِيْنَةِ نُزُوْلًا فِي بَقِيْعِ بُطْحَانَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَّفَرٌ مِّنْهُمْ فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۵۶۷: محمد بن علاء نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابواُسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے بُرَید سے، بُرید نے ابی بردہ سے، ابوبردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: میں اور میرے اُن ساتھیوں نے جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے بطحان کے میدان میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ ہر رات نمازِ عشاء کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری جایا کرتے تھے۔ میں اور میرے

وَسَلَّمَ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ عَلَى رِسْلِكُمْ أَبْشِرُوْا إِنَّ مِنْ نِّعْمَةِ اللهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّي هَذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ أَوْ قَالَ مَا صَلَّى هَذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ ، قَالَ أَبُو مُوْسَى فَرَجَعْنَا فَفَرِحْنَا بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ساتھی اتفاقاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت پہنچے کہ آپؐ اپنے کسی کام میں مشغول تھے۔ آپؐ نے نماز میں دیر کردی۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ جب آپؐ اپنی نماز پڑھ چکے تو آپؐ نے اُن سے جو آپؐ کے پاس موجود تھے فرمایا: ذرا ٹھہرو! خوش ہو کہ تم پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، لوگوں میں سے تمہارے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو اِس وقت نماز پڑھ رہا ہو یا فرمایا کہ اس گھڑی تمہارے سوا کسی نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ وہ نہیں جانتے کہ ان دو باتوں میں سے کون سی بات فرمائی۔ (ابو بردہ نے) کہا: حضرت ابوموسیٰ ؓ کہتے تھے: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر خوشی خوشی لوٹے۔

تشریح: شارحین نے یہاں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ اس باب میں جو روایتیں لائی گئی ہیں ان سے نمازِ عشاء کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ (دیکھئے عمدۃ القاری الجزء الخامس صفحہ ٦٣۔ فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ٦٣) مگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ظاہر ہے: **لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ** (روایت نمبر ٥٦٧) کہ یہ ایسا وقت ہے کہ تمام لوگ خوابِ غفلت میں پڑے سو رہے ہیں۔ مگر ایک چھوٹی سی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اُس کی عبادت کے شوق میں نیند کے حملوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ الفاظ **وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يَّفْشُوَ الْاِسْلَامُ** (روایت نمبر ٥٦٦) اسی قلت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیب نظارے سے متاثر ہوئے اور صحابہؓ نے بھی اس کیفیت سے لطف اُٹھایا ہے اور اپنے گھروں کو خوشی خوشی لوٹے ہیں۔ اس اخلاص و محبت کا یہ نظارہ ہر عاشق کو اَب بھی وجد میں لاتا ہے۔ **اِنَّ مِّنْ نِّعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** (روایت نمبر ٥٦٧) محبت و عشق کی یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے مل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں مذاہب عالم میں سے اسلام کے سوا کسی مذہب نے بھی اس وقت میں عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا اور یہ امتیاز جو صرف مسلمانوں کو حاصل ہے

ایک بہت بڑا امتیاز ہے۔ فجر، ظہر، عصر اور مغرب کے اوقات ایسے ہیں کہ جن میں مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ میں اپنے پیروؤں کو عبادت کرنے کی تلقین کی ہے۔ مگر عشاء کا وقت اسلام ہی میں عبادت کے لئے خاص کیا گیا ہے۔

روایت نمبر ٥٦٦ کے الفاظ **مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ** کی تشریح دوسری روایت کے الفاظ **لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ** سے کردی گئی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغیر کسی وجہ کے روایت نہیں دُہراتے۔ صحیح بخاری کی تجرید کرنے والوں نے امام موصوف کی پُر حکمت ترتیب ملحوظ نہیں رکھی۔

بُطْحَان : مدینہ میں ایک وادی کا نام ہے۔ جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور اُن کے ساتھی خیمہ زن تھے۔ (عمدۃ القاری جزء٥ صفحہ ٦٥) یہ زمانہ فتح خیبر کے قریب کا ہے۔

وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ: علامہ ابن حجرؒ نے علامہ طبریؒ کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مصروفیت کی وضاحت کی ہے کہ آپؐ اس وقت ایک فوج کی تیاری میں مشغول تھے، اس لئے دیر سے نمازِ عشاء کے لئے باہر تشریف لائے۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ٦٤)

بَاب ٢٣: مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

عشاء سے پہلے سونا جو ناپسند کیا جاتا ہے

٥٦٨: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا.

٥٦٨: محمد بن سلام نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالوہاب ثقفی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: خالد حذاء نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابومنہال سے، ابومنہال نے ابوبرزہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات کرنا ناپسند فرماتے تھے۔

بَاب ٢٤: اَلنَّوْمُ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

جس پر نیند غالب آجائے اس کے لئے عشاء سے پہلے سونا

٥٦٩: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ أَخْبَرَنِي ابْنُ

٥٦٩: ایوب بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابوبکر نے مجھے بتایا۔ سلیمان سے مروی ہے کہ صالح بن کیسان نے کہا: ابن شہاب نے مجھے خبر دی۔ عروہ

شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ الصَّلَاةَ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ قَالَ وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ.

سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں اتنی دیر کردی کہ حضرت عمرؓ نے آپؐ کو آواز دی: نماز پڑھئے، عورتیں اور بچے سو گئے۔ آپؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا: زمین کے باشندوں میں سے تمہارے سوا کوئی بھی اس کے انتظار میں نہیں۔ (عروہ) کہتے تھے: اس زمانہ میں صرف مدینہ میں ہی نماز پڑھی جاتی تھی اور لوگ شفق غائب ہونے سے لے کر رات کی پہلی تہائی تک جو وقت ہے اس میں نماز (عشاء) پڑھا کرتے تھے۔

٥٧٠: حَدَّثَنَا مَحْمُوْدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَوْ أَخَّرَهَا إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَّغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ

٥٧٠: محمود نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالرزاق نے ہمیں بتایا۔ کہا: ابن جُرَیج نے مجھے خبر دی۔ کہا: نافع نے مجھے بتایا، کہا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مصروفیت کی وجہ سے عشاء کو نہ آئے اور اس میں تاخیر کردی یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو گئے۔ پھر ہم جاگے اور پھر سو گئے۔ پھر جاگے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا: زمین کے باشندوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو تمہارے سوا نماز کی انتظار میں ہو۔ اور حضرت ابن عمرؓ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کو پہلے پڑھیں یا پیچھے۔ اگر انہیں خوف نہ ہوتا کہ نیند اُن پر اس قدر غالب

وَّقْتِهَا وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ

ہو جائے گی کہ عشاء کا وقت جاتا رہے گا اور کبھی وہ عشاء سے پہلے بھی سو جاتے تھے۔ ابن جریج کہتے تھے: میں نے عطاء کو یہ بتایا۔

۵۷۱: وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَّقُوْلُ أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ حَتَّى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوْا وَرَقَدُوْا وَاسْتَيْقَظُوْا فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ الصَّلَاةَ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُّصَلُّوْهَا هٰكَذَا فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَبَدَّدَ لِيْ عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِّنْ تَبْدِيْدٍ ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّأْسِ حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ

۵۷۱: تو انہوں نے کہا: میں نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء میں اتنی دیر کردی کہ لوگ سو گئے اور جاگے اور سو گئے اور جاگے۔ تب حضرت عمرؓ بن خطاب اُٹھے اور کہا: نماز پڑھائیں۔ عطاء کہتے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ گویا میں آپؐ کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا ہوا تھا اور آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ضرور ان کو حکم دیتا کہ وہ اس کو ایسے ہی وقت میں پڑھا کریں۔ میں (ابن جریج) نے عطاء سے پختہ طور پر معلوم کرنے کے لئے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر ہاتھ کیسے رکھا ہوا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بتایا تو عطاء نے اپنی انگلیاں تھوڑی سی کھولیں۔ پھر انہوں نے اپنی انگلیوں کے سروں کو سر کے سامنے کی طرف رکھا۔ پھر انہیں سر پر پھیرتے ہوئے اس طرح ملا دیا کہ اُن کا انگوٹھا کان کے اس کنارے کو چھوتا تھا جو چہرہ سے ملا ہوا کنپٹی اور داڑھی کے سرے پر ہے۔ (بالوں کو) نہ نچوڑ رہے

اللِّحْيَةِ لَا يُقَصِّرُ وَلَا يَبْطُشُ إِلَّا كَذٰلِكَ وَقَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوْا هٰكَذَا.

تھے اور نہ پکڑ کر اکٹھا کیا ہوا تھا۔ مگر کچھ ایسا ہی تھا۔ اور فرمایا: اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ ایسے وقت میں (یہ) نماز پڑھا کریں۔

تشریح: عشاء سے پہلے سونے کی اجازت صرف اس شخص کے لئے ہے (**لِمَنْ غُلِبُ**) جو نیند سے مغلوب ہو جائے۔ دو واقعات جو باب نمبر ۲۴ میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ بوجہ دیر ہو جانے کے صحابہؓ نیند سے بے قرار تھے۔ بار بار سونے اور جاگنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ نیند سے کشمکش کر رہے تھے۔ یہ حالت استثنائی ہے۔ عنوانِ باب کے تحت حضرت ابن عمرؓ کے پرواہ نہ کرنے کا ذکر کرنے سے یہی سمجھانا مراد ہے کہ وہ بھی نیند کے غلبہ کی وجہ سے سونے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔ ایسی حالت میں سونے کا ہی حکم ہے۔ بشرطیکہ اس امر کی احتیاط کی جائے کہ وقت نہ نکل جائے۔

كَأَنِّيْ أَنْظُرُ اِلَيْهِ الْاٰنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً: روایت نمبر ۵۷۱ میں حضرت ابن عباسؓ کے قول کا ایک حوالہ دیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی ہیں۔ (روایت نمبر ۵۶۶، ۵۶۷) ان کی روایتوں میں اُس حصہ کا ذکر نہیں جو حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ حضرت انسؓ سے بھی یہی واقعہ مروی ہے۔ (روایت نمبر ۵۷۲) اس میں بھی یہ الفاظ نہیں۔ حالانکہ وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے ایسا یاد ہے: **كَأَنِّيْ أَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهٖ لَيْلَتَئِذٍ** گویا میں آپؐ کی انگوٹھی کی چمک جو اُس رات تھی اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس تاخیر کا سبب باب نمبر ۲۲ کے ذیل میں روایت نمبر ۵۶۷ کے الفاظ **وَلَهٗ بَعْضُ الشُّغْلِ** کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے۔ **كَأَنِّيْ أَنْظُرُ اِلَيْهِ الْاٰنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً** کے الفاظ سے یہ سمجھ لینا کہ آپؐ اپنی بیبیوں کی صحبت میں مشغول رہے، نہایت دور کا خیال ہے۔ سر سے پانی ٹپکنے کا ذکر اس روایت کی دوسری سندوں میں نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس وقت خوردسال تھے ہوسکتا ہے اُنہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔ سر پر پانی ڈالنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ دوسری روایتوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپؐ اس وقت فوج کی تیاری میں مشغول تھے (دیکھئے تشریح باب ۲۲) اور کیا دیر تک جاگنے اور کام کاج کی کوفت و پریشانی دور کرنے کے لئے ہم اپنے سر پر پانی ڈالا نہیں کرتے؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات تو الگ رہی؛ ہم انصافاً اپنے نفس پر ہی قیاس کریں کہ پاس ہی مسجد میں مرد، عورتیں اور بچے نماز کی انتظار میں اُونگھ رہے ہوں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی اپنی بیبیوں میں بیٹھا رہے۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہو جائے اور اُسے ان عورتوں اور بچوں کا خیال تک نہ آئے خصوصاً جبکہ ایسا شخص ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو اور مصروفیت جنگی نوعیت کی ہو؟ آپؐ کی نمازوں کی عابدانہ اور عاشقانہ کیفیت کی تھوڑی سی جھلک کتاب الاذان باب ۳۹، ۴۳، ۴۴ کی روایتوں میں دیکھی جائے اور پھر اپنے دل سے پوچھا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جیسے جلیل القدر انسان سے متعلق ایک روایت کے بعض الفاظ کی بناء پر بے موقع خیال گھڑنا کہاں تک انصاف ہے۔ حالانکہ محض ان الفاظ سے بھی اس خیال کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔

بَاب ٢٥: وَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے

وَقَالَ أَبُوبَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيْرَهَا.

اور حضرت ابوبرزہؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تاخیر پسند فرماتے تھے۔

٥٧٢: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوْا أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوْهَا وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسًا كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيْصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ.

٥٧٢: عبدالرحیم محاربی نے ہم سے بیان کیا، کہا: زائدہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حُمید طویل سے، حُمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں آدھی رات تک تاخیر کر دی۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور فرمایا: لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے۔ مگر دیکھو تم لوگ تو نماز میں ہی تھے جب تک تم اس کی انتظار کرتے رہے اور ابن ابی مریم نے اس کے علاوہ یہ بیان کیا کہ یحیٰ بن ایوب نے ہمیں بتایا کہ حُمید نے مجھ سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انسؓ سے سنا: گویا کہ میں آپؐ کی انگوٹھی کی چمک اب بھی دیکھ رہا ہوں جو اُس رات تھی۔

تشریح: روایت نمبر ٥٦٩ میں إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ یعنی رات کی پہلی تہائی کا ذکر ہے۔ عام حالات میں صحابہ کرامؓ اس سے پہلے پہلے پڑھ لیتے تھے اور آخری حد جس کا پتہ مستند روایات سے چلتا ہے اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ یعنی آدھی رات تک ہے جو استثنائی حالت میں تھی۔ روایت نمبر ٥٦٧ میں ہے: اَعْتَمَ بِالصَّلٰوةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ. بُهْرَةٌ کے معنے وسط یعنی آدھی رات ہوگئی۔ (لسان العرب تحت لفظ بھر) ان روایتوں کی بناء پر عنوانِ باب میں اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ آخری حد مقرر کی گئی ہے۔

حضرت ابوبرزہؓ کا قول وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيْرَهَا روایت نمبر ٥٤٧ میں دیکھئے۔ اس میں نِصْفِ اللَّيْلِ کی تصریح نہیں بلکہ مطلق تاخیر کا ذکر ہے جس کی آخری حد عام حالات میں پہلی تہائی رات کی ہے اور استثنائی حالات میں نِصْفِ اللَّيْلِ یعنی آدھی رات ہے۔ روایت نمبر ٥٧١ کے الفاظ لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ أَنْ يُّصَلُّوْا

هٰكَذَا سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خواہش اور پسندیدگی کو امت کی مشقت پر مقدم نہیں کیا بلکہ اس کے لئے سہولت کی راہ اختیار کی ہے۔ اس لئے استثنائی واقعات کی بناء پر یہ فتویٰ دینا کہ نمازِ عشاء آخر وقت میں پڑھنی مستحب ہے صحیح نہیں۔ مستحب وہی فعل ہے جو آپؐ نے عام طور پر کیا۔ امام نوویؒ کا خیال ہے کہ نِصْفُ اللَّيْل کی حد تو وہ وقت ہے جس میں نماز پڑھنا پسندیدہ ہے ورنہ نمازِ فجر تک عشاء کا وقت ہے۔ عنوانِ باب میں اس خیال کا بھی رد کیا گیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ کو امام نوویؒ کے خیال کی تائید میں کوئی مستند روایت نہیں ملی۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۶۹) آدھی رات کے بعد تو تہجد کا وقت ہوتا ہے نہ عشاء کا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور امام بخاریؒ بھی اس سے متفق ہیں۔

بَاب ٢٦ : فَضْلُ صَلَاةِ الْفَجْرِ

صبح کی نماز کی فضیلت

٥٧٣: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ لِيْ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُّوْنَ أَوْ لَا تُضَاهُوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَالَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰهٰ: ١٣١) { ☆ قَالَ أَبُوعَبْدِاللهِ زَادَ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ

۵۷۳: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحییٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسماعیل سے روایت کی (کہا:) قیس نے ہمیں بتایا۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اتنے میں آپؐ نے چودھویں کی رات چاند کو دیکھا اور فرمایا: سنو کہ تم یقیناً اپنے رب کو دیکھو گے اسی طرح جس طرح کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس بات کی ضرورت نہ ہوگی کہ تم ایک دوسرے سے لپٹ کر پوچھو کہ دکھاؤ کہاں ہے؟ یا یہ فرمایا: تمہیں اس کے دیکھنے میں شبہ نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے ہو سکے تم اس نماز کے پڑھنے میں مغلوب نہ ہونا جو سورج نکلنے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے ہے تو پھر ایسا ہی کرو۔ پھر آپؐ نے پڑھا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ.... اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج نکلنے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے تسبیح کیا کرو۔ ☆ ابوعبداللہ نے کہا:

☆ یہ فقرہ طبعة الأنصارية کے مطابق ہے۔ (دیکھئے فتح الباری الجزء الثانی حاشیہ صفحہ ۷۰)

إِسْمَاعِيْلَ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا. }

ابن شہاب نے اسمٰعیل سے روایت کرتے ہوئے یہ بڑھایا: حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرورتم اپنے رب کوکھلم کھلا دیکھو گے۔

٥٧٤: حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوْسَى عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ قَالَ ابْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا.

۵۷۴: ہُد بہ بن خالد نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہمام نے ہمیں بتایا کہ ابوجمرہ نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابوبکر بن ابی موسیٰ سے، ابوبکر نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دوٹھنڈے وقتوں کی نماز پڑھی تو وہ جنت میں داخل ہوا اور ابن رجاء نے کہا: ہمام نے ہمیں بتایا۔ ابوجمرہ سے مروی ہے کہ ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے بھی ان کو یہی بتایا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ عَنْ حَبَّانَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

اسحاق نے ہمیں بتایا۔ حبان سے مروی ہے کہ ہمام نے ہم سے بیان کیا۔ ابوجمرہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوبکر بن عبداللہ سے۔ انہوں نے اپنے باپ سے۔ ان کے باپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی۔

تشریح: بعض نسخوں میں عنوانِ باب میں فَضْلُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ کے بعد الفاظ وَالْحَدِيْث بھی ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ جن نسخوں میں یہ الفاظ ہیں اُن میں تحریف معلوم ہوتی ہے۔ وَالْحَدِيْث کی بجائے وَالْعَصْرِ چاہیے۔ یعنی نمازِ عصر کی فضیلت۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۷۰)

اس حدیث کی تشریح کے لئے دیکھئے روایت نمبر ۵۵۴ اور اس باب کے ذیل میں روایت نمبر ۵۷۴۔ اس میں نمازِ عصر اور فجر کو بَرْدَيْن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عصر کے وقت بھی گرمی کی شدت کم ہو کر فضا میں خنکی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمؒ کی روایت میں اَلْبَرْدَيْن کی تصریح ان الفاظ میں کی گئی ہے: يَعْنِى الْعَصْرَ وَ الْفَجْرَ.

(مسلم. كتاب المساجد. باب فضل صلاتي الصبح و العصر)

اعمالِ صالحہ سب جنت میں لے جانے کا موجب ہوتے ہیں۔عصر و فجر کی تخصیص جیسا کہ پہلے مفصل بتایا جا چکا ہے اس لئے کی گئی ہے کہ ان اوقات میں مسلمان کو اپنے نفس سے خاص جدو جہد کر کے اپنے اخلاص کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔اس تخصیص کے یہ معنے نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور اعمال نہیں جو جنت میں داخل ہونے کا موجب ہوں۔اخلاص کی روح جب ایک دفعہ دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے لئے اعمالِ صالحہ کے امکان کی صورتیں اور حالات خود بخود پیدا کرتی جاتی ہے۔

بَاب ٢٧ : وَقْتُ الْفَجْرِ

صبح کا وقت

٥٧٥ :حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ أَوْ سِتِّيْنَ يَعْنِي آيَةً.

٥٧٥: عمرو بن عاصم نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہمام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے ان سے بیان کیا: انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر وہ نماز کے لئے اُٹھے۔ میں نے پوچھا کہ کھانے اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ انہوں نے جواب دیا: بقدر پچاس یا ساٹھ آیت.

٥٧٦ :حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ صَبَاحٍ سَمِعَ رَوْحًا حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا وَ دُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلَاةِ قَالَ قَدْرُ مَا

٥٧٦: حسن بن صباح نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے رَوح سے سنا۔(انہوں نے کہا:) سعید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زیدؓ بن ثابت نے سحری اکٹھی کھائی۔ جب دونوں اپنی سحری کھانے سے فارغ ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے اُٹھے اور دونوں نے نماز پڑھی۔ ہم نے حضرت انسؓ سے کہا: ان کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز کے شروع

يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً.

کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ انہوں نے کہا: جتنی دیر میں آدمی پچاس آیتیں پڑھ لیتا ہے۔

۵۷۷: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيْهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَّقُوْلُ كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ يَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۵۷۷: اسماعیل بن ابی اویس نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے بھائی سے، ان کے بھائی نے سلیمان سے، سلیمان نے ابوحازم سے روایت کی کہ انہوں نے سہل بن سعد سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں اپنے کنبے کے ساتھ سحری کھایا کرتا تھا تو مجھے جلدی ہوتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پالوں۔

۵۷۸: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ.

۵۷۸: یحیٰی بن بُکَیر نے ہم سے بیان کیا، کہا: لیث نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عُقَیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے بتایا: حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی۔ فرماتی تھیں: مومن عورتیں صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ اپنی اوڑھنیوں میں لپٹی ہوئی ہوتیں۔ پھر جب وہ نماز ادا کر چکتیں تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی اُن کو نہ پہچانتا۔

تشریح: اس باب میں بھی امام بخاریؒ نے واقعات کی بناء پر صبح کے وقت کا ایک اندازہ بیان کیا ہے۔ پہلی تین روایتوں سے یہ بتایا ہے کہ نماز صبح کا وقت سحری سے فراغت پانے پر ہو جاتا ہے۔ سحری کھانے کی آخری حد فجر ہے۔ یعنی وہ وقت جب پو پھٹتی ہے۔ روایت نمبر ۵۷۷ کے الفاظ ثُمَّ يَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِيْ أَنْ أُدْرِكَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ سحری کا وقت ختم ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

ان تین روایتوں سے احتمال پیدا ہوسکتا ہے کہ رمضان کی راتوں میں پچھلے وقت جاگنے کی وجہ سے یہ جلدی ہوتی تھی۔ اس لئے چوتھی روایت سے اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ عورتیں نماز پڑھ کر ایسے وقت میں لوٹتی تھیں کہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ روایت نمبر ۵۴۷ میں جو آیا ہے کہ آپؐ ایسے وقت میں صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے: حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهُ کہ آدمی اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا۔ یہ روایت نمبر ۵۷۸ کے مفہوم کے خلاف نہیں۔ عورتیں بوجہ دور ہونے کے نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ جبکہ ایک قریب کا شخص پہچانا جاتا تھا۔

روایت نمبر ۵۲۶، ۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ عیدین میں بھی ان کی شرکت کا ذکر کتاب العلم باب ۳۲ روایت نمبر ۹۸ میں گزر چکا ہے۔

اس باب کے تعلق میں کتاب الصوم باب ۱۹ تشریح روایت نمبر ۱۹۲۱ بھی دیکھئے۔

بَاب ۲۸: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

جس نے فجر کی نماز سے ایک رکعت پائی

۵۷۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُوْنَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ.

۵۷۹: عبداللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے زید بن اسلم سے، زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے اور بسر بن سعید سے اور اعرج سے روایت کی کہ وہ (تینوں) اُن سے بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز سے ایک رکعت پالی تو اُس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز سے ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز پالی۔

تشریح: باب ۱۷ کی تشریح بھی دیکھئے۔ علامہ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے ایک لطیف تصرف سے متعلق قابل قدر نکتہ اپنی شرح میں درج کیا ہے۔ باب نمبر ۱۷ میں جو روایت نقل کی ہے اُس میں نمازِ عصر کا ذکر پہلے ہے اس لئے وہ وہاں نقل کی۔ اِس میں صبح کی نماز کا پہلے ذکر ہے، اس لئے یہ یہاں نقل کی۔ (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۷۵) دونوں

روایتوں کی سند مختلف ہے جس کی وجہ سے روایوں کے بیان میں یہ تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے۔امام موصوفؒ نے ترتیب ابواب میں یہ خفیف سا فرق بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔

بَاب ۲۹: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً

جس نے نماز سے ایک رکعت پالی

۵۸۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ.

۵۸۰: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اُس نے نماز پالی۔

تشریح: باب نمبر۱۷ میں روایت نمبر۵۵۶ کی تشریح کرتے ہوئے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اجازت استثنائی حالات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔اسی وجہ سے باب ۱۷ اور باب ۲۸ کو مَنْ سے شروع کر کے فتویٰ میں جواز کی صورت نمایاں کی گئی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے ایک لطیف تصرف کی طرف توجہ دلائی ہے جو اُنہوں نے باب مذکور کے الفاظ میں کیا ہے۔امام موصوفؒ کی یہ عادت ہے کہ عنوانِ باب میں جو الفاظ وہ اختیار کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی روایت سے ماخوذ ہوتے ہیں۔عموماً وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بڑھاتے۔یہاں بظاہر مَنْ اَدْرَکَ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَکْعَۃً رکھا ہے۔جبکہ روایت نمبر۵۸۰ کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصَّلٰوۃِ. امام موصوفؒ عموماً عنوانِ باب میں بھی حدیث کے الفاظ کی پابندی کرتے ہیں۔مگر یہاں یہ تصرف اس لئے کیا ہے کہ امام مالکؒ کی روایت میں جو بیہقیؒ نے نقل کی ہے الفاظ مِنَ الصَّلٰوۃِ پہلے ہیں۔(سنن الکبریٰ للبیہقی. کتاب الجمعۃ باب من ادرک رکعۃ من الجمعۃ. جزء۳ صفحہ۲۰۲) گویا عنوانِ باب میں اس روایت کا بھی حوالہ دیا گیا ہے اور یہ تصرف اُن کی وسعتِ اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔

(فتح الباری جزء ثانی صفحہ۷۶)

فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز کا وقت یا اس کا ثواب ہے یعنی باقی نماز جو پڑھے گا وہ وقت کے اندر ہی سمجھی جائے گی۔ فَلْیُتِمَّ صَلٰوتَہٗ (نمبر۵۵۶) اپنی نماز پوری کرے۔یہ مراد نہیں کہ ایک رکعت پڑھنے سے اُس کی نماز ہو جائے گی۔باقی رکعتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

بَاب ۳۰: اَلصَّلَاةُ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنا

۵۸۱: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِيْ رِجَالٌ مَّرْضِيُّوْنَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِيْ عُمَرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ.

۵۸۱: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے ابوالعالیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: پسندیدہ آدمیوں نے میرے پاس بیان کیا۔ سب سے زیادہ پسندیدہ اُن میں میرے نزدیک حضرت عمرؓ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد تاوقتیکہ سورج خوب روشن نہ ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد تاوقتیکہ وہ ڈوب نہ جائے، نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي نَاسٌ بِهٰذَا.

مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے قتادہ سے روایت کی کہ میں نے ابوعالیہ سے سنا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ لوگوں نے یہی حدیث مجھ سے بیان کی۔

۵۸۲: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا

۵۸۲: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ بن سعید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام سے روایت کی کہا: میرے باپ نے مجھے بتایا۔ کہا: حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نماز کے لئے سورج نکلنے کی جستجو نہ کیا کرو اور نہ اس کے ڈوبنے کی۔

٥٨٣ : وَقَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتَّى تَرْتَفِعَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيْبَ تَابَعَهُ عَبْدَةُ.

۵۸۳: اور انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو تم نماز میں تاخیر کرو۔ یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ غائب ہو جائے تو نماز میں تاخیر کرو۔ یہاں تک کہ سورج چھپ جائے۔ عبدہ نے بھی ان کی طرح یہی بیان کیا۔

٥٨٤ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَعَنْ لِّبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَعَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَعَنِ الِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ يُفْضِي بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ.

۵۸۴: عبید بن اسمٰعیل نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسامہ سے، ابواسامہ نے عبیداللہ سے، عبیداللہ نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے، خبیب نے حفص بن عاصم سے، حفص نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی خرید و فروخت سے اور دو طرز کے لباس سے اور دو نمازوں سے منع فرمایا۔ آپؐ نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے اور بدن پر کپڑا اس طرح لپیٹنے سے کہ دونوں ہاتھ اندر لپٹے رہیں اور ایک ہی کپڑے میں گوٹھ مار کر زانو اٹھا کر اس طرح بیٹھنے سے کہ اپنی شرمگاہ کو اوپر کی طرف سے کھلا رکھے اور پھینک کر اور ہاتھ سے چھو کر خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: مذکورہ بالا باب کے ذیل میں جو روایتیں لائی گئی ہیں اُن میں عصر کے بعد بھی نماز پڑھنے کی ممانعت کا صریح ذکر ہے۔ مگر عنوانِ باب میں فجر کی تخصیص کی گئی ہے۔ جس کا سبب علامہ ابن حجرؒ یہ بتاتے ہیں کہ نبی ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۷۷) اور ایک دفعہ آپؐ نے ظہر کی آخری سنتیں بھی

نمازِ عصر کے بعد پڑھیں۔(دیکھئے باب ۳۳ نیز روایت نمبر ۵۹۰) اس لئے امام موصوفؒ نے احتیاط سے کام لیا ہے۔اس احتیاط کا پتہ اگلے باب کے عنوان سے پایا جاتا ہے۔باب ۳۰ کا عنوان مطلق رکھا ہے۔اس میں کسی حکم کی طرف اشارہ نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہوا ہے۔امام ابوحنیفہؒ اور ایک جماعت فقہاء نے ان اوقات میں ہر قسم کی نماز پڑھنی ناجائز قرار دی ہے۔امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے سوائے فرائض کے باقی تمام نفلی نمازیں پڑھنی ناجائز سمجھی ہیں۔امام شافعیؒ اور ایک جماعت نے ان کے برعکس نمازِ فریضہ جو وقت پر نہیں پڑھی گئی اور نفلی نمازیں جیسے مسجد میں داخل ہونے،عیدین،سورج گرہن اور جنازے کی نمازیں پڑھنا جائز قرار دی ہیں۔(فتح الباری الجزء الثانی صفحہ ۷۸)

فقہاء کا پہلا گروہ روایت نمبر ۵۸۱ سے استدلال کرتا ہے اور ان روایتوں سے استنباط کردہ حکم کو منسوخ سمجھتے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عصر سنتیں پڑھنے اور وقت کے اندر ایک رکعت پڑھنے پر باقی نماز پوری کرنے کا ذکر آتا ہے۔جبکہ دوسرا گروہ انہی ہدایات سے جواز کا استدلال کرتا ہے۔

بَاب ٣١: لَا يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

سورج غروب ہونے سے پہلے نماز کی جستجو نہ کرے

٥٨٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَحَرَّى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا.

۵۸۵: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا،کہا: مالک نے ہمیں بتایا۔انہوں نے نافع سے،نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: تم میں سے کوئی اس جستجو میں نہ رہے کہ سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھے اور نہ اس کے غروب ہونے کے وقت۔

٥٨٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُنْدَعِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ

۵۸۶: عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔انہوں نے صالح سے،صالح نے ابن شہاب سے روایت کی۔انہوں نے کہا: عطاء بن یزید جندعی نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے سنا۔وہ کہتے تھے:

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيْبَ الشَّمْسُ.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ صبح کے بعد سورج چڑھنے تک کوئی نماز نہیں ہوتی اور نہ عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز ہوتی ہے۔

٥٨٧ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانٍ يُحَدِّثُ عَنْ مُّعَاوِيَةَ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَّقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيْهَا وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

٥٨٧: محمد بن ابان نے ہم سے بیان کیا، کہا: غندر نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ ابوتیاح سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حمران بن ابان سے سنا کہ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: تم تو ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہم نے آپؐ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور آپؐ نے ان سے یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا۔

٥٨٨: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ خُبَيْبٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ.

٥٨٨: محمد بن سلام نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبیداللہ سے، عبیداللہ نے خبیب سے، خبیب نے حفص بن عاصم سے، حفص بن عاصم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک دو نمازوں سے منع فرمایا ہے۔

بَاب ٣٢: مَنْ لَّمْ يَكْرَهِ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

جس نے نماز ناپسند نہیں کی مگر عصر اور فجر کے بعد

رَوَاهُ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ وَأَبُو سَعِيْدٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ.

حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی۔

٥٨٩: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أُصَلِّيْ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِيْ يُصَلُّوْنَ لَا أَنْهَى أَحَدًا يُّصَلِّي بِلَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ مَّا شَاءَ غَيْرَ أَنْ لَّا تَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا.

٥٨٩: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا، (کہا:) حماد بن زید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ایوب سے، ایوب نے نافع سے۔ نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ رات اور دن کو جتنی چاہے نماز پڑھے مگر یہ کہ تم سورج کے نکلنے اور اس کے غروب ہونے کی عمدًا جستجو نہ کیا کرو۔

بَاب ٣٣: مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

جو نمازیں عصر کے بعد پڑھی جائیں۔ یعنی وہ جو رہ گئی ہوں اور ان جیسی

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ شَغَلَنِيْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

اور کُرَیب نے کہا: حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: عبدالقیس کے لوگوں نے مجھے ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے نہیں دیں۔

٥٩٠: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ قَالَتْ وَالَّذِي

٥٩٠: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالواحد بن اَیمن نے ہمیں بتایا۔ کہا: میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا۔ کہتی

ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ وَمَا لَقِيَ اللهَ تَعَالَى حَتَّى ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ وَكَانَ يُصَلِّيْ كَثِيْرًا مِّنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُّثْقِلَ عَلَى أُمَّتِهِ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ.

تھیں: اُس کی قسم جو آپؐ کو لے گیا ہے، آپؐ نے وہ دو رکعتیں نہیں چھوڑیں یہاں تک کہ آپؐ اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور آپؐ اللہ تعالیٰ سے نہیں ملے جب تک کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے مجبور نہیں ہو گئے اور آپؐ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ یعنی عصر کے بعد کی دو رکعتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پڑھا کرتے تھے۔ مسجد میں ان کو نہیں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ امت پر بوجھ ڈال دیں گے اور آپؐ وہ بات پسند کرتے تھے جو ان سے (بوجھ کو) ہلکا کرے۔

۵۹۱: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَتْ عَائِشَةُ ابْنَ أُخْتِيْ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ.

۵۹۱: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحیٰی نے ہمیں بتایا۔ کہا: ہشام نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: اے میرے بھانجے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو سجدے میرے پاس کبھی ترک نہیں کئے۔

۵۹۲: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَّسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۵۹۲: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا، کہا: عبدالواحد نے ہمیں بتایا، کہا: ہم سے شیبانی نے بیان کیا، کہا: عبدالرحمٰن بن اسود نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنے باپ سے۔ ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہتی تھیں: دو رکعتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پوشیدگی

يَدَعُهُمَا سِرًّا وَّ لَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

میں چھوڑتے اور نہ اعلانیہ۔ دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد۔

۵۹۳: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ رَأَيْتُ الْأَسْوَدَ وَ مَسْرُوْقًا شَهِدَا عَلَى عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

۵۹۳: محمد بن عرعرہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا: ابو اسحاق سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اسود اور مسروق کو دیکھا کہ وہ دونوں حضرت عائشہؓ سے متعلق شہادت دیتے تھے کہ وہ کہتی تھیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی میرے پاس دن میں عصر کے بعد آیا کرتے تو ضرور آپؐ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے ان ابواب کی جو ترتیب قائم کی ہے اُس سے اُن کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ جن نمازوں کی تخصیص مستند روایتوں کی رو سے واضح ہے اُن کا پڑھنا جائز ہے۔ مثلاً صبح کی یا ظہر کی سنتیں جو رہ گئی ہوں تو وہ سورج نکلنے یا غروب ہونے سے پہلے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں۔ ایسا ہی روایت مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ یا مِنَ الْعَصْرِ ... میں بھی ایک تخصیص کی گئی ہے۔ اس پر بھی عمل درآمد ہونا چاہیے۔ وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاس. جن نمازوں کا ذکر خاص طور پر احادیث میں آتا ہے۔ وہ بھی سورج نکلنے یا غروب ہونے سے پہلے پہلے پڑھنا جائز ہے۔ اگر اُن کے پڑھنے کا موقع نہ ملے تو پھر سورج نکلنے یا غروب ہونے کے بعد انہیں پڑھا جائے۔

چنانچہ امام موصوفؒ نے **باب ۳۰ کی پہلی روایت** میں صحابہؓ کی شہادت پیش کی ہے جو رِجَالٌ مَّرْضِيُّوْن یعنی پسندیدہ لوگوں کی شہادتیں ہیں؛ جس سے اس صریح ممانعت کا پتہ چلتا ہے۔ **دوسری روایت** میں آپؐ کے الفاظ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا نقل کئے ہیں۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ آدمی جان بوجھ کر صبح اور عصر میں اس قدر تاخیر نہ کردے کہ جب سورج نکلنے یا ڈوبنے لگے تو وہ نماز پڑھنے کے لئے اُٹھے۔ **تیسری روایت** میں آپؐ کا ارشاد زیادہ واضح ہے: فَأَخِّرُوْا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَرْتَفِعَ. **چوتھی روایت** میں پھر ایک صحابی کی شہادت پیش کی ہے۔

اس کے بعد **باب نمبر ۳۱ میں** مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کی ممانعت سے متعلق عنوان قائم کر کے مزید روایتیں پیش کی ہیں۔ اس کے بعد **باب نمبر ۳۲** قائم کیا ہے جس میں حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی سابقہ روایات کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ کا فقیہانہ قول نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف دو وقتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اس وقت جبکہ سورج نکل رہا ہو یا ڈوب رہا ہو۔ لَا اَنْهٰى اَحَدًا يُّصَلِّيْ

بِلَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ مَّا شَاءَ. (روایت نمبر۵۸۹☆) یعنی رات یا دن کی کسی گھڑی میں جس وقت چاہے اور جتنی چاہے نماز پڑھے مَیں اس سے کسی کو منع نہیں کرتا۔ یعنی اُن میں سے بعض اوقات میں اگرچہ نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر حرام نہیں جس کی وجہ سے مَیں لوگوں کو روکوں۔ اس باب میں کراہیت اور حرمت کے درمیان فرق دکھلا کر پہلے دو بابوں کی مندرجہ روایتوں کی تشریح کردی ہے جن میں دو قسم کی ممانعت ہے۔ صریح ممانعتِ حرمت: لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا (روایت نمبر۵۸۲) اور ممانعتِ کراہیت۔

ان تین بابوں کے بعد **باب نمبر۳۳** قائم کیا ہے۔ جس میں ان تخصیصات کا ذکر کیا ہے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس لطیف ترتیب سے روایات کا اختلاف رفع کیا ہے۔ عصر کے بعد دو رکعتیں نبی ﷺ نے اپنے لئے خاص رکھی ہیں جو مسجد میں نہیں بلکہ گھر میں آپؐ پڑھا کرتے تھے۔ مَخَافَةَ اَنْ يُّثْقِلَ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ (روایت نمبر۵۹۰) اس سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نفلی نماز پڑھنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے اور اس کراہیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہا۔ پس نبی ﷺ اگر اچھی بات سے بھی روکیں تو ادب اسی میں ہے کہ انسان اس اچھی بات سے بھی رُک جائے۔ کیونکہ دین کی اصل روح اطاعت ہے نہ اعمال کی کثرت۔

اب رہا یہ سوال کہ **سورج نکلتے یا ڈوبتے وقت نماز پڑھنا کیوں حرام کیا گیا ہے؟** تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربوں میں کواکب پرستی بھی رائج تھی۔ اُن میں سے بہت لوگ خصوصاً اہل بادیہ اور حِمْیَر کے قبائل خصوصیت سے سورج کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ الوسی بغدادیؒ اپنی مشہور کتاب ''بلوغ الارب فی معرفة أحوال العرب'' میں عربوں کی مختلف عبادتوں کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی سورج پرستی کی نسبت لکھتے ہیں: وَمِنْ شَرِيْعَتِهِمْ فِيْ عِبَادَتِهَا أَنَّهُمُ اتَّخَذُوْا لَهَا صَنَمًا بِيَدِهٖ جَوْهَرٌ عَلٰى لَوْنِ النَّارِ وَلَهٗ بَيْتٌ خَاصٌّ قَدْ بَنَوْهُ بِاسْمِهٖ .... يُصَلُّوْنَ فِيْهِ لَهَا ثَلَاثَ كَرَّاتٍ فِي الْيَوْمِ.... وَهُمْ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ سَجَدُوْا كُلُّهُمْ لَهَا وَإِذَا غَرَبَتْ وَإِذَا تَوَسَّطَتْ ....

(بلوغ الارب فی معرفة أحوال العرب. ذکر شئ من أخبار الأصنام. فمنهم عباد الشمس. جزء ثانی صفحہ۲۱۵-۲۱۶)

{**ترجمہ**: اور اُن کی شریعت کی عبادت میں سے یہ بھی تھا کہ انہوں نے (سورج) کی عبادت کے لیے ایک بت بنایا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پر آگ کے رنگ کا نشان تھا اور اس کے لیے مخصوص کمرہ ہوتا، جسے وہ اس کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور اس میں (دن کے) تین اوقات میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ جب سورج نکل رہا ہوتا اور جب غروب ہو رہا ہوتا اور جب نصف النہار پر ہوتا تو وہ سب اس کو سجدہ کرتے تھے۔}

لَات جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے سورج کا ہی ایک بت تھا۔

عربوں کی اس سورج پرستی ہی کی وجہ سے انہیں قرآن مجید نے بار بار منع کیا ہے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حٰمٓ السجدة:۳۸) {نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا۔} اور مثالیں دے دے کر نہایت لطیف اور حکیمانہ پیرایہ میں سمجھایا ہے کہ یہ سورج اور ساری مادی کائنات صَرْحٌ

☆ روایت نمبر۵۸۹ کے یہ الفاظ طبعة الانصاریه کے مطابق ہیں۔ (دیکھئے حاشیہ فتح الباری جزء ثانی صفحہ۸۲)

مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ . (النمل:۴۵){یعنی یہ تو ایک ایسا محل ہے جو شیشوں سے جڑا ہوا ہے} سے بڑھ کر حقیقت نہیں رکھتی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: اسلامی اصول کی فلاسفی۔ زیر عنوان ''ایک برتر ہستی کی تلاش'' صفحہ ۴۹۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۳)

بعض بدوی عربوں کے دلوں میں سورج پرستی نے ایسا گھر کر لیا تھا کہ اسلام پھیلنے کے بعد بھی صحرائے عرب کے دور دراز حصوں میں اس کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہا۔ اساطیر الاوّلین کا قابل مصنف بلغراف سیاح کے حوالے سے صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے: اِنَّ عِبَادَةَ الشَّمْسِ الَّتِيْ كَانَتْ شَائِعَةً فِي الْأَعْصُرِ الْغَابِرَةِ لَمْ تُمْحَ بَعْدُ مِنَ الْبَوَادِي الَّتِيْ تُحِيْطُ سُوْرِيَا فَإِنَّهُ عِنْدَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ مُنِيْرَةً شَهِدْتُّ مَشْهَدًا غَرِيْبًا مَّرَّاتٍ مُّتَوَالِيَةً وَهُوَ الْعِبَادَةُ الَّتِيْ يُقَدِّمُهَا الْبَدْوُ لِلشَّمْسِ فَلَمَّا ظَهَرَ قَوْصُهَا الْمُنِيْرُ فِي الْأُفُقِ حَوَّلَ الْقَوْمُ نَظَرَهُمْ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَأَخَذُوْا بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الْجِمَالِ يُجَاوِبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلٰى اَنْ ظَهَرَ اِطَارُ الشَّمْسِ ظُهُوْرًا تَامًّا.

یعنی صحرائے شام میں مَیں نے کئی مرتبہ ایک عجیب منظر دیکھا کہ طلوعِ آفتاب کے وقت بدو اونٹوں پر سوار ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے دعا میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ایک بدوی پڑھتا اور دوسرے بدوی اس کے جواب میں پڑھتے یہاں تک کہ سورج پورے طور پر ظاہر ہو جاتا۔ قدیم سورج پرستی کے آثار اس وقت تک صحرا سے نہیں ہٹے۔

عربوں میں ابتداءً سورج پرستی بابلیوں، کلدانیوں اور اشوریوں کے اختلاط سے پھیلی۔ شام وعراق کے اردگرد کے علاقے ان قوموں کے وطن تھے۔ مذکورہ بالا شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بدوی قبائل میں سورج پرستی کا اثر اسلام کے بعد بھی ایک عرصہ تک باقی رہا۔ شارع اسلام علیہ السلام نے اپنی اصلاح میں جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی شرک اور گناہ کے بواعث اور متعلقات سے بھی اپنے پیروؤں کو روک دیا جن سے شرک اور گناہ کے لئے تحریک پیدا ہو سکتی تھی۔ مثلاً آپؐ نے عبدالقیس کے نمائندوں کو شراب کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے تا برتن دیکھ کر شراب پینے کی تحریک پیدا نہ ہو۔ (کتاب الایمان باب نمبر ۴۰ روایت نمبر ۵۳) جن اوقات میں شراب پی جاتی تھی اُن میں عبادتیں رکھ دی گئیں تا شراب پینے کے وقتوں سے توجہ عبادت کی طرف منعطف ہو۔ اسی حکمت پر گھروں میں تصویریں اور مورتیں رکھنے کی ممانعت مبنی ہے۔ اس کی اور بہت سی مثالیں آگے آئیں گی۔ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا کا ارشاد بھی بتاتا ہے کہ عربوں کے دلوں سے سورج پرستی کا میلان کلی طور پر مٹانے کے لئے ان اوقات میں نماز حرام قرار دی گئی ہے جن میں وہ پہلے سورج کی عبادت کیا کرتے تھے۔

امام مسلمؒ کی روایتوں میں جو مستند ہیں دوپہر کے وقت میں بھی جبکہ سورج سر پر ہوتا ہے نماز پڑھنے کی حرمت کا ذکر آتا ہے۔ (مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین. باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فیها نیز باب اسلام عمرو بن عبسة) یہ تینوں اوقات سورج پرستی کے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ بعض زیر اصلاح لوگوں میں یہ میلان ضرور تھا کہ سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت نماز پڑھیں جیسا کہ الفاظ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا دلالت کرتے ہیں۔ تَحَرّٰی کے معنے قصداً ایسی بات کی تلاش کی جو زیادہ مناسب ہو۔

(المنجد فی اللغة تحت لفظ حری)

اس سے اسی مشرکانہ میلانِ نفس کا قلع قمع کرنا مقصود ہے: وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَّرْعَى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ (دیکھئے کتاب الایمان باب ۳۹ روایت نمبر ۵۲){یعنی اور جوان مشتبہ امور میں جا پڑا تو وہ اس چرواہے کی مانند ہے جو اپنا ریوڑ رکھ کے آس پاس چرا رہا ہے۔قریب ہے کہ اس میں ریوڑ جا پڑے۔}

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھنے پر بعض دفعہ بدنی سزا دی تو اس سختی کی وجہ بھی یہی تھی۔مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے کہ انہوں نے زید بن خالد کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارا اور فرمایا: يَا زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ لَوْ لَا اَنِّيْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُلَّمًا اِلَى الصَّلٰوةِ حَتَّى اللَّيْلَ لَمْ اَضْرِبْ فِيْهِمَا.

(مصنف عبدالرزاق. كتاب الصلوٰة. باب الساعة التي يكره فيها الصلاة: ۳۹۷۲)

یعنی میں اس خوف سے بدنی سزا دیتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو ان دو رکعتوں کو لوگ غروب آفتاب تک نماز پڑھنے کا زینہ بنا لیں۔یحيٰ بن بکیر نے بھی یہی توجیہہ واضح الفاظ میں نقل کی ہے: وَلٰكِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّاْتِيَ بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يُّصَلُّوْنَ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ اِلَى الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَمُرُّوْا بِالسَّاعَةِ الَّتِيْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّصَلّٰى فِيْهَا. (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۸۶) ان حوالوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ اس وقت میں نماز پڑھنا شروع کر دیں گے جس سے روکا گیا تھا۔امیر معاویہؓ بھی بعض لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھ کر تعجب و نفرت کا اظہار کرتے تھے۔(روایت نمبر ۵۸۷)

روایت نمبر ۵۸۸: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اَلصَّلٰوةُ بَعْدَ الْفَجْرِ (باب نمبر ۳۰) اور لَا يَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ (باب نمبر ۳۱) کے عنوان سے دو باب قائم کر کے اُن کے ذیل میں دو قسم کی روایتیں یہی بتانے کے لئے لائے ہیں کہ بَعْدَ الْعَصْرِ اور بَعْدَ الْفَجْرِ نماز پڑھنے کی ممانعت کا تعلق دراصل (طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَمَغْرِبِهَا) سورج چڑھنے اور غروب ہونے کے ساتھ ہے اور تیسرے باب (نمبر ۳۲) میں حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ لَا اَنْهٰى اَحَدًا يُّصَلِّيْ بِلَيْلٍ وَّلَا نَهَارٍ مَّا شَاءَ غَيْرَ اَنْ لَّا تَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا (روایت نمبر ۵۸۹) سے وجہ تحریم کی مزید وضاحت کر دی ہے۔باب ۳۱ و باب ۳۲ کے عنوان اور اس کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ممانعت دو قسم کی ہے۔ممانعت حرمت اور ممانعتِ کراہیت۔یہ فرق بعض علماءِ سلف نے بھی ملحوظ رکھا ہے۔چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے ان کے اقوال کا حوالہ اپنی کتاب فتح الباری میں دیا ہے۔علماء سلف کی اصطلاح میں کراہیت تحریمہ اور کراہیت تنزیہہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور انہوں نے تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کراہیت تنزیہہ قرار دی ہے۔تنزیہہ نزاہت سے ہے۔نزاہت کے معنے پاکیزگی۔اقامت الصلوٰۃ کے وقت یعنی اس وقت جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہوا اور اس وقت جبکہ نماز باجماعت ہو رہی ہو نفلی نماز یعنی سنتیں پڑھنا جائز نہیں۔(تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۸۳-۸۴)

ان کے نزدیک عصر اور فجر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت بھی اسی قسم کی ہے۔کراہیت تحریم نہیں۔اسی فقیہانہ اختلاف کے پیش نظر یہ باب قائم کیا گیا ہے۔

بَاب ٣٤: اَلتَّبْكِيْرُ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ

بادل کے دن نماز اوّل وقت پڑھنا

٥٩٤: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيْرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ أَبَا الْمَلِيْحِ حَدَّثَهُ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمِ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ.

۵۹۴: معاذ بن فضالہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے یحیٰی سے جو کہ ابوکثیر کے بیٹے تھے؛ یحیٰی نے ابوقلابہ سے روایت کی کہ ابوالملیح نے ان سے بیان کیا، کہا: ہم بادل والے دن حضرت بُریدہ کے ساتھ تھے تو انہوں نے کہا کہ نماز کو اوّل وقت پڑھو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے عصر کی نماز چھوڑی اس کا عمل اَکارت گیا۔

تشریح: سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں عبدالعزیز بن رفیعؒ کے حوالہ سے نبی ﷺ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: عَجِّلُوْا صَلٰوةَ الْعَصْرِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ . (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۸۷-۸۸) اس روایت کی سند قوی ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے عنوانِ باب میں اپنی روایت کی بناء پر اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بَكِّرُوْا کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔

بَاب ٣٥: اَلْأَذَانُ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

وقت گزر جانے کے بعد اذان دینا

٥٩٥: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ

۵۹۵: عمران بن میسرہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: محمد بن فضیل نے ہمیں بتایا۔ کہا: حصین نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات سفر کیا۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ ہمارے ساتھ ٹھہر کر تھوڑا سا سولیں تو آپؐ نے

قَالَ بِلَالٌ أَنَا أُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَآضَّتْ قَامَ فَصَلَّى.

فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ تم سو کر نماز ضائع کر دو گے۔ حضرت بلالؓ نے کہا: میں آپؐ کو جگا دوں گا۔ اس پر وہ لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ اپنی پیٹھ کو کجاوے سے لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور حالت یہ تھی کہ سورج کا کنارہ نکل چکا تھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: بلال! کہاں ہے جو تم نے کہا تھا؟ جواب دیا کہ مجھے ایسی نیند کبھی نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب چاہا۔ تمہاری روحیں قبضہ میں رکھیں اور جب چاہا انہیں واپس کر دیا۔ بلال! اُٹھو اور لوگوں کو نماز کی اطلاع دو۔ آپؐ نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہوا اور اچھی طرح روشن ہو گیا تو آپ اُٹھے اور آپؐ نے نماز پڑھی۔

تشریح: باب نمبر ۳۴ میں ایک صحابی کی احتیاط کا ذکر ہے اور اس باب میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کر کے دوسری مثال دی ہے۔ پہلی مثال سورج ڈوبنے سے متعلق ہے اور دوسری سورج نکلنے سے متعلق۔ دونوں وقتوں میں نماز پڑھنے سے احتیاطاً اجتناب کیا جاتا تھا۔ روایت نمبر ۵۹۵ اور نمبر ۵۹۶ میں نمازِ عصر اور فجر کا ذکر ہے۔ مگر عنوانِ باب (نمبر ۳۴) میں مسئلہ کو وسعت دی ہے۔ ظہر کے وقت اَبر ہو تو اس سے متعلق احتیاط یہی ہے کہ اس کے پہلے وقت میں ذرا دیر کر کے پڑھ لی جائے اور مغرب وعشاء کے وقت بھی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ظہر میں تاخیر کر کے عصر کو اس کے ساتھ جمع کر لیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے: قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ غَيْمٍ فَأَخِّرُوا الظُّهْرَ وَعَجِّلُوا الْعَصْرَ. (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۸۸) {کہ آپؓ نے فرمایا: جس دن بادل ہوں تو ظہر میں تاخیر کر لو اور عصر کو (وقت سے) جلدی (اس کے ساتھ جمع) کر لو۔}

روایت نمبر ۵۹۵ میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ غزوہ خیبر سے لوٹنے پر پیش آیا یا غزوہ حدیبیہ سے۔ مسلمؒ کی روایت سے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر سے لوٹتے وقت یہ ہوا۔ (مسلم. کتاب المساجد. باب قضاء الصلاة الفائتة) مگر ابوداؤدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے جو روایت نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ سے لوٹتے وقت پیش آیا تھا۔ (ابو داؤد. کتاب الصلاة.

باب فی من نام عن الصلاۃ اونسیھا) زید بن اسلمؒ کی روایت سے جوموطا میں ہے، حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔(مؤطا امام مالک. کتاب وقوت الصلاۃ. باب النوم عن الصلاۃ) جوواقعہ کتاب التیمم باب ۶:الصعید الطیب وضوء المسلم روایت نمبر ۳۴۴ میں گزر چکا ہے، اس کے راوی حضرت عمران بن حصینؓ ہیں۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں جگانے کا ذکر ہے اور حضرت بلالؓ کا کہیں ذکر نہیں اور حضرت ابوقتادہؓ کی اس روایت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ کا ذکر نہیں، حضرت بلالؓ کا ذکر ہے۔ اسی طرح اور بھی اختلافی امور ہیں جن کی بناء پر بعض محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ دو مختلف واقعے ہیں۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری کتاب التیمم. باب ۶:الصعید الطیب وضوء المسلم شرح روایت نمبر ۳۴۴)

بَاب ٣٦:مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

جوشخص وقت گزر جانے کے بعد لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائے

٥٩٦:حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا كِدْتُّ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.

۵۹۶: معاذ بن فضالہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ سے، یحيٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطابؓ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے تو عصر کی نماز بھی نہیں ملی یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا میں نے بھی نہیں پڑھی۔ اس پر ہم اُٹھ کر بطحان کی طرف گئے اور آپؐ نے نماز کے لئے وضو کیا اور ہم نے بھی اس کے لئے وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس عنوان سے مراد گذشتہ فوت شدہ نمازیں نہیں بلکہ وہ ہیں جو بھول سے یا کسی مجبوری کی وجہ سے رہ جائیں اور پھر وقت کے بعد جلدی ہی پڑھ لی جائیں۔جیسا کہ اگلے باب میں اس کی صراحت ہے۔**یَوْمَ الْخَنْدَقِ** کی تفصیل کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق میں آئے گی۔

مَاكِدْتُّ أُصَلِّيْ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سورج غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھ لی تھی۔نماز با جماعت پڑھانے کا استدلال ان الفاظ سے کیا گیا ہے: **فَقُمْنَااِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلّٰى الْعَصْرَ.** وضوء، قیام اور دونوں نمازیں پڑھنے میں سب شریک تھے۔جو جماعت پر دلالت کرتا ہے۔**بُطْحَانَ** مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے۔(فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۹۲)

بَاب ۳۷ :مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَاذَكَرَهَاوَ لَا يُعِيْدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ

جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو چاہیے کہ وہ جب اُسے یاد آئے پڑھ لے اور صرف وہی نماز دُہرائے

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَّاحِدَةً عِشْرِيْنَ سَنَةً لَّمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ الْوَاحِدَةَ.

اور ابراہیم (نخعی) نے کہا: جس نے ایک ہی نماز بیس سال تک نہیں پڑھی تو وہ صرف وہی ایک نماز دُہرائے۔

۵۹۷ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَمُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِلذِّكْرٰى☆ قَالَ مُوْسَى قَالَ هَمَّامٌ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بَعْدُ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ (طٰهٰ: ۱۵) وَ قَالَ حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ

۵۹۷: ابو نُعَیم اور موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا۔دونوں نے کہا: ہمام نے ہمیں بتایا۔انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انسؓ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جو ایک نماز بھول گیا تو چاہیے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔اس کا کفارہ صرف یہی ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِلذِّكْرٰى ☆ موسیٰ کہتے تھے: ہمام نے کہا: میں نے انہیں بعد میں اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ کہتے ہوئے سنا اور حبان کہتے تھے: ہمام نے ہم سے بیان

☆ الفاظ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طٰهٰ:۱۵) کی یہ ترتیب عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔
(دیکھئے عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ۹۲-۹۴)

حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

کیا کہ قتادہ نے ہمیں بتایا کہ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے اسی طرح ہمیں بتایا تھا۔

تشریح: ضائع شدہ نماز کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے۔ جن میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک مشہور اختلاف یہ ہے کہ آیا عمداً ترک کرنے والا بھی بھولنے والے کی طرح ترک شدہ نماز پڑھ سکتا ہے یا قضاءِ صلوٰۃ کا مسئلہ صرف معذور انسان کے لئے مخصوص ہے۔ یہاں عنوانِ باب میں نَاسِیْ یعنی بھولنے والے کی تخصیص کر کے عَامِد یعنی عمداً ترک کرنے والے کو نظرانداز کر دیا ہے۔ اس سے پہلے باب میں حالاتِ بے بسی و مجبوری کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ یعنی نیند کی حالت اور جنگ کی حالت۔ یہاں صرف ترکِ نسیان اور ترکِ عمد کا سوال ہے۔ نسیان کی وجہ سے شریعت نے بھولنے والے کے ساتھ ایک رعایت برتی ہے۔ جس کا عمداً ترک کرنے والا مستحق نہیں۔ اس سے قضاء عمری کی بدعت ردّ ہوتی ہے جو ترکِ عمل کا ایک بہانہ ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے جو اس سوال سے پیدا ہوتا ہے کہ آیا ادا شدہ نمازوں کے ساتھ قابلِ ادا نمازوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے یا نہ۔ مثلاً عصر کی نماز پڑھنے پر ظہر کی نماز یاد آ گئی تو کیا وہ ظہر ہی پڑھے یا اس کے بعد عصر کی نماز بھی دُہرائے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب ضروری ہے۔ اس لئے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ثوریؒ اور امام شافعیؒ بھولنے والے کے لئے ترتیب ضروری قرار نہیں دیتے۔ امام بخاریؒ نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ وَلَا يُعِيْدُ اِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ اور روایت نمبر ۵۹۷ کو مستند و صحیح قرار دے کر وہ ضعیف روایتیں نظرانداز کر دی ہیں۔ جن میں اعادہ صلوٰۃ کا ذکر آتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:-

(بداية المجتهد. كتاب الصلاة. الجملة الرابعة. الباب الثانى فى القضاء)

(فتح البارى جزء ثانى صفحه ۹۳-۹۵) (عمدة القارى جزء خامس صفحه ۹۲-۹۴)

مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً وَّاحِدَةً عِشْرِيْنَ سَنَةً لَّمْ يُعِدْ اِلَّا تِلْكَ الصَّلٰوةَ الْوَاحِدَةَ:

عنوانِ باب میں ابراہیم نخعیؒ کا حوالہ اسی مذہب کی تائید میں پیش کیا ہے۔ عِشْرِيْنَ سَنَةً بطور مبالغہ کہا ہے۔ یعنی بیس سال کے بعد بھی اگر یاد آ جائے تو اس پر کوئی کفارہ عائد نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ وہی نماز پڑھی جائے۔ خود ثوریؒ نے اپنی جامع میں یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کا ردّ بھی مقصود ہے جو ایک ضعیف روایت کی بناء پر کہتے ہیں کہ ضائع شدہ نماز یاد آنے پر پڑھ لینے کے باوجود دوسرے دن جب اس کا وقت آئے تو اس کو دوبارہ پڑھے۔ (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۹۴) بعض نے کفارہ کے لفظ سے دھوکہ کھا کر نَسِيَ کے معنوں میں ترکِ عمد کو بھی شامل رکھا ہے۔ مگر کفارہ صرف عمداً گناہ کرنے ہی کا نہیں ہوا کرتا خطا کا بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ .... (النساء: ۹۳) {اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو قتل کرے تو ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے۔.....}

جو لوگ نماز عمداً ترک کرتے ہیں ان کے لئے احکام شریعت الگ ہیں۔ قرآن مجید کی آیت أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰه: ۱۵) کا حوالہ بھی اسی غرض سے دیا گیا ہے کہ جب یاد آئے نماز پڑھ لی جائے۔

بَاب ۳۸: قَضَاءُ الصَّلَوَاتِ الْأُوْلَى فَالْأُوْلَى

(ضائع شدہ) نمازیں ادا کرنا۔ پہلے پہلی ادا کرے

۵۹۸: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَعَلَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ وَقَالَ مَا كِدْتُّ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى غَرَبَتْ قَالَ فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلَّى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ.

۵۹۸: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام سے روایت کی۔ کہا: یحيٰ نے جو کہ ابوکثیر کے بیٹے ہیں ہم سے بیان کیا، کہا: انہوں نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمرؓ خندق کے دن ان کافروں کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا: مجھے عصر کی نماز نہیں ملی یہاں تک کہ (سورج) غروب ہوگیا۔ کہتے تھے: اس پر ہم بطحان میں اُتر کر گئے اور انہوں نے سورج غروب ہونے کے بعد نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اگر ایک سے زیادہ نمازیں رہ گئی ہوں تو پھر ان کو ترتیب سے ادا کرے۔ بھولی ہوئی یا مجبوری کی وجہ سے رہی ہوئی نمازوں کا وقت وہی ہے جب وہ یاد آئیں یا ان کے پڑھنے کی توفیق ملے۔ اس وقت ان کو ترتیب سے پڑھے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانچ سے زیادہ نمازیں رہ گئی ہوں تو ترتیب ضروری نہیں اور اس سے کم میں ضروری ہے۔ بشرطیکہ نسیان کی وجہ سے نہ رہ گئی ہوں یا موجودہ نماز کا وقت اس کے لئے تنگ نہ ہو۔ ورنہ موجودہ نماز پہلے ادا کرے۔

(بداية المجتهد. كتاب الصلاة. الجملة الرابعة. الباب الثانی فی القضاء. شروط القضاء ووقته)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوانِ باب میں پانچ کی حدّ مقرر نہیں کی اور نہ اس مسئلہ پر باعتبار اُس نماز کے کوئی رائے ظاہر کی ہے جس کا وقت ہے۔

بَاب ۳۹: مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کے بعد بات چیت ناپسندیدہ ہے

اَلسَّامِرُ مِنَ السَّمَرِ وَ الْجَمِيْعُ السُّمَّارُ وَالسَّامِرُ هَاهُنَا فِي مَوْضِعِ الْجَمْعِ وَأَصْلُ السَّمَرِ ضَوْءُ لَوْنِ الْقَمَرِ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فِيْهِ. ☆

{☆ سَامِر سَمَر سے ہے اور اس کی جمع سُمّار ہے اور سَامِر یہاں جمع کی جگہ ہے اور سَمَر وہ رنگ ہے جو چاند کی روشنی کا ہوتا ہے۔ چاندنی رات میں وہ باتیں کیا کرتے تھے۔}

۵۹۹: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْمِنْهَالِ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي حَدِّثْنَا كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ قَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ وَهِيَ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا الْأُوْلَى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى أَهْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ

۵۹۹: مسدد نے ہم سے بیان کیا، کہا: یحيٰ نے ہمیں بتایا۔ کہا: عوف نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابومنہال نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ کے پاس گیا تو میرے باپ نے اُن سے کہا: ہمیں بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کب پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: دوپہر کی نماز آپؐ اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور اسی کو پہلی کہتے ہو اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے کہ ہم میں سے ایک شہر کے انتہائی سرے پر اپنے بیوی بچوں کے پاس واپس جاتا اور سورج ابھی روشن ہوتا اور جو مغرب کے متعلق کہا تھا میں بھول گیا۔ انہوں نے کہا: آپؐ عشاء کی نماز میں تاخیر پسند فرماتے۔ کہا: اور اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنا ناپسند فرماتے اور صبح کی نماز سے

☆ یہ عبارت فتح الباری کی طبعة بولاق کے مطابق ہے۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ثانی حاشیہ صفحہ ۹۶)

صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيْسَهُ وَيَقْرَأُ مِنَ السِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ.

ایسے وقت میں فارغ ہو کر پھرتے کہ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی کو پہچان لیتا اور آپؐ ساٹھ سے سو آیتیں پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: عنوانِ باب میں لفظ سَمَر کے لغوی معنی بتاتے ہوئے آیت سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ (المؤمنون :٦٨) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ رات کے وقت تم بکواس کرتے رہتے ہو۔ آج کل بھی عربی ممالک میں رات کو دیر تک اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرنے کا رواج عام ہے۔ جسے سھرہ کہتے ہیں.(لسان العرب تحت لفظ سھر) اس سھرہ کی وجہ سے اُن کی راتیں گوناگوں دلچسپیوں اور عیش پرستیوں کا تماشا گاہ بن جاتی ہیں اور یَا لَیْل کی سرین ایک مُغَنّی کی زبان سے عام حاضرین کو وجد و رقص میں لا کر عالَمِ محویت کا نمونہ دکھاتی ہیں۔ اُن کی راتیں الف لیلیٰ کے قصوں اور کہانیوں کی زندہ یادگاریں ہیں۔ رات کی یہ رنگینیاں قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرت نے اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا اور ایک مدتِ مدید تک وہ آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ طبیعتِ دیرینہ نے پھر عود کیا اور یورپ کی اندھا دُھند تقلید نے اُن کی اس طبیعت پر کچھ اور رنگ چڑھا دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تہجد اور صبح کی نمازیں تو الگ رہیں خود عشاء کی نماز بھی اُن لوگوں کو پڑھنے کی توفیق نہیں ملتی جنہیں تھوڑا بہت تعلق دین سے ہے۔ اسلام ہر کام میں پابندیٔ اوقات کی تاکید کرتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد بے کار بات کی ناپسندیدگی بھی اس تاکید کی ایک مثال ہے۔

اس تعلق میں کتاب العلم باب ۴۱:السمر بالعلم بھی دیکھئے۔

بَاب ٤٠: اَلسَّمَرُ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کے بعد دینی علم اور نیک کاموں سے متعلق بات چیت کرنا

٦٠٠: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ وَ رَاثَ عَلَيْنَا حَتَّى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ فَجَاءَ فَقَالَ دَعَانَا جِيْرَانُنَا هَؤُلَاءِ ثُمَّ قَالَ قَالَ أَنَسٌ نَظَرْنَا النَّبِيَّ

٦٠٠: عبداللہ بن صباح نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابوعلی حنفی نے ہمیں بتایا۔ قرّہ بن خالد نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہم نے حسن (بصری) کا انتظار کیا اور انہوں نے ہمارے پاس آنے میں دیر کر دی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب وہ اٹھ کر (گھر) جایا کرتے تھے۔ تب وہ آئے اور کہا: ہمیں ہمارے ان

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ يَبْلُغُهُ فَجَاءَ فَصَلَّى لَنَا ثُمَّ خَطَبَنَا فَقَالَ أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوْا وَ إِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ قَالَ الْحَسَنُ وَإِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُوْنَ بِخَيْرٍ مَّا انْتَظَرُوْا الْخَيْرَ قَالَ قُرَّةُ هُوَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

پڑوسیوں نے بلایا تھا۔ پھر کہا: حضرت انسؓ کہتے تھے: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک رات اتنا انتظار کیا کہ آپؐ کو آدھی رات ہوگئی تب آپؐ آئے اور ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر ہم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: دیکھو لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور تم نماز ہی میں رہے ہو جب تک کہ تم نے نماز کا انتظار کیا ہے۔ حسن نے کہا: لوگ ہمیشہ بھلائی میں ہی رہتے ہیں جب تک وہ بھلائی کا انتظار کرتے رہیں۔ قرّہ نے کہا: یہ حضرت انسؓ کی بات ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کی تھی۔

٦٠١: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةٍ لَّا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ

٦٠١: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: شعیب نے ہمیں بتایا کہ زُہری سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اور ابوبکر بن ابی حثمہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اپنی آخری زندگی میں پڑھی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپ اُٹھے اور فرمایا: کیا تم نے اپنی اس رات پر غور کیا ہے؟ صدی کے آخر تک ان میں سے جو آج سطح زمین پر ہیں ایک بھی باقی نہیں رہے گا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کچھ کی کچھ سمجھ لی۔ یعنی وہی باتیں جو اِن حدیثوں کے بارہ میں وہ کیا کرتے ہیں جو سو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَا يَتَحَدَّثُوْنَ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيْثِ عَنْ مِّائَةِ سَنَةٍ وَّإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يُرِيْدُ بِذَلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذَلِكَ الْقَرْنَ.

سال سے متعلق مروی ہیں۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف یہی فرمایا تھا: آج جو لوگ سطح زمین پر ہیں اُن میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ اس سے آپؐ کی یہ مراد تھی کہ یہ صدی اس زمانہ کے لوگوں کو ختم کردے گی۔

تشریح: اسلام جس کی تعلیم اعتدال پر قائم ہے ہر عمل میں میانہ رَوِی اور ضرورتِ حقہ ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو واقعات پیش کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ عشاء کے بعد بات چیت کرنے کی ممانعت کے معنے وہی ہیں جس کی طرف قرآن مجید کی آیت سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ (المؤمنون:٦٨) اشارہ کرتی ہے۔ ورنہ بھلائی کی باتوں سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ گذشتہ باب کا عنوان مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ضمناً اسی جواز پر دلالت کرتا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر فقیہہ ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ رات کو مسجد میں بیٹھ جاتے اور لوگ ان سے علمی استفادہ کرتے۔ ایک رات پڑوسیوں کی خدمت میں مشغول تھے انہیں دیر ہوگئی اور شاگرد انتظار میں رہے۔ اس موقع پر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کا حوالہ دیا جس کا ذکر روایت نمبر ۵٦٧ میں گزر چکا ہے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوج کی تیاری میں مشغول تھے اور آپؐ نے نماز میں دیر کردی۔ مگر ترمذی کی ایک مستند روایت سے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مسلمانوں کے دینی یا سیاسی امور سے متعلق رات کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اہل الرائے صحابہ کرامؓ کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمُرُ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَنَا مَعَهُمَا. (ترمذی. کتاب الصلاۃ. باب ما جاء فی الرخصۃ فی السمر بعد العشاء)

إِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُوْنَ بِخَيْرٍ مَّا انْتَظَرُوْا الْخَيْرَ: یہ نہایت حکیمانہ قول ہے جس سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف نبی ﷺ کا اصل مقصد ایک سنہری اصل کی روشنی میں واضح کیا ہے اور دوسری طرف اپنے شاگردوں کو تسلی دی ہے کہ کوئی حرج نہیں جو تمہیں آج کا درس نصیب نہیں ہوا۔ یہ انتظار بھی تمہارے لئے بھلائی کا موجب ہوگا۔ بھلائی کا میلان جب تک کسی قوم میں موجود رہتا ہے اس کا رجحان بھلائی ہی کی طرف رہتا ہے اور جب قوم میں درس و تدریس اور نیک مشاغل سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اس کا منہ صراطِ مستقیم سے پھر جاتا ہے اور قدم اُلٹی راہ پر پڑتا ہے۔

فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةٍ لَّا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ: روایت نمبر ٦٠١ میں عشاء کے بعد باتیں کرنے کی جو مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ زندگی سے دی گئی ہے اُس میں اس بات کی

صراحت ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد آپؐ نے گفتگو کی۔جس کا مفہوم بعد میں یہ سمجھ لیا گیا کہ تمام زمین پر یہ قیامت برپا ہو جائے گی۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ خیال ردّ کررہے ہیں کہ اس سے مراد قیامت نہیں بلکہ موجود نسل کا خاتمہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظارہ کشفی طور پر دکھایا گیا تھا۔حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ آخری صحابی تھے جو ١١٠ھ میں فوت ہوئے۔(فتح الباری جزء ثانی صفحہ ٩٩)

بعض شارحین نے حضرت عیسیٰ اور خضر علیہما السلام کے فوت ہونے کا استدلال مذکورہ بالا حدیث سے کیا ہے (فتح الباری جزء ثانی صفحہ ٩٩) مگر یہ قصہ کہ وہ اس زمانہ تک زندہ تھے بے بنیاد ہے۔لہٰذا اُن کا یہ استدلال بھی ساقط الاعتبار ہے۔

بَاب ٤١ : اَلسَّمَرُ مَعَ الضَّيْفِ وَالْأَهْلِ

مہمان اور بیوی بچوں کے ساتھ رات کو بات چیت کرنا

٦٠٢ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا أُنَاسًا فُقَرَاءَ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ قَالَ فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي فَلَا أَدْرِي قَالَ وَامْرَأَتِي وَخَادِمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ

٦٠٢: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: معتمر بن سلیمان نے ہمیں بتایا۔کہا: میرے باپ نے ہم سے بیان کیا کہ ابوعثمان نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ اصحاب الصفہ محتاج لوگ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس دو کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو (اپنے ساتھ) لے جائے۔اگر چار کا ہو تو پانچویں یا کہا: چھٹے کو (لے جائے) اور حضرت ابوبکرؓ تین کو لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے گئے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: میں اور میرا باپ اور میری ماں تھیں۔مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کہا: اور میری بی بی اور ایک نوکر جو ہمارے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کے درمیان مشترک تھا اور حضرت ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھا چکے تھے اور پھر وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی گئی۔اس کے بعد وہ لوٹ گئے اور وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ

الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ أَوْ قَالَتْ ضَيْفِكَ قَالَ أَوَمَا عَشَّيْتِيهِمْ☆ قَالَتْ أَبَوْا حَتَّى تَجِيْءَ قَدْ عُرِضُوْا فَأَبَوْا قَالَ فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ فَقَالَ يَا غُنْثَرُ فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ كُلُوْا لَا هَنِيْئًا فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا وَ أَيْمُ اللّٰهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُّقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا قَالَ يَعْنِي حَتَّى شَبِعُوْا وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي يَمِيْنَهُ ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى

علیہ وسلم نے عشاء کا کھانا کھایا۔ پھر جتنی دیر کہ اللہ نے چاہا کچھ رات گزرنے کے بعد وہ آئے۔ اُن کی بی بی نے اُن سے کہا: آپ کو کس نے اپنے مہمانوں سے یا کہا: اپنے مہمان سے روکے رکھا؟ انہوں نے جواب دیا:☆ کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے کہا: مہمانوں نے آپ کے آنے تک (کھانا کھانے سے) انکار کر دیا۔ ان کے سامنے کھانا تو پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: میں چلا گیا اور چھپ گیا۔ یہ سن کر کہنے لگے: ارے بیوقوف نکلے! اور اسی طرح برا بھلا کہا۔ اور (گھر والوں سے) کہا: کھاؤ تمہیں ہضم نہ ہو اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہر گز نہیں کھاؤں گا۔ (حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے تھے:) اللہ کی قسم ہم لقمہ بھی لیتے تھے تو اس کے نیچے سے اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا۔ کہتے تھے: سب سیر ہو گئے اور وہ کھانا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو اس کو دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ویسے کا ویسا ہی ہے یا اس سے بھی زیادہ تو انہوں نے اپنی بی بی سے کہا: بنی فراس کی بہن! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قسم ہے مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کہ وہ (کھانا) پہلے کی نسبت تین گنا زیادہ ہے۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کھایا اور کہا: وہ قسم تو شیطان سے تھی۔ پھر اس میں

☆ عمدۃ القاری میں اس جگہ عَشَّيْتِهِمْ کا لفظ ہے۔ (عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ۹۸) یہ ترجمہ اسی لفظ کا ہے۔ جبکہ لفظ عَشَّيْتِيهِمْ میں حرف ''ی'' حرف ''ت'' کی زیر پڑھنے میں سہولت کی خاطر ہے۔ (عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ۹۹)

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْأَجَلُ فَفَرَّقْنَا☆ اثْنَى عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أُنَاسٌ اَللّٰهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَأَكَلُوْا مِنْهَا أَجْمَعُوْنَ أَوْ كَمَا قَالَ.

سے ایک لقمہ کھایا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُٹھا کر لے گئے اور وہ (کھانا) آپؐ کے پاس صبح تک رہا اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا اور میعاد گزر گئی تھی تو ہم نے بارہ آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا☆ اوران میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ کچھ لوگ تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ کتنے تھے تو سبھی نے اس میں سے کھایا۔ ایسے ہی کچھ یا جیسے راوی نے بیان کیا۔

تشریح: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسرا باب قائم کر کے سابقہ مسئلہ میں مزید وسعت پیدا کی ہے۔ جس کا تعلق محض خانگی امور کے ساتھ ہے۔ عشاء کے بعد بول چال منع ہونے کے یہ معنی نہیں کہ قطعاً کسی قسم کی گفتگو نہ کی جائے خواہ کیسی ضرورت پیش آ جائے۔ واقعہ مذکور میں اگر حضرت ابوبکرؓ کھانے پینے کی اجازت نہ دیتے اور صرف اشاروں ہی اشاروں سے کام لیتے تو یہ واقعہ نہ صرف مضحکہ خیز منظر بن جاتا۔ بلکہ مہمان اور بیوی بچے سب رات بھر بھوکے رہتے۔ اس جگہ یہ روایت لا کر امام موصوفؒ مسئلہ مذکور کے بارے میں بعض فقہاء کا نقطہ نظر پیش کر کے عشاء کے بعد باتیں کرنے کے جواز اور اُس کے محل وموقع کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ: حضرت ابوبکرؓ نے غصہ کی حالت میں قسم کھائی تھی کہ وہ نہیں کھائیں گے۔ مگر غصہ فرو ہونے پر اُن کو اپنی اس سختی پر افسوس آیا۔ چونکہ حالتِ غصہ کی قسم لغو ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے غصہ اور لغو قسم پر عمل نہ کیا۔ شیطان کا لفظ شَطَنَ سے بھی مشتق ہوسکتا ہے اور شَيْط سے بھی یعنی دور نکل جانا اور حدّ اعتدال پر قائم نہ رہنا (لسان العرب تحت لفظ شطن) اور دوسرے اشتقاق کی رو سے اس کے معنے ہیں جلنے والا (لسان العرب تحت لفظ شیط) اور شیطان اسم جمع ہے جو ہر بے اعتدالی پر اطلاق پاتا ہے اور شیطان اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جس کی طبعی حالتیں حد اعتدال پر نہ ہوں۔ غصے کو بھی شیطان کہتے ہیں۔ وَلِيَهُ شَيْطَانَهُ یعنی غَضِبَ غصے میں آ گیا۔ (لسان العرب تحت لفظ شطن، شیط) روایت نمبر ۶۰۲ میں شیطان سے غصہ ہی مراد ہے۔ جو قسم کھانے اور سخت الفاظ استعمال کرنے کا محرک ہوا۔ حدیث میں آتا ہے: اَلْحَسَدُ شَيْطَانٌ وَالْغَضَبُ شَيْطَانٌ. یعنی حسد شیطان ہے اور غصہ شیطان ہے۔

کھانا کھانے کا واقعہ جو اوپر مروی ہے اس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں ویسی اعجازی صورت پائی جاتی ہے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں۔ مفصل ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

☆ لفظ فَفَرَّقْنَا..... عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری جزء خامس صفحہ ۹۸) یہ ترجمہ اسی لفظ کا ہے۔

محولہ بالا روایت کے الفاظ میں اضطراب ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفسوں میں خارق عادت تبدیلی پیدا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے لئے خارق عادت صفات کا اظہار فرماتا ہے۔ جس کی کنہ تک مادہ پرست عقل نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے عظیم الشان انسان کے ساتھ ایسے غیر معمولی واقعہ کا پیش آنا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے تقویٰ اور اخلاص کی برکت سے مقامِ صدیقیت پر فائز تھے۔ رات کو اُن کا اپنے گھر سے دیر تک غائب ہونا اس لئے تھا کہ مہمان تنہا آزادی سے سیر ہو کر کھائیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کھانا کم نہ ہو اور یہ امر بھی ان کے حسنِ اخلاق کا آئینہ دار ہے۔ گھر والوں پر اُن کی ناراضگی کی وجہ بھی یہی تھی کہ تاکید کر گئے تھے کہ اُن کے لوٹنے سے پہلے مہمان کھانے سے فارغ کر دیئے جائیں۔

مذکورہ بالا روایت کتاب المناقب باب علامات النبوۃ روایت نمبر ۳۵۸۱ میں بھی مذکور ہے۔ دونوں روایتوں کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ خود اسی روایت میں راوی نے دو دفعہ بعض الفاظ سے متعلق شبہ کا اظہار کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ محفوظ نہیں رکھے گئے۔ اس لئے یہ بھی احتمال ہے کہ کھانے کا یہ بڑھنا اپنے اندر غیر معمولی صورت نہ رکھتا ہو کیونکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مہمانوں کی خاطر حساس میزبان کو غیر معمولی تشویش ہوا کرتی ہے کہ کہیں کھانا کم نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ میزبان کی مالی حالت بھی ایسی ویسی ہو۔ اس حالتِ تشویش میں کھانے کا جتنا بھی اندازہ ہوا کرتا ہے اس سے وہ تسلی نہیں پاتا اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مہمان اپنی ضرورت کم وبیش پوری کر کے چلے جاتے ہیں اور بہت سا کھانا بچ رہتا ہے۔ اس کے بعد نفس طبعاً اپنے اندر ایک راحت وخوشی اور تعجب محسوس کرتا ہے اور اس نئے احساس کے تحت اس کا زاویہ نگاہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ کھانا جسے کچھ عرصہ پہلے تھوڑا دیکھتا ہے بہت نظر آنے لگتا ہے اور بعض وقت گھر والوں کو برا بھلا بھی کہنا شروع کر دیتا ہے کہ کھانا اتنا ضائع کر دیا۔

یہ واقعات ہم ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہیں اور ان میں کھانے کی قلت و کثرت کا احساس محض ذہنی تاثرات کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ چونکہ راوی کے الفاظ میں اضطراب ہے اس لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ بھی اسی قسم کا ہو۔

سلسلہ سند کے اعتبار سے روایت کی صحت میں کوئی شبہ نہیں اور یہ اُس غرض کو خوبی سے پورا کرتی ہے جس کے لئے باب مذکور کے ضمن میں اس سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے اعجازی پہلو سے متعلق کتاب المناقب باب علامات النبوۃ میں مزید تشریح کی جائے گی۔ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطراف الحدیث

حدیث نمبر	اطرافه
	بَدْءُ الْوَحْيِ
۱:	۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳۔
۲:	۳۲۱۵۔
۳:	۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲۔
۴:	۳۲۳۸، ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۲۴، ۴۹۲۵، ۴۹۲۶، ۴۹۵۴، ۶۲۱۴۔
۵:	۴۹۲۷، ۴۹۲۸، ۴۹۲۹، ۵۰۴۴، ۷۵۲۴۔
۶:	۱۹۰۲، ۳۲۲۰، ۳۵۵۴، ۴۹۹۷۔
۷:	۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۱، ۲۹۷۸، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱۔

حدیث نمبر	اطرافه
	كِتَابُ الْإِيمَانِ
۸:	۴۵۱۴۔
۱۰:	۶۴۸۴۔
۱۲:	۲۸، ۶۲۳۶۔
۱۶:	۲۱، ۶۰۴۱، ۶۹۴۱۔
۱۷:	۳۷۸۴۔
۱۸:	۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸۔
۱۹:	۳۳۰۰، ۳۶۰۰، ۶۴۹۵، ۷۰۸۸۔
۲۱:	۱۶، ۶۰۴۱، ۶۹۴۱۔
۲۲:	۴۵۸۱، ۴۹۱۹، ۶۵۶۰، ۶۵۷۴، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹۔
۲۳:	۳۶۹۱، ۷۰۰۸، ۷۰۰۹۔
۲۴:	۶۱۱۸۔

حدیث نمبر	اطرافه
٢٦:	١٥١٩۔
٢٧:	١٤٧٨۔
٢٨:	١٢، ٦٢٣٦۔
٢٩:	٤٣١، ٧٤٨، ١٠٥٢، ٣٢٠٢، ٥١٩٧۔
٣٠:	٢٥٥٤، ٦٠٥٠۔
٣١:	٦٨٧٥، ٧٠٨٣۔
٣٢:	٣٣٦٠، ٣٤٢٨، ٣٤٢٩، ٤٦٢٩، ٤٧٧٦، ٦٩١٨، ٦٩٣٧۔
٣٣:	٢٦٨٢، ٢٧٤٩، ٦٠٩٥۔
٣٤:	٢٤٥٩، ٣١٧٨۔
٣٥:	٣٧، ٣٨، ١٩٠١، ٢٠٠٨، ٢٠٠٩، ٢٠١٤۔
٣٦:	٢٧٨٧، ٢٧٩٧، ٢٩٧٢، ٣١٢٣، ٧٢٢٦، ٧٢٢٧، ٧٤٥٧، ٧٤٦٣۔
٣٧:	٣٥، ٣٨، ١٩٠١، ٢٠٠٨، ٢٠٠٩، ٢٠١٤۔
٣٨:	٣٥، ٣٧، ١٩٠١، ٢٠٠٨، ٢٠٠٩، ٢٠١٤۔
٣٩:	٥٦٧٣، ٦٤٦٣، ٧٢٣٥۔
٤٠:	٣٩٩، ٤٤٨٦، ٤٤٩٢، ٧٢٥٢۔
٤٣:	١١٥١۔
٤٤:	٤٤٧٦، ٦٥٦٥، ٧٤١٠، ٧٤٤٠، ٧٥٠٩، ٧٥١٠، ٧٥١٦۔
٤٥:	٤٤٠٧، ٤٦٠٦، ٧٢٦٨۔

حدیث نمبر	اطرافه
٤٦:	١٨٩١، ٢٦٧٨، ٦٩٥٦۔
٤٧:	١٣٢٣، ١٣٢٥۔
٤٨:	٦٠٤٤، ٧٠٧٦۔
٤٩:	٢٠٢٣، ٦٠٤٩۔
٥٠:	٤٧٧٧۔
٥١:	٧، ٢٦٨١، ٢٨٠٤، ٢٩٤١، ٢٩٧٨، ٣١٧٤، ٤٥٥٣، ٥٩٨٠، ٦٢٦٠، ٧١٩٦، ٧٥٤١۔
٥٢:	٢٠٥١۔
٥٣:	٨٧، ٥٢٣، ١٣٩٨، ٣٠٩٥، ٣٥١٠، ٤٣٦٨، ٤٢٦٩، ٦١٧٦، ٧٢٦٦، ٧٥٥٦۔
٥٤:	١، ٢٥٢٩، ٣٨٩٨، ٥٠٧٠، ٦٦٨٩، ٦٩٥٣۔
٥٥:	٤٠٠٦، ٥٣٥١۔
٥٦:	١٢٩٥، ٢٧٤٢، ٢٧٤٤، ٣٩٣٦، ٤٤٠٩، ٥٣٥٤، ٥٦٥٩، ٥٦٦٨، ٦٣٧٣، ٦٧٣٣۔
٥٧:	٥٢٤، ١٤٠١، ٢١٥٧، ٢٧١٤، ٢٧١٥، ٧٢٠٤۔

كِتَابُ الْعِلْمِ

حدیث نمبر	اطرافه
٥٩:	٦٤٩٦۔
٦٠:	٩٦، ١٦٣۔
٦١:	٦٢، ٧٢، ١٣١، ٢٢٠٩، ٤٦٩٨، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔

حدیث نمبر	اطرافه
٦٢:	٦١، ٧٢، ١٣١، ٢٢٠٩، ٤٦٩٨، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔
٦٤:	٢٩٣٩، ٤٤٢٤، ٧٢٦٤۔
٦٥:	٢٩٣٨، ٥٨٧٠، ٥٨٧٦، ٥٨٧٤، ٥٨٧٥، ٥٨٧٧، ٧١٦٢۔
٦٦:	٤٧٤۔
٦٧:	١٠٥، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٧، ٤٦٦٢، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧۔
٦٨:	٧٠، ٦٤١١۔
٦٩:	٦١٢٥۔
٧٠:	٦٨، ٦٤١١۔
٧١:	٣١١٦، ٣٦٤١، ٧٣١٢، ٧٤٦٠۔
٧٢:	٦١، ٦٢، ١٣١، ٢٢٠٩، ٤٦٩٨، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔
٧٣:	١٤٠٩، ٧١٤١، ٧٣١٦۔
٧٤:	٧٨، ١٢٢، ٢٢٦٧، ٢٧٢٨، ٣٢٧٨، ٣٤٠٠، ٣٤٠١، ٤٧٢٥، ٤٧٢٦، ٤٧٢٧، ٦٦٧٢، ٧٤٧٨۔
٧٥:	١٤٣، ٣٧٥٦، ٧٢٧٠۔
٧٦:	٤٩٣، ٨٦١، ١٨٥٧، ٤٤١٢۔
٧٧:	١٨٩، ٨٣٩، ١١٨٥، ٦٣٥٤، ٦٤٢٢۔
٧٨:	٧٤، ١٢٢، ٢٢٦٧، ٢٧٢٨، ٣٢٧٨، ٣٤٠٠، ٣٤٠١، ٤٧٢٥، ٤٧٢٦، ٤٧٢٧، ٦٦٧٢، ٧٤٧٨۔

حدیث نمبر	اطرافه
٨٠:	٨١، ٥٢٣١، ٥٥٧٧، ٦٨٠٨۔
٨١:	٨٠، ٥٢٣١، ٥٥٧٧، ٦٨٠٨۔
٨٢:	٣٦٨١، ٧٠٠٦، ٧٠٠٧، ٧٠٢٧، ٧٠٣٢۔
٨٣:	١٢٤، ١٧٣٦، ١٧٣٧، ١٧٣٨، ٦٦٦٥۔
٨٤:	١٧٢١، ١٧٢٢، ١٧٢٣، ١٧٣٤، ٦٦٦٦۔
٨٥:	١٠٣٦، ١٤١٢، ٣٦٠٨، ٤٦٣٥، ٤٦٣٦، ٦٠٣٧، ٦٥٠٦، ٦٩٣٥، ٧٠٦١، ٧١١٥، ٧١٢١۔
٨٦:	١٨٤، ٩٢٢، ١٠٥٣، ١٠٥٤، ١٠٦١، ١٢٣٥، ١٣٧٣، ٥٢١٩، ٢٥٢٠، ٧٢٨٧۔
٨٧:	٥٣، ٥٢٣، ١٣٩٨، ٣٠٩٥، ٣٥١٠، ٤٣٦٨، ٤٢٦٩، ٦١٧٦، ٧٢٦٦، ٧٥٥٦۔
٨٨:	٢٠٥٢، ٢٦٤٠، ٢٦٥٩، ٢٦٦٠، ٥١٠٤۔
٨٩:	٢٤٦٨، ٤٩١٣، ٤٩١٥، ٥١٩١، ٥٢١٨، ٥٨٤٣، ٧٢٥٦، ٧٢٦٣۔
٩٠:	٧٠٢، ٧٠٤، ٦١١٠، ٧١٥٩۔
٩١:	٢٣٧٢، ٢٤٢٧، ٢٤٢٨، ٢٤٢٩، ٢٤٣٦، ٢٤٣٨، ٥٢٩٢، ٦١١٢۔
٩٢:	٧٢٩١۔

حدیث نمبر	اطرافه
٩٣:	٥٤٠، ٧٤٩، ٤٦٢١، ٦٣٦٢، ٦٤٦٨، ٦٤٨٦، ٧٠٨٩، ٧٠٩٠، ٧٠٩١، ٧٢٩٤، ٧٢٩٥۔
٩٤:	٩٥، ٦٢٤٤۔
٩٥:	٩٤، ٦٢٤٤۔
٩٦:	٦٠، ١٦٣۔
٩٧:	٢٥٤٤، ٢٥٤٧، ٢٥٥١، ٣٠١١، ٣٤٤٦، ٥٠٨٣۔
٩٨:	٨٦٣، ٩٦٢، ٩٦٤، ٩٧٥، ٩٧٧، ٩٧٩، ٩٨٩، ١٤٣١، ١٤٤٩، ٤٨٩٥، ٥٢٤٩، ٥٨٨٠، ٥٨٨١، ٥٨٨٣، ٧٣٢٥۔
٩٩:	٦٥٧٠۔
١٠٠:	٧٣٠٧۔
١٠١:	١٢٤٩، ٧٣١٠۔
١٠٢:	١٢٥٠۔
١٠٣:	٤٩٣٩، ٦٥٣٦، ٦٥٣٧۔
١٠٤:	١٨٣٢، ٤٢٩٥۔
١٠٥:	٦٧، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٧، ٤٦٦٢، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧۔
١١٠:	٣٥٣٩، ٦١٨٨، ٦١٩٧، ٦٩٩٣۔
١١١:	١٨٧٠، ٣٠٤٧، ٣١٧٢، ٣١٧٩، ٦٧٥٥، ٦٩٠٣، ٦٩١٥، ٧٣٠٠۔
١١٢:	٢٤٣٤، ٦٨٨٠۔
١١٤:	٣٠٣٥، ٣١٦٨، ٤٤٣١، ٤٤٣٢، ٥٦٦٩، ٧٣٦٦۔
١١٥:	١١٢٦، ٣٥٩٩، ٥٨٤٤، ٦٢١٨، ٧٠٦٩۔
١١٦:	٥٦٤، ٦٠١۔
١١٧:	١٣٨، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٢١٦، ٧٤٥٢۔
١١٨:	١١٩، ٢٠٤٧، ٢٣٥٠، ٣٦٤٨، ٧٣٥٤۔
١١٩:	١١٨، ٢٠٤٧، ٢٣٥٠، ٣٦٤٨، ٧٣٥٤۔
١٢١:	٤٤٠٥، ٦٨٦٩، ٧٠٨٠۔
١٢٢:	٧٤، ٧٨، ٢٢٦٧، ٢٧٢٨، ٣٢٧٨، ٣٤٠٠، ٣٤٠١، ٤٧٢٥، ٤٧٢٦، ٤٧٢٧، ٦٦٧٢، ٧٤٧٨۔
١٢٣:	٢٨١٠، ٣١٢٦، ٧٤٥٨۔
١٢٤:	٨٣، ١٧٣٦، ١٧٣٧، ١٧٣٨، ٦٦٦٥۔
١٢٥:	٤٧٢١، ٧٢٩٧، ٧٤٥٦، ٧٤٦٢۔
١٢٦:	١٥٨٣، ١٥٨٤، ١٥٨٥، ١٥٨٦، ٣٣٦٨، ٤٤٨٤، ٧٢٤٣۔
١٢٨:	١٢٩۔
١٢٩:	١٢٨۔

حدیث نمبر	اطرافہ
١٣٠:	٢٨٢، ٣٣٢٨، ٦٠٩١، ٦١٢١۔
١٣١:	٦١، ٦٢، ٧٢، ٢٢٠٩، ٤٦٩٨، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔
١٣٢:	١٧٨، ٢٦٩۔
١٣٣:	١٥٢٢، ١٥٢٥، ١٥٢٧، ١٥٢٨۔
١٣٤:	٣٦٦، ١٥٤٢، ١٨٣٨، ١٨٤٢، ٥٧٩٤، ٥٨٠٣، ٥٨٠٥، ٥٨٠٦، ٥٨٤٧، ٥٨٥٢۔

كِتَابُ الْوُضُوْءِ

حدیث نمبر	اطرافہ
١٣٥:	٦٩٥٤۔
١٣٧:	١٧٧، ٢٠٥٦۔
١٣٨:	١١٧، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٢١٦، ٧٤٥٢۔
١٣٩:	١٨١، ١٦٦٧، ١٦٦٩، ١٦٧٢۔
١٤١:	٣٢٧١، ٣٢٨٣، ٥١٦٥، ٦٣٨٨، ٧٣٩٦۔
١٤٢:	٦٣٢٢۔
١٤٣:	٧٥، ٣٧٥٦، ٧٢٧٠۔
١٤٤:	٣٩٤۔
١٤٥:	١٤٨، ١٤٩، ٣١٠٢۔
١٤٦:	١٤٧، ٤٧٩٥، ٥٢٣٧، ٦٢٤٠۔
١٤٧:	١٤٦، ٤٧٩٥، ٥٢٣٧، ٦٢٤٠۔

حدیث نمبر	اطرافہ
١٤٨:	١٤٥، ١٤٩، ٣١٠٢۔
١٤٩:	١٤٥، ١٤٨، ٣١٠٢۔
١٥٠:	١٥١، ١٥٢، ٢١٧، ٥٠٠
١٥١:	١٥٠، ١٥٢، ٢١٧، ٥٠٠
١٥٢:	١٥٠، ١٥١، ٢١٧، ٥٠٠
١٥٣:	١٥٤، ٥٦٣٠۔
١٥٤:	١٥٣، ٥٦٣٠۔
١٥٥:	٣٨٦٠۔
١٥٩:	١٦٠، ١٦٤، ١٩٣٤، ٦٤٣٣۔
١٦٠:	١٥٩، ١٦٤، ١٩٣٤، ٦٤٣٣۔
١٦١:	١٦٢۔
١٦٢:	١٦١۔
١٦٣:	٦٠، ٩٦۔
١٦٤:	١٥٩، ١٦٠، ١٩٣٤، ٦٤٣٣۔
١٦٦:	١٥١٤، ١٥٥٢، ١٦٠٩، ٢٨٦٥، ٥٨٥١۔
١٦٧:	١٢٥٣، ١٢٥٤، ١٢٥٥، ١٢٥٦، ١٢٥٧، ١٢٥٨، ١٢٥٩، ١٢٦٠، ١٢٦١، ١٢٦٢، ١٢٦٣۔
١٦٨:	٤٢٦، ٥٣٨٠، ٥٨٥٤، ٥٩٢٦۔
١٦٩:	١٩٥، ٢٠٠، ٣٥٧٢، ٣٥٧٣، ٣٥٧٤، ٣٥٧٥۔
١٧٠:	١٧١۔
١٧١:	١٧٠۔

حدیث نمبر	اطرافه
١٧٣:	٢٣٦٣، ٢٤٦٦، ٦٠٠٩۔
١٧٥:	٢٠٥٤، ٥٤٧٥، ٥٤٧٦، ٥٤٧٧، ٥٤٨٣، ٥٤٨٤، ٥٤٨٥، ٥٤٨٦، ٥٤٨٧، ٧٣٩٧۔
١٧٦:	٤٤٥، ٤٧٧، ٦٤٧، ٦٤٨، ٦٥٩، ٢١١٩، ٣٢٢٩، ٤٧١٧۔
١٧٧:	١٣٧، ٢٠٥٦۔
١٧٨:	١٣٢، ٢٦٩۔
١٧٩:	٢٩٢۔
١٨١:	١٣٩، ١٦٦٧، ١٦٦٩، ١٦٧٢۔
١٨٢:	٢٠٣، ٢٠٦، ٣٦٣، ٣٨٨، ٢٩١٨، ٤٤٢١، ٥٧٩٨، ٥٧٩٩۔
١٨٣:	١١٧، ١٣٨، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٢١٦، ٧٤٥٢۔
١٨٤:	٨٦، ٩٢٢، ١٠٥٣، ١٠٥٤، ١٠٦١، ١٢٣٥، ١٣٧٣، ٥٢١٩، ٢٥٢٠، ٧٢٨٧۔
١٨٥:	١٨٦، ١٩١، ١٩٢، ١٩٧، ١٩٩۔
١٨٦:	١٨٥، ١٩١، ١٩٢، ١٩٧، ١٩٩۔
١٨٧:	٣٧٦، ٤٩٥، ٤٩٩، ٥٠١، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔
١٨٨:	١٩٦، ٤٣٢٨۔

حدیث نمبر	اطرافه
١٨٩:	٧٧، ٨٣٩، ١١٨٥، ٦٣٥٤، ٦٤٢٢۔
١٩٠:	٣٥٤٠، ٣٥٤١، ٥٦٧٠، ٦٣٥٢۔
١٩١:	١٨٥، ١٨٦، ١٩٢، ١٩٧، ١٩٩۔
١٩٢:	١٨٥، ١٨٦، ١٩١، ١٩٧، ١٩٩۔
١٩٤:	٤٥٧٧، ٥٦٥١، ٥٦٦٤، ٥٦٧٦، ٦٧٢٣، ٦٧٤٣، ٧٣٠٩۔
١٩٥:	١٦٩، ٢٠٠، ٣٥٧٢، ٣٥٧٣، ٣٥٧٤، ٣٥٧٥۔
١٩٦:	١٨٨، ٤٣٢٨۔
١٩٧:	١٨٥، ١٨٦، ١٩١، ١٩٢، ١٩٩۔
١٩٨:	٦٦٤، ٦٦٥، ٦٧٩، ٦٨٣، ٦٨٧، ٧١٢، ٧١٣، ٧١٦، ٢٥٨٨، ٣٠٩٩، ٣٣٨٤، ٤٤٤٢، ٤٤٤٥، ٥٧١٤، ٧٣٠٣۔
١٩٩:	١٨٥، ١٨٦، ١٩١، ١٩٢، ١٩٧۔
٢٠٠:	١٦٩، ١٩٥، ٣٥٧٢، ٣٥٧٣، ٣٥٧٤، ٣٥٧٥۔
٢٠٣:	١٨٢، ٢٠٦، ٣٦٣، ٣٨٨، ٢٩١٨، ٤٤٢١، ٥٧٩٨، ٥٧٩٩۔
٢٠٤:	٢٠٥۔
٢٠٥:	٢٠٤۔
٢٠٦:	١٨٢، ٢٠٣، ٣٦٣، ٣٨٨، ٢٩١٨، ٤٤٢١، ٥٧٩٨، ٥٧٩٩۔
٢٠٧:	٥٤٠٤، ٥٤٠٥۔

حدیث نمبر	اطرافه
٢٠٨:	٦٧٥، ٢٩٢٣، ٥٤٠٨، ٥٤٢٢، ٥٤٦٢۔
٢٠٩:	٢١٥، ٢٩٨١، ٤١٧٥، ٤١٩٥، ٥٣٨٤، ٥٣٩٠، ٥٤٥٤، ٥٤٥٥۔
٢١١:	٥٦٠٩۔
٢١٥:	٢٠٩، ٢٩٨١، ٤١٧٥، ٤١٩٥، ٥٣٨٤، ٥٣٩٠، ٥٤٥٤، ٥٤٥٥۔
٢١٦:	٢١٨، ١٣٦١، ١٣٧٨، ٦٠٥٢، ٦٠٥٥۔
٢١٧:	١٥٠، ١٥١، ١٥٢، ٥٠٠۔
٢١٨:	٢١٦، ١٣٦١، ١٣٧٨، ٦٠٥٢، ٦٠٥٥۔
٢١٩:	٢٢١، ٦٠٢٥۔
٢٢٠:	٦١٢٨۔
٢٢١:	٢١٩، ٦٠٢٥۔
٢٢٢:	٥٤٦٨، ٦٠٠٢، ٦٣٥٥۔
٢٢٣:	٥٦٩٣۔
٢٢٤:	٢٢٥، ٢٢٦، ٢٤٧١۔
٢٢٥:	٢٢٤، ٢٢٦، ٢٤٧١۔
٢٢٦:	٢٢٤، ٢٢٥، ٢٤٧١۔
٢٢٧:	٣٠٧۔
٢٢٨:	٣٠٦، ٣٢٠، ٣٢٥، ٣٣١۔
٢٢٩:	٢٣٠، ٢٣١، ٢٣٢۔
٢٣٠:	٢٢٩، ٢٣١، ٢٣٢۔
٢٣١:	٢٢٩، ٢٣٠، ٢٣٢۔

حدیث نمبر	اطرافه
٢٣٢:	٢٢٩، ٢٣٠، ٢٣١۔
٢٣٣:	١٥٠١، ٣٠١٨، ٤١٩٢، ٤١٩٣، ٤٦١٠، ٥٦٨٥، ٥٦٨٦، ٢٧٥٧، ٦٨٠٢، ٦٨٠٣، ٦٨٠٤، ٦٨٠٥، ٦٨٩٩۔
٢٣٤	٤٢٨، ٤٢٩، ١٨٦٨، ٢١٠٦، ٢٧٧١، ٢٧٧٤، ٢٧٧٩، ٣٩٣٢۔
٢٣٥:	٢٣٦، ٥٥٣٨، ٥٥٣٩، ٥٥٤٠۔
٢٣٦:	٢٣٥، ٥٥٣٨، ٥٥٣٩، ٥٥٤٠۔
٢٣٧:	٢٨٠٣، ٥٥٣٣۔
٢٣٨:	٨٧٦، ٨٩٦، ٢٩٥٦، ٣٤٨٦، ٦٦٢٤، ٦٨٨٧، ٧٠٣٦، ٧٤٩٥۔
٢٤٠:	٥٢٠، ٢٩٣٤، ٣١٨٥، ٣٨٥٤، ٣٩٦٠۔
٢٤١:	٤٠٥، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣١، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٢٤٢:	٥٥٨٥، ٥٥٨٦۔
٢٤٣:	٢٩٠٣، ٢٩١١، ٣٠٣٧، ٤٠٧٥، ٥٢٤٨، ٥٧٢٢۔
٢٤٥:	٨٨٩، ١١٣٦۔
٢٤٧:	٦٣١١، ٦٣١٣، ٦٣١٥، ٧٤٨٨۔

کِتَابُ الْغُسْلِ

حدیث نمبر	اطرافہ
۲۴۸	۲۶۲، ۲۷۲۔
۲۴۹	۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۵۰	۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹۔
۲۵۲	۲۵۵، ۲۵۶۔
۲۵۵	۲۵۲، ۲۵۶۔
۲۵۶	۲۵۲، ۲۵۵۔
۲۵۷	۲۴۹، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۵۹	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۶۰	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۶۱	۲۵۰، ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹۔
۲۶۲	۲۴۸، ۲۷۲۔
۲۶۳	۲۵۰، ۲۶۱، ۲۷۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹۔
۲۶۵	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۶۶	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۶۷	۲۷۰۔
۲۶۸	۲۸۴، ۵۰۶۸، ۲۵۱۵۔
۲۶۹	۱۳۲، ۱۷۸۔
۲۷۰	۲۶۷۔
۲۷۱	۱۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳۔
۲۷۲	۲۴۸، ۲۶۲۔
۲۷۳	۲۵۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹۔
۲۷۴	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۶، ۲۸۱۔
۲۷۵	۶۳۹، ۶۴۰۔
۲۷۶	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۸۱۔
۲۷۸	۳۴۰۴، ۴۷۹۹۔
۲۷۹	۳۳۹۱، ۷۴۹۳۔
۲۸۰	۳۵۷، ۳۱۷۱، ۶۱۵۸۔
۲۸۱	۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶۔
۲۸۲	۱۳۰، ۳۳۲۸، ۶۰۹۱، ۶۱۲۱۔
۲۸۳	۲۸۵۔
۲۸۴	۲۶۸، ۵۰۶۸، ۲۵۱۵۔
۲۸۵	۲۸۳۔
۲۸۶	۲۸۸۔
۲۸۷	۲۸۹، ۲۹۰۔
۲۸۸	۲۸۶۔

حدیث نمبر	اطرافه
٢٨٩	٢٨٧، ٢٩٠۔
٢٩٠	٢٨٧، ٢٨٩۔
٢٩٢	١٧٩
	كِتَابُ الْحَيْضِ
٢٩٤	٣٠٥، ٣١٦، ٣١٧، ٣١٩، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔
٢٩٥	٢٩٦، ٣٠١، ٢٠٢٨، ٢٠٢٩، ٢٠٣١، ٢٠٤٦، ٢٩٢٥۔
٢٩٦	٢٩٥، ٣٠١، ٢٠٢٨، ٢٠٢٩، ٢٠٣١، ٢٠٤٦، ٢٩٢٥۔
٢٩٧	٧٥٤٩۔
٢٩٨	٣٢٢، ٣٢٣، ١٩٢٩۔
٢٩٩	٢٥٠، ٢٦١، ٢٦٣، ٢٧٣، ٥٩٥٦، ٧٣٣٩۔
٣٠٠	٣٠٢، ٢٠٣٠۔
٣٠١	٢٩٥، ٢٩٦، ٢٠٢٨، ٢٠٢٩، ٢٠٣١، ٢٠٤٦، ٢٩٢٥۔
٣٠٢	٣٠٠، ٢٠٣٠۔
٣٠٤	١٤٦٢، ١٩٥١، ٢٦٥٨۔
٣٠٥	٢٩٤، ٣١٦، ٣١٧، ٣١٩، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔
٣٠٦	٢٢٨، ٣٢٠، ٣٢٥، ٣٣١۔
٣٠٧	٢٢٧۔
٣٠٩	٣١٠، ٣١١، ٢٠٣٧۔
٣١٠	٣٠٩، ٣١١، ٢٠٣٧۔
٣١١	٣٠٩، ٣١٠، ٢٠٣٧۔
٣١٣	١٢٧٨، ١٢٧٩، ٥٣٤٠، ٥٣٤١، ٥٣٤٢، ٥٣٤٣۔
٣١٤	٣١٥، ٧٣٥٧۔
٣١٥	٣١٤، ٧٣٥٧۔
٣١٦	٢٩٤، ٣٠٥، ٣١٧، ٣١٩، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔

حدیث نمبر	اطرافه
٣١٧:	٢٩٤، ٣٠٥، ٣١٦، ٣١٩، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔
٣١٨:	٣٣٣٣، ٦٥٩٥۔
٣١٩:	٢٩٤، ٣٠٥، ٣١٦، ٣١٧، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔
٣٢٠:	٢٢٨، ٣٠٦، ٣٢٥، ٣٣١۔
٣٢٢:	٢٩٨، ٣٢٣، ١٩٢٩۔
٣٢٣:	٢٩٨، ٣٢٢، ١٩٢٩۔
٣٢٤:	٣٥١، ٩٧١، ٩٧٤، ٩٨٠، ٩٨١، ١٦٥٢۔
٣٢٥:	٢٢٨، ٣٠٦، ٣٢٠، ٣٣١۔
٣٢٨:	٢٩٤، ٣٠٥، ٣١٦، ٣١٧، ٣١٩، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩۔
٣٢٩:	١٧٥٥، ١٧٦٠۔
٣٣٠:	١٧٦١۔
٣٣١:	٢٢٨، ٣٠٦، ٣٢٠، ٣٢٥۔
٣٣٢:	١٣٣١، ١٣٣٢۔
٣٣٣:	٣٧٩، ٣٨١، ٥١٧، ٥١٨۔

كِتَابُ التَّيَمُّمِ

حدیث نمبر	اطرافه
٣٣٤:	٣٣٦، ٣٦٧٢، ٣٧٧٣، ٤٥٨٣، ٤٦٠٧، ٤٦٠٨، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥٨٨٢، ٦٨٤٤، ٦٨٤٥۔
٣٣٥:	٤٣٨، ٣١٢٢۔
٣٣٦:	٣٣٤، ٣٦٧٢، ٣٧٧٣، ٤٥٨٣، ٤٦٠٧، ٤٦٠٨، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥٨٨٢، ٦٨٤٤، ٦٨٤٥۔
٣٣٨:	٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔

حدیث نمبر	اطرافه
٣٣٩	٣٣٨، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤٠	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤١	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤٢	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤٣	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤٤	٣٤٨، ٣٥٧١۔
٣٤٥	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٦، ٣٤٧۔
٣٤٦	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٧۔
٣٤٧	٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦۔
٣٤٨	٣٤٤، ٣٥٧١۔

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

حدیث نمبر	اطرافه
٣٤٩	١٦٣٦، ٣٣٤٢۔
٣٥٠	١٠٩٠، ٣٩٣٥۔
٣٥١	٣٢٤، ٩٧١، ٩٧٤، ٩٨٠، ٩٨١، ١٦٥٢۔
٣٥٢	٣٥٣، ٣٦١، ٣٧٠۔
٣٥٣	٣٥٢، ٣٦١، ٣٧٠۔
٣٥٤	٣٥٥، ٣٥٦۔
٣٥٥	٣٥٤، ٣٥٦۔
٣٥٦	٣٥٤، ٣٥٥۔
٣٥٧	٢٨٠، ٣١٧١، ٦١٥٨۔
٣٥٨	٣٦٥۔
٣٥٩	٣٦٠۔
٣٦٠	٣٥٩۔
٣٦١	٣٥٢، ٣٥٣، ٣٧٠۔
٣٦٢	٨١٤، ١٢١٥۔
٣٦٣	١٨٢، ٢٠٣، ٢٠٦، ٣٨٨، ٢٩١٨، ٤٤٢١، ٥٧٩٨، ٥٧٩٩۔
٣٦٤	١٥٨٢، ٣٨٢٩۔
٣٦٥	٣٥٨۔
٣٦٦	١٣٤، ١٥٤٢، ١٨٣٨، ١٨٤٢، ٥٧٩٤، ٥٨٠٣، ٥٨٠٥، ٥٨٠٦، ٥٨٤٧، ٥٨٥٢۔
٣٦٧	١٩٩١، ٢١٤٤، ٢١٤٧، ٥٨٢٠، ٥٨٢٢، ٦٢٨٤۔
٣٦٨	٥٨٤، ٥٨٨، ١٩٩٣، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٥٨١٩، ٥٨٢١۔
٣٦٩	١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٥، ٤٦٥٦، ٤٦٥٧۔
٣٧٠	٣٥٢، ٣٥٣، ٣٦١۔

حدیث نمبر	اطرافه
٣٧١:	٦١٠، ٩٤٧، ٢٢٢٨، ٢٢٣٥، ٢٨٨٩، ٢٨٩٣، ٢٩٤٣، ٢٩٤٤، ٢٩٤٥، ٢٩٩١، ٣٠٨٥، ٣٠٨٦، ٣٣٦٧، ٣٦٤٧، ٤٠٨٣، ٤٠٨٤، ٤١٩٧، ٤١٩٨، ٤١٩٩، ٤٢٠٠، ٤٢٠١، ٤٢١١، ٤٢١٢، ٤٢١٣، ٥٠٨٥، ٥١٥٩، ٥١٦٩، ٥٣٨٧، ٥٤٢٥، ٥٥٢٨، ٥٩٦٨، ٦١٨٥، ٦٣٦٣، ٦٣٦٩، ٧٣٣٣۔
٣٧٢:	٥٧٨، ٨٦٧، ٨٧٢۔
٣٧٣:	٧٥٢، ٥٨١٧۔
٣٧٤:	٥٩٥٩۔
٣٧٥:	٥٨٠١۔
٣٧٦:	١٨٧، ٤٩٥، ٤٩٩، ٥٠١، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔
٣٧٧:	٤٤٨، ٩١٧، ٢٠٩٤، ٢٥٦٩۔
٣٧٨:	٦٨٩، ٧٣٢، ٧٣٣، ٨٠٥، ١١١٤، ١٩١١، ٢٤٦٩، ٥٢٠١، ٥٢٧٩، ٦٦٨٤۔
٣٧٩:	٣٣٣، ٣٨١، ٥١٧، ٥١٨۔
٣٨٠:	٧٢٧، ٨٦٠، ٨٧١، ٨٧٤، ١١٦٤۔
٣٨١:	٣٣٣، ٣٧٩، ٥١٧، ٥١٨۔
٣٨٢:	٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔

حدیث نمبر	اطرافه
٣٨٣:	٣٨٢، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٣٨٤:	٣٨٢، ٣٨٣، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٣٨٥:	٥٤٢، ١٢٠٨۔
٣٨٦:	٥٨٥٠۔
٣٨٨:	١٨٢، ٢٠٣، ٢٠٦، ٣٦٣، ٢٩١٨، ٤٤٢١، ٥٧٩٨، ٥٧٩٩۔
٣٨٩:	٧٩١، ٨٠٨۔
٣٩٠:	٨٠٧، ٣٥٦٤۔
٣٩١:	٣٩٢، ٣٩٣۔
٣٩٢:	٣٩١، ٣٩٣۔
٣٩٣:	٣٩١، ٣٩٢۔
٣٩٤:	١٤٤۔
٣٩٥:	١٦٢٣، ١٦٢٧، ١٦٤٥، ١٦٤٧، ١٧٩٣۔
٣٩٦:	١٦٢٤، ١٦٤٦، ١٧٩٤۔
٣٩٧:	٤٦٨، ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
٣٩٨:	١٦٠١، ٣٣٥١، ٣٣٥٢، ٤٢٨٨۔
٣٩٩:	٤٠، ٤٤٨٦، ٤٤٩٢، ٧٢٥٢۔
٤٠٠:	١٠٩٤، ١٠٩٩، ٤١٤٠۔

حدیث نمبر	اطرافه
٤٠١:	٤٠٤، ١٢٢٦، ٦٦٧١، ٧٢٤٩۔
٤٠٢:	٤٤٨٣، ٤٧٩٠، ٤٩١٦۔
٤٠٣:	٤٤٨٨، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٤٤٩٤، ٧٢٥١۔
٤٠٤:	٤٠١، ١٢٢٦، ٦٦٧١، ٧٢٤٩۔
٤٠٥:	٢٤١، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣١، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٤٠٦:	٧٥٣، ١٢١٣، ٦١١١۔
٤٠٨:	٤١٠، ٤١٦۔
٤٠٩:	٤١١، ٤١٤۔
٤١٠:	٤٠٨، ٤١٦
٤١١:	٤٠٩، ٤١٤۔
٤١٢:	٢٤١، ٤٠٥، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣١، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٤١٣:	٢٤١، ٤٠٥، ٤١٢، ٤١٧، ٥٣١، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٤١٤:	٤٠٩، ٤١١۔
٤١٦:	٤٠٨، ٤١٠۔
٤١٧:	٢٤١، ٤٠٥، ٤١٢، ٤١٣، ٥٣١، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٤١٨:	٧٤١۔
٤١٩:	٧٤٢، ٦٦٤٤۔
٤٢٠:	٢٨٦٨، ٢٨٦٩، ٢٨٧٠، ٧٣٣٦۔
٤٢١:	٣٠٤٩، ٣١٦٥۔
٤٢٢:	٣٥٧٨، ٥٣٨١، ٥٤٥٠، ٦٦٨٨۔
٤٢٣:	٤٧٤٥، ٤٧٤٦، ٥٢٥٩، ٥٣٠٨، ٥٣٠٩، ٦٨٥٤، ٧١٦٥، ٧١٦٦، ٧٣٠٤۔
٤٢٤:	٤٢٥، ٦٦٧، ٦٨٦، ٨٣٨، ٨٤٠، ١١٨٦، ٤٠٠٩، ٤٠١٠، ٥٤٠١، ٦٤٢٣، ٦٩٣٨۔
٤٢٥:	٤٢٤، ٦٦٧، ٦٨٦، ٨٣٨، ٨٤٠، ١١٨٦، ٤٠٠٩، ٤٠١٠، ٥٤٠١، ٦٤٢٣، ٦٩٣٨۔
٤٢٦:	١٦٨، ٥٣٨٠، ٥٨٥٤، ٥٩٢٦۔
٤٢٧:	٤٣٤، ١٣٤١، ٣٨٧٨۔
٤٢٨:	٢٣٤، ٤٢٩، ١٨٦٨، ٢١٠٦، ٢٧٧١، ٢٧٧٤، ٢٧٧٩، ٣٩٣٢۔
٤٢٩:	٢٣٤، ٤٢٨، ١٨٦٨، ٢١٠٦، ٢٧٧١، ٢٧٧٤، ٢٧٧٩، ٣٩٣٢۔
٤٣٠:	٥٠٧۔
٤٣١:	٢٩، ٧٤٨، ١٠٥٢، ٣٢٠٢، ٥١٩٧۔
٤٣٢:	١١٨٧۔
٤٣٣:	٣٣٨٠، ٣٣٨١، ٤٤١٩، ٤٤٢٠، ٤٧٠٢۔
٤٣٤:	٤٢٧، ١٣٤١، ٣٨٧٨۔
٤٣٥:	١٣٣٠، ١٣٩٠، ٣٤٥٣، ٤٤٤١، ٤٤٤٣، ٥٨١٥،
٤٣٦:	٣٤٥٤، ٤٤٤٤، ٥٨١٦۔

حدیث نمبر	اطرافه
٤٣٨:	٣٣٥، ٣١٢٢۔
٤٣٩:	٣٨٣٥۔
٤٤٠:	١١٢١، ١١٥٦، ٣٧٣٨، ٣٧٤٠، ٧٠١٥، ٧٠٢٨، ٧٠٣٠۔
٤٤١:	٣٧٠٣، ٦٢٠٤، ٦٢٨٠۔
٤٤٣:	١٨٠١، ٢٠٩٧، ٢٣٠٩، ٢٣٨٥، ٢٣٩٤، ٢٤٠٦، ٢٤٧٠، ٢٦٠٣، ٢٦٠٤، ٢٧١٨، ٢٨٦١، ٢٩٦٧، ٣٠٨٧، ٣٠٨٩، ٣٠٩٠، ٤٠٥٢، ٥٠٧٩، ٥٠٨٠، ٥٢٤٣، ٥٢٤٤، ٥٢٤٥، ٥٢٤٦، ٥٢٤٧، ٥٣٦٧، ٦٣٨٧۔
٤٤٤:	١١٦٣۔
٤٤٥:	١٧٦، ٤٧٧، ٦٤٧، ٦٤٨، ٦٥٩، ٢١١٩، ٣٢٢٩، ٤٧١٧۔
٤٤٧:	٢٨١٢۔
٤٤٨:	٣٧٧، ٩١٧، ٢٠٩٤، ٢٥٦٩۔
٤٤٩:	٩١٨، ٢٠٩٥، ٣٥٨٤، ٣٥٨٥۔
٤٥١:	٧٠٧٣، ٧٠٧٤۔
٤٥٢:	٧٠٧٥۔
٤٥٣:	٣٢١٢، ٦١٥٢۔
٤٥٤:	٤٥٥، ٩٥٠، ٩٨٨، ٢٩٠٦، ٣٥٢٩، ٣٩٣١، ٥١٩٠، ٥٢٣٦۔
٤٥٥:	٤٥٤، ٩٥٠، ٩٨٨، ٢٩٠٦، ٣٥٢٩، ٣٩٣١، ٥١٩٠، ٥٢٣٦۔

حدیث نمبر	اطرافه
٤٥٦:	١٤٩٣، ٢١٥٥، ٢٥٣٦، ٢٥٦٠، ٢٥٦١، ٢٥٦٣، ٢٥٦٤، ٢٥٦٥، ٢٥٧٨، ٢٧١٧، ٢٧٢٦، ٢٧٢٩، ٢٧٣٥، ٥٠٩٧، ٥٢٧٩، ٥٢٨٤، ٥٤٣٠، ٦٧١٧، ٦٧٥١، ٦٧٥٤، ٦٧٥٨ ٦٧٦٠۔
٤٥٧:	٤٧١، ٢٤١٨، ٢٤٢٤، ٢٧٠٦، ٢٧١٠۔
٤٥٨:	٤٦٠، ١٣٣٧۔
٤٥٩:	٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤١، ٤٥٤٢، ٤٥٤٣۔
٤٦٠:	٤٥٨، ١٣٣٧۔
٤٦١:	١٢١٠، ٣٢٨٤، ٣٤٢٣، ٤٨٠٨۔
٤٦٢:	٤٦٩، ٢٤٢٢، ٢٤٢٣، ٤٣٧٢۔
٤٦٣:	٢٨١٣، ٣٩٠١، ٤١١٧، ٤١٢٢۔
٤٦٤:	١٦١٩، ١٦٢٦، ١٦٣٣، ٤٨٥٣۔
٤٦٥:	٣٦٣٩، ٣٨٠٥۔
٤٦٦:	٣٦٥٤، ٣٩٠٤۔
٤٦٧:	٣٦٥٦، ٣٦٥٧، ٦٧٣٨۔
٤٦٨:	٣٩٧، ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
٤٦٩:	٤٦٢، ٢٤٢٢، ٢٤٢٣، ٤٣٧٢۔
٤٧١:	٤٥٧، ٢٤١٨، ٢٤٢٤، ٢٧٠٦، ٢٧١٠۔

حدیث نمبر	اطرافه
٤٧٢:	٤٧٣، ٩٩٠، ٩٩٣، ٩٩٥، ١١٣٧۔
٤٧٣:	٤٧٢، ٩٩٠، ٩٩٣، ٩٩٥، ١١٣٧۔
٤٧٤:	٦٦۔
٤٧٥:	٥٩٦٩، ٦٢٨٧۔
٤٧٦:	٢١٣٨، ٢٢٦٣، ٢٢٦٤، ٢٢٩٧، ٣٩٠٥، ٤٠٩٣، ٥٨٠٧، ٦٠٧٩۔
٤٧٧:	١٧٦، ٤٤٥، ٦٤٧، ٦٤٨، ٦٥٩، ٢١١٩، ٣٢٢٩، ٤٧١٧۔
٤٧٩:	٤٨٠۔
٤٨٠:	٤٧٩۔
٤٨١:	٢٤٤٦، ٦٠٢٦۔
٤٨٢:	٧١٤، ٧١٥، ١٢٢٧، ١٢٢٨، ١٢٢٩، ٦٠٥١، ٧٢٥٠۔
٤٨٣:	١٥٣٥، ٢٣٣٦، ٧٣٤٥۔
٤٨٤:	١٥٣٢، ١٥٣٣، ١٧٩٩۔
٤٩١:	١٧٦٧، ١٧٦٩۔
٤٩٣:	٧٦، ٨٦١، ١٨٥٧، ٤٤١٢۔
٤٩٤:	٤٩٨، ٩٧٢، ٩٧٣۔
٤٩٥:	١٨٧، ٣٧٦، ٤٩٩، ٥٠١، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔
٤٩٦:	٧٣٣٤۔
٤٩٨:	٤٩٤، ٩٧٢، ٩٧٣۔
٤٩٩:	١٨٧، ٣٧٦، ٤٩٥، ٥٠١، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔

حدیث نمبر	اطرافه
٥٠٠:	١٥٠، ١٥١، ١٥٢، ٢١٧۔
٥٠١:	١٨٧، ٣٧٦، ٤٩٥، ٤٩٩، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔
٥٠٣:	٦٢٥۔
٥٠٤:	٣٩٧، ٤٦٨، ٥٠٥، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
٥٠٥:	٣٩٧، ٤٦٨، ٥٠٤، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
٥٠٦:	٣٩٧، ٤٦٨، ٥٠٤، ٥٠٥، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
٥٠٧:	٤٣٠۔
٥٠٨:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥٠٩:	٣٢٧٤۔
٥١١:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥١٢:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔

حدیث نمبر	اطرافه
٥١٣:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥١٤:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥١٥:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥١٦:	٥٩٩٦۔
٥١٧:	٣٣٣، ٣٧٩، ٣٨١، ٥١٨۔
٥١٨:	٣٣٣، ٣٧٩، ٣٨١، ٥١٧۔
٥١٩:	٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔
٥٢٠:	٢٤٠، ٢٩٣٤، ٣١٨٥، ٣٨٥٤، ٣٩٦٠۔

كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ

حدیث نمبر	اطرافه
٥٢١:	٣٢٢١، ٤٠٠٧۔
٥٢٢:	٥٤٤، ٥٤٥، ٥٤٦، ٣١٠٣۔
٥٢٣:	٥٣، ٨٧، ١٣٩٨، ٣٠٩٥، ٣٥١٠، ٤٣٦٨، ٤٢٦٩، ٦١٧٦، ٧٢٦٦، ٧٥٥٦۔
٥٢٤:	٥٧، ١٤٠١، ٢١٥٧، ٢٧١٤، ٢٧١٥، ٧٢٠٤۔
٥٢٥:	١٤٣٥، ١٨٩٥، ٣٥٨٦، ٧٠٩٦۔
٥٢٦:	٤٩٨٧۔
٥٢٧:	٢٧٨٢، ٥٩٧٠، ٧٥٣٤۔
٥٢٩:	٥٣٠۔
٥٣٠:	٥٢٩۔
٥٣١:	٢٤١، ٤٠٥، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣٢، ١٢١٤۔
٥٣٢:	٢٤١، ٤٠٥، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣١، ١٢١٤۔
٥٣٣:	٥٣٦۔
٥٣٥:	٥٣٩، ٦٢٩، ٣٢٥٨۔
٥٣٦:	٥٣٣۔
٥٣٧:	٣٢٦٠۔
٥٣٨:	٣٢٥٩۔
٥٣٩:	٥٣٥، ٦٢٩، ٣٢٥٨۔
٥٤٠:	٩٣، ٧٤٩، ٤٦٢١، ٦٣٦٢، ٦٤٦٨، ٦٤٨٦، ٧٠٨٩، ٧٠٩٠، ٧٠٩١، ٧٢٩٤، ٧٢٩٥۔
٥٤١:	٥٤٧، ٥٦٨، ٥٩٩، ٧٧١۔
٥٤٢:	٣٨٥، ١٢٠٨۔
٥٤٣:	٥٦٢، ١١٧٤۔
٥٤٤:	٥٢٢، ٥٤٥، ٥٤٦، ٣١٠٣۔
٥٤٥:	٥٢٢، ٥٤٤، ٥٤٦، ٣١٠٣۔
٥٤٦:	٥٢٢، ٥٤٤، ٥٤٥، ٣١٠٣۔
٥٤٧:	٥٤١، ٥٦٨، ٥٩٩، ٧٧١۔

حدیث نمبر	اطرافه
٥٤٨	٥٥٠، ٥٥١، ٧٣٢٩۔
٥٥٠	٥٤٨، ٥٥١، ٧٣٢٩۔
٥٥١	٥٤٨، ٥٥٠، ٧٣٢٩۔
٥٥٣	٥٩٤۔
٥٥٤	٥٧٣، ٤٨٥١، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦۔
٥٥٥	٣٢٢٣، ٧٤٢٩، ٧٤٨٦۔
٥٥٦	٥٧٩، ٥٨٠۔
٥٥٧	٢٢٦٨، ٢٢٦٩، ٣٤٥٩، ٥٠٢١، ٧٤٦٧، ٧٥٣٣۔
٥٥٨	٢٢٧١۔
٥٦٠	٥٦٥۔
٥٦٢	٥٤٣، ١١٧٤۔
٥٦٤	١١٦، ٦٠١۔
٥٦٥	٥٦٠۔
٥٦٦	٥٦٩، ٨٦٢، ٨٦٤۔
٥٦٨	٥٤١، ٥٤٧، ٥٩٩، ٧٧١۔
٥٦٩	٥٦٦، ٨٦٢، ٨٦٤۔
٥٧١	٧٢٣٩۔
٥٧٢	٦٠٠، ٦٦١، ٨٤٧، ٥٨٦٩۔
٥٧٣	٥٥٤، ٤٨٥١، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦۔
٥٧٥	١٩٢١۔
٥٧٦	١١٣٤۔
٥٧٧	١٩٢٠۔
٥٧٨	٣٧٢، ٨٦٧، ٨٧٢۔
٥٧٩	٥٥٦، ٥٨٠۔
٥٨٠	٥٥٦، ٥٧٩۔
٥٨٢	٥٨٥، ٥٨٩، ١١٩٢، ١٦٢٩، ٣٢٧٣۔
٥٨٣	٣٢٧٢۔
٥٨٤	٣٦٨، ٥٨٨، ١٩٩٣، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٥٨١٩، ٥٨٢١۔
٥٨٥	٥٨٢، ٥٨٩، ١١٩٢، ١٦٢٩، ٣٢٧٣۔
٥٨٦	١١٨٨، ١١٩٧، ١٨٦٤، ١٩٩٢، ١٩٩٥
٥٨٧	٣٧٦٦۔
٥٨٨	٣٦٨، ٥٨٤، ١٩٩٣، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٥٨١٩، ٥٨٢١۔
٥٨٩	٥٨٢، ٥٨٥، ١١٩٢، ١٦٢٩، ٣٢٧٣۔
٥٩٠	٥٩١، ٥٩٢، ٥٩٣، ١٦٣١۔
٥٩١	٥٩٠، ٥٩٢، ٥٩٣، ١٦٣١۔
٥٩٢	٥٩٠، ٥٩١، ٥٩٣، ١٦٣١۔
٥٩٣	٥٩٠، ٥٩١، ٥٩٢، ١٦٣١۔
٥٩٤	٥٥٣
٥٩٥	٧٤٧١۔
٥٩٦	٥٩٨، ٦٤١، ٩٤٥، ٤١١٢۔
٥٩٨	٥٩٦، ٦٤١، ٩٤٥، ٤١١٢۔
٥٩٩	٥٤١، ٥٤٧، ٥٦٨، ٧٧١۔
٦٠٠	٥٧٢، ٦٦١، ٨٤٧، ٥٨٦٩۔
٦٠١	١١٦، ٥٦٤۔
٦٠٢	٣٥٨١، ٦١٤٠، ٦١٤١۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابیات

قرآن کریم

قرآن کریم : اُردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ۔
حقائق الفرقان: تفسیری نکات از حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ۔
تفسیر کبیر: مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ۔

کتب لمتون الحدیث

صحیح البخاری: ۱. احمد بن علی بن حجر العسقلانی – **فتح الباری** –
مطبوعه دار السلام الریاض – الطبعة الاولیٰ –۲۰۰۰ء
۲. احمد بن علی بن حجر العسقلانی – **فتح الباری** –
المطبعة الأمیریة ببولاق بمصر – ۱۳۰۱ھ
۳. محمد بن اسماعیل بخاری – **صحیح البخاری** –
قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی۔۱۳۵۷ھ
۴. بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی – **عمدة القاری** –
داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری –
دارالسلام۔ الریاض۔ الطبعة الاولیٰ۔۱۹۹۸ء
جامع ترمذی: ابو عیسیٰ محمد بن عیسی بن سورة الترمذی –
دار السلام۔ الریاض۔ الطبعة الاولیٰ۔ ۱۹۹۹ء
سنن ابی داؤد: ابو داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی الأزدی –
دار السلام ۔ الریاض۔ الطبعة الاولیٰ۔ ۱۹۹۹ء
سنن نسائی: ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی –
دارالسلام ۔ الریاض۔ الطبعة الاولیٰ۔ ۱۹۹۹ء

سنن ابن ما جه: ابو عبد اللّٰہ محمد بن یزید القروینی–
دار السلام- الریاض- الطبعة الاولیٰ- ۱۹۹۹ء

مؤطا امام مالک: مالك بن انس–
دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۵ء

مسند احمد بن حنبل: احمد بن حنبل–
دار الفکر العربی

المستدرک علی الصحیحین: ابو عبد اللّٰہ الحاکم النیسابوری–
دارالمعرفة بیروت-لبنان- الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۶ء

مصنف ابن ابی شیبه: ابو بکر عبد اللّٰہ بن محمد بن ابی شیبة الکوفی–
مکتبة الرشید الریاض، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۰۹ھ

مصنف عبدالرزاق: ابو بکرعبد الرزاق بن ہمام الصنعانی–
المکتب الاسلامی بیروت-الطبعة الثانیة، ۱۴۰۳ھ

مسند ابوداؤد الطیالسی: سلیمان بن داود الفارسی البصری الطیالسی–
دار المعرفة بیروت- لبنان-

المراسیل لابی داؤد: سلیمان بن الأشعث السجستانی ابو داود–
مؤسسة الرسالة بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

المقاصد الحسنة: محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی–
دارالکتب العلمیة بیروت- الطبعة الاولیٰ، ۱۳۹۹ھ– ۱۹۷۹ء

شمائل المحمدية والخصائل المصطفويه: ابو عیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی–
مکتبة نزار مصطفیٰ الباز- الریاض- الطبعة الثانیة- ۱۹۹۸ء

شعب الایمان: ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی –
دار الکتب العلمیه بیروت، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۱۰ھ

سنن الکبریٰ: احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابو بکر البیهقی–
مکتبة دارالباز مکة المکرمة، ۱۹۹۴ء

کتب لشرح الحدیث وعلوم الحدیث

ھدی الساری مقدمة فتح الباری: احمد بن علی بن حجر العسقلانی–
مطبوعه دارالسلام الریاض، الطبعة الاولیٰ –۲۰۰۰ء
فتح الباری شرح صحیح البخاری: احمد بن علی بن حجر العسقلانی–
مطبوعه دارالسلام الریاض، الطبعة الاولیٰ –۲۰۰۰ء
فتح الباری: احمد بن علی بن حجر العسقلانی–
المطبعة الأمیریة ببولاق بمصر– ۱۳۰۱ھ
عمدة القاری: بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی–
داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
شرح صحیح البخاری للکرمانی: محمد بن یوسف بن علی الکرمانی–
المطبعة المصریة ـ الطبعة الاولیٰ ـ ۱۹۳۲ء
ارشاد الساری: شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی–
المطبعة الکبریٰ الامیریة ببولاق مصرـالطبعة السادسة ۱۳۰۴ھ
رساله شرح تراجم ابواب صحیح البخاری: شاه ولی اللّٰه محدّث دہلوی–(فی بدء صحیح البخاری)
قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی ـ۱۳۵۷ھ
شرح سنن لابن ماجه: جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی– (فی حاشیة سنن ابن ماجه)
المطبع العلیمی بدہلی ـ
التقریب للنووی: محي الدین یحي بن شرف النووی– (فی متن تدریب الراوی)
المکتبة العلمیه بالمدینة المنورة، الطبعة الثانیة، ۱۹۷۲ء
تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی: جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی–
المکتبة العلمیه بالمدینة المنورة، الطبعة الثانیة، ۱۹۷۲ء
الإصابه فی تمییز الصحابه: احمد بن علی بن حجر العسقلانی–
دار الجیل ـ بیروت ـ الطبعة الاولیٰ ـ۱۹۹۲ء ـ
اسد الغابة: علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم المعروف بابن الأثیر–
دار أحیاء التراث العربی ـ بیروت لبنان ـ

کتب و ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

براہینِ احمدیہ حصہ دوم: روحانی خزائن-جلدا
آئینہ کمالاتِ اسلام: روحانی خزائن-جلد۵
تحفہ گولڑویہ: روحانی خزائن-جلد۱۷
حقیقۃ الوحی: روحانی خزائن-جلد۲۲
سرمہ چشم آریہ: روحانی خزائن-جلد۲
اسلامی اصول کی فلاسفی: روحانی خزائن-جلد۱۰
کشتی نوح: روحانی خزائن-جلد۱۹
ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام:

الکتب الأخریٰ

فصل الخطاب: حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ-
اسلام میں اختلافات کا آغاز: حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ-انوار العلوم جلد۴
سیرۃ المہدی: حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ (ایم اے)-بکڈپو تالیف واشاعت قادیان-ایڈیشن اول -1939ء
تاریخ احمدیت: مولانا دوست محمد شاہد صاحب- ادارۃ المصنفین ربوہ-۱۹۶۵ء
حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ: احمد طاہر مرزا- طبع اول-
انبیاء کی آسمانی بادشاہت اور اس کی تکمیل مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے: تقریر حضرت سیّد زین العابدینؓ (جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۱ء)

کتب الفقہ و التاریخ و اللغات

بداية المجتهد ونهاية المقتصد: محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد-
فاران اکیڈمی- اردو بازار لاہور-
الطبقات الكبرىٰ: محمد بن سعد بن منيع الزہری-
دار احياء التراث العربی بيروت لبنان-الطبعة الاولىٰ- ۱۹۹۶ء
تاريخ الامم والملوک: ابو جعفر محمد بن جرير الطبری-
دار الفكر بيروت- لبنان- الطبعة الاولىٰ- ۱۹۸۷ء
زاد المعاد: لابن قيم- (بهامش شرح الزرقانی لمواہب اللدنية)
دار المعرفة بيروت لبنان- ۱۹۹۳ء
المواهب اللدنيه بالمنح المحمدية: احمد بن محمد القسطلانی-
المكتب الاسلامی- الطبعة الاولىٰ- ۱۹۹۱ء
بلوغ الارب فی معرفة أحوال العرب: محمود شكری الالوسی البغدادی-
دار الكتب العربی بمصر- الطبعة الثالثه-
النهاية فی غريب الحديث والأثر: المبارك بن محمد بن محمد بن عبد الكريم المعروف بابن الأثير-
دار احياء التراث العربی- بيروت لبنان- الطبعة الاولىٰ- ۲۰۰۱ء

لسان العرب: محمد بن مکرم بن علی بن احمد جمال الدین ابو الفضل الشہیر بابن المنطور)
ا۔ دار احیاء التراث العربی۔ الطبعة الاولیٰ ۔۱۹۸۸ء
۲۔ الدار المصریة بالقاہرہ۔

اقرب الموارد: سعید الخوری الشرتونی اللبنانی۔
منشورات مکتبة آیة اللّٰہ العظمی۔ ایران۔

المنجد فی اللغة: الاب لویس معلوف الیسوعی۔
المطبعة الکاثولیکیة بیروت۔الطبعة الخامسة عشرة۔ ۱۹۵۶ء

المنجد مترجم: باہتمام خلیل اشرف عثمانی۔
دارالاشاعت۔مولوی مسافر خانہ کراچی نمبرا۔طبع یازدہم۔۱۹۹۴ء

لغات الحدیث: علامہ وحید الزمان۔
نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب۔آرام باغ کراچی۔

اردو لغت: اردو لغت بورڈ۔کراچی۔ ایڈیشن اول۔

متفرق کتب

بائیبل: ا۔ کتاب مقدس (یعنی پرانا اور نیا عہدنامہ) برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی-انار کلی لاہور- ۱۹۲۲ء
۲۔کتاب مقدس (یعنی پرانا اور نیا عہدنامہ) پاکستان بائبل سوسائٹی-انار کلی لاہور- ۱۹۹۳ء

History of the Decline and the fall of the Roman Empire
Author:Edward Gibbon, Esq. With notes by the Rev. H. H. Milman
1845 (Revised Edition)

Encyclopedia of Religion and Ethics
Edited by: James Hastings. Vol:8 1974 AD
publish by: T&T Clark Limited Edinburgh.
printed by: T&A Constable Limited Great Britain

Islam to Christianity
Author: John Machleisen Arnald D.O.

✡✡✡✡✡✡